
حب ناولز
الحمد سے والناس
از قلم امیمہ شفیق قریشی

یہ کہانی ہے مختلف کرداروں کی

ایک ایسی لڑکی کی جو منطقی باتوں پر یقین رکھتی ہے

جسے آخرت، جنات اور فرشتوں پر یقین نہیں....

ایک ایسے شخص کی جس نے اپنا مذہب تبدیل کر لیا ہے

یہ کہانی ہے ایک ایک معصوم اپسرا کی

اور ایک ایسے شخص کی جس کی ذہانت کا کوئی جواب نہیں....

یہ کہانی ہے الحمد سے والناس تک کے سفر کی

# پیش نظر

"الحمد سے والناس کا سفر کبھی ختم نہیں ہوتا بس وقت کے ساتھ ساتھ مسافر تبدیل ہوتے رہتے ہیں"
الحمد سے والناس میری لکھی گئی تیسری تحریر ہے۔ یہ کہانی بہت سے کرداروں کے گرد گردش کرتی ہے۔ اس کہانی میں آپ ان کی زندگی میں آنے والی مشکلات اور خوشیوں کا جائزہ لیں گے۔
آج سے کچھ عرصہ پہلے میرے ذہن کے پردے پر اس کہانی کا خاکہ ابھرا تھا جسے میں نے کافی سوچ بچار کے بعد کورے کاغذ پر اتار دیا تھا مگر نجانے کیوں اس خاکے میں مجھے ہمیشہ ایک کمی سی محسوس ہوئی تھی۔ اس وقت کہانی کا نام بھی میں نے کچھ اور سوچا تھا۔ کچھ وقت گزرنے کے بعد ایک دن میں نے خود سے سوال کیا کہ "آخر اس کہانی کو پڑھنے والا کیا کچھ نیا سیکھ سکے گا؟"
جواب فوراً سے آیا تھا اور وہ جواب تھا "نہیں!"
میں نے پھر اس کہانی پر نئے سرے سے کام کرنا شروع کیا اور آج یہ تحریر آپ سب کے سامنے ہے۔
پہلے میں نے اس تحریر کو مذہب سے بہت رکھا ہوا تھا مگر بعد میں مجھے احساس ہوا کہ مجھے اس میں زیادہ نہیں مگر کچھ مذہبی پہلو تو لکھنے ہی چاہئیے۔
ایسا نہیں ہے کہ اس کہانی کو پڑھ کر آپ "الحمد سے والناس" کے سفر کے مسافر بن جائیں گے۔ ہر گز نہیں.... لیکن ایک چیز ہے جسے ہم "کوشش" کہتے
ہیں۔ تو آئیں مل کر ایک کوشش کرتے ہیں۔
آپ سب کی کی رائٹر **"امائمہ شفیق قریشی"**
دعاؤں میں یاد رکھیں گا۔

# مکمل ناول

عصر کے وقت تقریبا مطلع صاف تھا۔افق سے بادل اب جھٹ چکے تھے۔برسات کی وجہ سے درخت زمرد رنگ کے دکھائی دے رہے تھے۔ہیرے کی طرح جگمگاتی پانی کی لڑیاں
گھاس پر بکھر گئی تھی۔
وہ مغرور چال چلتا اس صاف شفاف میدان سے گزر رہا تھا۔اس کے پیچھے دو اور لوگ تھے۔جو جھکے ہوئے سر کے ساتھ نہایت تابعداری سے اس کے قدموں کی پیروی کر رہے تھے۔اس کے ساتھ قدم ملا کر چلنے کی نا تو کسی میں جرات تھی اور نا ہی وہ کسی کو اپنے ساتھ چلنے کی اجازت دیتا تھا۔
تھوڑا آگے جا کر اس کے قدم رکے تھے۔پیچھے موجود ایک شخص نے فورا گھاس پر جھکتے بٹن دبایا تھا۔راستہ کھل چکا تھا۔اب دوسرے نے فورا بھاگتے ہوئے راستے سے سارے
کانٹے اور جھاڑیاں ہٹائی تھیں۔آنکھوں پر سے گوگلز ہٹائے وہ تیزی سے اس تہ خانے کے اندر داخل ہوا تھا،اس بات کی پرواہ کیے بغیر کہ وہ اپنے بوٹوں سے اپنے گارڈ کا ہاتھ بری طرح مسل چکا ہے۔اب وہ تنی ہوئی گردن کے ساتھ زینے پھلانگتا نیچے اتر رہا تھا۔وہ دونوں شخص بھی فورا اس کے پیچھے گئے تھے۔ان کی ٹریننگ اس قدر سخت تھی کہ وہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر درد محسوس نہیں کرتے تھے۔اور وہ مغرور شہزادہ اپنے سامنے کسی کو کراہنے کی اجازت کہاں دیتا تھا۔

دن کا وقت ہونے کے باوجود بھی اس تہ خانے میں رات کا منظر تھا۔ ہر طرف تاریکی اور سناٹا چھایا ہوا تھا۔ سیڑیوں سے راہداری کے راستے میں بیش قیمتی کالین بچھا ہوا تھا۔ راہداری کو مشعلوں سے روشن کیا گیا تھا۔ دیواروں پر

مختلف اور قدیم طرز کے نقوش بنے ہوئے تھے۔ یہ جگہ قدیم اور کافی پرانی تھی۔ یہ سارا علاقہ ان کے زیر استعمال تھا۔ یہاں ان لوگوں کے علاوہ کسی شخص کا آنا ناممکن تھا۔ اس میدان میں قدم رکھنا فرشتہ اجل کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔

یہاں خفیہ جگہ صدیوں پرانی تھی۔ وقت کے ساتھ ساتھ یہاں کافی تبدیلیاں کی گئی تھیں مگر آج بھی یہ جگہ ان کے کالے کارناموں کا اڈا تھی۔

اس تہ خانے میں بہت لوگوں کی سسکیاں اور آہیں دفن تھیں۔

کوٹ کا بٹن کھولتے وہ شاہانہ چال چلتے راہداری سے گزر رہا تھا۔ کالے رنگ کے پینٹ کوٹ میں ملبوس، سفید رنگ کی شرٹ کے اوپر کالے رنگ کی ٹائی لگائے وہ کسی سلطنت

کا شہزادہ لگ رہا تھا۔ تیکھے نقوش، کھڑی ناک، سیاہ مگر سرد مہر آنکھیں، کسرتی جسامت...

وہ کسی کو بھی چت کرنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔

راہداری میں اس کے گارڈ ہاتھ باندھے، نظریں جھکائے کھڑے تھے۔ یہ ادب تھا یا خوف... لیکن یہ ان کا معمول تھا۔ وہ جب بھی یہاں آتا تھا تو ہر دل ہی کانپ اٹھتا تھا کیونکہ اسکی سفاکی اور بے رحمی سے سب ہی اچھی طرح واقف تھے۔

تھوڑا آگے جاتے اس کے قدم رکے تھے۔ اس کے جوتوں کی چھاپ رکتے ساتھ ہی ہر دل لرز گیا تھا۔ اس کا اس طرح یوں رکنا کسی قیامت سے کم نہیں تھا۔ اس نے وہی کھڑے سر کو ہلکی سی جنبش دیے اپنے پیچھے

موجود شخص کو اشارہ کیا تھا، جس پر اس شخص نے فوراً گن نکال کر لوڈ کیے نہایت ادب سے اس مغرور شہزادے کے سامنے پیش کی تھی۔ گن کے لوڈ ہونے کی آواز ہر طرف گونجی تھی۔ وہاں موجود سب افراد نے اپنے قدم فرش پر مضبوط کر لیے تھے۔اب کسی کے ساتھ کچھ بھی ہو سکتا تھا۔

سامنے دیکھتے اس نے ہاتھ میں گن پکڑے سائیڈ پر کھڑے ایک گارڈ کے پاؤں پر ماری تھی۔

"ٹھاہ...!" گولی کی آواز سے ایک خوف وہراس کی کیفیت پیدا ہوئی تھی۔اس نے نشانہ اس گارڈ کی طرف دیکھے بغیر لیا تھا۔وہ اس کام میں ماہر تھا۔بغیر دیکھے بھی وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اسے کسے اور کہاں گولی مارنی ہے۔

راہداری میں ایک بار پھر قدموں کی آواز گونجی تھی۔وہ قدم قدم چلتا اس گارڈ کے بالکل سامنے آر کا تھا۔

اس گارڈ کے پیر سے خون فوارے کی طرح چھوٹ کر زمین پر گر رہا تھا مگر اس سب کے باوجود بھی وہ سر جھکائے نہایت ادب سے کھڑا تھا۔اس کے چہرے پر درد کا کوئی
تاثر نہیں تھا۔

دو منٹ اپنے گارڈ کے پاس کھڑے ہونے کے بعد اس نے اپنے بوٹ کو بہت زور سے اس کے بوٹ کے اوپر رکھا تھا۔خون اس بار اپنے پورے پریشر سے بہہ کر باہر فرش پر گر رہا تھا۔

"آج کے بعد جب میرے ادب میں کھڑے ہو تو دونوں پیر برابر رکھنا...." اس کے کان کے پاس سرد سرگوشی کرتے وہ تیزی سے آگے بڑھا تھا۔اس کے گزرنے تک وہاں خاموشی چھائی ہوئی تھی، قبرستان جیسی خاموشی...

اس بات کا یقین کرتے کہ وہ وہاں سے جا چکا ہے، سب کی ہی جان میں جان آئی تھی۔

وہ گارڈ درد سے کراہتا ہوا فرش پر بیٹھ گیا تھا۔اس سفاک شہزادے کے سامنے کراہنے کا مطلب صرف موت تھا،دردناک موت...

ان میں سے کسی کو بھی موت کا خوف نہیں تھا مگر جس انداز سے وہ موت دیتا تھا،سب ہی اس شیطان سے پناہ مانگتے تھے۔

ایک کمرے کے باہر رکتے ہی ایک شخص دوڑتا ہوا اس تک آیا تھا۔نہایت احترام سے اس کے پیروں سے جوتے اتارے اس
نے نئے جوتوں کا ایک سیٹ سامنے رکھا تھا جسے اس نے ناگواری سے پہنا تھا۔جوتے پہننے کا کام وہ خود ہی کرتا تھا۔

"سر!"اس سے پہلے کہ پیچھے موجود گارڈ اس کے لیے کمرے کا دروازہ کھولتے،ایک شخص اندر سے دروازہ کھولتے باہر آیا تھا۔اپنے سامنے اپنے مالک کو دیکھ اس نے سر جھکائے ادب سے اس کی خدمت میں سلام پیش کیا تھا۔

"کیا بتایا اس نے۔۔؟"بھاری گھمبیر آواز تہ خانے کی در و دیوار سے ٹکرائی تھی۔

"کک...کچھ نہیں...!"ماتھے پر شکنیں ابھری تھیں۔آنکھیں قہر برسانے لگی تھیں۔

"تم یہ کہہ رہے ہو کہ وہ کل رات سے یہاں پر موجود ہے اور اس نے ابھی تک زبان نہیں کھولی؟"وہی سرد اور سفاک لہجہ...

"ہم!ہم نے بہت ٹارچر کیا مگر...!"اٹکی سانس کو بحال کرتے ابھی جارج نے جملہ مکمل بھی نہیں کیا تھا کہ بلیک مونسٹر نے اسے گردن سے دبوچے اس کا سر دیوار
میں دے مارا تھا۔

"کیا فائدہ تم جیسے نکموں کی فوج کا، جب ایک شخص کی زبان ہی نہیں کھلوا سکتے....؟" وہ اب پہ در پہ اس کا سر دیوار میں مار رہا تھا۔ اس شخص کا ماتھا، ہونٹ اور ناک خونم خون ہو چکے تھے مگر دوسری طرف سفاکی کی انتہا تھا۔ رحم نام کا لفظ تو اس شخص کی ڈکشنری میں ہی نہیں تھا۔

تقریباً سات منٹ کے بعد بلیک مونسٹر نے اسے چھوڑا تھا۔ وہ آدھ مری سی حالت میں زمین پر ڈھے گیا تھا۔ ظالم شہزادے

نے اپنا بوٹ بہت زور سے اس کے چہرے پر رکھا تھا۔ وہ تڑپتا، سسکتا اسے خود سے دور کرنے کی کوشش کر رہا تھا مگر بلیک مونسٹر کے آگے ساری مزاحمتیں بے کار تھیں۔

اس شخص کی آخری سانس لینے کے بعد اس نے اپنے بوٹ سے اسے ٹھوکر مار کر پرے دھکیلا تھا۔

"آخر کب تک اپنے ہی لوگوں کو اس طرح سزا دیتے رہو گے؟" جیمز جو ابھی وہاں پہنچا تھا، اپنے سامنے اس قدر اہم بندے کو مردہ دیکھ اس نے افسوس سے کہا تھا۔

"میں نے سزا نہیں آزادی دی ہے۔ اگر سزا دینی ہوتی تو اسے زندہ رکھتا۔" نفرت سے اس کی لاش کو ٹھڈا مارتے وہ آگے بڑھا تھا۔

"نئے جوتے لے کر آؤ۔" ایک آدمی کو کہتے جیمز نفی میں سر ہلاتے بلیک مونسٹر کے پیچھے گیا تھا۔ وہ باقی سب کی نسبت اس اکھڑ مزاج شخص سے کافی قریب تھا جس وجہ سے وہ اس سے کھل کر بات کرنے کی جسارت کر سکتا تھا مگر اس کا انحصار بھی بلیک مونسٹر کے موڈ پر تھا۔ وہ کبھی اسے عرش پر بٹھا دیتا تھا تو کبھی فرش پر لا پٹختا تھا۔

"میرے خیال سے وہ شاہین ہی ہے۔" اس کے پیچھے چلتے جیمز نے اپنے خیالات کا اظہار کیا تھا۔

"شاہین اتنا بے وقوف نہیں ہے کہ میرے گھر تک ہی پہنچ جائے۔" بلیک مونسٹر نے اس کی بات ہوا میں اڑائی تھی۔

"ہو سکتا ہے یہ اس کی کوئی چال ہو یا پھر یہ سب اس نے یہاں تک پہنچنے کے لیے کیا ہو۔" ایک دیوار پر سے پینٹنگ ہٹائے جیمز نے بٹن دبایا تھا۔ دیوار دو حصوں میں تقسیم ہو گئی تھی۔

"اگر ایسا ہے تو پھر اس نے خود پر اور ائی۔ ایس۔ ائی والوں پر بہت بڑا ظلم کیا ہے۔" بلیک مونسٹر نے تمسخرانہ ہنستے ہوئے قدم آگے بڑھائے تھے۔ دونوں کے درمیان وقتاً فوقتاً کوئی نا کوئی بات ہوتی رہی تھی۔ یہاں سے جیل تک کا سفر کافی لمبا تھا۔ یہ تہ خانہ جتنا قدیم تھا اتنا ہی بڑا اور پیچیدہ تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے یہ ایک بھول بھلیا ہو۔ ہر دروازے کے پیچھے ایک اور راستہ، ہر راستے کے آگے ایک نیا سفر... یہاں پر ایک الگ دنیا قائم تھی، ظلم اور جبر کی دنیا... اس دنیا کا مالک ایک ظالم اور مغرور شہزادہ تھا۔ سب اسے بلیک مونسٹر کے نام سے جانتے تھے۔

تھوڑا آگے جاتے اس کا فون وائبریٹ ہوا تھا۔

جیب سے فون نکالے اس نے سکرین کی جانب دیکھا تھا۔ اس کے لب مسکراہٹ میں ڈھلے تھے۔ جیمز نے بغور اس کے چہرے کا جائزہ لیا تھا۔ وہاں کوئی غصہ، کوئی سرد مہری
نہیں تھی۔

"میم کی کال ہے؟" وہ اس کی ذاتی زندگی میں دخل نہیں دیتا تھا اور نا ہی بلیک مونسٹر اسے اس بات کی اجازت دیتا تھا مگر اس بار نجانے کیوں وہ خاموش نہیں رہ سکا تھا۔

موبائل کی سکرین سے نظر ہٹائے اس نے اپنے بائیں ہاتھ کی طرف دیکھا تھا۔ جیمز کی سانس وہی رک گئی تھی۔ اس

کی پیشانی لمحے بھر میں پسینے سے تر ہوئی تھی۔

"نہیں! صرف ایک ریمائینڈر تھا۔ آج اس کی سالگرہ ہے نا....!"

مسکرا کر ایک بار پھر موبائل کی سکرین کو محبت پاش نگاہوں سے دیکھتے اس نے فون واپس کوٹ کی جیب میں رکھا تھا۔

"پھر تو آپ کو اس وقت ان کے پاس ہونا چاہیئے۔" جیمز کے کندھوں سے جیسے بوجھ اترا تھا۔ صد شکر کہ اس مغرور شخص نے برا نہیں منایا تھا ورنہ ابھی تک وہ اس کا سر دیوار پہ مار چکا ہوتا۔

وہ خاموشی سے آگے بڑھ گیا تھا یعنی جیمز کے سوال کی اس کی نظر میں کوئی وقعت نہیں تھی۔ جیمز نے بھی کوئی اور سوال پوچھنے کی غلطی ہر گز نہیں کی تھی۔

اپنی جان جہاں کا ناراض اور پھولا ہوا چہرہ یاد کرتے اس کے لب ایک بار پھر مسکرائے تھے۔ آج کا سارا دن انہیں ساتھ گزارنا تھا لیکن مصروفیت کے باعث ایسا ممکن نہیں ہو سکا تھا۔ مگر آج رات وہ ایک یادگار رات بنانا چاہتا تھا جس کا سارا انتظام وہ پہلے ہی کر چکا تھا۔

"یہ کیا کر رہی ہو تم...؟" اس کے سینے پر سر رکھے وہ مسلسل اس کے موبائل پر مصروف تھی۔

"میری سالگرہ آنے والی ہے۔" اس نے ڈیٹ کے ساتھ ریمائینڈر بھی سیٹ کیا تھا۔

"میں جانتا ہوں۔" اس کی کمر کے گرد بازو حمائل کرتے اس نے نین کو خود سے مزید قریب کیا تھا۔

"تم بھول جاؤ گے۔" موبائل اس کی جانب بڑھائے اس نے پر اعتماد لہجے میں کہا تھا۔

"اپنی نین کی سالگرہ میں کیسے بھول سکتا ہوں؟" اپنے سینے پر سے اس کا سر ہٹائے اس نے بہت محبت سے اس کا سر تکیے پر رکھا تھا۔ اب وہ فرصت سے اس کے چہرے کو حفظ کر رہا تھا۔

"نا بھی بھولو تب بھی کوئی نا کوئی کام یاد آ جائے گا تمہیں۔" اس نے آنکھیں گھمائے شکوہ کیا تھا۔

"ٹھیک ہے تو پھر میں وعدہ کرتا ہوں، تمہاری سالگرہ کا سارا دن ہم ساتھ گزاریں گے۔اور میں اس دن کو تمہارے لیے یادگار بنادوں گا۔ تم چاہ کر بھی کبھی نہیں بھول پاؤ گی۔"

عمر نے جذبات سے چور انداز میں اس کے ماتھے پر اپنی محبت کی مہر ثبت کی تھی۔

اس کا نرم گرم لمس محسوس کرتے نین شرما گئی تھی۔

جیل کے سامنے پہنچتے جیمز نے لاکر کھولا تھا۔بلیک مونسٹر نے ایک طائرانہ نظر اس خالی جیل پر ڈالی تھی۔

"اجازت ہے۔۔۔؟"جیمز نے سر جھکائے اجازت طلب کی تھی۔اس مغرور شہزادے نے سر کو ہلکا سا خم دیے اسے اجازت دے دی تھی۔

جیمز نے کچھ دیر ٹٹولنے کے بعد ایک جلتی مشعل کو الٹا کیا تھا۔ایک مخصوص جگہ پر اپنا انگوٹھا لگائے جیمز تھوڑا پیچھے ہٹا تھا۔دیوار ایک بار پھر دو حصوں میں تقسیم ہوئی تھی۔بلیک مونسٹر کے اندر داخل ہونے کے بعد جیمز بھی اندر داخل ہوا تھا۔

کرسی پر نیم بیہوشی کی حالت میں پڑے شخص کو دیکھ وہ نخوہت سے ہنسا تھا۔

پاس پڑی کرسی کو گھسیستے وہ اس کے سامنے آکر بیٹھا تھا۔اس بند کمرے میں بہت سے ہتھیار پڑے تھے۔وہاں بھی بہت سے گارڈز ہاتھ باندھے کھڑے تھے۔

اس نے ہاتھ کے اشارے سے ایک گارڈ کو اپنے پاس بلایا تھا۔تابعداری کا مظاہرہ کرتے گارڈ نے پاس پڑا پانی کا گلاس اس

نیم بیہوش شخص کے منہ پر الٹادیا تھا۔یخ ٹھنڈے پانی کے منہ پر پڑتے ہی اس نے جھٹ سے آنکھیں کھولی تھیں۔

"زیادہ وقت نہیں ہے میرے پاس۔بس چند سوالوں کے جواب چاہیئے۔"اس شخص نے سو جھی آنکھوں سے بامشکل سامنے بیٹھے شخص کو پہچاننے کی کوشش کی تھی۔

اسے کل رات سے اتنا ٹارچر کیا گیا تھا کہ وہ اب ایک انگلی ہلانے کی سکت بھی نہیں رکھتا تھا۔

"دو منٹ ہیں تمہارے پاس...سب کچھ اگل دو۔وعدہ کرتا ہوں انعام کے طور پر تمہیں موت دے دوں گا۔"ٹانگ پر ٹانگ جمائے اس نے اجلت سے اپنے ہاتھ میں موجود ریسٹ واچ

کی طرف دیکھا تھا۔

"میں....میں بس....ایک سٹوڈنٹ ہوں۔مجھے کک...کچھ نہیں پتا۔" گلے سے پھنسی پھنسی سی آواز نکلی تھی۔وہ

اس کی بات پر دھیان دیے بغیر مسلسل گھڑی کی چلتی سوئیوں کو دیکھ رہا تھا۔اسے اب اس کی زبان سے کوئی سروکار نا تھا اسے اب بس اپنے دیے گئے وقت کے گزرنے کا انتظار تھا۔

ٹھیک دو منٹ بعد اس نے ایک بار پھر اپنے گارڈ کو اشارہ کیا تھا۔گارڈ نے اپنے مالک کا حکم بجالاتے اس شخص کا ہاتھ ٹیبل پر رکھا تھا۔ٹیبل کے ایک طرف وہ شخص تھا تو دوسری طرف بلیک مونسٹر...

"چلو ایک کھیل کھیلتے ہیں۔"اپنے کوٹ کی اندرونی جیب سے ایک تیز دھار چاقو نکالتے اس نے مسکرا کر کہا تھا۔سامنے بیٹھے شخص کی سانس سوکھ گئی تھی۔اس نے حرکت کرنے کی کوشش کی تھی مگر اس کے جسم نے اس کا ساتھ نا دیا تھا۔

"فکر مت کرو میں اس کھیل میں ماہر ہوں۔"اس شخص کی آنکھوں میں خوف دیکھ کر وہ اچھا خاصا محظوظ ہوا تھا۔

اب وہ بہت آہستگی سے اس کے ہاتھ کی انگلیوں کے درمیان سے چاقو گزار رہا تھا۔آہستہ آہستہ اس کے ہاتھوں کی رفتار
تیز ہوتی جارہی تھی۔اس شخص نے بے بسی سے آنکھوں ہی آنکھوں میں التجا کی تھی۔بلیک مونسٹر نے ایک تیکھی
مسکراہٹ اس کی جانب اچھالے ایکدم ہی چاقو پوری قوت سے اس کے ہاتھ میں کھبو دیا تھا۔چاقو اس کے ہاتھ سے سفر کرتا میز سے آر پار ہوا تھا۔

"آہ....."ایک دردناک چیخ تہ خانے میں گونجی تھی۔

اس مغرور شہزادے نے ایک بار پھر اشارہ کیا تھا۔اس کا اشارہ سمجھتے اس گارڈ نے اس کے سامنے ایک شیشی لا کر رکھی تھی۔کرسی پر بیٹھا شخص اس کی اگلی کاروائی
سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔اس ظالم شخص کی مسکراہٹ اسے بہت کچھ سمجھا رہی تھی۔وہ ہنستا نہیں تھا،اس کے چہرے پر ہمیشہ سنجیدگی ہی ہوتی تھی مگر جب سے نین اس کی زندگی میں آئی تھی اس کی زندگی کافی حد تک تبدیل ہو چکی تھی۔

"ویسے یہ میرے اصولوں کے خلاف ہے لیکن پھر بھی تمہیں آخری موقع دیتا ہوں۔"اس نے شیشی کا ڈھکن ہٹائے قہر برساتی آنکھوں سے کہا تھا۔

"نام کیا ہے تمہارا؟"اس کے ہاتھ کی سب سے چھوٹی انگلی کے ناخن پر تھوڑا سا تیزاب ڈالتے سنجیدگی سے پوچھا گیا تھا۔ایک بار پھر چیخیں گونجی تھیں۔دردناک چیخیں.....

اس شخص کا ہاتھ بہت بری طرح میز میں پیوست تھا۔وہ ہاتھ نہیں ہلا سکتا تھا۔

"میرے گھر کیا کرنے آئے تھے؟"اس کی دوسری انگلی کے ناخن پر تھوڑا سا تیزاب ڈالتے اگلا سوال کیا گیا تھا۔ جیمز ایک سائیڈ پر کھڑا اس شخص کی قسمت پر افسوس کر

رہا تھا۔ اگر وہ پہلے منہ کھول دیتا تو پھر بھی سکون کی موت نصیب ہوتی مگر اب....اب اسے موت نہیں زندگی ملنے والی تھی، بلیک مونسٹر کی دی ہوئی زندگی....موت سے بھی بدتر زندگی....

"کس کے لیے کام کرتے ہو؟"اس کے چیخنے چلانے کی پرواہ کیے بغیر مغرور شہزادے نے اس کے تیسرے ناخن کو نشانہ بنایا تھا۔

"آئی۔ایس۔آئی کے لیے۔۔۔؟"چوتھی انگلی کے ناخن کو جھلسایا گیا تھا۔ تیزاب گرنے کی وجہ سے اس کا ناخن موم کی طرح پگھل کر گر رہا تھا۔

"یا پھر را کے لیے۔۔۔؟"آخری انگلی پر تیزاب گراتے بلیک مونسٹر نے آخری سوال کیا تھا۔ وہ درد سے چیختا چلاتا ہوش و ہواس سے بیگانہ ہو چکا تھا۔

"تین گھنٹے بعد اس کے دوسرے ہاتھ کے ساتھ بھی یہی کھیل کھیلنا۔"جیمز کو آڈر دیے وہ وہاں سے اٹھا تھا۔

"دھیان رہے کہ اس وقت یہ پورے ہوش و ہواس میں ہو۔"جیمز نے ادب سے سر جھکایا تھا۔

---

وہاں سے باہر نکلتے اب اس کا رخ انچارج روم کی طرف تھا۔ وہاں ان کے سارے کالے کارناموں کا ریکارڈ درج تھا۔ سارے اکاؤنٹس کو وہیں سے ہینڈل کیا جاتا تھا۔

موبائل کے ایک بار پھر وائبریٹ ہونے پر اس کے قدم رکے تھے۔

"یہ لڑکی بھی نا....!"اب کی بار اس نے موبائل سے سارے ریمائنڈرز ہٹائے تھے۔

نین نے نجانے کتنے ریمائنڈز سیٹ کیے تھے۔ وہ ہرگز نہیں چاہتی تھی کہ عمر اس کی سالگرہ بھولے۔

"میں تمہیں سارے گھر میں ڈھونڈھ رہا ہوں اور تم یہاں بیٹھی ہو۔" اپنا کوٹ کرسی پر رکھتے وہ اس کے پاس جھولے پر بیٹھا تھا۔ وہ ٹیرس پر گول بڑے سائز کے جھولے پر اپنا فراک پھیلائے ٹانگیں اوپر کیے بیٹھی بہت سکون سے نیک پینٹ لگا رہی تھی۔

"اٹھو یہاں سے، تم اسے توڑ دو گے۔" اس نے بہت زور سے اپنا پیر عمر کو مارا تھا۔

"نین....!" عمر نے اسے سخت گھوری سے نوازا تھا۔ اسے نین کی یہ حرکت بالکل پسند نا آئی تھی۔

"کیا نین....؟ اتنے موٹے ہو تم، میرا جھولا ٹوٹ جائے گا۔" نین نے منہ پھلائے اسے بھی گھوری سے نوازا تھا۔

"میں موٹا نہیں ہوں، اور تم نے دوبارہ اس طرح پیر چلائے نا تو میں تمہارے یہ پیر کاٹ دوں گا۔" اس کے پیروں کو اپنے ہاتھوں کی انگلیوں سے سہلاتے عمر نے سنجیدگی سے کہا تھا۔

"میں تمہارے ہاتھ کاٹ دوں گی اگر تم نے بری نگاہوں سے میرے پیروں کی طرف دیکھا بھی تو۔۔۔!" اپنے پیر سمیٹتے وہ پھر سے نیل پینٹ لگانے میں مصروف ہو گئی تھی۔

"لاؤ میں لگا دیتا ہوں۔" عمر نے اس کا ہاتھ تھامتے پاس پڑی نیل پینٹ اٹھائی تھی۔ فلحال وہ اس سے لڑنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا تھا۔

"سچ سچ بتاؤ، آج سے پہلے کس کس کو نیل پینٹ لگائی ہے تم نے...؟" اس کے کام کی پرفیکشن دیکھ نین نے مشکوک انداز سے اسے گھورا تھا۔

"ٹھیک سے یاد نہیں ہے اب۔" نین نے فوراً اپنا ہاتھ واپس کھینچا تھا۔

"میری جان! میں اس نیل پینٹ کی بات نہیں کر رہا۔ یہ تو میں صرف تمہیں ہی لگاؤں گا۔" اس کا ہاتھ واپس اپنی گرفت میں لیتے عمر مسکرا دیا تھا۔

"مجھے بھی وہی نیل پینٹ لگاؤ جو تم دوسروں کو لگاتے ہو۔" نین کی فرمائش پر وہ ایک لمحے کے لیے چونک گیا تھا پھر اچانک ہی وہ ہنس دیا تھا۔

اس کی مسکراہٹ ٹھہری ہوئی اور بے حد دل فریب تھی۔ ہنسنے کی وجہ سے اس کے بائیں گال میں ہلکا سا گڑھا ابھرا تھا۔ نین کو اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہوا تھا۔

"یہ ظلم میں تمہاری ننھی سی جان پر نہیں کر سکتا۔" اس کا گال تھپتھپاتے وہ وہاں سے اٹھا تھا۔

"پاؤں ابھی رہتے ہیں۔" نین نے اسے یاد دلایا تھا۔

"اس کی ضرورت نہیں ہے، تمہارے پیر ایسے ہی اچھے لگ رہے ہیں۔" وہ نیل پینٹ اٹھاتے وہاں سے گیا تھا۔

سر جھٹکتے اپنے چہرے پر واپس وہی سختی لائے وہ ناب گھمائے کمرے کے اندر داخل ہوئی تھی۔

وہاں موجود سب لوگ ہی ادب سے کھڑے ہوئے تھے۔

"کیا پتا چلا۔۔۔؟" وہی سختی، وہی سرد مہری...

"سر کالز کا سارا ڈیٹا میں کل ہی نکال چکی تھی مگر کچھ کنفیوژن تھی بس اسی وجہ سے آپ کو نہیں بتایا۔" کرسی سے اٹھتے ماریہ نے نظریں جھکائے ادب سے کہا تھا۔

اس کمرے میں فائلز کا انبار لگا ہوا تھا۔ ہر طرف کمپیوٹرز اور مختلف ڈیوائسز رکھی گئی تھیں، وہ لوگ یہی سب آپریٹ کرتے تھے۔

"کیسی کنفیوژن۔۔۔؟" اس کے ماتھے پر شکنیں ابھری تھیں۔

"بلیک مونسٹر وہ....!"اپنے ہاتھوں کی کپکپاہٹ پر قابو پانے کی ناکام کوشش کرتے ماریہ نے انہیں سختی سے مس کیا تھا۔

"کیا وہ....؟"اب کی بار وہ دھاڑا تھا۔سب کے دل ہی کانپ اٹھے تھے۔

"وہ...آخ...آخری کال آپ...آپ کے گھر سے کی گئی تھی۔"

سختی سے آنکھیں میچے ماریہ نے کہہ ہی ڈالا تھا۔

"کیا بکواس کر رہی ہو تم....؟"پاس پڑی کرسی کو پٹختے وہ غرایا تھا۔

جیمز کو ابھی ابھی باہر عارف نے ساری صورت حال سے آگاہ کیا تھا۔وہ بھاگتا ہوا انچارج روم کی طرف بڑھا تھا مگر

اس نے آنے میں دیر کر دی تھی۔

"یہ سچ ہے۔"ماریہ منمنائی تھی۔

"اگر یہ جھوٹ ہوا تو اپنے انجام سے تم اچھی طرح واقف ہو۔"اس کے لہجے میں ہنوز سختی تھی۔

اسی انجام کے خوف سے وہ کل سے ایک ہزار بار فون ریکارڈ چیک کر چکی تھی۔وہ اپنے کام میں بہت ماہر تھی مگر جس حقیقت کا انکشاف اس پر ہوا تھا اس کا یقین کرنا

بے حد مشکل تھا۔

"کون ہے وہ....؟کس ملازم میں اتنی ہمت ہے کہ میرے ساتھ غداری کرے؟"ماریہ کا دل بس باہر آنے کو تھا۔جو انکشاف اس پر ہوا تھا،وہ سامنے کھڑے درندے کو بتانا بے حد مشکل تھا،مگر اسے بتانا ضروری بھی تھا۔

"کال آپ... آپ کے گھر کے لین لائن سے کی گئی ہے۔" اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ماریہ اس بار بہت آہستگی سے منمنائی تھی۔

"کون ہے وہ....؟ بولو کون ہے وہ....؟" جیمز نے نفی میں سر ہلاتے ماریہ کو کچھ بھی کہنے سے روکا تھا۔

"بولو کون ہے وہ....؟" اس دھاڑ پر تو جیمز بھی سہم گیا تھا۔

"کوئی لڑکی ہے۔" اس کی آواز بھرا گئی تھی۔ اتنی سخت ٹریننگ کے باوجود بھی آج ماریہ کو اپنے انجام سے ڈر لگ رہا تھا۔ وہ چاہ کر بھی وہ نام نہیں لے پا رہی تھی۔

"نام تو ہو گا نا...؟ بتاؤ کیا نام ہے اس کا...؟" اس کے صبر کا پیمانہ اب لبریز ہو چکا تھا۔

اگر ماریہ اس کے قریبی ساتھیوں میں سے نا ہوتی تو اب تک وہ اسے گولیوں سے بھون چکا ہوتا۔

"ن... نین...!" ماریہ کی زبان کھولنے کی دیر تھی، بلیک مونسٹر نے اسے گلے سے دبوچے دیوار سے لگایا تھا۔

"کس کا نام لیا ہے تم نے... ہاں....؟" وہ بالکل آپے سے باہر ہو گیا تھا۔ ماریہ کو اپنی سانس رکتی محسوس ہوئی تھی۔

"ماریہ سچ کہہ رہی ہے بلیک مونسٹر....!" عارف کی آواز پر اس کے ہاتھوں کی گرفت ایک لمحے کے لیے ڈھیلی پڑی تھی۔

"ہمارے پاس ریکاڈنگ بھی ہے۔"

"کہاں ہے وہ ریکاڈنگ....؟" ماریہ کو پرے دھکیلتے وہ تیزی سے عارف کی جانب بڑھا تھا۔

عارف نے خاموشی سے آگے بڑھ کر کمپیوٹر پر ریکارڈنگ آن کی تھی۔ نسوانی آواز سنتے وہ ساکت ہو گیا تھا۔ ٹھیک دو منٹ بعد عارف نے ریکاڈنگ بند کی تھی۔

اب سب کی نظریں ہی اس ظالم اور سفاک شہزادے پر تھی جو کہ بالکل خاموش کھڑا تھا۔

اچانک ہی اپنی مٹھیوں کو بھینچے وہ تیزی سے باہر گیا تھا۔اس کی رگیں تنی ہوئی تھیں، آنکھیں آگ برسا رہی تھیں۔وہاں موجود سب افراد ہی اس معصوم، فرشتہ صفت لڑکی کے انجام پر افسردہ تھے۔

---

وہ بے مقصد بجانے کتنے گھنٹے سڑکوں پر گاڑی ڈرائیو کرتا رہا تھا۔ایک جگہ آکر اس نے گاڑی روکی تھی۔گاڑی کی پشت سے ٹیک لگائے اس کی آنکھ سے ایک آنسو گرا تھا۔کوئی اسے اس بے بسی کی حالت میں دیکھتا تو کبھی یقین نا کرتا کہ وہ ہی بلیک مونسٹر ہے، مگر سچ یہی تھا کہ اس کے عشق نے اسے دھوکہ دیا تھا۔نین نے اسے دھوکہ دیا تھا۔

وہ غدار تھی۔آج وہ ٹوٹ چکا تھا۔اس کی زندگی نے اسے توڑ دیا تھا۔

"کب تک ناراض رہنے کا ارادہ ہے؟" وہ بالکنی میں منہ پھولائے کھڑی تھی۔عمر کب سے اسے منانے کی کوشش کر رہا تھا مگر آج وہ اسے معاف کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی تھی۔

"تمہیں میری ناراضگی سے کیا فرق پڑتا ہے؟ تم جاؤ اپنے کام کرو جا کر۔" وہ کل ساری رات گھر نہیں آیا تھا جس وجہ سے وہ سخت خفا تھی۔

"جتنا نخرہ تم مجھے دکھاتی ہو نا، اس کا ایک فیصد بھی کوئی اور دکھاتی نا تو اب تک قبر میں اتار چکا ہوتا میں اسے...!"

"یعنی تم مان رہے ہو کہ تمہاری زندگی میں میرے علاوہ کوئی ہے۔" عمر نے بے بسی سے گہری سانس خارج کی تھی۔اب اسے لڑنے کے لیے نیا بہانہ مل چکا تھا۔

"بس بہت ہو گیا۔اب ختم کرو اس ناراضگی کو...!"اس نے نین کو کمر سے کھینچ کر خود سے قریب کیا تھا۔وہ نازک کلی کٹی ہوئی ڈور کی مانند اس کے چوڑے سینے سے آ ٹکرائی تھی۔

"عمر تم....!"

"شش...!"عمر نے اس کے لبوں پر انگلی رکھے سخت تاثرات سے اسے گھورا تھا۔وہ منہ بسورے سر جھکا گئی تھی۔وہ ہمیشہ ہی اس کے تمام ناز نخرے اٹھاتا تھا مگر کبھی کبھی اسے شدید غصہ آ جاتا تھا اور نین سمجھدار بیویوں کی طرح اس کے بگڑتے تیور دیکھ محتاط ہو جاتی تھی۔

"ایک اچھی سی سمائل دو۔"اپنی انگلیوں کے پوروں سے اس کی ٹھوڑی کو اوپر اٹھائے عمر نے حکم صادر کیا تھا۔ اپنے ہونٹوں کو بامشکل مسکراہٹ میں ڈھالے نین نے عمر کی سیاہ آنکھوں میں دیکھا تھا۔وہ ناچاہتے ہوئے بھی ہنس دیا تھا۔

"نین تم بھی نا....!"عمر نے محبت پاش انداز میں اس کی ناک سے اپنی ناک مس کی تھی۔وہ شرماتے ہوئے اس کے سینے میں سر چھپا گئی تھی۔

"آج کے بعد تم وقت پر گھر آؤ گے۔"

"جو حکم...!"اس کا سر اپنے سینے پر سے ہٹاتے عمر نے اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لیا تھا۔

اس کی نظروں کی تپش کی تاب نالاتے نین نے اپنی سنہری آنکھیں جھکائی تھیں۔

اس کی اس ادا پر عمر کے چہرے کی مسکراہٹ مزید گہری ہوئی تھی۔

اب وہ بغور اس کے چہرے کا جائزہ لے رہا تھا۔گلابی اور سفید رنگت، سنہری جھکی ہوئی آنکھیں، گھنی سیاہ پلکیں، ستواناک...اب اس کی نظریں نین کی صراحی دار

گردن کا طواف کر رہی تھیں۔ عمر نے اپنی شہادت کی انگلی سے اس کی گردن کو چھوا تھا۔ نین نے مزاحمت کی تھی جس پر عمر نے اپنی گرفت مزید سخت کر لی تھی۔

"مجھے کام ہے۔" ادھر ادھر نظریں گھمائے وہ بہانہ تلاش کر رہی تھی۔

"کیا کام ہے؟" عمر اس کی بوکھلاہٹ سے محظوظ ہوا تھا۔

"وہ ابھی سوچا نہیں ہے میں نے۔۔۔!" اس نے فوراً ہی زبان دانتوں تلے دبائی تھی۔ عمر دل کھول کر ہنسا تھا۔

"نین تم بھی نا۔۔۔!" عمر کی نظریں ایک بار پھر اس کے چہرے کا طواف کر رہی تھیں۔

عمر کی آنکھوں نے اس کی پر شفاف پیشانی سے اس کے ستواں ناک تک کا سفر طے کیا تھا، پھر اس کی نگاہیں اس کے گلال ہوتے گالوں پر پڑی تھیں، اس کے بعد اس کے پنکھڑیوں جیسے لبوں پر۔۔۔ اس کے ہونٹ قدرتی طور پر گلابی تھے، اور اس کے ہونٹوں کی بناوٹ کچھ اس طرح تھی کہ نا وہ بہت زیادہ پتلے تھے اور نا ہی بہت زیادہ بھرے ہوئے۔۔۔ اب عمر کی نظروں نے اس کے لبوں سے اس کی ٹھوڑی تک کا سفر طے کیا تھا۔ اس کی ٹھوڑی کا تل اسے رکنے پر مجبور کر گیا تھا۔ ٹھوڑی کے درمیان گہرا سیاہ تل۔۔۔

عمر نے اپنے دائیں ہاتھ کے انگوٹھے سے اسے تھوڑا سا رب کیا تھا۔ اس کا اگلا عمل وہ اچھی طرح سے جانتی تھی۔

"ع۔۔ عمر مجھے کام۔۔۔!" ابھی نین نے اپنا جملہ مکمل بھی نہیں کیا تھا کہ عمر نے پورے وثوق سے اپنے لب اس کی ٹھوڑی پر رکھے تھے۔

"یہ میرا حق ہے اور تم مجھے روک نہیں سکتی۔" عمر نے اس کے کان کے پاس میٹھی سرگوشی کی تھی۔

وہ اس کے اس تل کا دیوانہ تھا۔ وہ ویسے ہی بے انتہا حسین تھی اور اس کی ٹھوڑی کا یہ تل اسے مزید دلکش بنا دیتا تھا۔

"ویسے تم کل رات تھے کہاں...؟" وہ اسے باتوں میں الجھا کر اس کی گرفت سے رہائی پانے کا اردہ کر چکی تھی۔

"کسی کو زندگی دے رہا تھا۔" نین نے نا سمجھی سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

"تم ڈاکٹر کب سے بن گئے؟"

"میں ڈاکٹر نہیں ہوں نین، میں ایک سفاک درندہ ہوں جو لوگوں کو سزا کے طور پر زندگی دیتا ہے۔" عمر کی بات اس کے سر پر سے گزری تھیں۔ وہ ہمیشہ ہی اس قسم کی گفتگو کرتا تھا۔ شروع شروع میں وہ ناراض ہو جاتی تھی پھر وہ اس کی باتیں مذاق میں اڑا دیتی تھی مگر اب وہ جھنجھلا جاتی تھی، ان باتوں کا مطلب وہ نہیں سمجھ پاتی تھی۔

"اور انعام کے طور پر کیا دیتے ہو؟" عمر کی گرفت تھوڑی ڈھیلی پڑنے پر اس کو جیسے سانس آئی تھی۔ اگر یہ گرفت تھوڑی اور ڈھیلی ہو جائے تو وہ آرام سے بھاگ سکتی تھی۔

"موت...!" عمر کی بات پر نین کی آنکھیں بے یقینی سے پھیلی تھیں۔ گرفت کب واپس سخت ہوئی، اسے خبر ہی نہیں ہوئی تھی۔

"ایک بات پوچھوں تم سے....؟"

"ہاں پوچھو میری جان...!" "اب وہ اپنے بائیں ہاتھ سے مسلسل اس کے بالوں میں انگلیاں چلا رہا تھا۔ اس کے بال ہلکے بھورے تھے۔ کمر تک آتے گھنے مگر بھورے بال...

اس کے فیس کٹ پر یہ بال بہت سوٹ کرتے تھے۔

"تم میرے لیے سزا اور انعام میں سے کیا چنو گے؟" وہ مسکرادیا تھا۔

"تم میرا سب کچھ ہو نین! ہمیں تا عمر ساتھ رہنا ہے، لیکن اگر تم نے مجھے دھوکہ دیا تو پھر میں تمہیں انعام دوں گا۔ میں تمہیں موت دوں گا۔ تمہیں زندگی دے کر میں تمہیں تکلیف ہرگز نہیں دوں گا، بلکہ موت دے کر میں تمہیں آزادی دوں گا۔" ایک لمحے کے لیے نین کا سانس سوکھ گیا تھا۔ اس نے بغور عمر کے چہرے کا جائزہ لیا تھا، وہاں سنجیدگی تھی، یعنی وہ مذاق نہیں کر رہا تھا۔

"اب بات مت کرنا مجھ سے....!" وہ غصے سے اسے پرے دھکیلتی وہاں سے گئی تھی۔ وہ مسکرا کر سر جھٹکتا اس کے پیچھے گیا تھا۔

"نین۔۔۔!" وہ اپنی پوری قوت سے چلایا تھا۔

"یہ تم نے ٹھیک نہیں کیا۔" اس کی آنکھیں یکدم ہی سرخ ہوئی تھیں۔

کچھ دیر گہری سانسیں لینے کے بعد اس نے اپنا فون اٹھایا تھا۔

"نین کو تیار کرو، بالکل نئی نویلی دلہن کی طرح...!" فون پر حکم صادر کرتے اس نے فون ڈیش بورڈ پر پٹخا تھا۔

---

تقریباً نو بجے کے قریب وہ گھر کے اندر داخل ہوا تھا۔ کار سے باہر نکلتے وہ غصے سے آگے بڑھا تھا۔ یہ اس کی حویلی تھی،

یہاں اس کی مرضی کے بغیر ایک پتا بھی نہیں ہل سکتا تھا اور ایک شخص کا اس طرح اس کی حویلی کے اندر داخل

ہونا اس کی برداشت سے باہر تھا۔ اصل چیز جو وہ برداشت نہیں کر پا رہا تھا وہ اپنی بیوی کا اس شخص کو یہاں پہنچنے کی رسائی دینا تھا۔

وہ لاؤنج میں داخل ہوتا زینے پھلانگتا اوپر اپنے کمرے کی جانب گیا تھا۔اس کے چہرے پر بلا کی سختی تھی۔

کمرے میں داخل ہوتے وہ سختی جیسے غائب ہو گئی تھی۔ سارا کمرہ پھولوں سے سجا ہوا تھا۔ یہ سب اس نے ہی کروایا تھا۔ سرخ عروسی لباس میں وہ سجی سنوری بستر پر بیٹھی تھی۔اسے اندر داخل ہوتے دیکھ وہ اضطراب کی حالت میں اپنے کام دار جوڑے کو سنبھالتی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ عمر پلکیں جھپکانا بھول گیا تھا۔اس کے بے تحاشہ

حسن کے آگے وہ جیسے سب بھول گیا تھا۔

"عمر یہ سب کیوں...؟"اس سے پہلے کہ وہ اپنی سریلی آواز میں کچھ کہتی،اس تک پہنچتے عمر نے اسے بازو سے پکڑ

کر اپنی جانب کھینچا تھا۔

"نین...!"اس کے خوبصورت سراپے کو دیکھتے وہ مدہوش ہوا تھا۔

"کتنی حسین لگ رہی ہو نا تم...؟ اتنی خوبصورت تو تم شادی کی پہلی رات بھی نہیں لگی۔"عمر نے اس کے ناک میں پہنی نتھ کو چھوتے کہا تھا۔

"میری طبیعت بہت خراب ہے عمر،بہت زیادہ...میں سونا چاہتی ہوں۔"وہ یوں اس طرح تیار نہیں ہونا چاہتی تھی مگر اس گھر کے ملازم صرف اس سفاک شخص کی

سنتے تھے۔اس کے حکم کے آگے نین کی تمام مزاحمتوں کی کوئی وقعت نہیں تھی۔

"کیا ہوا ہے میری نین کو...؟"اسے خود سے مزید قریب کرتے عمر نے اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لیا تھا۔

"میرے سر میں درد ہے اور شاید بخار بھی...!"وہ اس سے دور ہوئی تھی،عمر نے بھی اسے خود سے دور جانے دیا تھا۔

"ڈاکٹر کے پاس چلیں؟؟"عمر نے اسے شانوں سے تھامتے کہا تھا۔

"میں بس سونا چاہتی ہوں۔"وہ ایک بار پھر اس سے دور ہوئی تھی۔

"میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ تم گہری نیند سو جاؤ۔"عمر نے اس کے کان کے پاس سرد سرگوشی کی تھی۔

"ویسے آج ناراض نہیں ہوئی تم مجھ سے...؟"

"ناراض... کس بات پر...؟"

"میں کل رات گھر نہیں آیا اور ہم نے تمہاری سالگرہ بھی نہیں منائی۔"

"اس میں ناراض ہونے والی کون سی بات ہے۔یقیناً تم مصروف ہو گے۔"نین نے بات ہوا میں اڑائی تھی۔

"میں چینج کر کے آتی ہوں۔"اس شخص کی قربت میں اس کا دم گھٹ رہا تھا۔جو انکشاف اس پر ہو چکا تھا،اس کے بعد عمر کا لمس اسے جلتے کوئلے جتنی تکلیف دے رہا تھا۔

"ابھی نہیں...!"اسے کلائی سے تھامے عمر نے اسے روکا تھا۔

"میں نے کہا نا کہ میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔میں سونا چاہتی ہوں۔"نین نے اس کا ہاتھ فوراً ہی جھٹک دیا تھا۔اسے اب بس کسی بھی طرح اس ظالم اور سفاک شخص کے چنگل سے نکلنا تھا۔

"میں نے کب انکار کیا۔میں تو بس یہ کہہ رہا ہوں کہ مجھے تھوڑی دیر کے لیے تمہیں آنکھوں میں بسانے دو۔کچھ اس طرح سے کہ میں تمہیں کبھی بھول نا سکوں۔"اس نے بے بسی سے گہری سانس خارج کی تھی۔

"ویسے تم پوچھو گی نہیں کہ میں کل رات کہاں تھا؟چلو چھوڑو میں خود ہی بتا دیتا ہوں۔کل رات ہمارے گھر کوئی گھس آیا تھا۔"نین کے چہرے کا رنگ ایک لمحے میں فق پڑا تھا۔

"تم جانتی ہو نین! میں نے اس کے ساتھ کیا کیا...؟" عمر بغور اس کے چہرے کی اڑی ہوئی رنگت کو دیکھ رہا تھا۔

"میں نے اسے سزا دی، میں نے اسے زندگی دی۔ وہ زندہ ہے، مگر اس کی زندگی موت سے بھی بدتر ہے۔" نین کی آنکھوں سے گرم پانی ابلنا شروع ہوا تھا۔

"لیکن حیرت کی بات ہے، آخر وہ اندر آیا کیسے...؟" عمر نے ایک بار پھر اس کے کان کے پاس سرگوشی کی تھی۔ نین کی سانس وہی رک گئی تھی۔ اس نے سختی سے آنکھیں میچی تھیں، وہ اسے دھوکہ نہیں دے سکتی تھی۔ وہ حد سے زیادہ چالاک تھا۔

"ایک لڑکی نے کال کر کے اسے بلایا تھا۔ اس کی آواز ہو بہو تمہارے جیسی تھی۔" عمر نے سختی سے اس کی کلائی دبوچ کہا تھا۔ سارے گھر میں جگہ جگہ وائس ریکارڈرز لگے ہوئے تھے۔ نین اس بات سے انجان تھی۔ اور اس نے سب سے بڑی بے وقوفی لین لائن سے کال کر کے کی تھی۔

"کیوں نین...؟ کیوں...؟ کہاں کمی رہ گئی تھی مجھ سے؟ ایسا بھی کون سا ستم ڈھا دیا میں نے تم پر، جو تم مدد کے لیے ایک غیر کو بلا رہی ہو؟" اس کی آنکھوں میں لال خراشیں واضح تھیں۔

"چھوڑو مجھے...!" وہ تکلیف سے کراہ اٹھی تھی۔

"تمہیں تو نمبر زیاد نہیں رہتے پھر اس کا نمبر کیسے یاد رہ گیا؟" کلائی میں موجود چوڑیاں ٹوٹنے کی وجہ سے اس کے دونوں ہاتھوں سے خون رس رہا تھا، مگر عمر کو آج کسی چیز کی کوئی پرواہ نہیں تھی۔

"اپنے گھر سے کسی کو فون کر لیتی، معاف کر دیتا تمہیں... مگر ایک انجان شخص کو کیوں لے کر آئی تم ہمارے درمیان...؟"

"وہ بے قصور ہے، اسے چھوڑ دو۔" نین نے گویا ہار مانی تھی۔ اب جب سامنے آ ہی چکا تھا تو پھر مزید جھوٹ بولنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔

"میں نے اسے بلایا تھا۔ جو سزا دینی ہے مجھے دو، اسے چھوڑ دو۔" عمر نے ایک جھٹکے سے اسے بستر پر دھکہ دیا تھا۔

"تم میری محبت کے قابل ہی نہیں ہو نین...! تم آخر کیسے مجھے دھوکہ دے سکتی ہو؟ آخر کیسے کسی غیر کو مجھ پر ترجیح دے سکتی ہو؟ اور کیوں مدد کے لیے پکار رہی تھی اسے... بولو نین! کیوں جانا چاہتی ہو یہاں سے...؟" وہ غرایا تھا۔ غصے کی وجہ سے اس کی ماتھے کی نسیں پھول گئی تھیں۔

"کیونکہ دم گھٹتا ہے میرا یہاں پر، نہیں رہنا اب تمہارے ساتھ...!" وہ ایکدم غصے سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ عمر ششدر رہ گیا تھا۔

"میں دھوکہ باز نہیں ہوں، تم دھوکہ باز ہو۔ وہ تو صرف میرا دوست ہے جسے مدد کے لیے بلایا تھا میں نے... اور وہ بیچارا میرے لیے یہاں تک آ گیا۔ اسے چھوڑ دو، وہ بے قصور ہے۔" نین نے بے بسی سے التجا کی تھی۔

"کون سا دھوکہ دیا ہے میں نے تمہیں؟" اس کی باقی تمام باتوں کو نظرانداز کرتے عمر نے اپنے مطلب کی بات پوچھی تھی۔ جو شخص ایک بار اس کے شکنجے میں پھنس گیا، وہ اسے کیسے چھوڑ سکتا تھا؟

"شہادت دو...!" نین کے لب آہستگی سے ہلے تھے۔

"کیا...؟" عمر نہیں سمجھ سکا تھا۔

"شہادت دو کہ تم مسلمان ہو۔" نین کی اس بات پر عمر کے پیر منجمند ہو گئے تھے۔

"بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔" وہ معاملے کی سنگینی کو اچھی طرح سمجھ چکا تھا۔

"اب کوئی بات نہیں ہو گی۔اب تم صرف شہادت دو گے۔عمر شہادت دو..." وہ اپنی پوری قوت سے چلائی تھی۔اس کا پورا وجود ہانپ رہا تھا۔

"یہ کس قسم کا بچکانہ سوال ہے؟ تم سے کس نے یہ سب کہا ہے؟"

"یہ سب اہم نہیں ہے، تم بس شہادت دو۔" سب کچھ اپنے کانوں سے سننے کے باوجود بھی اس نے ایک آس سے کہا تھا۔

"نین میں...!"

"عمر شہادت دو۔" وہ اپنی پوری قوت سے چلائی تھی۔

"کہو۔۔۔

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ "

"کہو..." میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالی کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔"

"عمر گواہی دو۔" مسلسل چیخنے چلانے کی وجہ سے اس کا سارا وجود ہانپ رہا تھا۔اس کی آنکھیں آنسوؤں سے تر تھیں، اور لب کپکپا رہے تھے۔

"نہیں دوں گا میں گواہی....!" وہ نجانے کتنی دیر سے صبر کا دامن تھامے کھڑا تھا۔اب اس کا صبر جواب دے گیا تھا۔

"نین! ہم بیٹھ کر بات کر لیتے ہیں۔" عمر نے گہری سانس خارج کرتے خود کو ریلیکس کیا تھا۔

"تم گواہی نہیں دو گے؟؟" اس نے سرخی مائل

آنکھیوں سے عمر کی طرف دیکھا تھا۔

"میں خدا کو مانتا ہوں۔" دنیا کو اپنی ٹھوکر پر رکھنے والا مرد آج اپنے عشق کے آگے خود کو بے حد بے بس محسوس کر رہا تھا۔

"اور حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو...؟"

"نین میں مسلمان ہوں اور تم پلیز بھول جاؤ سب کچھ... جو تم نے کیا میں بھی بھول جاتا ہوں۔ اتنی حسین رات ہے، ہم کیوں اسے برباد کر رہے ہیں؟" اس نے ابھی ایک قدم ہی آگے بڑھایا تھا کہ نین نے اسے ہاتھ کے اشارے سے وہی رکنے کا کہا تھا۔

"اگر مسلمان ہو تو گواہی دے کر بات ختم کرو۔" وہ اپنی بات پر مصر تھی۔

"میں نے تمہارے لیے اپنا سب کچھ چھوڑ دیا عمر! اپنا گھر، گھر والے، سب کچھ... واپسی کے سارے در خود پر بند کر دیے۔ اپنوں کو تکلیف دی، یہاں تک کہ وہاں کوئی اب میرا نام
بھی نہیں سننا چاہتا۔ عمر پلیز گواہی دے دو۔ میری ساری زندگی کا انحصار تمہاری ایک گواہی پر ہے۔" وہ ہچکیوں سمیت روتی ہوئی بستر پر بیٹھی تھی۔

"نین میری جان! میری بات سنو۔" عمر اس کے قریب گئے زمین پر گھٹنوں کے بل بیٹھا تھا۔

"آخر تم گواہی کیوں نہیں دیتے؟" وہ چیختے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"نہیں دوں گا میں گواہی، نہیں دوں گا۔ نہیں ہوں میں مسلمان..." کھڑے ہوتے ساتھ ہی وہ بھی چیخا تھا۔

نین کے قدم لڑکھڑائے تھے۔ اسے اپنے جسم سے جان نکلتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔

"تم مجھ سے محبت کرتی ہو اور میں تم سے...! مذہب ہمارے درمیان کہاں سے آگیا؟" عمر نے اسے چھونے کی کوشش کی تھی۔ وہ نفی میں سر ہلاتی پیچھے ہٹی تھی۔

وہ یہ سب پہلے ہی اپنے کانوں سے سن چکی تھی مگر اسے اس بات پر یقین نہیں تھا۔ لیکن اب اس کی یہ خوش فہمی بھی دور ہو چکی تھی۔

"اتنا بڑا دھوکہ... کیوں... ؟ کیوں عمر... ؟"اس کے گلے سے پھنسی پھنسی سی آواز نکلی تھی۔

"میں نے تمہیں دھوکہ نہیں دیا نین! سچ تو یہ ہے کہ مذہب کو لے کر ہمارے درمیان کبھی کوئی بات ہی نہیں ہوئی۔ تم نے مجھ سے کبھی اس حوالے سے کچھ پوچھا ہی نہیں... !"نین نے بے یقینی سے اس سفاک شخص کی طرف

دیکھا تھا۔ کتنی آسانی سے وہ خود کو ہر چیز سے بری الزمہ کر چکا تھا۔

"کیوں... ؟ کیوں کھیلا تم نے میری زندگی کے ساتھ... ؟ کیوں میرے احساسات اور جذبات کا مذاق اڑایا... ؟ آخر کیوں چھوا تم نے مجھے... ؟ جب تم مسلمان نہیں تھے تو کیوں آئے میرے قریب... ؟"وہ ایکدم ہی بپھری ہوئی شیرنی کی طرح اس پر جھپٹی تھی۔ اب وہ اس کا گریبان پکڑے اس سے سوال کر رہی تھی۔

"Shut up...Just shut up...!"

شدید طیش کی حالت میں عمر نے اسے بستر پر دھکہ دیا تھا۔ وہ دنیا کو اپنی ٹھوکر پر رکھنے والا مرد کیسے کسی عورت کا اپنا گریبان پکڑنا برداشت کر سکتا تھا؟ چاہے وہ عورت اس کی نین ہی کیوں نا ہو۔

"کیا مسلمان، مسلمان ہی رٹ لگائی ہوئی ہے تم نے... تمہارے خیال سے تم مسلمان ہو؟"عمر نے حقارت سے اس کی جانب دیکھے کہا تھا۔

"جس قسم کی ڈریسنگ تم کرتی ہو۔ کیا مسلمان ایسی ڈریسنگ کرتے ہیں؟"وہ استہزایہ ہنسا تھا۔

"میں نے تو تمہیں کبھی کوئی نماز پڑھتے نہیں دیکھا۔ میں نے تمہیں کبھی قرآن پڑھتے نہیں دیکھا۔ بڑے عجیب ہوتے ہو تم مسلمان... صرف چند ہی چیزوں میں تم لوگوں کو اسلام یاد آتا ہے۔ اگر مسلمان ایسے ہوتے ہیں نا، تو مجھے فخر ہے کہ میں یسوع مسیح کا پیروکار ہوں۔" وہ نہایت سرد اور سفاک انداز میں اسے آئینہ دکھا رہا تھا۔ نین کی آنکھوں سے جیسے تمام دھند اب چھٹنے لگی تھی۔

"میں نے کیا ہے پیدائش سے مکاشفہ تک کا سفر... کیا تم نے کیا ہے الحمد سے والناس تک کا سفر...؟" عمر نے ایک تیکھی مسکراہٹ اس کی جانب اچھالی تھی۔

وہ ایک لمحے کے لیے سن ہو گئی تھی۔

"نہیں کیا نا...؟" نین کی خاموشی سے وہ محظوظ ہوا تھا۔

"پھر تم کیسے کہہ سکتی ہو کہ تم مسلمان ہو؟" نین نے سختی سے آنکھیں میچی تھیں۔

"جاؤ پہلے جا کر اپنا سفر مکمل کرو پھر بات کرنا مجھ سے...!" اس کی دھاڑ پر وہ بری طرح سہم گئی تھی۔

وہ کچھ دیر اپنی کنپٹی سہلاتے اپنے غصے کی شدت کو کم کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"نین میری جان...!" تھوڑی دیر بعد خود کو ریلیکس کرتے وہ اس کے پاس بستر پر آ بیٹھا تھا۔ وہ بت بنے نظریں جھکائے مسلسل اشک بہا رہی تھی۔

"اتنا تو میں جانتا ہوں کہ اہل کتاب سے نکاح کیا جا سکتا ہے۔ تم نے کچھ غلط نہیں کیا۔ ہم نے کچھ غلط نہیں کیا۔ ہم نے اسلامی طریقے سے نکاح کیا ہے۔" عمر نے آہستگی سے اس کا ہاتھ تھامتے کہا تھا۔ نین کا ہاتھ جلتے انگارے کی طرح گرم تھا، ایسے جیسے اس کا سارا وجود جھلس گیا ہو۔

"نین...!" عمر نے اس کے قریب ہوتے اس کے دائیں گال پر ہاتھ رکھا تھا۔ وہ کرنٹ کھا کر پیچھے ہٹی تھی۔

"تم دہشت گردی میں ملوث ہو؟"اس کے لب آہستگی سے ہلے تھے۔ عمر کی آنکھوں میں بے یقینی ابھری تھی۔وہ کیا کیا جان چکی تھی۔

"تم نے... تم نے مجھ سے وہ سارے اکاؤنٹس ہیک کروائے اور وہ سارے پروجیکٹس جو میں نے تمہارے کہنے پر کیے، تم نے اس سب کو اس ملک کے خلاف استعمال کیا؟"اس نے روندھی سی آواز میں پوچھا تھا۔

"نین تم...!"

"میں نے تمہارے کہنے پر نجانے کیا کچھ نہیں کیا اور تم نے مجھے اور اس ملک کو دھوکہ دیا۔"وہ ہچکیوں سمیت رو دی تھی۔

"تم نے جو بھی کیا، اپنی مرضی سے کیا۔"کیا کچھ نہیں ٹوٹا تھا نین کے اندر... عمر نے انکار نہیں کیا تھا۔ کوئی جھوٹی تسلی، کوئی صفائی، کچھ بھی نہیں...

"میں نے وہ سب اس ملک کے لیے کیا تھا۔"وہ چیختی ہوئی بستر سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"میں نے وہ سب ائی۔ایس۔آئی کے لیے کیا تھا۔ مجھے لگا تھا کہ تم ایک ائی۔ایس۔ائی ایجینٹ ہو۔ مجھے لگا تھا کہ تم...!"

"رک کیوں گئی؟ جملہ مکمل کرو۔ تمہیں کیا لگا تھا؟"عمر بھی اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"بولو نین...! کیا لگا تھا تمہیں...؟"عمر نے اسے شانوں سے تھامتے جھنجھوڑا تھا۔

"مجھے تم سے نفرت محسوس ہو رہی ہے۔ مجھے تمہارا لمس تکلیف دے رہا ہے۔"وہ آزادی حاصل کرنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔

"تم صرف میری ہو نین! خبردار جو دوبارہ کبھی مجھ سے نفرت کا اظہار کیا تو...!"عمر نے اسے بالوں سے دبوچے خود سے مزید قریب کیا تھا۔

"چھوڑو مجھے...!" وہ درد سے کراہ اٹھی تھی۔

"مجھے تم سے محبت نہیں ہے، مجھے نہیں ہے۔ میں تمہارے ساتھ صرف اس لیے تھی کیونکہ مجھے لگا تھا کہ تم...!" وہ کہتے کہتے ایک بار پھر رکی تھی۔

"کہ میں کیا...ہاں! تمہیں کیا لگا تھا نین؟" اس کا منہ دبوچے عمر نے نہایت سفاکی سے پوچھا تھا۔

"مجھے لگا تھا کہ تم... تم شاہ... شاہین ہو۔" نین نے ابھی جملہ ادا ہی کیا تھا کہ عمر نے غصے سے آگ بگولہ ہوتے اسے ایک بار پھر بستر پر دھکہ دیا تھا۔

"شاہین... شاہین... شاہین! عذاب بنادی ہے اس شخص نے میری زندگی۔ آخر یہ کیوں ہر جگہ آجاتا ہے؟ آخر یہ کیوں ہمیشہ میری خوشیاں برباد کر دیتا ہے؟" عمر نے پاس پڑی میز پر پڑے سامان کو نیچے گرایا تھا۔

"تمہیں پتا ہے نین!" وہ ایک بار پھر اس کے قریب گھٹنوں کے بل بیٹھا تھا، وہ ڈری سہمی اس شخص کی جنونیت دیکھ رہی تھی۔

"ابھی کچھ دنوں پہلے میں نے ایک سکول میں بم پلانٹ کروایا تھا۔" نین کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں۔

"مگر اس شاہین نے میرے سارے کھیل کو برباد کر دیا۔ سوچو نین! کتنا مزا آتا نا، اگ وہ بم بلاسٹ ہو جاتا تو...!" اس کا ہاتھ تھامتے وہ دیوانوں کی طرح اسے اپنی کارستانی بتا رہا تھا۔

"ہر طرف چیخ و پکار، خون، چھوٹے چھوٹے بچوں کی لاشیں...!" وہ ہنسا تھا اور پھر ہنستا ہی چلا گیا۔

"یہ سب مجھے بہت سکون دیتا ہے، بہت زیادہ... اب جب تم سب جان ہی چکی ہو تو میں تم سے کچھ نہیں چھپاؤں گا۔ آخر کار ہمیں تا عمر ساتھ رہنا ہے۔"

"میں تمہارے ساتھ ایک لمحہ بھی نہیں رہوں گی۔" نین نے اس کا گریبان پکڑا تھا۔

"تمہیں لگتا ہے کہ تم بچ جاؤ گے؟ شاہین تمہیں نہیں چھوڑے گا۔" عمر کی آنکھیں ایک بار پھر آگ برسانے لگی تھیں۔

"اس کا نام مت لو۔" وہ اس کے ضبط کو آزما رہی تھی۔

"کیوں...؟ ڈرتے ہو اس سے...؟" نین نے ایک تیکھی مسکراہٹ اس کی جانب اچھالی تھی۔

"بلیک مونسٹر کسی سے نہیں ڈرتا۔" سرخی مائل آنکھوں سے وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"میں تمہیں برباد کر دوں گی۔ میں ساری دنیا کے سامنے تمہیں ایکسپوز کروں گی۔" اپنا لہنگا سنبھالتی وہ اس کے قریب گئی تھی۔

عمر نے سرتا پیر اس کے حسین سراپے کو دیکھا تھا۔ اگلے ہی لمحے اس کے لبوں کو دلفریب مسکراہٹ نے چھوا تھا۔

"کیسے کرو گی تم یہ...؟"

"تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میں کیا ہوں۔ تم مجھے ہزار دروازوں میں بھی قید کر کے رکھو گے نا! میں تب بھی تمہیں برباد کر سکتی ہوں۔ میرے پاس طاقت ہے اور تم جانتے ہو کہ میری طاقت کیا ہے۔" وہ استہزایہ ہنسی تھی۔

"ہمم! تم ٹھیک کہہ رہی ہو، بالکل ٹھیک...!" عمر نے اپنی پیشانی چھوتے کہا تھا۔

"لیکن اس کا بھی ایک حل ہے میرے پاس...!" عمر نے نین کو سائیڈ سمائل پاس کی تھی۔

"تم مجھے برباد کر سکتی ہو لیکن...!"اس نے سانس لینے کا وقفہ لیا تھا۔

"اگر تم زندہ ہی نا رہو تو...!" نین نے بے یقینی سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

"تم بے حد حسین ہو نین! اتنی حسین کہ میں ایک، دو سال مزید تمہارے ساتھ گزار سکتا تھا مگر اب...!"عمر نے گہری سانس خارج کیے اپنے کوٹ کی جیب سے گن نکالی تھی۔ نین کا سانس وہی رک گیا تھا۔

"ایک ہفتے سے زیادہ برداشت نہیں کرتا میں کسی بھی لڑکی کو، تم خوش قسمت ہو نین! جو تمہیں اتنے مہینوں تک میرا ساتھ اور میری قربت نصیب ہوئی۔" نین کا دماغ

بالکل ماؤف ہو چکا تھا۔

کتنی آسانی سے وہ شخص اس کی ذات کے پرخچے اڑا گیا تھا۔ ایک لمحے میں وہ اسے بے مول کر گیا تھا۔

"تم مجھے نہیں مار سکتے۔" اسے یقین تھا، اعتماد تھا، وہ اسے نہیں مار سکتا تھا۔

"تمہاری غلط فہمی ہے۔" عمر نے گن لوڈ کیے اس کے دل کے مقام کا نشانہ باندھا تھا۔ نین نے بے یقینی سے نفی میں سر ہلایا تھا۔

"چلو شاباش! کلمہ پڑھ لو۔" وہ ہچکیوں سمیت رو دی تھی۔

"تم مجھ سے محبت کرتے ہو۔" یہ آخری کوشش تھی، آخری امید...

"بے انتہا... مگر کیا کروں نین! تم میرے لیے اب صرف ایک خطرہ ہو۔"اس کا انداز ایسا تھا جیسے وہ بے حد مجبور ہو۔

"چلو اب وقت ضائع مت کرو جلدی سے کلمہ پڑھ لو۔ اتنا برا نہیں ہوں میں، کہ تمہیں کلمہ بھی نہ پڑھنے دوں۔"

"تم... مجھے... مجھے نہیں مار سکتے۔" وہ ہچکیوں کے درمیان بامشکل بول سکی تھی۔ یہ مان تھا، اس شخص پر، اس پاک رشتے پر...

"میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے نین! جلدی سے شہادت دو۔" عمر نے اجلت بھرے انداز میں ہاتھ میں پہنی ریسٹ واچ کی طرف دیکھا تھا۔

"نین جلدی... کلمہ پڑھو...!" اب کی بار عمر کا لہجہ تھوڑا سخت تھا۔

"تمھیں سمجھ نہیں آرہی کہ میں کیا کہہ رہا ہوں؟ شہادت دو...!" اس دھاڑ پر وہ سہم گئی تھی۔

"یہ کہانی یہاں ختم نہیں ہوگی عمر! تمھیں ہر چیز کا حساب دینا ہوگا۔" نین نے بے دردی سے اپنے آنسو پونچھے تھے۔

"نین شہادت دو...!" تھوڑی دیر پہلے جو الفاظ وہ دہرا رہی تھی، اب ٹھیک وہی الفاظ عمر دہرا رہا تھا۔

"اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ" نین نے آنکھیں بند کیے کپکپاتے لبوں سے کلمہ پڑھا تھا۔

عمر نے ٹریگر پر ہاتھ رکھا تھا۔ ایک لمحے کے لیے اس کا ہاتھ کانپا تھا۔ اس سفاک شخص کا... جو بغیر دیکھے بھی اچھی طرح جانتا تھا کہ اسے کہاں اور کیسے مارنا ہے۔

اس کے ذہن میں وہ تمام لمحات گھومنے لگے تھے، جو اس نے اور نین نے ساتھ گزارے تھے۔ وہ کچھ دیر آنکھیں میچے کھڑی رہی تھی، پھر اس نے آہستگی سے اپنی آنکھیں کھولی تھیں۔ وہ نظریں جھکائے کھڑا تھا۔ گن اس کے ہاتھ میں تھی مگر اب اس کا رخ نین کی جانب نہیں تھا۔ وہ مسلسل گہری گہری سانسیں لے رہا تھا۔

"مجھے پتا تھا تم یہ نہیں کر سکتے۔" وہ مدھم سا مسکرائی تھی۔ عمر نے سرخی مائل آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

"تم بہت حسین لگ رہی ہو نین! اس قدر حسن پر منہ دکھائی تو بنتی ہے نا...!" عمر کی آنکھ سے ایک آنسو گرا تھا۔

"میں تمہیں منہ دکھائی میں موت دوں گا۔" اسے بغیر کچھ سوچنے سمجھنے کا موقع دیے عمر نے ایک بار پھر اس پر گن تانی تھی۔

"الوداع نین...!" اس نے ٹریگر پر ہاتھ رکھے گولی چلادی تھی۔

"ٹھاہ...!" وہ آنکھوں میں بے یقینی کا تاثر لیے بے جان ہوتے وجود کے ساتھ زمین بوس ہوئی تھی۔

اس سرد اور وحشت زدہ رات نے سب کچھ برباد کر دیا تھا۔ آج ایک عاشق کے ہاتھوں ایک محبوب فنا ہوا تھا۔ سیاہ رات کی چاندنی اس دردناک انجام کی گواہ تھی۔

کمرے میں بچھی ہوئی سفید رنگ کی قالین سرخ ہو چکی تھی۔ وہ تڑپتے، سسکتے آنکھیں موند گئی تھی۔ ہر طرف خون ہی خون تھا۔ وہ قدم قدم چلتا نین کے قریب آیا تھا۔ اس کے
بے سود وجود کے قریب وہ ایک گھٹنا زمین پر ٹکائے بیٹھا تھا۔ اس نے اسے چھونے کے لیے ہاتھ آگے بڑھایا تھا مگر اسے چھونے کی سکت اب اس میں نہیں تھی۔

عمر نے سختی سے آنکھیں میچی تھیں۔ اس کی آنکھ سے ایک آنسو گر کر نین کے خون میں جذب ہوا تھا۔ اس کی آنکھ کا پانی نین کے وجود سے بہتے خون کے آگے بے مول
ہو چکا تھا۔

"نین...!" وہ پوری قوت سے چلایا تھا۔ آج سوگ کی رات تھی، عشق کے فنا ہونے کے سوگ کی...

---

سورج کی تپش کی وجہ سے سب جیسے پگھلنے لگا تھا۔درختوں کی سائیں سائیں کی آواز ایک عجیب سا تاثر پیدا کر رہی تھی۔گاڑی کے ٹائر کی چڑچڑاہٹ سے پرندے

تک خوفزدہ تھے۔

اس ویرانے میں گاڑی روکے چار لوگ باری باری باہر نکلے تھے۔

ایک شخص بھورے پینٹ کوٹ میں ملبوس سگریٹ سلگاتا ہوا گاڑی کی ڈکی کی جانب بڑھا تھا۔

گاڑی کی ڈکی کھولے اس کے چہرے پر مسکراہٹ بکھری تھی۔

"Poor girl..."

اس نے خون میں لت پت لڑکی کو ترس بھری نگاہ سے دیکھا تھا۔اب وہ سر جھٹکتا آگے بڑھا تھا۔

"ڈکی خالی ہے۔وہ بھاگ گئی ہے۔" وہ تینوں باتوں میں مصروف تھے جب ایک عورت کے چیخنے کی آواز سے وہ اس کی جانب متوجہ ہوئے تھے۔

"کیسے بھاگ گئی؟وہ تو مر گئی تھی۔" بھورے پینٹ کورٹ میں موجود شخص بھاگتا ہوا ڈکی کی طرف آیا تھا۔

"بلیک مونسٹر ہماری جان لے لے گا۔" اس عورت نے خوفزدہ لہجے میں کہا تھا۔انہیں یہ گاڑی لڑکی سمیت پہاڑ سے نیچے پھینکنے کا حکم ملا تھا۔

"بڑی کوئی ڈھیٹ عورت ہے۔رات سے صبح ہو گئی مگر ابھی تک نہیں مری۔جاؤ ڈھونڈھو جا کر اسے...اس حالت میں وہ زیادہ دیر نہیں بھاگ سکتی۔" اس شخص نے غصے سے حکم صادر کیا تھا۔

اچانک ہی اس کی نظر ڈکی سے باہر بہتے خون پر پڑی تھی۔اس کے لبوں پر شیطانی مسکراہٹ بکھری تھی۔اس خون کی پیروی کرتے وہ مسلسل گنگناتے ہوئے آگے بڑھ رہا تھا۔تھوڑا آگے جا کر اس کے قدم رکے تھے۔

"تو تم زندہ ہو۔" ایک درخت کے قریب بیٹھتے اس نے دلچسپی سے کہا تھا۔ وہ جو درخت کے ساتھ بیٹھی اپنی آخری سانسیں لے رہی تھی۔ اپنے سامنے اس ظالم شخص کو دیکھ بری طرح گھبرا گئی تھی۔ اس کی آنکھیں بار بار بند ہو رہی تھیں۔

"آپ پر پہلی نظر میری پڑی تھی بھابھی جی! تو پھر آخری لمس بھی میرا ہونا چاہیئے نا..." ایک ہاتھ پیٹ پر رکھے وہ

اپنا خون روکنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں التجا تھی۔ اس کے لب نیم وا تھے۔ وہ کچھ کہنا چاہتی تھی، التجا کرنا چاہتی تھی مگر تمام الفاظ تو جیسے زنجیر ہوئے تھے۔

اس سے پہلے کہ وہ شیطان اس معصوم اور پاکیزہ عورت پر جھکتا، جیمز کی آواز اس کے کانوں میں پڑی تھی۔

"یہ تم کیا کر رہے ہو؟ اسے پہاڑی سے پھینکنے کا حکم ملا ہے۔" وہ غراتا ہوا اس کے قریب آیا تھا۔

"پھینک دیتے ہیں، اتنی بھی کیا جلدی ہے؟" وہ خباثت سے مسکرایا تھا۔

"یہ مرنے والی ہے۔" جیمز نے اسے یاد دلایا تھا۔

"مری تو نہیں ہے نا... ہم تو وہ شیطان ہیں جو مردہ کو بھی نہیں چھوڑتے، یہ تو پھر زندہ ہے۔" ایک ایک لفظ اس کے کانوں میں ہتھوڑے کی طرح بج رہا تھا۔ اس نے شدت

سے دعا کی تھی کہ کاش اسے ابھی اور اسی وقت موت آجائے۔ وہ جو کچھ سہہ چکی تھی اس کے بعد مزید کچھ بھی سہنے کی اس میں سکت نہیں تھی۔

"تم...!"

"جیمز! میں جو کر رہا ہوں، مجھے کرنے دو۔ آخر کار اس پر بلیک مونسٹر سے پہلے میری نظر پڑی تھی۔" جیمز نے ایک نظر افسوس سے اسے دیکھا تھا۔

"ٹھیک ہے جو کرنا ہے جلدی کرو۔" اس نے گہری سانس خارج کرتے ہار مانی تھی۔ اب وہ نفی میں سر ہلاتا وہاں سے چلا
گیا تھا۔

اس درندے نے اس فرشتہ صفت لڑکی کے جسم کو بری طرح نوچا تھا، ایسے جیسے کوئی گدھ کسی مردار کو نوچتی ہے۔

اس معصوم کا نازک وجود اس شیطان کی وحشتیں برداشت نہیں کر سکا تھا۔ وہ گولی لگنے کی وجہ سے نہیں مری تھی بلکہ وہ اس شیطان کی سفاکیت سے جان سے
ہاتھ دھو بیٹھی تھی۔

اپنی تمام تر وحشتیں اس کے نازک وجود پر اتار کر وہ شخص پیچھے ہٹا تھا۔

"کپڑے بدلنے ہیں مجھے...!" اس کے سارے کپڑے خون نم خون ہو چکے تھے۔

"پہلے اسے تو ٹھکانے لگا دیں۔" جیمز نے تپ کر کہا تھا جس پر اس شخص نے تنفر سے سر جھٹکا تھا۔

انہوں نے اس لڑکی کو گاڑی میں ڈالے گاڑی کو پہاڑی پر سے دھکہ دیا تھا۔ کھائی میں گاڑی کے گرتے ہی ہر طرف آگ کے شعلے بھڑکنے لگے تھے۔ آگ کے شعلوں نے گاڑی میں مردہ وجود کو جھلسا کر رکھ دیا تھا۔ وہ بے نام موت مری تھی۔ بغیر کفن، بغیر کسی جنازے اور بغیر کسی قبر کے...

ان جلتے شعلوں میں چار لوگوں کے قہقہوں کی آواز تھی۔ وہ لوگ بے حد دلچسبی سے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔

"وہاں کوئی ہے۔" اس لڑکی کا دھیان جھاڑیوں کی طرف گیا تھا۔ وہاں اسے کسی کا سایہ دکھا تھا۔ وہ چاروں ہی بھاگتے ہوئے اس طرف گئے تھے، مگر وہاں کوئی نہیں تھا۔

(لندن، رچمنڈ)

سمندر کی لہروں کی ٹھاٹھوں کی آواز ہر طرف گونج رہی تھی۔ تیز ہوا کی وجہ سے درخت مسلسل رقص کر رہے
تھے۔ جسم کو چٹخا دینے والی ٹھنڈ کے باعث ہر کوئی اپنے اپنے گھروں میں بند تھا، ایسے جیسے کسی خطرے کے پیش نظر کوئی چڑیا اپنے گھونسلے میں دبکی بیٹھی ہو۔

ایک چھوٹے مگر بے حد دلکش فلیٹ میں وہ لاؤنج میں سر جھکائے بیٹھی تھی۔ آتش دان میں جلتی آگ اس کے اندر جلتے شعلوں سے کہیں گنا کم تھی۔ مشرقی کپڑوں میں سر پر دوپٹہ اوڑھے وہ خاموش بیٹھی تھی۔ مولوی صاحب کے تین بار پوچھنے پر اس نے دل پر پتھر رکھے اقرار کیا تھا۔ نکاح نامے پر سائن کرتے اس کی آنکھ سے ایک آنسو ٹوٹ کر کاغذ میں کہیں جذب ہوا تھا۔

سائن کرتے ساتھ ہی وہ اٹھ کر کمرے کی جانب بھاگی تھی۔ اب وہاں رکنا نا ممکن تھا۔

کمرے میں خود کو بند کیے وہ اب گہری گہری سانسیں لے رہی تھی۔ اس کی آنکھوں کا بندھ ٹوٹ چکا تھا۔ گرم ابلتا
ہوا پانی اس کا چہرہ بھگو رہا تھا۔

"آخر کیوں شہزادے حقیقت میں نہیں ہوتے اور اگر ہوتے بھی ہیں تو پہنچ سے بہت
دور... لاحاصل...!" اس کے دل نے
صدا اٹھائی تھی۔ اپنی ساری زندگی مغرب میں گزارنے کے
باوجود بھی اس کے خاندان نے مشرقی تہذیب کو اپنائے رکھا تھا۔ وہ بہت زیادہ مشرقی تو نہیں تھی مگر اپنی حدود سے اچھی طرح واقف تھی۔ تبھی تو آج ایک اور مشرقی باپ کی زبان کا پاس رکھتے اس نے خود کو کسی

اجنبی کے نام کر دیا تھا۔ایک ایسے شخص کے نام جسے وہ جانتی تک نہیں تھی، جسے اس نے کبھی دیکھا بھی نہیں تھا۔اسے دیکھنے کی اسے کوئی چاہ بھی نہیں تھی، کیونکہ اس کی آنکھوں میں تو کوئی اور بسا ہوا تھا۔شہزادہ...ایک مشرقی شہزادہ...

"ڈیڈ...!ڈیڈ...!"وہ انہیں پکارتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی۔ریسیپشنیسٹ نے اسے روکنے کی کوشش کی تھی مگر اس کے کان پر جوں تک نارینگی تھی۔یہ آفس اس کے باپ کا تھا،اسے کوئی کیسے روک سکتا تھا؟ اپنے باپ کے آفس کے پاس پہنچے اس کے قدم منجمند ہو گئے تھے۔وجہ سامنے موجود شخص تھا۔آفس روم کا ناب گھمائے وہ تنی ہوئی گردن کے ساتھ باہر نکلا تھا۔

اس کی چال میں غرور صاف چھلکتا تھا۔ہلکی ہلکی بیئرڈ، سنہری آنکھیں،ہاتھ میں ابھری ہوئی سبز رگیں، وجیہہ شخصیت...یہی وہ لمحہ تھا جب سنیہا حمید اپنا دل ہار گئی تھی۔آنکھوں پر گوگلز لگائے وہ ٹھیک اس کے پاس سے گزرا تھا۔وہ ساکت ہو گئی تھی،اس کی نظریں پلٹنا بھول گئی تھی۔وہاں موجود سب نے ہی اس شخص کو ستائشی نگاہوں سے دیکھا تھا۔سنیہا کا دل چاہا کہ سب فرنگنوں کی آنکھیں ہی نکال دے۔وہ دل ہی دل میں اس شہزادے کو اپنی ملکیت سمجھ بیٹھی تھی۔وہ شہزادہ جس نے اسے دیکھنا تک گوارا نہیں کیا تھا۔

اس نے سرخ دوپٹہ سر سے نوچ کر پھینکا تھا۔

"سنیہا...!بیٹا دروازہ کھولو...!"اپنی ماں کی آواز پر وہ ہوش کی دنیا میں واپس آئی تھی۔

"مما...!"دروازہ کھولتے وہ روتے ہوئے ان کے گلے لگی تھی۔

"میں کہیں نہیں جاؤں گی۔میں آپ سب کو چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گی۔"اس انافانا نکاح سے وہ ذہنی خلفشار کا شکار تھی۔اب نکاح کے فورا بعد رخصتی نے اس کے اعصاب شل کر دیے تھے۔

"یہ تمہارے ڈیڈ کا فیصلہ ہے اور ہمیں ان کے فیصلے کا احترام کرنا ہے۔" نازش بیگم نے پیار سے اس کے بال سہلاتے ہوئے کہا تھا۔

تقریباً بیس منٹ سمجھانے کے بعد آخر کار سنیہا مان ہی گئی تھی۔ اس نے بوجھل قدموں سے اپنا سامان پیک کیا تھا۔ اس کے ڈاکومنٹس بھی نہیں بنے ہوئے تھے پھر آخر کیسے وہ پاکستان جا سکتی تھی؟

خیر یہ سب باتیں بے معنی تھی۔ جب ہم سفر ہی من پسند نہیں تھا تو پھر اس سے کیا فرق پڑتا تھا کہ وہ کہاں اور کیسے جا رہی تھی۔ اس کا دل ہر چیز سے اچاٹ ہو چکا تھا۔

سنیہا حمید ایک بے حد حسین لڑکی تھی۔ سفید رنگت، پرکشش بڑی سیاہ آنکھیں، کالے گھنے بال جو کہ اس کے کندھے تک آتے تھے، بھرے ہوئے گال اور چہرے پر بلا کی معصومیت... مگر اس سب کے باوجود اس کی قسمت بہت خراب تھی۔ یہ اس کا خیال تھا۔

اس ہاتھ سے سوٹ کیس گھسیٹتے وہ سوجھی ہوئی آنکھوں سے اپنے گھر کے باہر آئی تھی۔ وہ رسماً طور پر سب سے ملی تھی۔ آج اس کے گھر والوں نے اس سے بہت بھاری قیمت وصول کی تھی جس کے لیے وہ انہیں کبھی معاف نا کرنے کا ارادہ رکھتی تھی۔

وہ نظریں جھکائے اس شخص کے ساتھ کھڑی ہوئی تھی۔ پلکوں کا بوجھ اسے نگاہیں اٹھانے سے روک رہا تھا۔ وہ اسے نہیں دیکھنا چاہتی تھی مگر پھر بھی کیوں اس نے نظریں اٹھائی تھیں۔ اپنے عقب میں کھڑے شخص کو دیکھ اس کا دل جیسے دھڑکنا بھول گیا تھا۔

"کیا اس طرح بھی مرادیں قبول ہوتی ہیں؟ کیا واقعی معجزے ہوتے ہیں؟" سنیہا کا دل بس باہر آنے کو تھا۔

وہ وہی تھا، وہی مشرقی شہزادہ... نجانے کیوں اس کے لب مسکرائے تھے۔اس کے دل میں ایک سکون سا اترا تھا۔اسے اس کے من پسند ساتھی سے نوازا گیا تھا۔وہ بے حد خوش تھی۔

---

لندن سے پاکستان تک کے سفر میں وہ چوری چوری اپنے ہم سفر کو دیکھتی رہی تھی۔ مگر مجال تھی جو اس شخص نے ایک بار بھی آنکھ اٹھا کر اسے دیکھا ہو۔وہ اس سے ایسے لاتعلق تھا جیسے وہ وہاں موجود ہی نا ہو۔اس سب کے

باوجود بھی وہ مطمئن تھی۔سنیہا اس کی آواز سننا چاہتی تھی۔اسے یقین تھا کہ اس شخص کی طرح اس کی آواز بھی سحر انگیز ہو گی مگر اسے خود سے مخاطب کرنے کی وہ ہمت نہیں کر پا رہی تھی۔کہیں نا کہیں اس کے اندر کی مشرقی لڑکی اسے یہ کرنے سے روک رہی تھی۔

اسلام آباد کے ائیر پورٹ پر جہاز رکا تھا۔ائیر پورٹ سے گھر تک کا سفر بھی خاموشی سے کٹا تھا۔ایک بہت بڑے گھر کے سامنے گاڑی رکی تھی۔یقیناوہ کوئی فارم ہاؤس تھا، سنیہا نے خود سے اندازہ لگایا تھا۔

اس کی بہت ساری دوستیں پاکستان سے تعلق رکھتی تھیں اور وہ بھی وقتاً فوقتاً اس ملک کے بارے میں بہت کچھ سرچ کرتی

رہتی تھی۔

گھر کے اندر گاڑی کے داخل ہوتے سنیہا نے ستائشی نگاہوں سے ارد گرد دیکھا تھا۔اس نے زندگی میں پہلی بار اتنا بڑا گھر دیکھا تھا۔لیکن اس بات کا اندازہ تو اسے پہلے ہی

تھا کہ پاکستان میں امیر لوگ بہت شاہ خرچ ہوتے ہیں۔وہ بڑے بڑے محلوں میں رہنا پسند کرتے ہیں۔

ڈرائیور کے گاڑی روکتے ہی وہ فورا دروازہ کھولے اندر کی جانب بڑھا تھا۔اس نے مکمل طور پر سنیہا کے وجود کو نظر انداز کر دیا تھا۔وہ پانچ منٹ اضطراب کی کیفیت

میں وہی بیٹھی رہی تھی پھر اس نے ہمت جمع کر کے گاڑی کا دروازہ کھولا تھا۔

چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتے وہ بامشکل فارم ہاؤس کے اندر داخل ہوئی تھی۔

لاؤنج میں بکھری چیزوں کو دیکھ اسے دھچکا لگا تھا۔ہر چیز پھیلی ہوئی تھی،صوفوں پر گرد جمی ہوئی تھی اور ہر طرف جالے...

کچھ اس طرح سے ہوا تھا سنیہا حمی کا نائل آفندی کی زندگی اور اس کے گھر میں استقبال۔

ہر طرف گرد دیکھ کر تو اس کا جی گھبرانے لگا تھا۔آخر کیسے وہ شخص اس جگہ پر رہ سکتا تھا جہاں صدیوں سے صفائی ہی نہیں ہوئی یا پھر یہ جگہ آج کھولی گئی تھی۔ہاں! یقیناً ایسا ہی تھا کیونکہ یہ تو فارم ہاؤس تھا۔اگر یہ فارم ہاؤس تھا تو پھر اس کا گھر کہا تھا؟ وہ اسے اپنے گھر کیوں نہیں لے کر گیا تھا؟

سنیہا کا دماغ چکرانے لگا تھا۔ایک گہری

سانس اندر کھینچتے اس نے اپنا سر جھٹکا تھا۔دس منٹ کی انتھک محنت کے بعد آخر کار سنیہا کو وہ ایک کمرہ مل ہی گیا تھا جہاں

وہ مشرقی شہزادہ گیا تھا۔اس نے ڈھرکتے دل کے ساتھ دروازے کا ناب گھمایا تھا۔دروازہ اندر سے لاک تھا۔

"حد ہے یار...!" اسے اب غصہ آنے لگا تھا۔

کوئی نئی نویلی دلہن کے ساتھ اس قسم کا سلوک کیسے کر سکتا ہے؟

اس نے دروازہ ناک کرنے کے لیے ہاتھ آگے بڑھایا تھا پھر کسی احساس کے تحت وہ رک گئی تھی۔یوں اس طرح دروازہ بجانا اسے اپنی توہین محسوس ہوئی تھی،لہذا وہ پیر پٹختی وہاں سے گئی تھی۔

فارم ہاؤس کے ہر دروازے کو تالا لگا ہوا تھا سوائے اس ایک کمرے کے... جو کہ اندر سے لاک تھا۔

دو گھنٹے بعد وہ اپنی نیند پوری کیے کمرے سے باہر نکلا تھا۔ کمرے سے باہر آتے وہ تیزی سے آگے بڑھا تھا۔ زینے اترتے اس کے قدم رک گئے تھے۔ زینوں پر گرد جمی تھی اور پتے
بھی بکھرے پڑے تھے۔ اب اس نے نظر اٹھا کر لاؤنج کی طرف دیکھا تھا، وہاں بھی حالات کچھ مختلف نا تھے۔

نائل کے ماتھے پر تیوری چڑھی تھی۔ یہ سب اس کی سوچ سے بالکل برعکس تھا۔ اس نے غلط شخص سے امید رکھی تھی۔

کچھ دیر وہ متلاشی نظروں سے ادھر ادھر دیکھتا رہا تھا پھر آخر کار ٹیرس پر پہنچتے اس کی یہ تلاش ختم ہوئی تھی۔

سامنے کا منظر دیکھ اسے حیرت کا دھچکا لگا تھا۔ ایک کرسی پر بیٹھے، دوسری کرسی پر ٹانگیں پھیلائے وہ بہت مزے سے سنیکس کھانے میں مصروف تھی۔ اسے دیکھ وہ
کرنٹ کھا کر اٹھی تھی۔

"وہ مجھے بھوک لگی تھی تو اس لیے میں نے یہ فرائے کر لیے۔" سنیہا نے معصومیت سے کہا تھا۔ وہ حیران تھا، آخر کیسے صرف دو ہی گھنٹوں میں وہ کچن تک رسائی حاصل
کر سکتی تھی؟

ٹیرس کی حالت اور اس کے چہرے پر لگا ہوا سنیکس کا چھوٹا سا ٹکڑا اس بات کی گواہی دے رہا تھا کہ نائل آفندی کا پالا ایک نہایت پھوہڑ لڑکی سے پڑا تھا۔

"لاؤنج کی صفائی کرو۔" وہ سنجیدگی سے حکم صادر کرتے وہاں سے گیا تھا۔

جہاں وہ اس کی پر کشش آواز سن کر خوش تھی وہی دوسری طرف اس کے حکم سے اس کا موڈ آف ہو چکا تھا۔

مگر اب کرنا تو تھا کیونکہ کہنے والا شخص اس کے لیے اہم تھا، بے حد اہم...

اس نے انتھک محنت سے سارا لاؤنج رگڑ رگڑ کر صاف کیا تھا۔

"لوگ جھوٹ کہتے ہیں کہ پاکستان میں ملازم ہوتے ہیں، یہاں پر تو ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔" سنیہا نے دہائی دی تھی۔

"سیڑھیاں کون صاف کرے گا؟" ابھی وہ صوفے پر بیٹھی ہی تھی کہ ایک بار پھر مردانہ آواز سے اسے زبردست کرنٹ لگا

تھا۔ وہ اس کے سر پر کھڑا تھا۔ چہرے پر چٹانوں جیسی سختی تھی۔

سنیہا نے کچھ کہنے کے لیے لب کھولے تھے مگر اس شخص کے آگے تو جیسے اس کے سارے الفاظ دم توڑ گئے تھے۔ وہ ہر کسی کو منہ توڑ جواب دینے والی لڑکی اس شخص کے آگے الفاظ کو ترتیب دینے سے بھی قاصر تھی۔

"جلدی کرو۔" وہ ایک بار پھر حکم صادر کرتے وہاں سے گیا تھا۔ وہ بوجھل قدموں سے آگے بڑھی

تھی۔ ایک نئی نویلی دلہن کو تو سر آنکھوں پر بٹھایا جاتا ہے۔ اس کے قدموں میں گلاب بچھائے جاتے ہیں مگر سنیہا کے قدموں تلے تو گرد اور

خزاں کے پتے تھے جنہیں اسے ہی صاف کرنا تھا۔

سارے دن کی تھکی ہاری وہ شکست خور حالت میں کمرے میں داخل ہوئی تھی۔

"تم کہیں جا رہے ہو؟" یہ پہلا سوال تھا جو سنیہا نے پوچھا تھا۔ سوٹ کیس بند کرتے نائل کے ہاتھ رکے تھے۔

"میرا مطلب ہے کہ یہ سوٹ کیس...؟" سوٹ کیس کی حالت سے صاف ظاہر تھا کہ اسے آج ہی کھولا گیا ہے، شاید کپڑے نکالنے کے لیے... پھر اسے دوبارہ بند کیا جا رہا تھا۔

"تم کہاں جارہے ہو؟"ابھی سنیہا نے جملہ ادا ہی کیا تھا کہ نائل نے اسے گردن سے دبوچ دیوار سے لگایا تھا۔سنیہا کی سانس اکھڑنے لگی تھی۔

"پہلی بات! جب تک میں تمہیں مخاطب نا کروتب تک اپنی زبان بندر کھنا۔"اس نے اس کی گردن پر مزید دباؤڈالا تھا۔وہ اپنے ہاتھوں سے اپنی گردن چھڑوانے کی ناکام کوشش کررہی تھی۔

"دوسری بات! تم نہیں آپ...!"نائل سرد لہجے میں غرایا تھا۔

"تیسری بات! میرے سامنے تمہیں نظریں اٹھانے کی اجازت نہیں ہے۔"سنیہا کو اپنادم گھٹتا ہوا محسوس ہوا تھا۔اسے

ملک الموت اپنے سامنے دکھا تھا۔

"چوتھی اور آخری بات! تمہیں میرے کمرے میں آنے کی اجازت نہیں ہے۔"اس کا گلا چھوڑے نائل نے اسے فرش پر دھکہ دیا تھا۔وہ اپنا گلا پکڑے مسلسل کھانس رہی

تھی۔

"کوئی بھی کمرہ کھولو اور وہی پڑی رہنا...!"نائل نے اس کے سامنے نہایت ہتک سے چابی پھینکی تھی۔

اس کے وجود کو بے مول کرتے وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے گیا تھا۔

آنسوؤں کا ایک ریلہ اس کی آنکھوں سے بہنا شروع ہوا تھا۔مارے شرمندگی کے احساس سے وہ زمین میں گھڑتی چلی گئی تھی۔کیا یہ تھا اس کا شہزادہ...؟کیا ایسے ہوتے ہیں شہزادے...؟

کچھ دیر رونے کے بعد اس نے ایک عزم سے آنسو پونچھے تھے۔

"مجھے یہاں نہیں رہنا۔"اٹھتے ساتھ اس نے فیصلہ کیا تھا۔

اب اس نے اپنے کوٹ کی جیب سے موبائل نکالا تھا۔اس سے پہلے کہ وہ کسی کو کال ملاتی، نائل نے فوراً اس کے ہاتھ سے فون جھپٹے دور پھینکا تھا۔فون ٹکڑوں میں بٹ گیا تھا۔ سنیہا کا تو سارا وجود ہی لرز گیا تھا۔

"یہ تمہاری پہلی اور آخری غلطی ہے۔" نائل نے اس کا منہ دبوچے اسے وارننگ دی تھی۔ وہ بہت بری طرح سہم گئی تھی۔اس نے اپنی ساری زندگی باہر کے ملک میں گزاری

تھی، اور اس کے گھر میں بھی ایک صاف ستھرا ماحول تھا۔اس نے کبھی یہ مار پیٹ اور یہ سفاکیت نہیں دیکھی تھی۔

"تم تو ابھی سے ڈر گئی۔" نائل اس کے لرزتے وجود کو دیکھ کافی محظوظ ہوا تھا۔

"ابھی تو شروعات ہے۔ آگے آگے دیکھو، تمہارے ساتھ کیا کیا ہوتا ہے۔" اس کا گال تھپکتے وہ مڑا تھا۔

"مجھ سے نکاح کیوں کیا؟" خود کو مضبوط کرتے اس نے بالآخر پوچھ ہی لیا تھا۔

"کیا سمجھایا ہے میں نے تھوڑی دیر پہلے...؟" وہ دھاڑا تھا۔

"جب تک میں خود تمہیں مخاطب نا کروں تب تک اپنی زبان بند رکھنا۔"

"مجھے بس میرے سوال کا جواب دے دو میں زندگی بھر اپنی زبان نہیں کھولوں گی۔" نائل نے ایک جھٹکے سے اس کی کلائی دبوچے اسے اپنی طرف کھینچا تھا۔

"تمہیں کچھ بھی جاننے کا کوئی حق نہیں ہے لیکن پھر بھی تمہاری اطلاع کے لیے عرض ہے کہ میں نے تم سے کوئی نکاح نہیں کیا۔" سنیہا نے حیرانی سے اس کی طرف

دیکھا تھا۔

"میں نے تمہیں تمہارے سو کالڈ باپ سے خریدا ہے، اور وہ بھی پورے دس کروڑ میں...! تو کسی خریدی گئی چیز

کا اپنے سامنے اس طرح زبان کھولنا مجھے ہر گز نہیں پسند... تمہاری حیثیت میری نظر میں محض ایک غلام جیسی ہے، اور اپنے غلام کو میں اپنے آگے بولنے کی اجازت نہیں دیتا" اسے بستر پر دھکہ دیے وہ وہاں سے گیا تھا۔

وہ کچھ دیر شاک کی کیفیت میں وہاں بیٹھ رہی تھی۔ اس کا دماغ سن ہو چکا تھا۔ جو انکشاف اس پر ہوا تھا وہ بے حد بھیانک تھا۔ آخر کیسے اس کا باپ اسے بیچ سکتا تھا؟

وہ بھی محض دس کرڑور میں...

"نہیں! یقیناً اس نے بابا کو دھمکایا ہو گا۔ میرے بابا مجھے نہیں بیچ سکتے۔" سنیہا نے روتے ہوئے نفی میں سر ہلایا تھا۔

---

وہ ٹیرس پر کرسی پر ٹانگ پر ٹانگ جمائے بیٹھا سگریٹ سلگا رہا تھا جبکہ محسن اسے دیکھنے میں مصروف تھا۔

"کیا مصیبت ہے؟" نائل جھنجھلایا تھا۔

"تمہاری قسمت پر رشک آتا ہے۔" محسن نے سرد آہ بھری تھی۔

"ایک ہم ہیں جو ساری زندگی ایک کے ساتھ گزارا کرنے پر مجبور ہیں اور ایک تم ہو جو...!" اس نے بات ادھوری چھوڑ دی تھی۔

"اپنی خوشی سے نہیں کرتا میں، مجبوری ہے۔" نائل نے سگریٹ کا ایک اور کش بھرتے کہا تھا۔

"واہ کیا مجبوری ہے...؟ نام بدل بدل کر لڑکیوں سے نکاح کرنا... کاش کہ مجھے بھی ایسی کوئی مجبوری ہوتی۔" محسن نے افسوس سے کہا تھا۔

"اس بار میں نے اپنے اصلی نام سے نکاح کیا ہے۔" نائل نے اسے یاد کروایا تھا۔

"آگے کیا کرنا ہے؟" محسن اس کے ارادے جاننے کے لیے بے چین تھا۔

"زندگی جہنم بنانی ہے اور کیا...؟" اس نے تنفر سے سر جھٹکا تھا۔

"ہائے...!" محسن نے گہری سانس خارج کی تھی۔

"ذرا سنبھل کر! کہیں محبت ہی نا ہو جائے۔" محسن نے شرارت سے کہا تھا۔

"مجھے سنیہا سے محبت نہیں ہے۔" نائل کے لہجے میں حقارت تھی۔

"تو کیا اس سے تھی؟" نائل کے چہرے پر ایک رنگ آیا تھا تو دوسرا گیا تھا۔

آنکھوں کے سامنے کیا کیا نہیں لہرایا تھا۔ کسی کا حسین چہرہ، کسی کی کھنکھتی ہنسی...

اس نے فوراً ہی سر جھٹکا تھا۔

"مجھے دیر ہو رہی ہے۔ مجھے آج گھر بھی جانا ہے۔" نائل نے اٹھتے ساتھ کہا تھا۔

"چھوٹی کیسی ہے؟" محسن کے سوال پر نائل کا چہرہ ہشاش بشاش ہوا تھا۔

"ناراض ہو گی مجھ سے، منانا پڑے گا۔" اپنے دل کے ٹکڑے کا چہرہ آنکھوں کے سامنے آتے نائل کی روح میں سکون اترا

تھا۔

"اس آدمی کا کیا کرنا ہے؟" محسن کے ذہن میں اچانک ہی اس آدمی کا خیال آیا تھا جسے انہوں نے کل ہی اٹھوایا

تھا۔

"کہو تو ٹپکا دیں؟" محسن نے ایک آبرو ریز کرتے پوچھا تھا۔

"نہیں! زندہ رکھنا، کیونکہ موت سزا نہیں ہے، زندگی سزا ہے۔" اپنا کوٹ اٹھاتے وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتے وہاں سے گیا تھا۔

---

اپنے پیلس کے اندر داخل ہوتے ہی نائل کے چہرے پر مسکراہٹ بکھری تھی۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ایک کمرے کے باہر رکا تھا۔ آہستگی سے کمرے کا ناب گھمائے نائل اندر داخل ہوا تھا۔ دبے پاؤں چلتا وہ بستر کے قریب پہنچا تھا۔

وہ پرسکون نیند سو رہی تھی۔ لیمپ آن کرتے وہ اس کے قریب بستر پر بیٹھا تھا۔

اس کا چہرہ دیکھتے نائل کو اس پر بے تحاشہ پیار آیا تھا۔

"میری جان...!" نائل نے اس کے بالوں میں آہستگی سے ہاتھ پھیرا تھا۔ وہ بے سود سوئی رہی تھی۔

"مجھے پتا ہے کہ آپ جاگ رہی ہیں۔" نائل نے اس کے کان کے پاس سرگوشی کی تھی۔

"جی نہیں! میں سو رہی ہوں۔" اس نے فوراً ہی زبان دانتوں تلے دبائی تھی۔ نائل کا بے ساختہ قہقہہ چھوٹا تھا۔

"اُفف!" بستر پر بیٹھتے اس نے اپنا ماتھا پیٹا تھا۔ مجال ہے جو اس کی زبان کسی وقت بھی کنٹرول ہو جائے۔

"چلیں اٹھیں! باہر چلتے ہیں۔" نائل نے کھڑے ہوتے ساتھ بہت محبت سے ہاتھ آگے بڑھایا تھا۔

"مجھے کہیں نہیں جانا... میں آپ سے بہت، بہت ناراض ہوں۔" وہ منہ پھلائے رخ موڑ گئی تھی۔

"اور میرا بچہ مجھ سے کیوں ناراض ہے؟" اس کے قریب بیٹھتے نائل نے ایک بازو اس کے گرد پھیلایا تھا۔

"اتنے دنوں سے آپ گھر نہیں آئے، چلیں ٹھیک ہے میں پھر بھی معاف کر دیتی ہوں مگر آج تو میری سالگرہ تھی لیکن آپ پھر بھی لیٹ آئے ہیں۔" آواز میں نمی گھلی تھی۔

"میرا بچہ آئی ایم سوری! بھائی کو معاف کر دو" نائل نے ایک آس سے کہا تھا۔

"یہ آخری بار ہے۔"وانیہ نے انگلی اٹھائے اسے وارننگ دی تھی۔

"بالکل...!"نائل نے اس کی ہاں میں ہاں ملانا ضروری سمجھا تھا۔

"چلیں !اب کیک کٹ کرتے ہیں۔"نائل نے اسے سہارا دیے اٹھایا تھا۔

"خود چل سکتی ہوں میں...!"وہ ہمیشہ ہی اسے بچوں جیسا ٹریٹ کرتا تھا جس پر وہ کبھی کبھی اکتا جاتی تھی۔

"میرا بچہ !اگر آپ گر گئی پھر...؟"نائل کے لہجے میں
فکر مندی تھی۔

"زمین پر قدم رکھنا ہے بھائی، پل صراط پر نہیں...!"وانیہ نے اس کی بات مذاق میں اڑائی تھی۔وہ بھی سر جھٹک کر مسکرا دیا تھا۔

دودھیا اور گلابی رنگت، سنہری اور پرکشش آنکھیں، لمبے بھورے بال اور چہرے پر بکھری معصومیت...وانیہ آفندی ایک بہت ہی دلکش اور خوبصورت لڑکی تھی۔

وہ لوگوں کی نگاہوں کا مرکز تھی۔جو شخص اسے ایک بار دیکھ لیتا تو دوبارہ پلٹ کر دیکھنا تو جیسے اس پر فرض ہو جاتا تھا۔

لاؤنج میں داخل ہوتے ہی انہوں نے کیک کٹ کیا تھا۔

"آپ کا گفٹ آپ کو صبح ملے گا۔"نائل نے بہت محبت سے اسے خود سے لگایا تھا۔

"میں باقی لوگوں کی طرح اپنی سالگرہ کیوں نہیں منا سکتی؟"وانیہ نے اداسی سے کہا تھا۔

"آپ جیسے چاہے گی ہم بالکل ویسے آپ کی سالگرہ منائے گئے۔"اس کا بجھا بجھا سا چہرہ دیکھ نائل فکر مند ہوا تھا۔

"میں باقی لوگوں جیسی کیوں نہیں ہوں؟" کہتے ساتھ ہی وہ رو دی تھی۔ اس کے آنسو سیدھا نائل کے دل پر گرے تھے۔

"میری جان! آپ باقیوں جیسی ہو بھی نہیں سکتی، کیونکہ آپ نائل آفندی کی بہن ہیں۔" نائل نے مسکرا کر اس کے آنسو صاف کیے تھے۔ وہ بھی نم آنکھوں سے مسکرا دی تھی۔

"اپنی سالگرہ کا تحفہ میں اپنی مرضی سے لوں گی۔" وہ فوراً ایکسائیڈ ہوئی تھی۔

"ٹھیک ہے۔" وہ اعتراض کر ہی نہیں سکتا تھا۔

"ایسے نہیں! پہلے آپ وعدہ کریں کہ میں جو کہوں گی، آپ مجھے دیں گے۔" وانیہ نے اس کے آگے ہتھیلی پھیلائی تھی۔

"اب ایسے تو میں کوئی وعدہ نہیں کرنے والا، آپ کا کیا بھروسہ، آپ کہیں ایفل ٹاور ہی نا مانگ لیں۔" نائل نے لب دبائے کہا تھا۔

اس نے یہ بات محض وانیہ کا موڈ ٹھیک کرنے کے لیے کی تھی مگر اس کی یہ بات بری طرح سے اس کے گلے پڑ جائے گی، یہ تو اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔

"تو کیا آپ مجھے ایفل ٹاور خرید کر نہیں دے سکتے؟" وانیہ نے شاک کی کیفیت میں پوچھا تھا۔

"ہائے اللہ! مجھے تو لگا تھا کہ ہم امیر ہیں۔ مگر ہم تو بہت زیادہ غریب ہیں۔" اس نے افسوس سے سر جھکایا تھا۔

نائل نے خاموش رہنا ہی بہتر سمجھا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس کی بہن امچیور ہونے کے ساتھ ساتھ بے وقوف بھی تھی۔

صبح کے آٹھ بجے گھر کے تمام افراد ہی ڈائننگ ٹیبل پر موجود تھے۔ نائل سربراہی کرسی پر براجمان تھا جبکہ ایک طرف وانیہ اور دوسری طرف ماہم بیٹھی تھیں۔

ڈائننگ ٹیبل کے گرد بارہ کرسیاں ترتیب سے رکھی ہوئی تھیں۔ لاؤنج میں بیش قیمتی کالین بچھا ہوا تھا۔ دیواروں پر جگہ جگہ وانیہ اور نائل کی تصویریں لگی ہوئی تھیں۔

ماہم کو تصویریں بنوانا زیادہ پسند نا تھا۔ وہ رشتے میں نائل اور وانیہ کی پھوپھو لگتی تھی مگر ان کی عمر کافی کم تھی۔ انہوں نے شادی نہیں کی تھی اور اس کی سب سے بڑی وجہ وانیہ کی پرورش تھی۔

"رات میں نے آپ سے کچھ کہا تھا۔" وانیہ کو اچانک ہی یاد آیا تھا۔

"کیا...؟" نائل نے گرین ٹی کا سپ لیتے اس کی جانب دیکھا تھا۔

"مجھے اپنی سالگرہ کا تحفہ اپنی مرضی کا چاہیئے۔"

"کیا چاہیئے میری جان کو...؟" کپ کو ٹیبل پر رکھتے نائل نے محبت سے استفسار کیا تھا۔

"میں چاہتی ہوں آپ شادی کرلیں۔" وانیہ کی بات پر ماہم اور نائل دونوں ہی چونکے تھے۔

"بھائی پلیز! گھر میں بھابھی آجائیں گی نا، تو بہت مزا آئے گا۔ ویسے بھی آپ بوڑھے ہوتے جارہے ہیں، پلیز شادی کرلیں۔" وانیہ نے معصومیت سے کہا تھا۔

نائل خاموش رہا تھا۔ یہ وہ سوال تھا جس کا وہ جواب نہیں دے سکتا تھا۔

"بھائی سوچے تو سہی ایک بار... آپ کے پاس بھی بیوی آجائے گی پھر آپ کے بچے ہوگے اور میں ان کے ساتھ کھیلوں گی۔ پہلے بیٹی ہوگی، ہم اس کا کمرہ سجائے گے، ہم کالے رنگ کا پینٹ کروائے گے۔ ضروری تھوڑی ہے کہ ہر لڑکی کو گلابی رنگ ہی پسند ہو۔ پھر ہم باہر گھومنے جائے گے اور فاسٹ فوڈ بھی کھائے

گے۔"نائل کے لبوں کو دلفریب مسکراہٹ نے چھوا تھا۔وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ یہ ساری چیزیں وانیہ کی اپنی پسند ہیں۔

ماہم بھی وانیہ کی باتوں سے محظوظ ہوئی تھی۔وانیہ ان کے گھر کی رونق تھی۔

"جب وہ تھوڑی سی بڑی ہو گی تو پھر ضد کرے گی کہ اسے پیرس جانا ہے، مگر کوئی بات نہیں پیرس بالکل بھی اچھی جگہ نہیں ہے۔ہیں نا بھائی...؟"نائل نے بامشکل لب دبائے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

"اسے کریلے کا جوس بھی پسند نہیں ہو گا، مگر وہ تو صحت کے لیے اچھا ہوتا ہے نا...!"وہ اپنی ہی دھن میں بولے چلی جا رہی تھی جب ماہم نے اسے ٹوکا تھا۔

"باقی سب تو ٹھیک ہے مگر تم اس کا نام کیا رکھو گی؟"نائل اور ماہم دونوں نے ہی دلچسپی سے اس کے کنفیوژ چہرے کو دیکھا تھا۔

وہ کچھ دیر سوچتی رہی تھی پھر وہ ایکدم جوش سے بولی تھی۔

"نین...!میں اس کا نام نین رکھو گی۔"اس نے دو انگلیوں کی چٹکی بجائے مسکرا کر کہا تھا۔ماہم اور نائل دونوں ہی شل

ہو گئے تھے۔

"اچھا نام ہے نا بھائی؟"وانیہ نے آنکھوں میں تجسس کا تاثر لیے نائل کی طرف دیکھا تھا۔

"بہت برا نام ہے۔"اپنے غصے پر بامشکل قابو پاتے وہ فوراً وہاں سے اٹھا تھا۔

"ارے!اتنا اچھا تو ہے۔"اس نے منہ بنائے ماہم کی طرف دیکھا تھا۔شاید وہیں سے کوئی ستائشی جملہ سننے کو مل جائے۔

"وانیہ!یہ نام تمہیں کس نے بتایا ہے؟"ماہم کے چہرے پر پریشانی کا عنصر تھا۔

"کسی نے بھی نہیں! خود ہی میرے ذہن میں آیا تھا۔" وانیہ نے لاپروائی سے کہا تھا جبکہ ماہم گہری سوچ میں پڑ گئی تھیں۔

---

گاڑی کو ایک سائیڈ پر بریک لگائے وہ نہایت سخت تاثرات چہرے پر سجائے آگے بڑھ رہا تھا۔ کلینک کے اندر داخل ہوتے ہی اس نے پیر سے ٹھدا مار کر دروازہ کھولا تھا۔

"نائل...!" ڈاکٹر اشعر نے ابھی الفاظ ادا بھی نہیں کیے تھے کہ نائل نے اسے گردن سے دبوچا تھا۔

"اتنے سالوں تک تم جیسوں کو کھلا پلا رہا ہوں، کس لیے...؟" وہ غرایا تھا۔

"کیسے یاد ہے اسے وہ نام...؟ بولو، کیسے؟؟" شدید غصے کی حالت میں نائل نے اس کی گردن پر مزید دباؤ ڈالا تھا۔

"تم نے کہا تھا کہ اسے صرف یہ سب تب یاد آئے گا جب اسے دورہ پڑتا ہے۔ عام حالات میں اسے کچھ یاد نہیں رہے گا تو
پھر اسے نین کیسے یاد ہے؟" اس کی آنکھیں انگارے برسا رہی تھیں۔ طیش کی وجہ سے اس کا چہرہ سرخ پڑ چکا تھا۔

"ا...ات...اتفاق...!" اشعر نے اکھڑتی سانسوں کے درمیان کہا تھا۔

"کسی دن میں تمہارا سارا وجود گولیوں سے بھون دوں گا اور تمہاری لاش کو جنگلی کتوں کے آگے ڈال دوں گا۔ اور تمہارے گھر والوں سے کہوں گا کہ یہ محض ایک اتفاق ہے۔" نائل نے اسے ایک جھٹکے سے پرے دھکیلا تھا۔

"میری بہن میری زندگی ہے۔اور میں اپنی زندگی کو کسی قسم کی تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا۔بہتر یہی ہے کہ یہ اتفاق دوبارہ نا ہو۔" اسے وارننگ دیے وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر کی جانب بڑھا تھا۔

دروازے تک پہنچ کر اس کے قدم رکے تھے۔کوٹ کی جیب سے گن نکالے اس نے بغیر دیکھے نشانہ باندھا تھا۔گولی اشعر

کے بازو سے آر پار ہوئی تھی۔

"مجھے امید ہے آئیندہ اس قسم کے اتفاقات نہیں ہوں گے۔" اس کے تڑپتے سسکتے وجود کو تنفر سے دیکھے وہ سر جھٹکتے باہر نکلا تھا۔

گھر آتے ہی اس نے خود کو نارمل کیا تھا۔وانیہ کے سامنے وہ غصہ نہیں کرتا تھا۔سٹڈی روم میں داخل ہوتے اس کے

ماتھے پر تیوری چڑھی تھی،وجہ سامنے موجود لفافہ تھا۔

نائل نے لب بھینچے اسے کھولا تھا۔

"صرف ایک سال... میری امانت کا خیال رکھنا۔" خط پڑھتے

ساتھ ہی اسے شدید طیش آیا تھا۔اس خط کو ہاتھ میں دبوچے وہ تیز تیز قدم اٹھاتا لاؤنج سے گزرتے باہر لان کی طرف گیا تھا۔گیٹ پر پہنچتے اس نے گارڈ کو دبوچا تھا۔

"یہ میرے گھر تک کیسے پہنچا؟" لہجہ

نہایت سرد تھا۔

"کوریئر...!"

"چٹاخ...!"نائل نے اس کے منہ پر زبردست تمانچہ رسید کیا تھا۔اس کے ہاتھ کا چانٹا کھانے کے بعد وہ شخص زمین
پر گرا تھا۔ضرب اتنی شدید تھی کہ اسے اپنے کان میں گھنٹیاں بجتی سنائی دے رہی تھیں۔

"دوبارہ یہ ہوا تو جان لے لوں گا میں تمہاری...!"وہ غصے سے واپس اندر کی جانب بڑھا تھا۔

"کیا ہوا نائل...؟"اسے غصے سے لاؤنج میں داخل ہوتے دیکھ ماہم کو تشویش ہوئیتھی۔

"یہ شخص...!"نائل نے وہ خط ماہم کی جانب بڑھایا تھا۔اس نے نفی میں سر ہلائے افسوس کیا تھا۔

"ہر سال! ہر سال...وانیہ کی سالگرہ پر یہی خط بھیجتا ہے،بس ایک بار...ایک بار میرے ہاتھ لگ جائے پھر دیکھیں گا میں اس کا کیا حال کرتا ہوں۔"ماہم کے ہاتھ سے خط جھپٹتے وہ اپنے کمرے کی جانب بڑھا تھا۔

ماہم کا سر چکرانے لگا تھا۔یہ دشمنی تو بہت پرانی تھی۔وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ نائل اور وہ دونوں ہی ضدی ہیں۔لیکن اس سب میں انہیں بس وانیہ کی فکر تھی۔وہ معصوم تھی،بے حد معصوم... کہیں ان دونوں کی جنگ اس معصوم کی زندگی ہی نا برباد کر دے۔

---

وہ اپنی نیند پوری کر کے باہر لاؤنج میں آئی تھی۔ایک نئی ملازمہ کو کام کرتا دیکھ وہ ٹھٹھکی تھی۔اس گھر میں ایک
نئے چہرے کو دیکھ کر اسے خوشگوار حیرت بھی ہوئی تھی۔

"تم نئی ہو؟"وانیہ کا انداز دوستانہ تھا۔اس ملازمہ نے نظریں جھکائے تابعداری سے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

"پھوپھو کہاں ہیں؟ مجھے پاستہ کھانا ہے۔"اسے اس وقت شدید بھوک لگی تھی۔

"جی وہ اپنے کمرے میں ہیں۔آپ کہے تو میں بنا دوں؟"

"ہاں بنا دو۔" وانیہ نے خوشدلی سے اجازت دی تھی۔

وہ بھی اس ملازمہ کے ساتھ کچن تک آئی تھی۔وانیہ نے ستائشی نگاہوں سے سارے کچن کو دیکھا تھا۔یہ اس کے گھر کا کچن تھا مگر پھر بھی اس نے اسے کبھی نہیں دیکھا تھا۔نائل اور ماہم اسے کچن میں نہیں جانے دیتے تھے اور ان

کے حکم پر گھر کے تمام ملازموں نے بھی اسے کبھی کچن میں داخل نہیں ہونے دیا تھا۔

کچن خوبصورت تو تھا مگر ایک چیز تھی جو اسے عجیب لگی تھی۔کچن کی بناوٹ...اصولا اسے اوپن ہونا چاہیئے تھا جس طرح باقی تمام بنگلوں میں ہوتا ہے مگر ان کے گھر کے کچن کا دروازہ تھا اور وہ زیادہ تر لاک رہتا تھا۔وانیہ کی ضرورت کی تمام چیزیں اور ایک چھوٹا سا فریج اس کے کمرے میں ہی رکھ دیا گیا تھا۔رات کے وقت بھی کچن لاک ہی رہتا تھا اور اس جگہ میں وانیہ کو آنے کی اجازت نہیں تھی۔

اس ملازمہ نے چولہے پر برتن رکھے چولہا جلایا تھا۔وانیہ کی رنگت ایک دم ہی زرد پڑی تھی۔اب برتن میں پانی ڈالے

اس نے پانی ابلنے رکھا تھا۔پانی کے ابلتے ساتھ ساتھ وانیہ کا چہرے پسینے سے تر ہوا تھا۔

"آگ...!" اس کے لب آہستگی سے ہلے تھے۔

"آگ...!" وہ چیختی ہوئی آگے بڑھی تھی۔اپنے ہاتھوں سے برتن کو اٹھائے اس نے نیچے زمین پر پھینکا تھا۔گرم پانی کے چھینٹے اس کے پیروں پر پڑے تھے۔

"وہ مر رہی ہے۔ وہ مر جائے گی۔" وہ مسلسل چیختے چلاتے اپنے ہاتھوں سے آگ بجھانے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس کا یہ پاگل پن دیکھ وہ ملازمہ بری طرح گھبرا گئی تھی۔ وہ بھاگتے ہوئے کچن سے باہر گئی تھی۔ اب اس نے چلا چلا کر سب کو اکھٹا کیا تھا۔

ماہم بھاگتی ہوئی کچن میں داخل ہوئی تھی۔

"وانیہ...!" ماہم نے بھاگتے ہوئے اسے پیچھے ہٹانے کی کوشش کی تھی۔ وہ کسی صورت قابو میں نہیں آ رہی تھی۔ مسلسل اپنے ہاتھوں سے آگ بجھانے کی کوشش کرتے

وہ اپنے ہاتھ بری طرح جلا چکی تھی۔

"نائل! نائل...!" ماہم نے فوراً نائل کو آواز دی تھی۔ وہ ابھی زینے ہی اتر رہا تھا کہ ماہم کی آواز کی پیروی کرتے وہ بھاگتا ہوا کچن کی جانب گیا تھا۔

"وانیہ...!" وانیہ کو پیچھے ہٹائے اس نے فوراً چولہا بند کیا تھا۔

"آگ... گاڑی... وہ مر جائے گی۔ میں آگ... آگ بجھانی ہے۔" وہ اس وقت آپے سے باہر ہو چکی تھی۔

"میری جان! کوئی آگ نہیں ہے، کچھ نہیں ہے۔" نائل نے اسے ریلیکس کرنے کی کوشش کی تھی۔

"آگ ہے، گاڑی میں لڑکی ہے۔ خون تھا۔ وہ چار لوگ تھے۔ نین... وہ مر جائے گی۔ وہ مر گئی۔" وہ ہچکیوں سمیت رو دی تھی۔

"میں نے دیکھا... میں نے... وہ جھاڑیوں کے پیچھے وہ شخص...!" جہاں ماہم نے نظریں چرائی تھیں وہی نائل نے کرب سے آنکھیں میچی تھیں۔

"وہ شخص... اس نے...!" تمام الفاظ یہاں آ کر ختم ہوئے تھے۔ وہ چکراتے سر کے ساتھ ہوش و ہواش سے بیگانہ ہو گئی

تھی۔

---

وہ بستر پر آنکھیں بند کیے بے سود لیٹی تھی۔نائل اس کے قریب بیٹھے مسلسل اس کے بال سہلا رہا تھا۔اس کے ہاتھوں
پر چھالے دیکھ نائل کی آنکھ سے ایک آنسو ٹوٹ کر گرا تھا۔

"آئی۔ایم۔سوری وانیہ!آئی۔ایم۔سوری میری جان!میں چاہ کر بھی آپ کے لیے کچھ نہیں کر سکا۔اتنی تکلیف ہوئی ہو گی نا آپ کو...میرا بس چلے تو میں آپ کے نصیب سے سارے دکھ مٹا کر اپنے نصیب میں لکھ لوں۔"نائل نے اس کے سر پر بوسہ دیا تھا۔

"زخم زیادہ گہرے نہیں ہیں بھر جائے گے۔تم فکر مت کرو۔"ماہم نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھے اسے تسلی دی تھی۔

"بارہ سال گزر گئے لیکن وانیہ اب تک وہ حادثہ نہیں بھول سکی۔میری معصوم گڑیا نے سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔کس قدر اذیت ناک ہو گا نا...؟"

"نائل تم حوصلہ رکھو۔ان شاءاللہ وانیہ ٹھیک ہو جائے گی۔"ماہم نے اسے تسلی دینے کی کوشش کی تھی۔

"وہ لڑکی کہاں ہے؟"ایکدم ہی اس کے چہرے پر سختی در آئی تھی۔

"کون سی لڑکی...؟"

"وہی ملازمہ...!"ماہم نے گہری سانس خارج کی تھی۔

"اسے نکال دیا میں نے...!"

"کس کی اجازت سے...؟"وہ دبادبا سا غرایا تھا۔

"آدھے گھنٹے کے اندر اندر مجھے وہ چاہیئے۔" وہ اس گھر کا سربراہ تھا، حاکم تھا۔اس کے حکم کے آگے سب کو سر جھکانا ہی پڑتا تھا۔

"نائل وہ یہاں سے جا چکی ہے۔" ماہم نے آخری کوشش کی تھی۔ وہ سخت تاثرات چہرے پر سجائے فورا اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"بلاوجہ وقت ضائع مت کریں پھوپھو! اسے نائل آفندی کے قہر سے کوئی نہیں بچا سکتا۔" وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے گیا تھا۔ماہم شکست خوردہ حالت میں وانیہ کے ساتھ بستر پر بیٹھی تھی۔

وہ سٹڈی روم میں صوفے پر ٹانگ پر ٹانگ جمائے بیٹھا تھا۔اور وہ ملازمہ سر جھکائے ایک سائیڈ پر کھڑی تھی۔اس کا سارا وجود خوف کے مارے لرز رہا تھا۔

"اٹھاؤ اسے...!" نائل نے آنکھ کے اشارے سے اسے میز پر پڑا کانچ کا گلاس اٹھانے کا کہا تھا۔وہ ڈری سہمی آگے بڑھی تھی۔اس نے کپکپاتے ہاتھوں سے گلاس اٹھایا تھا۔

"یہ اٹھاؤ۔" نائل نے ایک سائیڈ پر رکھے ڈنڈے کی طرف اشارہ کیا تھا۔

"اٹھاؤ...!" اسے اپنی جگہ سے نا ہلتا دیکھ کر نائل بلند آواز میں دھاڑا تھا۔اس کی دھاڑ سے سہمتے ہوئے اس ملازمہ نے آگے قدم بڑھائے تھے۔ایک ہاتھ میں گلاس اور دوسرے ہاتھ میں ڈنڈا پکڑے وہ اشق بہانے میں مصروف تھی۔ نجانے اب اس کے ساتھ کیا ہونے والا تھا۔

"اپنے ایک ہاتھ کی ہتھیلی پر گلاس کو رکھو اور دوسرے ہاتھ میں موجود ڈنڈے سے اسے توڑ دو۔" اس ملازمہ کا سانس وہیں سوکھ گیا تھا۔

"میں اپنی بات دہرانے کا عادی نہیں ہوں۔" نائل نے کوٹ کی جیب سے گن نکال کر سامنے ٹیبل پر رکھی تھی۔

اس ملازمہ کے پاس اب اس کی بات ماننے کے علاوہ کوئی راستہ نہیں بچا تھا۔

"پہلی ضرب ہی اتنی شدید ہونی چاہیئے کہ گلاس ٹوٹ جائے۔" سرد لہجے میں حکم صادر کرتے وہ اب سگریٹ سلگا رہا تھا۔ وہ ملازمہ ہچکیوں سمیت رو دی تھی۔

اس طرح ضرب لگانے سے کانچ کے ٹکڑے بہت بری طرح اس کے ہاتھ میں پیوست ہو جانے تھے۔ اس نے کپکپاتے ہاتھوں کے ساتھ بہت زور سے ضرب لگائی تھی۔

"آہ...!" سٹڈی روم کی در و دیوار سے اس کی چیخ ٹکرائی تھی۔ کانچ کے ہاتھ میں پیوست ہونے کی اتنی تکلیف نہیں تھی جتنی اپنے ہاتھ پر بہتے خون کو دیکھنے کی تھی۔ نائل کے چہرے پر سکون بکھرا تھا۔

"اب دوسرا گلاس بھی اسی طرح توڑو۔" آنکھوں میں التجا لیے اس نے نائل کی جانب دیکھا تھا۔ مگر وہ اس وقت بے رحم بنا ہوا تھا۔ بات جب اس کی بہن کی آتی تھی تو وہ بے رحم ہو جاتا تھا۔

"جلدی...!" اس کی غراہٹ پر ملازمہ نے ہار مانتے ہوئے دوسرا گلاس اٹھایا تھا۔

دوسرے سے تیسرا، تیسرے کے بعد چوتھا...

اگر ماہم وقت پر نا پہنچتی تو یہ سلسلہ رکنا نہیں تھا۔

"تم جاؤ یہاں سے...!" ماہم کے کہنے کی دیر تھی، وہ ملازمہ فوراً اپنا خون میں لت پت ہاتھ لیے وہاں سے بھاگی تھی۔

"تم پاگل ہو چکے ہو نائل...!" ماہم کو اس پر شدید غصہ آیا تھا۔

“That’s not fare phopho...”

وہ خفا ہوا تھا۔

"ابھی اس کا دوسرا ہاتھ رہتا تھا۔" اسے شدید افسوس ہوا تھا۔

"یہ اتنے گلاس جمع کرنے کا مقصد...؟" ماہم نے غصے سے ٹیبل کی طرف دیکھتے کہا تھا۔ نائل خاموش رہا تھا۔

"یہ سراسر پاگل پن ہے نائل! اگر کسی سے غلطی سے تمہاری بہن کا ہاتھ جل جائے تو اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ تم اس کے ہاتھ کو خونم خون ہی کر دو۔" نائل کی حرکتیں اس کی برداشت سے باہر تھیں۔

"Ohh!My mistake"

نائل نے افسوس نے سر نفی میں ہلایا تھا۔

"مجھے بھی تو اس کا ہاتھ جلانا چاہیئے تھا نا... آپ نے پہلے کیوں نہیں یاد دلایا؟" ماہم اس کی عقل پر ماتم کرتے وہاں سے چلی تھی۔

وہ ایسا ہی تھا، وانیہ کے حوالے سے وہ بہت زیادہ حساس تھا۔ اسے تکلیف میں دیکھ کر وہ اپنے ہوش و ہواس کھو دیتا تھا۔

---

"تم نے کچھ نہیں دیکھا، اور نا ہی کچھ سنا۔ تم بہت چھوٹی ہو، بھول جاؤ، سب بھول جاؤ۔" آنکھوں کے آگے کسی

کا سایہ لہرایا تھا۔ ہڈی میں موجود وہ شخص... اس کی ہڈی کی بیک پر بہت بڑے سائز میں عقاب بنا ہوا تھا۔

"تم کون ہو؟" یہ پہلا سوال تھا جو اس نے پوچھا تھا۔

"میں شاہین ہوں۔ اور تم سے وعدہ کرتا ہوں، ہر چیز کا حساب لوں گا۔ ایک ایک کر کے سب کو ان کے انجام تک پہنچاؤں گا۔ یہ شاہین کا وعدہ ہے تم سے...!"

"شاہین...!" وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھی تھی۔ چہرہ پسینے سے شرابور تھا۔ اس کے سر میں ایک ٹھیس سی اٹھی

تھی۔ کچھ دیر گہری گہری سانسیں لینے کے بعد اس نے خود کو نارمل کیا تھا۔ نجانے یہ خواب اس کی جان کیوں نہیں چھوڑتا تھا۔

"میرا بچہ اٹھ گیا۔" نائل نے کمرے میں داخل ہوتے ساتھ محبت سے پوچھا تھا۔ وانیہ اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک تھی۔ اسے دیکھتے ساتھ ہی نائل کی آنکھوں میں بے تحاشہ پیار امڈ آتا تھا۔

"بھائی...!" نائل کو دیکھ کر اس کے لب مسکراہٹ میں ڈھلے تھے۔

"آہ...!" اس نے اپنا ہاتھ ہلانے کی کوشش کی تھی۔ دونوں ہاتھوں پر پٹی بندھے دیکھ وانیہ کو حیرت کا شدید دھچکا لگا تھا۔

"یہ سب...؟" وہ اپنے ہاتھ الٹ پلٹ کر دیکھ رہی تھی۔

"کچھ نہیں میری جان! بس چائے گر گئی تھی۔" نائل نے اس کے پاس بستر پر بیٹھتے اسے خود سے لگایا تھا۔

"دونوں ہاتھوں پر...؟" اس نے بے یقینی سے نائل کی طرف دیکھا تھا۔ وہ مسکرا بھی نہیں سکا تھا۔

اب وانیہ کی نظر اپنے پیروں پر پڑی تھی۔ اپنے پیروں پر آبلے دیکھ وہ تمام تر ضبط کھوئے رو دی تھی۔

"وانیہ کیا ہوا میری جان...؟ درد ہو رہا ہے؟" نائل نے اس کے چہرے کو اپنے ہاتھوں میں بھرتے فکر مندی سے استفسار

کیا تھا۔

"مجھے پھر سے دورا پڑا تھا؟" وہ ہچکیاں کے لے کر رو رہی تھی۔

"میں ایسی کیوں ہوں بھائی؟ میں ایسی کیوں ہوں؟"

"وانیہ میرا بچہ! پلیز چپ ہو جاؤ۔" نائل نے خود کو اس وقت بہت بے بس محسوس کیا تھا۔

"مجھے کچھ بھی یاد نہیں ہے، مجھے کچھ بھی یاد کیوں نہیں رہتا؟"بہت ساری ایسی چیزیں تھیں جنہیں دیکھ کر وہ آپے سے باہر ہو جاتی تھی۔ پھر اس پاگل پن میں وہ خود کو ہمیشہ ہی نقصان پہنچاتی تھی۔

"بھائی مجھے کچھ یاد نہیں ہے۔"

"سب ٹھیک ہے میری جان! ہم ڈاکٹر کے پاس چلتے ہیں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"کیوں جاؤں میں ڈاکٹر کے پاس...؟ میں پاگل نہیں ہوں، نہیں ہوں یا پھر میں ہوں؟ بھائی کیا میں پاگل ہوں؟" نائل کے دل کو کچھ ہوا تھا۔

"نہیں! میری وانیہ پاگل نہیں ہے۔ خبردار جو دوبارہ ایسا کہا تو...!" نائل نے سختی سے اسے خود میں بھینچا تھا۔ نائل کے گلے لگی وہ نجانے کتنی دیر آنسو بہاتی رہی تھی۔ اس کی آنکھ سے بہتا ہر ایک آنسو سیدھا نائل کے دل پر گر رہا تھا۔ مگر اس معاملے میں وہ بے بس تھا۔

اس نے وانیہ کا ہر ممکن علاج کروایا تھا۔ دنیا کے بہترین سائیکیٹریسٹ سے علاج کروا کر وہ تھک چکا تھا مگر وانیہ کی حالت میں کوئی بہتری نہیں آئی تھی۔

ویسے تو وہ ایک نارمل لڑکی تھی مگر جب اسے فٹس پڑتے تھے تو وہ قابو سے باہر ہو جاتا تھا۔ ایک حادثے نے اسے ذہنی مریض بنا دیا تھا۔ کئی سال پہلے ہوئے حادثے کو وہ بھلا نہیں پا رہی تھی۔ وہ اس وقت بہت چھوٹی تھی۔ نائل نے بھرپور کوشش کی تھی کہ اس کے دماغ سے بچپن کی ہر یاد کو مٹا دے۔ اس لیے وہ اسے پلز بھی دیتا تھا کہ اسے کبھی کچھ یاد نا آئے۔ وہ اپنے مقصد میں کامیاب بھی ہو چکا تھا مگر یہ حادثہ... یہ وانیہ کے ذہن سے نہیں نکلتا

تھا۔ یہاں آکر تمام دوائیوں کا اثر ختم ہو جاتا تھا۔

اسے ٹھیک سے کچھ یاد نہیں تھا مگر کچھ مٹی مٹی سی یادیں تھیں۔ماضی کے کچھ ادھورے صفحے تھے، جنہیں
وانیہ آفندی نے خود کھوجنا تھا۔ایک نئے سفر کے ساتھ،
ایک نئی منزل کے ساتھ...

---

وہ کافی دیر سے ٹیرس پر ادھر سے ادھر ٹہل رہا تھا۔وانیہ کی وجہ سے وہ ہمیشہ ہی پریشان رہتا تھا۔اس کا
دھیان بٹانے کے لیے نائل نے اس کے لیے کچھ خاص کرنے کا سوچا تھا۔فون اٹھائے اب وہ کسی کو ہدایات
دے رہا
تھا۔
سنیہا اسے ڈھونڈھتی ہوئی ٹیرس پر پہنچی تھی۔وہ کل کا گیا آج گھر آیا تھا۔سنیہا نے اس سے دوٹوک بات
کرنے
کس فیصلہ کیا تھا۔وہ کوئی گری پڑی لڑکی نہیں تھی جس کے ساتھ وہ اس قسم کا سلوک کرے گا اور وہ برداشت
کرلے گی۔
"گلاب کے پھول لازمی ہونے چاہیئے۔" یہ آخری بات سنیہا کے کانوں میں پڑی تھی۔اس کا ماتھا ٹھنکا
تھا۔آخر اس سفاک
شخص کا گلاب کے پھولوں سے کیا تعلق...؟
نائل نے فون بند کیے ابھی واپس اپنے کوٹ کی جیب میں رکھا ہی تھا کہ تبھی اس کے کانوں سے نسوانی آواز
ٹکرائی تھی۔

"پھول کس لیے...؟" وہ جاننا چاہتی تھی۔اس کا ذہن مختلف خیالات بن رہا تھا۔وہ جو بھی تھا، جیسا بھی تھا،اس کا تھا، صرف سنیہا کا...وہ شراکت داری برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

"تمہاری قبر پر چڑھانے کے لیے...!"اس کی طرف دیکھے بغیر وہ ہتک سے سر جھٹکتے وہاں سے گیا تھا۔سنیہا نے بہت مشکل سے گہری سانس خارج کیے اپنا غصہ کنڑول کیا تھا۔

"مجھے میرے گھر واپس جانا ہے۔" وہ نائل کے پیچھے اس کے کمرے تک گئی تھی۔

"لگتا ہے جو سبق میں نے تمہیں پڑھایا تھا،وہ تم بھول چکی ہو۔"لہجہ نہایت سرد تھا۔

"مجھے ڈیڈ سے بات کرنی ہے۔وہ مجھے نہیں بیچ سکتے۔تم جھوٹ...!"جملہ مکمل ہونے سے پہلے ہی نائل نے اسے بالوں سے دبوچا تھا۔

"آہ...!"وہ کراہتے ہوئے خود کو آزاد کروانے کی کوشش کر رہی تھی۔

"تم نہیں آپ...!"نائل نے اسے فرش پر دھکہ دیا تھا۔

"اور خبردار جو دوبارہ میرے سامنے اس گھٹیا شخص کا نام بھی لیا تو...

You bloody...."

نائل کی زبان سے گالی سن کر سنیہا کا چہرہ غصے سے سرخ ہوا تھا۔

"میرے باپ کو گالی مت دو۔"وہ تڑپ کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"دوں گا، ایک بار نہیں ایک ہزار بار دوں گا، کیونکہ تمہارا باپ اسی قابل ہے۔ ایک نمبر کا پنچ اور گھٹیا شخص....!"

"میں تم جیسے جاہل شخص کے ساتھ نہیں رہ سکتی، مجھے میرے گھر جانا ہے۔" محبت جائے بھاڑ میں، اس وقت عزت نفس زیادہ اہم تھی۔

"اپنی آخری سانس تک تمہیں میرے ساتھ رہنا ہے۔ اور یہ آنکھیں اٹھا کر بات کرنے کی اجازت کس نے دی ہے تمہیں؟ نظریں جھکاؤ۔"

"نہیں جھکاؤ گی۔" اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے وہ چیخی تھی۔

"بہت اکڑ ہے نا تم میں... آج میں تمہارا بندوبست کر ہی دیتا ہوں۔" اسے کلائی سے دبوچے وہ گھسیٹتے ہوئے اسے کمرے
سے باہر لے جا رہا تھا۔ وہ مسلسل مزاحمتیں کر رہی تھی مگر سامنے والا شخص کوئی عام شخص نہیں تھا۔ وہ نائل آفندی تھا۔ اس کی گرفت سے رہائی حاصل کرنا اتنا
آسان نہیں تھا۔

اسے سٹور روم کے سامنے لائے نائل نے دروازہ کھولے اسے اندر پھینکا تھا۔ ہر طرف اندھیرا دیکھ سنیہا کی سانس
اکھڑنے لگی تھی۔ اس اندھیرے میں ایک آواز تھی، عجیب سی آواز...

اسے اپنے پیر پر کوئی چیز رینگتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔

"آہ...!" اس نے اپنے ہاتھوں سے اپنی سسکیاں گھوٹی تھی۔ اچانک ہی وہاں مدھم مدھم سی روشنی ہوئی تھی، اتنی روشنی کہ وہ با آسانی سب دیکھ سکتی تھی۔

کمرے کا منظر دیکھ سنیہا فوراً اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ سارا کمرہ سانپوں سے بھرا ہوا تھا۔ اس کی چیخ و پکار نے پورے فارم ہاؤس کی در و دیوار ہلا دی تھی۔

"مجھے یہاں سے باہر نکالو۔" بہت مشکل سے وہ خود کو بچاتے دروازے تک پہنچی تھی۔

"دروازہ کھول دو، پلیز دروازہ کھول دو۔" وہ مسلسل روتے ہوئے التجائیں کر رہی تھی۔

"میں کہیں نہیں جاؤں گی۔ میں ڈیڈ سے کوئی بات نہیں کروں گی۔ پلیز مجھے یہاں سے نکال دو۔ تم جو کہو گے میں وہی کروں گی۔" وہ بے حد پر سکون انداز میں باہر دیوار سے ٹیک لگائے اس کی چیخ و پکار سے محظوظ ہو رہا تھا۔

"آپ... آپ جیسا کہیں گے میں ویسا ہی کروں گی۔" نائل کے لبوں پر تلخ مسکراہٹ بکھری تھی۔ وہ سر جھٹکتا اسے چیختا چلاتا چھوڑے وہاں سے گیا تھا۔

---

ٹھیک دو گھنٹے بعد اس نے سنیہا کو وہاں سے نکالا تھا۔ وہ اسی بے رحم شخص کے گلے لگے نجانے کتنی دیر سسکتی رہی تھی۔ اس بار نائل نے اسے نہیں جھڑکا تھا اور نا ہی خود سے دور کیا تھا۔ وہ اس کا ہاتھ تھامتے اسے اپنے کمرے میں لے آیا تھا۔ اسے بستر پر بٹھاتے نائل نے اسے پانی کا گلاس تھمایا تھا۔ سنیہا نے ایک ہی سانس میں سارا پانی حلق سے اتارا تھا۔

کچھ دیر وہاں خاموشی چھائی رہی تھی پھر اس خاموشی کے ارتکاز کو نائل نے توڑا تھا۔

"اگر تم اچھی بیویوں کی طرح میری ہر بات مانو گی تو میں وعدہ کرتا ہوں، دوبارہ ایسا کچھ نہیں ہو گا۔" سنیہا نظریں جھکائے خاموش آنسو بہاتی رہی تھی۔

"میری ہر بات مانو گی نا...؟"سنیہا نے فوراً اثبات میں سر ہلایا تھا۔نائل کو بے حد خوشی ہوئی تھی،سنیہا نے ایک بار بھی نظر نہیں اٹھائی تھی۔

"تم چاہو تو آج یہاں سو سکتی ہو۔میں ویسے بھی باہر جارہا ہوں۔"اس کے دھیمے لہجے پر وہ بے حد حیران تھی۔

"آپ کہاں جارہے ہیں؟"اس کے سوال پر نائل کے ماتھے پر تیوری چڑھی تھی۔اس کا مطلب ابھی ایک دو اورڈوسز کی

ضرورت تھی۔

"شادی کرنے... کیا تم گواہ بننا پسند کرو گی؟"سنیہا نے بے یقینی سے اس شخص کے چہرے کی طرف دیکھا تھا۔وہاں سنجیدگی تھی،بے تحاشہ سنجیدگی... وہ فوراً

نظریں جھکا گئی تھی۔نائل گہری سانس خارج کیے وہاں سے اٹھا تھا۔

وہ جھوٹ نہیں بول رہا تھا۔وہ واقعی نکاح کرنے جارہا تھا۔ایک نئے نام اور ایک نئی پہچان کے ساتھ ایک بار پھر کسی لڑکی کو انجام تک پہنچانے والا تھا،دردناک انجام...

---

یہ منظر اسلام آباد کے ایک ہوٹل کے کمرے کا تھا۔چار گواہوں کی موجودگی میں وہ اضطراب کی حالت میں سر جھکائے بیٹھی تھی۔اسے خوف تھا،کچھ غلط ہو جانے کا

خوف... اپنے ماں باپ کو دھوکہ دے کر وہ آج اپنی محبت کے لیے یہاں آئی تھی۔دل ہزار وسوسے بن رہا تھا۔

علی سے وہ یونیورسٹی میں ملی تھی۔وہ اس کا سئنیر تھا۔رفتہ رفتہ ان دونوں کو ہی ایک دوسرے سے بے تحاشہ محبت ہو گئی تھی۔اس کے گھر والے محبت کی شادی

کے خلاف تھے اور علی کے پیرینٹس بھی راضی نہیں تھے جس وجہ سے وہ دونوں یہ قدم اٹھانے پر مجبور ہو گئے تھے۔ علی نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ وہ نکاح کے بعد اس کے گھر والوں کو منا لے گا جس وجہ سے وہ تھوڑی مطمئن تھی۔ مولوی صاحب کے آتے ہی نکاح پڑھوایا

گیا تھا۔ دونوں کا نکاح الگ الگ جگہ پڑھایا گیا تھا۔

نکاح کے بعد وہ پریشانی کی حالت میں بستر پر بیٹھی تھی۔ ذہن مکمل طور پر ماؤف تھا۔ تھوڑی دیر بعد علی کمرے میں داخل ہوا تھا۔ وہ فوراً نظریں جھکائے سیدھی ہوئی تھی۔

"تم بہت خوبصورت لگ رہی ہو حریم!" اس کے پاس بیٹھتے علی نے محبت سے اس کا ہاتھ تھاما تھا۔ گھنی پلکوں کا بوجھ مزید بڑھ گیا تھا۔

"میں بہت خوش قسمت ہوں جو آپ نے مجھے چنا۔ ورنہ کہاں مجھ جیسی سانولی لڑکی اور کہاں آپ جیسا ہینڈسم شخص..." اس کی شکل و صورت واجبی تھی اور علی ایک بہت پرکشش مرد تھا۔ اسے ہمیشہ ہی حیرت ہوتی تھی کہ آخر اس جیسا شخص کیسے ایک معمولی شکل و صورت والی لڑکی کے ساتھ محبت کر سکتا ہے۔

"ایسی باتیں مت کیا کرو جاناں! خیر چھوڑو میں تمہیں منہ دکھائی کا تحفہ دیتا ہوں۔" اس نے اپنی کوٹ کی جیب سے ایک جیولری باکس نکال کر اس کی جانب بڑھایا تھا۔

"یہ بہت خوبصورت ہے۔" اس کی آنکھیں چھلکنے لگی تھی۔

"میں پہناتا ہوں تمہیں...!" علی نے مسکرا کر اس کی گردن پر وہ لاکٹ پہنایا تھا۔ ایکدم ہی اس نے حریم کے منہ پر ہاتھ رکھے لاکٹ کو بہت زور سے پیچھے کی طرف کھینچا تھا۔ حریم کی گردن کی نس کٹ چکی تھی۔

وہ بے جان وجود کے ساتھ بستر پر ڈھے گئی تھی۔ نائل نے اسے چیخنے تک کی اجازت نہیں دی تھی۔ اس لاکٹ کی چین کسی تیز دھار چاقو کی مانند تھی اور اس پر زہر بھی لگا ہوا تھا۔ اگر وہ زہر جسم کے اندر چلا جائے تو بچنا

ناممکن تھا۔اس طرح لاکٹ کو پیچھے تک کھینچنے کی وجہ سے نا صرف اس لڑکی کی گردن کٹی تھی بلکہ زہر بھی اس کے جسم میں سرایت کر چکا تھا۔

اس کے منہ سے جھاگ نکلتا دیکھ نائل کے لبوں پر مسکراہٹ بکھری تھی۔ گردن سے خون بہہ بہہ کر سارے بستر کو بگھو رہا تھا۔وہ دو منٹ وہیں کھڑا یہ منظر دیکھتا رہا تھا پھر وہ تنفر سے سر جھٹکتا کمرے سے باہر نکلا تھا۔

کمرے سے باہر نکلتے اس نے کسی کو میسیج کیا تھا۔

“Done….!”

---

ایک چھوٹے سے بند کمرے میں چند لوگ بیٹھے تھے۔ کمپیوٹرز پر مختلف ریکارڈز چیک کیے جا رہے تھے۔ چیف صاحب ایک کرسی پر اضطراب کی حالت میں بیٹھے تھے تبھی ان کا فون بجا تھا۔فون پر جو خبر انہیں ملی تھی،اس نے ان کا سارا سکون درہم برہم ہو چکا تھا۔

"نائل کہاں ہے ؟"ان کے چہرے پر بلا کی سختی تھی۔

کچھ دیر بعد نائل کو فون کر کے بلایا گیا تھا۔وہ راستے میں ہی تھا۔دس منٹ بعد وہ یہاں پہنچا تھا۔

آتے ساتھ ہی اس نے چیف کو سلوٹ پیش کیا تھا۔

"سر…!"

"یہ سب کیا ہے نائل ؟تم نے کیوں مارا اس لڑکی کو؟وہ ہمارے لیے اہم تھی۔"وہ شدید غصے میں تھے۔وہ تنی ہوئی گردن کے ساتھ خاموش ہی کھڑا رہا تھا۔

"جواب دو نائل…؟"وہ ایسے کھڑا تھا جیسے اسے کسی چیز کی کوئی پرواہ ہی نا ہو۔

"مجھے تم سے یہ امید نہیں تھی۔"انہوں نے افسوس سے سر جھٹکا تھا۔

"میں جاؤں سر...!" لہجے میں ادب تھا مگر شرمندگی... وہ کہیں نہیں تھی۔

"تم آئی۔ایس۔آئی کے لیے بہت اہم ہو نائل! اس سب کے پیچھے کیا وجہ تھی؟" وہ بھی اچھی طرح جانتے تھے کہ نائل کوئی بھی کام بغیر کسی وجہ کے نہیں کرتا۔

"اگر میں اسے نامارتا تو وہ مجھے مار دیتی۔اس کے ہاتھ کی انگوٹھی میں زہر تھا جو کہ وہ آدھ رات کو میری نیند کا فائدہ اٹھا کر میرے جسم میں اتارنا چاہتی تھی۔" وہ کہہ کر خاموش ہوا تھا۔

"یہ سب تم پہلے بھی تو بتا سکتے تھے۔"

"آپ جانتے ہیں مجھے صفائی دینے کی عادت نہیں ہے۔آپ نے جب پوچھا میں نے بتادیا۔" چیف صفدر نے گہری سانس خارج کی تھی۔

نائل کی آئی۔ایس۔آئی کے لیے خدمات کسی تعارف کی محتاج نہیں تھیں۔وہ بہت طاقتور تھا۔اس کی ان خدمات

کے پیش نظر وہ اس کے اکھڑ مزاجی کو نظر انداز تو کر ہی سکتے تھے۔

"اب میں جاؤں؟" اسے اس وقت صرف وانیہ یاد تھی۔وانیہ کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی،وہ اس وقت صرف گھر جانا چاہتا تھا۔

"ہمم ٹھیک ہے۔ویسے شادی مبارک ہو۔" وہ چونکا تھا۔وہ سمجھ چکا تھا کہ ان کا اشارہ سنیہا کی طرف ہے۔ محسن کوئی بھی بات اپنے تک نہیں رکھ سکتا تھا

"تصحیح کیجیے سر! شادی نہیں...اکیسویں شادی...!" اس کے چہرے کی سنجیدگی پر چیف صفدر کے ہونٹ پر مدھم سی مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔

"تم جا سکتے ہو۔" وہ سلیوٹ پیش کرتا واپس مڑا تھا۔

وہ خاموشی سے گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا جبکہ فرنٹ سیٹ پر بیٹھا محسن بات بے بات اسے چھیڑنے میں مصروف تھا۔

"مبارک ہو تم بیس بار بیوہ ہو چکے ہو۔" اس نے کہتے ساتھ ہی زبردست قہقہہ لگایا تھا۔

"بیوہ نہیں رنڈوا... !" نائل نے تڑک کر جواب دیا تھا۔

"ہاں ہاں وہی... !" وہ ایک بہت خوش شکل اور مشہور بزنس مین تھا۔ لڑکیاں اس کی اٹھتی ایک نظر کے لیے اپنی جان دینے کے لیے تیار ہو جاتی تھیں۔

ابھی اسے آئی۔ ایس۔ آئی جوائن کیے کچھ وقت ہی گزرا تھا کہ انہیں یونیورسٹی میں سنگین جرائم کی خبر ملی تھی۔ نائل وہاں سٹوڈنٹ بن کر گیا تھا۔ ان جرائم میں ملوث ایک لڑکی سے اس نے دوستی کر لی تھی۔ اور اس طرح وہ لوگ بہت جلد اصل مجرم تک پہنچ گئے تھے۔ نائل کو یہ خبر بھی نہیں تھی کہ اس کی یہ دوستی اس کے گلے کا طوق بن جائے گی۔ یہ کام اب اس کے ذمے لگا دیا گیا تھا۔ اسے تو اب یاد بھی نہیں تھا کہ اس نے اپنے تیرہ سالہ کیریئر میں کتنی لڑکیوں سے دوستی کی تھی اور کتنیوں کو گرل فرینڈ بنایا تھا۔ ہاں! نکاح کی تعداد اسے اچھے سے یاد تھی۔ بات نکاح تک تب ہی پہنچتی تھی جب معاملہ حد سے زیادہ سنگین ہو۔ نکاح نامہ، مولوی، گواہ، نام سب کچھ ہی نقلی ہوتا تھا۔ حتیٰ کہ نکاح میں پڑھی جانے والی صورتیں بھی... ان کا اپنا ایجینٹ جو مولوی کا کردار ادا کرتا تھا، وہ محض عربی زبان میں کچھ الفاظ دہراتا تھا۔ نائل کی پوری کوشش ہوتی تھی کہ وہ حجاب و قبول سے بھی گریز کرے۔

"اکسویں بار بیوہ، میرا مطلب ہے رنڈوا ہونے کا کب ارادہ ہے؟" محسن آج فل موڈ میں تھا۔ اوپر سے نائل کا کڑھنا

اسے محظوظ کر رہا تھا۔

محسن اور نائل بچپن کے دوست تھے۔ ایک دوسرے کے گھر آنا جانا ان کا معمول تھا۔ انہوں نے آئی۔ ایس۔ آئی بھی ایک ساتھ ہی جوائن کی تھی مگر نائل اپنی صلاحیتوں کی بنا پر اس سے سبقت لے گیا تھا۔ وہ آئی۔ ایس۔ آئی کا وولف (بھیڑیا) تھا۔

"ایکسکیوز می! وہ میری پرسنل شادی ہے۔" نائل نے اس کی بات کا برا منایا تھا۔

"مطلب...؟"

"مطلب یہ کہ پرنسنل اور پروفیشنل شادی میں بہت فرق ہوتا ہے۔ سنیہا سے میں نے اصلی نکاح کیا ہے۔"

"اووو...!" محسن نے اثبات میں سر ہلائے لبوں کو گول کیا تھا۔

"یعنی اسے نہیں مارنا؟" محسن نے لب دبائے پوچھا تھا۔

"اسے موت نہیں زندگی دینی ہے، دردناک زندگی... تمہیں اتنا تڑپاؤں گا کہ تم موت کی بھیک مانگوں گی۔ تم سسکو گی سنیہا! بالکل ویسے جیسے میں سسکا تھا۔ ابھی تو میں نے تمہارے ساتھ کچھ بھی نہیں کیا۔ آہستہ آہستہ میں تم پر زندگی کا یہ گھیرا تنگ کرتا جاؤں گا، لیکن تمہیں موت نہیں دوں گا۔" نائل نے ڈرائیونگ کرتے قہر زدہ آنکھوں سے عہد کیا تھا۔ اس نے زبان نے کچھ نہیں کہا تھا مگر دل ہی دل میں وہ اپنے ہر زخم کا حساب لینے کا پختہ عہد کر چکا تھا۔

---

وہ اپنے کمرے میں خالی الذہنی کی حالت میں بستر پر بیٹھی تھی۔ دورہ پڑنے کے دو تین دن تک اس کی یہی حالت رہتی تھی۔

"بس بہت ہو چکا، میں اب مزید یہ اذیت برداشت نہیں کر سکتی۔" اس نے بھرائی آواز میں خود سے کہا تھا۔

"میں وانیہ آفندی اب ہر راز پر سے پردہ ہٹا کر رہوں گی۔" وہ عہد کر کے بستر سے اٹھی تھی۔اس نے بہت مشکل سے اپنے
جلے ہوئے ہاتھوں سے کمرے کے ایک کونے میں کیمرہ آن کیے موبائل رکھا تھا،کچھ اس طرح سے کہ سارے کمرے کا منظر
صاف نظر آئے۔

اب وہ قدم قدم چلتی سامنے ٹیبل تک پہنچی تھی۔وانیہ نے کپکپاتے ہاتھوں سے فروٹس کے درمیان پڑی چھری اٹھائی تھی۔ہاتھ جلے ہونے کی وجہ سے وہ بہت زیادہ تکلیف محسوس کر رہی تھی مگر اسے آج یہ کرنا ہی تھا۔

چھری کلائی پر رکھے اس نے کٹ لگایا تھا۔ایک کے دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا... خون بہتے دریا کی مانند اس
کے ہاتھ سے فرش تک کا سفر کر رہا تھا۔وانیہ کی حالت خراب ہونے لگی تھی مگر وہ پھر بھی ڈھیٹ بنے یہ منظر دیکھ رہی تھی۔اپنی کلائی اور فرش پر خون دیکھے اس کی چیخ و پکار شروع ہو چکی تھی۔

نائل ابھی ابھی گھر کے اندر داخل ہوا تھا۔وانیہ کی چیخ و پکار سنتے وہ ڈورتا ہوا اس کے کمرے میں گیا تھا۔ماہم بھی فوراً وہاں پہنچی تھی۔

"وانیہ...!" اس کے ہاتھ سے بہتے خون کو دیکھ نائل بالکل پاگل ہو چکا تھا۔

"خون تھا،ہر جگہ،پیٹ سے خون نکل رہا تھا۔اس شخص کے کپڑوں پر خون تھا۔اس نے اس لڑکی کے ساتھ...وہ مر جائے
گی،وہ مر گئی۔" وہ مسلسل چیخ چلا رہی تھی۔

"فرسٹ ایڈ باکس لے کے آئیں۔" وہ چلایا تھا۔ ماہم نے اثبات میں سر ہلائے ایک دراز سے باکس نکالا تھا۔
"میں کسی سے کچھ نہیں کہوں گی، میں
کسی کو نہیں بتاؤں گی۔ میں وعدہ کرتی
ہوں شاہین! میں کسی کو کچھ نہیں بتاؤں گی۔ تم ان برے لوگوں کو مار دو۔ تم انہیں مار دینا۔ وہ اچھے لوگ نہیں ہیں۔ نین... نین...!" وہ چیختے چلاتے ایک بار پھر ہوش وحواس
سے بیگانہ ہوگئی تھی۔

---

25اور یُوسؔف نے بنی اِسرآئیل سے قسم لیکر کہا خُدا یقیناً تُمکو یاد کریگا۔ سو تُم ضرور ہی میری ہڈیوں کو یہاں سے لیجانا۔
26اور یُوسؔف نے ایک سو دس برس کا ہو کر وفات پائی اور اُنہوں نے اُسکی لاش میں خُوشبو بھری اور اُسے مصرؔ ہی میں تابوت میں رکھّا۔
(انجیل مقدس، پیدائش باب نمبر 50)
اس نے کتاب بند کر کے نہایت احترام سے رکھی تھی۔
یہ منظر اسلام آباد کے ایک چرچ کا تھا۔ وہ یہاں پہلی بار آیا تھا۔ فادر (پادری) کی موجودگی میں اس نے انجیل مقدس کا
کچھ حصہ پڑھا تھا۔
"میرے لیے دعا کیجیے گا کہ میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاؤں۔" اس نے اپنی کالی، بڑی بڑی آنکھوں کو اٹھا کر ان کی طرف دیکھا تھا۔

"خداوند تمہیں کامیاب کرے۔" انہوں نے دل سے اسے دعا دی تھی۔

پرکشش چہرہ، ہونٹوں پر نرم مسکراہٹ، لہجے میں ادب، وجیہہ شخصیت، کالے بال جنہیں وہ ہمیشہ جیل کی مدد سے سیٹ رکھتا تھا اور سب سے اہم چیز اس
کی آنکھیں، خوبصورت مگر پر اسرار... ان آنکھوں میں کچھ تھا، ایک عجیب سی چمک...

"بہت بہت شکریہ فادر! اب مجھے کامیاب ہونے سے کوئی نہیں روک سکتا۔" وہ پورے جوش سے بولا تھا۔

"میں نے پیدائش کی کتاب کو نا صرف پڑھا ہے بلکہ اسے اچھے سے سمجھا بھی ہے۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ یہ ہی خداوند کی حقیقی کتاب ہے۔ میں اب اگلی منزل
طے کروں گا۔ میں اب خُروج پڑھوں گا۔" اس کے چہرے کی خوشی نے فادر کو متاثر کیا تھا۔

"خداوند تمہاری مدد کرے۔"

"آپ نے دوبار کہہ دیا فادر! اب تو خداوند کو میری مدد کرنی ہی پڑے گی۔" وہ بڑبڑایا تھا۔

کچھ دیر بعد چرچ سے باہر آتے اس نے سگریٹ سلگائی تھی۔ گاڑی تک پہنچتے اس نے ایک نظر چرچ کی طرف دیکھا تھا۔ لبوں پر تیکھی مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔

ڈرائیور کے گاڑی کھولتے ہی وہ اندر بیٹھا تھا۔ گاڑی ایک فراٹے کے ساتھ آگے بڑھ گئی تھی۔

گاڑی میں بیٹھے وہ مسلسل اپنی ریسٹ واچ کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ٹھیک پانچ منٹ بعد اس کے لبوں پر ایک بار پھر
مسکراہٹ بکھری تھی۔

"تین... دو... ایک...!" اس کے لبوں نے آہستگی سے حرکت کی تھی۔

"بوم م م.... !"اس کے بولتے ساتھ ہی ایک زبردست دھماکہ ہوا تھا۔چرچ کا نام ونشان مٹ چکا تھا۔چرچ میں موجود لوگوں کے چیتھڑے اڑ چکے تھے۔ہر طرف چیخ وپکار تھی مگر اس کے چہرے پر سکون تھا،بے حد سکون... یہ سب چیزیں اسے سکون دیتی تھیں۔

---

اپنے خفیہ تہ خانے کے ایک کمرے میں بیٹھے وہ بار بار اس دھماکے کی وڈیو کو پلے بیک کروا کروا کے دیکھ رہا تھا۔ ماریہ پچاس بار وڈیو پلے کر چکی تھی،اب اس کی ہمت جواب دے چکی تھی مگر بلیک مونسٹر کے آگے زبان کھولنے

کی جسارت وہ کیسے کر سکتی تھی۔

"اب بند کرواسے۔"ماریہ اور جیمز دونوں ہی کی جان میں جان آئی تھی۔

"تم لوگ باہر جاؤ۔"ایک شخص کے اندر داخل ہوتے ہی وہ دونوں سر جھکا کر باہر گئے تھے۔

"اپنے اس عمل کا کیا جواز ہے تمہارے پاس؟میری اجازت کے بغیر تم یہ کیسے کر سکتے ہو ڈیوڈ...؟اتنی مقدس جگہ کو کیوں تباہ کیا تم نے...؟"وہ جو کب سے خاموش بیٹھا تھا،ایکدم ہی قہر برساتی نظروں سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"تم مجھ سے اس لہجے میں بات نہیں کر سکتے۔

اور بلیک مونسٹر کو کچھ بھی کرنے کے لیے کسی کی اجازت کی ضرورت نہیں ہوتی۔"الیکس کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑ کر ڈیوڈ غرایا تھا۔

"ڈیوڈ تم غلط سمجھ رہے ہو۔"اس کا یہ روپ دیکھ الیکس محتاط ہوا تھا۔

"میں اس سلطنت کا بادشاہ ہوں، بلیک مونسٹر ہوں میں... مجھے کوئی حکم نہیں دے سکتا۔" انداز ایسا تھا جیسے وہ ابھی سامنے موجود شخص کو کچا چبا جائے گا۔

"مت بھولو! تمہیں اس منصب تک پہنچانے والا میں ہوں۔ یہ طاقت تمہیں میں نے دی ہے۔ سولہ سالہ ایک کمزور لڑکے کو بلیک مونسٹر کی گدی میں نے دلوائی ہے۔"

"اگر میں کمزور ہوتا تو کبھی بھی اس انڈر ورلڈ پر راج نا کرتا۔ اس مافیا ورلڈ کا بادشاہ نا بنتا۔ الیکس! میری وجہ سے تم ہو۔ اگر میں نہیں تو تم کچھ بھی نہیں...!" سرخی مائل آنکھیں اس کی آنکھوں میں گاڑتے ڈیوڈ نے ایک ایک لفظ چبا چبا کر ادا کیا تھا۔

"ریلیکس ڈیوڈ! میں تو بس ایسے ہی کہہ رہا تھا۔" الیکس معاملے کی نزاکت کو اچھی طرح سمجھ چکا تھا۔ وہ اس شخص سے بیر نہیں باندھ سکتا تھا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ ڈیوڈ کے بغیر وہ کچھ بھی نہیں ہے۔

"کیا میں جان سکتا ہوں کہ چرچ میں بم لگانے کا کیا مقصد تھا؟" اس بار الیکس نے اپنا لہجہ کافی دھیما رکھا تھا۔

"سمگلنگ کے لیے جگہ چاہیئے تھی۔ میرے آدمیوں نے اس پادری سے کتنی دفعہ کہا مگر وہ سالا نہیں مانا۔ اس لیے میں نے سارا چرچ ہی اڑا دیا۔" لائیٹر سے سگریٹ جلاتے اس نے عام سے لہجے میں کہا تھا۔ الیکس نے گہری سانس خارج کیے خود کو کچھ بھی سخت کہنے سے روکا تھا۔

"ماریہ سے کہنا جو میں نے اس سے کہا ہے۔ وہ جلد از جلد کر دے۔" الیکس کے ماتھے پر تیوری چڑھی تھی۔ سادہ لفظوں میں وہ اسے وہاں سے دفع ہونے کا کہہ رہا تھا۔

"تمہیں اس لڑکی سے محبت ہو گئی ہے؟" اس سوال پر وہ ایک لمحے کے لیے چونکا تھا۔ اگلے ہی لمحے اس نے نخوہت سے سر جھٹکا تھا۔

"میں تو بس دوستی کرنا چاہتا ہوں۔"

"کیوں...؟"

"تم جانتے ہو۔"

"محبت کرنے کی غلطی مت کرنا ورنہ ہاتھ کچھ نہیں آئے گا۔ یہ محبت ہم جیسوں کے لیے نہیں بنی۔ ہم جیسوں کو یہ برباد کر دیتی ہے۔" وال کلاک کی طرف دیکھے الیکس نے آہستگی سے کہا تھا۔ اس کے لہجے سے صاف اداسی چھلک رہی تھی۔

وہ ایک اڈھیر عمر شخص تھا مگر اس نے اپنے آپ کو کافی مینٹین کر رکھا تھا جس وجہ سے وہ اپنی عمر سے خاصا کم لگتا تھا۔

"لگتا ہے کافی تجربہ ہے تمہیں...؟" واپس اپنی کرسی پر براجمان ہوتے بلیک مونسٹر دلچسپی سے اس کے چہرے کے تاثرات سے محظوظ ہو رہا تھا۔

"یہ میرا اپنا تجربہ نہیں ہے بلکہ کسی اور کا ہے۔" اس نے وال کلاک سے نظر ہٹا کر ڈیوڈ کیطرف ایک زخمی مسکراہٹ اچھالی تھی۔

"کس کا...؟" نجانے کیوں مگر اسے دلچسپی ہوئی تھی۔

"بلیک مونسٹر کا...!" ڈیوڈ ٹھٹکا تھا۔

"تم سے پہلے جو اس منصب پر فائز تھا اس کا۔ کسی قابل نہیں چھوڑا اس محبت نے اسے، اپنے ہاتھوں سے اپنی محبت کا خون کرنے کے بعد وہ بالکل دیوانہ ہو گیا۔" الیکس کے لہجے میں نمی گھلی تھی۔

"آج سے پہلے تو تم نے اس بات کا کبھی ذکر نہیں کیا۔"

"کبھی ضرورت محسوس نہیں کی، مگر آج تمہارے یہ بڑھتے قدم مجھے ڈرا رہے ہیں۔" الیکس کے لہجے میں خوف تھا۔

"تمہیں لگتا ہے کہ میں ایک لڑکی کی محبت میں دیوانہ ہو جاؤں گا؟" وہ واضح طور پر اس کا تمسخر اڑا رہا تھا۔

"کچھ نہیں کہہ سکتے۔" الیکس نے افسوس سے نفی میں سر ہلایا تھا۔

"ویسے وہ شخص ہے کہاں؟ میرا مطلب ہے ایکس بلیک مونسٹر...؟" وہ ابھی بھی سیریس نہیں تھا۔ اس طرح کسی لڑکی کی محبت میں دیوانہ ہونا اسے سراسر بے وقوفی لگ رہی تھی۔

"زندہ ہے مگر اس کی حیثیت محض ایک لاش جیسی ہے۔ نا بولتا ہے اور نا ہی اس کا ذہن ٹھیک سے کام کرتا ہے۔ بہت تکلیف میں ہے۔"

"پھر تو مجھے اس کی تکلیف آسان کر دینی چاہیئے۔"

"بے فکر رہو، وہ تمہارے لیے خطرہ نہیں ہے۔ بس کچھ راز ہیں اس کے پاس، جو پتا لگانا بے حد ضروری ہے، ورنہ میں خود کب کا مار چکا ہوتا اسے...!" الیکس نے اسے تسلی دی تھی۔

"خیر چھوڑو! مجھے اس سب میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ اور تم بھی بے فکر رہو میں محبت کے چکر میں پڑنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ میری اس کے بھائی سے ذاتی دشمنی ہے بس اسی وجہ سے مجھے وہ لڑکی چاہیئے۔" بجی ہوئی سگریٹ کو پیر تلے مسلتے اس نے الیکس کو یقین دہانی کروائی تھی۔

"ویسے اس نے اپنی محبت کو مارا کیوں...؟" اچانک ہی ڈیوڈ کو یاد آیا تھا۔

"بہت ساری وجوہات تھیں۔ سب سے بڑی وجہ مذہب تھی۔" الیکس کہہ کر خاموش ہوا تھا۔ ڈیوڈ نے مزید کوئی سوال نہیں پوچھا تھا۔ اس کی دلچسپی اس موضوع
میں ختم ہو چکی تھی۔ جو شخص محض ایک لڑکی کے پیچھے اپنا ہوش و حواس ہی کھو دے، وہ شخص ہرگز اس قابل نہیں کہ ڈیوڈ اپنا وقت اس پر ضائع کرے۔

وہ بیڈ کراون سے ٹیک لگائے سر جھکائے بیٹھی تھی۔آنکھوں سے مسلسل آنسو رواں تھے۔نائل اور ماہم ایک سائیڈ پر کھڑے اسے ہی دیکھ رہے تھے۔

"اپنی اس حرکت کی آپ کیا وضاحت دیں گی آپ؟"نائل کے چہرے پر بلا کی سختی تھی۔وہ خاموش آنسو بہاتی رہی تھی۔

"کچھ پوچھا ہے میں نے...؟"اس کی دھاڑ پر ماہم اور وانیہ دونوں ہی سہم گئی تھیں۔

"نائل تم جانتے تو ہو کہ اسے کچھ یاد نہیں رہتا۔"ماہم نے دبا دبا سا احتجاج کیا تھا۔

"میں سب کچھ ہی اچھی طرح جانتا ہوں۔"

نائل کے انداز پر وانیہ نے کرب سے آنکھیں میچی تھیں۔

"میں سچ جاننا چاہتی تھی۔"اس نے انکار نہیں کیا تھا۔وہ نائل سے جھوٹ نہیں بول سکتی تھی۔

"جھوٹ!آپ محض مجھے تکلیف دینا چاہتی تھیں۔خوش ہو جائیں،آپ کامیاب ہو گئیں۔میں بہت زیادہ تکلیف میں ہوں۔"اس نے بے بسی سے کہا تھا۔

"بھائی میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتی۔"وہ تڑپ اٹھی تھی۔

"آپ کی اس حرکت پر میں آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گا۔"وہ نفی میں سر ہلاتا غصے سے وہاں سے گیا تھا۔

اپنے جان سے عزیز بھائی کی ناراضگی پر وہ آپے سے باہر ہو چکی تھی۔وہ ہچکیوں کے درمیان بامشکل اس کا نام لے رہی تھی۔ماہم نے اسے سنبھالا تھا مگر وانیہ کی حالت خراب ہوتی جا رہی تھی۔وہ بار بار نائل کو ہی پکار رہی تھی۔

ماہم اسے حوصلہ دیے فوراً باہر کی طرف بھاگی تھی۔

"نائل!نائل...!"اس کے دہلیز پار کرنے سے پہلے ہی ماہم نے اسے روکا تھا۔

"وانیہ کی حالت ٹھیک نہیں ہے۔ تم پلیز اسے...!"

"مجھے کچھ دیر کے لیے اکیلا چھوڑ دیں پلیز!"اس نے گویا التجا کی تھی۔

"نائل اسے اس طرح مت جھڑکو۔ تم جانتے ہو کہ وانیہ وہ حادثہ...!"

"بس کر دیں پھوپھو! میں مزید اس بارے میں کچھ نہیں سننا چاہتا۔ میں بھی انسان ہوں۔ مجھے بھی تکلیف ہوتی ہے۔ وہ میری بھی تو کچھ لگتی تھیں نا..."اس نے بے بسی سے نفی میں سر ہلایا تھا۔

"میں یہ بھولنا چاہتا ہوں، مگر وانیہ... وہ مجھے بھولنے نہیں دیتی۔"اس کے چہرے کا اضطراب اس کی بے بسی کا منہ بولتا ثبوت تھا۔

ماہم نظریں جھکائے خاموش ہو گئی تھی۔ وہ ٹھیک ہی تو کہہ رہا تھا، اگر وانیہ تکلیف میں تھی تو نائل بھی تو اذیت کا شکار تھا۔ اس دونوں بہن بھائیوں پر ہی قسمت نے بے تحاشہ ستم ڈھائے تھے۔ فرق صرف اتنا تھا کہ وانیہ چیخ چلا کر اپنے غم کو ہلکا کر لیتی تھی مگر نائل... وہ اندر ہی اندر کڑھ رہا تھا۔

---

تپتی دھوپ میں وہ قبرستان میں موجود ایک قبر کے پاس بیٹھا تھا۔ ہر طرف سکوت تھا، مگر پھر بھی ایک عجیب سا خوف تھا، وجہ شاید وہ جگہ تھی۔ نائل کی زبان بھی ساکت تھی مگر اس کے دل میں ایک شور تھا۔

قبر کی مٹی پر ہاتھ پھیرتے اس کی آنکھ سے ایک آنسو گرا تھا۔

"وانیہ کہتی ہے کہ چار لوگ تھے۔"اس کے لب آہستگی سے ہلے تھے۔

"ان میں سے ایک نے آپ کے ساتھ...!"اس کے گلے میں کانٹے چبھے تھے۔ لب نیم وا ہوئے تھے۔ وہ کچھ کہنا چاہتا تھا مگر زبان جیسے تالو سے چپک گئی تھی۔

"میں نہیں جانتا کہ وہ لوگ کون تھے، مگر میں وعدہ کرتا ہوں، ہر ایک شخص کو ڈھونڈ کر اس کے انجام تک پہنچا کر رہوں گا۔" اچانک ہی اس کی آنکھوں میں لال خراشیں واضح ہوئی تھیں۔

"اور اس شخص کو بھی، جس نے آپ کو گولی ماری تھی۔" وہ عہد کرتا اٹھا تھا۔

---

وہ بستر پر بیٹھی مسلسل آنسو بہا رہی تھی۔ نائل کی ناراضگی سے وانیہ کی جان پر بن آئی تھی۔ ماہم کب سے اسے تسلیاں دے رہی تھی مگر اس کے آنسو تھمنے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے۔

"جب اس کی ناراضگی کی اتنی ہی پرواہ ہے تو کیوں کی یہ حرکت؟" ماہم کو بھی اس کی اس حرکت پر بہت غصہ آیا تھا۔

"تمہیں پتا ہے کتنا پریشان رہتا ہے وہ تمہارے لیے! اور ایک تم ہو..." ماہم کی بات سے اس کی ہچکیوں میں مزید اضافہ ہوا تھا۔

"میں دوبارہ ایسا نہیں کروں گی، آپ بھائی سے کہیں نا کہ پلیز مجھے معاف کر دیں۔" اس نے ماہم کے ہاتھ پکڑے التجا کی تھی۔

"زیادہ دیر ناراض نہیں رہ سکتا وہ تم سے، گھر آئے گا تو منا لینا۔ مگر تمہیں وعدہ کرنا ہوگا کہ دوبارہ ایسی کوئی حرکت نہیں کرو گی۔"

"میں وعدہ کرتی ہوں۔" نائل کی ناراضگی ہر چیز سے زیادہ اہم تھی۔ اس سے پہلے کہ دونوں کے درمیان مزید کوئی گفتگو ہوتی، ملازمہ نے دروازہ بجایا تھا۔

"بی بی جی! یہ کوئی دے کر گیا ہے۔" ماہم کی اجازت ملنے پر وہ کمرے میں داخل ہوئی تھی۔ رفتہ رفتہ سارا کمرہ مختلف

تحائف سے بھر چکا تھا۔

"اپنی اس دوست سے تو کبھی ملواؤ جو تمہیں ہر سالگرہ پر اتنے تحائف بجھواتی ہے۔" ماہم نے مسکرا کر اس کی جانب دیکھا تھا، وانیہ مسکرا بھی نہیں سکی تھی۔ اگر ماہم کو پتا چل جاتا کہ یہ تحائف اسے کوئی بجھواتی نہیں بلکہ بجھواتا ہے تو گھر میں قیامت آجاتی۔

وہ اس وقت اتنی ڈیپریسڈ تھی کہ ان تحائف کے بارے میں اسے یاد ہی نہیں تھا، ورنہ ہر سال تو وہ بے صبری سے ان

تحائف کا انتظار کرتی تھی۔

ماہم کے جانے کے بعد وانیہ نے فوراً اٹھ کر دروازہ بند کیا تھا۔ اب وہ مسلسل تحائف کو الٹ پلٹ کر دیکھ رہی تھی۔ اس کی نظریں متلاشی تھیں۔ مگر اس بار اسے وہ نہیں ملا تھا جس کی وہ تلاش کر رہی تھی۔ وہ مایوس ہو کر واپس بستر پر بیٹھی تھی۔ پھر اچانک ہی اس کی نظر بکے پر پڑی تھی۔ آنکھوں میں چمک نمودار ہوئی تھی۔ یہاں دیکھنا تو وہ بھول ہی گئی تھی۔ بہت ڈھونڈنے پر اسے پھولوں کے اندر موجود وہ خط مل ہی گیا تھا۔

خط اس طرح سے رکھا گیا تھا کہ اس کے علاوہ کوئی اور اس خط تک نا پہنچ سکے۔ لفافے میں سے خط نکالے اس نے بے چینی سے خط کھولا تھا۔ بستر پر بیٹھتے اس نے خط پڑھنا شروع کیا تھا۔

اس سب میں وہ اپنا ہر درد، ہر تکلیف بھول چکی تھی۔

"تیرے ہجر میں ہم نے صدیاں کاٹیں

تیرے عشق میں ہم دیوانے ہوئے

ہم کیا پڑھیں تیرے حسن کے قصیدے

تو تو سراپہ لطافت ہے

تیری گھنی زلفیں، تیرے گلابی ہونٹ، تیری

نشہ آور آنکھیں، تیرا

چاند سا چہرہ، ہر چیز

ہی ہے قابل ستائش...

مگر ہمارا دل تو تیری

ٹھوڑی کے ایک تل پر فنا ہے۔"

وانیہ نے بے اختیاری میں اپنی تھوڑی کے تل کو چھوا تھا۔اس کے چہرے پر مسکراہٹ بکھری تھی اور گھنی پلکوں کا بوجھ مزید بڑھا تھا۔وہ اسے اپنے بہت قریب محسوس کر رہی تھی۔فوراً ہی سر جھٹکتے اس نے واپس خط کھولا تھا۔

"کیسی ہو؟"وانیہ کے لب اس کی لکھی کوئی تحریر دہرا رہے تھے۔

"بہت زیادہ ناراض...!"اس کے دل نے فوراً جواب دیا تھا۔

"میں جانتا ہوں کہ تم مجھ سے ناراض ہو۔"وانیہ کی آنکھیں حیرت سے پھیلی تھیں۔

"تھوڑا مصروف تھا بس اسی وجہ سے لیٹ ہو گیا۔"وانیہ مدھم سا مسکرائی تھی۔

“Happy Birthday!

Happy Birthday my love”

وانیہ کا چہرہ شرم سے گلال ہوا تھا۔

"لیکن ایک شکایت بھی ہے مجھے تم سے...!"وانیہ کے چہرے کی مسکراہٹ فوراً سمٹی تھی۔

"تم نے کیوں خود کو نقصان پہنچایا؟"وانیہ نے لاشعوری طور پر ارد گرد دیکھا تھا۔

"میں وہاں نہیں ہوں وانیہ! مگر میں پھر بھی تمہارے قریب ہوں، بہت قریب...!" وہ وہاں نہیں تھا مگر وانیہ اس کی لکھائی سے ہی اس کے چہرے کے سخت تاثرات کا اندازہ لگا سکتی تھی۔

"تم صرف میری ہو وانیہ! دوبارہ خود کو تکلیف پہنچانے کا سوچنا بھی مت۔" وانیہ منہ بسور گئی تھی۔ اس کی سالگرہ پر بھی اسے سب سے ڈانٹ ہی پڑ رہی تھی۔

اس نے خط کو وہیں ادھورا چھوڑ دیا تھا۔

اچانک ہی اسے اپنا فون یاد آیا تھا جو اس نے ریکارڈنگ کے لیے رکھا تھا۔ وہ بھاگتی ہوئی بک شیلف کی طرف گئی تھی۔ جلے ہوئے ہاتھوں سے اس نے بامشکل فون اٹھایا تھا۔ نجانے کیوں وہ خط تلاش کرتے ہوئے اسے تکلیف کا احساس نہیں ہوا تھا مگر اب وہ تکلیف محسوس۔ کر رہی تھی۔

بستر پر بیٹھے اس نے ریکارڈنگ آن کی تھی۔ جیسے جیسے وہ وڈیو دیکھتی جا رہی تھی، اس کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی جا رہی تھیں۔

فون بند کیے وہ منہ پر ہاتھ رکھے اپنی سسکیوں کا گلا گھوٹنے کی کوشش کر رہی تھی۔ کیا یہ وہ خود تھی؟ آخر کس طرح نائل اور ماہم اسے سنبھالتے ہوں گے؟

کچھ دیر رونے کے بعد اس نے ہمت جمع کر کے ایک بار پھر فون اٹھایا تھا۔ اب وہ وڈیو کو روک روک کر دیکھ رہی تھی۔ اسے کچھ بھی ٹھیک سے سمجھ نہیں آ رہا تھا سوائے دو ناموں کے... شاہین اور نین...!

"اس کا مطلب میں یہ نام ایسے ہی نہیں لیتی۔ اس کے پیچھے یقیناً کوئی کہانی ہے۔" وہ گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔

ماہم اور نائل تو اسے کبھی کچھ نہیں بتانے والے تھے مگر ایک شخص ایسا تھا جو اسے سب بتا سکتا تھا۔

"شاہین...!" اس کے لب مسکراہٹ میں ڈھلے تھے۔

(کچھ دنوں بعد)

وانیہ کا رو رو کر برا حال تھا جس وجہ سے نائل کو اسے معاف کرنا ہی پڑا تھا۔ وہ اس سے ناراض رہ ہی نہیں سکتا تھا، بس اس وقت وہ کافی غصے میں تھا۔

گھر کے تمام مکین ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھے کھانا کھانے میں مصروف تھے۔

"تیاری کر لی آپ نے؟"

"کس چیز کی تیاری؟" وانیہ حیران ہوئی تھی۔

"یونیورسٹی جانے کی، کل سے کلاسیز سٹارٹ ہیں نا...!" نائل نے سرسری سے انداز میں کہا تھا جبکہ وانیہ کو تو سانپ ہی سونگ گیا تھا۔

"مگر میں نے تو پڑھ لیا ہے نا...!"

"ابھی کہاں میرا بچہ، صرف دو ہی تو سمیسٹر پاس کیے ہیں آپ نے۔" نائل نے پیار سے اس کے گال کو چھوا تھا۔

"وہ بھی رو رو کر..." ماہم نے اس گفتگو میں اپنا حصہ ڈالنا ضروری سمجھا تھا۔

"یہ زیادتی ہے بھائی! آپ نے کہا تھا کہ بس یہ آخری سمیسٹر ہے۔" وہ احتجاج پر اتر آئی تھی، اور احتجاج جائز بھی تھا کیونکہ نائل نے اسے ہر بار کی طرح یہی کہا تھا کہ بس اس دفعہ پاس ہو جاؤ، پھر پڑھائی چھوڑ دینا۔

"میری جان! یہ والا پکا آخری ہے۔" نائل نے چہرے پر سنجیدگی سجائے اسے یقین دلانے کی بھرپور کوشش کی تھی۔

"جھوٹ! پہلے آپ نے کہا تھا کہ میٹرک کر لو پھر آگے مت پڑھنا۔ میں نے اتنی مشکل سے پڑھ پڑھ کر امتحان پاس کیے اور آپ نے میرا داخلہ کالج میں کروا دیا۔ پھر اس کے بعد یونیورسٹی میں...اب بس ہو گئی ہے میری! مزید نہیں پڑھ سکتی میں...!" وہ دنیا کا ہر کام خوشی خوشی کر سکتی تھی مگر پڑھائی سے وہ ہمیشہ ہی جی چراتی تھی۔

"پڑھنا نہیں ہے تو پھر کیا کرنا ہے؟" نائل نے دھیمے لہجے میں استفسار کیا تھا۔

"شادی کرنی ہے۔" دل زور و شور سے جواب دینے کو بے تاب تھا مگر زبان سے الفاظ ادا کرنے کی ہمت اس میں نہیں تھی۔

"ٹھیک ہے! میں چلی جاؤں گی یونی مگر میری ایک شرط ہے۔"

"کیسی شرط...؟"

"آپ کو شادی کرنی ہو گی۔" نائل کی شادی کے بعد ہی تو اس کا نمبر آنا تھا مگر یہ بات اس کے گھر والوں کو کون سمجھائے۔

"میری شادی کا آپ کی پڑھائی سے کیا تعلق...؟" وہ اچھا خاصا جھنجھلایا تھا۔

"تعلق ہے اور بہت گہرا تعلق ہے۔" وہ ضد پر اڑ گئی تھی۔

"کوئی تعلق نہیں ہے اور آپ کل یونیورسٹی جا رہی ہیں۔" نائل کے سخت لہجے پر وہ محتاط ہوئی تھی۔

"ٹھیک ہے! مت کریں شادی۔ گھر بیٹھے بیٹھے بوڑھے ہوتے رہیں۔ میری ایک اور شرط ہے۔" ایسے نہیں تو ویسے سہی، مگر اسے اپنا کام تو کروانا ہی تھا۔

ان دونوں بہن بھائیوں کی نوک جھوک سے ماہم بے زار ہو گئی تھی لہذا وہ اٹھ کر اپنے کمرے کی جانب چلی گئی تھی۔

"کیسی شرط...؟"نائل نے گہری سانس خارج کرتے پوچھا تھا۔

"آج رات کو مجھے اپنی فرینڈز کے ساتھ پارٹی میں جانا ہے۔آپ منع نہیں کریں گے۔"

"پلیز بھائی! آپ جتنے گارڈز کہے گے میں ساتھ لے جانے کو تیار ہوں۔اور ثانیہ بھی تو میرے ساتھ ہو گی نا...!"نائل کے کچھ کہنے سے پہلے ہی اس نے مضبوط دلیل پیش کی تھی۔

"آپ کو اگر کہیں گھومنے جانا ہے تو میں لے جاتا ہوں۔"وہ اسے رات کے وقت کیسے اکیلے جانے دے سکتا تھا۔

"ٹھیک ہے بھائی! میں کہیں نہیں جاتی۔ویسے بھی میں تو ہوں ہی پاگل، اور آپ لوگوں پر بوجھ...بس مجھے کسی پاگل

خانے میں چھوڑ آئیں۔"بہت کوشش کرنے کے بعد آخر کار اس کی آنکھ سے دو موٹے موٹے آنسو بہہ ہی گئے تھے۔

"وانیہ...!"نائل تو اس کی بات اور اس کے آنسو دیکھ کر فوراً ہی تڑپ اٹھا تھا۔

لوگوں کو دردناک موت دینے والا، اس کی چیخ و پکار کو کسی کھاتے میں نا لانے والا مرد آج اپنی بہن کے ایک جھوٹے آنسو پر تڑپ اٹھا تھا۔

"آپ نے ایسا سوچا بھی کیسے...؟آپ نے یہ کیوں کہا؟"نائل کے لہجے میں بے بسی ہی بے بسی تھی۔

"ٹھیک ہے چلی جائیں گا۔"اس نے ہار مانی تھی۔وانیہ کے دل میں ایک سکون سا اترا تھا۔پارٹی تو صرف ایک بہانہ تھا۔اصل میں اسے تو شاہین سے ملنا تھا۔

---

وانیہ بہت تیز ڈرائیو کرتے گاڑی کو مختلف پیچ و خم دیے سڑکوں پر سے گزار رہی تھی۔

"یہ تم کیا کر رہی ہو وانیہ ؟" عائزہ کو ملک الموت سامنے نظر آ رہا تھا۔ گارڈز اور ثانیہ کو چکما دینا وانیہ کے لیے کوئی بڑی بات نہیں تھی۔ وہ اس کام میں ماہر تھی۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ اس حرکت کے بعد اس پر پابندیاں مزید بڑھ جائیں گی مگر اسے اس سب کی پرواہ ہی کہاں تھی۔ وہ اب اس ماحول کی عادی ہو گئی تھی۔

"شاہین کو بلا رہی ہوں۔" وانیہ نے تیکھی مسکراہٹ چہرے پر سجائے گاڑی کی سپیڈ فل کر دی تھی۔

"یہ تم شاہین کو بلا رہی ہو یا ملک الموت کو۔۔۔؟"

"میں جب جب مصیبت میں ہوتی ہوں، وہ مجھے بچانے ضرور آتا ہے۔" اسے یقین تھا کہ وہ آج بھی آئے گا۔

"یہ اصل زندگی ہے۔ کوئی ناول یا ڈرامہ نہیں! جو تمہارا ہیرو تمہیں بچانے آ جائے گا۔ اور چلو فرض کروم، ایسا ہے بھی تو

بھی میں اس رسک پر اپنی جان خطرے میں نہیں ڈال سکتی۔" عائزہ کو اس پاگل لڑکی کے ارادے بالکل بھی ٹھیک نہیں لگ رہے تھے۔

"وانیہ آفندی نام ہے میرا! جو ایک بار ٹھان لیتی ہوں، وہ کر کے رہتی ہوں۔" سنسان سڑک کے ایک یوٹرن پر اس نے گاڑی موڑی تھی۔ وہ بیلنس مینٹین نہیں رکھ سکی تھی۔

سامنے موجود ایک بہت بڑے سائز کے پیڑ سے گاڑی ٹکرا گئی تھی۔ وانیہ کا سر سٹرینگ سے ٹکرایا تھا۔ اس کے بعد وہ

کچھ بھی ہوا اسے کچھ بھی یاد نہیں تھا۔

---

نائل آج کافی دنوں بعد فارم ہاؤس آیا تھا۔ سنیہا کا دل اس کے بغیر بہت اداس تھا۔ وہ لاکھ ظالم سہی مگر وہ اس کی محبت تھا۔ اب وہ اچھی بیویوں کی طرح اس کا دل جیتنے کی کوشش کرنا چاہتی تھی۔ اس کے اس فیصلے پر کوئی بھی شخص یقین نا کرتا کہ اس نے ساری عمر بیرون ملک گزاری ہے۔

نائل کے کمرے میں آتے ہی سنیہا نے مسکرا کر اس کا استقبال کیا تھا۔

اسے اپنے کمرے میں دیکھ اس کا پارہ ہائی ہوا تھا۔

"میں تمہارے لیے کھانا لگاؤں؟" کچھ دنوں پہلے دی گئی ڈوز کا اثر تو بالکل ہی زائل ہو گیا تھا۔ نا تو وہ نظریں جھکا کر بات کر رہی تھی اور نا ہی وہ اسے آپ کہہ

رہی تھی۔

نائل مسلسل اپنی پیشانی مسلتے اس کے قریب گیا تھا۔ اسے بغیر کچھ سمجھنے کا موقع دیے نائل نے اسے بالوں سے دبوچ خود سے قریب کیا تھا۔ ساتھ ہی ساتھ اس نے اپنے کوٹ کی اندرونی جیب سے چاقو بھی نکالا تھا۔ سنیہا کی آنکھوں میں خوف واضح تھا۔

"جو آنکھیں میرے سامنے جھک نہیں سکتیں ان آنکھوں کا میں کیا کروں گا؟" وہ چاقو کو سنیہا کی آنکھوں کے قریب لے گیا تھا۔

"نہیں پلیز...!" اس نے سختی سے آنکھیں میچی تھیں۔ اس پاگل شخص کا کوئی بھروسہ نہیں تھا، وہ کچھ بھی کر سکتا

تھا۔

"آج کے بعد اگر تمہاری یہ نظریں اٹھیں تو اپنے انجام سے تم اچھی طرح واقف ہو۔" نائل نے اسے بستر پر دھکہ دیا تھا۔

اس کی آنکھوں سے پانی بہتے جھرنے کی طرح بستر پر گر رہا تھا۔

وہ غلط تھی۔ وہ کبھی بھی اس شخص کو خود سے محبت کرنے پر مجبور نہیں کر سکتی تھی۔ وہ ایک نہایت ہی سفاک اور درندہ صفت انسان تھا۔

"اٹھو اور جاؤ جا کر کھانا بناؤ۔" نائل نے اسے بازو سے دبوچ اپنے مقابل کھڑا کیا تھا۔

"کھانا تیار ہے۔" نظریں جھکائے وہ منمنائی تھی۔

"میں نے کہا کہ جاؤ جا کر کھانا بناؤ۔" اس کی دھاڑ پر وہ ہمیشہ ہی کی طرح آج بھی بری طرح سہمی تھی۔

"کک... کیا بناؤں؟" سوال بامشکل حلق سے نکلا تھا۔ مگر پوچھنا ضروری بھی تھا ورنہ اس ظالم شخص کا کیا بھروسہ، کہیں اس بات کو بہانہ بنا کر اسے مزید ٹارچر نا کر دے۔

"کیا بنانا آتا ہے تمہیں؟"

"چائنیز اچھا بنا لیتی ہوں۔" اس کی آواز اس قدر دھیمی تھی کہ نائل بامشکل سن سکا تھا۔

"دیسی فوڈ بنا لیتی ہو؟" توقع کے عین مطابق سنیہا نے نفی میں سر ہلایا تھا۔ نائل کی آنکھوں میں چمک ابھری تھی۔

"میں تو صرف دیسی ہی کھاتا ہوں۔ جاؤ جا کر بنا کر لے کر آؤ۔" سنیہا تو نظریں اٹھا کر اس کا منہ بھی نہیں دیکھ سکتی تھی۔

"چار پانچ ڈشیز بنا لینا۔" وہ بت بنے وہی کھڑی رہی تھی۔ وہ شخص واضح طور پر اسے تنگ کر رہا تھا۔ جب وہ کہہ چکی تھی کہ اسے دیسی کھانا بنانا نہیں آتا تو پھر وہ کیوں اسے وہی بنانے کا کہہ رہا تھا۔

"جاؤ...!"سنیہادروازے کی جانب بھاگی تھی۔

"سنو...!"دروازے تک پہنچتے اس کے قدم رکے تھے مگر وہ پلٹی نہیں تھی۔

"اگر کوئی ایک بھی ڈش خراب ہوئی نا...تو تمہاری انگلیاں کاٹنے میں ایک سیکنڈ ضائع نہیں کروں گا۔"سنیہا نے فورا
اپنے ہاتھوں کی جانب دیکھا تھا۔کیا قصور تھا اس کی معصوم اور چھوٹی انگلیوں کا... جنہیں وہ کاٹنے کی دھمکیاں دے رہا
تھا۔

"ہوتا نا یہ لندن، تو بتاتی میں اس شخص کو...ابھی تک جیل میں پڑا سڑ رہا ہوتا۔"کچن میں آتے ہی وہ اپنی بھڑاس نکال رہی تھی۔نائل کے سامنے تو کچھ بولنے کی ہمت نہیں تھی اس میں، مگر کم از کم وہ اکیلے میں تو اپنا غصہ نکال ہی سکتی تھی۔

دو گھنٹے کی انتھک محنت کے بعد اس نے کھانا تیار کر ہی لیا تھا۔

نائل کے ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھتے ہی اس نے کھانا لگایا تھا۔اپنے سامنے چائنیز فوڈ دیکھ کر نائل کے ماتھے پر تیوری چڑھی تھی۔

"میں نے دیسی بنانے کی کوشش کی تھی مگر وہ کچھ اور ہی بن گیا۔"اس سے تقریبا دس قدم کی دوری پر کھڑے ہوتے
سنیہا نے آہستگی سے کہا تھا۔اس کی خراب قسمت، وہ تو نظریں اٹھا کر اس شخص کے چہرے کے تاثرات بھی نہیں
دیکھ سکتی تھی۔

"کہاں ہے دیسی فوڈ؟" اس کی آواز سے اس کے چہرے کے تاثرات کا اندازہ لگانا بے حد مشکل تھا۔ سنیہا کا دل چاہا
کہ ایک چور نگاہ تو اس پر ڈال ہی لے مگر پھر اپنی معصوم اور بے گناہ آنکھوں کا سوچ کر اس نے اپنا ارادہ نا صرف
ترک کیا تھا بلکہ اپنے دل کو بری طرح ڈپٹا بھی تھا۔
سنیہا چھوڑے چھوٹے قدم اٹھاتی اس کے قریب گئی تھی مگر تھوڑا فاصلہ اب بھی برقرار تھا، تاکہ ضرورت پڑنے پر وہ وہاں سے آسانی سے بھاگ سکے۔ ہائے اس کی خراب قسمت! اس نے بھاگ کر جانا ہی کہاں تھا؟ خیر دل تو معصوم
تھا۔ اپنی حفاظت کے لیے کچھ سوچنا تو تھا نا اس دل نے...
اس نے اب ایک برتن کے اوپر سے ڈھکن ہٹایا تھا پھر دوسرے اور پھر تیسرے...
کھانے کی حالت دیکھ نائل کے لبوں پر مسکراہٹ بکھری تھی۔ نجانے اس لڑکی نے کیا بنایا تھا؟ کم از کم وہ دیسی کھانا تو ہرگز نہیں تھا بلکہ وہ تو کھانا بھی نہیں تھا۔
"آج چائنیز سے کام چلا لیتے ہیں مگر اگلے دو دن میں تمہیں دیسی فوڈ بنانا سیکھنا ہے۔" سنیہا کے کندھوں سے جیسے بوجھ اترا تھا۔ اس نے اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا تھا کہ آج وہ بچ گئی تھی۔
"آؤ بیٹھو!" یہ آواز نہیں تھی، یہ سحر تھا جو سنیہا کے
دل و دماغ پر طاری ہوا تھا۔ اس کے دل نے بیٹ مس کی تھی۔ اس کا شوہر اتنا بھی برا نہیں تھا۔
سنیہا کرسی گھسیٹتے اس کے پاس بیٹھی تھی۔ اس نے ابھی اپنی پلیٹ اٹھائی ہی
تھی کہ نائل کی آواز اس کے کانوں میں گونجی تھی۔

"بیٹھنے کا کہا ہے کھانا کھانے کا نہیں...!"سنیہا کا ہاتھ وہیں رک گیا تھا۔

"ہمارے ہاں جب تک گھر کے مرد کھانا نہیں کھاتے تب تک گھر کی عورتوں کو پانی پینے کی بھی اجازت نہیں ہوتی۔"سنیہا کا دماغ بھک سے اڑا تھا۔یہ کیسی ثقافت تھی؟اس بارے میں تو وہ کچھ بھی نہیں جانتی تھی۔

اس نے نا صرف پلیٹ واپس رکھی تھی بلکہ اپنی رائے بھی نائل کے بارے میں تبدیل کر لی تھی۔

اس کا شوہر حد سے زیادہ برا تھا،بالکل کڑوے کریلے جیسا...

"کڑوا کریلا..."وہ دل ہی دل میں اس کا نام سوچ کر خوش ہوئی تھی۔آخر کار وہ اسے نیا نام دینے میں کامیاب ہو گئی تھی۔

نائل نے خاموشی سے کھانا کھایا تھا۔نا تو اس نے کھانے میں کوئی مین میخ نکالا تھا اور نا ہی اس نے کوئی قابل ستائش جملہ کہا تھا۔سنیہا اس خاموشی پر راضی تھی بلکہ بے حد خوش تھی۔

وہ کھانا کھا کر فارغ ہوا تھا تو اس کا فون بجا تھا۔فون اٹھاتے ہی اس کے چہرے پر اضطراب چھایا تھا۔

"وانیہ...!"وہ فوراً ہی اٹھ کر وہاں سے بھاگا تھا۔اس کے چہرے پر اس قدر فکر مندی دیکھ سنیہا بھی پریشان ہو گئی تھی۔اس سے کچھ پوچھنے کا تو کوئی فائدہ تھا نہیں....

آخری چیز جو اس کے دماغ میں کھٹکی تھی،وہ ایک لڑکی کا نام تھا۔

"وانیہ...!"سنیہا کے لبوں نے حرکت کی تھی۔اس کا ذہن اب مختلف خیالات بن رہا تھا۔

"کہیں نائل کے اس رویے کے پیچھے کوئی لڑکی نہیں تو نہیں...؟"سنیہا نے فوراً ہی سر جھٹکا تھا۔

"نہیں!نہیں...!ایسا کچھ نہیں ہے۔"اس نے خود کو تسلی دی تھی۔وہ اس ہر جائی کا ہر ستم برداشت کر سکتی تھی مگر

شراکت داری...شراکت داری اس کی برداشت سے باہر تھی۔

وانیہ کی آنکھ ہسپتال کے بستر پر کھلی تھی۔

"آہ...!"اسے اپنے سر میں ٹھیس سی اٹھتی محسوس ہوئی تھی۔اس نے اپنا ہاتھ ہلانے کی کوشش کی تھی مگر اس کے ایک ہاتھ پر ڈرپ لگی ہوئی تھی تو دوسرے ہاتھ پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔آخری چیز جو اسے یاد تھی وہ گاڑی کا

پیڑ سے ٹکرانا تھا۔

ہوش میں آنے کے بعد اس کا خیال تو بہت رکھا گیا تھا مگر نائل اور ماہم دونوں نے ہی اس سے بات چیت بند کر دی تھی۔

دو دن ہسپتال میں ایڈمٹ رہنے کے بعد وانیہ کو گھر لے جایا گیا تھا۔نا صرف اس کا گھر سے باہر جانا بند ہوا تھا بلکہ اس کے بستر سے اٹھنے پر بھی پابندی لگ چکی تھی۔

خیر یہ سب اس کی توقع کے عین مطابق تھا۔اس کا اصل مقصد تو شاہین سے بات کرنا تھا جو کہ یقیناً پورا ہو چکا تھا۔

سب کے کمرے سے باہر جاتے ہی اس نے چھپکے سے اپنے ہاتھ میں پہنا بریسلیٹ اتارا تھا۔اب وہ بریسلیٹ کے ہر اک کونے کو چھو کر دیکھ رہی تھی۔اپنی انگلیوں کے پوروں سے وہ کچھ کھوج رہی تھی۔ایک جگہ اسے کچھ چھبا تھا۔وانیہ نے جلدی سے اپنے انگوٹھا وہاں رکھا تھا۔وہ بریسلٹ دو حصوں میں تقسیم ہوا تھا۔اس کے اندر ایک چھوٹا سا خط تھا جو کہ وانیہ نے ہی رکھا تھا۔یہ اس کا اور شاہین کا بات کرنے کا انداز تھا۔وہ کبھی اس کے سامنے نہیں آتا تھا مگر ہمیشہ اسے ہر مصیبت سے بچاتا تھا۔کافی سال پہلے ایک دفعہ اس کا ایکسیڈینٹ ہوا تھا۔جب اسے ہوش آیا تھا تو اس اسے اپنے پاس یہ بریسلیٹ ملا تھا۔وہ اتنی ذہین

تو تھی کہ بریسلیٹ کی بناوٹ سے ہی اندازہ لگا لے کہ وہ محض ایک عام بریسلیٹ نہیں تھا۔ آدھے گھنٹے کی محنت کے بعد وہ اس بریسلیٹ کو کھولنے میں کامیاب ہو ہی گئی تھی۔ اس پر اپنے انگوٹھے کا نشان سیکیورٹی کے طور پر اس نے خود ہی لگایا تھا، تاکہ اس کے علاوہ اسے کوئی اور

ناکھول سکے۔

وہ جب بھی مصیبت میں ہوتی تھی، شاہین نا صرف اسے بچاتا تھا بلکہ اسے حوصلہ بھی دیتا تھا۔ ضرورت پڑنے پر وہ اسے مشورہ بھی دیتا تھا اور وانیہ اس پر عمل بھی کرتی تھی۔ آہستہ آہستہ اسے شاہین کی عادت ہوتی جارہی تھی۔ وہ اسے بغیر دیکھے، بغیر جانے بھی اس کے لیے کچھ

محسوس کررہی تھی۔ کوئی احساس تھا جسے سمجھنے سے وہ قاصر تھی۔ پچھلے دو سال سے وہ اسے ملنے کے لیے الٹے سیدھے راستے اختیار کرتی تھی۔ وہ جان بوجھ کر خود

کو مصیبت میں دھکیلتی تھی تاکہ وہ آکر اسے بچالے۔ اور ساتھ ہی ساتھ وہ خود سے ایک خط بھی رکھتی تھی جس کا جواب اسے مل جاتا تھا۔ بریسلیٹ سے خط نکالے وانیہ نے اسے کھولا تھا۔

"نین کون ہے اور کہاں ہے؟" وانیہ نے اپنے لکھے گئے الفاظ دہرائے تھے۔ اصل جھٹکا تو اسے جواب پڑھ کر لگا

تھا۔

"مجھے اپنی طرح فارغ مت سمجھو بے وقوف لڑکی! یہ آخری بار ہے۔ آج کے بعد مجھ سے کوئی اچھی امید مت رکھنا۔" وانیہ کا تو منہ ہی کھل گیا تھا۔

"کھڑوس...!" وانیہ نے خط کی بال بنائے ایک طرف پھینکی تھی۔

"ایک طرف میرے لیے تحائف بجھواتا ہے، میرے حسن پر شاعری لکھتا ہے اور دوسری طرف...!" اسے غصہ آیا تھا۔

---

عائزہ کو زیادہ چوٹیں نہیں لگی تھیں مگر وانیہ کی حالت اس سے زیادہ خراب تھی۔ آج اتنے دنوں بعد وہ وانیہ سے ملنے اس کے گھر آئی تھی۔

یہ ملاقات نائل کی غیر موجودگی میں ہو رہی تھی۔ اس حادثے کے بعد وہ تو کبھی بھی وانیہ کو عائزہ سے نا ملنے دے۔ اس کے مطابق یقیناً عائزہ نے ہی وانیہ کو ورغلایا ہو گا ورنہ اس کی بہن تو بے حد معصوم ہے۔ اس بیچاری

کو تو دنیاداری کی کوئی خبر ہی نہیں ہے۔

"بہت ہی کھڑوس شخص ہے۔" وانیہ کی دہائیاں کب سے جاری تھیں۔

"ایک طرف اتنی محبت اور دوسری طرف اتنی بے رخی...؟" وہ ہمیشہ سے ہی سٹیڈ فارورڈ تھا۔ اس کے جواب وانیہ کو ہمیشہ ہی طیش دلاتے تھے۔

"ایسا بھی تو ہو سکتا ہے کہ یہ دو الگ الگ لوگ ہوں۔" عائزہ نے اپنی رائے دی تھی۔

"ہاں ہو بھی سکتا ہے۔" وانیہ خود بھی کنفیوژ تھی۔

"نہیں وہ شاہین ہی ہے۔" اس نے سر جھٹکتے خود کو یقین دلایا تھا۔

"شاہین کبھی میرے سامنے نہیں آیا اور نا ہی وہ شخص...

اس کا مطلب تو یہ ہوا نا کہ وہی شاہین ہے۔"

"دل بہلانے کو خیال اچھا ہے غالب" عائزہ نے آنکھیں گھمائی تھیں۔

"ویسے یہ کچھ عجیب سا نام نہیں ہے؟ میرا مطلب ہے شاہین...؟ یہ کیسا نام ہوا؟؟"

"اتنا اچھا نام تو ہے۔" وانیہ نے باقاعدہ برا منایا تھا۔

"ویسے ایک بات بتاؤ تمہیں کیسے پتا چلا کہ اس کا نام شاہین ہے؟ اس نے خود بتایا ہے تمہیں؟؟"

"اس بریسلیٹ نما چیز پر عقاب بنا ہوا ہے اور مجھے خواب میں بھی ایک شخص دکھتا ہے جسے میں شاہین کہہ کر بلاتی ہوں، اور اس وڈیو میں بھی میں یہی نام لے رہی تھی۔"

"اور تم نے اخذ کر لیا کہ اس کا نام شاہین ہے؟" وانیہ کی تائید پر عائزہ نے اپنا سر پیٹا تھا۔

"شاہین کے چکر میں کہیں کسی غلط شخص کے ہاتھ نا لگ جانا۔" عائزہ نے اسے سمجھایا تھا۔

"میں تو چاہتی ہوں کہ مجھے کوئی غلط شخص ہی ملے۔" دونوں ہاتھوں کو مس کیے وہ آکسائیڈ ہو کر اس کی طرف جھکی تھی۔

"مطلب...؟" اس کی جانب دیکھے وہ کچھ دیر لب کچلتی رہی تھی پھر اس نے ایکدم ہی دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے

تھے۔

"اے اللہ پاک! میں یہ سیدھی سادھی زندگی نہیں گزار سکتی میں۔ مجھے ایک پرخطر زندگی چاہیئے۔ مجھے نو سے پانچ کام کرنے والا شخص نہیں چاہیئے، مجھے ایک غنڈہ
چاہیئے۔" وہ آنکھیں بند کیے مسلسل ہل ہل کر دعائیں مانگ رہی تھی۔ عائزہ نے وانیہ کی عقل پر ماتم کیا تھا۔ اس کے علاوہ وہ کر بھی کیا سکتی تھی؟

"نہیں نہیں اللہ جی!" اپنی تیز چلتی زبان کی روانی کا احساس ہوتے ہی اس نے فوراً آنکھیں کھولی تھیں۔

"غنڈہ نہیں چاہیئے اللہ جی! غنڈے تو بالکل بھی ہینڈسم نہیں ہوتے۔مجھے نا ایک خوش شکل،امیر، ہینڈسم سا انسان چاہیئے۔ بالکل جیسے کوئی ڈان یا مافیا ٹائپ...!"وہ ہاتھ
پھیلائے جو دعا کر رہی تھی،اگر اسے علم ہوتا کہ یہ دعا اسے کتنی مہنگی پڑنے والی ہے تو وہ خواب میں بھی یہ نا سوچتی۔

"تمہیں تو شاہین سے محبت نہیں تھی؟"عائزہ کی آواز پر اس کی سوچوں کا طلسم ٹوٹا تھا۔

"مجھے اس سے محبت نہیں ہے۔مجھے بس اسے جاننے کا تجسس ہے۔اس کی شخصیت مجھے پر اسرار لگتی ہے۔ہاں مگر میں جب اس کے دیے گئے تحائف اور خطوط کے بارے میں سوچتی ہوں تو مجھے کچھ عجیب سا محسوس ہوتا ہے۔"بستر پر بیٹھے سامنے ڈریسنگ ٹیبل پر بنے آئینے میں اپنا حسین سراپا دیکھ کر اس کے لبوں پر اداس مسکراہٹ چھائی تھی۔

عائزہ کے جانے کے بعد ماہم کافی دیر وانیہ کے پاس بیٹھی رہی تھی۔اسے کھانا کھلانے کے بعد ماہم نے اسے دوائی
دی تھی۔وانیہ نے آنسوؤں کا ایسا جال بچھایا تھا کہ ناچار ماہم کو پگھلنا ہی پڑا تھا۔

"پھوپھو ایک بات پوچھوں آپ سے...؟"

"ہمم پوچھو..."

"میری کیا کوئی بڑی بہن تھی؟"اس کے سوال پر ماہم چونکی تھی۔

"نہیں میرا مطلب ہے کہ اگر میری کوئی بڑی بہن ہوتی تو کتنا مزا آتا نا...یا پھر کوئی جڑواں بہن..."اس نے فوراً اپنی
بات تبدیل کی تھی۔وہ نہیں چاہتی تھی کہ ماہم کو بالکل بھی شک ہو۔

ماہم کچھ دیر وانیہ کو دیکھتی رہی تھی، پھر اچانک ہی وہ ہنس دی تھی۔

"اتنی فضول باتیں کہاں سے آتی ہیں تمہارے دماغ میں...؟"وانیہ منہ بسورے خاموش ہو گئی تھی۔ غلطی اس ہی کی تھی، آخر وہ کیسے ماہم سے کسی تسلی بخش جواب کی توقع رکھ سکتی تھی؟

ناتوماہم اسے کچھ بتانے کی روادار تھی، ناناائل اور اب توشاہین بھی...یعنی اس راز کی تلاش اسے خود ہی کرنی تھی۔

"چلو تیار ہو جاؤ، ساتھ والے پارک چلتے ہیں۔ تمہارے بھائی کے سخت آڈرز ہیں کہ تمہیں چہل قدمی کروائی جائے۔"وانیہ کی آنکھیں چھلکنے لگی تھیں۔وہ اس سے ناراض ضرور تھا مگر بے خبر نہیں....

---

اس بندطے خانے میں مشعلوں کی مدھم سی روشنی تھی۔ایک مخصوص کمرے میں کھڑے وہ چار درندے معصوم

لوگوں کی زندگی اس سے چھیننے کی پلیننگ کر رہے تھے۔

"ہم مسجد میں بم پلانٹ کریں گے۔"الیکس نے ایک چھری نقشے کے ایک حصے پر رکھی تھی۔

"نہیں! ہم یہ نہیں کریں گے۔"ڈیوڈ کی آواز پر الیکس، جیمز یہاں تک کہ ماریہ نے بھی چونک کر اس کی طرف دیکھا

تھا۔

"تمہیں مسلمانوں سے کب سے ہمدردی ہونے لگی ڈیوڈ؟؟"

الیکس نے ماتھے پر تیوری چڑھائے عجیب نظروں سے اسے

گھورا تھا۔

"مجھے کسی سے کوئی ہمدردی نہیں ہے۔" اس کے لبوں پر معنی خیز مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔

"میں تو بس یہ کہہ رہا ہوں کہ ہم مسجد کے بجائے مزار پر بم پلانٹ کریں گے۔" الیکس کے ہاتھ سے چھری پکڑے وہ نقشے کے دوسرے کونے تک لے گیا تھا۔

"مسجدیں تو خالی رہتی ہیں مگر مزار... وہاں تو ہمیشہ لوگوں کا ہجوم رہتا ہے۔" ڈیوڈ کی آنکھوں میں چمک تھی۔ سب کچھ فنا کر دینے کی چمک...

"ہم جمعے کے دن یہ دھماکہ کریں گے۔ اس دن تو کافی لوگ مسجد میں موجود ہوتے ہیں۔" ماریہ کی بات پر ڈیوڈ نے
نفی میں سر ہلایا تھا۔

"زیادہ سے زیادہ کتنے...؟ سو ڈیڑھ سو... بس؟ مگر اگر ہم
مزار پر حملہ کریں تو وہاں لوگوں کا ہجوم اکٹھا رہتا ہے۔ مسلمان اپنے رب کو سجدہ کرنے کے بجائے قبروں پر جھکتے ہیں۔ شرک کرتے ہیں۔" وہ تمسخرانہ ہنسا تھا۔

"اب وقت آگیا ہے کہ ان مسلمانوں کو ان کے پیروکاروں کی قبروں سمیت فنا کر دیا جائے۔" ڈیوڈ کی بات مکمل ہوتے ہی وہاں موجود سب افراد کے چہرے پر شیطانی مسکراہٹ رینگ آئی تھی۔ یہی تو ان کا کام تھا۔ ملک کو تباہ و برباد کرنا، معصوم لوگوں کی جانیں لینا، لڑکیوں اور ڈرگز کی سمگلنگ کرنا اور ہر قسم کا شیطانی کام کرنا....

---

گاڑی ویرانے میں ایک گھر کے پاس روکے الیکس اندر داخل ہوا تھا۔ گھر کافی بوسیدہ تھا، بالکل کھنڈر نما...

گھر کے اندر داخل ہوتے ہی اس نے اپنے قدم سٹور روم کی جانب بڑھائے تھے۔ سٹور روم کا لاک کھولتے وہ دبے قدموں اندر داخل ہوا تھا۔

ایک الماری کے قریب پہنچتے اس نے الماری کھولے اندر چھپا ہوا ایک بٹن دبایا تھا۔ دیوار دو حصوں میں تقسیم ہوئی تھی۔ دیوار کے اس پار ایک چھوٹا سا کمرہ تھا جسے بہت نفاست سے سجایا گیا تھا۔ یہ گھر بھی ان کے تہ خانے کی طرز کا تھا۔

بستر پر لیٹے وجود کو دیکھ اس کے چہرے پر اداس مسکراہٹ بکھری تھی۔ وہ چت لیٹا ہوا مسلسل چھت کو گھور رہا تھا۔ بڑھی ہوئی شیو، بکھرے ہوئے سفید بال اور اجڑی ہوئی آنکھیں...

"کیسے ہو سیم...؟" کوٹ کا بٹن کھولے وہ اس کے پاس بیٹھا تھا۔ اس کے اشارے پر وہاں موجود شخص ادب سے آنکھیں جھکائے باہر گیا تھا۔ الیکس نے سیم کی دیکھ بھال کے لیے اپنے بھروسے کا ایک آدمی رکھا تھا۔

وہ بغیر کسی حس و حرکت کے چھت کو گھورتا رہا تھا۔

"اتنے سال بیت گئے اور تم ابھی تک سوگ منا رہے ہو؟ اٹھ جاؤ سیم! پلیز جاگ جاؤ۔ وہ ڈیوڈ اب میری برداشت سے باہر ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم لوٹ آؤ۔ وہ تم سے زیادہ خطرناک

ہے۔ مجھے اس سے خوف محسوس ہوتا ہے۔ تم ہوش میں آ جاؤ پلیز!" اس کے لہجے میں بے بسی کے ساتھ ساتھ نمی بھی گھلی تھی۔

"بھول جاؤ اس لڑکی کو... جو کچھ۔ ہوا بھول جاؤ۔ تم نے تو ہزاروں لوگوں کو موت کے گھاٹ اتارا ہے تو پھر تم کیوں اس لڑکی کو ماری گئی ایک گولی کو نہیں بھول پا رہے ہو؟

موت اس کا مقدر تھی۔" الیکس نے سیم کے منجمد اور بے حرکت ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا تھا۔

"ٹھیک ہے مت بولو۔" الیکس نے گہری سانس خارج کیے ہار مانی تھی۔

"چلو تمہاری پسندیدہ جگہ پر چلتے ہیں۔" اچانک ہی سیم کی بنجر آنکھوں میں چمک ابھری تھی۔
اسے اپنے آدمیوں کی مدد سے گاڑی میں بٹھائے وہ گاڑی کو فراٹے سے آگے بڑھا گیا تھا۔ وہ پارک کے خوشگوار موسم میں
مسلسل ٹہلتے ہوئے ویل چیئر پر بیٹھے سیم سے باتیں کر رہا تھا۔ پھر اچانک ہی فون کال کے آنے پر وہ سیم کو وہیں چھوڑے وہاں سے گیا تھا۔
سیم نے زبان نے کچھ نہیں کہا تھا مگر اس کی آنکھیں مسکرا رہی تھیں۔ یہی تو وہ جگہ تھی جہاں پہلی بار دیدار یار ہوا تھا۔ وہ آنکھیں بند کیے اس ہوا کی تازگی کو اسے محسوس کر رہا تھا تبھی ایک ہنسی کی کھنک سے اس کے تخیل میں ارتعاش پیدا ہوا تھا۔ بند آنکھوں کے ساتھ اس کے چہرے پر اضطراب چھایا تھا۔ یہ کھنک اسے کہیں پاس سے ہی سنائی دے رہی تھی۔ سیم نے پٹ سے آنکھیں کھولی تھیں۔
تیز ہوا کا جھونکا اسے وہی منجمند کر گیا تھا۔ سامنے بینچ پر بیٹھی وہ لڑکی اسے ساکت کر گئی تھی۔ وہ سانس لینا بھول گیا تھا۔ اس کی پلکیں جھپکنے سے انکاری تھیں۔
بھورے لمبے بال، دودھیا رنگت، ستواناک اور تھوڑی پر گہرا سیاہ تل.... وہ وہی تھی، ہاں وہ وہی تھی۔
گلابی رنگ کے سوٹ میں ملبوس وہ حسینہ وہی تو تھی جس کے ایک دیدار کے پیچھے وہ دیوانہ تھا۔
ماہم کو اپنی ایک سہیلی مل گئی تھی جس سے بات کرتے کرتے وہ دوسری طرف چلی گئی تھی جبکہ وانیہ پارک میں موجود ایک بچے سے بات کرنے میں مصروف تھی۔ وہ چہرے کے مختلف زاویے بنائے، ٹھوڑی پر ہاتھ رکھے اس بچے کے ساتھ محو گفتگو تھی۔
کسی کی نظروں کے احساس کے تحت وانیہ نے اپنے دائیں طرف دیکھا تھا۔ وہیل چیئر پر موجود شخص کو اپنی طرف دیکھتے دیکھ کر وانیہ نے مسکرا کر ہاتھ ہلایا تھا۔

اب وہ قدم قدم چلتی اس تک گئی تھی۔ چوٹ لگنے کی وجہ سے اسے چلنے میں دشواری ہو رہی تھی۔ اس شخص تک
پہنچے وہ نیچے زمین پر بیٹھی تھی۔

"کسی کو چوری چھپے دیکھنا گناہ ہے۔" وانیہ نے آنکھیں چھوٹی کیے اسے گھورا تھا۔ سیم کو ٹھنڈے پسینے آنے لگے تھے۔ یہ وہی آواز تھی، چاشنی بھری میٹھی
آواز...

"لیکن خیر آپ کی عمر کی وجہ آپ کو معاف کیا۔" وانیہ نے ایک ادا سے بالوں کو جھٹکا دیا تھا۔

"میرے خیال سے کافی ہینڈسم ہیں آپ، بس تھوڑا سا حلیہ درست کرنے کی ضرورت ہے۔" اپنی باتونی فطرت کے پیش نظر وہ کسی انجان سے بھی گھل مل جاتی تھی۔ اور اس طرح گھل مل جانے کی سب سے اہم وجہ نائل کی پابندیاں تھیں۔ اس شخص کے لب نیم وا ہوئے تھے۔ وہ کچھ کہنا چاہتا تھا۔

"نینا...!" اتنے سالوں بعد اس نے نام لیا تھا بھی تو کس کا...؟

اس دشمن جان کا...

"میں نینا نہیں وانیہ ہوں۔" وانیہ نے مسکرا کر اپنا تعارف کروایا تھا۔

اس بار سیم نے بغور اس کے چہرے کے ہر اک نقش کو دیکھا تھا۔ وہ سہی کہہ رہی تھی۔ وہ نینا نہیں تھی۔ اتنے سالوں بعد نینا اتنی جوان کیسے رہ سکتی تھی؟ اور اس کی باتونی فطرت؟ نینا تو خاموش طبیعت انسان تھی۔ اور سب سے بڑی بات اس کے چہرے کی بناوٹ... نینا کا چہرہ بیضوی تھی جبکہ اس لڑکی کا چہرہ گول تھا۔ بس ایک یہی فرق تھا ان دونوں میں... مگر سوال یہ تھا کہ یہ ہو بہو نینا کی شکل و صورت دینے والی لڑکی آخر تھی کون؟

---

ہاتھ میں کافی کا مگ پکڑے وہ ٹانگ پر ٹانگ جمائے کرسی پر بیٹھا تھا۔ سامنے بہت بڑی سکرین پر وڈیو چل رہی تھی۔

مزار کی وڈیو...

یہ بلیک مونسٹر کا پسندیدہ کام تھا۔ ہر دھماکے سے پہلے وہ کسی جگہ کیمرے فکس کروا دیتا تھا تاکہ وہ دھماکہ ہونے کے بعد بھی اس وڈیو کو بار بار دیکھ کر اپنی انا کو تسکین پہنچا سکے۔

لوگوں کا جوق در جوق ہجوم دیکھ کر اس کے لبوں پر تیکھی مسکراہٹ بکھری تھی۔ کتنے سکون سے وہ لوگ ادھر ادھر گھوم رہے تھے۔ اس بات سے نا آشنا کہ تھوڑی دیر میں اس کے جسم کے چیتھڑے اڑنے والے ہیں۔

مزید دس منٹ بعد اس کی پیشانی کی شکنوں میں اضافہ ہوا تھا۔ اس نے بے چینی سے اپنے ہاتھ میں پہنی ریسٹ واچ کی طرف دیکھا تھا۔ اب تک تو دھماکہ ہو جانا چاہیئے تھا۔

"ماریہ بلاسٹ ہونے میں اتنا وقت کیوں لگ رہا ہے؟"

بے چینی، اضطراب، بے صبری کیا نہیں تھا اس کے لہجے میں...؟ اسے لوگوں کی آہ پکار سننے کی بہت جلدی تھی۔

"میں پتا کرتی ہوں۔" وہ فوراً اٹھ کر باہر گئی تھی۔

ٹھیک پانچ منٹ بعد وہ زرد رنگت کے ساتھ اندر داخل ہوئی تھی۔ آج بلیک مونسٹر کے ہاتھوں اس کی موت پکی تھی۔

بلیک مونسٹر نے ماتھے پر تیوری چڑھائے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

"وہ... وہ...!" ماریہ مناسب الفاظ ڈھونڈھ رہی تھی مگر سارے الفاظ تو جیسے دماغ سے اڑ ہی گئے تھے۔

"کیا وہ...؟" یہی وہ دھاڑ تو تھی جس پر سب ہی کانپ اٹھتے تھے۔

"سب کچھ بالکل ٹھیک چل رہا تھا لیکن...!" ماریہ نے سختی سے آنکھیں میچی تھیں۔

"مجھے یہ پہیلیاں نہیں پسند... جو بھی بات ہے صاف صاف کہو۔" اس کا انداز ایسا تھا جیسے وہ سامنے موجود لڑکی

کو کچا چبا جائے گا۔

ماریہ اچھی طرح جانتی تھی کہ سب بتا دینے کے بعد وہ اس کا کیا حال کرے گا اور نا بتانے کی صورت میں تو... وہ

جان سے ہی جائے گی۔ لہذا بہت ہمت جمع کر کے اس نے زبان کھولنے کا فیصلہ کر ہی لیا تھا۔

"شا... ہین!" اس کے گلے سے پھنسی پھنسی سی آواز نکلی تھی۔

"شاہین نے سب برباد کر دیا۔" اس نے ابھی جملہ مکمل ہی کیا تھا کہ بلیک مونسٹر کسی بپھرے ہوئے بھیڑیے کی طرح اس پر جھپٹا تھا۔

"نالائق نکمے لوگ...!" کوٹ کی جیب سے گن نکال کر اس نے ایک ساتھ دو گولیاں ماریہ کی بائیں ٹانگ پر ماری تھیں۔

"بلیک مونسٹر...!" اس سے پہلے کہ وہ ماریہ کا وجود گولیوں سے بھون دیتا جیمز نے آ کر اس کا ہاتھ پکڑا تھا۔

ماریہ کی آنکھوں میں خوف واضح تھا۔

جو شخص کسی کو اپنے آگے بولنے تک کی اجازت نہیں دیتا وہ کیسے کسی کا اپنا ہاتھ پکڑنا برداشت کر سکتا تھا؟

بلیک مونسٹر کی غضب ناک آنکھیں دیکھ کر جیمز کو فوراً ہی اپنی غلطی کا احساس ہوا تھا۔اس کے ہاتھ پر سے ہاتھ ہٹائے وہ پیچھے ہٹا تھا۔اب وہ سر جھکائے آنکھیں بند کیے ادب سے کھڑا اپنے انجام کا انتظار کر رہا تھا۔ماریہ نے بھی سختی سے آنکھیں میچی تھی۔

دو قدم چلتے اس کے قریب آتے بلیک مونسٹر کچھ دیر سرخ آنکھوں سے جیمز کو دیکھتا رہا تھا پھر وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتے بالکل اس کے پاس سے گزرا تھا۔

دروازے کے ڈھرام سے بند ہونے کی آواز پر ماریہ اور جیمز نے پٹ سے آنکھیں کھولی تھیں۔وہ جو اپنے انجام کے منتظر تھے،اس قدر خاموشی پر ان دونوں کی ہی جان پر بن آئی تھی۔یہ لال سگنل تھا۔یعنی اب جو ان دونوں کے ساتھ ہونے والا تھا وہ بے حد بھیانک تھا۔

"جیمز تم پاگل ہو؟ تم نے کیوں بلیک مونسٹر کا ہاتھ پکڑا؟"اپنی ٹانگ پر ہاتھ رکھتے اس نے غصے سے جیمز کو گھورا تھا۔

وہ ایک خوش شکل شخص تھا۔جس کی عمر تقریباً پینتالیس سال کے قریب تھی۔اس کے بال سیاہ تھے مگر چہرے پر ابھری ہلکی ہلکی ڈارھی میں کچھ سفید بال تھے۔اپنی ڈریسنگ اور اپنے کام سے وہ کم عمر دکھتا تھا۔

"وہ تمہیں مار دیتا۔"جیمز کے لہجے میں فکر کا عنصر واضح تھا۔

"تو کیا فرق پڑتا ہے؟اب جو وہ ہمارے ساتھ کرے گا وہ موت سے بھی بدتر ہو گا۔"زیادہ سے زیادہ وہ اسے چار ہی گولیاں

مارتا مگر اب...اب نجانے وہ کیا کرنے والا تھا؟

فکر مند تو جیمز بھی بہت تھا۔بلیک مونسٹر کی خاموشی اس کے غصے سے زیادہ خطرناک تھی۔اپنی اسی رعب دار شخصیت کی وجہ سے تو وہ اتنا کامیاب تھا۔دنیا کے بڑے بڑے مافیا کنگ اس کے آگے گھٹنے ٹیکتے تھے۔

نائل کے کمرے میں داخل ہوتے اس کی نظر بستر پر لیٹے وجود پر پڑی تھی۔اس کا غصے سے برا حال ہوا تھا۔مجال تھی جو وہ لڑکی اس کی کوئی بات مان لے۔ہزار بار منع کرنے کے بعد بھی اس نے وہی کرنا تھا، جس کام سے وہ اسے روکتا تھا۔ایک جھٹکے سے اسے بازو سے دبوبے نائل نے اسے اپنے سامنے کھڑے کیا تھا۔

"اٹھو...!"نائل کی دھاڑ پر وہ جیسے ہوش میں آئی تھی۔مگر اس کی آنکھیں ابھی بھی ٹھیک سے کھلی نہیں تھیں۔

نائل نے ساتھ پڑی ٹیبل پر پڑا ہوا جگ اٹھا کر سنیہا کے منہ پر الٹ دیا تھا۔اب کہیں جا کر اس کی آنکھیں کھلی تھیں۔

"تمہاری ہمت کیسے ہوئی میری اجازت کے بغیر میرے کمرے میں میرے بستر پر سونے کی...؟"سنیہا نے سہم کر آنکھیں میچی تھیں۔

"بولو کیسے ہمت ہوئی تمہاری، اپنے ناپاک وجود سے اس بستر پر سونے کی...؟"سنیہا کی کان کی لوئیں تک سرخ ہوئی تھی۔

باقی سب برداشت تھا مگر اپنے بارے میں یہ الفاظ نہیں...

"You bloody...!"

نائل نے ایک بار پھر اسے گالی دی تھی۔

"بس...!"وہ اپنی پوری قوت سے چلائی تھی۔

"ایک لفظ اور مت کہنا تم...!"سنیہا نے انگلی اٹھا کر اسے وارننگ دی تھی۔اس کا پورا جسم کپکپا رہا تھا مگر اس

کے باوجود بھی اس کے لہجے میں اعتماد تھا۔نائل اس کا یہ اعتماد دیکھ کر دنگ رہ گیا تھا۔

"تمہیں پتا ہے نائل آفندی! تم ایک نمبر کے پنچ انسان ہو۔ خیر اس کا الزام میں تمہیں نہیں دوں گی۔ تم جو بھی ہو، یہ تمہارا قصور نہیں ہے۔ یہ تمہاری تربیت کرنے والے کا قصور ہے۔ یہ تمہاری ماں کا قصور ہے۔"نائل کی آنکھیں سرخ انگارہ ہوئی تھیں۔اس نے سختی سے مٹھیاں بھینچی تھیں۔

"تمہاری ماں نے یقیناً تمہاری تربیت ٹھیک نہیں کی اسی وجہ سے تم انسان کے بجائے حیوان...!"اس کے الفاظ ابھی منہ میں ہی تھے کہ نائل سے اسے گردن سے دبوچ پیچھے دیوار سے لگایا تھا۔سنیہا کا سر بری طرح دیوار سے لگا تھا۔

"تمہاری جرات کیسے ہوئی میری ماں کے بارے میں یہ سب کہنے کی...؟"غصے سے پاگل ہوتے نائل نے اپنی گرفت مزید سخت کی تھی۔ سنیہا کا سانس وہی رک گیا تھا۔وہ سنگدل اسے سانس لینے کی بھی اجازت نہیں دے رہا تھا۔

"میں چاہوں تو تمہیں ایک ہی جھٹکے میں ختم کردوں لیکن میں یہ نہیں کروں گا۔"نائل نے اسے فرش پر دھکہ دیا تھا۔

سنیہا کا سر فرش سے بری طرح ٹکرایا تھا۔اس کے سر سے خون رسنے لگا تھا لیکن آج اس نے ہمت نہیں ہاری تھی۔

"میں تم سے نہیں ڈرتی۔"اپنے ہاتھ سے اپنا گلا پکڑتے وہ ایک بار پھر اپنی پوری قوت سے چلائی تھی۔

وہ پہلے ہی شدید غصے میں تھا اور سنیہا کی باتیں اسے مزید طیش دلا رہی تھیں۔ تیزی سے آگے بڑھ کر وہ اس کے بال دبوچتے اس کے پاس بیٹھا تھا۔

"ڈرنا تو تمہیں پڑے گا۔" نائل نے اسے جھنجھوڑتے ہوئے زور سے دھکہ دیا تھا۔اس کا سر میز کے کونے سے ٹکرایا تھا۔سنیہا کو اب اپنی آنکھوں کے آگے اندھیرا دکھنے لگا تھا۔وہ یہ شدید ضرب برداشت نہیں کر سکی تھی۔وہ سر تھامے کراہتی ہوئی وہیں گر گئی تھی۔

وہ اس کی طرف ایک ہتک انگیز نگاہ ڈال کر تیزی سے وہاں سے گیا تھا۔اس سنگدل نے اس کے سر سے بہتے خون کی بھی کوئی پرواہ نہیں کی تھی۔

اسے وہی چھوڑ کر وہ کافی دیر بے مقصد سڑکوں پر ریش ڈرائیو کرتا رہا تھا۔ذہن تو جیسے بالکل مفلوج ہو چکا تھا۔

"خون تھا،ہر جگہ ،پیٹ سے خون نکل رہا تھا۔اس شخص کے کپڑوں پر خون تھا۔اس نے اس لڑکی کے ساتھ...وہ مر جائے
گی،وہ مر گئی۔"

"میں نے دیکھا...میں نے...وہ جھاڑیوں کے پیچھے وہ شخص....!"

"وہ شخص...اس نے...!"گاڑی کو ایک جھٹکے سے بریک لگائے وہ چیخا تھا۔اب وہ زور زور سے اپنا ہاتھ سٹیرنگ پر مار رہا تھا۔

"میری ماں نے میری بہت اچھی تربیت کی تھی۔وہ اچھی تھی،بہت اچھی...!"گاڑی کی پشت سے ٹیک لگائے اس نے
آنکھیں موندی تھیں۔اس کی آنکھ سے ایک آنسو پھسل پر گال میں کہیں جذب ہوا تھا۔

---

بلیک مونسٹر نے طیش کی حالت میں تہہ خانے میں موجود ہر چیز ہی تہس نہس کر دی تھی۔وہ اپنے دو آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتار چکا تھا۔

"شاہین! شاہین! شاہین... ! آخر کون ہے یہ شاہین... ؟"اس نے اپنے سامنے موجود سکرین پر تین شوٹ کیے تھے۔

ماریہ اور ایلیکس کی سانسیں رکی ہوئی تھیں۔ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ سامنے موجود شخص کس قدر طاقتور ہے اور سفاک بھی...

ماریہ کو تو جیمز کی فکر ستا رہی تھی۔ نجانے وہ کہاں غائب ہو گیا تھا۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ اس کی غیر موجودگی کے پیچھے بلیک مونسٹر کا ہی ہاتھ ہے۔

وہ نجانے کتنی بار مزار کی وڈیو پلے کر کے دیکھ چکا تھا مگر ہمیشہ کی طرح اس بار بھی شاہین ایک راز ہی تھا جس کی کھوج لگانا تقریباً ناممکن تھا۔

وڈیو میں ایک ہڈی میں موجود شخص کو اندر سے باہر نکلتے دیکھا گیا تھا۔ اس کی ہڈی کی بیک سائیڈ پر عقاب بنا ہوا تھا اور چہرہ ہمیشہ کی طرح ڈھکا ہوا تھا۔

وہ اندر کیسے گیا تھا یہ ان کی سوچ سے برعکس تھا۔ وہ اسے اندر جاتے ہوئے نہیں دیکھ سکے تھے مگر باہر وہ مغرور چال چلتا آیا تھا۔ اس کی یہ چال دیکھ بلیک مونسٹر تو بالکل پاگل ہی ہو گیا تھا۔

"ہمارے درمیان کوئی غدار ہے۔" ان کے ہر عمل کی خبر پہلے ہی آئی۔ ایس۔ آئی تک پہنچا دی جاتی تھی۔ اس بات سے یہ وہ یہی اخذ کر سکا تھا۔

"ایک بار... بس ایک بار مجھے شاہین اور وہ شخص مل جائے۔ میں دونوں کو ہی زندگی دوں گا۔ موت سے بدتر زندگی..." ایل۔ ای۔ ڈی کی سکرین پر ایک اور گولی مارتے اس نے عہد کیا تھا۔

---

وہ کافی دیر بے مقصد سڑکوں کی خاک چھاننے کے بعد شکست خور حالت میں گھر کے اندر داخل ہوا تھا۔ نائل کا دل بے حد بے چین تھا۔ آج اسے ماں کی یاد شدت سے ستا رہی تھی۔ لہذا اپنے اس غم کو کم کرنے کے لیے اس نے ماہم کے

کمرے کا رخ کیا تھا۔ وہ دونوں ایک زمانے میں اچھے دوست

رہ چکے تھے۔ مگر وقت کے ساتھ ساتھ ماہم نے اپنے ارد گرد تنہائی کا خول چڑھا لیا تھا۔ نائل اس کی وجہ اچھی طرح

جانتا تھا۔ اس لیے اس نے ماہم کو کبھی دوبارہ بات کرنے پر مجبور نہیں کیا تھا۔ مگر آج اس نے نجانے کیوں ماہم کے

کمرے کا رخ کیا تھا۔

"کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟" اس نے دروازہ ناک کرتے پوچھا تھا۔

نائل کو اس وقت اپنے کمرے میں دیکھ کر ماہم کو حیرت تو ہوئی تھی مگر اس نے خوشدلی سے اسے اجازت دے دی تھی۔ وہ ابھی ابھی پلنگ پر لیٹنے کی نیت سے بیٹھی تھی۔

"سوری! ڈسٹرب کر دیا میں نے آپ کو...!" وہ اس کے پیروں کے قریب بستر سے ٹیک لگائے زمین پر بیٹھا تھا۔ یعنی ڈسٹرب کرنے کے بعد بھی وہ واپس جانے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا تھا۔

"وانیہ کی وجہ سے پریشان ہو؟" ماہم بھی اس کے قریب نیچے کارپٹ پر بیٹھی تھی۔

"آپ سے کس نے کہا کہ میں پریشان ہوں؟" چہرے پر صدیوں کی تھکان تھی۔

"یعنی کسی اور وجہ سے پریشان ہو۔" وہ اسے اچھی طرح سمجھتی تھی۔

"ایک سوال پوچھنا تھا۔" مزید باتوں کو گھمانے پھرانے کا اب اس کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔

ماہم نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

"اگر آپ اپنی تسکین کے لیے، خود کو سکون پہنچانے کے لیے کوئی کام کرو، لیکن آپ کو پھر بھی سکون نا ملے، بلکہ آپ مزید بے چین ہو جاؤ۔ تو اس کا کیا مطلب ہوا؟"

"اس کا یہی مطلب ہوا کہ وہ کام ٹھیک نہیں ہے۔" نائل نے چونک کر ماہم کی جانب دیکھا تھا۔ وہ مسکرا رہی تھی۔

اپنی پیشانی کو چھوتے اب اس نے اپنی نظریں کھڑکی سے باہر آسمان پر موجود چاند پر ٹکائی تھیں۔

"میرا مطلب ہے کوئی آپ کے ساتھ غلط کرے اور آپ اس کا انتقام لینے کے لیے اس کے کسی عزیز کو نقصان پہنچاؤ۔

تو کیا ٹھیک نہیں ہے؟" کچھ دیر سوچنے کے بعد وہ الفاظ کو ترتیب دینے میں کامیاب ہو ہی گیا تھا۔ اب اس نے چاند سے
نظریں ہٹا کر ماہم کی پر شفاف بڑی بڑی آنکھوں میں دیکھا تھا۔

"نائل! کیا تم قرآن پاک بھول گئے ہو؟" ماہم نے آہستگی سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا۔ نائل کی آنکھوں میں بے چینی
ہنوز واضح تھی۔

"تم فرماؤ، کیا اللہ کے سوا اور رب طلب کروں حالانکہ وہ ہر چیز کا رب ہے اور ہر شخص جو عمل کرے گا وہ اسی کے
ذمہ ہے اور کوئی بوجھ اٹھانے والا آدمی کسی دوسرے آدمی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا پھر تمہیں اپنے رب کی طرف لوٹنا ہے تو وہ تمہیں بتا دے گا جس میں اختلاف کرتے تھے۔"

(سورہ الانعام آیت نمبر 164)

ماہم نے قرآن کی آیت کا ترجمہ پڑھا تھا۔نائل ساکت رہ گیا تھا۔سارے الفاظ، سارے بہانے یہاں آکر ختم ہو گئے تھے۔

اب پیچھے کوئی جواز نہیں بچا تھا۔

"آخرت میں بھی اللہ کے حضور کوئی شخص کسی دوسرے کے گناہوں کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔تم تو پھر دنیا کی بات کر رہے ہو۔"نائل نے زبان سے کچھ نہیں کہا تھا۔قرآن کی ایک آیت نے اس کے تمام تر جوازات کو بری طرح رد کر دیا تھا۔

"وانیہ کیسی ہے ؟"اس نے موضوع تبدیل کیا تھا۔اس نے یہ جان کر کیا تھا۔وہ نہیں چاہتا تھا کہ ماہم اس سے ان سوالات کے بارے میں استفسار کرے۔

"تم خود دیکھ لو۔"ماہم مسکرا کر اس کے پاس سے اٹھی تھی۔وہ سمجھ دار تھی،اس نے نائل سے کچھ نہیں پوچھا تھا۔ان لوگوں کی زندگیوں میں اتنا قہرام مچ چکا تھا

کہ اب شاید انہیں سنبھلنے کے لیے ساری زندگی بھی کم پڑ جائے۔

وانیہ موبائل پر گیم کھیلنے میں مصروف تھی جب نائل نے اس کے کمرے کا دروازہ ناک کیا تھا۔نائل کو دیکھ کر وہ کرنٹ کھا کر اچھلی تھی۔اس نے موبائل فورا کمبل کے اندر چھپایا تھا۔

"کیسی ہے میری گڑیا؟"نائل اس کے پاس بستر پر آکر بیٹھا تھا۔

"آپ کو کیا فرق پڑتا ہے ؟"منہ بسورے اس نے اپنا رخ دوسری طرف موڑ لیا تھا۔

"ایک تو غلطی خود کی اور اوپر سے ناراض بھی آپ خود ہی ہو رہی ہیں ؟"نائل نے اسے مصنوعی گھوری سے نوازا

تھا۔

"میں تو بالکل بھی ناراض نہیں ہوں۔" اس کے لہجے کی سختی وانیہ کو واپس ٹریک پر لے آئی تھی۔

وہ نائل کو دوبارہ ناراض نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"مگر میں ہوں۔" نائل نے اسے باور کروایا تھا۔

"اچھا نا! میں دوبارہ ایسا کچھ نہیں کروں گی۔" وانیہ نے نائل کا ہاتھ تھامے معذرت خوانہ لہجے میں اس کی طرف

دیکھا تھا۔ وہ نا چاہتے ہوئے بھی مسکرا دیا تھا۔

وانیہ ہمیشہ ہی الٹی سیدھی حرکتیں کرتی تھی۔ کبھی آدھی رات کو چھپکے سے گاڑی باہر کے جانا، کبھی اپنی دوستوں کے ساتھ گارڈز کو چکما دے کر شوپنگ پر نکل جانا تو کبھی کچھ...

اس سب کی اہم وجہ نائل کی بے جا پابندیاں تھیں۔ وہ ان پابندیوں سے اکتا جاتی تھی۔ نائل بھی اچھی طرح جانتا تھا کہ اب وہ بچی نہیں رہی جو وہ اسے کنڑول کرلے گا۔ وہ اب بیس سال کی ہو چکی تھی، لیکن اس سب میں نائل کا بھی قصور نہیں تھا۔ وانیہ کی حالت کی وجہ سے اسے یہ پابندیاں لگانی پڑتی تھیں۔

"چلو اب سو جاؤ جلدی سے...!" نائل نے کمبل سے فون نکالتے ہوئے وانیہ پر کمبل درست کیا تھا۔ اس کا تو منہ ہی بن گیا تھا۔ آخر اس کے بھائی کی نگاہیں اتنی زیرک کیوں تھیں؟

اب رات اتنی دیر تک فون استعمال کرنے کی پاداش میں اسے اگلے دو دن تک موبائل کی شکل دیکھنے سے بھی محروم رکھا جانا تھا۔

"بھائی نیند نہیں آرہی مجھے...!" اس نے سچ کہا تھا۔

"بھائی کی جان! سونے کی کوشش تو کریں۔" نائل اٹھ کر اس کے سرہانے آ بیٹھا تھا۔ وانیہ منہ بسورے لیٹ گئی تھی۔

"ابھی بھی نہیں آ رہی۔" وانیہ نے آنکھیں بند کیے ہی کہا تھا۔

"ٹھیک ہے تو پھر واک پر چلتے ہیں۔" اس کے سر پر بوسہ دیتے نائل نے جان بوجھ کر یہ کہا تھا۔

"مجھے بہت زیادہ نیند آ رہی ہے۔" وانیہ نے کمبل کو سر تک تان لیا تھا۔ نائل نے بہت مشکل سے امڈتے قہقہے کو روکا تھا۔ وہ ہمیشہ سے ہی ورزش سے بہت بھاگتی تھی۔ چاہے وہ ایک واک ہی کیوں نا ہو۔ کیونکہ نائل کی یہ واک پانچ کلو میٹر سے کم کی نہیں ہوتی تھی۔ اور وانیہ جیسی نازک سی لڑکی کہاں اتنا بھاگ سکتی تھی؟

"ایک آخری بات...!" وہ لائٹ آف کیے وہاں سے اٹھنے ہی لگا تھا تبھی وانیہ ایک جھٹکے سے کمبل اتار کر بیٹھی تھی۔ نائل نے سوالیہ نظروں سے اس کی جانب دیکھا تھا۔

"You are the best person in the world.
I love you."

وانیہ اس کے گلے لگی تھی۔ نائل مسکرانا چاہتا تھا مگر وہ مسکرا نہیں سکا تھا۔ وانیہ نے بھائی کی جگہ person کہا تھا۔ کیا وہ واقعی ایک اچھا شخص تھا؟ نائل نے نرمی سے اسے خود سے دور کرتے مسکرا کر اسے سونے کی تاکید کی تھی۔

---

جیمز کا کوئی اتا پتا نہیں تھا۔ اس کی غیر موجودگی کی وجہ سے ماریہ شدید پریشان تھی۔ مگر بلیک مونسٹر سے

وہ کیسے کچھ پوچھ سکتی تھی؟ابھی بھی وہ لوگ صبح صبح کے وقت کام ہی کر رہے تھے۔دو گولیاں اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکی تھیں۔اور اگر وہ کراہتی یا اپنے درد کا اظہار بھی کرتی تو بلیک مونسٹر نے اسے بہت بری سزا دینی تھی۔بہتر یہی تھا کہ وہ بالکل نارمل برتاؤ کرے۔

"وانیہ کی روٹین چینج ہوئی ہے کیا؟"بلیک مونسٹر کے اچانک وانیہ کے ذکر پر نا صرف وہ چونکی تھی بلکہ اس کے چہرے پر ناگواری پھیلی تھی۔

"نہیں بلیک مونسٹر!وہی پہلے والی روٹین ہی ہے۔"ماریہ کو وانیہ کا ذکر بالکل پسند نہیں تھا۔

"ہمم...!"وہ واپس موبائل پر مصروف ہو گیا تھا۔

"ایک بات پوچھوں آپ سے...؟"ماریہ نے ڈرتے ڈرتے پوچھ ہی لیا تھا۔بلیک مونسٹر نے مصروف سے انداز میں سر کو ہلکا سا خم دیے اسے اجازت دی تھی۔

"آپ کو وانیہ سے محبت ہے؟"دل زور و شور سے دھڑک رہا تھا۔کاش کہ وہ انکار کر دے۔

"نہیں...!"یہ الفاظ ماریہ کے لیے کسی مرہم سے کم ثابت نہیں ہوئے تھے۔

"وہ میری ضد ہے۔مجھے کسی بھی حال میں وہ چاہیئے۔"

اس کی آنکھوں میں انتقام کی آگ تھی۔

"آپ کہیں تو ایک رات کے لیے اٹھوا لیتے ہیں۔"وہ ہی جانتی تھی کہ اس نے یہ الفاظ کیسے کہے تھے۔یہ سب اس نے صرف ڈیوڈ کے دل کا حال جاننے کے لیے کہی تھی۔وہ جاننا چاہتی تھی کہ وہ وانیہ کو لے کر کس حد تک سیریس ہے۔

"مجھے وہ ایک رات کے لیے نہیں بلکہ ہر رات کے لیے چاہیئے۔ میں نائل کو تڑپتا اور سسکتا ہوا دیکھنا چاہتا ہوں۔ جو کچھ اس نے اور اس کی آئی ایس آئی نے میرے ساتھ کیا ہے۔ مجھے اب انتقام لینا ہے۔" اس نے آنکھیں انگارے برسا رہی تھیں۔

"وانیہ یونیورسٹی کیوں نہیں جا رہی؟" اس کے سوال پر وہ ٹھٹکی تھی، پھر اگلے ہی لمحے اس نے بے اختیار تھوک نگلی تھی۔ یعنی وہ اس بارے میں نہیں جانتا تھا۔ اس کی خراب قسمت، ہر بری خبر اسے ہی تو دینی پڑتی تھی۔

"کچھ پوچھا ہے میں نے؟" اس کے لہجے کی سختی کو بھانپتے ماریہ نے بے بسی سے اپنی دوسری ٹانگ کی طرف دیکھا تھا۔ اب اس کی باری تھی۔

"وانیہ کا ایکسیڈینٹ ہوا تھا نا، بس اسی وجہ سے...!" اس نے جان بوجھ کر عام سے لہجے میں کہا تھا کہ جب وہ غصہ کرے تو وہ اس کو یہ کہہ سکے کہ وہ نہیں جانتی تھی کہ اسے کچھ نہیں معلوم... اور یہ سارا قصور گارڈز کا ہی ہے۔

"کیا بکواس کر رہی ہو؟" وہ ایک جھٹکے سے اٹھا تھا۔

"آ... آپ کو نہیں معلوم...؟" اپنے لہجے کو مضبوط سے مضبوط تر بنانے کے بعد بھی اس کی زبان لڑکھڑائی تھی۔

"وانیہ کا ایکسیڈینٹ...؟" وہ تو بالکل دیوانہ ہی ہو گیا تھا۔

"کب...؟ کیسے...؟ کہاں...؟" اس نے سامنے ٹیبل پر رکھی فائلز کو زمین پر پھینکا تھا۔

"کچھ دنوں پہلے...!" ماریہ چار قدم پیچھے ہوئی تھی۔

"تم...!" بلیک مونسٹر نے آگے بڑھ کر اسے گلے سے دبوچا تھا۔

"یہ میرا قصور نہیں ہے۔مجھے... مجھے نہیں پتا تھا کہ آپ نہیں جانتے۔"اکھڑتے سانس کے ساتھ اس نے بامشکل کہا تھا۔

"تمہیں تو میں آکر دیکھتا ہوں۔"اسے پرے دھکیلتے وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتے باہر گیا تھا۔ماریہ اپنا گلا پکڑے بری طرح کھانس رہی تھی۔

---

اگلے دس منٹ میں اس نے ان چاروں گارڈز کو اکھٹا کیا تھا جنہیں اس نے وانیہ کی نگرانی پر معمور کیا تھا۔ انہیں ایک قطار میں کھڑا کیے بلیک مونسٹر نے باری باری سب کے سینوں میں گولیاں اتاری تھیں۔

"خوش قسمت ہو تم لوگ،اس وقت مصروف ہوں میں... ورنہ بلیک مونسٹ تمہیں موت کے بجائے زندگی دیتا...!"ان کی لاشوں پر سے گزرتے وہ تنفر سے سر جھٹکتے آگے بڑھا تھا۔

"جوتے لے کر آؤ۔"وہ اپنے ایک ملازم کو حکم صادر کرتے آگے بڑھا تھا۔

"نائل آفندی...!"گاڑی میں بیٹھتے ساتھ ہی وہ چلایا تھا۔

"وانیہ کو آئی ایک ایک کھروچ کا حساب دو گے تم...!"سرخ مائل آنکھوں سے اس نے گاڑی آگے دوڑادی تھی۔

---

وہ صبح صبح آفس کے لیے تیار ہو رہا تھا۔بھورے رنگ کے پینٹ کوٹ میں ملبوس،کالے بالوں کو جیل کی مدد سے سیٹ کیے،کالر کو درست کیے اب نائل نے جینٹس پرفیوم

لگائی تھی۔ آئینے میں اپنا عکس دیکھے اس نے اپنا بیگ اٹھایا تھا۔ دنیا والوں کی نظر میں وہ ایک مشہور، مغرور اور اکھڑ مزاج بزنس مین تھا۔ ریسٹ واچ پہنے نائل نے اب اپنے

گوگلز اٹھائے تھے۔ اس سے پہلے کہ وہ قدم آگے بڑھاتا، اس کا فون بجا تھا۔ فارم ہاؤس سے فون آتا دیکھ اس کے ماتھے پر شکنیں ابھری تھیں۔ وہ تو سنیہا کو ملازموں کے رحم و کرم

پر چھوڑ آیا تھا۔ اس نے فوراً ہی کال ریسیو کی تھی۔ کال ریسیو کرتے ہی اس کے قدموں تلے تو معنوں زمین ہی کھسک گئی تھی۔

بیگ کو ایک سائیڈ پر اچھالتے وہ تقریباً بھاگتے ہوئے کمرے سے باہر گیا تھا۔ تیزی سے زینے پھلانگتے راہداری کو عبور کرتے وہ گاڑی تک پہنچا تھا۔ گاڑی میں بیٹھتے ہی وہ اسے میزائل کی سپیڈ سے اڑا لے گیا تھا۔ ملازمہ کے کہے کے مطابق سنیہا وہاں موجود نہیں تھی۔

"وہ کہاں جاسکتی تھی؟ پاکستان میں تو وہ کسی کو جانتی تک نہیں تھی۔ یہاں کے راستوں سے وہ بے خبر تھی۔ تو پھر...؟" نائل نے اپنے خیالات پر یہی بند باندھا تھا۔ جو بھی تھا، وہ اس کی ذمہ داری تھی۔ اگر اسے کچھ ہو جاتا تو وہ خود کو کبھی معاف نا کر پاتا۔

فارم ہاؤس کے ارد گرد اس نے ہر جگہ گاڑی دوڑائی تھی۔ یہ جگہ شہر سے کافی دور تھی۔ یہاں ہر طرف جنگلات ہی جنگلات تھے۔ وہ اگر وہاں سے بھاگی بھی تھی تو یقیناً زیادہ دور نہیں گئی ہو گی۔ ایک جگہ کسی لڑکی کے اچانک سامنے آنے پر نائل نے گاڑی روکی تھی۔

تیزی سے گاڑی سے نکلتے اس نے سنیہا کو بازو سے دبوچا تھا۔ نائل کا پارہ ساتویں آسمان کو چھو رہا تھا۔ اس کا دل چاہا کہ وہ سنیہا کو دو چار لگا کر یہی کسی جنگل میں پھینک دے۔

"پلیز مجھے چھوڑ دو۔ پلیز مجھے مت مارو۔" اپنا چہرہ ہاتھوں میں چھپاتے وہ ہچکیوں سمیت رو دی تھی۔ اس کی حالت کے پیش نظر نائل نے فلحال اپنے ارادے کو ترک کر دیا تھا۔

"گاڑی میں بیٹھو۔" نائل نے اپنے لہجے کو نرم رکھنے کی ناکام کوشش کی تھی۔

"میں نہیں...!" وہ ڈر کر پیچھے ہٹی تھی۔ تبھی نائل کی نظر اس کے برہنہ بازو پر پڑی تھی۔ اس کی آنکھوں میں غصے کی شدید لہر ابھری تھی۔ یقیناً اس کا بازو کہیں اڑ کر پھٹا تھا۔ اوپر سے اس کے کھلے بال اور بغیر ڈوپٹے کے وجود نے اس کے طیش میں مزید اضافہ کر دیا تھا۔ مگر اس کے ماتھے پر بندھی ہوئی پٹی اسے کچھ بھی سخت کہنے اور کرنے سے روک گئی تھی۔ اسے بازو سے پکڑے نائل نے گاڑی کا دروازہ کھولے اسے اندر بٹھایا تھا۔ وہ مسلسل روتے ہوئے

مزاحمتیں کر رہی تھی مگر نائل تو پھر نائل تھا۔

اس سے پہلے کہ وہ خود بھی گاڑی میں آکر بیٹھتا، اچانک ہی فائرنگ سٹارٹ ہوئی تھی۔ اس سے چند انچ کے فاصلے

پر ایک گاڑی آکر رکی تھی۔ نائل پر دو فائر کی گئی تھیں۔ ایک اس کے کندھے اور دوسری اس کی ٹانگ پر...

سنیہا تو چیخ اٹھی تھی۔ اس نے گاڑی سے باہر نکلنے کی کوشش کی تھی مگر گاڑی کا دروازہ باہر سے لاک تھا۔

نائل نے بھی فوراً گن نکالے جوابی کاروائی کی تھی مگر اگلا شخص کمال کی مہارت رکھتا تھا۔ اس نے گاڑی کو سڑک کے بیچ و بیچ اس مہارت سے گھمایا تھا کہ نائل کا ہر نشانہ چوک گیا تھا۔ وہ شخص جس پھرتی سے آیا تھا اسی پھرتی سے وہ گاڑی کو واپس لے گیا تھا۔

نائل کراہتا ہوا کافی دیر گاڑی سے ٹیک لگائے کھڑا رہا تھا۔ سنیہا اندر بن پانی کی مچھلی کی طرح تڑپ رہی تھی۔

کچھ دیر خود کو نارمل کرنے کے بعد نائل گاڑی کا دروازہ کھولے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا تھا۔

"نائل...!"

“Shut up!Just shut up!

اس سب کی ذمہ دار صرف تم ہو۔"اس کی دھاڑ پر سنیہا کی ہچکیاں بندھ گئی تھیں۔

"تمہارا فون کہاں ہے ؟"آنسو پوچھتے سنیہا نے پہلا عقلمندی والا سوال پوچھا تھا۔

"تمہارے دیدار کے لیے اتنا بے چین تھا کہ گھر پر ہی چھوڑ آیا۔"اپنے کندھے پر ہاتھ رکھے نائل نے جل کر کہا تھا۔

"تم یہاں آ کر بیٹھو، گاڑی میں ڈرائیو کروں گی۔"

"اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ"

نائل نے بے اختیار گہری سانس لیتے ہوئے گاڑی کا دروازہ کھولا تھا۔سنیہا نے اسکے کہے جملے پر کوئی دھیان نہیں دیا تھا۔اسے اس وقت صرف نائل کی پرواہ تھی۔

"ہسپتال کا راستہ بتاؤ مجھے...!"روندھی ہوئی آواز کے ساتھ سنیہا نے بامشکل کہا تھا۔

"ہسپتال نہیں گھر جانا ہے۔یہاں سے لیفٹ سائیڈ پر..!"

"تمہارا خون بہہ...!"

"جو کہہ رہا ہوں وہ کرو۔"اس نے ایک ہاتھ اپنے کندھے پر رکھا تو دوسرے ہاتھ سے اس نے اپنی دائیں ٹانگ کو چھوا تھا۔

"تمہارا خون نکل رہا ہے۔تم مر جاؤ گے۔"لہجے میں تڑپ تھی، بے انتہا تڑپ...

"دو گولیاں میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتی اور تمہارے ساتھ اس حالت میں ہسپتال جانے سے بہتر ہے کہ میں تمہیں یہی

ماردوں۔"نائل کا اشارہ اس کے چست لباس اور برہنہ کندھے پر تھا۔

"اب تم گاڑی چلا رہی ہو یا پھر میرے جنازے کا انتظار کرو گی؟"سنیہا نے روتے ہوئے گاڑی سٹارٹ کر دی تھی۔

اب وہ مسلسل اس کے بتائے ہوئے راستے پر عمل کرتی گاڑی آگے بڑھا رہی تھی۔

---

ٹھیک پندرہ منٹ بعد وہ لوگ فارم ہاؤس پہنچے تھے۔نائل نے سب سے پہلے سنیہا کو جھڑک کر کپڑے تبدیل کرنے کا کہا تھا۔

کچھ دیر بعد ڈاکٹر کے آنے پر اس کی مرہم پٹی کی گئی تھی۔دونوں ہی گولیاں اسے صرف چھو کر گزری تھیں۔یعنی

وہ جو بھی شخص تھا،وہ نائل کو مارنا نہیں چاہتا تھا۔مگر سوال یہ تھا کہ اسے نائل کی یہاں موجودگی کے بارے میں علم کیسے ہوا؟نائل تو ہمیشہ ہی محتاط رہتا تھا۔

"کچھ کھاؤ گے؟"اس کے سرہانے کھڑے ہوتے سنیہا نے حد درجے نرمی سے کہا تھا۔نائل کی حالت کے پیش نظر وہ خود پر ہوا ستم تو جیسے بھول ہی گئی تھی۔

"تمہاری صورت میں جو سوغات مجھے ملی ہے۔اس کے بعد اب کسی چیز کی کوئی طلب نہیں رہی۔"نائل نے آنکھیں بند کیے سنیہا پر طنز کا تیر برسایا تھا۔

"تمہیں کس نے گولی ماری ہے؟"اس کے کیے گئے طنز کو نظر انداز کرتے سنیہا اس کے پاس آ کر بیٹھی تھی۔

"تمہارے باپ نے...!"نائل نے تڑک کر جواب دیا تھا۔سنیہا نے نفی میں سر ہلاتے گہری سانس خارج کی تھی۔

وہ شخص کبھی کسی بات کا سیدھا جواب نہیں دے سکتا تھا۔

تھوڑی دیر بعد سنیہا نے فروٹس کاٹ کر اس کے سامنے رکھے تھے۔

"سنو...!"نائل نے اسے مکمل طور پر نظرانداز کیا تھا۔اس کے ایک بازو پر پلاسٹر چڑھا ہوا تھا جبکہ دوسرا بازو اس نے اپنی آنکھوں پر رکھا ہوا تھا۔

"سنیں...!"سنیہا نے لب دبائے شرارت سے کہا تھا۔

"آ جی سنتے ہیں...!"اس نے جو جوانڈین مووِیز دیکھی تھیں۔اب وہ مکمل طور پر ان کی پیروی کر رہی تھی۔نائل نے اپنی آنکھوں پر سے ہاتھ ہٹائے اسے گھورا تھا۔وہ معصومیت سے آنکھیں ٹپٹپائے اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

"اپنی اوقات میں رہو لڑکی!تمہاری حیثیت میری نظر میں محض ایک ملازم جیسی ہے۔بلاوجہ بیوی بننے کی کوشش مت کرو۔اور یہ تم کس خوشی میں مجھ سے نظریں ملا کر بات کر رہی ہو؟"نائل کے لہجے کے ترش پن کو محسوس کرتے سنیہا کو اس کا کل رات خود پر کیا گیا ظلم یاد آ ہی گیا تھا۔اس نے اپنے ماتھے پر بندھی پٹی کو چھو کر دیکھا تھا۔کس طرح وہ جابر شخص اسے کل رات مار پیٹ کر مرنے کے لیے تنہا چھوڑ گیا تھا۔ہاتھ میں پکڑی چھری پر اس کی گرفت مضبوط ہوئی تھی۔

"میں تم سے کیا کہہ رہا ہوں۔نظریں جھکا کر بات کرو مجھ سے...!"بستر پر لیٹا وہ غرایا تھا۔

"خاموش!ایکدم خاموش...!"بستر پر بیٹھتے ساتھ ہی سنیہا اس کا گریبان پکڑے اس پر جھکی تھی۔

"رسی جل گئی مگر بل نہیں گیا۔اس وقت تم صرف میرے رحم و کرم پر ہو نائل آفندی...!"سنیہا اس پر مزید جھکی تھی۔

"اگر تم نے مزید کوئی بک بک کی تو میں اس چھری سے فروٹس کی جگہ تمہارا اگلا کاٹ دوں گی۔" ہاتھ میں پکڑی

گئی چھری کو اس کی گردن تک لاتے سنیہا نے اسے دھمکایا تھا۔ نائل تو اس کی ہمت پر دنگ ہی رہ گیا تھا۔

"اگر تمہیں میری آنکھوں کی خوبصورتی سے مسئلہ ہے تو مت دیکھا کرو ان میں... میں کیوں نظریں جھکاؤں؟ تم جھکا لیا کرو نا... اور دوسری بات...!" اس سے پہلے وہ مزید کچھ بھی کہتی، نائل نے اس کے ہاتھ سے چھری کھینچ کر اسے بستر پر دھکہ دیا تھا۔

اب منظر کچھ یوں تھا کہ سنیہا بستر پر گری ہوئی تھی اور نائل اس کے اوپر تھا۔ اور چھری بھی نائل کے ہاتھ میں تھی۔ یہ سب اتنا جلدی ہوا کہ سنیہا کی تو عقل ہی دنگ رہ گئی تھی۔

"اب بتاؤ! کاٹوں تمہارا اگلا...؟" نائل نے اس کی شہ رگ پر چاقو پھیرا تھا۔ سنیہا تو سانس ہی روک گئی تھی۔ اس نے تو

فوراً سے کلمہ پڑھ لیا تھا۔

"اگر تم نے دوبارہ مجھ سے اس لہجے میں بات کی تو تمہارے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر کے چیل کوؤں کے آگے ڈال

دوں گا۔" اسے دھمکاتا وہ پیچھے ہٹا تھا۔ سنیہا گہری گہری سانسیں لینے لگی تھی۔ یہ سب اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ اس حالت میں بھی اس پر حاوی ہو سکتا ہے۔

"آج کے بعد میں تمہیں 'تم' کہہ کر ہی پکاروں گی۔" بستر پر لیٹے لیٹے ہی اس نے مضبوط لہجے میں کہا تھا۔

"اگر تمہیں اپنی زبان پیاری نہیں ہے تو ضرور...!" نائل نے کہتے ساتھ ہی چھری اس کی جانب اچھالی تھی۔

"کڑوا کریلا...!" وہ بڑبڑاتی ہوئی اٹھی تھی۔ نائل اس کی بڑبڑاہٹ سن چکا تھا۔ مگر اس وقت وہ مزید اس لڑکی کے ساتھ سر نہیں کھپانا چاہتا تھا۔

سنیہا کو کمرے سے گئے ابھی تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ نائل کا فون بجا تھا۔ غیر معلوم نمبر دیکھ کر اس نے ناگواری سے کال ریسیو کی تھی۔

"کیسے ہیں آپ...؟" سپیکر سے بھاری مردانہ آواز ابھری تھی۔

"کون...؟" نائل فوراً اٹھ کر بیٹھا تھا۔

"سالے صاحب...!" ڈیوڈ نے جس قدر سکون سے کہا تھا۔ نائل کے چہرے پر اس قدر ہی ناگواری ابھری تھی۔

"تم...!" اس نے دانت کچلاتے ہوئے کہا تھا۔

"آج کے بعد اگر میری وانیہ کو ایک کھروچ بھی آئی تو میں آپ کی قبر خود کھودوں گا سالے صاحب...!" اس نے کہتے ساتھ ہی فون کاٹ دیا تھا۔ دوسری طرف غصے سے نائل کا برا حال تھا۔ اس شخص نے اسے اچھا خاصا ذلیل کرر کھا تھا۔ نائل کے لاکھ محتاط رہنے کے بعد بھی وہ ہمیشہ ہی اس تک پہنچ جاتا تھا۔ نجانے اس نے نائل کے پیچھے کتنے جاسوس لگا رکھے تھے۔

"تمہیں تو میں دیکھ لوں گا۔" وہ غصے سے بستر سے اٹھا تھا۔ کچھ دیر بعد سنیہا سوپ لے کر کمرے میں داخل ہوئی تھی۔ نائل کو وہاں نا دیکھ کر اسے تو صحیح معنوں میں

دھچکا لگا تھا۔

"یہ لو...!" اپنے پیچھے نائل کی آواز سنتے سنیہا بے اختیار پلٹی تھی۔

"تمہاری آزادی کا پروانہ...!"اس نے ایک لفافے کو بستر پر اچھالا تھا۔اس کے کہنے کی دیر تھی کہ سنیہا کے ہاتھ سے ڈش چھوٹ کر گری تھی۔ گرم گرم سوپ کے چھینٹے اس کے پیروں پر گرے تھے۔

"واپسی کی ٹکٹس ہیں۔ تین گھنٹے کا وقت ہے تمہارے پاس...اپنا سامان پیک کر و اور ڈرائیور کے ساتھ چلی جاؤ۔"

نائل نے یہ وضاحت کیوں دی تھی،وہ خود بھی نہیں سمجھ سکا تھا۔

"اگر تین گھنٹے کے بعد تم مجھے یہاں دکھی تو وعدہ کرتا ہوں، تمہاری زندگی جہنم بنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑوں گا۔"نائل دو قدم چل کر اس کے پاس آیا تھا۔وہ پلکیں جھکائے بغیر بت بنی اسے دیکھتی ہی رہ گئی تھی۔

"مجھے تمہارے ساتھ فزیکل نہیں ہونا چاہیئے تھا۔مجھے تمہیں جسمانی طور پر نقصان نہیں پہنچانا چاہیئے تھا مگر میں کیا کروں سنیہا... تمہیں دیکھتے ساتھ ہی میں آپے سے باہر ہو جاتا ہوں۔میں تم سے اتنی نفرت کرتا ہوں کہ تمہاری سوچ ہے۔"سنیہا کی آنکھ سے آنسو ٹوٹ کر گرا تھا۔

"تم سے نکاح نہیں کرنا چاہیئے تھا۔"نائل نے نفی میں سر ہلاتے کہا تھا۔

"خیر !اب تم واپس جاسکتی ہو۔"وہ کہتے ساتھ ہی مڑا تھا۔

"میرا کیا قصور ہے ؟جب دل چاہا ہاتھ تھام لیا اور جب دل چاہا چھوڑ دیا..."وہ سسکی تھی۔

نائل اس کی سسکیوں پر پلٹنے پر مجبور ہو گیا تھا۔اس نے حیرت سے سر تا پیر اس لڑکی کا جائزہ لیا تھا۔وہ اسے قید سے رہا کر رہا تھا،اور وہ پاگل لڑکی آنسو بہا رہی تھی۔

"یہاں سے جانا یا نا جانا مکمل طور پر تمہاری مرضی ہے۔لیکن میری ایک بات یاد رکھنا سنیہا...!"نائل نے اسے بازو

سے پکڑے اپنی جانب کھینچا تھا۔اسے دیکھ کر کوئی بھی شخص یہ یقین نا کرتا کہ کچھ دیر پہلے ہی اسے دو گولیاں لگی ہیں۔

"اگر میرے ساتھ رہو گی تو میں تمہیں مار دوں گا۔پل پل تڑپا تڑپا کر..."نائل نے اسے حقارت سے پیچھے کی جانب

دھکیلا تھا۔سنیہا ساکت رہ گئی تھی۔کس قدر سنگدل تھا اس کا محبوب...اسے یوں اپنا کر وہ کیسے اسے چھوڑ سکتا تھا؟

---

آج اتنے دنوں بعد وانیہ یونیورسٹی آئی تھی۔وہ اپنی دوستوں کے ساتھ کینٹین پر بیٹھی تھی۔دروازے کے پاس

دو گارڈز اس کی حفاظت پر معمور تھے۔ان گارڈز کی موجودگی میں وانیہ کا دم گھٹتا تھا۔نا تو وہ اپنی مرضی سے کچھ کھا پی سکتی تھی اور نا ہی کہیں جا سکتی

تھی۔

"تمہیں پتا چلا کہ زوہا کے پیرینٹس نے اس کی پڑھائی ختم کروا دی ہے۔"میرب نے وانیہ کی جانب دیکھتے کہا تھا۔

"نہیں!"وانیہ کو شاک لگا تھا۔

"کسی کو پسند کرتی تھی، جیسے ماں باپ کو پتا چلا، پڑھائی چھڑوا دی۔"

"پسند کی شادی کوئی گناہ تو نہیں ہے۔"وانیہ کو اس کے ماں باپ پر شدید غصہ آیا تھا۔

"وہ ایک کرسچن لڑکے کو پسند کرتی تھی۔"عائزہ نے دانتوں سے چپس کترتے ہوئے گفتگو میں حصہ ڈالا تھا۔

"تو...؟"وانیہ کا انداز اب بھی ویسا ہی تھا۔عائزہ اور میرب دونوں نے ہی چونک کر اس کی جانب دیکھا تھا۔

"وہ ایک عیسائی لڑکے کو پسند کرتی تھی۔"میرب کو لگا شاید اسے سمجھنے میں غلطی ہوئی ہے۔

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟ محبت ایک بہت ہی خالص اور پاک جذبہ ہے۔اس سب میں مذہب کہاں سے آ گیا؟"

"تمہاری نظر میں مذہب کی کوئی اہمیت نہیں ہے؟"میرب کو شاک لگا تھا۔

"ایسی بات نہیں ہے۔میں بس یہ کہہ رہی ہوں کہ محبت کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں ہے۔"وانیہ نے منرل واٹر کی بوتل سے پانی گلاس میں انڈیلا تھا۔اس کے علاوہ وہ بیچاری باہر سے کچھ کھا پی نہیں سکتی تھی۔سوال اس کی صحت کا تھا جس پر نائل کوئی کمپر ومائز نہیں کرتا تھا۔

"فرض کرو کہ اگر تمہیں کبھی کسی غیر مسلم سے محبت ہو گئی پھر...؟"ٹھوڑی پر ہاتھ جمائے میرب نے چیلنجنگ انداز میں کہا تھا۔عائزہ کی نظریں بھی وانیہ کے تاثرات کا جائزہ لے رہی تھیں۔

"تو پھر میں اس کا ہاتھ تھام لوں گی۔"گلاس کو لبوں سے لگائے اس نے عام سے انداز میں کہا تھا۔ساتھ ہی ساتھ اس نے بسکٹ کا پیکٹ گارڈز کو دکھا کر کھولا تھا۔اب کم از کم وہ یہ تو کھا ہی سکتی تھی۔

"تم اپنا مذہب چھوڑ دو گی؟"میرب شاک کی وجہ سے چلا اٹھی تھی۔

"نہیں! ہم بس اپنے اپنے عقائد پر عمل کریں گے۔"اپنے آدھ کھلے بالوں کو پیچھے کرتے اس نے شان بے نیازی سے کہا تھا۔

"یہ سب صرف کہنے کی باتیں ہیں۔جب وقت آتا ہے ناتب پتا چلتا ہے۔"میرب ہاتھ جھاڑتی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"تب بھی میرا یہی فیصلہ ہوگا۔مذہب کوئی ایسی بڑی وجہ نہیں ہے جس کی بنیاد پر محبت کو ٹھکرا دیا جائے۔" اپنا حتمی فیصلہ سنائے وہ بھی اٹھ کر آگے چل دی تھی۔

"تمہارے انکل سائیکیٹر یسٹ ہیں نا...؟"وانیہ اور عائزہ اب اپنی گاڑی کی جانب بڑھ رہی تھیں تبھی وانیہ کے کہنے پر عائزہ نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

"میں ان کے پاس جانا چاہتی ہوں۔"

"تمہارا بھائی مجھے مار دے گا۔"عائزہ نے فورا ہاتھ کھڑے کیے تھے۔

"کچھ نہیں ہوگا۔بس ایک اپائنٹمنٹ..."

"اللہ حافظ...!"وہ کہتے ساتھ ہی تیزی سے آگے بڑھی تھی۔وانیہ نے بے اختیار گہری سانس خارج کی تھی۔کوئی بھی اس کی مدد کے لیے تیار نہیں تھا۔آخر وہ کیسے تمام رازوں پر سے پردہ اٹھائے؟خیر جو بھی تھا اسے کچھ نا کچھ تو کرنا ہی تھا۔

گاڑی میں بیٹھتے ساتھ ہی اس نے اپنا دماغ لگانا شروع کیا تھا اور آخر کار اس کے دماغ میں ایک آئیڈیا آ ہی گیا تھا۔

---

"میں وانیہ کو اس حال میں نہیں دیکھ سکتا۔" نائل نے پریشانی کے عالم میں ڈاکٹر سیف سے کہا تھا۔ ڈاکٹر سیف الرحمان وانیہ کے سائیکیٹر یسٹ تھے۔ پچھلے چھ مہینوں سے وہ کسی کام کے سلسلے میں بیرون ملک گئے ہوئے تھے تبھی وانیہ کا کیس ان کا اسسٹنٹ دیکھ رہا تھا۔

"کیا کوئی حل نہیں ہے اس سب کا...؟" دو دن پہلے تک جو پلاسٹر اس کے کندھے اور ٹانگ پر تھا، وہ اب غائب ہو چکا

تھا۔ وہ ایک نہایت ہی مضبوط اعصاب کا مالک شخص تھا۔

"میں آپ کو حل پہلے ہی بتا چکا ہوں مسٹر نائل...!"

"کیا کوئی اور حل نہیں ہے؟" نائل وانیہ کو لے کر بہت پریشان رہتا تھا۔

"نہیں...!" نائل نے بے اختیار گہری سانس خارج کی تھی۔ جو حل ڈاکٹر سیف الرحمان نے اسے بتایا تھا وہ چاہ کر بھی اس پر عمل نہیں کر سکتا تھا۔

"میں اگر اسے کسی دوسرے ملک بھیج دوں تو کیا یہ کارآمد ہو گا؟"

"ہو سکتا ہے مگر کوئی گارنٹی نہیں ہے۔ بہتر ہے کہ آپ میرے مشورے پر غور کریں اور وانیہ کی کسی اچھی جگہ شادی کر دیں۔"

"وہ ابھی بہت چھوٹی ہے۔" نائل نے احتجاج کیا تھا۔

"بیس سال کم عمر نہیں ہوتی۔"

"میں اسے خود سے دور نہیں بھیجنا چاہتا۔" اس نے اپنے دل کی بات کہہ ہی ڈالی تھی۔

"آپ سمجھنے کی کوشش کریں مسٹر نائل! بعض واقعات ایسے ہوتے ہیں جنہیں انسان چاہ کر بھی نہیں بھول پاتا۔ وانیہ اس وقت بہت چھوٹی تھی۔ اس کا دماغ اپنی ماں کے ساتھ ہوئے گئے حادثے کو نہیں بھولا پا

رہا۔شادی کے بعد اسی فیصد چانسیز ہیں کہ وہ بالکل نارمل ہو جائے۔ایک نئی زندگی، نئی خوشیاں اور ذمہ داریاں اسے ماضی کے بھنور
سے نکال سکتی ہیں۔آپ پلیز اس بارے میں ضرور سوچیں گا۔" نائل گہری سوچ میں پڑ گیا تھا۔اسے تو بس وانیہ کی
سلامتی اور خوشیاں ہی چاہیئے تھیں۔اب اگر شادی ہی اس کا واحد حل تھا تو پھر اس میں کوئی حرج نہیں تھی۔

---

گھر میں داخل ہوتے ہی وانیہ دبے قدموں ماہم کے کمرے میں گئی تھی۔ماہم کو وہاں نا پا کر اس نے سکھ کا سانس لیا تھا۔اب وہ ہر چیز الٹ پلٹ کر دیکھ رہی تھی۔ماہم کے کمرے میں تو یقیناً کچھ نا کچھ ہونا چاہیئے تھا۔دس منٹ کی انتھک محنت کے بعد وہ تھک کر بستر پر بیٹھی تھی۔

اچانک ہی اس کی نظر اس کی کھلی الماری میں پڑے ایک چھوٹے سے باکس پر گئی تھی۔وانیہ نے اسے بے کار چیز
سمجھ کر سائیڈ پر رکھا تھا مگر اب اس کا دل اسے کھولنے کے لیے بے چین ہو رہا تھا۔

وہ دوڑتے ہوئے الماری کی طرف گئی تھی۔ تھوڑی سی محنت کے بعد وانیہ وہ باکس کھولنے میں کامیاب ہو ہی گئی تھی۔باکس کے کھلتے ہی زمین پر بہت سی تصویریں بکھر گئی تھیں۔وانیہ نے جھک کر ایک تصویر اٹھائی تھی۔اپنی تصویر دیکھ کر اسے حیرت کا جھٹکا لگا تھا۔

"یہ میں ہوں؟" اس نے تصویر کو بہت غور سے دیکھا تھا۔

دماغ پر تھوڑا زور دینے پر سارے پردے جیسے ہٹنے لگے تھے۔

"پھینک دیتے ہیں، اتنی بھی کیا جلدی ہے؟"

"مری تو نہیں ہے نا... ہم تو وہ شیطان ہیں جو مردہ کو بھی نہیں چھوڑتے، یہ تو پھر زندہ ہے۔"

"جیمز! میں جو کر رہا ہوں، مجھے کرنے دو۔ آخر کار اس پر بلیک مونسٹر سے پہلے میری نظر پڑی تھی۔"

"مام...!" وہ اپنی پوری قوت سے چلائی تھی۔ ماہم اپنے کمرے کی جانب ہی آ رہی تھی جب اس کی سماعتوں سے وانیہ کی چیخ ٹکرائی تھی۔ وہ بھاگتے ہوئے اندر داخل ہوئی تھی۔

سامنے کا منظر دیکھ کر اس کے قدموں تلے زمین ہی کھسک گئی تھی۔ وانیہ زمین پر تصویریں پھیلائے بیٹھی رو رہی تھی۔

"وانیہ...!" ماہم تڑپ کر اس کی جانب بڑھی تھی۔

"گیم نہیں تھی، کیچپ نہیں تھا۔ جھوٹ... سب جھوٹ...!" وہ ٹوٹے پھوٹے لفظوں میں نجانے کیا بول رہی تھی۔

"چاہے کچھ بھی ہو جائے یہاں سے کہیں مت جانا۔ یہ سب صرف گیم ہے۔ خون نہیں ہے، یہ کیچپ ہے۔ چلانا نہیں ہے، کچھ نہیں بولنا... بس چپ کر کے یہاں چھپے رہنا ہے۔" وہ دیوانہ وار تصویروں کو الٹ پلٹ کر دیکھ رہی تھی۔

"وانیہ...!" ماہم نے روتے ہوئے اسے گلے لگایا تھا۔

"بھاگ جاؤ، بھاگ جاؤ۔ چلی جاؤ یہاں سے... دور چلی جاؤ۔" وہ چیختے چلاتے ایک بار پھر بے ہوش ہو گئی تھی۔

---

وانیہ کی آنکھ رات کے نو بجے کے قریب کھلی تھی۔ اٹھتے ساتھ ہی اس کی نظر نائل پر پڑی تھی جو کہ اس کے عقب میں بیٹھا مسکرا رہا تھا۔

"کتنا سوتی ہیں نا آپ...؟ جب سے یونی سے آئی ہیں تب سے سو رہی ہیں۔ میں کب سے آپ کے جاگنے کا انتظار کر رہا ہوں۔" نائل نے بہت محبت سے اس کے سر پر بوسہ دیا تھا۔ وانیہ کچھ دیر ویران آنکھوں سے اسے دیکھتی رہی تھی پھر وہ آہستگی سے اٹھی تھی۔

"میں یونیورسٹی سے آکر سو گئی تھی؟" نائل نے اثبات میں سر ہلاتے اسے خود سے لگایا تھا۔

"آپ جھوٹ بول رہے ہیں۔" وہ فوراً ہی اس سے دور ہوئی تھی۔

"بھائی آپ جھوٹ کیوں بول رہے ہیں؟" وہ چلاتے ہوئے پیچھے ہٹی تھی۔ نائل کو حالات سمجھنے میں دیر لگی تھی۔

ہمیشہ ہی دورے کے بعد وہ سب بھول جاتی تھی۔ پھر نائل اور ماہم اسے جو بتاتے تھے، وہ یقین کر لیتی تھی۔

"وہ مام تھیں نا...؟" وانیہ کی اچانک کہی گئی بات پر نائل ساکت رہ گیا تھا۔

"وہ میری ماں تھیں۔" وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

"میں انہیں نہیں بچا سکی، میں کچھ نہیں کر سکی۔ میری آنکھوں کے سامنے اس شخص نے...!" وہ ہچکیاں لے لے کر

رو رہی تھی۔ نائل کی آنکھ سے بھی ایک آنسو گرا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر وانیہ کو خود سے لگایا تھا۔ اس کی شرٹ دبوچے وہ بچوں کی طرح روتی رہی تھی۔ نائل نے اسے رونے دیا تھا۔

"تو کیا وانیہ کو سب یاد آگیا تھا؟" اس کا ذہن مختلف خیالات بن رہا تھا۔

"آپی نے کہا تھا کہ چھپی رہو۔ تم چھوٹی ہو، یہاں پر آرام سے چھپ سکتی ہو۔ میں کسی کو بلا کر لاتی ہوں۔ میں انتظار کرتی رہی لیکن کوئی نہیں آیا، کوئی نہیں... آپی بھی نہیں... لیکن میں نے وعدہ نہیں توڑا، میں وہاں سے باہر نہیں آئی تھی۔" وہ نائل کے سینے سے لگی اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر رہی تھی۔

"چار لوگ تھے۔ایک عورت تھی اور تین مرد...مام کا خون نکل رہا تھا۔انہوں نے گاڑی...نیچے پھینک دی۔"وہ ہچکیوں

کے درمیان بامشکل بول پارہی تھی۔

"کون تھے وہ چار لوگ؟آپ کو کچھ یاد ہے؟"نائل ہمیشہ سے ہی اس سے یہ پوچھنا چاہتا تھا مگر وانیہ کی حالت کبھی اتنی بہتر نہیں رہی تھی کہ وہ کوئی سوال وجواب کر سکے۔

"کیچپ نہیں تھا۔کوئی ڈرامہ نہیں تھا۔آپی نے جھوٹ کہا تھا۔"وہ اپنی ہی دھن میں بولے چلی جارہی تھی۔

"کون آپی...؟"نائل جاننا چاہتا تھا کہ اسے کس حد تک یاد ہے۔

"شاہین نے کہا تھا کہ سب بھول جاؤ۔وہ بدلہ لے گا۔"

"وانیہ شاہین کون ہے؟وہ کیسا دکھتا ہے؟"نائل کے اس سوال پر وانیہ نے اس کے سینے پر سے سر اٹھایا تھا۔

"وہ...اس کا چہرہ..."وانیہ نے اپنے دماغ پر بھرپور زور ڈالا تھا۔

"پتا نہیں...یاد نہیں ہے۔"وہ ایک بار نائل کے سینے سے لگی تھی۔

"کوئی بات نہیں!بھائی ہیں نا...سب ٹھیک ہو جائے گا۔آئی پرومس!میں کسی کو نہیں چھوڑوں گا۔"نائل نے اس کی پیٹ تھپتپاتے ہوئے اسے تسلی دی تھی۔

"چلو اٹھو!فریش ہو جاؤ پھر کھانا کھاتے ہیں۔"

"بھائی وہ لوگ کون تھے؟انہوں نے ایسا کیوں کیا؟"

"میں سب پتا لگا لوں گا۔آپ نے بس ٹینشن نہیں لینی۔"نائل نے وانیہ کے آنسو صاف کرتے کہا تھا۔

"ٹھیک ہے!اب اس بارے میں زیادہ سوچنے کی ضرورت نہیں ہے۔اور اگر آپ کو کچھ یاد آئے گا تو آپ سب سے پہلے مجھے بتائیں گی۔"وانیہ کے اثبات میں سر ہلانے پر نائل کے لب مسکرائے تھے۔

"کچھ اور یاد ہے آپ کو...؟"وانیہ نے نفی میں سر ہلایا تھا۔

"میرا مطلب ہے کچھ ایسا جو آپ نے مجھے ابھی تک نا بتایا ہو۔ دیکھو میری جان! بھائی سے کچھ نہیں چھپاتے۔ جو بھی بات ہے آپ مجھے سچ سچ بتائے گی۔"

"مجھے اور کچھ یاد نہیں ہے۔"نائل کے چہرے پر سکون بکھرا تھا۔

"ٹھیک ہے میری جان! اب اس بارے میں زیادہ سوچنے کی ضرورت نہیں ہے اور اگر آپ کو کچھ بھی اور یاد آئے گا تو آپ سب سے پہلے مجھے بتائیں گی۔"وانیہ کے اثبات میں سر ہلانے پر نائل مطمئن ہو گیا تھا۔

---

نائل بستر پر بیٹھا مسلسل لیپ ٹاپ پر مصروف تھا جب سنیہا ڈھرلے سے تن فن کرتی اس کے قریب بستر پر آکر بیٹھی تھی۔

"یہ کیا بد تمیزی ہے؟"نائل نے غصے سے اسے گھورا تھا۔

"میں بور ہو رہی ہوں۔"اس کا لیپ ٹاپ سائیڈ پر رکھے سنیہا اس کے مزید قریب ہوئی تھی۔

"تم ایک نمبر کی بے حیا لڑکی ہو۔"اس کے بارے میں اپنی مفید رائے دیتا وہ بستر سے اٹھا تھا۔

"تم بھی تھوڑے سے بے حیا ہو جاؤ۔ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔"سنیہا نے لب دبائے ایک آنکھ ونگ کی تھی۔ نائل کا چہرہ غصے سے دہکنے لگا تھا۔

"اٹھو نکلو میرے کمرے سے..!"اسے کلائی سے دبوچے نائل نے اسے اپنے مقابل کھڑا کیا تھا۔

نائل کے کہنے کے بعد بھی وہ اسے چھوڑ کر نہیں گئی تھی۔ وہ بھی اب سنیہا کو جسمانی طور پر کوئی نقصان نہیں پہنچا رہا تھا جس وجہ سے وہ مزید شیر ہو گئی تھی۔

"تم اتنے روڈ کیوں ہو؟"سنیہا نے اس کے سینے پر ہاتھ رکھے پوچھا تھا۔

"تم اتنی بے باک کیوں ہو؟" اس کا ہاتھ جھٹکتے نائل نے اسے پرے دھکیلا تھا۔

"اپنے شوہر سے اپنا حق مانگنا بے باکی ہے تو بے باکی ہی سہی..." وہ دن بہ دن اس پر حاوی ہوتی جا رہی تھی۔

نائل کے فارم ہاؤس کے چکروں میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ وہ اسے اپنا عادی بنا رہی تھی۔

"حق کی بات کر رہی ہو؟" نائل نے اسے کمر سے پکڑ کر اپنی جانب کھینچا تھا۔ آنکھوں میں گہری چمک لیے اب اس نے ایک ہاتھ سے سنیہا کی ٹھوڑی کو چھوا تھا۔

وہ آنکھیں میچ گئی تھی۔ نائل کے لمس سے اسے چبھن محسوس ہو رہی تھی۔

"حق بیوی کو دیا جاتا ہے، زر خرید غلام کو نہیں...!" نائل نے اپنی گرفت مزید بڑھا دی تھی۔ سنیہا کا دم گھٹنے لگا تھا۔

"ہاں لیکن تم پھر بھی ایسا چاہتی ہو تو ٹھیک ہے۔" اسے بالوں سے پکڑے نائل اپنا چہرہ اس کے چہرے کے قریب

لے گیا تھا۔ اس کی سلگتی سانسوں کی تپش اپنے چہرے پر محسوس کرتے سنیہا نے بے اختیار اپنی سانسیں روکی تھیں۔

"لیکن میری عادت ہے میں ہر چیز کی قیمت ادا کرتا ہوں۔ تمہیں خریدنے کی قیمت تمہارے باپ کو ادا کی تھی تو

پھر...!" وہ اس کے کان کے پاس جھکا تھا۔

"ایک رات کی کتنی قیمت لو گی؟" سنیہا نے پٹ سے آنکھیں کھولی تھیں۔ اس کا چہرہ دھواں دھواں ہوا تھا۔ جو کچھ اس نے سنا تھا، اس پر یقین کرنا ناممکن تھا۔

اسے آہستگی سے خود سے دور کرتے نائل اب اس کے چہرے کے تاثرات سے محظوظ ہو رہا تھا۔

سنیہا آنکھوں میں ڈھیر سارا پانی لیے اسے دیکھتی ہی رہی تھی۔ وہ اس کا شوہر تھا۔ ان کے درمیان ایک پاکیزہ رشتہ تھا۔ وہ کیسے اپنی بیوی سے اس قسم کی گفتگو کر سکتا تھا؟

"ڈونٹ وری! میں ہر قیمت ادا کر سکتا ہوں۔" اسے خاموش دیکھ کر نائل نے گویا اس کا تمسخر اڑایا تھا۔ وہ بغیر کچھ کہے تقریباً بھاگتی ہوئی وہاں سے گئی تھی۔

---

کافی دیر اپنے کمرے میں آنسو بہانے کے بعد وہ سوجھی ہوئی آنکھوں کے ساتھ ایک بار نائل کے سر پر مسلط ہوئی تھی۔

"مجھے اپنے گھر جانا ہے۔" اس کے لہجے میں نمی کے ساتھ ساتھ مضبوطی بھی تھی۔

نائل مکمل طور پر اسے نظر انداز کرتا لیپ ٹاپ پر مصروف تھا۔

"مجھے میرے گھر بھیج دو۔" اب کی بار وہ چیخی تھی۔

نائل غصے سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"دماغ درست ہے تمہارا...؟" نائل نے بری طرح اسے جھنجھوڑا تھا۔

"تم مجھے بھیج رہے تھے نا... اب میں خود کہہ رہی ہوں مجھے جانا ہے۔"

"وہ آفر کب کی ختم ہو چکی ہے۔ بہتر یہی ہے کہ چپ چاپ کسی کونے میں پڑی رہو۔" نائل نے ناگواری سے آنکھیں گھمائی تھیں۔

"مجھے نہیں رہنا تم جیسے منافق اور جاہل شخص کے ساتھ..."

"زبان سنبھال کر بات کرو۔" نائل کے اعصاب تن گئے تھے۔ وہ اسے طیش دلا رہی تھی۔

"تم اپنی زبان سنبھال کر رکھو۔ تمہیں تو عورت سے بات کرنے کی بھی تمیز نہیں ہے۔ تمہاری تو تربیت ہی نہیں ٹھیک..."

"منہ بند رکھو اپنا ورنہ جان لے لوں گا میں تمہاری..." اس نے مٹھیاں بھینچے کہا تھا۔

"مجھے میرے گھر جانا ہے بس..." وہ ضد پر آڑی تھی۔

"کون سا گھر...؟ وہاں اب تمہارا کوئی نہیں ہے۔ تمہارے اس گھٹیا باپ نے بیچ دیا ہے تمہیں..."

"میرے باپ کو کچھ مت کہو۔ تم خود گھٹیا ہو تمہارا پورا خاندان...!" ابھی

اس کے الفاظ منہ ہی تھے کہ نائل کا ہاتھ اٹھا تھا۔

"چٹاخ...!" وہ اوندھے منہ فرش پر گری تھی۔

"کہو کہ میرا باپ ایک نہایت ہی گھٹیا اور پیچ انسان ہے۔" اس کے قریب بیٹھے نائل نے اسے بالوں سے دبوچا تھا۔

"بولو..." اس نے اب کی بار بہت زور سے بالوں کو جکڑ کر ہلایا تھا۔

"سی..." سنیہا کی سسکی نکلی تھی۔

"میں... ایسا کچھ نہیں کہوں گی۔" ایک بیٹی اپنے باپ کے بارے میں اس قسم کے الفاظ کیسے استعمال کر سکتی تھی۔

"اگر تم نہیں چاہتی کہ آج کی پوری رات تم سانپوں اور بچھوں کے درمیان گزارو، تو جو میں کہہ رہا ہوں وہ کہو۔"

وہ نفی میں سر ہلاتی مسلسل اشق بہا رہی تھی۔

"کہو...!" اس کی دھاڑ پر وہ سہم گئی تھی۔

"بابا...!" وہ ایک بار پھر سسکی تھی۔

"کہو کہ میرا باپ ایک نہایت ہی گھٹیا اور پیچ انسان ہے۔" نائل نے اس کے بالوں کو ایک بار پھر جھٹکا دیا تھا۔ وہ

اس شخص کے آگے بے بس ہو گئی تھی۔ نائل کی بات ماننے کے علاوہ اس کے پاس اور کوئی چارہ نہیں بچا تھا۔

"میرا باپ ایک گھٹیا...!" ہچکیاں ایک بار پھر بندھ گئی تھیں۔

"جملہ مکمل کرو سنیہا...!" اس کا منہ دبوچے نائل غرایا تھا۔

"گھ...ٹیا شخص ہے۔" یہ وہ ہی جانتی تھی کہ اس نے یہ کیسے کہا تھا۔

"شاباش...!" اس کا گال تھپکتے ہونٹوں پر فاتحانہ مسکراہٹ سجائے وہ اٹھا تھا۔

"اللہ کا قہر نازل ہو گا تم پر... جس طرح میں تڑپ رہی ہوں بالکل اسی طرح تم بھی تڑپو گے۔ میری بددعا ہے نائل آفندی! اللہ تمہیں تمہارے سب سے عزیز شخص کے ہاتھوں رسوا کرے گا۔" آج ساری محبتیں جیسے فنا ہو گئی تھیں۔ پیچھے جو بچا تھا وہ نفرت تھی، ٹوٹے بکھرے دل کی کرچیاں تھیں۔

نائل تنفر سے سر جھٹکتا وہاں سے گیا تھا۔

---

دوپہر کے وقت وہ دونوں مسلسل باتیں کرتے ہوئے گاڑی کی جانب بڑھ رہے تھے۔

"میرا پیپر تو بہت اچھا ہوا ہے۔" گاڑی میں بیٹھتے ساتھ ہی اس لڑکی نے بہت جوش سے کہا تھا۔

"پلیز ڈیڈ کے سامنے اپنی زبان بند رکھنا۔" اس نے کلس کر کہا تھا۔

"تم پڑھتے کیوں نہیں ہو؟" اس لڑکی نے شکوں کناں نگاہوں سے اپنے جڑواں بھائی کی طرف دیکھا تھا۔

"میں پڑھنا چاہتا ہوں لیکن تم مجھے ٹھیک سے پڑھاتی ہی نہیں ہو۔" گاڑی میں کسی کی کھلکھلاہٹ کی آواز گونجی تھی۔ دونوں نے ہی چونک کر پیچھے دیکھا تھا۔

"حاتم گاڑی روکو۔" صوفی نے ڈر کر کہا تھا جس پر حاتم نے بروقت بریک لگائی تھی۔

گاڑی سے باہر آتے وہ دونوں ہی مضطرب سے ایک سائیڈ پر کھڑے ہوئے تھے۔

"گاڑی میں بھوت ہے۔" صوفی نے حاتم کو بازو سے دبوچا تھا۔

"دن کے وقت بھوت کہاں سے آگیا۔ یقیناً کوئی چور ہو گا۔" حاتم نے تکا لگایا تھا۔

"تم دیکھو نا جا کر..." صوفی نے اسے بازو سے پکڑ کر جھنجھوڑا تھا۔

"میں کیوں دیکھوں، تم جا کر دیکھو نا...!" دونوں ہی میٹرک کے سٹوڈنٹس تھے۔ شکل صورت میں دونوں ہی بہن
بھائی ہو بہو ایک جیسے تھے۔ ان دونوں میں واحد فرق ان
کی آنکھیں تھیں۔ صوفی کی آنکھیں سیاہ اور پرکشش تھیں
جبکہ حاتم کی آنکھوں کا رنگ کچھ مختلف تھا۔ اس کی آنکھیں ہلکی بھوری اور نیلی تھیں۔ اپنی ان انوکھی آنکھوں کی وجہ سے وہ ہر دل عزیز تھا۔ لڑکیاں اس کے لکس اور اس
کی آنکھوں پر فدا ہو جاتی تھیں۔ صوفی اور حاتم کی عمر
پندرہ سال کے قریب تھی۔ حاتم صوفی سے دو منٹ بڑا تھا جس کا رعب وہ اس پر ہمیشہ ہی جھاڑتا تھا۔

"تم مجھ سے بڑے ہو تو تم جا کر دیکھو نا...!"

"صرف دو منٹ تو بڑا ہوں۔" حاتم نے احتجاج کیا تھا۔

اس سے پہلے کہ وہ دونوں مزید جھگڑتے، گاڑی کی پچھلی سیٹ کا دروازہ کھلا تھا۔اندر سے نمودار ہوتی مخلوق کو دیکھ کران دونوں کی آنکھیں پھٹی ہی پھٹی رہ گئی تھیں۔

"کھودا پہاڑ..."صوفی نے جملہ ادھورا چھوڑا تھا۔

"اور نکلی چوہیا..."جملہ حاتم نے مکمل کیا تھا۔

دو پونیاں بنائے، پھولے ہوئے گالوں وہ چھوٹی سی آفت اب معصومیت سے ان کی جانب بڑھ رہی تھی۔

"یہ کون ہے؟"حاتم نے سر تا پیر اس چھوٹی سی ٹڈی کا جائزہ لیا تھا۔جس کے سر اور پیر میں کچھ زیادہ فاصلہ نہیں تھا۔

"یہ کتنی کیوٹ ہے نا...؟"صوفی تو اس کے بھرے ہوئے گال دیکھ کر آکسائیڈ ڈ ہو گئی تھی۔

"مگر یہ ہے کون اور ہماری گاڑی میں کیا کر رہی ہے؟"آخر کوئی کیسے ان کی اجازت کے بغیر ان کی گاڑی میں چھپ سکتا تھا۔

"یونیفارم تو ہمارے سکول کا ہی ہے۔"صوفی نے اس کے کپڑوں کو دیکھتے کہا تھا۔

"مجھے بھوک لگی ہے بین۔"اس ننھی سی گڑیا نے حاتم کو بازو سے پکڑ کر جھنجھوڑا تھا۔صوفی کو تو وہ ایسے نظر انداز کر گئی تھی جیسے وہ وہاں موجود ہی نا ہو۔

"کون ہو تم...؟"وہ دبک کر پیچھے ہٹا تھا۔

"یہ بین کون ہے؟"حاتم نے سوالیہ نظروں سے صوفی کی طرف دیکھا تھا جس پر صوفی نے کندھے اچکائے تھے۔

"تم بین ہو۔" وہ بچی جاکر حاتم کے پیروں سے چپکی تھی۔

"اوئے... شش.. ہو شش... دور ہٹو...!" اس کے اس طرح خود سے چپکنے پر حاتم تو بوکھلا ہی گیا تھا۔

"حاتم وہ کوئی جانور نہیں ہے، چھوٹی سی بچی ہے۔" صوفی کو حاتم کا یہ رویہ سخت ناگوار گزرا تھا۔

"یہ جو بھی مخلوق ہے اسے مجھ سے دور ہٹاؤ۔" وہ مسلسل اپنا پیر جھٹک رہا تھا مگر وہ اسے چھوڑنے کو تیار ہی نہیں تھی۔

"گڑیا! میری بات سنو۔" صوفی نے پیار سے جاکر اسے حاتم سے جدا کیا تھا۔ اپنی ٹانگ چھوٹنے پر حاتم نے سکھ بھرا سانس لیا تھا۔

"کون ہو آپ... اور کیا نام ہے آپ کا...؟" صوفی نے اسے گود میں اٹھاتے اس کا دائیاں گال کھینچے استفسار کیا تھا۔

بس پھر کیا... وہ سائرن بجا تھا کہ انسان تو انسان پرندوں نے بھی پناہ مانگی تھی۔ آدھے گھنٹے کی انتھک محنت کے بعد بالآخر حاتم کی انگلی ہی اسے خاموش کروا سکی تھی۔

اب وہ ریسٹورنٹ میں بیٹھ کر ایک ہاتھ سے برگر کے ساتھ انصاف کر رہی تھی جبکہ دوسرے ہاتھ سے ان نے حاتم کی انگلی تھام رکھی تھی۔ وہ دونوں بہن بھائی اس عجیب و
غریب مخلوق کو دیکھ کر رہے تھے۔ جب وہ برگر کھا چکی تھی تو حاتم نے اس سے بہت پیار سے پوچھا تھا۔

"بیٹا آپ کا گھر کہاں ہے؟"

"دور... بہت دور...!" اس نے اپنی گول مٹول آنکھوں کو پھیلائے کہا تھا۔

"آپ کے ڈیڈ کا کیا نام ہے؟" اس نے صبر کا دامن تھامے اگلا سوال پوچھا تھا۔

"ڈیڈ...!" اس آفت کے جواب پر جہاں حاتم کا چہرہ سرخ ہوا تھا وہیں صوفی کا قہقہ چھوٹا تھا۔

"یار یہ کتنی کیوٹ ہے۔"صوفی ت اس بچی پر دل و جان سے فدا ہی ہو گئی تھی۔

"تمہارا نام کیا ہے ؟اپنا نام تو پتا ہو گا نا...؟"حاتم نے دانت پیستے ہوئے پوچھا تھا۔وہ اپنی سنہری آنکھوں سے اسے
دیکھتی ہی رہی تھی۔

"اپنا نام پتا ہے ؟"حاتم کے ایک بار پھر پوچھنے پر اس نے زور و شور سے اثبات میں سر ہلا یا تھا۔

حاتم نے بے اختیار گہری سانس خارج کی تھی۔

"اپنا نام بتاؤ۔"خاموشی،گہری خاموشی...

"نام پتا ہے تو بتاؤ نا...؟"وہ سخت جھنجھلا یا تھا۔ایک تو اس کا پیپر اتنا برا ہوا تھا اور دوسری طرف یہ آفت...

"نام پتا ہے لیکن..."اس بچی نے منہ بسورے کہا تھا۔

"لیکن کیا...؟"وہ شدید تپا تھا۔

"بولنا نہیں آتا...!"صوفی اور حاتم دونوں کا دماغ بھک سے اڑا تھا۔

"کیا...؟"وہ تو شاک کے مارے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"میں اسے مار دوں گا۔میں اس ٹڈی کی جان لے لوں گا۔"وہ غصے سے اس آفت کی پڑیا کے قریب گیا تھا جب صوفی نے اسے روکا تھا۔

"ریلیکس حاتم !بچی ہی تو ہے۔"صوفی نے اس کا غصہ کم کرنے کی کوشش کی تھی مگر وہ تو جیسے آج اس بچی کو جان سے ہی مارنا چاہتا تھا۔

"دو مہینے کے بچے کو بھی اپنا پتا ہوتا ہے اور یہ کہہ رہی ہے کہ نام نہیں پتا...؟"حاتم کا غصہ سوا نیزے پر چڑھا ہوا تھا۔

"مجھے اپنا نام پتا ہے۔" وہ احتجاج کرتی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"آپ کو اپنا نام پتا ہے؟" صوفی نے جھک کر اس کی گال کو چھوتے نرمی سے پوچھا تھا۔ اس آفت نے ایک بار پھر اثبات میں سر ہلایا تھا۔

"دیکھا تمہارا انداز ٹھیک نہیں تھا۔ تمہیں بچوں سے بات ہی نہیں کرنی آتی۔" صوفی نے اپنے جڑواں بھائی کو زبان چڑا ہی تھی۔ حاتم تو مکمل طور پر جل بھن گیا تھا۔

"گڑیا اپنا نام بتاؤ؟" صوفی نے واپس اسی نرمی سے پوچھا تھا۔

"بولنا نہیں آتا۔" معصومیت سے ایک بار پھر وہی جواب دیا گیا تھا۔

"کیا بولنا نہیں آتا؟" اس کی بات صوفی کے سر پر سے گزری تھی۔

"نام...!" اب کی بار حاتم کا قہقہہ چھوٹا تھا۔ وہ گردن پیچھے کیے کافی دیر تک ہنستا رہا تھا۔

"تمہیں تو بچوں سے بات کرنے کی بہت ٹریننگ ہے نا..." وہ واضح طور پر اپنی بہن کا مذاق اڑا رہا تھا۔

"گھر پر سب آپ کو کس نام سے پکارتے ہیں؟" ڈر کے آگے جیت ہے۔ صوفی نے محنت جاری رکھی تھی۔

"مانو...!" اس بچی کے کہتے ہی اس نے چیلنجنگ انداز سے حاتم کی طرف دیکھا تھا۔

"یہ اصل نام تھوڑی ہے۔ اصل نام اگلوا کر دکھاؤ تو مانوں..." دونوں بہن بھائی کی جنگ ایک بار پھر شروع ہو چکی تھی۔

"سکول چلتے ہیں۔" صوفی نے انگلی کی چٹکی بجائے کہا تھا۔

"پہلے نہیں دماغ لڑا سکتی تھی۔" گاڑی کی چابی اٹھاتے حاتم ناگواری سے آگے بڑھا تھا۔ صوفی بھی اس بچی کا ہاتھ تھامے اس کے پیچھے گئی تھی۔ گاڑی تک پہنچتے ہی وہ اپنا

ہاتھ چھڑواتی بھاگتی ہوئی فرنٹ سیٹ پر بیٹھی تھی۔ جیسے یہ اسی کی ملکیت ہو۔ صوفی نے مسکراتے ہوئے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا تھا۔

سکول پہنچتے ہی اس بچی کے والدین وہاں پریشانی کی حالت میں اس کا انتظار کر رہے تھے۔ مزید آدھے گھنٹے کی جدوجہد کے بعد یہ معاملہ حل ہو ہی گیا تھا۔ سی سی ٹی وی کی مدد سے پتا چلا تھا کہ وہ بچی خود ان کی گاڑی میں بیٹھی تھی۔ صوفی اور حاتم کے پیرینٹس کو بھی بلوایا گیا تھا۔

گھر جا کر ان کی ٹھیک کلاس لگی تھی۔ حاتم نے اس سب کا ذمہ دار اس ٹڈی کو ٹھہرایا تھا اور ساتھ ہی ساتھ اس نے اس آفت سے کبھی دوبارہ نا ملنے کی دعا بھی کی تھی۔

"رات تیار رہنا، رات ڈنر ہے۔" صوفی نے حاتم نے کمرے میں داخل ہوتے ساتھ ہی کہا تھا۔

"اُفف کیا مصیبت ہے۔" وہ جھنجھلایا تھا۔

"ڈیڈ کے بزنس پارٹنر اور فرینڈ انکل مصطفی بھی آرہے ہیں۔ ڈیڈ کا حکم ہے کہ تمیز اور تہذیب کے دائرے میں
رہا جائے۔" حاتم کے ماتھے پر تیوری چڑھی تھی۔ یہ پیغام یقیناً اس کے لیے ہی تھا کیونکہ اس خاندان کے باقی سب
افراد تو شریف تھے سوائے اس کے... یہ خیال اس کے والد صاحب کا تھا جو کہ بالکل ٹھیک تھا۔

"اس میں کون سی نئی بات ہے، وہ تو ہمیشہ ہی آتے رہتے ہیں۔" حاتم نے ناک سے مکھی اڑائی تھی۔

"لیکن اس دفعہ بمعہ اہل و عیال آئے گے۔"

"حد ہے یار...!" وہ منہ بنا کر بستر پر اوندھے منہ ڈھے گیا تھا۔ صوفی اس پر ایک افسوس بھری نگاہ ڈال کر وہاں سے گئی تھی۔

آج نائل کی منتیں کرنے کے بعد بالآخر وانیہ کو بغیر گارڈز کے پارٹی اٹینڈ کرنے کی اجازت مل ہی گئی تھی۔ وہ اپنی فرینڈز کے ساتھ کلب میں ڈانس پارٹی انجوائے کر رہی تھی۔

ہر طرف مدھم مدھم سی روشنی میں ہر شخص ہوش وحواس سے بیگانہ رقص کرنے میں مصروف تھا۔ ڈیک پر بہت تیز آواز میں گانے چل رہے تھے۔ وہ مست ہوتی ادھر سے

ادھر جھوم رہی تھی۔ یہی تو وہ آزادی تھی جو اسے چاہیئے تھی۔ ہر چیز سے لاتعلق، ایک حسین اور پر آسائش زندگی... جہاں وہ اپنی مرضی سے بغیر کسی رکاوٹ کے زندگی گزار سکے۔

"یہ جگہ جنت ہے، جنت...!" خوشی سے جھومتے ہوئے وہ مدہوش ہوئی تھی۔ سیاہ رنگ کا ٹاپ پہنے وہ بے حد اسٹائلش اور خوبصورت لگ رہی تھی۔

نائل کسی کام سے ملک سے باہر گیا ہوا تھا اور فون پر وانیہ کے ڈراموں کی وجہ سے اس نے بالآخر حامی بھر ہی لی تھی۔ وہ یقیناً اس پارٹی کی نوعیت سے بے خبر تھا اسی وجہ سے وانیہ کو یہاں آنے کی اجازت ملی تھی ورنہ وہ اس قسم کی پارٹیز اور ڈریسنگ کے سخت خلاف تھا۔

"عائزہ میرا دل کر رہا ہے کہ میں تاعمر یہی گزار دوں۔" تیز میوزک کے شور کے باعث وہ کانوں پر ہاتھ رکھے چیخی تھی۔

"میرا بھی...!" عائزہ بھی بے حد خوش تھی۔

ابھی وہ لوگ مدہوش سے جھوم ہی رہے تھے تبھی ایک لڑکا آ کر وانیہ سے ٹکرایا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ گرتی اس لڑکے نے اسے بازوؤں سے تھاما تھا۔ اب وہ مسلسل اپنے ہاتھوں سے اس کے بازو سہلا رہا تھا۔

"تم ٹھیک ہونا بیوٹی۔۔۔؟" وانیہ کا پارہ سوا نیزے پر چڑھا تھا۔اس لڑکے کو پیچھے دھکیلے اس نے ایک زبردست پنچ اس کے منہ پر جڑ دیا تھا۔

"How dare you?"

وہ غصے سے وانیہ کی جانب بڑھا تھا۔

دونوں کے درمیان بہت بری لڑائی ہوئی تھی۔عائزہ بہت مشکل سے وانیہ کو وہاں سے لے کر گئی تھی۔

"اتنی ہی پارسا ہو تو یہاں کیا کرنے آئی ہو؟" اس لڑکے کی آواز پر وانیہ کی آنکھوں میں خون اترا تھا۔وہ فوراً پلٹی تھی۔اس تک پہنچتے وہ اس پر جھپٹی تھی۔

"وانیہ آفندی نام ہے میرا۔۔۔یاد رکھنا۔۔۔!" اس کے منہ پر ایک اور پنچ مارتے وانیہ نے انگلی اٹھائے اسے وارننگ دی تھی۔

اپنے بالوں کو پیچھے کی طرف جھٹکتے اب وہ تیزی سے باہر گئی تھی۔عائزہ بھی فوراً اس کے پیچھے بھاگی تھی۔

وانیہ نے عائزہ کو اس کے گھر ڈراپ کیا تھا۔اس کی ڈرائیونگ اتنی ریش تھی کہ عائزہ بس ملک الموت سے ملتے ملتے بچی تھی۔وہ جتنا وانیہ کو آہستہ ڈرائیو کرنے کا کہتی
تھی،وہ اتنی ہی سپیڈ بڑھا دیتی تھی،لہذا عائزہ نے اپنی زبان بند ہی رکھی تھی۔

اپنے گھر کے سامنے گاڑی رکتے ہی عائزہ شکر کا کلمہ پڑھتے اپنے گھر کے اندر داخل ہوئی تھی۔

"خبیث کہیں کا۔۔۔!" وانیہ کا میٹر اچھا خاصا شاٹ تھا۔

رات کی خنکی میں وہ سنسان سڑک پر گاڑی کو مختلف پیچ و خم سے گھما پھرا رہی تھی۔اچانک ہی ایک اور گاڑی کے سامنے آتے ہی اس نے بروقت بریک لگائی تھی۔

"اندھے کہیں کے...!"غصے کی حالت میں وہ گاڑی سے باہر نکلی تھی۔سامنے گاڑی سے دو لڑکے باہر نکلے تھے۔اسے سوچنے سمجھنے کا موقع دیے بغیر ہی ایک لڑکے نے اس کے
منہ پر رومال رکھا تھا۔اگلے ہی لمحے وہ ہوش و ہواس سے بیگانہ ہو گئی تھی۔

---

رات کی ہلکی ہلکی خنکی میں پورا گھر روشنیوں سے جگمگا رہا تھا۔ڈنر کا اہتمام باہر لان میں کیا گیا تھا۔
حاتم اپنے کمرے میں ناگواری سے تیار ہو رہا تھا۔یہ آڈر بھی اس کے والد صاحب کا تھا کہ کم از کم وہ آج کے دن انسانوں کی طرح ڈریسنگ کرے۔حالانکہ اس بیچارے کی ڈریسنگ انسانوں جیسی ہی تھی۔یہ خیال حاتم کا ذاتی تھی۔
اپنے کرتے کے کالر درست کرتے حاتم نے پرفیوم کی بوتل اٹھائی تھی۔پرفیوم لگائے وہ لش پش سا تیار ہوا ابھی
باہر جانے کا سوچ ہی رہا تھا کہ کوئی اس کے کمرے کا دروازہ کھولتے اندر داخل ہوا تھا۔
اپنے سامنے اس چھوٹی سی عجیب و غریب مخلوق کو دیکھتے حاتم نے اپنی آنکھیں مسلی تھیں۔
"بین...!"وہ بھاگتی ہوئی ایک بار پھر اس کی ٹانگوں سے لپٹ گئی تھی۔وہ بیچارا تو ہکا بکا رہ گیا تھا۔
"ہشش...شش...دور ہٹو...!"وہ اپنی ٹانگیں جھٹکنے کی کوشش کر رہا تھا مگر وہ تو جیسے اس سے چپک ہی گئی تھی۔
"کون ہو تم...؟میرے گھر کیسے آئی ہو؟"اسے بہت مشکل سے خود سے دور کیے حاتم نے سانس لینے کی کوشش کی تھی۔

"Wait..."

کہیں تم میرے بیگ میں تو نہیں تھی؟" وہ معصومیت سے اسے دیکھتی ہی رہی تھی۔ حاتم کی باتیں اس کے سر

پر

سے گزری تھیں۔

"مانو... مانو...!" صوفی اسے پکارتی حاتم کے کمرے میں داخل ہوئی تھی۔

"حاتم یہ انکل مصطفی کی بیٹی ہے۔" صوفی نے مسکرا کر اس بچی کو گود میں اٹھایا تھا۔ حاتم کا دماغ صحیح معنوں میں

چکرایا تھا۔ وہ لڑکی تو اس کے گلے ہی پڑ گئی تھی۔

"بین...!" اس نے معصومیت سے حاتم کی طرف اشارہ کیا تھا۔

"میرا نام حاتم ہے، بین نہیں..!" اس نے دانت پیستے ہوئے اس آٹھ سالہ مصیبت کو گھورا تھا۔

"بین ٹین...!" وہ ایک بار پھر اسی معصومیت سے بولی تھی۔

"How cute..."

صوفی نے اس بچی کا گال چوما تھا۔

"یہ تمہیں بین ٹین سمجھ رہی ہے۔" حاتم نے کلس کر منہ بنایا تھا۔

اسے یہ لڑکی کیوٹ کم اور آفت زیادہ لگ رہی تھی۔ اور وہ ٹھیک بھی تھا، کیونکہ وہ آفت ہی تھی جس نے حاتم

کو ساری زندگی اپنی انگلیوں پر نچانا تھا۔

"ویسے اس مصیبت کا نام کیا ہے؟" منہ کے مختلف زاویے بنائے حاتم نے ادھر ادھر دیکھا تھا۔

"اوہ! یہ تو میں نے پوچھا ہی نہیں...!" صوفی نے دانتوں تلے زبان دبائی تھی۔

"مانو آپ کا نام کیا ہے؟" صوفی نے اس کا گال کھینچتے ہوئے پیار سے پوچھا تھا۔

"مجھے پتا ہے لیکن۔۔۔!"

"بولنا نہیں آتا۔" حاتم نے منہ بنائے اس کی نقل اتاری تھی۔

"لکھنا آتا ہے مجھے۔۔۔!" صوفی اور حاتم دونوں ہی چونکے تھے۔

"تمہیں لکھنا آتا ہے؟" حاتم نے اسے بازو سے پکڑا تھا۔ جہاں مانو نے اثبات میں سر ہلایا تھا وہیں حاتم کا چہرہ سرخ پڑا تھا۔

"صبح سے خوار کر رہی ہو پہلے نہیں بتا سکتی تھی؟" اس نے غصے سے اسے جھنجھوڑا تھا۔

"تم پہلے نہیں پوچھ سکتے تھے؟" اس نے بھرپور زور لگا کر خود کو اس کی گرفت سے آزاد کروایا تھا۔ اس کے اس انداز پر صوفی اور حاتم دونوں کی ہی آنکھیں کھل گئی تھیں۔

اب وہ حاتم کا ہاتھ پکڑے اپنے ننھے سے بیگ سے پین نکالے اس پر کچھ آڑی ترچھی لکیریں گھسیٹ رہی تھی۔ وہ اپنا ہاتھ نہیں جھٹک سکا تھا۔ کیوں۔۔۔؟ اس سوال کا جواب نہیں
تھا اس کے پاس۔۔۔

تھوڑی دیر میں ملازمہ کے بلانے پر مانو اور صوفی باہر چلے گئے تھے۔ ڈنر خوش اسلوبی سے ہوا تھا۔ اس بات کی حاتم کو بے حد خوشی تھی ورنہ یہ الزام بھی اسی کے سر آنا تھا۔

رات کے وقت وہ شاور لینے گیا تھا۔ یہ اس کا روز کا معمول تھا۔ وہ ہر رات سونے سے پہلے اور صبح اٹھتے ساتھ ہی لازمی شاور لیتا تھا۔ چینجنگ روم میں موجود الماری سے کپڑے نکالتے اس کی نظر بے اختیار اپنے ہاتھ پر پڑی تھی۔

حاتم نے بامشکل ہاتھ پر لکھے ہوئے نام کو سپیل کیا تھا۔

"ماہ۔۔۔نور۔۔۔" اس نے نام کو توڑ کر پڑھا تھا۔

"ماہ نور... مانو... !" اس کے لب مسکراہٹ میں ڈھلے تھے۔ وہ کچھ دیر اپنے ہاتھ کی جانب دیکھتا رہا تھا پھر نجانے کس سوچ کے تحت اس نے کپڑے واپس رکھے تھے۔ حاتم نے شاور لینے کا ارادہ ترک کر دیا تھا۔

"ٹڈی... !" وہ مسکرا کر سر جھٹکتا سونے کی نیت سے بستر کی جانب بڑھا تھا۔

---

رات کے تقریباً بارہ بجے نائل نے اپنا فون اٹھایا تھا۔ فون پر ماہم کی اتنی ساری مسڈ کالز دیکھ کر اسے شدید تشویش ہوئی تھی۔ اس نے واپس ماہم کو کال ملائی تھی

"نائل... !" فون اٹھاتے ساتھ ہی ماہم کی سسکیاں سپیکر سے گونجی تھی۔

"کیا ہوا پھوپھو، آپ کیوں رو رہی ہیں؟" نائل فکر مند ہوا تھا۔

"وانیہ... وانیہ گھر نہیں آئی۔ پتا نہیں... پتا نہیں کہاں ہے؟" نائل کے پیروں تلے زمین ہی کھسک گئی تھی۔

"کیا کہہ رہی ہیں آپ... ؟" اسے بے اختیار ٹھنڈے پسینے آنے لگے تھے۔

"اس کی دوست سے بھی پوچھا ہے میں نے... وہ گھر کے لیے نکلی تھی مگر پہنچی نہیں۔ تین گھنٹے گزر گئے ہیں نائل... !" نائل نے فوراً فون کاٹا تھا۔

وہ اس وقت بیرون ملک تھا اور اس کی معصوم بہن نجانے کہاں... اس نے سب سے پہلے محسن کو کال ملائی تھی۔

"محسن وانیہ گھر نہیں پہنچی۔ اس کا فون ٹریک کرو فوراً... " فون کاٹتے ساتھ ہی اب وہ پہ در پہ کسی نا کسی کو فون ملا رہا تھا۔ اپنی بہن کی گمشدگی کی خبر نے اسے

پاگل کر دیا تھا۔ نائل نے فوراً اپنی واپسی کی ٹکٹس بک کروائی تھیں۔ اسے اب جلد از جلد پاکستان پہنچنا تھا۔

"وانیہ کہاں جاسکتی ہے؟"اپنی پیشانی مسلتے نائل ادھر سے ادھر چکر لگا رہا تھا۔اچانک ہی اس کے دماغ میں جھماکہ ہوا تھا۔

"ڈیوڈ...!"اس نے لب بھینچے فوراً ڈیوڈ کو کال ملائی تھی۔

وہ جو ابھی ابھی بستر پر لیٹا تھا،نائل کی کال نے اسے خوشگوار حیرت میں مبتلا کیا تھا۔

"زہے نصیب!"ڈیوڈ نے لبوں کو گول کرتے کہا تھا۔

"ذلیل، گھٹیا انسان...!"نائل کا انداز ایسا تھا جیسے وہ اسے مار ہی ڈالے گا۔

"اتنی رات کو لوگ محبوب سے پیار بھری باتیں کرتے ہیں لیکن شاید ہماری قسمت میں گالیاں کھانی ہی لکھی ہیں،اور وہ بھی ایک عدد سالے صاحب سے..."ڈیوڈ اس کا تپا ہوا چہرہ اپنی آنکھوں کے سامنے سوچتا اچھا خاصا محظوظ ہوا تھا۔

"بکواس بند کرو،میری بہن کہاں ہے؟میری وانیہ کہاں ہے؟"جہاں نائل غرایا تھا وہاں دوسری طرف ڈیوڈ کی مسکراہٹ سمٹی تھی اور اس کے ماتھے پر بل پڑے تھے۔

"کیا مطلب...؟وانیہ گھر پر ہے نا...؟"ڈیوڈ کی بات پر نائل کے اعصاب شل ہوئے تھے۔

"تو کیا اس سب کے پیچھے ڈیوڈ نہیں تھا؟"

"وانیہ کہاں ہے نائل...؟"بستر سے اٹھتے ساتھ ہی ڈیوڈ بھی آپے سے باہر ہوا تھا۔نائل نے غصے سے کال ہی کاٹ دی تھی۔

"وانیہ...!"ڈیوڈ نے فوراً ہی گاڑی کی چابی اٹھائے اپنے قدم باہر کی جانب بڑھائے تھے۔

ایک طرف نائل پریشان تھا تو دوسری طرف ڈیوڈ...دونوں ہی ایک انسان کے لیے پریشان تھے،وانیہ کے لیے...

نائل کے ائیر پورٹ پر پہنچتے ہی محسن کا فون آیا تھا۔

"نائل فون ٹریک نہیں ہو رہا۔"

"تمہارا دماغ ٹھیک ہے، ہوش میں ہو؟" نائل کا پارہ ساتویں آسمان پر چڑھا تھا۔ ان کا تعلق آئی۔ ایس۔ آئی سے تھا، اس کے باوجود بھی وہ ایک عام سا موبائل ٹریس نہیں کر پا رہے تھے۔

"میں دوبارہ کوشش کرتا ہوں۔" اس کے بگڑتے تیور دیکھ محسن نے آہستگی سے کہا تھا۔

"مجھے میری بہن چاہیئے۔ پوری فورس لگا دو، بس مجھے وہ چاہیئے۔" اس نے غصے سے فون رکھا تھا۔

ابھی اس نے فون کاٹا ہی تھا کہ ماہم کا نام سکرین پر جگمگایا تھا۔ وہ کب سے اسے فون پر فون کر رہی تھی مگر نائل نے جان کر فون نہیں اٹھایا تھا۔ اب اسے مجبوراً فون اٹھانا ہی پڑا تھا۔

"نائل رات کے گزرنے سے پہلے وانیہ کو گھر لے آو۔" ماہم کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔

"پھوپھو آپ بے فکر رہیں۔ ایسا ہی ہو گا۔" یہ تسلی اس نے ماہم کو نہیں بلکہ خود کو دی تھی۔

"ان شاءاللہ! تم بھی فکر مت کرو۔" اچانک ہی اسے نائل کی پریشانی کا احساس ہوا تھا۔ وہ تو وانیہ کو بیٹیوں کی طرح

چاہتا تھا۔ اس وقت وہ بھی تو پل صراط سے گزر رہا ہو گا۔

"جب ہم نے کسی کی بیٹی کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کی تو اللہ بھی ہماری بیٹی کو اپنے حفظ و امان میں رکھے تھے۔" نائل کے ہاتھوں میں لرزش ہوئی تھی۔

ایک لمحے کے لیے اس کا ہاتھ ہوا میں معلق رہ گیا تھا۔ اس ایک لمحے میں اسے نجانے کیا کیا یاد نہیں آیا تھا۔

"میں نے تمہیں تمہارے سو کالڈ باپ سے خریدا ہے، اور وہ بھی پورے دس کڑور میں...!"

"کہو کہ میرا باپ ایک نہایت ہی گھٹیا اور ریچ انسان ہے۔"

"اللہ کا قہر نازل ہو گا تم پر... جس طرح میں تڑپ رہی ہوں بالکل اسی طرح تم بھی تڑپو گے۔ میری بددعا ہے نائل آفندی! اللہ تمہیں تمہارے سب سے عزیز شخص کے ہاتھوں رسوا کرے گا۔"

سنیہا کے ساتھ کی گئی ہر ایک زیادتی، ہر ایک ظلم اس کی آنکھوں کے سامنے گردش کرنے لگا تھا۔ وہ بھی معصوم تھی،

بے گناہ تھی بالکل وانیہ کی طرح...

"تو کیا یہ مکافات عمل تھا؟" نائل نے سرد آہ خارج کی تھی۔ آج آنکھوں پر سے تمام دھند چھٹ گئی تھی۔ سامنے

جو روپ وہ دیکھ رہا تھا وہ اس کا خود کا تھا اور بے حد بھیانک تھا۔

---

وانیہ کی آنکھ ایک کھنڈر نما جگہ پر کھلی تھی۔ اٹھتے ساتھ ہی اس نے گھومتے سر کے ساتھ ادر گرد دیکھا تھا۔

"میں کہاں ہوں؟" وہ اپنا سر تھامتے زمین سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"جنت میں...!" اپنے عقب سے مردانہ آواز سنتے وہ کرنٹ کھا کر پلٹی تھی۔ سامنے اسی لڑکے کو کھڑا دیکھ کر اس کی آنکھیں حیرت سے کھل گئی تھیں۔ یہ وہی لڑکا تھا جس سے کچھ دیر پہلے اس کی ہاتھا پائی ہوئی تھی۔

"تم...!" وانیہ نے غصے سے اس کی جانب دیکھا تھا۔

"ہاں میں...!" وہ اپنی ٹھوڑی مسلتے اس کے قریب آ رہا تھا۔

وانیہ نے قدم پیچھے کی جانب اٹھائے تھے۔ پیچھے قدم بڑھاتے بڑھاتے وہ کسی سے ٹکرائی تھی۔

"آہ...!"ایک چیخ اس کے منہ سے نکلی تھی۔ایک اور لڑکے نے اسے کلائی سے تھاما تھا۔وہ یقیناً اس لڑکے کا ساتھی تھا۔

"چھوڑو مجھے...!"وہ مزاحمت کرتی اپنا آپ چھڑوانے کی کوشش کرنے لگی تھی۔

"میں نے کہا چھوڑو...!"دوسرا لڑکا بھی چلتا ہوا اس تک آیا تھا۔

"چھوڑو مجھے ورنہ...!"

"ورنہ کیا...؟تمہارا ہیرو آئے گا اور تمہیں ہم سے بچا لے گا۔"وانیہ کو زمین پر دھکہ دیے وہ خباثت سے ہنسا تھا۔اس کی دیکھا دیکھی دوسرا لڑکا بھی ہنسا تھا۔

"آج کی رات تو بہت رنگین گزرنی ہے۔"اس نے وانیہ کے حسین سراپے کا جائزہ لیتے ہوئے کہا تھا۔وانیہ کی آنکھوں میں لہو دور آیا تھا۔جو بھی تھا وہ نائل آفندی کی بہن تھی۔اور اسے یہ غرور، یہ نخرہ اور یہ غصہ وراثت میں ملا تھا۔

"وہ دور گیا جب لڑکیوں کو اپنی حفاظت کے لیے کسی ہیرو کی ضرورت پڑتی تھی۔میں آج کے زمانے کی لڑکی ہوں اور میں اپنی ہیرو خود ہوں۔"وہ غصے سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"اوہ!ہم تو ڈر گئے۔ویسے مس ہیرو صاحبہ!کیا کریں گی ہم ہمارے ساتھ...!"اس لڑکے نے ڈرنے کی ایکٹنگ کی تھی۔

"تم لوگ بتاؤ... زندگی یا موت...!" وانیہ نے ایک تیکھی مسکراہٹ ان کی جانب اچھالی تھی۔ ساتھ ہی ساتھ وہ اپنا ہاتھ اپنے گلے میں پہنے ہوئے لاکٹ تک لے گئی تھی۔

"جو آپ دے دیں۔ ہمیں قبول ہے۔" دوسرے لڑکے نے اس کی جانب بڑھتے اس کے کان کے پاس سرگوشی کی تھی۔

"ٹھیک ہے! میں تم دونوں کو زندگی دوں گی کیونکہ میرے بھائی کہتے ہیں کہ موت سزا نہیں ہے بلکہ زندگی سزا ہے۔"

اس نے پھرتی سے اپنے گلے سے لاکٹ اتارے اس لڑکے کے ہاتھ پر لگایا تھا۔ وہ تڑپتا ہوا زمین پر گرا تھا۔

دوسرے لڑکے نے اس کی جانب بڑھنے کی کوشش کی تھی لیکن وانیہ نے اسی پھرتی سے وہ لاکٹ اس کے ہاتھ پر لگایا تھا۔ وہ بھی اسی پل زمین بوس ہوا تھا۔

وہ دو منٹ ان دونوں کو تڑپتا ہوا دیکھتی رہی تھی پھر وہ انہیں ٹھڈا مارتی ہاتھ جھاڑتی وہاں سے گئی تھی۔

"وانیہ آفندی نام ہے میرا! کوئی عام انسان تھوڑی ہوں۔" اپنے بھورے بال ایک ادا سے جھٹکتے وہ اب مسلسل آگے بڑھ رہی تھی۔

وہاں سے نکلے اب وہ سڑک پر ادھر سے ادھر گھوم رہی تھی۔ اس کا فون اس کے پاس نہیں تھا تبھی اسے اتنی دشواری ہو رہی تھی۔ سنسان سڑک کے ایک کنارے پر وہ سانس لینے کو رکی تھی۔ درخت پر ہاتھ رکھتے ہی کسی نوکیلی چیز سے اس کے ہاتھ پر کٹ لگا تھا۔ رات کے اندھیرے میں چاند کی مدھم مدھم سی روشنی تھی۔ اس روشنی میں وہ باآسانی اپنے ہاتھ سے بہتا خون دیکھ سکتی تھی۔ خون کو دیکھ کر وانیہ کی سانسیں اکھڑنے لگی تھیں۔

"مری تو نہیں ہے نا... ہم تو وہ شیطان ہیں جو مردہ کو بھی نہیں چھوڑتے، یہ تو پھر زندہ ہے۔"

"جیمز! میں جو کر رہا ہوں، مجھے کرنے دو۔ آخر کار اس پر بلیک مونسٹر سے پہلے میری نظر پڑی تھی۔"
"چار لوگ تھے۔ گاڑی، خون، نین، مام...!" اپنا سر تھامتے وہ وہیں بیٹھتی چلی گئی تھی۔ وانیہ آفندی ایک بہت بہادر
اور نڈر لڑکی تھی لیکن یہ حادثہ اسے ہمیشہ ہی بے بس کر دیتا تھا۔ وہ سڑک کے کنارے بیٹھی اپنا سر تھامے مسلسل چیخ چلا رہی تھی تبھی ایک گاڑی اس کے پاس آکر رکی تھی۔ کوئی تیزی سے گاڑی سے باہر نکل کر اس کی جانب آیا تھا۔
"چار لوگ تھے۔ مار دیا... ختم کر دیا، سب کچھ...!" وہ اپنی ہی دھن میں بولے چلی جا رہی تھی جب اس شخص نے
اسے پکارا تھا۔
"وانیہ...!" وانیہ نے نظر اٹھا کر سامنے دیکھا تھا۔
"شاہین...!" کہتے ساتھ ہی وہ ہوش و حواس سے بیگانہ ہو گئی تھی۔ وہ شخص اسے باہوں میں بھرے اپنی گاڑی تک لے گیا تھا۔

---

محسن اپنی بیوی ساشا کے ساتھ گاڑی میں بیٹھے اپنی منزل کی جانب رواں تھا۔ وہ لوگ وانیہ کی لوکیشن کو ٹریک کر چکے تھے۔ ساشا کا تعلق بھی آئی۔ ایس۔ آئی سے ہی تھا۔ وہ انٹیلیجنس کے شعبے میں ہوتی تھی۔ آکاؤنٹس ہیک کرنا اور ڈیٹا وغیرہ مینیج کرنا اس ہی کا کام تھا۔
"مجھے سمجھ نہیں آرہی کہ آخر فون ٹریس ہونے میں اتنی دیر کیوں لگ گئی۔ مجھے کچھ گڑ بڑ لگتی ہے۔" محسن گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا اور وہ اس کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھی تھی۔

"مجھے تو وہ لڑکی ہی ٹھیک نہیں لگتی۔" محسن نے کلس کر کہا تھا۔

"وانیہ نائل کی بہن ہے۔" ساشا نے اسے یاد دلانا ضروری سمجھا تھا۔

"جانتا ہوں مگر وہ لڑکی مجھے کچھ پراسرار سی لگتی ہے۔ پتا نہیں کیوں مجھے اس سے نگیٹیو وائبز آتی ہیں۔ مجھے اس کی معصومیت فیک لگتی ہے۔" اسے شروع سے ہی وانیہ

کھٹکتی تھی۔ وانیہ کی حد سے زیادہ معصومیت اسے ایک آنکھ نا بھاتی تھی۔ اوپر سے نائل کا آنکھ بند کر کے اپنی بہن پر بھروسہ کرنا اسے بالکل پسند نہیں تھا۔

"نائل کے سامنے کچھ مت کہنا۔ اسے اچھا نہیں لگے گا۔" اچھا تو ساشا کو بھی نہیں لگا تھا۔ اسے تو وانیہ بہت معصوم اور پیاری لگتی تھی۔

"تم دیکھنا! ایک دن یہ لڑکی نائل کو برباد کر دے گی۔" ساشا نے گہری سانس خارج کرتے ہوئے خود کو کچھ بھی غلط کہنے سے روکا تھا۔

"ہم شاہین سے بھی تو مدد لے سکتے تھے۔ اس کی سروسس تو کافی فاسٹ ہیں۔"

"شاہین اس وقت ملک میں موجود نہیں ہے۔ چیف نے اسے کسی مشن کے سلسلے میں باہر بھیجا ہے، اور ویسے بھی نائل نے اس کی مدد لینے سے منع کیا ہے۔"

"ویسے یہ شاہین ہے کون؟" ساشا کو اس کی ذات میں گہری دلچسپی تھی۔ وہ شخص منٹوں میں پیچیدہ سے پیچیدہ معاملات حل کر دیا تھا۔ پوری آئی۔ ایس۔ ائی ٹیم میں اس کی ایک ساکھ تھی۔ ہر کوئی اسے شاہین کے نام سے جانتا تھا۔

"مجھے کیا پتا...؟ اس کی شخصیت کو راز رکھا گیا ہے۔ صرف چیف ہی جانتے ہیں کہ وہ کون ہے۔"

"لیکن مجھے لگتا ہے کہ نائل کو بھی پتا ہے۔" ساشا کو ہمیشہ سے ہی شک تھا۔

"اگر پتا ہے بھی تو وہ کبھی نہیں بتائے گا۔" محسن اپنے دوست کو اچھی طرح جانتا تھا۔ جہاں بات ملک کی آتی تھی تو وہ کسی پر بھی اعتبار نہیں کرتا تھا۔

تھوڑی دیر میں محسن نے سڑک کے کنارے گاڑی روکی تھی۔ تھوڑی محنت کے بعد وہ لوگ ایک گاڑی تک پہنچے تھے۔ گاڑی

میں وانیہ کا فون تھا۔ ادھر ادھر بھاگتے ہوئے وہ لوگ اس کھنڈر نما بلڈنگ تک پہنچ ہی گئے تھے۔ محسن اور ساشا نے

بلڈنگ کا ہر اک کونہ چھان مارا تھا لیکن وہاں کوئی نہیں تھا۔

محسن نے تھک ہار کر نائل کو کال ملائی تھی۔ وہ ابھی ابھی پاکستان پہنچا تھا۔

"وانیہ یہاں نہیں ہے۔" نائل کے اعصاب تن گئے تھے۔ اسے اب صحیح معنوں میں وانیہ کی فکر ہونے لگی تھی۔ نجانے

اس کی معصوم بہن کہاں اور کس حال میں تھی۔

اس سے پہلے وہ مزید کچھ سوچتا، اس کا فون بجا تھا ڈیوڈ کا نمبر دیکھ اس نے ناگواری سے فون اٹھایا تھا۔

"ہیلو سالے صاحب...!" اس کی آواز ہشاش بشاش تھی۔

"کیوں فون کیا ہے؟" نائل کے حواسوں پر اس وقت وانیہ ہی چھائی ہوئی تھی۔

"سوچا آپ کو آپ کی پیاری بہن کی خیریت بتا دوں۔" نائل کے چہرے کا رنگ پل میں اڑا تھا۔

"وانیہ تمہارے پاس ہے؟"

"جی بالکل میرے ہی پاس ہے۔"

"ڈیوڈ! میں تمہاری جان لے لوں گا۔ مجھے میری بہن واپس چاہیئے۔ مجھے میری وانیہ واپس چاہیئے۔" اس کے لہجے میں تڑپ کے ساتھ بے بسی بھی تھی۔

"فلحال تو میں اور وانیہ مصروف ہیں۔

So plz don't disturb us."

اس نے بستر پر لیٹی ہوئی لڑکی کو محبت پاش نگاہوں سے دیکھا تھا۔

"ایک آخری بات! ذرا اس شاہین کو میری وانیہ سے دور رکھو۔ مجھے وانیہ کی زبان سے اس کا نام سن کر بالکل اچھا نہیں لگا۔" انداز ایسا تحکمانہ تھا جیسے نائل اس کا غلام ہو۔

"میری بات سنو! تمہاری دشمنی مجھ سے ہے۔ وانیہ معصوم..." ڈیوڈ نے فوراً ہی کال کاٹ دی تھی۔ ان حسین لمحات میں نائل کی مداخلت اسے سخت زہر لگی تھی۔

ڈیوڈ نے مسکراتے ہوئے بستر کی جانب قدم بڑھائے تھے۔

اس کے قریب بستر پر بیٹھتے وہ ٹکٹکی باندھے اسے دیکھتا رہا تھا۔ شاید وہ اسے آنکھوں میں بسا رہا تھا۔ اس نے آہستگی سے اس کے ماتھے پر جھولتی ایک لٹ کو اپنی انگلی کی

مدد سے اس کے چہرے پر سے ہٹایا تھا۔ وہ لٹ وانیہ کی خوبصورتی کی راہ میں رکاوٹ تھی۔ اس کی وجہ سے وہ اس کا چہرہ ٹھیک سے نہیں دیکھ پا رہا تھا۔ کچھ دیر اس کے پاس بیٹھنے کے بعد ڈیوڈ آہستگی سے وہاں سے اٹھا تھا۔ لائٹ آف کیے وہ دروازہ بند کرتا وہاں سے گیا تھا۔

---

گھر آتے ساتھ ہی وہ بالکل پاگل ہو چکا تھا۔ وانیہ ڈیوڈ کے پاس تھی، اس خیال سے ہی نائل کی جان نکل رہی تھی۔

"پھوپھو! میں کیا کروں؟ وانیہ اس کے پاس ہے۔ وہ اسے سب بتادے گا۔ میری بہن... میری بہن مجھ سے نفرت کرنے لگ جائے گی۔ میں کیا کروں؟ میں کیا کروں؟" نائل کے اعصاب بالکل شل ہو گئے تھے۔ اس کے دماغ نے کام کرنا بالکل چھوڑ دیا تھا۔

اس نے وانیہ کو ڈھونڈنے کی کوشش چھوڑ دی تھی۔ اس کا اب کوئی فائدہ نہیں تھا۔

"اسی دن کے لیے کہتی تھی کہ وانیہ کو ساری حقیقت خود ہی بتادو۔ کہیں اور سے پتا چلے گا تو وہ برداشت نہیں کر سکے گی۔"

"پھوپھو! میں تو بس اسے ہر تکلیف سے بچانا چاہتا تھا۔ میں اس کی آنکھ میں آنسو نہیں دیکھ سکتا۔" وہ اس وقت بے بسی کی انتہا پر تھا۔ اس سے پہلے کہ ماہم کچھ کہتی، ملازم نے وانیہ کے آنے کی اطلاع دی تھی۔ وہ دونوں ہی بھاگتے ہوئے باہر گئے تھے۔ کوئی شخص اسے بیہوشی کی حالت میں گاڑی میں ان کے گھر کے باہر چھوڑ گیا تھا۔

---

وانیہ کی حالت سنبھلتے ہی نائل ماہم کو اس کے پاس چھوڑے فارم ہاؤس گیا تھا۔ جو زیادتیاں وہ کر چکا تھا اب ان کے ازالے کا وقت تھا۔

فارم ہاؤس کے اندر داخل ہوتے ہی اس نے اپنے قدم سنیہا کے کمرے کی جانب اٹھائے تھے۔ کمرے کے دروازے پر پہنچتے ہی اس کے قدم رکے تھے۔ وجہ اندر موجود وجود کی سسکیاں تھیں۔ وہ بستر کے ساتھ ٹیک لگائے کالین پر بیٹھی، سر گھٹنوں میں دیے سسک رہی تھی۔ شاید وہ ہر رات ہی ایسے سسکتی تھی۔ نائل کو پہلی بار پچھتاوا

ہوا تھا۔ وہ قدم قدم چلتا اس تک گیا تھا۔

"سنیہا...!" اس کے قریب بیٹھتے اس نے اسے پکارا تھا۔ سنیہا نے چونک کر سر اٹھایا تھا۔ اس سنگدل کی یہاں موجودگی غیر متوقع تھی۔ یقیناً کوئی نا کوئی ظلم رہ گیا ہوگا، جسے وہ ڈھانے آدھی رات کو یہاں آیا تھا۔

"میں... میں نے جو بھی کیا۔ وہ غلط تھا۔" اس کے حلق میں کانٹے چبھنے لگے تھے۔ معافی مانگنا نائل آفندی کے لیے بہت مشکل کام تھا۔

"تین سال پہلے...!" نائل نے گہری سانس خارج کرتے بات کا آغاز کیا تھا۔

"بزنس کے حالات کافی خراب تھے۔ تمہارے ڈیڈ اور میرے درمیان ایک بزنس ڈیل ہوئی تھی۔ مجھے اس پروجیکٹ کی

بہت ضرورت تھی۔ اسی سلسلے میں مجھے لندن آنا پڑا۔ یہاں پر آنے کے بعد تمہارے ڈیڈ نے ٹال مٹول سے کام لیا۔ ان دنوں میری بہن کی حالت کافی خراب تھی، اس کا آپریٹ تھا۔ مجھے جلد از جلد پاکستان جانا تھا لیکن تمہارے ڈیڈ نے مجھے کاموں میں ایسا الجھایا کہ یہ ممکن نہیں ہو سکا۔

میں وقت پر نہیں پہنچا اور میری بہن نے آپریٹ نہیں کروایا۔ وہ بہت ضدی ہے۔ وقت پر علاج نا ہونے کی وجہ سے

اس کی حالت خراب ہو گئی۔ اگلے چھ مہینے بہت مشکل گزرے۔ وہ روز روتی تھی، چیختی تھی اور میں... میں اسے

دیکھ کر روز تڑپتا تھا۔ اس سب کی وجہ تمہارا باپ تھا۔ میں نے انتقام لینے کا فیصلہ کیا۔ میں نے اس کے بزنس کو اس سٹیج تک پہنچایا کہ وہ مجھ سے مدد لینے پر مجبور ہو جائے، اور ایسا ہی ہوا۔ بزنس میں مدد کے عوض میں نے تمہارا رشتہ مانگا اور تمہارے باپ نے انکار نہیں کیا پھر اس کے بعد میں تمہیں یہاں لے آیا۔" نائل نے کافی دیر سنیہا کے بولنے کا انتظار کیا تھا مگر وہ خاموش آنسو بہاتی رہی تھی۔

"میں صرف تمہارے ذریعے اس شخص کو تکلیف پہنچانا چاہتا تھا مگر میں غلط تھا۔وہ انتہاہی بے حس شخص ہے۔ اسے تمہاری تکلیف سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

"اور تم کیا ہو؟"سنیہا کے لب آہستگی سے ہلے تھے۔

"میرا باپ برا ہے، یہ میں شروع سے جانتی ہوں۔انہوں نے ہمیشہ مجھ میں اور اپنے دو بیٹوں میں فرق کیا ہے لیکن جب تم نے کہا کہ انہوں نے مجھے بیچا ہے تو مجھے یقین نہیں آیا۔آخر کوئی باپ اپنی بیٹی کو کیسے بیچ سکتا ہے؟ مگر اب مجھے یقین آگیا ہے۔"سنیہا نے بے دردی سے اپنے آنسو صاف کیے تھے۔

"میں نے جو کیا، بہت غلط تھا۔"وہ اعتراف کر رہا تھا۔

"کیا فرق پڑتا ہے۔سنیہا تو برباد ہو گئ۔مجھے تو مار دیا تم نے...آخر کیوں تم مرد اپنی دشمنی میں ہم عورتوں کو درمیان میں لے کر آتے ہو؟"

"میں تم سے معافی مانگتا ہوں۔"وہ اپنی ہر غلطی پر پشیمان تھا۔آج وانیہ کے ساتھ ہوئے گئے حادثے نے جیسے اس کی آنکھیں کھول دی تھیں۔

"اپنی سو کالڈ معافی سمیت بھاڑ میں جاؤ۔"سنیہا نے تنفر سے سر جھٹکا تھا۔

"سنیہا...!"نائل نے آگے بڑھ کر اسے چھونا چاہا تھا۔

"نہیں نائل آفندی!"وہ پیچھے ہٹی تھی۔

"مجھے چھونے کی کوشش بھی مت کرنا۔لیکن پھر بھی اگر تم مجھے چھونا چاہو تو میں انکار نہیں کروں گی کیونکہ میں تمہاری زر خرید غلام ہوں لیکن میری ایک التجا ہے۔پلیز مجھے میری قیمت بتادو۔"سنیہا نے اس کے آگے

ہاتھ جوڑے تھے۔

"آپ تو ہر چیز کی قیمت ادا کرتے ہیں نائل صاحب! تو براہ مہربانی مجھے بھی میری قیمت ادا کریں۔ میرے باپ نے میری قیمت دس کڑور لگائی تھی۔ میں جاننا چاہتی ہوں کہ آپ میری کیا قیمت لگاتے ہیں۔" وہ کہتے ساتھ ہی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"میں اس وقت غصے میں تھا۔" نائل نے مدھم آواز میں احتجاج کیا تھا۔

"آپ اب اس کمرے میں تب ہی آئیں گا جب مجھے میری قیمت بتا سکیں۔" نائل نے آنکھیں میچے گہری سانس خارج کی تھی۔ جو زخم وہ اسے دے چکا تھا، ان کا ازالہ شاید ناممکن تھا۔

---

فارم ہاؤس سے سیدھا وہ گھر آیا تھا۔ وانیہ کی حالت کافی خراب تھی۔ وہ بہت زیادہ ڈری ہوئی تھی۔ وہ نائل کو ایک لمحے کے لیے بھی خود سے دور نہیں جانے دے رہی تھی۔

"میرا بچہ! اب بس بھی کر دو۔ سب ٹھیک ہے۔" وہ پلنگ پر بیٹھا ہوا تھا اور وانیہ اس کی گود میں سر رکھے مسلسل سسک رہی تھی۔

"بھائی مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔ آپ پلیز کہیں مت جائیں گا۔"

"میں کہیں نہیں جا رہا مگر پہلے آپ یہ تو بتائیں کہ وہ لوگ کون تھے۔"

"مجھے کیا پتا بھائی! مجھے کچھ یاد نہیں..." ہچکیاں ایک بار پھر بندھ چکی تھیں۔

"اچھا اچھا ٹھیک ہے۔" نائل نے محبت سے اس کے بال سہلائے تھے۔

"بھائی وہ لوگ بہت خطرناک تھے۔ پتا نہیں انہوں نے مجھے کیسے چھوڑ دیا۔ مجھے تو ٹھیک سے کچھ یاد بھی نہیں ہے۔" نائل سمجھ گیا تھا کہ یقیناً ڈیوڈ نے ہی وانیہ کو بچایا ہو گا اور ان دو لڑکوں کی گمشدگی اس بات کی گواہی دے رہی تھی کہ وہ ڈیوڈ کے ہتھے چڑھ چکے ہیں۔

"بھائی آپ نے ان لوگوں کو پکڑ لیا؟" وانیہ آنسو صاف کرتی اٹھ بیٹھی تھی۔

"نہیں میری جان! وہاں پر کوئی نہیں تھا۔" وانیہ کی رنگت پل میں فق پڑی تھی۔ جو زہر وہ انہیں دے کر آئی تھی اس کے بعد وہ کیسے کہیں جا سکتے تھے۔

اس سے پہلے کہ ان دونوں کے درمیان مزید کوئی بات ہوتی، ملازمہ نے محسن کے آنے کی اطلاع دی تھی۔ نائل وانیہ کو تھوڑی دیر کا کہہ کر باہر گیا تھا۔ اس کے جانے کے بعد وہ چکراتے سر کے ساتھ بستر پر ڈھے گئی تھی۔

"اگر وہ دونوں بھائی کے پاس نہیں ہیں تو پھر کہاں گئے؟ کہیں شاہین... یا اللہ! اتنا بڑا بلنڈر کر دیا میں نے...!" اسے شدید تشویش ہو رہی تھی۔

"یا اللہ! وہ مر جائیں لیکن پلیز کسی کے ہاتھ نا لگیں۔" وانیہ نے تہے دل سے دعا کی تھی۔

تھوڑی دیر بعد نائل کے آنے پر وہ واپس صحیح ہو کر بیٹھی تھی۔

"میری جان! اب سو جاؤ۔" نائل نے اس کے پاس بیٹھتے محبت سے کہا تھا۔

"میڈیسن بھی نہیں لی نا آپ نے...؟" اسے مصنوعی گھوری سے نوازتے نائل نے ساتھ والی دراز سے دوائی نکالی تھی۔

اب وہ جگ میں سے گلاس میں پانی انڈیل رہا تھا۔

"بھائی...!" وانیہ نے چیختے ہوئے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ مار کر پانی کا گلاس گرا دیا تھا۔ نائل اس کی حرکت پر شدید حیران ہوا تھا۔

"میرا پین...!" وانیہ نے پھرتی سے ٹیبل پر پڑا اپنا پین اٹھایا تھا۔ پین اٹھانے کے بعد اس کی جان میں جان آئی تھی۔

"وانیہ یہ کیا حرکت تھی؟" نائل نے نا سمجھی سے اس کی جانب دیکھا تھا۔

"وہ... آپ کا ہاتھ میرے پین کو لگ جاتا۔" وانیہ نے اپنے ماتھے پر سے پسینہ صاف کرتے کہا تھا۔

"لگ جاتا تو کیا ہو جاتا؟" نائل کو ہمیشہ ہی اس کے اس رویے کی سمجھ نہیں آتی تھی۔ وہ اپنی چیزوں کو لے کر کچھ زیادہ ہی حساس تھی۔ وہ کسی کو بھی اپنی کوئی چیز چھونے نہیں دیتی تھی۔

"آپ مر جاتے بھائی!" وانیہ نے سنجیدگی سے اس کی آنکھوں میں دیکھے کہا تھا۔ نائل کچھ لمحے اسے دیکھتا رہا تھا پھر اچانک ہی وہ ہنس دیا تھا۔

"پین کو چھونے سے میں مر جاتا؟" اس نے جیسے یقین کرنا چاہا تھا۔ وانیہ نے ایک بار پھر سنجیدگی سے سر ہلایا تھا۔

"اس پین کو تو آپ نے بھی چھوا ہے۔ آپ کو کیوں کچھ نہیں ہوا؟" نائل نے لب دبائے شرارت سے پوچھا تھا۔

"کیونکہ یہ پین مجھے پہچانتا ہے۔" اس کے چہرے پر ہنوز سنجیدگی تھی۔ اب کی بار نائل کا قہقہ فلک شگاف تھا۔ وہ اس کی غیر منطقی باتوں کو ہمیشہ مذاق میں اڑا دیتا تھا۔

---

صبح کے وقت ڈائننگ ٹیبل پر سب موجود تھے۔ وانیہ کی حالت قدرے بہتر تھی۔ محسن نے ابھی ابھی انہیں ناشتے پر

جوائن کیا تھا۔

"وانیہ اب کیسی طبیعت ہے؟" وانیہ نے نرم مسکراہٹ اس کی جانب اچھالے اپنی خیریت کی اطلاع دی تھی۔

"ویسے نائل! میں ایک بات سوچ رہا تھا۔" گرینٹی کا سپ لیتے نائل اس کی جانب متوجہ ہوا تھا۔

"کیوں نا ہم وانیہ کے لیے کوئی کیئر ٹیکر رکھ لیں۔" فورک کی مدد سے آملیٹ کا پیس کھاتے وانیہ کے ہاتھ رکے تھے۔

"میرا مطلب ہے کہ تم ہمیشہ تو اس کے ساتھ نہیں رہ سکتے نا... کوئی ایسا شخص ہونا چاہیئے جو گھر کے باہر اور اندر بھی ہر پل وانیہ کا خیال رکھے اور اس کے ساتھ اسی کے کمرے میں رہے تاکہ ہماری وانیہ کو کسی قسم کی کوئی تکلیف نا ہو۔" فورک واپس پلیٹ میں رکھے وانیہ نے ایک قہر برساتی نگاہ محسن پر ڈالی تھی۔

"اگر تم کہو تو میری ایک بھروسے کی جاننے والی لڑکی ہے۔اسے بلا لیتے ہیں۔"

"ہاں ٹھیک ہے۔بلا لو۔" نائل کو محسن کا آئیڈیا اچھا لگا تھا۔وانیہ کی حالت کے پیش نظر یہی بہتر تھا کہ کوئی انسان

سایے کی طرح اس کے ساتھ رہے۔

"وانیہ بیٹا! آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں ہے نا...؟" محسن نے معنی خیز مسکراہٹ اس کی جانب اچھالی تھی۔

"نہیں محسن بھائی! مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔بھائی میرے لیے جو بھی فیصلہ کریں گے وہ ٹھیک ہی ہو گا۔" اس نے بھی ایک خوشگوار مسکراہٹ اس کی جانب اچھالی تھی۔

"بھائی! آپ کو پتا ہے کل نا ہمارے پروفیسر نے ہمیں بہت ہی دلچسپ لیکچر دیا۔" وانیہ اپنی پلیٹ چھوڑے ایکسائیٹڈ ہوئی تھی۔

"اچھا...!" نائل نے دلچسپی سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

"انہوں نے ہمیں بتایا کہ جب کوئی بلاوجہ کسی کے معاملے میں ٹانگ اڑاتا ہے نا، تو بھاری نقصان اٹھاتا ہے۔"

" بالکل ٹھیک بات ہے۔" نائل نے مسکرا کر اس کی بات کی تائید کی تھی۔ محسن نے افسوس بھری نگاہ اس چھٹانک بھر کی لڑکی پر ڈالی تھی، جس کا سارا بچپن اس ہی کی گود میں گزرا تھا اور آج وہ اسے دھمکی دے رہی تھی۔ ماتم

تو اس نے نائل کی عقل پر بھی کیا تھا۔ وہ شخص جو ہر پتے کو بھی مشکوک نگاہ سے دیکھتا تھا، نجانے کیوں اپنی بہن کی حرکتیں اسے نہیں دکھتی تھیں۔

---

بلیک مونسٹر اپنی سیکریٹ جگہ پر اپنے مخصوص کمرے میں سربراہی کرسی پر بیٹھا تھا۔ جب ماریہ اندر داخل ہوئی تھی۔

"ان دونوں کو ایک خاص قسم کا زہر دیا گیا ہے جو کہ مختلف سانپوں کے زہر سے مل کر بنا ہے۔ تمام سانپوں کے زہر کو کیمیکلز کی مدد سے ملا کر کچھ اس قسم کی چیز تیار کی گئی ہے کہ سامنے والا انسان تڑپتا رہے، وہ موت سے بھی بدتر تکلیف محسوس کرے مگر مرے نہیں! اس کا اثر تقریباً ایک ہفتے تک رہے گا اس کے بعد وہ دونوں بالکل ٹھیک ہو جائے گئے۔" اپنی پیشانی مسلتے ڈیوڈ گہری سوچ میں ڈوبا تھا۔

"یہ زہر انہیں دیا کس نے...؟"

"مجھے لگتا ہے یہ شاہین کا کام ہے۔" ماریہ نے اندازہ لگایا تھا۔

"میرا نہیں خیال! اگر شاہین اس سب کے پیچھے ہوتا تو وہ کبھی وانیہ کو اکیلا چھوڑ کر نا جاتا۔" بلیک مونسٹر بالکل ٹھیک کہہ رہا تھا۔

"پھر یہ کام کس کا ہے؟"

"ایک ہفتے تک انتظار کرتے ہیں پھر دیکھتے ہیں کہ آخر اس سب کے پیچھے کس کا ہاتھ ہے۔ مجھے یہ زہر اور زہر بنانے والا کسی بھی قیمت پر چاہیئے۔ "ڈیوڈ کو اس شخص کی ذات میں گہری دلچسپی ہوئی تھی۔ اگر ایک بار یہ شخص اسے مل جائے تو وہ اس کا استعمال کرتے کیا کچھ نہیں کر
سکتے تھے۔

---

حاتم اتوار کے روز اپنے کمرے میں بستر پر اوندھے منہ پڑا سو رہا تھا جب صوفی نے آکر جھنجھوڑ کر اسے اٹھایا تھا۔
"ظہر کا وقت ہو گیا ہے حاتم! اٹھو اور نماز پڑھو۔ "حاتم کے کان پر جوں بھی نہیں رینگی تھی۔
"حاتم اٹھو اور نماز پڑھو۔ "صوفی نے اسے کھینچ کر کشن مارا تھا۔
"اٹھ رہا ہوں۔ "وہ کلس کر اٹھا تھا۔ صوفی حاتم کی بدولت اسلام کے کافی قریب تھی۔ وہ نا صرف پانچ وقت کی نمازی تھی بلکہ ہمیشہ حجاب بھی کرتی تھی۔
"گھر شفٹ ہو رہا ہے اور تم مدد کرنے کے بجائے ہر وقت سوئے رہتے ہو۔"
"یہ گھر شفٹ کرنے والی مصیبت ڈیڈ نے بلاوجہ ہی پال لی۔ "وہ بڑبڑاتا ہوا فریش ہونے چلا گیا تھا۔

---

شام کے وقت صوفی زبردستی حاتم کو پارک لے کر آئی تھی۔ وہاں پر اس بچی کو دیکھ کر حاتم کے سارے موڈ کا بیڑا غرق ہوا تھا۔ اس کی قسمت کی خرابی! اس ٹڈی کی نظر بھی اس پر پڑ گئی تھی۔
"بین...! "وہ بینچ پر بیٹھا ہوا تھا تبھی وہ بھاگتی ہوئی اس تک آئی تھی۔
"تم بہت اچھے دکھتے ہو۔ "وہ آکسائیڈڈ ہو کر اس کے چہرے کے نقوش کو دیکھ رہی تھی۔ وہ اچھا خاصا بدمزہ ہوا تھا۔

"بین! تم یہاں مجھ سے ملنے آئے ہونا...!" وہ اس کے پاس بینچ پر بیٹھ گئی تھی۔ حاتم موبائل نکال کر اس پر مصروف ہو گیا تھا۔

"بین! کیا تم پڑھے لکھے ہو؟" وہ اس کے تھوڑا قریب ہوئی تھی۔

"نہیں! ان پڑھ ہوں۔" حاتم نے منہ کے زاویے بنائے ناگواری سے کہا تھا۔

اس کے تو وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ یہ آفت مصطفی صاحب کی بیٹی تھی۔ وہ گاڑی والے حادثے پر بھی مانو کی والدہ آئی تھیں اور دوسری طرف حاتم کے والد گئے تھے۔ دونوں نے ہی ایک دوسرے کو نہیں دیکھا ہوا تھا۔ ڈنر پر اس انکشاف پر سب ہی حیران ہوئے تھے۔ سب سے شدید جھٹکا تو حاتم کو لگا تھا۔ وہ جس سے بھاگ رہا تھا وہی بار بار اس کے سامنے آ رہی تھی۔

"کیا تم سچ میں پڑھے لکھے نہیں ہو؟" مانو کو جھٹکا لگا تھا تبھی اس نے اپنی سنہری آنکھوں کو حیرت سے پھیلائے پوچھا تھا۔

"نہیں...!" بظاہر وہ اب بھی موبائل پر ہی مصروف تھا۔

"تھوڑے سے بھی نہیں...؟" مانو کی آنکھوں میں آس تھی۔

"نہیں...!" جواب اب بھی وہی تھا۔

"ہائے اللہ! میں تو برباد ہو گئی۔ ایک ہی تو پسند آیا تھا اور وہ بھی جاہل نکلا۔" مانو نے باقاعدہ اپنا ماتھا پیٹا تھا۔ نا چاہتے ہوئے بھی حاتم کا قہقہ چھوٹا تھا۔

"تم نا فکر مت کرو، میں تمہیں پڑھاؤں گی۔" مانو نے ایک عزم سے کہا تھا۔ حاتم تو اس ٹڈی کی بات پر دنگ ہی رہ گیا

تھا۔ یعنی جو اپنا نام تک نہیں بول سکتی تھی وہ اسے پڑھائے گی۔

"پہلے ہم اے بی سی پڑھے گئے پھر اب اور اس کے بعد ففٹی تک کاونٹنگ..."اس نے حاتم کو دلاسہ دیا تھا۔

"مگر مجھے تو ففٹی سے آگے کاؤنٹنگ سیکھنی ہے۔"مانو کارنگ پل میں فق پڑا تھا جبکہ حاتم اس کی حالت سے اچھا خاصا محظوظ ہوا تھا۔

"نہیں اچھے بچے صرف ففٹی تک کاونٹنگ سیکھتے ہیں۔"اس نے اماں دادیوں کی طرح حاتم کو سمجھایا تھا۔

"مگر میں اچھا بچہ نہیں ہوں نا... تم پلیز مجھے ففٹی سے آگے کاؤنٹنگ سکھاؤ۔"

"ففٹی سے آگے کاؤنٹنگ بہت مشکل ہے۔ میں تو بہت ذہین ہوں اس لیے مجھے تو آتی ہے مگر تم یاد نہیں کر سکو گے بین!"حاتم کے لیے ہنسی کنٹرول کرنا بہت مشکل ہو گئی تھی۔وہ گردن پیچھے کی طرف کیے پیٹ پر ہاتھ رکھے ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو رہا تھا۔یہ ٹڈی اتنی بھی بری نہیں تھی۔وہ اس کے بارے میں رائے تبدیل کرنے پر مجبور ہو گیا تھا۔

---

نائل محسن کے ساتھ کسی بزنس پارٹی میں گیا تھا۔اس پارٹی میں شہر کے بڑے بڑے بزنس ٹائیکون انوائیٹڈ تھے۔نائل کسی کے ساتھ محو گفتگو تھا جب اسے اپنے عقب سے جانی پہچانی آواز سنائی دی تھی۔

"ہائے سالے صاحب!"ڈیوڈ نے اس قدر آہستگی سے کہا تھا کہ صرف نائل ہی اس کی آواز سن سکے۔نائل نے گہری سانس خارج کیے اپنے غصے پر قابو پایا تھا۔اس کی یہاں آمد متوقع تھی۔

"کیسے ہیں آپ مسٹر نائل؟"اس کے سامنے آتے ڈیوڈ نے مسکرا کر اپنا ہاتھ آگے بڑھایا تھا۔

"بالکل ٹھیک ہوں مسٹر داؤد!"نائل نے بھی بظاہر گرم جوشی سے اس سے ہاتھ ملایا تھا۔

ڈیوڈ کے اشارہ کرنے پر وہ دونوں ہی باقی سب سے تھوڑا الگ ایک سائیڈ پر گئے تھے۔

"وانیہ کے ساتھ تم نے بہت غلط کیا ہے۔اس کی قیمت چکاؤ گے تم...!"وہ دباد با سا غرایا تھا۔

"مگرابھی تو میں نے کچھ بھی نہیں کیا۔ٹرسٹ می!"ڈیوڈ نے چہرے پر سنجید گی سجائے نائل کو یقین دلانا چاہا تھا۔

"میں تمہیں وارن کر رہا ہوں، میری بہن سے دور رہو۔وہ معصوم ہے۔"نائل نے انگلی اٹھا کر اسے وارننگ دی تھی۔

"تو کیا میں معصوم نہیں تھا؟آپ نے اور آپ کی آئی۔ایس۔آئی ٹیم نے جو کچھ میرے ساتھ کیا۔کیا وہ ٹھیک تھا؟"یہ

وہ سوال تھا جس پر نائل نظریں چرانے پر مجبور ہو گیا تھا۔

"میں مانتا ہوں کہ تمہارے ساتھ غلط ہوا لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم اس ملک کے ہر خاندان کو ہی تباہ کر دو۔"

"میں نے کیا کیا ہے مسٹر نائل آفندی!میں تو بس ایک معمولی سا بزنس مین ہوں۔"ڈیوڈ نے لاپروائی سے کندھے

اچکائے تھے۔

"میں جانتا ہوں کہ تم ہی بلیک مونسٹر ہو۔"اس کے قریب آتے نائل نے سرخی مائل آنکھیں اس کی آنکھوں میں گاڑے

کہا تھا۔

"کیا ثبوت ہے آپ کے پاس؟"ڈیوڈ نے ایک تیکھی مسکراہٹ اس کی جانب اچھالی تھی۔

"بہت جلد مل جائے گا۔"

"ویسے ایک چیز میں بھی جانتا ہوں۔"اس کے قریب آتے ڈیوڈ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا۔نائل نے ضبط سے مٹھیاں بھینچی تھیں۔

"میں جانتا ہوں کہ آپ جانتے ہیں کہ شاہین کون ہے۔"اس کے کان کے قریب سرد سرگوشی کرتے ڈیوڈ پیچھے ہٹا تھا۔

"شاہین سے کہیں کہ اگر اتنی ہی ہمت ہے تو سامنے آئے۔یوں پیٹ پیچھے بزدلوں کی طرح وار نا کرے۔"اس کی بات پر نائل کے لبوں پر طنزیہ مسکراہٹ بکھری تھی۔

"اول تو وہ بزدل نہیں ہے اور دوم تمہارا پیغام اس تک پہنچا دوں گا لیکن سوال یہ ہے کہ تم اسے پہچانو گے کیسے؟"نائل نے اس کا تمسخر اڑایا تھا۔اب کی بار ڈیوڈ کی آنکھوں میں لہو اترا تھا۔

"وہ تمہاری رگ رگ میں بس چکا ہے۔لیکن تم اسے پہچان نہیں سکتے۔"نائل نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھے اسے گو کہ تسلی دی تھی۔

"دیکھ لوں گا میں تمہیں بھی اور اس شاہین کو بھی...!"نائل وہاں سے جا چکا تھا جبکہ ڈیوڈ کا غصے سے برا حال تھا۔

---

گھر شفٹ کرنے کے بعد حاتم کا تکان سے برا حال تھا۔وہ چھپتے چھپاتے بہت مشکل سے وہاں سے نکلا تھا کیونکہ گھر پر ہونے کی صورت میں اسے نا صرف کام کرنے پڑتے بلکہ ساتھ ہی ساتھ ہٹ دھرمی کے طعنے بھی سننے پڑتے۔اس لیے وہاں سے جانا ہی بہتر تھا۔کچھ دیر وہ کالونی میں ادھر سے ادھر گھومتا رہا تھا۔یہ جگہ بہت ہی پر امن اور خوبصورت تھی۔یہاں پر تقریبا شہر کے بڑے بڑے بزنس ٹائیکونز کے بنگلے تھے۔کچھ دیر چلنے کے بعد اس کے قدم

بے اختیار رکے تھے، وجہ سامنے موجود وہ سٹائلش اور قدیم طرز کی حویلی تھی۔ ہاں وہ سٹائلش ہونے کے ساتھ ساتھ کچھ روایتی طرز کی بھی تھی۔ وہ بے اختیار قدم آگے بڑھا گیا تھا۔

ابھی وہ اس حویلی کی خوبصورتی میں ہی کھویا ہوا تھا کہ اسے کہیں بہت پاس سے کسی کے کھلکھلانے کی آواز آئی تھی۔

"ٹڈی...؟" مانو کو باہر پارک میں کھیلتے دیکھ اسے خوشگوار حیرت ہوئی تھی۔

اس حویلی کے بالائی حصے میں ایک چھوٹا مگر خوبصورت قسم کا پارک بنایا گیا تھا۔ جس میں مختلف قسم کے جھولے بھی تھے۔ کھیلتے کھیلتے اس کی نظر حاتم پر پڑی تھی۔ پہلے پہل تو خوشی کے مارے اس کی چیخ ہی نکلی تھی پھر اچانک ہی وہ بھاگتی ہوئی اپنے بڑے سائز کے ٹیڈی بیئر کے پیچھے چھپی تھی۔ اس کی اس حرکت پر حاتم کے ماتھے پر بل پڑے تھے۔ آخر وہ کیوں اس سے چھپ رہی تھی؟

وہ قدم قدم چلتا اس کے قریب گیا تھا۔

"نور...!" حاتم نے آہستگی سے اسے پکارا تھا۔

"کون نور...؟" اپنی بے قابو زبان کو اس نے دانتوں تلے دبایا تھا۔

"میرا مطلب ہے ماہ نور...!" حاتم نے فوراً تصحیح کی تھی۔

"میں ٹیڈی بئیر ہوں۔" خود کو چھپانے کی ناکام کوشش کرتے مانو نے سرگوشی کی تھی۔

"اوہ...!" حاتم نے لبوں کو گول کرتے سر ہلایا تھا۔

"ٹیڈی بئیر کے پیچھے کون ہے؟" حاتم اس کے پاس گھاس پر بیٹھا تھا۔

"کوئی بھی نہیں...!"

"اچھا صحیح!" حاتم نے سمجھتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

"یہ گھر ٹیڈی بئیر کا ہے؟" حاتم نے سامنے موجود حویلی کی طرف دیکھا تھا۔

"نہیں! مانو کا بھی ہے۔" اس کی زبان کبھی رکتی نہیں تھی۔

"مانو کون...؟" حاتم نے وہ ٹیڈی بئیر اس کے آگے سے ہٹایا تھا۔ مانو نے فوراً اپنا چہرہ اپنے ہاتھوں میں چھپا لیا تھا۔

"تم مجھ سے کیوں چھپ رہی ہو؟" حاتم نے اس کے ہاتھ اس کے چہرے پر سے ہٹائے تھے۔

"ہاتھ مت لگاؤ۔" وہ غصے سے پیچھے ہٹی تھی۔

"تم مجھ سے ناراض ہو؟" مانو کا رویہ حاتم کی سمجھ سے باہر تھا۔ وہ تو ہمیشہ ہی اس سے چپکتی تھی تو آج اس گریز کی وجہ...؟

"نہیں! میں ناراض نہیں ہوں لیکن اجنبیوں سے زیادہ بات نہیں کرتے اور نا ہی انہیں خود کو چھونے دیتے ہیں۔" حاتم نے بغور اس ٹڈی کو دیکھا تھا۔ جو کہ خود ہی ہر وقت اس سے چپکتی تھی اور آج اسے لیکچر دے رہی تھی۔ یقیناً اس کے گھر والوں نے اسے سمجھایا ہو گا تبھی وہ یہ سب کہہ رہی تھی۔

"اسی لیے مجھ سے چھپ رہی تھی؟"

"نہیں وہ تو میں کاؤنٹنگ...!" مانو کی زبان کو فوراً ہی بریک لگی تھی۔ مجال تھی جو وہ خاموش رہ سکے۔

"ہاں تم تو مجھے کاؤنٹنگ سکھا رہی تھی نا...؟" حاتم کو اب جا کر کہیں معاملہ سمجھ آیا تھا۔

"بہت مشکل ہے، تم نہیں یاد کر سکتے۔" اپنی کہی بات پر وہ بے حد پچھتائی تھی۔

"میں پوری کوشش کروں گا۔" لب دبائے وہ فل موڈ میں تھا۔

"اچھے بچے ضد نہیں کرتے۔" مانو نے بڑوں کی طرح اسے جھڑکا تھا۔

"تو پھر اچھے بچے کیا کرتے ہیں؟"

"اچھے بچے بڑوں کی بات مانتے ہیں۔"

"مگر تم تو ابھی چھوٹی سی ہو۔"

"میں بہت بڑی ہوں۔ وہ تو بس میرا قد تھوڑا چھوٹا ہے۔" مانو نے گو کہ ناک سے مکھی اڑائی تھی۔

"اچھا! ویسے کتنے سال کی ہو تم؟"

"میں پورے آٹھ سال کی ہوں۔" مانو نے انگلیوں کی مدد سے اسے دکھایا تھا۔

"واہ تم تو بہت بڑی ہو۔" حاتم تو اس کے اعتماد کو سراہے بنا نہیں رہ سکا تھا۔

"تم کتنے سال کے ہو؟" مانو کو اچانک ہی اس کی عمر پوچھنا یاد آیا تھا۔

"میں پندرہ سال کا ہوں۔" مانو کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں۔ اب وہ اپنی انگلیوں پر مسلسل حساب کتاب کر رہی تھی۔

"سات سال بعد میں بھی تمہارے جتنی ہو جاؤں گی۔"

بامشکل وہ صحیح حساب لگانے میں کامیاب ہو ہی گئی تھی۔

"لیکن میں تو تب تک اور بڑا ہو جاؤں گا۔" حاتم نے لب دبائے شرارت سے کہا تھا۔

"تو تم مت بڑے ہونا نا! ہم ساتھ میں بڑے ہو گے۔" حاتم کا قہقہ فلک شگاف تھا۔ یہ لڑکی یا تو بہت زیادہ بیوا قوف تھی یا پھر وہ حاتم کو بیوا قوف بنا رہی تھی۔ لیکن جو بھی تھا، حاتم اس کی باتوں سے محظوظ ضرور ہوتا تھا۔

---

محسن نے اگلے ہی دن اپنی بات پر عمل کرتے وانیہ کے لیے کیئر ٹیکر بھیج دی تھی۔ سعدیہ ہر وقت سایے کی طرح

اس کے ساتھ رہتی تھی۔ محسن نے سعدیہ کو اس پر نظر رکھنے کا کہا تھا۔اور وہ یہی کر رہی تھی مگر اسے وانیہ میں کچھ بھی مشکوک نہیں لگا تھا۔وہ تو ایک نارمل روٹین گزار رہی تھی۔اس کی زندگی بالکل عام لوگوں جیسی تھی۔بس وہ اپنی چیزوں کو لے کر کچھ زیادہ ہی پوزیسو تھی، مگر یہ کوئی بڑی بات نہیں تھی۔

"سعدیہ کیا آپ میرے لیے جوس لے آئے گی؟" وانیہ نے مسکرا کر اسے دیکھا تھا۔

"جی میم! میں ابھی لاتی ہوں۔" وانیہ کی معصوم صورت، اس کا احترام بھرا لہجہ سعدیہ کو بہت بھاتا تھا۔

"آپ پلیز مجھے میم مت کہا کریں۔مجھے بالکل اچھا نہیں لگتا۔" وانیہ کے ہونٹوں پر اب بھی وہی نرم مسکراہٹ تھی۔

سعدیہ بھی جواباً مسکرائی تھی۔

"اچھا مجھے انار کا جوس پینا ہے۔بہت دل چاہ رہا ہے۔" وانیہ نے چہرے پر ازلی مسکراہٹ سجائے کہا تھا۔

"میں ابھی لاتی ہوں۔" سعدیہ مسکرا کر کمرے سے باہر گئی تھی۔

"بائے بائے سعدیہ..." اس کے جانے کے بعد وانیہ دل کھول کر ہنسی تھی۔وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ لال رنگ دیکھ کر اس کی حالت خراب ہو جاتی تھی۔اور نائل تو اس وقت گھر پر موجود تھا۔وانیہ کی خراب حالت دیکھ کر وہ سعدیہ کو ایک لمحے کے لیے بھی برداشت نہیں کرے گا۔تھوڑی دیر بعد سعدیہ کمرے میں داخل ہوئی تھی۔اس کے ہاتھ میں موجود ٹرے کو دیکھ کر وانیہ کی مسکراہٹ سمٹی تھی۔

ٹرے میں ایک بند جوس کا ڈبہ تھا جس میں سٹرا لگا ہوا تھا۔

"مجھے فریش جوس چاہیئے تھا۔" وانیہ اچھا خاصا بے چین ہوئی تھی۔

"میم یہ فریش جوس ہی ہے۔میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے۔" وانیہ نے بدقت ہونٹوں کو مسکراہٹ میں ڈھالے اس کے ہاتھ سے وہ گلاس پکڑا تھا۔

"محسن بھائی! اب آپ اپنی خیر منائیں۔" سٹرا سے جوس پیتے وہ پکا عہد کر چکی تھی۔

---

محسن نائل کے ساتھ کار میں بیٹھا ہوا تھا۔ وہ لوگ کسی ضروری کام سے باہر جا رہے تھے۔ موبائل کی بیپ پر اس نے اپنی جیب سے موبائل نکالا تھا۔ موبائل پر میسیج دیکھ محسن سکتے میں چلا گیا تھا۔ اس کی غائب دماغی کو محسوس کرتے نائل نے اسے پکارا تھا۔

"محسن! کیا ہوا...؟" محسن تو سننے کی صلاحیت سے جیسے محروم ہی ہو گیا تھا۔

"محسن...!" نائل نے اسے کندھے سے ہلایا تھا۔ اب کہیں جا کر اسے ہوش آیا تھا۔

"نائل...!" اس کے گلے سے پھنسی پھنسی سی آواز نکلی تھی۔ اس نے کپکپاتے ہاتھوں سے فون نائل کی جانب بڑھایا
تھا۔

"میں برباد ہو گیا۔" محسن نے بے اختیار اپنے دل کے مقام پر ہاتھ رکھا تھا۔ وہ دل میں درد محسوس کر رہا تھا۔

"محسن...!" نائل نے فوراً گاڑی کو بریک لگائی تھی۔

"اکاؤنٹ خالی ہے۔ کچھ بھی نہیں ہے۔" دل کے مقام پر ہاتھ رکھے وہ جیسے بے بس ہوا تھا۔ نائل نے فوراً پانی کی بوتل اس کے لبوں سے لگائی تھی۔ وہ تیزی سے گاڑی ہسپتال کی جانب بڑھا گیا تھا۔ نائل کا تعلق اپر کلاس سے تھا مگر محسن.... وہ مڈل کلاس سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کے بیٹے کو کینسر تھا۔ اس نے اور ساشا نے نجانے کتنے جتن کر کے ایک
بہت بڑی رقم اکٹھی کی تھی اور آج اپنے اکاؤنٹ میں زیرو بیلنس دیکھ کر اس کی حالت خراب ہو گئی تھی۔

ہسپتال پہنچتے ہی محسن کا چیک اپ کیا گیا تھا۔ اسے ہارٹ اٹیک آتے آتے بچا تھا۔ ساشا کو جیسے ہی معلوم ہوا

تھا،وہ فوراہسپتال پہنچی تھی۔اس نے محسن کو یقین دلایا تھا کہ وہ بہت جلد ناصرف اس شخص تک پہنچ جائے گی بلکہ سارے پیسے بھی ریکور کروالے گی مگر محسن کسی صورت مطمئن نہیں تھا۔دودن بعداس کے بیٹے کا آپریشن تھااور اگر دودنوں میں پیسے ریکور ناہوئے تو...اس کے آگے وہ سوچنا بھی نہیں چاہتا تھا۔نائل نے بھی مدد کا کہا تھا کہ پیسے وہ دے گا مگر محسن اس پر راضی

نہیں ہوا تھا۔

نائل اور محسن دونوں ہی اس بات پر حیران تھے کہ آخر کون ایک سیکریٹ ایجینٹ کا بینک آکاونٹ ہیک کرسکتا ہے،وہ بھی تب جب ساشانے اسے ہر طرح سے سیکیور کرر کھاہو۔

---

پارٹی کے بعد ڈیوڈسب کی نظروں سے بچ کر اپنی گاڑی میں بیٹھا تھا۔مختلف راستوں سے گاڑی کو گزارے وہ نہایت محتاط انداز میں شہر سے کافی دور ایک سنسان جگہ پر پہنچا تھا۔وہ دس منٹ گاڑی میں بیٹھا کسی کا انتظار کرتا رہا تھا۔ٹھیک دس منٹ بعد کوئی شخص گاڑی

کا دروازہ کھولے فرنٹ سیٹ پر بیٹھا تھا۔

"کون ہو تم...؟"ڈیوڈ نے حیرانی سے پوچھا تھا۔

"زندگی...!"جواب سنتے ہی ڈیوڈ کے لبوں پر مسکراہٹ بکھری تھی۔مقابل بیٹھے ماسک لگائے شخص کی بھوری آنکھیں بھی مسکرائی تھیں۔

"مشن کمپلیٹڈ بلیک مونسٹر...!"اس نے ماسک اتارے ڈیوڈ کی طرف دیکھا تھا۔

"شاباش!مجھے تم سے یہی امید تھی اسفند!اس دنیا میں اگر میں کسی شخص پر بھروسہ کرسکتاہوں تو وہ صرف تم ہو۔"وہ سچے دل سے خوش ہوا تھا۔

"آپ کی کرم نوازی ہے۔" اسفند نے سر کو ہلکا سا خم دیے ادب سے کہا تھا۔ لہجے میں ادب تو تھا مگر جھکاؤ اور عاجزی نہیں تھی۔

"اگلا مشن کیا ہے؟"

"شاہین! اسے ڈھونڈھنا ہے۔ مجھے کسی بھی حال میں وہ چاہیئے۔" بھوری آنکھیں ایک لمحے کے لیے چونکی تھیں۔ لبوں پر مدھم سی مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی جسے وہ فوراً چھپا گیا تھا۔

"میں پوری کوشش کروں گا۔"

"کوشش نہیں! مجھے ہر حال میں وہ چاہیئے۔ مجھے تمہارے سوا کسی پر بھروسہ نہیں ہے۔ ایلیکس، ماریہ، جیمز یہ سب کسی بھی وقت مجھے ڈس سکتے ہیں مگر تم... تم پر مجھے پورا اعتماد ہے۔" اسفند نے دو سال پہلے ایک دفعہ ڈیوڈ کی جان بچائی تھی۔ اس کے بعد سے لے کر اب تک وہ ڈیوڈ کے لیے نجانے کیا کچھ نہیں کر چکا تھا۔ ڈیوڈ نا صرف اس پر مکمل طور پر اعتماد کرتا تھا بلکہ مکمل طور پر اس پر انحصار بھی کرتا تھا۔

"میں آپ کا اعتماد کبھی نہیں توڑوں گا بلیک مونسٹر..."

اسفند نے اسے یقین دلایا تھا۔ ڈیوڈ خاصا مطمئن تھا۔

یہاں سے سیدھا وہ اپنے گھر گیا تھا۔ شاور لینے کے بعد وہ نائٹ ڈریس پہنے لائٹ آف کیے بستر پر لیٹا تھا۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد اس کی آنکھ لگی تھی۔ رات کے تقریباً اڑھائی بجے کے قریب کسی چیز کے گرنے کی آواز سے اس کی آنکھ کھلی تھی۔

ڈیوڈ فوراً لائٹ آن کیے بستر سے اٹھا تھا۔ ڈریسنگ ٹیبل کے پاس واس گرا ہوا تھا۔ ڈیوڈ نے فوراً اپنی گن اٹھائی تھی۔

ڈریسنگ ٹیبل کے شیشے پر لال رنگ سے کچھ لکھا ہوا تھا۔

"میں تمہارے بے حد قریب ہوں شاہین!" پڑھتے ساتھ ہی ڈیوڈ کی آنکھیں سرخ ہوئی تھیں۔

اگلے دس منٹ میں ڈیوڈ نے اپنی پوری فوج کو اکھٹا کر لیا تھا۔ پورے بنگلے کا ایک ایک کونہ چھان مارنے کے بعد بھی وہاں کسی کا کوئی سراغ نہیں ملا تھا۔ ڈیوڈ تو غصے سے بالکل پاگل ہو چکا تھا۔ آخر کیسے وہ شخص اس کے گھر اور اس کے کمرے تک پہنچ سکتا تھا۔

ڈیوڈ نے گھر کے تمام سی سی ٹی وی فوٹج چیک کیے تھے۔ ایک شخص کو ہڈی میں دیوار پھلانگتے دیکھا گیا تھا۔ اس کی ہڈی کی بیک سائیڈ پر عقاب بنا ہوا تھا۔

"شاہین...!" شدید غصے کی حالت میں اس نے اپنے ہی دو آدمیوں کو گولیوں سے چھلنی کر دیا تھا۔ یہ شخص اس
اس
کی جان کا عذاب بنا ہوا تھا۔ کب آتا تھا، کیسے آتا تھا، اسے خبر ہی نہیں ہوتی تھی۔

---

نائل محسن کے پاس ہی تھا جب فارم ہاؤس سے ملازمہ نے اسے سنیہا کے سیڑھیوں سے گرنے کی خبر دی تھی۔ وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر فوراً فارم ہاؤس پہنچا تھا۔

ڈاکٹر کے جانے کے بعد وہ کتنی دیر اس کے سر پر کھڑا اسے گھورتا رہا تھا۔ وہ اس کی نظروں سے شدید کوفت محسوس کر رہی تھی۔ مگر اب خود سے اس شخص کو مخاطب کرنا وہ چھوڑ چکی تھی۔ نجانے کیسے سنیہا کی عزت نفس جاگ چکی تھی۔

"یہ سب تم میری توجہ حاصل کرنے کے لیے کر رہی ہو نا؟" سنیہا نے چونک کر سامنے کھڑے بے حس شخص کی جانب دیکھا تھا۔

اس نے ایک بار بھی اس کی خیریت نہیں پوچھی تھی۔ ایک بار بھی اس نے یہ نہیں پوچھا تھا کہ وہ آخر گری کیسے...؟ پوچھا تھا بھی تو کیا... سنیہا نے کرب سے آنکھیں میچی تھیں۔ اس کے لب نیم وا تھے۔ وہ الفاظ کو ترتیب دینے کی کوشش کر رہی تھی مگر وہ الفاظ نہیں ڈھونڈھ پائی تھی۔ ٹانگ پر آئی چوٹ کا درد اس وقت حواسوں پر غالب آیا تھا لہذا اس نے خاموش رہنے کا فیصلہ کیا تھا۔

"کچھ پوچھا ہے میں نے تم سے...؟" بے حسی اور سنگدلی کی انتہا تھی۔

"میں اس وقت سونا چاہتی ہوں۔" اپنی بھرائی آواز پر قابو کرتے اس نے فوراً ہی خود کو مضبوط کیا تھا۔

"ہر چیز کی ایک حد ہوتی ہے سنیہا! میں نائل آفندی ہوں، کوئی عام انسان نہیں... تم مجھے اس طرح نظرانداز نہیں کر سکتی۔" نائل کے لہجے میں ہنوز سختی تھی۔ سنیہا تو بس اسے دیکھتی ہی رہ گئی تھی۔ کہاں تھا وہ احساس، وہ شرمندگی، وہ معافی...؟ وہ شخص اس کی سمجھ سے باہر تھا۔

"نائل پلیز! میں اس وقت بحث کے موڈ میں نہیں ہوں۔" وہ واقعی شدید درد محسوس کر رہی تھی۔ اور اس وقت نائل کی جلی کٹی سننے کا اس کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔

"تم کہنا کیا چاہتی ہو کہ میں بحث کرتا ہوں؟" نائل کو شاک لگا تھا۔ سنیہا نے گہری سانس خارج کیے خود کو کچھ بھی کہنے سے روکا تھا۔

"میں تمہیں وارن کر رہا ہوں۔ آج کے بعد تم مجھے نظرانداز نہیں کرو گی۔ یہ میں برداشت نہیں کر سکتا۔" سنیہا کا سارا ضبط یہی ٹوٹا تھا۔ جو کچھ وہ برداشت کر چکی تھی اس کے بعد اب صبر کا دامن تھامنا ناممکن تھا۔

"تمہیں برداشت کرنا ہوگا بالکل اسی طرح جس طرح میں نے سب برداشت کیا۔ میرے باپ کا مجھے تم جیسے شخص کے ہاتھوں بیچنا، تمہارا ہر ظلم برداشت کرنا، تمام طعنے سننا

اور یہاں تک کہ ایک پاک رشتے کی قیمت لگا کر اسے گالی دینا..."نائل ایک لمحے کے لیے خاموش ہو گیا تھا۔ سارے جواب جیسے ختم ہو گئے تھے۔

"تم پلیز یہاں سے چلے جاؤ۔ تم بالکل بھی اچھے شوہر نہیں ہو بلکہ تم تو شاید اچھے انسان بھی نہیں ہو۔"آنکھیں بند کیے سنیہا نے سسکتے ہوئے کہا تھا۔

"ٹھیک ہے! یہی پڑی رہو۔"وہ غصے سے سر جھٹکتا وہاں سے گیا تھا۔

---

محسن ہسپتال کے بستر پر آنکھیں بند کیے لیٹا ہوا تھا تبھی ساشا دروازہ کھولے اندر داخل ہوئی تھی۔

"محسن...!"اس کے پکارنے پر محسن نے آہستگی سے آنکھیں کھولی تھیں۔

"اکاؤنٹ میں پیسے موجود ہیں۔ میں نے ابھی چیک کیا ہے۔"ساشا نے موبائل محسن کے سامنے کیا تھا۔ اس کا دماغ
صحیح معنوں میں چکرایا تھا۔

"نہیں! مجھے خو زیرو بینک بیلنس کا میسیج آیا تھا۔"

محسن نے اپنا موبائل ساشا کو دیا تھا۔ کچھ دیر سکرول کرنے کے بعد اس نے سکرین محسن کے سامنے کی تھی۔ وہ ہکا بقارہ گیا تھا۔ وہاں کوئی میسیج نہیں تھا۔

"یہ ناممکن ہے۔"اسے اپنے دماغ میں ہتھوڑے بجتے سنائی دے رہے تھے۔ یعنی جس میسج نے اسے ہسپتال کے بستر تک پہنچا دیا تھا، وہ میسج در حقیقت تھا ہی نہیں...

"نائل! نائل نے بھی تو دیکھا تھا نا...!"اسے سو فیصد یقین تھا کہ میسج تھا۔ مگر سوال یہ تھا کہ اب میسج کہاں گیا؟

نائل کے آنے کے بعد محسن نے پہلا سوال اس سے میسیج کا ہی پوچھا تھا۔

"نائل! تم نے میرے فون میں وہ میسج دیکھا تھا نا۔۔۔؟"

"نہیں! میں نے ایسا کچھ نہیں دیکھا۔اس وقت سچویشن ایسی تھی کہ مجھے بھی کچھ سمجھ نہیں آیا۔"ساشا اور نائل نے اسے تسلی دی تھی کہ شاید اس نے اپنے بیٹے کے آپریشن کو کچھ زیادہ ہی سر پر سوار کر لیا ہے مگر محسن مطمئن نہیں تھا۔اسے اچھے سے یاد تھا کہ اس نے میسج دیکھا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وانیہ ماہم کے ساتھ محسن سے ملنے آئی تھی۔نائل کے لاکھ منع کرنے کے باوجود بھی اس نے محسن سے ملنے کی بہت ضد کی تھی،اور وہ ہمیشہ کی طرح آج بھی اپنی بہن کی ضد کے آگے ہار گیا تھا۔

"محسن بھائی کیسے ہیں آپ؟"وانیہ نے گلاب کے پھولوں کا دستہ اس کی جانب بڑھایا تھا۔ محسن نے مسکرا کر وہ گلدستہ تھاما تھا۔

"اچانک سے کیا ہو گیا آپ کو؟"اس کے لہجے میں فکر مندی تھی۔

"کچھ خاص نہیں! اب ٹھیک ہوں میں۔۔۔!"محسن نے عام سے انداز میں کہا تھا۔

"ٹھیک تو ہونا ہی تھا نا! آخر کار پھول جو لے کر آئی ہوں میں آپ کے لیے۔۔۔"وانیہ کے شاکی انداز پر ساشا مسکرا

دی تھی۔

"پھول لانے والی واقعی بہت خاص ہے۔"فروٹس کی پلیٹ کو محسن کی طرف بڑھتے ساشا نے نرمی سے کہا تھا۔

"پھول بھی بہت خاص ہیں۔پورے پچاس لاکھ ساٹھ ہزار اکیس روپے کے پھول ہیں یہ...!" جہاں وانیہ کی بات پر ساشا کھلکھلائی تھی وہیں محسن کی رنگت اڑی تھی۔اس نے چونک کر وانیہ کی جانب دیکھا تھا۔اس کے اکاؤنٹ میں اتنی ہی رقم موجود تھی۔

"تو کیا اس سب کے پیچھے وانیہ...؟" محسن نے بے اختیار اپنی پسینے سے تر پیشانی کو چھوا تھا۔

"وانیہ ہیکر ہے۔" اس کے دماغ نے فوراً ہی گھتی سلجھا دی تھی۔

"مگر کیسے ؟؟" وہ گہری سوچ میں ڈوبا تھا۔وانیہ کا موبائل ٹریس نا ہونا،اپنی چیزوں کو کسی کو نا چھونے دینا،اکاؤنٹ سے پیسے غائب ہونا پھر اچانک ہی واپس آ جانا... یہ سب چیزیں تو یہی بتا رہی تھیں کہ وہ کوئی عام ہیکر بھی نہیں ہے۔ محسن کی اپنی بیوی بھی تو ہیکر تھی یہاں تک کہ وہ آئی۔ایس۔آئی کے لیے کام کر رہی تھی۔ مطلب صاف

ظاہر تھا کہ وانیہ پروفیشنل تھی۔وہ ساشا سے زیادہ جانتی تھی۔

"میں تمہیں ایکسپوز کر کے رہوں گا وانیہ..." محسن نے عہد کیا تھا۔وہ لڑکی کس حد تک اور کیا کیا کر سکتی تھی، محسن یہ جاننا چاہتا تھا۔

---

محسن کی حالت ٹھیک ہونے کے بعد وہ لوگ گھر آئے تھے۔نائل بھی اس کے ساتھ آیا تھا جبکہ دماغ میں صرف سنیہا ہی گھوم رہی تھی۔ کتنی آسانی سے اس نے کہہ دیا تھا کہ

وہ اچھا شوہر تو دور کی بات اچھا انسان بھی نہیں ہے۔حالانکہ نائل نے تو معافی بھی مانگ لی تھی۔

"محسن !کیا تمہارے اور ساشا کے درمیان کبھی جھگڑا ہوا ہے؟"

"روز ہی ہوتا ہے۔" محسن نے اس انداز سے کہا تھا جیسے یہ کوئی بڑی بات نا ہو۔

"میرا مطلب ہے اس نے تم سے کبھی کہا ہے کہ تم بالکل بھی اچھے شوہر نہیں ہو۔" وہ غیر محسوس انداز میں نا صرف سنیہا کے بارے میں سوچنے لگا تھا بلکہ اس کی باتوں کو بھی اہمیت دینے لگے تھا۔

"وہ تو روز ہی کہتی ہے۔ خیریت تو ہے نا؟" محسن کو اس کا اسطرح سوال جواب کرنا بہت عجیب لگ رہا تھا۔

آج سے پہلے تو نائل نے کبھی اس سے اس کی ذاتی زندگی کے بارے میں نہیں پوچھا تھا۔

"اگر ساشا کبھی تم سے ناراض ہو جائے تو تم اسے کیسے مناتے ہو؟" اس سوال پر محسن کے لب مسکرائے تھے۔اب

کہیں جا کر معاملہ اسے سمجھ آنے لگا تھا۔

"میں اسے شاپنگ پر لے کر جاتا ہوں۔" نائل کے چہرے پر ڈھیروں سکون چھایا تھا۔یہ چیز اس نے پہلے کیوں نہیں

سوچی تھی۔ شوپنگ تو لڑکیوں کا پسندیدہ مشغلہ ہے۔وانیہ کو بھی تو شاپنگ بہت پسند تھی۔ یقیناً ہر لڑکی کو ہوتی ہے۔

اس کا مسئلہ تو جیسے حل ہی ہو گیا تھا۔

کچھ دیر خیالوں میں ڈوبے رہنے کے بعد اس کی نظر محسن پر پڑی تھی جو کہ نہایت دلچسپ نظروں سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"کیا ہے؟" نائل نے جھنجھلا کر پوچھا تھا۔

"زن مریدی مبارک ہو۔" محسن نے اسے سلیوٹ پیش کیا تھا۔

"Shut up!"

اسے جھڑکتے وہ سر جھٹکتے وہاں سے اٹھا تھا۔اس کے جانے کے بعد محسن کا قہقہ چھت پھاڑ تھا۔

یہاں سے سیدھا وہ فارم ہاؤس گیا تھا۔ سنیہا کے کمرے میں داخل ہوتے ہی اس نے فورا لائٹ آن کی تھی۔ کمرے میں اچانک روشنی ہونے کی وجہ سے سنیہا کی آنکھ کھل گئی تھی۔ اصل جھٹکا تو اسے نائل کو اپنے سامنے دیکھ کر لگا تھا۔ کم از کم وہ آج دوبارہ اس کی آمد کی توقع نہیں کر رہی تھی۔

"اٹھو چلو جلدی سے تیار ہو جاؤ۔" نائل نے ریسٹ واچ کی طرف دیکھے اجلت بھرے انداز میں کہا تھا۔

اس بیچاری کی تو آنکھ بھی صحیح سے نہیں کھلی تھی۔ بہت مشکل سے وہ بستر پر اٹھ کر بیٹھی تھی۔

"چلو چلو جلدی کرو! ہمیں شاپنگ پر جانا ہے۔"

"جی...؟؟" سنیہا نے اپنی آنکھیں مسلی تھیں۔ یہ خواب تھا یا حقیقت.. خواب میں تو وہ شخص کبھی اسے شاپنگ پر نہیں لے جا سکتا تھا اور حقیقت میں تو یہ بالکل ناممکن تھا۔

"ہم شاپنگ پر جا رہے ہیں۔ تم جلدی سے تیار ہو جاؤ۔" نائل نے بہت عام سے انداز میں کہا تھا۔ سنیہا تو بس اسے دیکھتی ہی رہ گئی تھی۔ کیا وہ اس کی اس حالت کا مذاق اڑا رہا تھا؟ یقیناوہ یہی کر رہا تھا۔

"میرے پیر پر فیکچر ہے۔ میں اس وقت بیڈ ریسٹ پر ہوں۔" صبر کے گھونٹ بھرتے سنیہا نے دانت کچلاتے ہوئے کہا

تھا۔

"تو...؟" نائل نے لاپروائی سے کندھے اچکائے تھے۔ سنیہا کا منہ بے اختیار کھل گیا تھا۔

"دیکھو! میں کچھ نہیں جانتا، تم جلدی سے تیار ہو۔ ہم شاپنگ پر جا رہے ہیں۔" یہ حتمی فیصلہ تھا۔ وہ آنکھیں پھاڑے اسے دیکھتی رہی تھی۔

"کیا یہ اذیت پہنچانے کا نیا طریقہ تھا؟ ہاں! ایسا ہی تھا۔" اس نے فورا اپنے خیال کی تصدیق کی تھی۔

"تمہیں سنائی نہیں دے رہا؟" اس کے لہجے میں سختی در آئی تھی۔ وہ اپنی عادت سے مجبور تھا۔ لڑکیوں سے پیار

سے بات کرنا تو اسے آتا ہی نہیں تھا۔ اب تک اس کی جتنی بھی گرل فرینڈز اور نام نہاد بیویاں تھیں، وہ اس کے اسی ایٹیٹیوڈ اور لکس پر تو فدا تھیں۔ مگر سنیہا اس سب سے متاثر ہر گز نہیں ہوتی تھی۔

"میں اس حالت میں ایک انچ بھی نہیں ہل سکتی۔ تو شاپنگ پر کیسے جاؤں؟" یا تو سامنے کھڑا شخص پاگل تھا یا پھر وہ اسے پاگل بنا رہا تھا۔

"تمہیں پتا ہے تمہارے ساتھ مسئلہ کیا ہے؟" نائل غصے سے اس کی جانب بڑھا تھا۔

"تم نا چاہتی ہی نہیں ہو کہ میں اچھا شوہر بن سکوں۔" وہ تپے ہوئے انداز میں اس کے قریب ہی بستر پر بیٹھا تھا۔

"اچھا شوہر...؟" سنیہا ناسمجھی سے بڑبڑائی تھی۔

"دیکھو! مجھ سے نا یہ بیویوں کے بلاوجہ کے چونچلے نہیں اٹھائے جاتے تو پھر تم مجھ سے ایسی کوئی امید مت رکھنا۔" وہ بیچاری حیران و پریشان سی اسے دیکھتی ہی رہ گئی تھی۔ اس نے کب کوئی فرمائش کی تھی؟ اس نے کب بیویوں والے نخرے دکھائے تھے؟

"میں ہمارے درمیان تعلقات کو بہتر کرنے کی کوشش کر رہا ہوں لیکن شاید تم یہ نہیں چاہتی۔" وہ غیر محسوس انداز میں اس کے مزید قریب ہوا تھا۔ پہلی بار شاید ان دونوں کے درمیان کوئی نارمل گفتگو ہو رہی تھی۔ نائل کا یہی خیال تھا جبکہ سنیہا کا تو دماغ بالکل گھوم کر رہ گیا تھا۔

"مطلب...؟" یہ لفظ اس کی زبان سے خود بخود ادا ہوا تھا، کیونکہ اس وقت دماغ سے تو وہ کچھ سوچ نہیں پا رہی تھی۔

"مطلب صاف ہے کہ تم میرے ساتھ رہنا ہی نہیں چاہتی۔ ایک میں ہوں جو تمہیں شاپنگ پر لے کر جانا چاہتا ہوں تاکہ تم خوش ہو سکو اور ایک تم ہو کہ..." نائل نے افسوس سے سر جھٹکا تھا۔ سنیہا نے اپنے دائیں ہاتھ سے اپنے چکراتے سر کو تھاما تھا۔

"تم ٹھیک ہو؟" اسے اپنا سر تھامتے دیکھ نائل کو تشویش ہوئی تھی۔

"نہیں! میں بالکل بھی ٹھیک نہیں ہوں۔ تم پلیز مجھے کسی پاگل خانے میں ایڈمٹ کروا آؤ۔" اس کی آنکھ سے آنسو گرا

تھا۔ ایک تو پاؤں کی تکلیف، اوپر سے اس پاگل شخص کی بے بنیاد باتیں...

"تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا۔ میں ابھی کال کرتا ہوں۔" نائل نے باقاعدہ اپنا فون جیب سے نکالا تھا۔ اس کے چہرے کی سنجیدگی دیکھ کر سنیہا کا چہرہ سرخ پڑا تھا۔

"تم بہت برے شوہر ہو۔" آنکھوں میں آنسوؤں کا ریلہ امڈ آیا تھا۔ سنیہا نے انہیں بہنے دیا تھا۔

"اب کیا کر دیا میں نے؟" نائل سخت جھنجھلایا تھا۔ ایک تو وہ اچھا شوہر بننے کی کوشش کر رہا تھا اور اس کی بیوی کے نخرے ہی ختم نہیں ہو رہے تھے۔

"تم پلیز چلے جاؤ یہاں سے...!" وہ ہچکیوں کے درمیان بامشکل کہہ سکی تھی۔

"بھاڑ میں جاؤ!" وہ اپنے اچھے شوہر بننے کے ارادے پر لعنت بھیجتا غصے سے وہاں سے اٹھا تھا۔

اب وہ مسلسل ٹیرس پر ادھر سے ادھر ٹہل رہا تھا۔

"یہ لڑکی عزت کے قابل ہی نہیں ہے۔" نائل کا غصے سے برا حال تھا۔ غصہ تو اسے محسن پر بھی آیا تھا کہ اس نے اسے غلط مشورہ کیوں دیا تھا۔ محسن سے وہ بعد میں نپٹنے کا ارادہ رکھتا تھا فالحال وہ اچھا شوہر بننے کی ایک اور کوشش کرنا چاہتا تھا۔ لہذا اس نے اب کسی انسان سے مدد

لینے کے بجائے گوگل کی مدد لی تھی۔

"اچھے شوہر بننے کا طریقہ..." نائل نے باقاعدہ سرچ کیا تھا۔ کسی اور کو اس کی اس حرکت کے بارے میں علم ہو جاتا تو یقیناً اس نے غش کھا کر ہی گر جانا تھا۔

گوگل پر اتنے سارے آئیڈیاز کو وہ ریجیکٹ کر چکا تھا کیونکہ وہ سب کرنا تو سنیہا کو سر پر چڑھانے کے مترادف تھے۔ بہت ڈھونڈنے کے بعد اسے بالآخر ایک آئیڈیا پسند آ ہی گیا تھا۔

---

وہ رات کے اندھیرے میں لیمپ کی مدھم روشنی میں ایک بند کمرے میں کرسی پر بیٹھی مسلسل نوٹ پیڈ پر جھکی کچھ بنانے میں مصروف تھی۔ بیسویں بار اس نے صفحہ پھاڑ پر پھینکا تھا۔ تھوڑی دیر سوچنے کے بعد اس نے پھر پینسل اٹھائی تھی۔ وہ سکیچ بنا رہی تھی۔ اس شخص کا سکیچ جو اسے اس رات سڑک کنارے ملا تھا۔ بہت محنت کرنے کے بعد بالآخر وہ سکیچ بنانے میں کامیاب ہو ہی گئی تھی۔ اس نے خوشی سے اپنے بنائے گئے سکیچ کو دیکھا تھا۔ ماسک میں موجود وہ پراسرار شخصیت... رات ک روشنی میں چمکتی سیاہ آنکھیں...

"شاہین...!" اس کے لب مسکراہٹ میں ڈھلے تھے۔

"بس ایک بار، صرف ایک بار شاہین! کوئی ٹیکسٹ یا کوئی کال ہی کر لو۔ تم دنیا کے کسی بھی کونے میں کیوں نا چھپے ہو، وانیہ آفندی تم تک پہنچ جائے گی۔" وانیہ نے اس کی پرکشش آنکھوں کو چھو کر محسور کن انداز میں کہا تھا۔

اسے اب چیزیں یاد رہتی تھیں۔ وجہ ان دوائیوں کا نا کھانا تھا جو نائل اسے لا کر دیکھتا تھا۔ دیر سے ہی سہی وہ سمجھ چکی تھی کہ ان دوائیوں کے زیر اثر ہی اسے سب بھول جاتا تھا۔

ہاتھ میں سکیچ پکڑے اس نے دیوار پر پن کیا تھا۔ یہ کمرہ وانیہ کے زیر استعمال تھا۔ بظاہر وہ یہاں پینٹنگ کرتی تھی مگر در حقیقت وہ اسی کمرے سے اپنے سارے کارنامے سرانجام دیتی تھی۔

"بلیک مونسٹر، جیمز اور نینا... یعنی مما!" وانیہ نے دیوار پر لکھے سارے ناموں کو چھو کر دیکھا تھا۔

"باقی لوگ کون تھے؟ ایک عورت اور دو آدمی، وہ شخص! کون تھا وہ؟ جس نے مما کے ساتھ..." وانیہ نے کرب سے آنکھیں میچی تھیں۔ اس کی آنکھ سے آنسو بہا تھا۔

"ایک ایک کو ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر ماروں گی۔" اس نے سرخی مائل آنکھوں سے دیوار پر لگے ناموں کی طرف دیکھا تھا۔

"اپنی ماں کا انتقام میں خود لوں گی۔" اس نے ایک عزم سے اپنے آنسو صاف کیے تھے۔

کچھ دیر وہاں رکنے کے بعد وانیہ باہر آئی تھی۔ باہر آتے ساتھ ہی اس کی نظر سامنے کھڑی سعدیہ پر پڑی تھی۔ اسکا حلق تک کڑوا ہوا تھا۔ یہ مصیبت تو اسکے گلے ہی پڑ گئی تھی۔

"میم! اتنی دیر تک آپ کا جاگنا آپ کی صحت کے لیے بالکل ٹھیک نہیں ہے۔" وانیہ نے بدقت مسکرا کر اثبات میں سر ہلایا تھا۔

"کرتی ہوں تمہارا بندوبست..." منہ میں بڑبڑاتی ہوئی وہ کمرے میں گئی تھی۔

---

صبح کے وقت مصطفی آفس کے لیے تیار ہو رہا تھا جب وہ کمرے میں داخل ہوئی تھی۔

"جاناں! ٹائی..." مصطفی نے اپنی بیگم کی طرف دیکھے محبت سے کہا تھا۔

"کوئی کام میرے بغیر بھی کر لیا کریں۔" وہ اپنے شوہر کو شکایتی نگاہوں سے گھورتی ٹائی باندھنے لگی تھی۔

"آپ کے بغیر تو مصطفی سانس بھی نا لے۔" اپنی بیوی کو کندھوں سے تھامتے مصطفی نے نرمی سے کہا تھا۔

"بس کر دیں اب تو، ہماری جوان اولاد ہے۔" سنہری آنکھوں میں شکوہ تھا۔

"اولاد سے یاد آیا، کہاں ہے آپ کا لاڈلہ؟ کب تک واپسی کا پلین ہے؟"

"کل کی فلائیٹ ہے۔اور آپ پلیز میرے بیٹے کو بالکل بھی نہیں ڈانٹیں گے۔"

"جو حکم!" مصطفی نے دل کے مقام پر ہاتھ رکھے تابعداری سے کہا تھا۔

"بیٹی کا بھی کچھ خیال کر لیں۔" مانو نے منہ پھلائے دروازہ ناک کیا تھا۔ مصطفی بوکھلا کر دو قدم پیچھے ہٹا تھا۔

"میں نے کتنی دفعہ سمجھایا ہے کہ اس طرح کسی کی باتیں نہیں سنتے۔" سونی نے اسے ڈپٹا تھا۔

"سونی! میری معصوم بیٹی کو کچھ مت کہا کریں۔" مصطفی نے مانو کو گود میں اٹھاتے اپنی بیوی کو مصنوعی گھوری سے نوازا تھا۔

"جی جی! ایک آپ معصوم اور ایک آپ کی بیٹی معصوم..."

سونی نے شکایتی نظروں سے اپنے شوہر کو گھورا تھا۔

"بھائی کب آ رہے ہیں؟" اپنے باپ سے لپٹتے مانو نے لاڈ سے پوچھا تھا۔

"کل...!" اپنی بیٹی کو گود میں اٹھائے وہ زینے اترتے ڈائینگ ٹیبل کی جانب بڑھ رہے تھے۔

"ڈیڈ! میں پندرہ سال کی کب ہوں گی؟" اس کی پٹر پٹر شروع ہو چکی تھی۔

"پندرہ سال کی کیوں ہونا ہے آپ نے...؟" مانو کو کرسی پر بٹھائے اب وہ اپنی بیگم کے آنے کا انتظار کر رہے تھے جو کہ زینے اترتے آہستگی سے نیچے آ رہی تھی۔

"مجھے بین جتنا بڑا ہونا ہے۔"

"کون بین...؟" مصطفی نے ماتھے پر بل ڈالے پوچھا تھا۔

"میرا دوست بین ٹین...!" مانو نے شرما کر کہا تھا۔ مصطفی کا قہقہ فلک شگاف تھا۔

"چلو! اب ہم ناشتہ کرتے ہیں۔" مصطفی نے اپنی بیٹی کی پلیٹ لگاتے کہا تھا۔

"سونی! میں نے آج اپنے دوست کو ان کی فیملی سمیت انوائیٹ کیا ہے۔ رات کے کھانے کا خاص اہتمام کرنا۔" سونی نے مسکرا کر سر ہلایا تھا۔

"تمہیں یاد ہے ہم جب ان کے گھر گئے تھے ڈنر پر، وہ حال ہی میں یہاں پاس ہی میں شفٹ ہوئے ہیں۔"

"اچھا اچھا!" سونی کو یاد آ ہی گیا تھا۔ اپنی بیٹی کی غلطی کی وجہ سے وہ پہلے ہی کافی شرمندہ تھی۔ نجانے مانو کیوں ان کے بیٹے کی گاڑی میں چھپی تھی۔

---

اچھے شوہر بننے کا عزم لیے وہ تقریبا ایک گھنٹے بعد پھر سنیہا کے کمرے میں گیا تھا۔ وہ بستر پر گہری نیند سو رہی تھی۔ نائل نے اسے جگانے کے لیے ہاتھ آگے بڑھایا تھا۔ پھر نجانے کیوں وہ رک گیا تھا۔ وہ کچھ دیر اس کے چہرے کے نقوش کو دیکھتا رہا تھا پھر وہ اس کے قریب بستر پر بیٹھا تھا۔ نائل نے اس کے چہرے پر جھولتی لٹ کو اپنی انگلی کی مدد سے اس کے کان کے پیچھے اڑسا تھا۔ سنیہا کی آنکھ فورا کھلی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ چیختی، نائل نے اس

کے منہ پر ہاتھ رکھا تھا۔ سنیہا کا دل تو جیسے باہر آنے کو

تھا۔ وہ اس سنگدل کی قربت برداشت نہیں کر سکی تھی۔ اس نے فورا نائل کو خود سے دور دھکیلا تھا۔ اب وہ اپنے گلے پر ہاتھ رکھے گہری گہری سانسیں لے رہی تھی۔

"شرم نہیں آئی تمہیں اتنی گھٹیا حرکت کرتے ہوئے؟" وہ اس پر چڑھ دوڑی تھی۔

Excuse me?"

نائل کو سمجھنے میں دقت پیش آئی تھی۔

"تم میری نیند کا فائدہ اٹھا کر مجھے جان سے مارنا چاہتے تھے نا...؟"

What ...?"

نائل کا دماغ بھک سے اڑا تھا۔ وہ اس کے بارے میں کیا کیا سوچتی تھی۔

"اگر مجھے ایسا کرنا ہوا تو تمہارے جاگتے ہوئے کروں گا۔ نیند میں درد تھوڑی محسوس ہو گا تمہیں۔" نائل کا انداز بالکل عام تھا۔ سنیہا نے نفرت سے منہ پھیرا تھا۔ وہ شخص نہیں سدھر سکتا تھا۔

"میرے کمرے میں کیا کر رہے ہو؟" وہ سیدھا مدعے پر آئی تھی۔ ایک بات تو طے تھی کہ اس کا یہ جلاد شوہر اسے کسی قیمت پر آج سونے تو نہیں دے گا۔

"شاید یہ میرا گھر ہے تو اس حساب سے میں کہیں بھی آ جا سکتا ہوں۔" سنیہا خاموش ہی رہی تھی۔ اس کی حالت اس وقت بالکل بھی ایسی نہیں تھی کہ وہ اس بد دماغ شخص کے ساتھ بحث کر سکے۔

ملازمہ کے دروازہ ناک کرنے پر وہ دونوں چونکے تھے۔ اصل جھٹکا تو سنیہا کو تب لگا تھا جب اس نے ملازمہ کے ہاتھ میں ڈش دیکھی تھی۔ اس ڈش میں دودھ سے بھرا ہوا ایک بڑے سائز کا جگ تھا۔ ملازمہ کے جانے کے بعد سنیہا نے

خوف زدہ نظروں سے نائل کی جانب دیکھا تھا۔ وہ مسکرا رہا تھا یا پھر شاید مسکرانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اپنی بہن کے علاوہ اس نے آج تک کسی سے محبت اور نرمی سے بات نہیں کی تھی۔

"یہ تمہاری صحت کے لیے بہت اچھا ہے۔" اس نے گلاس میں دودھ انڈیلتے سنیہا کی جانب بڑھایا تھا۔ بہت ڈھونڈنے پر جو چیز اسے گوگل سے ملی تھی وہ یہی تو تھی۔

"بیماری کی حالت میں بیوی کا خیال رکھنا..." سنیہا کچھ دیر عجیب نظروں سے اسے دیکھتی رہی تھی پھر اس نے اس کے ہاتھ سے گلاس تھاما تھا۔

تھوڑی دیر بعد اس نے خالی گلاس نائل کو تھمایا تھا۔ دوسرا جھٹکا سنیہا کو تب لگا تھا جب اس نے نائل کو دوبارہ گلاس بھرتے دیکھا تھا۔

"یہ سارا تمہیں ہی پینا ہے۔" نائل اپنے عام سے لہجے سے سنیہا کے چھکے چھڑا گیا تھا۔

"تت... تم سیریس ہو؟" سنیہا نے ایک نظر اس بڑے سائز کے جگ کو دیکھا تھا تو دوسری نظر اپنے شوہر کو... جس کے چہرے پر بلا کی سنجیدگی تھی۔

"میرا تمہارا کیا مذاق...؟" وہ ٹھیک ہی تو کہہ رہا تھا۔ ان دونوں کے درمیان کہاں ایسے تعلقات تھے کہ وہ کوئی بھی بات مذاق میں کہہ سکے۔ لیکن سنیہا کو تو سب مذاق ہی لگ رہا تھا۔ اس کی زندگی اب ایک مذاق بن چکی تھی۔

"تم پلیز یہاں سے چلے جاؤ۔ میں اس وقت تمہیں مزید برداشت نہیں کر سکتی۔" اس نے روندھی آواز کے ساتھ نائل کے آگے باقاعدہ ہاتھ جوڑے تھے۔

"میں تو تمہاری فکر کر رہا ہوں۔" نائل نے جھنجھلا کر کہا تھا۔ وہ لڑکی تو کسی صورت خوش نہیں ہو رہی تھی۔

"پلیز مت کرو۔ تمہیں اللہ کا واسطہ ہے۔" وہ اس وقت بے بسی کی انتہا پر تھی۔

"تم...!" نائل کے لب بھینچ گئے تھے۔

"جا رہا ہوں۔ اب واپس نہیں آؤں گا۔ تم میری توجہ کے قابل ہی نہیں ہو۔" وہ غصے سے سر جھٹکتا وہاں سے اٹھا تھا۔

---

نائل اپنے کمرے میں لیٹا ہوا تھا جب ماہم نے اس کے کمرے کا دروازہ ناک کیا تھا۔ نائل کی آنکھوں میں خوشگوار حیرت

ابھری تھی۔

"کچھ بات کرنی تھی تم سے۔" ماہم کا لہجہ بے حد سنجیدہ تھا۔

"بیٹھیں پھوپھو!" وہ احتراماً کھڑا ہوا تھا۔

"میں نے تمہارے لیے لڑکی ڈھونڈھی ہے۔ اگر تمہیں کوئی اور پسند ہے تو بتادو۔" ماہم نے سپاٹ لہجے میں کہا تھا جبکہ نائل کے چہرے پر ایک رنگ آیا تھا تو دوسرا گیا تھا۔

"میں اس بارے میں کوئی ٹال مٹول برداشت نہیں کروں گی۔ اب بہت وقت گزر گیا ہے نائل! بھول جاؤ اسے..." ماہم نے اس کے فق پڑتے چہرے کی طرف دیکھتے کہا تھا۔

"پھوپھو پلیز...!" اپنے مٹھیاں بھینچے اس نے بے بسی سے احتجاج کیا تھا۔

"نہیں نائل! آج میں تم سے منت کرتی ہوں۔ اپنی زندگی میں آگے بڑھ جاؤ۔ اس لڑکی کو اپنے دل و دماغ سے نکال دو۔" ماہم اس کے مقابل کھڑی ہوئی تھی۔

"کیسے بھول جاؤ؟ بتائیں! کیسے بھول جاؤ؟" تمام تر لحاظ کو سائیڈ پر رکھے وہ چلایا تھا۔ ماہم اس کے انداز پر دنگ رہ گئی تھی۔

"آپ مجھے بھولنے ہی نہیں دیتی۔ ہر بار یاد دلانا ضروری ہے کیا؟ اور جہاں تک بات ہے شادی کی... تو اس کی آپ فکر مت کریں۔ ہر دوسرے دن کرتا ہوں میں۔" وہ غصے سے سرخ پڑتے چہرے کے ساتھ لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے گیا تھا۔

ٹیرس پر آتے ہی اس نے جیب سے لائٹر نکالے سیگریٹ سلگائی تھی۔ چہرہ غصے سے سرخ پڑ چکا تھا۔ ماتھے پر

شکنیں واضح تھیں۔ہاتھوں کی نسیں پھولی ہوئی تھیں۔

"کسے پسند کیا ہے آپ نے میرے لیے ؟اس گوار کو، جو مجھ سے نظریں ملا کر بات تک نہیں کر سکتی۔ارے جو مجھ سے نظریں ملا کر بات نہیں کر سکتی وہ میرے ساتھ قدم سے

قدم ملا کر کیسے چلے گی ؟"سگریٹ کا دھواں ہوا میں چھوڑتے وہ گہری گہری سانسیں لے رہا تھا۔

"مجھے بولڈ اور کانفیڈینٹ لڑکیاں پسند ہیں نا کہ یہ گھریلو ٹائپ...!"اس نے ہاتھ میں موجود سگریٹ کو اپنی مٹھی میں مسلا تھا۔ سگریٹ نے اس کے ہاتھ پر نشان چھوڑے تھے مگر وہ احساسات سے عاری شخص درد محسوس کرنے کی صلاحیت کہاں رکھتا تھا؟

"تمہارے لیے میں زیادہ اہم ہوں یا پھر یہ نمازیں؟"

"کم ان! تھوڑی تو گروم ہو جاؤ۔"

"یہ آپ آپ کیا لگا رکھی ہے۔مجھے 'تم' کہہ کر پکارا کرو۔"نائل نے ضبط سے آنکھیں میچی تھیں۔اس کی آنکھ سے آنسو بہہ کر گال میں کہیں جذب ہوا تھا۔

"نائل...!"ماہم کی آواز پر خیالوں کا تسلسل ٹوٹا تھا۔

"تم ٹھیک ہو؟"ماہم نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا۔نائل نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔وہ چند پل گہری گہری سانسیں لیتا رہا تھا۔

"میں اسے کھلے بالوں میں دیکھنا چاہتا تھا مگر وہ ہمیشہ حجاب لیتی تھی۔اس کی جھکی نظروں سے مجھے کوفت ہوتی تھی۔"نائل کی آواز بھرا گئی تھی۔

"آج وہی جھکی نظریں مجھے یاد آتی ہیں۔اس نے کہا تھا کہ میں ایک دن اسے دنیا کی ہر عورت میں تلاش کروں گا مگر وہ مجھے کہیں نہیں ملے گی۔"اس نے سرخ آنکھوں سے ماہم کی طرف دیکھا تھا۔

"اس نے ٹھیک کہا تھا۔اس نے ٹھیک کہا تھا پھوپھو!" وہ ماہم کے گلے لگا تھا۔نائل کو اس حالت میں دیکھ ماہم کی آنکھیں بھی برسنے لگی تھیں۔

"میں اس سے نفرت کرنا چاہتا ہوں۔وہ دھوکہ باز تھی۔میں پوری کوشش کر رہا ہوں پھوپھو! میں مووآن کرنے کی پوری کوشش کر رہا ہوں۔" ماہم سے الگ ہوتے اس نے جیسے اسے یقین دلایا تھا۔

"تھوڑا وقت اور دے دیں پھوپھو! کرلوں گا شادی۔" اس نے نظریں چرائی تھیں۔وہ ماہم کو نہیں بتا سکا تھا کہ وہ شادی کر چکا ہے۔ماہم نے اس کی حالت سمجھتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

---

ماہم کے وانیہ کی طبیعت خرابی کا بتانے پر نائل فوراً اس کے کمرے کی جانب بھاگا تھا۔وہ بستر پر چت لیٹی ہوئی تھی۔

"وانیہ...!" نائل فکر مندی سے بستر کی جانب بڑھا تھا۔

"بھائی!" وہ اپنا سر تھامتے اٹھ کر بیٹھی تھی۔

"کیا ہوا ہے میرے بچے کو؟" نائل نے اس کے ماتھے پر ہاتھ رکھے اس کا تاپ چیک کیا تھا۔

"کچھ نہیں! بس سر میں تھوڑا درد ہے۔" وہ مدھم سا مسکرائی تھی جبکہ آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے واضح تھے۔

"آپ اپنا خیال کیوں نہیں رکھتی؟" نائل نے اسے پیار سے ڈانٹا تھا۔

"بھائی پلیز! میرے سر میں بہت درد ہے۔کیا آپ پلیز مجھے میڈیسن دے دیں گے۔وہاں سامنے ہی کہیں پڑی ہے۔" اس نے ٹیبل کی طرف اشارہ کیا تھا۔

"ہاں میرا بچہ! کیوں نہیں..." وہ مسکراتے ہوئے سامنے رکھی میز کی جانب بڑھا تھا۔ ٹیبل کے پاس پہنچتے ہی کسی چیز کے پیر کے نیچے آنے کی وجہ سے اس کا پیر پھسلا تھا۔ بیلنس برقرار رکھنے کے لیے اس نے بک شیلف کا سہارا لیا تھا۔ اس کے شیلف پر ہاتھ رکھتے ہی کتابوں کا انبار نیچے گرا تھا۔ ان کتابوں کے درمیان کچھ اور بھی تھا۔ نائل نے جھک کر اس چیز کو اٹھایا تھا۔

"کیمرہ...؟" نائل نے الٹ پلٹ کر اس چھوٹے سے کیمرے کو دیکھا تھا۔ اب اس نے بک شیلف کا جائزہ لیا تھا۔ وہاں ایک جگہ پر ایک سوراخ کیا گیا تھا۔ یعنی یہ کیمرہ فکس کیا
گیا تھا۔ کتابوں کے گرنے کے ساتھ وہ بھی نیچے گر آیا تھا۔

"بھائی میڈیسن ملی؟" وانیہ کی آواز پر وہ ہوش میں آیا تھا۔

"ہاں میری جان!" نائل نے اب وہ کیمرہ اپنے کوٹ کی جیب میں رکھا تھا۔ ادھر ادھر متلاشی نظروں سے دیکھنے کے بعد اسے دوائی کا پتا مل گیا تھا۔ وانیہ کو دوائی کھلائے وہ اسے سونے کی تاکید کرتے کمرے سے باہر گیا تھا۔

"سعدیہ کو بلاؤ۔" اس نے اپنی گھر کی ایک ملازمہ کو حکم صادر کیا تھا۔

وہ لاؤنج میں موجود صوفے پر ٹانگ پر ٹانگ جمائے بیٹھا تھا جب سعدیہ وہاں آئی تھی۔

"یہ کیا ہے؟" بغیر کسی لگی لپٹی کے اس نے وہ کیمرہ سامنے ٹیبل پر پٹخے پوچھا تھا۔

"یہ... یہ تو کیمرہ لگ رہا ہے۔" سعدیہ نے بغور اس چھوٹے سائز کے کیمرے کو دیکھا تھا۔

"وانیہ کے کمرے میں یہ کیمرہ کیا کر رہا تھا؟" نائل نے ایک سخت نگاہ اس پر ڈالی تھی۔

"جی...؟؟ میں سمجھی نہیں..." نائل کی قہر زدہ نگاہوں نے اسے خوف میں مبتلا کر دیا تھا۔

"اب سمجھ جاؤ گی۔" ایک جھٹکے سے اٹھتے ہی اس نے سعدیہ کو گلے سے دبوچا تھا۔ اس کی سانسیں اکھڑنے لگی تھیں۔

"نائل! یہ کیا کر رہے ہو تم...؟" محسن ابھی ابھی گھر کے اندر داخل ہوا تھا۔ اس نے فوراً سعدیہ کو اس کی گرفت سے چھڑوایا تھا۔

"یہ سوال تو مجھے تم سے پوچھنا چاہیئے۔ آخر یہ کیمرہ میری بہن کے کمرے میں کیا کر رہا تھا؟" سعدیہ کو چھوڑ کر وہ محسن پر غرایا تھا۔

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو نائل؟" محسن کو زبردست شاک لگا تھا۔

"سیدھی طرح بتاؤ، کون ہو تم اور کس مقصد کے تحت یہاں آئی ہو؟" نائل ایک بار پھر غصے سے سعدیہ کی جانب بڑھا تھا۔ وہ اپنا گلا پکڑے کھانستے ہوئے پیچھے قدم اٹھا رہی تھی۔

"بتاؤ ورنہ وہ حشر کروں گا کہ زندگی بھر یاد رکھو گی۔" شور شرابے کی وجہ سے وانیہ اور ماہم دونوں ہی وہاں آئی تھیں۔

"میں بے قصور ہوں۔ میں نے صرف وہی کیا جو مجھے کرنے کے لیے کہا گیا تھا۔" وہ روتے ہوئے مسلسل اپنا گلا سہلا رہی تھی۔

"کس نے کہا؟" وہ دھاڑا تھا۔

"محسن سر نے کہا تھا کہ وانیہ میڈم کے کمرے میں کیمرہ فکس کرنا ہے۔ وہ خود ان کی ہر حرکت پر نظر رکھے گے۔"

ایک چھت ہی معنوں وہاں موجود سب افراد پر گری تھی۔ نائل نے بے یقینی سے محسن کی طرف دیکھا تھا۔

محسن کا دماغ تو خود سعدیہ کی بات پر ماؤف ہو چکا تھا۔

"نائل! یہ سب جھوٹ ہے۔ وانیہ میری بہنوں

جیسی ہے۔ میں اتنی پنچ حرکت کرنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔" نائل کی خاموشی اسے شدید تشویش

میں مبتلا کر گئی تھی۔

"تم یہاں سے چلے جاؤ محسن!" نائل نے نہایت ضبط کے ساتھ کہا تھا۔

"تمہیں مجھ پر یقین نہیں ہے؟" اس کے اندر بہت کچھ ٹوٹا تھا۔

اس نے سعدیہ کو وانیہ پر نظر رکھنے کا ضرور کہا تھا مگر اتنی گری ہوئی حرکت کرنے کا وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

"میں اس وقت کچھ نہیں سننا چاہتا۔ تم پلیز یہاں سے چلے جاؤ۔" نائل نے صبر کا بھرپور مظاہرہ کیا تھا۔ محسن نے ایک نظر سعدیہ پر ڈالی تھی جس کا چہرہ بالکل سپاٹ تھا

اور اب اس نے اس کی سیدھ میں کھڑی بلا کو دیکھا تھا جس کے لبوں پر تپا دینے والی مسکراہٹ تھی۔

سعدیہ تو محسن کی بے حد وفادار تھی۔ وہ بکنے والوں میں سے نہیں تھی۔ نجانے وانیہ نے ایسا کیا کیا تھا کہ سعدیہ جھوٹ بول رہی تھی۔ محسن شکست خور قدموں سے واپس پلٹ گیا تھا۔ سعدیہ کو گھر سے نکال دیا گیا تھا اور ان سب میں اگر کوئی سب سے زیادہ خوش تھی تو وہ وانیہ تھی۔

---

نائل اپنے کمرے میں موجود صوفے پر اضطراب کی حالت میں بیٹھا تھا۔ آج جو کچھ بھی ہوا، وہ اس کی سمجھ سے باہر تھا۔

"مجھے پتا ہے کہ تم یقین نہیں کرو گے لیکن میں پھر بھی تمہیں سچ بتاؤں گا۔وانیہ جیسی دکھتی ہے ویسی ہے نہیں۔میرے اکاؤنٹ سے جو پیسے غائب ہوئے تھے اس کے پیچھے وانیہ تھی،اور تم دیکھ لینا،وہ سعدیہ کو زیادہ عرصے تک برداشت نہیں کرے گی۔وہ ضرور اسے اس گھر سے نکالوانے
کے لیے کچھ ناکچھ کرے گی۔نائل میں جانتا ہوں کہ وانیہ تمہاری بہن ہے مگر پلیز!تم ایک دفعہ اپنی آنکھوں پر سے یہ محبت کی پٹی ہٹا کر دیکھو۔سب صاف نظر آجائے گا تمہیں..."نائل نے بے اختیار اپنی پیشانی مسلی تھی۔

محسن کی کہی ساری باتیں اسے شک میں مبتلا کر گئی تھیں۔محسن کبھی بھی اتنی گری ہوئی حرکت نہیں کر سکتا تھا یہ بات تو وہ اچھے سے جانتا تھا۔مگر وانیہ...اس کی معصوم بہن!وہ یہ سب کیسے کر سکتی تھی؟

"وانیہ بچی ہے۔وہ غلطی تو ضرور کر سکتی ہے مگر یہ ہیکنگ...یہ اس کے بس کی بات نہیں ہے۔"نائل نے خود کو تسلی دی تھی۔وہ اپنی جگہ ٹھیک بھی تھا کیونکہ وانیہ تو بامشکل پاس ہونے والے سٹوڈنٹس میں سے تھی اور کمپیوٹرز کے سسٹمز کو جاننا اس کے لیے بہت مشکل تھا وہ تو ایک اسائمینٹ بھی نائل کی مدد کے بغیر نہیں بنا سکتی تھی تو پھر آکاونٹ ہیک کرنا تو بہت دور کی بات تھی۔

---

وانیہ یونیورسٹی سے واپسی پر اپنی گاڑی میں بیٹھنے ہی لگی تھی جب محسن نے اسے پکارا تھا۔

"وانیہ...!"وہ فوراً پلٹی تھی۔

"مجھے تم سے بات کرنی ہے۔"وانیہ نے لاپروائی سے کندھے اچکائے تھے۔اسے محسن سے بات کرنے میں کوئی اعتراض
نہیں تھا۔

وہ دونوں یونیورسٹی میں موجود کیفے میں بیٹھے تھے۔وانیہ کے بھورے کھلے بال بار بار اس کے چہرے پر آکر اسے ستا رہے تھے۔وہ اپنے بالوں کو سمیٹنے میں مصروف تھی جب محسن نے بات کا آغاز کیا تھا۔

"میرے آکاونٹ کو ہیک کیوں کیا تھا؟"وانیہ نے نا سمجھی سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

"تمہارے اور میرے علاوہ یہاں کوئی نہیں ہے۔تو تم سچ بول سکتی ہو۔"محسن کی بات پر وہ مسکرا دی تھی۔

"آپ میرے بھائی کو مجھ سے کیوں چھیننا چاہتے ہیں؟"اپنی جگہ سے تھوڑا آگے ہوتے اس نے غصے سے پوچھا تھا۔

"میں ایسا کیوں کروں گا؟"محسن اس کی بات پر حیران ہوا تھا۔کم از کم یہ وہ جواز نہیں تھا جس کی وہ توقع کر رہا تھا۔

"آپ انہیں مجھ سے بدگمان کرنا چاہتے ہیں۔"وہ اپنی بات پر مصر تھی۔محسن نے بغور سامنے بیٹھی لڑکی کی جانب دیکھا تھا۔وہ اسے اس وقت ایک نہایت ہی جذباتی اور بیوقوف ٹین ایجر لگی تھی۔

"میرے اور میرے بھائی کے درمیان جو بھی آئے گا میں اسے نقصان پہنچاؤں گی۔"وانیہ کی بات پر محسن نے اپنی پیشانی مسلی تھی۔یہ سب اس کی توقعات کے بالکل برعکس تھا۔وہ تو نجانے وانیہ کے بارے میں کیا کیا سوچ رہا تھا مگر وہ تو سب کچھ اپنی ان سکیورٹیز کی وجہ سے کر رہی تھی۔

"ہیکنگ کہاں سے سیکھی؟"وہ اس کی بے بنیاد باتوں کا جواب نہیں دے سکتا لہذا وہ مدعے پر آیا تھا۔

"آتی ہے مجھے شروع سے۔۔۔!"وانیہ نے ناک سے مکھی اڑائی تھی۔

"کیسے۔۔۔؟؟"محسن کو تجسس ہوا تھا۔

"شوق ہوا تو کوشش کرتی رہی،خود بخود ہی آگیا۔"وانیہ نے عام سے لہجے میں کہا تھا۔

"کیمرہ کس نے لا کر دیا تمہیں۔۔۔؟"وہ خاموش رہی تھی۔

"میں کچھ پوچھ رہا ہوں وانیہ...؟"

"اپنی ایک دوست سے منگوایا تھا۔"اس نے کوئی صفائی نہیں دی تھی اور نا ہی وہ اپنے کیے پر شرمندہ تھی۔ محسن نے ضبط سے مٹھیاں بھینچی تھی۔

"سعدیہ نے جھوٹ کیوں بولا؟" تحمل کا مظاہرہ کرتے محسن نے اگلا سوال پوچھا تھا۔

"دھمکایا تھا میں نے اسے تھوڑا سا..."انداز اب بھی عام ہی تھا۔

"میرے علاوہ اور کس کس کا اکاؤنٹ ہیک کیا ہے تم نے؟"

"کسی کا بھی نہیں کیا۔"

"مجھ سے جھوٹ مت بولو وانیہ! ایسا نا ہو کہ میں نائل کو سب کچھ بتا دوں۔"

"وہ آپ کی بات پر یقین نہیں کرے گے۔"لہجہ پر اعتماد تھا۔وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ اس کا بھائی صرف اسی پر بھروسہ کرے گا۔

"یقین نا بھی کرے مگر کم از کم وہ سوچے گا تو سہی،اور اگر اس نے ایسا کچھ بھی سوچا تو وہ بہت جلد سب جان جائے گا۔"وانیہ کے گلے میں گلٹی ابھری تھی۔

"یونیورسٹی میں سٹوڈنٹس جس کا کہتے ہیں کر دیتی ہوں۔بدلے میں وہ لوگ مجھے پے کرتے ہیں۔"دھمکی کارآمد ثابت ہوئی تھی۔وانیہ کسی بھی صورت نائل کو کھونا نہیں چاہتی تھی۔

"تمہیں پتا ہے یہ کتنا بڑا جرم ہے؟"محسن کو وانیہ پر شدید غصہ آیا تھا۔

"میں نے کچھ غلط نہیں کیا۔میں تو بس..."

"نائل نے کہاں کمی چھوڑی ہے جو تمہیں اس سب کی ضرورت پڑ گئی؟ وہ تمہاری ہر خواہش تو پوری کرتا ہے۔" محسن کا بس نہیں چل رہا تھا کہ سامنے موجود
چھٹانک بھر کی لڑکی کو دو کھینچ کر ہی لگا دے۔

"ایسی بات نہیں ہے۔ میں یہ سب صرف شوقیہ طور پر کرتی ہوں۔" وانیہ نے اسے یقین دلایا تھا۔

"میں نائل سے بات کرتا ہوں۔"

"نہیں محسن بھائی پلیز! میں وعدہ کرتی ہوں آئیندہ کسی کا اکاؤنٹ ہیک نہیں کروں گی۔ بھائی کے سامنے بھی اپنی غلطی تسلیم کر لوں گی کہ کیمرہ میں نے ہی فکس کیا تھا مگر آپ پلیز انہیں ہیکنگ والی بات مت بتائیں گا۔" وہ منت کرتے کرتے رو دی تھی۔

"دیکھو بیٹا! میں آپ کا دشمن نہیں ہوں اور نا ہی میں آپ کو نائل سے دور کرنا چاہتا ہوں۔ میں بس اتنا کہہ رہا ہوں کہ
یہ ٹھیک کام نہیں ہے۔ اپ کا ٹیلنٹ کسی غلط ہاتھ بھی لگ سکتا ہے۔ بہتر یہی ہے کہ دوبارہ اس قسم کی کوئی حرکت نا
ہو۔"

"میں وعدہ کرتی ہوں بھائی! دوبارہ ایسا کچھ نہیں ہوگا۔" اپنے آنسو صاف کرتے اس نے محسن کو یقین دلایا تھا۔

"اس کے علاوہ کچھ اور تو نہیں چھپا رہی نا آپ...؟" وانیہ نے فوراً نفی میں سر ہلایا تھا۔

محسن کے جانے کے بعد وہ کچھ دیر سپاٹ چہرہ لیے وہاں بیٹھی رہی تھی۔ عائزہ اسے ڈھونڈتے ہوئے اس کے پاس پہنچی تھی۔

"تم نے انھیں سب بتا دیا؟" کرسی پر بیٹھتے اس نے بے چینی سے پوچھا تھا۔

"ہاں!" وانیہ کا لہجہ اب بھی سپاٹ تھا۔ عائزہ کے چہرے کی رنگت فوراً اڑی تھی۔ وہ بے یقینی سے وانیہ کو دیکھتی رہی تھی۔ وانیہ نے اپنی نظروں کا رخ اس کے چہرے کی جانب کیا تھا پھر اچانک ہی وہ ہنس دی تھی اور پھر ہنستی ہی

چلی گئی تھی۔

"میں نے ان کا شک دور کر دیا۔" اس نے بہت فخر سے اپنا کارنامہ بیان کیا تھا۔ عائزہ کی تو سانس اب کہیں جا کر بحال ہوئی تھی۔

"تم کسی دن بہت برا پھنسو گی وانیہ!" عائزہ نے اسے وارن کیا تھا۔

"میں نے کبھی کچھ غلط نہیں کیا۔ اگر میرے ٹیلنٹ کی وجہ سے کسی کا فائدہ ہوتا ہے تو اس میں برائی ہی کیا ہے؟" وانیہ نے بالوں کو جھٹکا دیے شانے اچکائے تھے۔

"تم ملک اور بیرون ملک کے بڑے بڑے بزنس مینز کے راز دوسروں تک پہنچاتی ہو۔ سیاستدانوں کے راز فاش کرتی

ہو۔ یہ بہت خطرناک کام ہے وانیہ!" عائزہ نے اسے ڈرانا چاہا تھا۔

"میری مجبوری ہے۔" ٹھوڑی پر ہاتھ رکھے اس نے منہ بسورا تھا۔

"بس کر دو، اچھی طرح جانتی ہوں کہ یہ سب تم کیوں کرتی ہو۔" وہ اس کی دوست تھی۔ اسے اچھے سے جانتی

تھی۔

"لوگ مجھ سے کنٹیکٹ کرتے ہیں اور دوسروں کے راز جانتے ہیں۔ بدلے میں میں چارج کرتی ہوں۔ میں ان سے وہ سب مانگتی ہوں جو مجھے چاہیئے ہوتا ہے۔ کبھی کوئی بہت ہی قیمتی پتھر، کبھی کسی بہت ہی خاص اور زہریلے سانپ یا بچھو کا زہر یا کبھی کوئی ڈیوائس... ان سب چیزوں کا استعمال کر کے میں کچھ نیا بناتی ہوں، کچھ الگ... یہ میرا مشغلہ ہے۔ میں اسے نہیں چھوڑ سکتی۔" وانیہ نے گہری سانس خارج کرتے کرسی کی پشت سے ٹیک لگایا تھا۔

"بھائی مجھے بالکل بچوں جیسا ٹریٹ کرتے ہیں۔ بلاوجہ مجھ پر پابندیاں لگاتے ہیں۔ گارڈز کو میرے سر پر مسلط کر
دیتے ہیں۔ میں ان سب چیزوں سے تنگ آچکی ہوں۔ مجھے آزادی چاہیئے۔ مجھے پڑھائی نہیں کرنی، مجھے شادی کرنی
ہے۔ مجھے شاہین کے ساتھ زندگی گزارنی ہے مگر یہ بات میں اپنے منہ سے کیسے کہوں اور میں تو یہ بھی جانتی کہ شاہین ہے کون؟" وانیہ نے بے بسی سے آنکھیں میچی تھیں۔ عائزہ خاموشی سے اسے سن رہی تھی۔

"ٹھیک ہے مجھے اٹیکس آتے ہیں مگر اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ میں ہر وقت قید میں رہوں۔" وہ نائل کی پابندیوں
سے بہت تنگ تھی۔ اب اسے راہ فرار چاہیئے تھی۔

"میں یہ سب صرف سکون کے لیے کرتی ہوں۔ جب میں اس قید سے نکل جاؤں گی تو چھوڑ دوں گی یہ سب..." وانیہ یہ سب صرف فن کے لیے کرتی تھی، ڈپریشن سے دور رہنے
کے لیے... نئی نئی چیزیں بنانا اس کا سٹریس ریلیز کرتا تھا۔ وہ نائل کو یہ سب نہیں بتا سکتی تھی کیونکہ وہ اسے یہ سب نہیں کرنے دے گا۔ محسن کی طرح اسے بھی یہ سب کرائم اور غیر قانونی ہی لگے گا۔

رات کے وقت نائل نے ایک ریسٹورنٹ کے باہر گاڑی روکی تھی۔ گاڑی سے نکلتے ہی اس نے ایک طائرانہ نظر اپنے ارد گرد ڈالی تھی۔ کوئی بھی کسی بھی وقت اس کا پیچھا کر سکتا
تھا۔ وہ ہمیشہ ہی محتاط رہتا تھا۔ ریسٹورنٹ کے اندر داخل ہوتے ہی وہ زینے چڑھتا اوپر والے پورشن میں گیا تھا۔ ایک ٹیبل کے پاس پہنچے اس کے لب مسکرائے تھے۔

"اسفند...!" نائل کے پکارنے پر سامنے بیٹھا شخص چونکا تھا پھر اگلے ہی لمحے وہ فوراً اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اس نے بہت گرم جوشی سے نائل کو گلے لگایا تھا۔ نائل نے بھی اس کی پیٹ تھپتھپائی تھی۔ وہ لوگ اتنے دنوں بعد مل رہے تھے۔

رسمی سی علیک سلیک کے بعد وہ دونوں ہی بیٹھے تھے۔

"کیسے ہو اسفند عرف..." نائل نے جان کر جملہ ادھورا چھوڑا تھا۔ مقابل کے لبوں پر مدھم مسکراہٹ ابھری تھی۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں آپ کیسے ہیں؟"

"میں بھی ٹھیک ہوں بس آج کل کوئی نئی لڑکی ڈھونڈھ رہا ہوں، شادی جو کرنی ہے۔" نائل نے سنجیدگی سے کہا تھا۔

یہ سنجیدگی اس کے مزاج کا حصہ تھی۔

"اگر مجھے کوئی ملی تو ضرور بتاؤں گا۔" مقابل نے لب دبائے کہا تھا۔ نائل نے جیب سے کاغذ نکالے مقابل کے سامنے رکھا تھا۔ کاغذ کو الٹ پلٹ کر دیکھنے کے بعد مقابل نے قلم اٹھایا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اسے کیا کرنا ہے۔

"تمہارے ہاتھ پر چوٹ لگی ہے تم سائن کیسے کرو گے ؟"اس کے دائیں ہاتھ پر بندھی پٹی کو دیکھ کر نائل نے فکر مندی سے کہا تھا۔

"شاید آپ بھول رہے ہیں۔ میں دونوں ہاتھوں سے لکھنے کی صلاحیت رکھتا ہوں۔" مسکراتے ہوئے مقابل نے کاغذ پر قلم گھسیٹا تھا۔ وہ سائن نہیں تھا، یہ بات وہ دونوں ہی جانتے تھے مگر بظاہر دکھنے میں وہ سائن ہی تھا۔ وہ دائیں اور بائیں دونوں ہاتھوں سے بالکل ٹھیک لکھ لیتا تھا۔ دونوں ہاتھوں کی ہینڈ رائٹنگ میں انچ برابر بھی فرق نہیں تھا۔

" چلیں...؟"نائل کے اشارہ کرنے پر دونوں ہی اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

شہر سے کافی دور آکر نائل نے گاڑی روکی تھی۔ سارا راستہ خاموشی سے کٹا تھا۔ وہ ضرورت سے زیادہ محتاط رہتے

تھے۔ کوئی بھی بات کرنے سے پہلے وہ ہزار بار سوچتے تھے۔

گاڑی سے باہر نکلتے ہی دونوں نے اپنا چہرہ ماسک سے ڈھکا تھا۔ اسفند نے اپنی ہڈی پہنی تھی۔ ہڈی کی بیک سائیڈ پر عقاب بنا ہوا تھا۔ جنگل کے اندر سے گزرتے وہ ایک مخصوص

جگہ آکر رکے تھے۔ دونوں نے ہی اپنے فونز گاڑی میں چھوڑ دیے تھے۔ اس وقت ان کے پاس کوئی ڈیوائس بھی نہیں تھی۔ یہ جگہ نائل نے مختص کی تھی۔ وہ ہمیشہ اس جگہ پر بات کرنے آتے تھے۔ یہاں نیٹ ورک کا کوئی نام ونشان نہیں تھا اور نا ہی دور دور کسی انسان کا...

"مشن کہاں تک پہنچا شاہین؟"نائل نے گفتگو کا آغاز کیا تھا۔

"یہ ہماری سوچ سے زیادہ پیچیدہ ہے۔ وقت لگے گا۔" مقابل کے جواب پر وہ بھڑک اٹھا تھا۔

"اتنا وقت تو گزر چکا ہے اب اور کتنا وقت لگے گا؟"

"میں پوری کوشش کروں گا کہ ایک سال کے اندر اندر ہی یہ مشن مکمل ہو جائے۔"لہجہ ٹھہرا ہوا اور ادب سے بھرپور تھا۔

"کوشش نہیں کرنی ہے۔ تمہیں یہ کرنا ہے۔"نائل نے رات کے گھپ اندھیرے میں سامنے موجود درخت پر ایک زوردار پنچ مارا تھا۔

"آپ بے فکر رہیں، ایسا ہی ہو گا۔"

"جلدی سے ختم کرو اس مشن کو... ایک اور ذمہ داری انتظار کر رہی ہے تمہارا..."نائل کی بات پر وہ چونکا تھا پھر اگلے ہی لمحے آنکھوں میں چمک ابھری تھی۔

"میں اس قابل نہیں ہوں۔"اس نے مدھم آواز میں کہا تھا کیونکہ مقابل کا ردعمل وہ اچھی طرح جانتا تھا۔

"Just shut up!"

نائل نے اسے ہمیشہ کی طرح اس بار بھی بری طرح جھڑکا تھا۔

"آپ نے اس سے پوچھا کہ وہ کیا چاہتی ہے؟"

"وقت آنے پر پوچھ لوں گا اور مجھے یقین ہے کہ وہ میرے فیصلے کا احترام کرے گی۔"

"میری زندگی کی کوئی گارنٹی نہیں ہے۔"چاند کی روشنی میں اس کے چہرے پر بے بسی صاف واضح تھی۔

"گڈ! میری بھی نہیں ہے۔"نائل نے اس کی بات ہوا میں اڑائی تھی۔

"آپ اپنی بہن کو زبردستی میرے سر پر مسلط کر رہے ہیں۔"یہ احتجاج تھا۔

"میرے پاس کوئی دوسرا آپشن نہیں ہے۔"

"اگر میں اسے خوش نا رکھ سکا تو...؟"لہجے میں خوف تھا۔

"وہ جانتی ہے کہ اسے کیسے خوش رہنا ہے۔اور تم وانیہ کے لیے بہترین انتخاب ہو۔" نائل نے اس کا کندھا تھپتھپایا تھا۔

"مگر اولین نہیں! میں آپ کا اولین انتخاب نہیں ہوں۔" نائل ایک لمحے کے لیے خاموش ہو گیا تھا۔اپنے پیروں تلے موجود مٹی کو اپنے بوٹ سے مسلتے وہ کچھ دیر سوچتا رہا تھا۔شاید وہ الفاظ ترتیب دے رہا تھا۔

"وہ محض ایک غلطی تھی۔" اپنے بوٹوں کی طرف دیکھتے نائل آہستگی سے گویا ہوا تھا۔

"اگر وانیہ کی تین شادیاں بھی ہو جائے نا تو میرا چوتھا انتخاب تم ہی ہو گے۔" اس بات وہ ہنس دیا تھا اور پھر ہنستا ہی چلا گیا تھا۔

"اور مجھے لگا کہ شاید میں دوسرا آپشن ہوں مگر مجھے تو چوتھے نمبر پر رکھا گیا ہے۔"

"سدھر جاؤ۔" نائل نے اسے تنبیہہ کی تھی۔

دونوں کے درمیان کافی دیر بات چیت ہوتی رہی تھی پھر وہ دونوں ہی وہاں سے گئے تھے۔

---

صبح کے تقریباً نو بجے وانیہ نے نائل کے کمرے کا دروازہ بجایا تھا۔نائل نے خوشدلی سے اسے اندر آنے کی اجازت دی تھی۔

"بھائی وہ مجھے آپ سے ضروری بات کرنی تھی۔" انگلیوں کو مڑورتے اس نے نظریں جھکائے کہا تھا۔لاکھ بندھ باندھنے کے بعد بھی اس کی آنکھیں چھلکنے لگی تھیں۔

"وانیہ...!" ہمیشہ کی طرح وہ آج بھی اس کے آنسوؤں پر تڑپ اٹھا تھا۔

"بھائی...!" وہ بھاگتے ہوئے اس کے گلے لگی تھی۔نائل کے سینے سے لگی وہ اب ہچکیوں سمیت رو رہی تھی۔

''میں نے جان کر نہیں کیا۔ میں ڈر گئی تھی۔ مجھے لگا تھا کہ محسن بھائی آپ کو مجھ سے دور کر دیں گے۔ بس اسی لیے میں نے ... !'' بات ادھوری چھوڑے وہ ایک بار پھر رو دی تھی۔

''اس لیے آپ نے اپنے کمرے میں کیمرہ لگایا تھا۔'' وانیہ نے چونک کر سر اٹھایا تھا۔ اس کا شک بالکل درست تھا، نائل

اس بارے میں جانتا تھا۔

''مجھے معاف کر دیں بھائی!'' اس نے شرمندگی سے نظریں چرائی تھیں۔

''کوئی بات نہیں! لیکن دوبارہ ایسا کچھ نہیں ہونا چاہیئے۔'' نائل نے پیار سے اس کا گال تھپتھپایا تھا۔ وانیہ کی آنکھوں خوشی سے ٹمٹما اٹھی تھیں۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ ہمیشہ کی طرح اسے اس بار بھی معافی ہی ملنی تھی۔

نائل اور محسن کا شک دور کرنے کے لیے یہ سب قبول کرنا بے حد ضروری تھا۔ اب وہ باآسانی اپنا کام جاری رکھ سکتی تھی۔

---

نائل کی لاکھ منتیں کرنے کے بعد بالآخر وانیہ مزار پر جانے کی اجازت لے ہی آئی تھی۔ نائل اور ماہم دونوں ہی حیران

ہوئے تھے جب وانیہ نے انہیں منت مانگنے کا کہا تھا۔ وہ دونوں ہی اچھے سے جانتے تھے کہ وانیہ کو مذہب میں کبھی کوئی دلچسپی نہیں رہی تھی۔ یہاں آنے کا اصل مقصد ایک الیکٹرانک ڈیوائس حاصل کرنا تھا جو کہ اس کے کسی پروجیکٹ کے عوض اسے ملنی تھی۔ وہ خود کبھی بھی سامنے نہیں آتی تھی۔ ہمیشہ ہی وہ کسی نا کسی انجان کو بھیجتی تھی۔ وہ ضرورت سے زیادہ محتاط رہنے والوں میں سے تھی۔

آدھے گھنٹے انتظار کرنے کے بعد اسے میسیج آیا تھا۔اج اس کا سامان ڈیلیور نہیں ہو سکتا تھا۔اسے شدید غصہ آیا تھا۔ مگر اس نے تحمل کا بھرپور مظاہرہ کیا تھا کیونکہ یہ ڈیوائس اس کے لیے بہت اہم تھی۔

وہ کچھ دیر مزار کے پچھلے حصے میں ٹہلتی رہی تھی۔واپس جانے کا فلحال کوئی موڈ نہیں تھا۔گارڈز مزار کے دروازے کے باہر ہی رکے تھے۔یہ بھی ان منتوں کا ہی کمال تھا جو اس نے نائل کی کی تھیں۔

تیز ہوا کے جھونکے بار بار اس کے حسین چہرے سے ٹکرا رہے تھے۔ہرے اور سفید رنگ کے امتزاج کے فراک میں ملبوس وہ ادھر ادھر ٹہلتی رہی تھی۔ہمیشہ کی طرح آج بھی بال کھلے ہی ہوئے تھے جنہیں وہ بار بار سنبھالنے کی کوشش کر رہی تھی۔اچانک ہی اس کی نظر ایک درخت کے نیچے بیٹھی عورت پر پڑی تھی۔وہ کچھ عجیب وغریب
حلیے میں ملبوس تھی۔یہ کوئی بڑی بات نہیں تھی کیونکہ یہ مزار تھا۔مگر اس عورت کا سب سے الگ تھلگ بیٹھنا وانیہ کو کھٹکا تھا۔وہ اسے کچھ پراسرار لگی تھی۔وانیہ نے اس کی جانب قدم بڑھائے تھے۔

"کون ہو تم...؟"اس کے سر پر کھڑے ہوتے وانیہ نے ہاتھ باندھے استفسار کیا تھا۔

اس عورت نے اسے نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا تھا۔

"اماں میرا ہاتھ دیکھ کر میرا مستقبل بتانا...!"ایک عورت ڈورتی ہوئی اس تک آئی تھی۔اب وہ اس بوڑھی عورت کے پیر پکڑے منتیں کر رہی تھی۔تقریباً پانچ منٹ یہ سلسلہ چلتا رہا تھا پھر وہ عورت تھک ہار کر اس بوڑھی عورت کو برا بھلا کہہ کر وہاں سے چلی گئی تھی۔

اس عورت کے جانے کے بعد وانیہ اس بوڑھی عورت کے پاس بیٹھی تھی۔

"کیا تم مجھے میرا مستقبل بتا سکتی ہو؟"پہلی بار اس عورت نے نظر اٹھا کر سامنے بیٹھی لڑکی کو دیکھا تھا۔

"جتنے پیسے کہو گی،اتنے دوں گی۔"وانیہ کی بات پر اس عورت نے واپس اپنا سر جھکا لیا تھا۔

"جس کے پاس خود کچھ نہیں ہے۔وہ مجھے کیا دے گی؟"

وانیہ کا تو سارا چہرہ ہی سرخ پڑ گیا تھا۔

"میں وانیہ آفندی ہو۔میرے پاس سب کچھ ہے۔تم جتنا کہو گی میں اتنا دوں گی۔"

"میں یہ کام چھوڑ چکی ہوں۔"اس عورت نے آہستگی سے کہا تھا۔

"کیوں...؟"وانیہ کو ہمیشہ سے ہی ایڈوانچرز کا شوق تھا۔اور اس پر اسرار عورت سے گفتگو کرنا اسے ایک نیا ایڈونچر ہی لگ رہا تھا۔

"جب مستقبل کو اللہ نے پوشیدہ رکھا ہے تو میں کون ہوتی ہوں اسے بتانے والی...؟"وانیہ چند لمحے اس عورت کو گھورتی رہی تھی پھر اچانک ہی اس کا قہقہہ چھوٹا تھا۔

"اگر اتنی ہی اللہ والی ہو تو مزار پر کیوں پڑی ہو۔یہاں پر تو صرف قبریں ہیں اور شرک ہے۔"انداز طنزیہ تھا۔

"اللہ کی قدرت ہر جگہ ہے۔یہاں رہنے کا واحد مقصد پیٹ بھرنا ہے۔"

"کیوں...؟کیا تمہارا اللہ تمہارے گھر میں تمہارا پیٹ نہیں بھر سکتا؟"وہ واضح طور پر مذاق اڑا رہی تھی۔

"اللہ تو بھر سکتا ہے مگر اس کے بندے...اس کے بندے مزاروں پر دیگیں تو چھڑوا دیتے ہیں مگر کبھی کسی سفید

پوش کے گھر کھانا نہیں پہنچاتے۔میرا بیٹا بھوک سے مر گیا تو میں نے ساری سفید پوشی کو لات مار کے یہاں اپنا بسیرا کر لیا۔"وانیہ کو افسوس ہوا تھا۔وہ دیر خاموش بیٹھی رہی تھی پھر اس نے اپنے بیگ سے چند نوٹ نکال کر اس عورت کی جانب بڑھائے تھے۔

"اب ان کی ضرورت نہیں ہے۔جب تھی تب تم نے نہیں دیے۔"اس عورت کی بات پر وانیہ کے ماتھے پر شکنیں ابھری

تھیں۔

"اگر تمہارا بیٹا بھوک سے مر گیا تو اس میں میرا کیا قصور؟ مجھے تھوڑی معلوم تھا کہ تمہارا بیٹا بھوکا ہے؟"

"معلوم نہیں تھا تو معلوم کرنا چاہیئے تھا نا... لیکن تم لوگ تو اپنے محلوں سے باہر نکلنے کی زحمت ہی نہیں کرتے۔"

اس عورت کا تلخ لہجہ وانیہ کے تن بدن میں آگ لگا گیا تھا۔

"تم لوگ ہمدردی کے قابل ہی نہیں ہو۔" اپنا بیگ سنبھالتے وہ غصے سے اٹھی تھی۔

"لیکن تم تو ہمدردی کے قابل ہو۔ مجھے ترس آرہا ہے تجھ پر..." اس کی بات پر وانیہ الٹے پاؤں واپس گھومی تھی۔

"اپنی حالت دیکھو اور مجھے دیکھو۔ کون ہے ترس کے قابل...؟" لہجہ حقارت آمیز تھا۔

وہ عورت اپنی لاٹھی پکڑے بامشکل کھڑی ہوئی تھی۔

"میں نے ہاتھ دیکھنا چھوڑ دیا ہے لیکن چلو آج میں تمہیں تمہارا چہرہ پڑھ کر بتا دیتی ہوں۔"

"جھوٹ... صرف جھوٹ...!" اس عورت کی بات اسے مزید طیش دلا گئی تھی۔

"اگر اتنا ہی پتا ہے تمہیں تو مجھے میرا ماضی بتاؤ۔" یہ کھلا چیلنج تھا۔

"ماضی... راز، حال... جھوٹ اور مستقبل... کھٹن۔ اپنے تمام تر غرور کے ساتھ منہ کے بل گرو گی۔" اپنی لاٹھی پکڑے اب وہ مسلسل آگے قدم بڑھا رہی تھی۔

"بھاڑ میں جائے مستقبل اور حال... مجھے صرف ماضی جاننا ہے۔ کیا تم بتا سکتی ہو کہ نین کون ہے؟" وانیہ نے آگے بڑھ کر اس کا راستہ روکا تھا۔

"اس کے بدلے تم جو کہو گی میں دینے کو تیار ہوں۔" وہ ان سب چیزوں پر یقین نہیں رکھتی تھی لیکن اپنے ماضی کی کھوج نے اسے پاگل کر دیا تھا۔ وہ کسی بھی حد تک جانے
کے لیے تیار تھی۔

"جس کے پاس اپنی پہچان ہی نہیں ہے۔ وہ مجھے کیا دے گی؟" وانیہ ایک لمحے کے لیے ساکت ہو گئی تھی۔

"تم... تم کہنا کیا چاہتی ہو؟"

"وقت سب سمجھا دے گا۔" وانیہ نے گہری خارج کرتے خود کو نارمل کیا تھا۔

"مجھے ان فضول باتوں میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ مجھے صرف اتنا بتاؤ کہ کیا میری ماں ہی نین تھی یا نہیں؟"

وہ عورت چند لمحے مسکرا کر اسے دیکھتی رہی تھی پھر اس نے اپنے پرانے تھیلے سے غلاف میں لپٹی ہوئی ایک چیز وانیہ کی جانب بڑھائی تھی۔

"وقت سب سمجھا دے گا۔" یہ کہتے ساتھ ہی وہ آگے بڑھ گئی تھی۔ وانیہ ہاتھ میں وہ غلاف پکڑے ساکت کھڑی رہی تھی۔

---

اپنی گاڑی سے باہر نکلتے ڈیوڈ مختلف گلیوں سے گزرتا ایک گھر کے اندر گیا تھا۔ صبح صبح کے وقت وہ ٹریکنگ سوٹ میں ملبوس تھا۔ سیاہ بال پیشانی پر بکھرے ہوئے تھے۔ ہلکی
بڑھی ہوئی ڈارھی اسے مزید دلکش بنا رہی تھی۔

گھر کے اندر داخل ہوتے ہی وہ لاؤنج سے گزرتا ہوا آگے بڑھا تھا۔ ایک کمرے کے پاس پہنچتے اس نے دروازہ ناک کیا تھا۔

اجازت ملنے پر وہ اندر داخل ہوا تھا۔ کمرے میں مدھم مدھم سی روشنی تھی۔ کوئی شخص کرسی پر بیٹھا مسلسل تسبیح کے دانے گرا رہا تھا۔ اس کے لب ہل رہے تھے۔ ڈیوڈ مسکراتا ہوا اس سمت بڑھا تھا۔ اب وہ پاس رکھی گئی ایک کرسی پر بیٹھا انتظار کر رہا تھا۔ تقریباً دس منٹ بعد اس شخص نے تسبیح چوم کر بہت احترام سے ایک سائیڈ پر رکھی تھی۔

"آپ مجھ سے ناراض ہیں بابا؟" ڈیوڈ نے آہستگی سے پوچھا تھا۔

"تو کیا نہیں ہونا چاہیئے؟" مقابل کے لہجے میں بے پناہ سختی تھی۔

"مجھے یہ سب ٹھیک نہیں لگ رہا تھا۔ بس اسی لیے..."

"ڈیوڈ! تم کب سے احساسات رکھنے لگ گئے؟ تم تو بلیک مونسٹر ہو۔ بلیک مونسٹر احساسات نہیں رکھ سکتا۔"

"ایسی بات نہیں ہے مگر مجھے یہ ٹھیک نہیں لگا۔ لڑکیوں کے ذریعے سمگلنگ کرنا تو ٹھیک ہے مگر میں انہیں اس طرح عربی شہزادوں کے بستروں کی زینت بنانے کے سخت خلاف ہوں۔" ڈیوڈ نے ہاتھوں کو مس کیے اپنے جوتوں پر نظریں جمائی تھیں۔

"کن لڑکیوں کی بات کر رہے ہو تم...؟ جو خود چند تحائف کے عوض اپنا آپ بیچ دیتی ہیں۔ یہ لڑکیاں کو ٹھوں پر پائی جاتی ہیں۔ مگر ہم تو انہیں امراء کو بیچ کر ان کی زندگیاں سنوار رہے ہیں۔ ساری زندگی عیش کرے گی اور ہمیں دعائیں دے گے۔" مقابل اپنی چادر اوڑھے کرسی سے اٹھا تھا۔ اس کے اٹھنے کے چند لمحے بعد تک کرسی ہلتی رہی تھی۔ ڈیوڈ اب بھی گہری سوچ میں ڈوبا تھا۔

"تمہیں کیا ہو گیا ہے ڈیوڈ؟" اس کے پاس جاتے اس شخص نے ڈیوڈ کے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا۔

"آپ ٹھیک کہتے ہیں مگر نجانے کیوں مجھے کبھی کبھی ایسا لگتا ہے کہ کہیں کچھ غلط ہے۔ کہیں ہم کچھ غلط تو

نہیں کر رہے بابا؟"ڈیوڈ نے سوالیہ نظروں سے سامنے کھڑے شخص کی جانب دیکھا تھا۔

"نہیں! ہم کچھ غلط نہیں کر رہے۔غلط تو ہمارے ساتھ ہوا ہے بلکہ تمہارے ساتھ ہوا ہے۔"اس نے ایک افسوس بھری نگاہ ڈیوڈ کی جانب ڈالی تھی۔

"تم بھول گئے کیسے اس ملک نے تم سے تمہارا سب کچھ چھین لیا۔تمہارے خوشحال گھرانے کو اجاڑ دیا۔کیا قصور

تھا تمہارے ماں باپ کا...؟کیا قصور تھا تمہاری معصوم بہن کا...؟"ڈیوڈ کی آنکھوں میں خون اترا تھا۔

"کس نے مارا تھا تمہاری بہن کو...؟"سامنے کھڑا شخص واضح طور پر اسے بھڑکا رہا تھا۔

"نائل آفندی...!"ڈیوڈ کے ہاتھوں کی نسیں پھول گئی تھیں۔اندر کا شیطان جاگ گیا تھا۔اسے جگایا گیا تھا۔

"اور نائل آفندی کا تعلق کہاں سے ہے؟"

"آئی۔ایس۔آئی سے...!"آگ برساتی آنکھوں سے وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"برباد کر دوں گا میں اسے، میں اسے تڑپا تڑپا کر ماروں گا۔میں اس ملک کے ہر گھر کو تباہ کر دوں گا۔جس طرح میرا خاندان تباہ ہوا ہے بالکل اسی طرح میں سب کچھ تباہ کر دوں گا۔"طیش کی حالت میں اب وہ چیزیں اٹھا اٹھا کر پٹخ رہا تھا۔

سامنے کھڑے شخص نے اسے نہیں روکا تھا۔وہ یہی تو چاہتا تھا۔ڈیوڈ کے اندر موجود لاوے کو باہر لانا...

کافی دیر تک وہ چیزوں پر اپنا غصہ نکالتا رہا تھا پھر وہ ہانپتے ہوئے تھک ہار کر زمین پر بیٹھا تھا۔

"مجھے انجیکشن چاہیئے۔"مقابل کے لبوں پر مسکراہٹ ابھری تھی۔یہی تو وہ چیز تھی جو ڈیوڈ کو یہاں کھینچ لاتی تھی۔اسے ڈرگز کا عادی بنایا گیا تھا۔

یہی توان لوگوں کا کام تھا۔نوجوان لڑکوں کو کڈنیپ کرنا،ان کا برین واش کرنا،انہیں ڈرگز کا عادی بنا کران کی معصومیت چھین لینا،انہیں شیطان بنادینا...ڈیوڈ کے ساتھ بھی یہی کیا گیا تھا۔مگر اپنی بے پناہ صلاحتیوں اور بہادری
کی بناپر وہ ہر کام بہت پھرتی سے کرلیتا تھا۔وہ جسمانی اور دماغی دونوں طرح سے طاقتور تھا۔یہی وجہ تھی کہ سیم کے جانے کے بعد اسے اس منصب کے لیے چنا گیا تھا۔اور ڈیوڈ کی بدولت آج وہ لوگ انڈر ورلڈ پر راج کررہے تھے۔
ان میں سے کچھ مسلمان تھے تو کچھ عیسائی اور کچھ ایتھیسٹ... لیکن سب ہی ملک کے غدار تھے۔

---

ڈیوڈ کے جانے کے بعد فورا الیکس کمرے میں داخل ہوا تھا۔وہ اس تمام صورت حال میں دوسرے کمرے میں موجود ایک چھوٹے سے سوراخ سے سب دیکھ رہا تھا۔کیونکہ اس
طیش کی حالت میں ڈیوڈ اس کمرے میں موجود شخص کے علاوہ ہر کسی کو نقصان پہنچا سکتا تھا۔
"ڈوز بڑھانی پڑے گی الیکس! ڈیوڈ کے اندر کی انسانیت ایک بار پھر سے جاگ رہی ہے۔" بدر کی بات پر الیکس بھی سوچ میں پڑ گیا تھا۔
"اس کے اندر کے الاوے کو مزید ہوا دو۔ ہم اتنا کامیاب صرف اور صرف ڈیوڈ کی وجہ سے ہیں۔ میں اسے کسی قیمت پر کھونا نہیں چاہتا۔"
"مجھے کبھی کبھی اس سے ڈر لگتا ہے۔" الیکس ہمیشہ سے ہی ڈیوڈ سے خوف محسوس کرتا تھا۔وجہ اس کا غصہ اور تحکمانہ انداز تھا۔

"اس سے ڈرنے کے بجائے اس سے دوستی کرو۔ جہاں تک مجھے لگتا ہے۔اس سب کے پیچھے وہ لڑکی ہے۔ڈیوڈ اس کے لیے احساسات رکھتا ہے۔اس لڑکی کو ختم کر دو۔نائل کی بہن کو مار دو۔"

"میں یہ نہیں کروں گا۔ڈیوڈ کی دی ہوئی اذیت ناک زندگی
نہیں چاہیئے مجھے... اس سے بہتر ہے کہ آپ مجھے اپنے ہاتھوں سے ہی ماردیں۔"

"ایسا بھی کیا خاص ہے اس لڑکی میں جو ڈیوڈ اس کے پیچھے اتنا دیوانہ ہے؟"

"میں نہیں جانتا! لیکن مجھے اتنا ضرور معلوم ہے کہ جب بات اس لڑکی پر آئے گی تو ڈیوڈ اور نائل دونوں ہی ایک ہو سکتے ہیں۔"

"پھر تو وہ لڑکی ہمارے لیے صرف خطرہ ہے۔اسے مار دو۔لیکن کچھ ایسا کرنا کہ اس کی موت قدرتی لگے۔نائل اور ڈیوڈ دونوں ہی کو شک نا ہو۔" بدر کی بات پر الیکس ایک بار پھر سوچ میں پڑ گیا تھا۔بدر ٹھیک کہہ رہا تھا۔وہ لڑکی محض خطرہ تھی۔ لیکن ایک بات سے دونوں ہی انجان
تھے کہ وہ لڑکی ڈیوڈ اور نائل دونوں سے بھی بڑا خطرہ
اور مصیبت تھی جو انہیں ناک و چنے چبوانے کی صلاحیت
رکھتی تھی۔

"ہم نائل کو مار کر سارا قصہ ہی کیوں نہیں ختم کر دیتے؟"

"نائل کو نہیں مار سکتے۔وہ اہم ہے۔اسے ماردیں گے تو شاہین تک کیسے پہنچے گے؟ اور ویسے بھی اس کے پاس بہت سارے راز ہیں۔اس کے مرتے ساتھ ہی سارے راز دفن ہو جائے گے۔"

"ٹھیک ہے! میں اس لڑکی کا بندوست کرتا ہوں۔" اندر سے کہیں نا کہیں وہ ڈرا ہوا تھا کیونکہ ڈیوڈ کو اگر اس بات کا علم ہو جاتا تو... اس کے آگے وہ سوچنا نہیں چاہتا تھا۔

"جلد از جلد اس لڑکی کا بندوبست کرواور ہاں! اس بات کو یقینی بناؤ کہ ڈیوڈ کو کبھی بھی سچ معلوم نا ہو۔ اسے کبھی پتا نہیں چلنا چاہیئے کہ اس کے خاندان کی بربادی کے پیچھے آئی۔ ایس۔ آئی یا نائل آفندی نہیں بلکہ ہم تھے۔" بدر

کی بات پر الیکس اثبات میں سر ہلاتے باہر گیا تھا۔

---

ڈیوڈ اضطراب کی حالت میں ادھر سے ادھر ٹہل رہا تھا جبکہ اسفند صوفے پر بیٹھا مسلسل اس کی حالت سے محظوظ ہو رہا تھا مگر بظاہر وہ فکر مند تھا۔

"بلیک مونسٹر! ہم سب ریکور کر لے گے۔"

"کیسے کر لیں گے؟" کرسی کو اٹھا کر زمین پر پٹختے وہ دھاڑا تھا۔

"کیا ہے وہ شخص...؟ کون ہے وہ...؟ کون جن، کوئی دیو یا پھر کوئی اور مخلوق...؟ ہر جگہ پہنچ جاتا ہے۔ اتنی محنت سے میں نے یہ ڈرگز کی سمگلنگ کروائی تھیں لیکن اس نے... اس نے سب برباد کر دیا۔" غصے سے اس کا چہرہ تمتما اٹھا تھا۔

"میں اسے ڈھونڈھ لوں گا بلیک مونسٹر! آپ بے فکر رہیں۔"

کھڑے ہوتے ساتھ ہی اسفند نے اسے تسلی دی تھی۔

"اسے جلد از جلد ڈھونڈ و اسفند! میں اپنے ہاتھوں سے اس کا گلا دباؤ گا۔ میں اسے اذیت ناک موت دوں گا۔ اس کی ہمت تو دیکھو! میرے گھر میں، میرے کمرے میں وہ میرے ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے پر مجھے ہی دھمکی دے کر چلا گیا۔" اسفند کے لب ایک لمحے کے لیے مسکرائے تھے مگر اگلے ہی لمحے اس نے اپنے چہرے پر سنجیدگی سجالی تھی۔

"اسفند! ڈیوڈ شاہین سے ملنا چاہتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم اس کی یہ خواہش پوری کر دو۔ اسے بتاؤ کہ دشمن اس
کے کتنا قریب ہے۔ اس ہی کے کمرے میں اسے ہی دھمکاؤ۔" نائل کی بات یاد کرتے اسفند کی آنکھوں میں ایک بار پھر چمک ابھری تھی۔

"آپ فکر نا کریں بلیک مونسٹر! میں بہت جلد اسے لا کر آپ کے قدموں میں پٹخوں گا۔" اسفند کی بات پر وہ تھوڑا ریلیکس ہوا تھا۔ اسے اسفند پر مکمل بھروسہ تھا۔ وجہ اس کے کام کرنے کا انداز تھا۔ وہ ڈیوڈ کے لیے بہت بڑے بڑے کام کر چکا تھا۔ وہ اس کا بھروسہ جیت چکا تھا۔

---

گھر تک کے سفر میں وانیہ وہ غلاف کھولنے کی ہمت نہیں کر سکی تھی۔ وہ ایک عجیب قسم کا خوف محسوس کر رہی تھی۔ اپنے کمرے میں آتے ساتھ ہی اس نے دروازہ لاک کیا تھا۔ اب اس نے اپنے بیگ سے وہ غلاف میں لپٹی چیز نکالی تھی۔ اسے بستر پر رکھے وہ کچھ دیر سوچتی رہی تھی۔ وہ ایک نڈر اور بہادر لڑکی تھی لیکن اسے کھولنے
میں وہ خوف محسوس کر رہی تھی۔

"ماضی... راز حال... جھوٹ اور مستقبل... کھٹن۔ اپنے تمام تر غرور کے ساتھ منہ کے بل گرو گی۔" ذہن میں اب بھی اس عورت کی باتیں گردش کر رہی تھیں۔ اپنا سر جھٹکتے اب وانیہ نے آگے بڑھ کر وہ غلاف اٹھایا تھا۔ اسے کھولنے کے بعد اب وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اندر موجود چیز کو الٹ
پلٹ کر دیکھ کر رہی تھی۔

"آئینہ...؟" وانیہ کی کان کی لوئیں تک سرخ ہوئی تھیں۔

"پاگل عورت...!" اس نے غصے سے آئینے کو نیچے فرش پر پٹخا تھا۔ آئینہ میں دراڑ آ گئی تھی۔ "کیا مصیبت ہے؟" اپنا سر تھامتے وہ بستر پر ڈھے گئی تھی۔ کوئی بھی اس کی مدد کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ اسے خود ہی ہر راز کی تلاش کرنا تھا۔

"اگر سچ جاننا ہے تو ایک اور اٹیک آنا بہت لازمی ہے۔" اس نے فوراً موبائل فون نکالے ایک جگہ فکس کیا تھا۔ اب وہ متلاشی نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ بہت ڈھونڈھنے پر بھی اسے کوئی ایسی چیز نہیں ملی تھی جس سے وہ خود کو نقصان پہنچا سکے۔ نائل وانیہ کو لے کر حد سے زیادہ پوزیسو تھا۔ اس نے کمرے سے وہ ساری چیزیں
نکلوادی تھیں جن سے وانیہ کو نقصان پہنچ سکتا تھا۔ فرش پر پڑے ہوئے آئینے کو دیکھ اس کے لبوں پر شیطانی مسکراہٹ بکھری تھی۔ اس نے وہ چھوٹا سا آئینے توڑنے کی نیت سے اٹھایا تھا پھر کسی سوچ کے تحت وہ رک گئی تھی۔ "اگر میں نے آئینے سے خود کو نقصان پہنچایا تو بھائی اسے بھی میرے کمرے سے ہٹوا دے گے۔ اور ویسے بھی میں فلحال بھائی کی ناراضگی افورڈ نہیں کر سکتی۔" وانیہ نے
فوراً ہی اپنا ارادہ ترک کیا تھا۔ "مجھے کچھ اور سوچنا ہو گا۔" اپنی پیشانی مسلتے وہ اب پلین ترتیب دے رہی تھی۔

---

"نائل کیا ہوا ہے کچھ تو بولو؟" وہ صوفے پر کب سے اضطراب کی حالت میں بیٹھا تھا۔ ماہم کو اس کے چہرے کی پریشانی فکرمندی میں مبتلا کر گئی تھی۔

"وانیہ کی کنڈیشن ٹھیک نہیں ہے۔ یہ دیکھی رپورٹس...!" نائل نے رپورٹس ماہم کی جانب بڑھائی تھی۔

"ایک اور اٹیک اس کی جان خطرے میں ڈال سکتا ہے۔ آپ پلیز بہت زیادہ محتاط رہیں پھوپھو!" رپورٹس دیکھ کر تو ماہم بھی پریشان ہو گئی تھی۔

"کیا وہ کبھی مکمل طور پر ٹھیک نہیں ہو سکتی؟" وانیہ کی یہ حالت دیکھ کر ہمیشہ ہی ماہم کو ہمیشہ ہی دکھ ہوتا تھا۔

"ایک ہی حل ہے اس کا، اور آپ اچھے سے جانتی ہیں کہ وہ کیا ہے۔" ماہم نے بے بسی سے گہری سانس خارج کی تھی۔

"لیکن میں نے سوچ لیا ہے۔ میں وانیہ کو ہائیر سٹڈیز کے لیے باہر بھیج دوں گا۔ اس کا مائینڈ سیٹ چینج ہو گا تو شاید وہ اس حادثے کو بھلا سکے۔ آپ اس کے ساتھ جائیں گی پھوپھو۔" وہ مشورہ نہیں مانگ رہا تھا۔ وہ اپنا فیصلہ سنا رہا تھا جو کہ اٹل تھا۔

"اگر وہاں جا کر اسے کچھ ہو گیا تو میں کیسے سنبھالوں گی اسے؟" ماہم کا خدشہ بالکل درست تھا۔ یہاں تو نائل اسے سنبھال لیتا تھا مگر وہاں تو وہ اکیلی ہو گی۔ اسے سنبھالنا
اس کے بس کی بات نہیں تھی۔

"پھوپھو! کچھ نہیں ہو گا۔ میں آتا جاتا رہوں گا۔"

"اگر تم بھی..."

"ممکن نہیں ہے پھوپھو! بزنس کے ہزار مسائل ہیں۔" ماہم خاموش ہو گئی تھی۔ نجانے کون سا بزنس چلا رہا تھا وہ،
جو کبھی ایک جگہ ٹکتا ہی نہیں تھا۔ کبھی کسی ملک تو کبھی کسی شہر... ماہم تو ان سب چیزوں سے بے حد بیزار تھی۔

---

ہارون آج اپنے خاندان کے ہمراہ مصطفیٰ کے گھر رات کے کھانے پر مدعو تھے۔ ڈنر کا خاص اہتمام کیا گیا تھا۔ مانو تو حاتم کو دیکھ کر سب کچھ ہی بھول گئی تھی جبکہ صوفی کو اس نے بالکل بھی لفٹ نہیں کروائی تھی۔

"بھائی صاحب! میں اس دن کے رویے کے لیے ایک بار معذرت خواہ ہوں۔" سونی نے شرمندگی سے کہا تھا۔اپنی بیٹی کی گمشدگی پر وہ اپنے ہواس کھو بیٹھی تھی اور اس نے حاتم اور ہارون کو اچھی خاصی سنائی تھی۔

"بھابھی جی! اب بھول جائیں ان سب باتوں کو۔آپ کی کہی کوئی بھی بات مجھے بری نہیں لگی اور حاتم کو بھی..." پانی کے لیے گلاس اٹھاتے حاتم کے ہاتھ رکے تھے۔

اس نے عجیب نظروں سے باپ کی طرف دیکھا تھا۔اسے سچ بولنے کا درس دینے والا باپ آج مسکرا کر جھوٹ بول رہا تھا۔کتنی غلط بات تھی۔

"کیوں حاتم...؟" وہ بدقت مسکرایا تھا۔

"آپ نے اور آپ کی بیٹی نے جو درگت بنائی تھی نا میری، میں بھولوں گا نہیں..." وہ دل ہی دل میں کڑھا تھا۔

"تم اتنے اچھے کیوں دکھتے ہو بین؟" حاتم صوفی اور مانو باہر لان میں ٹہل رہے تھے جب مانو نے جھوٹ بول کر صوفی کو راستے سے ہٹایا تھا کہ اسے اندر اس کی ماں بلا رہی ہیں۔اب وہ جھولے پر بیٹھی حسرت بھری نگاہوں سے اپنے بین کو دیکھ رہی تھی جو کہ اس کے ساتھ ہی منہ

پھلائے بیٹھا تھا۔وجہ آج کا ڈنر تھا جس کے حوالے سے اسے بہت سخت تاکید کی گئی تھی۔

"میرا نام حاتم ہے۔" وہ چھوٹی سی آفت تو اس کے گلے ہی پڑ گئی تھی۔وہ کوئی آٹھ سال کا بچہ تھوڑی تھا جو اس کے ساتھ بیٹھ کر یہ فضول باتیں انجوائے کرتا۔

"مجھے یہ نام پسند نہیں ہے۔" مانو نے منہ پھلائے کہا تھا۔

"پلیز چپ ہو جاؤ ماہ نور!" حاتم اس وقت اس سے بحث کرنے کے موڈ میں نہیں تھا۔

"کون ماہ نور...؟" اس نے ناسمجھی سے حاتم کی جانب دیکھا تھا۔

"تم ماہ نور اور کون...؟"وہ ابھی بھی تپا ہوا تھا۔

"میرا نام ماہ نور نہیں ہے۔"اب کی بار حاتم نے غصے سے سامنے بیٹھی چھٹانک بھر کی لڑکی کو گھورا تھا۔

"اگر تمہارا نام ماہ نور نہیں ہے تو پھر سب تمہیں مانو کیوں بلاتے ہیں؟"اس نے دانت پر دانت جمائے نہایت ضبط سے پوچھا تھا۔

"وہ تو میں پیاری ہوں نا، بالکل مانو بلی جیسی، اس لیے...!"مانو نے شرما کر کہا تھا جبکہ حاتم کا دماغ بالکل گھوم کر رہ گیا تھا۔

"اگر یہ نام نہیں تھا تو میرے ہاتھ پر یہ کیوں لکھا تھا؟"اس کا دماغ پہلے ہی شاٹ تھا۔ بچی کچی کسر مانو نے پوری کر دی تھی۔

"مجھے وہی لکھنا آتا تھا نا، اس لیے...!"حاتم کو لان میں موجود ہر چیز ہی گول گول گھومتی نظر آئی تھی مگر اس نے صبر کا دامن تھامے رکھا تھا۔

"تمہارا نام کیا ہے؟"اس نے نہایت ضبط سے پوچھا تھا۔

"مجھے پتا ہے لیکن بولنا نہیں آتا۔"مانو نے معصومیت سے آنکھیں ٹپٹپائی تھیں۔

"یا اللہ...!"حاتم نے باقاعدہ اپنے بال نوچے تھے۔

"بس ایک بار میں وزیراعظم بن جاؤں۔ تمہیں تو پہلی فرصت میں اس ملک سے اٹھا کر باہر پھینکوں گا۔"اس نے انگلی اٹھا کر اس چھوٹی بلا کو دھمکی دی تھی۔

"وہ کیا ہوتا ہے؟"حاتم کی بات اس کے سر پر سے گزری تھی۔

"جس کی سب لوگ بات مانتے ہیں اور کوئی اس کے آگے کچھ بول نہیں سکتا۔"حاتم نے اس کے ننھے سے دماغ کے

مطابق اسے سمجھایا تھا۔ صحیح معنوں میں اس نے اپنے ہی پاؤں پر کلہاڑی ماری تھی۔

"اس کا مطلب میں زراعم (وزیر اعظم) ہوئی۔" اس کی سنہری گول آنکھوں میں چمک ابھری تھی۔ حاتم نے باقاعدہ اپنا سر پیٹا تھا۔

"میری تو سب ہی بات مانتے ہیں۔ ڈیڈ، مام اور بھائی بھی... بھائی تو مجھ سے بہت زیادہ پیار کرتے ہیں۔ اور وہ میرے لیے بہت ساری چاکلیٹس بھی لے کر آئے گے۔" اس نے اپنے ہاتھوں کو پھیلائے حاتم کی معلومات میں

اضافہ کیا تھا۔

"تمہارا بھائی ہے کہاں؟ میں نے تو نہیں دیکھا اسے۔"

"وہ کل آئیں گے۔ تم دیکھو گے نا تو دیکھتے رہ جاؤ گے۔ وہ بہت اچھے دکھتے ہیں۔ تم سے بھی زیادہ اچھے..." حاتم تو

اس ڈیڑھ فٹ کی آفت کو دیکھتا ہی رہ گیا تھا۔ کس قدر دوغلی تھی وہ... ابھی تھوڑی دیر پہلے وہ سب سے اچھا تھا اور اب اس کا بھائی...

"بین! تمہاری گھڑی کہاں ہے؟" اچانک ہی اسے یاد آیا تھا۔

"کون سی گھڑی...؟"

"بین ٹین کی گھڑی...!"

"گم ہو گئی۔" اب وہ بیچارا اس بے تکی بات کا کیا جواب دیتا؟ وہ کوئی کارٹون تھوڑی تھا جو ہر وقت اپنی کلائی پر گھڑی باندھے رکھتا۔

"کوئی بات نہیں میں تمہیں بنا دوں گی۔" مانو نے ایسے کہا تھا جیسے یہ کوئی بڑی بات نا ہو۔

"تم مجھے گھڑی بنا کر دو گی ؟" وہ جیسے یقین کرنا چاہتا تھا۔

"ہاں بس تم نا مجھے ایک بیٹری لا کر دینا۔اور ایک تار بھی اور ہاں پلاسٹک شیٹ بھی، باقی سب ہے میرے پاس...!"

مانو نے بہت راز داری سے کہا تھا۔حاتم چند لمحے بے یقینی سے اسے دیکھتا رہا تھا پھر اچانک ہی وہ ہنس دیا تھا اور پھر ہنستا ہی چلا گیا تھا۔

"پہلے اپنا نام بولنا تو سیکھ لو ٹڈی، پھر مجھے گھڑی بھی بنا دینا..." پیٹ پر ہاتھ رکھے وہ ہنستا ہی چلا گیا تھا۔

"کٹی...!" وہ غصے سے منہ پھلائے وہاں سے اٹھ کر گئی تھی۔

---

مانو کچن کاؤنٹر پر بیٹھی چاکلیٹ کھانے میں مصروف تھی۔درحقیقت وہ پاستا بننے کا انتظار کر رہی تھی۔

"تبسم کیا بین ہمارے ساتھ اس گھر میں نہیں رہ سکتا؟" چاکلیٹ کھانے کے ساتھ ساتھ وہ مسلسل اپنے گھر کی ملازمہ کا دماغ بھی کھا رہی تھی۔

"نہیں بی بی جی! اس کا اس گھر سے کوئی رشتہ نہیں ہے۔اور وہ تو ہے بھی لڑکا۔" تبسم نے اسے سمجھایا تھا۔

"ڈیڈ بھی تو لڑکے ہیں اور بھائی بھی...!" وہ حاتم کی دیوانی، اس کے بغیر ایک پل بھی نہیں رہ پا رہی تھی۔

کل رات بھی وہ حاتم سے سخت ناراض تھی لیکن اس کے ایک بار سوری کہنے پر وہ فوراً مان گئی تھی۔وہ اپنے بین کو جھکتے نہیں دیکھ سکتی تھی۔

"ان سے تو آپ کا خون کا رشتہ ہے نا! مگر حاتم صاحب سے تو آپ کا کوئی رشتہ نہیں ہے۔" مانو کو شدید مایوسی ہوئی تھی۔

"مطلب میں ساری زندگی صرف ڈیڈ اور بھائی کے ساتھ ہی رہوں گی، بین کے ساتھ نہیں..." اس کا منہ بن گیا تھا۔

"نہیں! آپ ساری زندگی یہاں تھوڑی رہے گی۔ جب آپ بڑی ہو جائے گئی تو پھر آپ کی شادی ہو جائے گی اور آپ اپنے شوہر کے ساتھ رہے گی۔" ملازمہ نے بغیر کچھ سوچے سمجھے ہی کہہ دیا تھا جبکہ مانو کی چھوٹی آنکھیں

چمک اٹھی تھیں۔

"شادی کیسے ہوتی ہے؟" اس نے بلا توقف اگلا سوال پوچھا تھا۔

"تین بار 'قبول ہے' بولنے سے ہو جاتی ہے اور پھر پیپر پر سائن کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں۔" ملازمہ نے اس کی عقل

کے مطابق ہی جواب دیا تھا۔ مانو کے لب مسکرا اٹھے تھے۔

---

وہ ضد کر کے شام کے وقت قریبی پارک گئی تھی۔ کیونکہ صوفی سے اسے یہی معلوم ہوا تھا کہ حاتم اور وہ شام کو پارک جاتے ہیں۔ پارک میں حاتم کو دیکھ کر وہ ڈورتی

ہوئی اس تک گئی تھی۔ وہ بینچ پر بیٹھا فون استعمال کر رہا تھا۔ اس نے ایک سرسری نظر سامنے موجود آفت پر ڈالی تھی۔ اس کے بعد وہ دوبارہ موبائل پر مصروف ہو گیا تھا۔

وہ ڈھٹائی سے بالکل اس کے قریب بیٹھی تھی۔ حاتم نے اسے مکمل طور پر نظرانداز کرنے کی کوشش کی تھی مگر اس کی مسلسل چھبتی نگاہوں سے وہ جھنجھلا اٹھا تھا۔

"دیکھوٹڈی! میرادماغ اس وقت بہت گرم ہے۔مجھے بہت غصہ آیاہواہے۔اس سے پہلے کہ ساراغصہ تم پر نکل جائے،چپ چاپ نودوگیارہ ہو جاؤ۔"آج ان کا رزلٹ تھا۔اور صوفی کے مارکس ہمیشہ کی طرح بہت اچھے آئے تھے۔مارکس تو حاتم کے بھی اچھے آئے تھے مگر صوفی کے مقابلے بہت کم تھے۔جس وجہ سے اس کی آج اچھی خاصی کلاس لگی تھی۔

"تم نکال لواپنا ساراغصہ مجھ پر،چاہو تو مار بھی سکتے ہو۔"حاتم نے چونک کر اسے دیکھا تھا۔مانو کے چہرے پر بلا کی سنجیدگی تھی۔وہ جو کسی کا خود سے اونچا بولنا تک برداشت نہیں کر سکتی تھی،اج حاتم کے ہاتھوں مار کھانے کو بھی تیار تھی۔مانو کی بات سن کر وہ ناچاہتے ہوئے بھی ہنس دیا تھا۔اسے ہنستا دیکھ مانو کی جان میں جان آئی تھی۔

"ایک بات پوچھوں تم سے...؟"وہ پرجوش ہوئی تھی۔

"پوچھو...؟"وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ یہ بلا اتنی آسانی سے ٹلنے والی نہیں تھی۔

"کیا تم سچ میں پڑھے لکھے نہیں ہو؟"حاتم نے بے بسی سے اس کی جانب دیکھا تھا۔

"پڑھا لکھا ہوں میں..."اس نے چڑ کر جواب دیا تھا۔انکار کی صورت میں وہ ایک نئی کہانی کھول کر بیٹھ جاتی۔حاتم اس وقت کسی بھی بحث کے موڈ میں نہیں تھا۔

"شکر! یہ تو پڑھ دو پلیز!"مانو نے اسے اپنی فراک کی جیب سے کاغذ نکال کر تھمایا تھا۔حاتم نے ناگواری سے وہ کاغذ تھاما تھا۔ایسے تو وہ اس کی جان چھوڑنے والی نہیں تھی۔

"قبول ہے....

قبول ہے....

قبول ہے...."

اس نے بغیر سوچے سمجھے ہی لکھی گئی تحریر پڑھ دی تھی۔

"مجھے بھی...!" انگلی دانتوں تلے دبے مانو نے شرما کر کہا تھا۔

"کیا بکواس ہے یہ...؟" حاتم کے سر پر معنوں پورا آسمان کی گرا تھا۔ وہ غصے سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"ہماری شادی...!"

"Shut up!"

اس کی دھاڑ پر مانو سہم گئی تھی۔ "اپنی عمر دیکھو اور اپنی حرکتیں دیکھو! تم دنیا کی آخری لڑکی بھی ہو گی نا تب بھی حاتم خانزادہ تم سے شادی نہیں کرے گا۔" اس کے

کہے الفاظ تو مانو کے سر پر سے گزرے تھے مگر اس کا لہجہ... وہ اسے رونے پر مجبور کر گیا تھا۔ انکھوں میں موٹے موٹے آنسو لے کر وہ وہاں سے بھاگی تھی۔ اس کے جانے کے بعد حاتم نے ایک نگاہ اس کاغذ پر ڈالی تھی۔ وہ بچوں کی

ہینڈ رائیٹنگ تھی۔

"نام لکھنا اور بولنا آتا نہیں ہے اور چلی ہے شادی کرنے...؟" اس نے کاغذ کو ہاتھ سے مڑوڑا تھا۔

"کہیں ایسے نکاح ہو تو نہیں جاتا؟" اس کے دماغ نے اسے فوراً لال سگنل دیا تھا۔

"نہیں! نہیں...!" اپنا سر جھٹکتے اس نے لاشعوری میں وہ کاغذ پھینکنے کے بجائے اپنی جیب میں رکھا تھا۔

---

وانیہ صبح یونیورسٹی کے لیے نکل رہی تھی جب لان میں محسن کو کھڑے دیکھ وہ ایڑیوں کے بل واپس گھومی تھی۔

"وانیہ...!" اس کے آواز دینے پر وہ چہرے پر مسکراہٹ سجائے اس کی جانب مڑی تھی۔

"میں بتا نہیں سکتی کہ آپ کو یہاں دیکھ کر مجھے کتنی خوشی ہوئی ہے محسن بھائی!" وہ پرجوش سی اس کی جانب بڑھی تھی۔ وانیہ کے سب کچھ قبول کر لینے کے بعد محسن اور نائل کے تعلقات بحال ہو چکے تھے۔

"اسی لیے تم واپس مڑی تھی؟" وہ بھی کسی سے کم نہیں تھا۔

"ایسی تو کوئی بات نہیں ہے بھائی!" وہ بدقت مسکرائی تھی۔ ورنہ دل تو سامنے موجود شخص کو تڑ پاتڑ پا کر مارنے کا چاہ رہا تھا۔

"تم نے کہا تھا کہ تم نے سعدیہ کو دھمکایا تھا، ہے نا...؟" ہاتھ باندھے محسن نے مشکوک نگاہوں سے اس کی جانب دیکھا تھا۔

وانیہ نے مسکرا کر سر اثبات میں ہلایا تھا۔

"مگر وہ تو کہہ رہی ہے کہ اسے کچھ یاد ہی نہیں ہے۔ اس نے نائل کے سامنے جو بھی کہا، اسے تو بالکل بھی یاد نہیں ہے۔" وانیہ کے چہرے کا رنگ پل میں فق ہوا تھا مگر اگلے ہی لمحے اس نے خود کو نارمل کر لیا تھا۔

"اچھا...؟" اس نے بے انتہا حیرت سے پوچھا تھا۔ "مجھے لگتا ہے شاید وہ ڈر گئی ہو گی تبھی وہ آپ سے جھوٹ بول رہی ہے کہ اسے کچھ یاد نہیں...!" انداز بے حد لاپرواہ تھا۔ محسن اب بھی اسے مشکوک نگاہوں سے ہی دیکھ رہا تھا۔

"محسن بھائی! میں ایک معمولی سی ہیکر ہوں بس... میں کوئی ڈاکٹر تھوڑی ہوں جو اسے یادداشت بھولنے کا کوئی انجیکشن یا پلز دوں گی۔ میں نے آپ سے کہا تو ہے کہ میں سب چھوڑ چکی ہے لیکن شاید آپ کو مجھ پر یقین ہی نہیں ہے؟" آخر میں اس کی آنکھوں سے دو موٹے موٹے آنسو گرے تھے۔

"تم رو تو مت...!" محسن بیچارہ خود بہت بری طرح سے کنفیوز ہو گیا تھا۔

"جس بھائی کو اپنی بہن پر یقین ہی نا ہو پھر وہ بہن روئے نہیں تو کیا کرے؟" بھرائی آواز کے ساتھ وہ منہ پر ہاتھ رکھے بھاگتی ہوئی وہاں سے گئی تھی۔

محسن کو اچھی خاصی شرمندگی نے آگھیرا تھا۔

یونیورسٹی جاتے ساتھ ہی وہ گراؤنڈ میں ادھر سے ادھر ٹہلتی اپنا غصہ کم کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ "یہ محسن بھائی کسی دن جان سے جائیں گے۔" اس نے سوچا ہی نہیں تھا کہ محسن اتنی باریکی سے اس معاملے کو جانچے گا۔

"ویسے تم نے ایسا کیا کیا تھا جو اس لڑکی کو کچھ یاد ہی نہیں ہے؟" اسے اس طرح چکر لگاتے دیکھ کر عائزہ کو بھی چکر آنے لگے تھے۔

"کچھ خاص نہیں! میں نے اسے بس ذرا سا ہپناٹائز کیا تھا۔"

"تمہارا دماغ خراب ہے وانیہ؟ پروفیسر نے منع کیا تھا نا کہ تم یہ نہیں کرو گی۔ ابھی تم نے ٹھیک سے سیکھا بھی نہیں ہے اور تم..." عائزہ کو سامنے کھڑی بلا پر شدید غصہ آیا تھا۔

"جب کسی پر ٹرائے نہیں کروں گی تو سیکھوں گی کیسے؟" تھک ہار کر وہ عائزہ کے ساتھ بینچ پر آ بیٹھی تھی۔

"تم کسی دن بہت برا پھنسو گی وانیہ!" عائزہ کو یقین تھا کہ وہ اپنی الٹی سیدھی حرکتوں کی وجہ سے کسی دن بھاری نقصان اٹھائے گی۔

---

وہ تہ خانے میں موجود مخصوص کمرے میں بیٹھا مسلسل فائلز کو الٹ پلٹ کر دیکھ رہا تھا جب الیکس غصے سے اندر داخل ہوا تھا۔

"یہ کیا کیا تم نے بلیک مونسٹر؟ کس کی اجازت سے تم نے ان دو لڑکوں کی جان لی؟" غصے سے الیکس کے اعصاب تن گئے تھے۔

ڈیوڈ فائلز کو دیکھنے میں مصروف تھا۔ اس نے الیکس کو مکمل طور پر نظر انداز کر دیا تھا۔ یہ بات الیکس کو مزید طیش دلا گئی تھی۔ "میں تم سے کچھ پوچھ رہا ہوں ڈیوڈ؟"

"شش..." ڈیوڈ نے ہاتھ کے اشارے سے اسے خاموش کروایا تھا۔ فائلز کو سائیڈ پر رکھے، کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے اس نے الیکس کا تفصیلی جائزہ لیا تھا۔

"اگر تم مرنا چاہتے ہو تو صاف صاف بتا دو۔" ٹانگ پر ٹانگ جمائے اس نے پاس پڑی سگار اٹھائی تھی۔

"کیا میں اسے دھمکی سمجھوں؟"

"نہیں الیکس! یہ دھمکی بالکل بھی نہیں ہے۔ آج کے بعد اگر تم نے مجھ سے اس لہجے میں بات کی تو...!"

ڈیوڈ نے پھرتی سے گن نکالے اس کے پاؤں کے قریب فائر کی تھی۔

الیکس کی جان بس نکلنے کے درپے تھی۔

"میرا... میرا وہ مطلب نہیں تھا۔" وہ سر پھرا مغرور شہزادہ کبھی بھی کچھ بھی کر سکتا تھا۔

"تمہارا جو بھی مطلب تھا۔ آئندہ احتیاط کرنا...!" اس نے گن ہاتھ میں گھماتے ہوئے کہا تھا۔

"کیا میں جان سکتا ہوں کہ تم نے انہیں کیوں مارا بلیک مونسٹر؟" اب کی بار اس کے لہجے میں ادب کے ساتھ ساتھ خوف بھی تھا۔

"جھوٹ بول رہے تھے۔ میری معصوم سی پرنسس پر الزام لگا رہے تھے تو مار دیا۔" الیکس نے ضبط سے گہری سانس خارج کی تھی۔ اب وہ صحیح معنوں میں بدر کی بات پر عمل کرنے کا سوچ رہا تھا۔ اس لڑکی کا بندوبست کرنا اب بہت

ضروری تھا۔

آج نائل کافی دنوں بعد فارم ہاؤس آیا تھا۔لان میں سنیہا کو واک کرتے دیکھ اس کے قدم رکے تھے۔سفید رنگ کے ڈھیلے ڈھالے سوٹ میں ملبوس وہ اپنے قدم بہت آہستہ آہستہ قدم بڑھا رہی تھی۔شاید وہ کوئی ورزش کر رہی تھی۔اسے ہر دو قدم پر برا سا منہ بناتے دیکھ نائل کا قہقہ چھوٹا تھا۔سنیہا نے مڑ کر پیچھے دیکھا تھا۔ہلکے جامنی رنگ کی شرٹ میں وہ بے حد دلکش لگ رہا تھا۔اس کے بال جیل کی مدد سے سیٹ تھے۔اس کے چہرے پر یہ ہنسی بہت بھلی لگتی تھی مگر سنیہا کو وہ اس وقت وہ شدید زہر لگا تھا۔وہ اس کی بے بسی کا مذاق اڑا رہا تھا۔اس نے ضبط سے آنسوؤں کو گلے کے اندر اتارا تھا۔اب وہ مزید اس ہرجائی کے سامنے اپنے قیمتی آنسو بے مول نہیں کر سکتی تھی۔

"ایک تو تم لڑکیوں کی ڈرامے بازیاں ختم ہی نہیں ہوتی۔اتنے دنوں میں تو انسان دس گولیاں کھا کر بھی ٹھیک ہو جاتا ہے مگر تمہارا تو پیر ہی ٹھیک نہیں ہو رہا۔" چہرے پر تپا دینے والی مسکراہٹ سجائے نائل اس کی جانب بڑھا تھا۔سنیہا نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

"اگر اتنا ہی درد ہو رہا ہے تو پھر سیڑھیوں سے کودی کیوں تھی؟" ہاتھ پر ہاتھ باندھے وہ اب استفسار کر رہا تھا۔

"میں کودی نہیں بلکہ گری تھی۔" اس نے دانت پر دانت جمائے فوراً وضاحت پیش کی تھی۔

"ایک ہی بات ہے۔" نائل نے گویا ناک سے مکھی اڑائی تھی۔

سنیہا منہ کھولے اسے دیکھتی ہی رہ گئی تھی۔

"کیا کودنے اور گرنے میں کوئی فرق نہیں تھا؟" خود پر ضبط کرتے سنیہا نے وہاں سے جانے کا فیصلہ کیا تھا۔

اس کے ایک قدم بڑھاتے ہی اس کا پیر بری طرح پھسلا تھا۔ سنیہا کے گرنے سے پہلے ہی نائل اسے تھام چکا تھا۔

دونوں کے دل نے ایک ساتھ ہی بیٹ مس کی تھی۔ سنیہا تو ہمیشہ ہی اس کے لیے جذبات رکھتی تھی مگر آج نائل بھی کچھ محسوس کر رہا تھا۔ لیکن وہ اپنے احساسات کی ترجمانی کرنے سے قاصر تھا۔

"چھوڑو مجھے...!" وہ غصے سے گویا ہوئی تھی۔

نائل کا ایک ہاتھ اس کی کمر کے گرد تھا تو دوسرے سے

اس نے سنیہا کا بازو تھام رکھا تھا۔

"چھوڑو مجھے...!" اس نے ایک بار پھر اسی سختی سے کہا تھا۔ وہ اس سنگدل کی قربت پر پگھل نہیں سکتی تھی۔ جو زخم وہ اسے دے چکا تھا وہ بھولنا ناممکن تھا۔ اس کی کمر پر گرفت مضبوط کرتے وہ اس کے چہرے پر جھکا تھا۔ سنیہا

نے سانس روکے سختی سے آنکھیں میچی تھیں۔

"پکا چھوڑ دوں...؟" اس کے کان کے پاس نائل نے ہلکی سی سرگوشی کی تھی۔

"ہاں...!" سنیہا کے گلے سے پھنسی پھنسی سی آواز نکلی تھی۔

“Are you sure?”

سنیہا نے اس بار پورے زور و شور سے سر ہلایا تھا جبکہ آنکھیں ابھی بھی بند تھیں۔

“As you wish!”

نائل نے اسے اپنی گرفت سے آزاد کر دیا تھا مگر جس انداز سے اس نے اسے رہائی دی تھی، وہ دھڑام سے نیچے گری تھی۔

"آہ...!"اس بیچاری کا پیر تو پہلے ہی ٹوٹ چکا تھا مگر اب تو اس کا سارا بدن ہی جیسے چکنا چور ہو گیا تھا۔

اتنی تکلیف پر اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے تھے۔

"تم رو کیوں رہی ہو؟"نائل فکرمندی سے ایک گھٹنا زمین پر ٹکائے اس کے پاس بیٹھا تھا۔سنیہا نے عجیب نظروں سے اسے دیکھا تھا پھر اگلے ہی لمحے اس کی آنکھیں ایک بار پھر برسنے لگی تھیں۔

"کیا ہوا ہے؟"نائل کو اس کے رونے کی وجہ بالکل سمجھ نہیں آئی تھی۔

"I hate you!"

وہ اپنا پیر پکڑے ہچکیوں کے درمیان بامشکل بول پائی تھی۔

"اب میں نے کیا کر دیا؟"وہ اچھا خاصا مشتعل ہوا تھا۔

"تم نے مجھے چھوڑا کیوں؟۔"یہ شکوہ تھا۔

"تم ہی نے تو کہا تھا۔"وہ سخت جھنجھلایا تھا۔نجانے یہ لڑکی چاہتی کیا تھی؟

وہ جو مرضی کر لے مگر وہ خوش ہی نہیں ہوتی تھی۔

"اچھا ٹھیک ہے،اٹھو!"اس کی مسلسل سسکیوں سے تنگ آ کر نائل نے اس کے آگے اپنا ہاتھ پھیلایا تھا۔

"نہیں چاہیئے تمہاری مدد!اب میں سارا دن یہی بیٹھی رہوں گی بلکہ رات بھی یہی گزاروں گی۔"اپنے آنسو بے دردی سے صاف کرتے سنیہا نے غصے سے کہا تھا۔

"تم سچ میں یہی چاہتی ہو؟"نائل نے یقین کرنا چاہا تھا۔

"ہاں...!"اس نے تپ کر کہا تھا۔

"ٹھیک ہے جیسے تمہاری مرضی!"وہ کندھے اچکائے کھڑا ہوا تھا۔سنیہا بیچاری تو اپنی قسمت پر جتنا ماتم کرتی اتنا کم تھا۔نجانے وہ کس قسم کا شخص تھا؟جو بھی تھا،وہ اس کی سمجھ سے بالکل باہر تھا۔

"مجھے مدد چاہیئے۔"اس کے اندر جانے سے پہلے ہی وہ جھٹ سے بولی تھی۔ماتھے پر تیوری چڑھائے وہ واپس گھوما تھا۔نائل نے اسے سہارا دیے اٹھایا تھا۔اب وہ اسے اس کے کمرے تک لے جا رہا تھا۔سنیہا اس شخص کی سائیکی سمجھنے کی کوشش کرنے لگی تھی۔یا تو وہ یہ سب جان بوجھ کر کرتا تھا یا پھر وہ شاید غلط اور صحیح کے درمیان فرق نہیں کر پاتا تھا۔

"تمہیں کچھ چاہیئے؟"اسے بستر پر بٹھاتے نائل نے سنجیدگی سے پوچھا تھا۔بیڈ کروان سے ٹیک لگاتے سنیہا نے نفی میں سر ہلایا تھا۔

"ایک بات پوچھوں تم سے...؟"اچانک کچھ یاد آنے پر سنیہا نے آنکھیں کھولے اس کی جانب دیکھا تھا۔نائل نے سر کو ہلکا سا خم دیے اسے اجازت دے دی تھی۔

"جس دن تمہیں گولی لگی تھی،اس دن تمہارے پاس فون موجود تھا نا؟"نائل نے آہستگی سے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

"پھر تم نے کیوں مدد کے لیے کسی کو نہیں بلایا؟"یہ سوال اسے ہمیشہ ہی پریشان کرتا تھا۔

"تم جیسی بھی ہو لیکن ہو تو میری عزت،میں نہیں چاہتا تھا کہ اس حلیے میں تمہیں کوئی بھی دیکھے۔"

سنیہا کو اچھے سے یاد تھا کہ اس دن بھی گاڑی میں بیٹھے بیٹھے ہی اس نے ملازمہ سے پہلے چادر منگوائی تھی۔اور اس کے گھر کے گارڈز،یہاں تک کے مالی بھی سنیہا سے ہمیشہ نظریں جھکا کر ہی بات کرتے تھے۔

"اس لیے تم مجھ سے میری قیمت پوچھ رہے تھے؟"باقی سب ایک طرف،اور یہ بات ایک طرف...وہ اس تلخ بات کو بھلا نہیں پا رہی تھی۔

"غصے میں تھا میں اس وقت!"نائل نے پیشانی مسلتے کہا تھا۔

"کب نہیں ہوتے؟"وہ بڑبڑاتی تھی۔نائل کے تیز کان اس کی بڑبڑاہٹ باآسانی سن چکے تھے۔

لگے ہاتھوں آج یہ سوال بھی پوچھ ہی ڈالا تھا۔اس امید کے ساتھ کہ شاید آج کوئی تسلی بخش جواب مل جائے۔

"میں تمہارے لیے کچھ لایا ہوں۔"اس کے قریب بستر پر بیٹھتے نائل نے اس کے سامنے جیولری باکس رکھا تھا۔سنیہا کو حیرت کا شدید جھٹکا لگا تھا۔وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے

کبھی نائل تو کبھی اس باکس کو دیکھ رہی تھی۔

"کھولو...!"نائل کی آواز پر وہ ہوش میں آئی تھی۔سنیہا نے وہ باکس پکڑے کھولا تھا۔اندر ایک بہت ہی خوبصورت بریسلیٹ تھا۔سنیہا نے ستائشی نگاہوں سے اسے اٹھایا تھا۔

"مجھے پتا ہے کہ یہ تم سے زیادہ خوبصورت ہے اور تمہاری سیاہ کلائی پر بالکل اچھا نہیں لگے گا مگر پھر بھی میں لے آیا۔"سنیہا نے وہ بریسلیٹ اٹھا کر نائل کے منہ پر پٹخا تھا۔

آخر یہ تحفہ دینے کا کون سا انداز تھا اور تو اور وہ اس کی دودھیا کلائیوں کو سیاہ کہہ رہا تھا۔

"تم مہنگے تحفے کے قابل ہی نہیں ہو۔"اس کی اس حرکت پر وہ آگ بگولہ ہو گیا۔

"تم صحیح کہہ رہے ہو۔آئندہ میرے لیے کوئی تحفہ مت لانا۔"سرخ پڑتے چہرے کے ساتھ وہ منہ پھیر گئی تھی۔

"تم...!"نائل غصے سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"ایک تو میں سب کچھ بھلا کر تمہارے ساتھ اچھا سلوک کر رہا ہوں اور ایک تم ہو کہ...!"وہ اسے دیکھنے پر مجبور ہو گئی تھی۔آخر طنز کے تیر برسا کر وہ کون سا اچھا سلوک کر رہا تھا؟

"تمہارے باپ نے تمہیں ایک غیر معمولی چیز کی طرح مجھے بیچ دیا۔میں چاہتا تو نجانے کیا کیا نہیں کر سکتا تھا تمہارے ساتھ، لیکن نہیں! میں سب کچھ بھلا کر ایک اچھا شوہر بننے کی کوشش کر رہا ہوں اور تم مجھے مسلسل نخرے دکھا رہی ہو۔"

"تم براہ مہربانی یہ کوشش ترک کر دو۔ یہ تمہارے بس کی بات نہیں ہے۔"سنیہا کے سر میں ہتھوڑے بجنے لگے تھے۔ وہ شخص اسے کسی دن مکمل طور پر پاگل کر دیتا۔

"تم...!"نائل نے انگلی اٹھائے لب بھینچے اس کی جانب دیکھا تھا۔

"تم ایک دن خود تسلیم کرو گی۔ تم ایک دن خود کہو گی کہ

Nile you are the best husband in the world."

نائل غصے سے پیر پٹختا باہر گیا تھا جبکہ سنیہا اپنا سر تھامے بستر پر ڈھے گئی تھی۔

---

صبح ڈائننگ ٹیبل پر سب موجود تھے۔ وانیہ ٹوسٹ کھاتے ہوئے مسلسل سوچوں میں گم تھی۔

"کیا مام ہی نین ہیں؟ مجھے ایسا کیوں لگ رہا ہے جیسے میں کچھ مس کر رہی ہوں۔"اسے سوچوں میں ڈوبا دیکھ نائل نے اس کے آگے سے پلیٹ ہٹائی تھی۔ وانیہ کو ہوش تب آیا تھا جب اس نے ایک اور ٹوسٹ کے لیے ہاتھ آگے بڑھایا تھا مگر سامنے پلیٹ نہیں تھی۔

"سٹڈی روم میں آئیں۔"وہ نیپکین سے ہاتھ صاف کرتا اٹھا تھا۔

وانیہ کو اس پیشی کا مقصد بالکل سمجھ نہیں آیا تھا۔ اس نے ابھی تک کوئی الٹی سیدھی حرکت نہیں کی تھی۔ خود کو نقصان پہنچانے کا ارادہ بھی وہ کچھ دنوں کے لیے ملتوی کر چکی تھی۔ بوجھل قدموں سے وہ سٹڈی روم میں داخل ہوئی تھی۔ منہ بنائے اب وہ سامنے موجود صوفے پر بیٹھی تھی۔

"میرے پاس آکر بیٹھیں۔"نائل کی بات پر وانیہ کے گلے میں گلٹی ابھری تھی۔

"کہیں محسن نے بھائی سے کوئی الٹی سیدھی بات تو نہیں کی؟"اس کا ذہن خدشات سے گھرا ہوا تھا۔

"وانیہ...!"نائل کے پکارنے پر وہ مرے مرے قدم اٹھائے اس کے بالکل قریب بیٹھی تھی۔

"کوئی مسئلہ ہے؟"اس بات پر وہ چونکی تھی پھر اس نے فوراً نفی میں سر ہلایا تھا۔

"میں صرف آپ کا بھائی نہیں ہوں بلکہ ہم اچھے دوست بھی ہیں۔ آپ مجھ سے کچھ بھی شیئر کر سکتی ہیں۔"نائل نے بہت شفقت سے اپنا ہاتھ اس کے سر پر رکھا تھا۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے بھائی! مجھے کوئی پریشانی نہیں ہے۔"اس کے اتنے محبت سے استفسار کرنے پر وانیہ مسکرا دی تھی۔

"ناشتہ ٹھیک سے نہیں کیا آپ نے؟"نائل نے اسے خود سے لگاتے نرمی سے پوچھا تھا۔

"جی بھائی! مجھے بھی بھوک لگ رہی ہے۔"وہ واقعی شدید بھوک محسوس کر رہی تھی۔

"پڑھائی کیسی جا رہی ہے؟یونیورسٹی میں سب ٹھیک ہے؟ کوئی جھگڑا تو نہیں ہوا؟"وانیہ کے ماتھے پر شکنیں ابھری تھیں۔ آخر کیوں نائل اس سے بار بار اس طرح کے سوالات پوچھ رہا تھا۔

"بھائی! میں بالکل ٹھیک ہوں۔"اس کے کندھے پر سر رکھتے وانیہ نے آنکھیں بند کی تھیں۔

"آپ کو بھوک لگ رہی ہے؟"

"ہمم...!"وانیہ کی آنکھیں اب بھی بند ہی تھیں۔

"چھ ٹوسٹ، تین گلاس جوس اور چار آملیٹ کھانے کے بعد بھی آپ کو بھوک لگ رہی ہے؟"وانیہ نے پٹ سے آنکھیں

کھولے نائل کی جانب دیکھا تھا۔ وہ مسکراتی نگاہوں سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"میں نے اتنا کھایا؟"اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔

"اس لیے تو پوچھ رہا ہوں کہ آخر ہوا کیا ہے؟"وانیہ ٹینشن کی حالت میں بہت زیادہ کھاتی تھی اور جب تک اسے کوئی روکتا نہیں تھا۔ وہ کھاتی ہی جاتی تھی۔

"شاید ایگزیمز کی وجہ سے تھوڑی ٹینس ہوں۔"

"آپ کو کسی بھی چیز کی ٹینشن لینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ بس پاس ہو جائیں، اتنا کافی ہے۔ اور اگر نہیں بھی ہوتا کلیر، تو کوئی بات نہیں...!" نائل نے محبت سے اس کے سر پر بوسہ دیا تھا۔

"جی بھائی!" اس نے معاملہ ٹلتا دیکھ شکر کا کلمہ پڑھا تھا۔

یونیورسٹی آکر اس نے ایک بھی لیکچر نہیں لیا تھا۔ وہ اور عائزہ ادھر ادھر آوارہ گردی کرنے میں مصروف تھے۔ یہ ان کا معمول تھا۔ وانیہ کو پڑھائی میں بالکل دلچسپی نہیں تھی۔

پڑھائی سے ہمیشہ ہی اس کی جان جاتی تھی۔ اپنے ڈیپارٹمنٹ سے نکلتے وہ ساتھ والے ڈیپارٹمنٹ میں گئے تھے۔ وہاں عائزہ کی کزن پڑھتی تھی۔ عائزہ کو اس سے کچھ کام تھا۔

"کیسی ہو شزا؟" وانیہ خوشدلی سے اس سے ملی تھی۔

"میں تو ٹھیک ہوں۔ تم دونوں اپنا بتاؤ، پھر سے لیکچر بنک کیا ہے نا؟" وانیہ اور عائزہ دونوں ہی خجل کا شکار ہوئی تھیں۔

"اس منحوس پروفیسر کا چہرہ روز روز نہیں دیکھا جاتا مجھ سے...!" وانیہ نے منہ بسورے کہا تھا۔

"ایسا نہیں کہتے وانیہ!" شزا نے اسے ڈپٹا تھا۔

"ویسے میں تو کہتی ہوں۔ تم بھی لاسٹ لیکچر چھوڑ دو۔ کہیں باہر چلتے ہیں۔" وانیہ نے اسے مفید مشورے سے نوازا

تھا۔ عائزہ نے فوراً اس کی تائید کی تھی۔

"جی نہیں! مجھے پڑھنا ہے اور تم نا کم گناہ کیا کرو۔ فرشتے ہر وقت تمہارے گناہ لکھتے رہتے ہوں گے۔" شزا نے مذاق میں کہا تھا جبکہ وانیہ کے ماتھے پر بل پڑ گئے تھے۔

"کون فرشتے...؟" شزا نے چونک کر اس کی جانب دیکھا تھا جبکہ عائزہ کے تاثرت بالکل نارمل تھے۔ وہ وانیہ کے عقائد سے اچھی طرح واقف تھی۔

"کراما کاتبین، اور کون...؟"

"مجھے اس سب پر یقین نہیں ہے۔ میرے عقائد کچھ مختلف ہیں۔" وانیہ نے مدھم سی مسکراہٹ کے ساتھ اس کی جانب دیکھا تھا۔ عائزہ نے افسوس سے سر جھٹکا تھا۔ وہ اس کی دوست ضرور تھی مگر اس کے بعض عقائد عائزہ کو ہمیشہ

ہی تکلیف دیتے تھے۔ وہ اسے کچھ سمجھا بھی نہیں سکتی تھی۔ اس صورت میں وانیہ الٹے سیدھے سوال کرتی تھی جس کا جواب عائزہ کے پاس نہیں ہوتا تھا۔

"میں کچھ سمجھی نہیں...؟" شزا نے سوالیہ آبرو اچکائی تھی۔

"میں منطقی چیزوں پر یقین رکھتی ہوں۔ ایسی چیزیں جو سائنس سے ثابت شدہ

ہوں۔ فرشتوں، جنات، آخرت وغیرہ پر کچھ خاص یقین نہیں ہے مجھے... ان کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ ہاں اگر کوئی منطقی دلائل دے تو پھر یقین کیا جا سکتا ہے" شزا نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے سامنے کھڑی لڑکی کو دیکھا تھا۔ آج اس پر جو انکشاف ہوا تھا وہ بہت بھیانک تھا۔

"تم مسلمان ہو؟" اس کے گلے سے پھنسی پھنسی سی آواز نکلی تھی۔

"ظاہر سی بات ہے۔ مسلم فیملی میں پیدا ہوئی ہوں تو مسلمان ہی ہوئی نا...!" وانیہ نے گویا ناک سے مکھی اڑائی تھی۔

"اللہ پر یقین ہے تمہیں...؟" وہ اسے کرید رہی تھی۔

"ہاں ہے..... کیونکہ کوئی بھی چیز کریٹر کے بغیر نہیں بنتی۔اس دنیا کا بھی کوئی خالق تو ضرور ہے۔ خیر چھوڑو ان سب باتوں کو، میرے پاس اتنا وقت نہیں ہے کہ میں ان سب چیزوں کے بارے میں سوچوں۔ میں نے کبھی مذہب کو اپنے سر پر سوار نہیں کیا۔" شنزا کا دماغ صحیح معنوں میں گھوم چکا تھا۔

اسے سامنے کھڑی لڑکی سے عجیب قسم کی نفرت محسوس ہوئی تھی۔ وہ فوراًا ایسکیوز کرتی وہاں سے گئی تھی۔

"میں اسی لیے اپنے عقائد کے بارے میں کسی کو نہیں بتاتی۔ سب عجیب نظروں سے دیکھتے ہیں مجھے!" اپنے ڈیپارٹمنٹ کے واپسی کے راستے میں وانیہ غصے سے مسلسل کچھ نا کچھ بول رہی تھی۔

"اگر سب ایسا کرتے ہیں تو تمہیں ایک بار سوچنا چاہیئے نا... ہو سکتا ہے کہ تم ہی غلط ہو۔" عائزہ نے دھیمے لہجے میں اسے سمجھانا چاہا تھا۔

"میں غلط نہیں ہوں۔ میں بس منطقی طور پر سوچتی ہوں۔ جن چیزوں کو میں نے کبھی دیکھا ہی نہیں! میں کیسے ان پر یقین کر لوں؟" سائنس اور ایجادات کے زیادہ قریب ہونے کی وجہ سے اس کی سوچ کافی مختلف ہو گئی تھی۔

اور پھر کسی نے اسے اس طرح سے سمجھایا بھی نہیں تھا۔ لیکن وقت اور حالات دو ایسی چیزیں ہیں جو انسان کو سب کچھ سیکھا اور سمجھا دیتی ہیں۔

---

یونیورسٹی کے بعد عائزہ اور وانیہ شوپنگ کے لیے مال گئی تھیں۔ نائل نے خود وانیہ کو جانے کی اجازت دی تھی۔ وہ

اس کا سٹریس کم کرنا چاہتا تھا۔ لیکن ہمیشہ کی طرح آج بھی گارڈز اس کے سر پر مسلط تھے۔ ساری شاپنگ کرنے کے بعد وہ دونوں ہاتھوں میں بیگز پکڑے ایسکلیٹر سے نیچے اتر رہے تھے۔ ڈیوڈروپ بدل کر اپنے

ساتھیوں کے ساتھ مال کے اندر داخل ہوا تھا۔ یہاں انہیں سمگلنگ کے سلسلے میں کسی سے ملنا تھا۔ وہ ہمیشہ ہی روپ بدل بدل کر ان میٹینگ میں شامل ہوتا تھا۔ ان میٹینگ میں اس کی حیثیت محض ایک ادنی ملازم جیسی ہوتی تھی۔ وہ ہر کسی کے سامنے خود کو ایکسپوز نہیں کرتا تھا۔ آج بھی وہ پیلے رنگ کے کرتا شلوار میں ملبوس تھا۔ چہرے پر اس نے نقلی ڈارھی لگائی ہوئی تھی۔ لیکن اس کے حلیے کی پرفیکشن ایسی تھی کہ کوئی بھی اس پر شک نہیں کر سکتا تھا۔ ایک قدم آگے بڑھاتے ہی اس کے کانوں میں کسی کی ہنسی کی کھنک گونجی تھی۔ اس کی نظروں نے اس کھنک کی پیروی کی تھی۔ سیڑھیوں سے نیچے اترتی لڑکی کو دیکھ اس کے قدم رکے تھے۔ وہ بالکل ساکت ہو گیا تھا۔ اس کی ہنسی کی کھنک

اسے مدہوش کرنے لگی تھی۔ بھورے گھنے بال کمر پر پھیلے ہوئے تھے۔ ٹھوڑی پر نمایاں ہوتا وہ تل ڈیوڈ کو بہکانے کے لیے کافی تھا۔ ایک لمحے کے لیے وہ سب بھول گیا تھا۔ اپنے یہاں آنے کا مقصد، اپنا آپ، سب کچھ...

وانیہ عائزہ سے باتیں کرتی اس ہی کی جانب بڑھ رہی تھی۔ ڈیوڈ کو لگا وہ اب سانس نہیں لے سکے گا۔ الیکس، جیمز اور ماریہ آگے بڑھ گئے تھے۔ اب وہ اس کے آگے آنے کا انتظار کر رہے تھے مگر وہ تو جیسے اپنے ہواس ہی کھو بیٹھا تھا۔

تیزی سے آگے بڑھتے وہ ڈیوڈ سے ٹکرا گئی تھی۔ ہاتھ میں پکڑے ہینڈ بیگز زمین بوس ہوئے تھے۔

"اندھے کہیں کے... تمہیں اندر کس نے آنے دیا؟" عائزہ اس پر بگڑی تھی۔ وجہ اس کا عجیب وغریب حلیہ تھا۔

"اسے کچھ مت کہو۔" ہینڈ بیگز اٹھاتے وانیہ نے اسے ٹوکا تھا۔ "مجھے یہ مینٹلی ڈیس ایبل لگتا ہے۔" وانیہ نے عائزہ کے کان کے پاس سرگوشی کی تھی۔

ڈیوڈ کے لبوں پر مدھم سی مسکراہٹ ابھری تھی۔وہ چٹانوں جیسی سختی رکھنے والا شخص آج مسکرا رہا تھا۔

وجہ سامنے موجود اپسرا تھی۔

"تم ٹھیک ہونا...؟"وانیہ نے مسکرا کر پوچھا تھا۔اسے براہ راست اپنے اتنا قریب دیکھ کر ڈیوڈ کے تمام الفاظ ٹوٹ گئے تھے۔

"مجھے لگتا ہے بیچارا گونگا ہے۔"وانیہ نے ایک بار پھر عائزہ کے کان کے پاس سرگوشی کی تھی۔وہ جتنی مرضی ہی عقلمند سہی مگر لوگوں کو پہچاننے میں وہ بالکل اناڑی

تھی۔

"مجھے بھی یہی لگتا ہے۔"عائزہ کو بھی اب سامنے کھڑے شخص سے ہمدردی محسوس ہوئی تھی۔ڈیوڈ تو ہر چیز سے بے نیاز بس مسکرا کر وانیہ کو دیکھے ہی جا رہا تھا۔

"کچھ کھاؤ گے؟"وانیہ پر اچانک ہی ہمدردی کا بھوت سوار ہوا تھا۔جواب اب بھی ندارد تھا۔"مجھے لگتا ہے بیچارا بہرا بھی ہے۔"اب کی بار وانیہ نے سرگوشی کرنے کے بجائے اونچی آواز میں کہا تھا۔ڈیوڈ کے لبوں کی مسکراہٹ مزید گہری ہوئی تھی۔

الیکس،ماریہ اور جیمز تینوں ہی بے یقینی سے اس لڑکی کی گفتگو سن رہے تھے۔تینوں کی آنکھوں میں حیرت تھی۔

"یہ بلیک مونسٹر اسے گولی کیوں نہیں مار رہا؟"ماریہ کو تجسس ہوا تھا۔اتنی بکواس تو وہ کسی کی بھی برداشت نہیں کرتا تھا تو پھر اس لڑکی کی ساری فضول باتیں وہ کیسے برداشت کر رہا تھا؟

"وہ محبت ہے بلیک مونسٹر کی...!"جیمز نے ماریہ کے کان کے پاس سرگوشی کی تھی۔

"کوئی اس مجنوں کو ہوش دلاؤ۔ہم یہاں میٹینگ کے لیے آئے ہیں۔"الیکس کو بدر کی بات نا ماننے پر شدید افسوس ہوا تھا۔وہ اب جلد از جلد اس لڑکی کو ٹھکانے لگانے کا سوچ رہا تھا۔

"جسے اپنی جان پیاری ناہو وہ جا کر لیلہ اور مجنوں کی گفتگو کے درمیان خلل ڈال دے۔"جیمز نے الیکس کو منہ توڑ جواب دیا تھا۔وہ کلس کر رہ گیا تھا۔

"کڑوروں کی ڈیل ہاتھ سے گئی۔"ماریہ کو شدید افسوس ہوا تھا۔وہ ہمیشہ ہی وانیہ سے جلن محسوس کرتی تھی۔

"بھاڑ میں جائے ڈیل! فلحال چلتے ہیں یہاں سے...!"جیمز کے کہنے پر وہ دونوں بھی اس کے پیچھے چل دیے تھے۔ڈیوڈ کے ہاتھوں نا تو کوئی موت چاہتا تھا اور نا ہی اس کی دی گئی زندگی...

"یہ لو! کچھ کھا لینا۔"وانیہ نے اپنے بیگ سے چند نوٹ نکال کر ڈیوڈ کے سامنے کیے تھے۔

صد شکر کہ وہ تینوں وہاں موجود نہیں تھے ورنہ غش کھا کر ہی گر جاتے۔اسے کوئی حرکت نا کرتا دیکھ وانیہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کے ہاتھ پر پیسے رکھے تھے۔اس کے لمس
پر ڈیوڈ کے دل کی ڈھرکنیں معمول سے تیز ہوئی تھیں۔

اس نے لاشعوری طور پر اپنا دوسرا ہاتھ اٹھایا تھا۔اب اس نے اپنے ہاتھ کے انگوٹھے اور انگلی کو ملا کر وانیہ کے سامنے کیا تھا۔پھر آہستہ آہستہ اس نے انگلی کو انگوٹھے سے جدا کیا تھا۔

"یہ کچھ کہنا چاہ رہا ہے وانیہ!"عائزہ نے وانیہ کو بازو سے پکڑا تھا۔

"اور پیسے چاہیئے تمہیں؟"وانیہ نے نرمی سے پوچھا تھا۔ڈیوڈ نے نفی میں سر ہلاتے ایک بار پھر اس کے سامنے بالکل ویسے ہی انگلی کو انگوٹھے سے ملایا تھا پھر بالکل اسی طرح وہ آہستہ آہستہ انگلی اور انگوٹھے کے درمیان فاصلہ بڑھاتا گیا تھا۔

"کم اور زیادہ...؟"وانیہ کو یہی سمجھ آیا تھا۔ڈیوڈ نے مسکرا کر ایک بار پھر سر نفی میں ہلایا تھا۔

"چھوٹا اور بڑا...؟" وانیہ نے اگلا تکا لگایا تھا۔ ڈیوڈ نے اس بار اثبات میں سر ہلایا تھا۔ اب اس نے وانیہ کی جانب اشارہ کر کے ایک بار پھر وہی عمل دہرایا تھا۔

"میں چھوٹی یا بڑی...؟" اسے اس کھیل میں مزا آرہا تھا۔ وانیہ کو نیا ایڈونچر مل گیا تھا۔

"وانیہ! یہ تو پاگل ہے۔ کیا تم بھی پاگل ہو گئی ہو؟" عائزہ نے اسے عقل دلائی تھی۔ اتنے میں اس کے گارڈز بھی وہاں تک پہنچ چکے تھے جنہیں وہ بامشکل چکما دے کر یہاں سے نکلنے کا پلین بنا چکی تھی۔ گارڈز کے آنے پر وہ منہ بسورے ان کے ساتھ چل دی تھی۔

اس کے جانے کے بعد ڈیوڈ نے بے اختیار اپنے دل کے مقام پر ہاتھ رکھا تھا۔ اسے اپنا دل دھڑکتا ہوا محسوس ہوا تھا۔ اس کا پتھر دل آج دھڑک رہا تھا اور وہ بھی پورے زور و شور سے... اب اس نے ہاتھ میں موجود ان نوٹوں کی طرف دیکھا تھا۔ وہ بغیر سوچے سمجھے ان نوٹوں کو اپنی ناک کے قریب لے گیا تھا۔ وہ ان نوٹوں پر موجود انگلیوں کے لمس کی خوشبو اپنے اندر اتار رہا تھا۔ آج جو کچھ بھی ہوا، وہ اس کی سمجھ سے باہر تھا۔ ہاں ٹھیک ہے وانیہ اس کی پسند تھی مگر آج اس نے اپنے خیال کی تردید کی تھی۔ وہ آج اپنی اس پسندیدگی کو عشق کا نام دے چکا تھا۔ یہ عشق ہی تو تھا جو محبوب کی سامنے موجودگی پر وہ اپنے ہواس ہی کھو بیٹھا تھا۔ یہ عشق ہی تو تھا جس نے اس کے تمام تر الفاظ کو وانیہ کے سامنے زنجیر کر دیا تھا۔

---

مانو اپنے کمرے میں منہ پھلائے بیٹھی تھی۔ آج حاتم کے اسطرح جھڑکنے سے وہ بہت زیادہ خوفزدہ ہو گئی تھی۔

نجانے وہ اتنا غصہ کیوں کر گیا تھا حالانکہ ں مانو تو بس اس کے ساتھ رہنا چاہتی تھی۔ وہ سر جھکائے منہ پھلائے بیٹھی تھی جب کسی نے پیچھے سے آکر اس کی ننھی آنکھوں پر اپنا ایک ہاتھ رکھا تھا۔ مانو کے لبوں پر مسکراہٹ بکھری تھی۔ یہ خوشبو، یہ لمس وہ اچھے سے پہچانتی تھی۔

"بھائی...!" وہ چلاتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ "آپ آگئے بھائی...!" وہ پر جوش سی اس کی جانب لپکی تھی۔

"میری جان مجھے مس کرے اور میں نا آؤں، ایسا ہو سکتا ہے کیا؟" مقابل نے اسے اپنی گود میں اٹھاتے پیار کیا تھا۔

"لیکن میں ناراض ہوں آپ سے... آپ اتنے دنوں بعد آئے ہیں۔" اس کی گردن کے گرد باہیں ڈالے مانو نے منہ بسورے کہا تھا۔

"بس کام تھوڑا زیادہ تھا نا... مجھے یہ بتائیں کہ آپ کیوں یہاں اتنی اداس بیٹھی تھیں؟"

"وہ بین...!" مانو نے اپنی زبان کو فورا بریک لگائی تھی۔ اگر وہ سامنے موجود شخص کے سامنے یہ ذکر کر دیتی کہ اسے
کسی نے ڈانٹا ہے تو پھر اس کے بین کی بالکل بھی خیر نہیں تھی۔

"مس کر رہی تھی آپ کو...!" مانو نے اس کی گردن کے گرد اپنی گرفت اور مضبوط کر لی تھی۔

"میرا چھوٹا سا بچہ...!" "مجھے پتا تھا کہ میرا بیٹا یہی ہو گا۔" سونی ناراضگی سے کہتی ہوئی کمرے کے اندر داخل ہوئی تھی۔

"میں نے تمہیں چینج کرنے کا کہا تھا عبداللہ؟" وہ خفا خفا سی گویا ہوئی تھی۔

"جا رہا تھا میں...!" مانو کو گود سے اتارے اس نے فوراً اپنے قدم باہر کی جانب بڑھائے تھے۔

"جلدی سے فریش ہو کر آؤ پھر ساتھ میں کھانا کھاتے ہیں۔"سونی کے چہرے پر حد سے زیادہ سنجیدگی تھی۔

"آپ ناراض ہیں مجھ سے؟"وہ جب سے گھر لوٹا تھا۔سونی کا برتاو کچھ عجیب سا تھا۔

"اس بارے میں بعد میں بات ہو گی پہلے جا کر چینج کرو۔"چہرے پر اب بھی ہنوز سنجیدگی تھی۔

"مام پلیز! کم از کم آپ تو ڈیڈ کی طرح برتاو نا کریں۔"اس نے سونی کو خود سے لگا یا تھا۔

"تمہیں اندازہ ہے کہ تم کتنے مہینوں بعد گھر لوٹے ہو؟"سونی کی آنکھیں چھلکنے لگی تھیں۔

"مام...!"اپنی ماں کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر وہ تڑپ اٹھا تھا۔

"آخر تم کب سدھرو گے عبداللہ؟"وہ اب اس کے گلے لگی شکوہ کر رہی تھی۔

"شاید کبھی نہیں...!"وہ بڑبڑایا تھا۔

"اب تم کسی قسم کے فضول ٹرپ پر نہیں جاؤ گے۔"سونی نے اسے انگلی اٹھا کر وارننگ دی تھی۔

"اوکے مائی سویٹی!"عبداللہ کے شرارت سے کہنے پر سونی نے ایک تھپڑ اس کے بازو پر جڑا تھا۔وہ ہنس دیا تھا۔

"میں بھی یہاں پر موجود ہوں۔"دونوں نے ہی اس آواز کے تعاقب میں نظریں جھکا کر نیچے دیکھا تھا۔مانو کمر پر ہاتھ رکھے دونوں ماں بیٹے کو گھور رہی تھی۔

"او میرا بچہ...!"عبداللہ نے محبت پاش لہجے میں اسے ایک بار پھر گود میں اٹھا کر پیار کیا تھا۔

"میں اب ناراض ہوں۔"وہ منہ بسورے اس کے گلے لگی تھی۔

"میں اپنی جان کو منا لوں گا۔"وہ مسلسل اس سے باتیں کرتا باہر کی جانب بڑھا تھا۔سونی اپنے خاندان کی خوشیوں پر بے حد خوش تھی۔

---

شام کی چائے کا اہتمام باہر لان میں کیا گیا تھا۔ بہار کا موسم کافی خوشگوار تھا۔ پودوں سے پھوٹتی ننھی ننھی کونپلیں دیکھنے میں بھلی لگ رہی تھیں۔ وہ ایک کرسی پر خاموشی سے بیٹھا گرین ٹی پی رہا تھا۔ ہر سپ کے ساتھ اسے کوئی نا کوئی نیا طعنہ سننے کو ملتا تھا۔ آج اس کے اتنے دنوں بعد آمد پر مصطفی نے اسے آڑے ہاتھوں لیا تھا۔ مگر مجال تھی جو اس کے ماتھے پر ایک بھی شکن آئی ہو یا آنکھیں ایک بار بھی شرمندگی سے جھکی ہوں۔ اس کے

چہرے پر بے حد اطمینان اور سنجیدگی تھی۔ ایسے جیسے وہ یہ بے عزتی انجوائے کر رہا ہو اور یہی چیز مقابل کو تپانے

کے لیے کافی تھی۔

"سونی اپنے بیٹے کو کہو کہ جب اس نے میری کسی بات کا جواب نہیں دینا ہوتا تو اس گھر میں میرے سامنے یہ شکل لے کر مت آیا کرے۔" وہ بول بول کر اب تھک چکے تھے۔

"آپ مجھے گھر سے جانے کا کہہ رہے ہیں؟" سونی کے کچھ بولنے سے پہلے ہی وہ پہلی بار براہ راست مصطفی سے مخاطب ہوا تھا۔

"ہاں...!" مصطفی اپنی اس اولاد سے بہت زیادہ تنگ تھے۔

"اوکے!" کپ واپس ٹرے میں رکھے وہ اسی سنجیدگی سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

جہاں مصطفی کا چہرہ سرخ پڑا تھا وہیں سونی نے باقاعدہ اپنا سر پیٹا تھا۔

"بیٹھو! واپس بیٹھو...!" وہ شدید مشتعل انداز میں گویا ہوئے تھے۔

“Are you sure?”

چہرے پر اب بھی وہی سنجیدگی تھی۔ مصطفی کا صبر جواب دے گیا تھا۔ وہ غصے سے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

"آخر تم ہو کیا...؟اور یہ سب کر کے تم ثابت کیا کرنا چاہتے ہو؟"مصطفی کی رعب دار آواز سن کر ایک لمحے کے لیے سونی بھی گھبرا گئی تھی۔

"میں آپ کا بیٹا ہوں ڈیڈ!اور میں تو بس ایک اچھا بیٹا بننے کی کوشش کر رہا ہوں۔"مجال تھی جو مقابل کے اطمینان میں ذرا برابر بھی کمی آئی ہو۔

"سونی اپنے اس لاڈلے سے کہو کہ میری نظروں سے دور ہو جائے بلکہ میں ہی چلا جاتا ہوں۔"مصطفی شدید طیش کی
حالت میں وہاں سے چلے گئے تھے۔

"اب میں نے کیا کر دیا؟"اس نے اسی سنجیدگی سے سونی کی جانب دیکھا تھا۔

"اتنے معصوم نا بنو عبداللہ!ماں ہوں میں تمہاری!تمہاری فطرت سے اچھی طرح واقف ہوں۔اچھے سے جانتی ہوں
کہ تم یہ سب جان بوجھ کر کرتے ہو۔"سونی نے اٹھتے ساتھ ہی شکایتی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"میں ایسا کیوں کروں گا مام؟"اس بار چہرے پر سنجیدگی کے ساتھ بے بسی بھی در آئی تھی۔

"کیونکہ یہ تمہارا لوگوں کو اذیت پہنچانے کا منفرد طریقہ ہے۔"سونی بھی غصے سے وہاں سے چلی گئی تھی۔

عبداللہ نے لاپروائی سے کندھے اچکا کر اب گاڑی کی چابی اٹھائی تھی۔

---

وانیہ نے بہت دماغ لگا کر پلین ترتیب دے ہی دیا تھا۔ملازمہ کی غیر موجودگی میں وہ چپکے سے اس کے کواٹر میں جا کر لائٹر لانے میں کامیاب ٹھہری تھی۔اپنے کمرے میں آکر اس نے کچھ کاغذ پھاڑ کر ڈسٹ بین میں پھینکے تھے۔وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ اس سب کے بعد نائل اس سے شدید خفا ہو گا مگر وہ سوچ چکی تھی کہ کس

طرح اس سارے معاملے کا الزام ملازمہ پر ڈالنا ہے۔ کیمرہ فکس کیے اس نے آگ جلائی تھی۔ وہ کچھ دیر بغیر
پلکیں جھپکائے آگ
کو دیکھتی رہی تھی۔ وہ ہمیشہ ہی خود کو جان بوجھ کر نقصان پہنچاتی تھی۔ راز کی تلاش نے اسے بالکل دیوانہ کر
دیا تھا۔ مسلسل بھڑکتی آگ کو دیکھ کر وانیہ کی حالت خراب ہونے لگی تھی۔ چیخوں کا سلسلہ ایک بار پھر شروع
ہو چکا تھا۔ اس کے اسطرح چلانے کی وجہ سے ماہم فوراً وہاں پہنچی تھی۔ گھر کے کسی بھی ملازم کو اٹیک کے
وقت اس کے قریب آنے کی اجازت نہیں تھی۔ وانیہ نے سب کچھ بہت سوچ سمجھ کر کیا تھا۔ اس نے جان
بوجھ کر یہ سب
نائل کی غیر موجودگی میں کیا تھا تاکہ وہ اسے سنبھال نا سکے۔

"مام! مام...!" وہ دیوانہ وار آگ کو اپنے ہاتھوں سے بجھانے کی کوشش کر رہی تھی۔ ماہم اسے سنبھالنے کی
کوشش میں
بری طرح ناکام ہوئی تھی۔ وہ صرف نائل کے ہی قابو میں آتی تھی۔

"نین بھاگ جاؤ... بھاگ جاؤ۔" تقریباً بیس منٹ تک یہ سلسلہ چلا تھا اس کے بعد وہ ہوش و ہواس سے بیگانہ
ہو گئی
تھی۔ وانیہ کو ہوش ہسپتال کے بستر پر آیا تھا۔ اس کے ہاتھ پر ڈرپ لگی ہوئی تھی۔ وہ سر میں شدید درد محسوس
کر رہی تھی۔

"میری جان! کیسی ہیں اب آپ؟" نائل نے محبت سے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرا تھا۔ وانیہ نے آنکھوں
کے اشارے سے

اسے اپنے صحیح ہونے کا بتایا تھا۔ حیران تو وہ بہت تھی۔ اصولاً تو نائل کو اس پر مشتعل ہونا چاہیئے تھا مگر وہ اس سے محبت سے بات کر رہا تھا۔

"زیادہ درد تو نہیں ہو رہا؟" نائل نے ایک بار پھر اسی نرمی سے پوچھا تھا۔

ڈاکٹرز کے کہے مطابق اس کے دماغ کی نس پھٹتے پھٹتے بچی تھی۔ اور انہوں نے وانیہ کو کسی بھی قسم کے سٹریس سے دور رکھنے کا کہا تھا۔ مگر ڈاکٹرز اس بات سے انجان تھے کہ وہ خود جان بوجھ کر ٹریس لیتی اور دیتی بھی تھی۔ دوائیوں کے زیر اثر اس پر غشی طاری ہوئی تھی۔ آخری چیز جو اسے یاد تھی وہ موبائل میں بنی وہ وڈیو تھی۔ یقیناً اس بار اسے ضرور کچھ نا کچھ پتا چل جائے گا کیونکہ نائل نے بروقت وہاں پہنچ کر اسے نہیں سنبھالا تھا۔ اب بس اسے جلد از جلد گھر جانا تھا۔ اسے یقین تھا کہ اس وڈیو پر ہی اس کی تمام تر کھوج مکمل ہو گی۔

---

وانیہ کی حالت بہتر ہونے کے پیش نظر اسے شام تک ڈسچارج کر دیا جانا تھا۔ وہ ہسپتال کے بستر پر گہری نیند میں سو رہی تھی جب کسی انجانی خوشبو کے احساس کے تحت وہ نیند میں بھی اچھی خاصی بے چین ہوئی تھی۔ اسے اپنی گردن پر کسی کے لمس کا احساس ہوا تھا۔ پھر وہ اپنے بالوں میں کسی کی چلتی انگلیاں محسوس کر رہی تھی۔ اس نے آنکھیں کھولنی چاہی تھیں مگر دوائیوں کے زیر اثر
غنودگی اب بھی اس پر طاری تھی۔ آنکھوں پر بوجھ ہونے کی وجہ سے وہ انہیں کھول پا رہی تھی۔ اگر اس کی جگہ کوئی اور یہاں ہوتا تو کبھی بھی اتنی سٹرونگ دوائیوں کے زیر اثر یہ سب محسوس نا کر پاتا مگر وہ وانیہ تھی، وانیہ آفندی...

مقابل کی انگلیاں اب رک چکی تھیں۔ اب وہ اپنے چہرے پر کسی کی گرم سانسوں کی تپش محسوس کر رہی تھی۔ اگلے عمل پر وانیہ کی آنکھیں مکمل طور پر کھلی تھیں۔ اس کی

ٹھوڑی پر کسی نے اپنے لب رکھے تھے۔ وہ گھبرا کر فوراً اٹھ بیٹھی تھی۔ حیرت کا جھٹکا تو اسے تب لگا جب اس نے وہاں کسی کو نا پایا تھا۔ کمرہ خالی تھا۔ وانیہ نے اپنے چکراتے سر کو تھاما تھا۔

"کون ہے؟" اس نے ہمت جمع کر کے پوچھا تھا۔ جواب ندارد تھا۔ وانیہ نے بستر سے اٹھنے کی کوشش کی تھی مگر وہ اس قدر شدید کمزوری کے باعث وہ نہیں اٹھ سکی تھی۔

"بھائی...!" اس نے ایک بار پھر نظریں گھما کر ارد گرد دیکھا تھا۔ "نہیں بھائی نہیں تھے۔" پہلے پہل اسے لگا کہ شاید نائل اس کے پاس ہو مگر پھر بعد میں اس نے خود ہی اپنے خیال کی تردید کی تھی۔ اس کا لمس، چھونے کا انداز اسے کچھ اور ہی بتا رہا تھا۔ یہ اس کے ساتھ زندگی میں پہلی دفعہ ہوا تھا کہ کوئی اس کے اتنا قریب آیا ہو۔ وانیہ گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔ جب نرس کے اندر داخل ہونے پر اس کی سوچوں کا تسلسل ٹوٹا تھا۔ وہ پھولوں کا بکے لے کر اندر داخل ہوئی تھی۔

"یہ آپ کے دوست نے بھیجا ہے۔" اس نے کہتے ساتھ ہی وہ بکے اس کے بستر کے پاس رکھا تھا۔ بکے رکھنے کے بعد وہ نرس باہر چلی گئی تھی۔

وانیہ کچھ دیر غائب دماغی کی حالت میں اس گلاب کے گلدستے کو گھورتی رہی تھی پھر اس نے ہاتھ آگے بڑھا کر وہ گلدستہ اٹھایا تھا۔ "شاہین...!" پھولوں کی خوشبو اپنے اندر اتارتے اس کے لبوں نے خود بخود ایک نام ادا کیا تھا۔

"تم یہاں آئے تھے۔" وہ ایکدم ہی فریش ہوئی تھی۔ ساری نیند، ساری غشی جیسے ختم ہوئی تھی۔ پھولوں کو اپنے قریب رکھے وہ مسکراتی ہوئی واپس لیٹی تھی۔ کچھ دیر لیٹنے کے بعد اچانک ہی اس کے دماغ میں جھماکہ ہوا تھا۔ وہ فوراً اٹھ کر بیٹھی تھی۔ "اگر پھول بھیجے ہیں تو نوٹ بھی ضرور ہو گا۔" وانیہ نے گلدستے کو الٹ پلٹ کر دیکھا تھا۔ گلدستے کے بہت اندر کہیں جا کر اسے نوٹ مل ہی گیا تھا۔ وانیہ نے پر جوش ہو کر وہ خط کھولا تھا۔

"تیرا حسن میری جاں لے گیا...

تیری ہنسی مجھے پاگل کر گئی...

تجھے دیکھنے کے بعد کسی

اور کو دیکھنے کی تمنا نہ رہی...

تیرے لمس کی خوشبو میری ہتھیلی

میں بس گئی...

دیدار یار کے بعد اب یہ دل وصل

یار کے لیے مچل رہا ہے...

بس کچھ وقت اور، ایک نیا دیس

تیرا منتظر ہے۔"

اس نے لکھی گئی تحریر پر ہاتھ پھیرا تھا۔ پھر لاشعوری میں وا نیہ وہ ہاتھ لبوں تک لے گئی تھی۔ اس کا چہرہ شرم سے گلال ہوا تھا۔ پلکوں کا بوجھ اسے نظریں جھکانے پر مجبور کر گیا تھا۔ شاعری کا مفہوم سمجھنے کی اس نے زحمت نہیں کی تھی۔ وہ تو کہیں اور ہی کھوئی ہوئی تھی۔ ایک الگ دنیا میں، جہاں پر وہ ہو اور اس کا شاہین... "تم کہاں ہو شاہین؟" ایک بار پھر اس پر غنودگی طاری ہوئی تھی۔

---

برسات کے گرتے آخری قطرے تک وہ آنکھیں بند کیے ٹیرس پر کھڑی رہی تھی۔ ہوا کے تیز جھونکے اس کے وجود سے ٹکرا رہے تھے۔ چہرے پر اب بھی بارش کی بوندیں رقص

کر رہی تھیں۔ بارش کے رکنے کا یقین کرتے سنیہا نے آہستگی سے آنکھیں کھولی تھیں۔ اسے اپنے رب سے بے پناہ شکایتیں تھیں۔ زندگی میں پہلی بار تو اس کا دل کسی کے لیے دھڑکا تھا مگر اس شخص نے ہی اس کے دل کو بری طرح توڑا تھا۔ خود پر بیتے ہر ایک ستم کو یاد کرتے اس کی بائیں آنکھ سے ایک آنسو ٹوٹ کر گال پر گرا تھا۔ اس نمکین پانی کے قطرہ نے برسات کے میٹھے پانی کے قطرے سے مل کر گال سے ٹھوڑی تک کا سفر طے کیا تھا۔ ایک ٹھنڈی مگر گہری سانس اندر کھینچتے وہ پلٹی تھی۔

سامنے نائل کو کھڑا دیکھ سنیہا بوکھلا گئی تھی۔ ایک قدم اٹھانے کی دیر تھی کہ اس کا پیر پھسلا تھا۔ اس کی کمر کے گرد اپنے دونوں بازو حائل کرتے نائل نے اسے گرنے سے بچا لیا تھا۔

"چھوڑنا مت...!" سنیہا نے خوف کے مارے اس کے بازو کو سختی سے دبوچا تھا۔

اس کی آنکھوں میں خوف دیکھ کر نائل کے لبوں پر مسکراہٹ رینگ آئی تھی۔ نائل نے فراخ دلی کا مظاہرہ کرتے سنیہا کو آہستگی سے چھوڑا تھا۔ اب وہ ہاتھ پر ہاتھ باندھے دلچسپی سے اس کے بھیگے وجود کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس کی مسلسل چبھتی نگاہوں سے وہ شرم سے پانی پانی ہوئی تھی۔ اس نے گلے میں موجود بھیگے ڈوپٹے سے خود کو ڈھانپنے کی ناکام کوشش کی تھی۔ غصہ تو اسے نائل پر بھی آیا تھا۔ جو شخص اسے نظر اٹھا کر دیکھنا تک گوارا نہیں کرتا تھا، آج وہی شخص اس سے نظریں ہٹانے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔ شرم سے سرخ ہوتے چہرے کے ساتھ وہ تقریباً وہاں سے بھاگی تھی جب نائل نے اسے بازو سے پکڑ کر اپنی جانب کھینچا تھا۔

"آہہہہ..!" سنیہا کی چیخ نکلی تھی۔

"تمہیں یاد ہے تم نے مجھے کہا تھا کہ میں تمہارے قریب تب ہی آؤں جب میں تمہاری قیمت ادا کر سکوں۔" وہ پہلے

ہی اس کے اسطرح خود کو کھینچنے پر بوکھلا گئی تھی اور اب اچانک اس کی یہ بات...

"میں نے بہت سوچا اور آج میں وہ قیمت ادا کرنا چاہتا ہوں۔" سنیہا کے اندر چھن سے کچھ ٹوٹا تھا۔ اگر نائل نے اسے نا پکڑا ہوتا تو یقیناوہ گر جاتی۔ اس کے باپ نے اس کی قیمت دس کڑور لگائی تھی اب وہ سامنے کھڑا شخص نجانے اس کی کیا قیمت لگانے والا تھا؟ ہر چیز برداشت تھی مگر یہ نہیں... وہ اس کی بیوی تھی۔ ان کے درمیان ایک نہایت ہی پاکیزہ رشتہ تھا۔ اب وہ یہ سب برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ سنیہا کے مزید قریب ہوتے نائل نے اپنا دائیاں ہاتھ اس کے کندھے پر رکھا تھا۔ اس کا ہاتھ اب اس کے ڈوپٹے پر
تھا۔ اپنی گردن سے ڈوپٹے کو مسلسل سرکتے محسوس کرتے سنیہا نے سختی سے آنکھیں میچی تھیں۔ اس کا دل بری طرح کانپنے لگا تھا۔

"سسسی...!" ڈوپٹے کے گردن سے جدا ہوتے ہی اس کی سسکی نکلی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ نڈھال سی زمین پر
ڈھے جاتی، اسے اپنے سر پر کچھ محسوس ہوا تھا۔ اس کی بھیگی زلفوں پر کچھ ٹھنڈی اور گیلی چیز... وہ آنکھیں کھولنے پر مجبور ہو گئی تھی۔ آنکھیں کھولتے ہی اسے حیرت کا شدید جھٹکا لگا تھا۔ ڈوپٹہ اس کی گردن پر نہیں تھا، وہ نائل کے ہاتھ میں بھی نہیں تھا وہ پاس پڑی کرسی پر بھی نہیں تھا نا ہی وہ زمین پر تھا تو پھر وہ کہاں تھا...؟ ڈوپٹہ سنیہا کے سر پر تھا۔ اس کی آنکھیں چھلکنے لگی تھی۔ بے یقینی کا ایک سمندر تھا سنیہا کی آنکھوں میں...

"اس رشتے کی قیمت محض عزت و احترام ہے۔ ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں ایک دوسرے کا ساتھ دینا ہے۔" نائل نے اسے کندھوں سے تھامتے بہت نرمی سے کہا تھا۔ "تھک گیا ہوں میں، خود سے لڑتے لڑتے..." وہ سانس لینے کو رکا تھا جبکہ سنیہا کے قدم زنجیر ہوئے تھے۔

وہ خواب اور حقیقت کے درمیان کہیں الجھی ہوئی تھی۔ کم از کم یہ وہ الفاظ نہیں تھے جسے وہ سننے کی توقع کر رہی تھی۔

"میرا ذہن ہمیشہ سے ہی کشمکش کا شکار تھا۔ تم قصوروار ہو یا نہیں... میں ہمیشہ یہی سوچتا رہا۔ اور آخر کار میں اس نتیجے پر پہنچ ہی گیا کہ تم بے قصور ہو۔" وہ دم سادھے اسے سن رہی تھی۔ جب نائل نے اس کے سامنے اپنی ہتھیلی
پھیلائی تھی۔

"کیا تم مجھے اور اس رشتے کو ایک اور موقع دو گی؟" اس کے آگے ہاتھ پھیلائے وہ استفسار کر رہا تھا۔ وہاں کچھ بھی
فلمی نہیں تھا۔ نا تو نائل نے اسے عاشقوں کی طرح پرپوز کیا تھا اور نا ہی وہ یہ کرنے والا تھا۔ وہ بس بہت ہی سادگی
سے اس سے اس کا ساتھ مانگ رہا تھا۔

سنیہا کے لیے یہی بہت تھا بلکہ بہت زیادہ تھا۔ وہ ابھی بھی حقیقت اور خواب کے درمیان کہیں گم تھی۔

"سنیہا...؟"

نائل کے ایک بار پھر پکارنے پر وہ ہوش میں آئی تھی۔ اس نے نظر اٹھا کر سامنے کھڑے شخص کی طرف دیکھا تھا۔ معمہ حل ہو چکا تھا۔ یہ خواب نہیں حقیقت تھی۔ اس بات کا یقین کرتے کہ یہ حقیقت ہے، سنیہا کی آنکھیں سرخ ہوئی تھیں۔

"میں تمہیں ہرگز کوئی موقع نہیں دوں گی۔" اب کی بار حیران ہونے کی باری نائل کی تھی۔ وہ اس جواب کی توقع
نہیں کر رہا تھا۔

اسے ڈسچارج ہوئے آج دوسرا دن تھا۔ مگر اس کے آگے پیچھے ملازماؤں کی فوج تھی اور ماہم بھی اسے ایک لمحے کے لیے اکیلا نہیں چھوڑتی تھی۔ وہ رات میں بھی اس کے ساتھ سوتی تھی۔ آج موقع پاتے ہی وہ بک شیلف کے پاس گئی تھی۔ اس نے کتابوں کو الٹ پلٹ کر دیکھا تھا۔

"میرا فون...؟" موبائل کی غیر موجودگی پر وہ ہواس باختہ ہوئی تھی۔ "میرا فون کہاں گیا؟" وہ پاگلوں کی طرح کتابیں شیلف سے نیچے پٹخ رہی تھی۔ "میرا فون...؟" وہ پوری قوت سے چلائی تھی۔

"کیا ہوا بی بی جی؟" ملازمہ ڈورتی ہوئی اس کے کمرے میں آئی تھی۔

"میرا فون...؟ یہاں پر تھا میرا فون...؟ کہاں ہے؟" وہ سرخ پڑتے چہرے کے ساتھ چیخی تھی۔

"بی بی جی! مجھے آپ کے فون کا نہیں پتا... یہاں تو بس کچھ پرانی کتابیں کتنے عرصے سے پڑی ہوئی تھیں، میں نے انہیں پھینک دیا تھا۔" وانیہ کی آنکھوں میں خون اترا تھا۔ تیزی سے آگے بڑھتے اس نے ایک ہی جھٹکے میں اس ملازمہ

کو گلے سے دبوچا تھا۔

"تمہاری ہمت کیسے ہوئی میری مرضی کے بغیر میری چیزوں کو چھونے کی...؟" اس نے کتابوں کے درمیان بہت

چھپا کر فون فکس کیا تھا۔ "کیسے چھوا تم نے میری چیزوں کو...؟" اس نے ملازمہ کو زمین پر دھکہ دیا تھا۔

"جان لے لوں گی میں تمہاری...!" اس نے فرش پر بیٹھتے ایک بار پھر ملازمہ کو گلے سے دبوچا تھا۔ ملازمہ کی سانسیں اکھڑنے لگی تھیں۔

"وانیہ...!" ماہم کمرے کے اندر داخل ہوتے ہی بھاگ کر اس جانب بڑھی تھی۔ اس نے ملازمہ کو اس کی گرفت سے آزاد کروایا تھا۔

"میں جان لے لوں گی اس کی...!" وانیہ کے سر پر خون سوار تھا۔

"چٹاخ...!" وانیہ کو بازو سے پکڑ کر کھڑا کرتے ماہم نے اسے تھپڑ کھینچ مارا تھا۔

"ہوش میں آؤ وانیہ...!" اپنے منہ پر ہاتھ رکھے وانیہ نے بے یقینی سے ماہم کی طرف دیکھا تھا۔

"بس بہت ہو گیا، اب مزید تمہاری کوئی بھی غلط حرکت میں برداشت نہیں کروں گی۔" ماہم ایک ٹھنڈے مزاج کی خاتون تھی مگر آج وہ شدید طیش کی حالت میں تھی۔

"نائل کے گھر آنے تک تم یہاں سے ہلو گی بھی نہیں...!" اسے کلائی سے تھامے ماہم نے اسے بستر پر پٹخا تھا۔ ملازمہ کو باہر لے جاتے ہی ماہم نے کمرہ باہر سے لاک کیا تھا۔

"پھوپھو! پھوپھو نے مجھے مارا...!" وہ دیوانہ وار کبھی اپنے گال کو چھو رہی تھی تو کبھی اپنے بالوں میں انگلیاں پھیر رہی تھی۔ "مجھے مارا پھوپھو نے...!" اس کے ہاتھ کپکپا رہے تھے، آنکھیں سرخ تھیں اور اس کا پورا وجود ہی جیسے ہانپ رہا تھا۔

"کوئی مجھ پر کیسے ہاتھ اٹھا سکتا ہے؟ کیسے...؟" اس نے

باقاعدہ اپنے بال نوچے تھے۔ اسے کمرے میں لاک کیے ماہم کی آنکھیں نم ہوئی تھی۔ وانیہ اس کی بھتیجی تھی اور اس کے لیے بے حد خاص تھی۔

"آخر نائل کیوں نہیں سمجھتا کہ وانیہ ایک نفسیاتی مریض ہے۔ اسے عام لوگوں کے درمیان نہیں ہونا چاہیئے۔" ماہم نے

افسوس سے سر جھٹکا تھا۔ وانیہ نائل کے لیے بہت اہم تھی۔ وہ اس کی زندگی تھی۔ وہ یہ بات سمجھنا ہی نہیں چاہتا تھا کہ اس کی بہن عام لوگوں جیسی نہیں ہے۔ وہ دماغی

مرض کا شکار تھی جس کا علاج شاید ممکن نہیں تھا۔نائل نجانے کتنے سالوں سے ہر طرح سے اس کا علاج کروا رہا تھا مگر پھر بھی اس کی کنڈیشن میں کوئی سدھار نہیں آرہا تھا۔

---

"جو زخم تم مجھے دے چکے ہو اس کے بعد تم ایک اور موقع کی توقع کیسے کر سکتے ہو؟"اندر کا لاوا آج باہر آ رہا تھا۔

"میں ازالہ کرنا چاہتا ہوں۔"نائل نے اس کا ہاتھ تھاما تھا۔

"مجھے اعتبار نہیں ہے۔"وہ پہلے بھی اس سے معافی مانگ چکا تھا مگر اس کے بعد بھی وہ اسے اذیت پہنچاتا رہا تھا۔ جسمانی طور پر نا سہی مگر دماغی طور پر اس نے سنیہا کو بہت اذیت پہنچائی تھی۔

"ایک بار اور آزما لو۔میں پوری کوشش کروں گا کہ تمہیں خوش رکھ سکوں۔"نائل دو قدم چلتا اس کے مزید قریب

آیا تھا۔وہ کچھ دیر نم آنکھوں سے اس کے چہرے کی طرف دیکھتی رہی تھی

جہاں ہمیشہ کی طرح آج بھی سنجیدگی تھی۔پھر وہ اپنا تمام تر ضبط کھوئے اس کے سینے سے لگی ہچکیوں سمیت رو دی تھی۔نائل نے بہت آہستگی سے اس کے گرد حصار قائم کیا تھا۔

"تم بہت برے ہو بہت زیادہ...!"اس کی شرٹ کو مٹھیوں میں دبوچے وہ مسلسل سسک رہی تھی۔

"تم نے مجھ پر ہاتھ اٹھایا، تم نے مجھے ذلیل کیا۔تم نے میری قیمت ادا کی۔تم نے مجھے بالکل توڑ دیا نائل...!"اس نے

اپنے ہاتھ کا مکا بنائے نائل کے دل کے مقام پر مارا تھا۔

"تم نے میرا سر فرش پر پٹخا تھا۔"اس سے الگ ہوتے وہ غصے سے گویا ہوئی تھی۔

"تم بھی پٹخ دو۔" نائل نے نہایت فراخ دلی سے اسے مفید مشورہ دیا تھا۔

"تم نے میرے بال بھی کھینچے تھے۔" اگلا شکوہ کیا گیا تھا۔

"اس کی اجازت میں تمہیں نہیں دوں گا۔ ہیئر سٹائل خراب ہو جائے گا میرا!"

اس بات پر سنیہا نے اسے پیچھے کی طرف دھکیلا تھا۔

"تم نے مجھے گالی دی تھی۔" اس کے شکوے بالکل بجا تھے مگر وہ غلط شخص کے سامنے شکوے کر رہی تھی۔

"تمہیں نہیں تمہارے باپ کو دی تھی۔ ویسے تم چاہو تو مجھے بھی دے سکتی ہو۔" کیا شاہانہ انداز تھا؟ سنیہا تو دنگ ہی رہ گئی تھی۔

"تم سچ میں مجھ سے ایک اور موقع مانگ رہے ہو؟"

"ہاں...!" چہرے پر اب بھی وہی سنجیدگی تھی۔ سنیہا کا سر صحیح معنوں میں چکرایا تھا۔

"اچھا ٹھیک ہے۔" ہاتھ کھڑے کیے اس نے جیسے ہتھیار ڈالے تھے۔

"بھول جاتے ہیں سب کچھ اور ایک نئی زندگی شروع کرتے ہیں۔" نائل نے اسے بازوں سے تھامتے اپنے قریب کیا تھا۔

"ایک شرط پر...!" سنیہا نے اس کی سنہری آنکھوں میں دیکھتے بہت مان سے کہا تھا۔ شاید اسے یقین تھا کہ وہ اس کی ہر شرط مانے گا۔

"کونسی شرط...؟" نائل کے ماتھے پر سلوٹیں ابھری تھیں۔

"تمہیں وعدہ کرنا ہو گا کہ تم آج کے بعد اچھا شوہر بننے کی کوئی کوشش نہیں کرو گے؟" اب کی بار سنیہا نے اس کے آگے ہتھیلی پھیلائی تھی۔

وہ چند ثانیے اسے دیکھتا ہی رہا تھا پھر سنہری آنکھوں میں چمک ابھری تھی، ایک عجیب سی چمک...

"یعنی تم یہ تسلیم کر رہی ہو کہ میں اچھا شوہر ہوں۔" اپنے آگے پھیلا یا ہوا اس کا ہاتھ تھامتے نائل نے ایک آنکھ اچکا کر کہا تھا۔

"استغفر اللہ! توبہ توبہ...!" اپنا ہاتھ واپس کھینچتے سنیہا نے ایک جھر جھری لی تھی۔

اس کے اتنے شدید رد عمل پر نائل کا چہرہ دھواں دھواں ہوا تھا مگر فلحال اس نے صبر کا دامن تھامے رکھا تھا۔ اتنی مشکل سے تو وہ مانی تھی اب وہ دوبارہ اسے ناراض نہیں کر سکتا تھا۔

"یعنی میں اچھا شوہر نہیں ہوں؟" نائل نے بھنویں سکیڑے استفسار کیا تھا۔

"بالکل بھی نہیں...!" سنیہا نے نفی میں سر ہلانے میں ایک لمحے کی دیر نہیں کی تھی۔

"ٹھیک ہے تو پھر میں اچھا شوہر بننے کی کوششیں جاری رکھوں گا۔" سنیہا کے اوسان فوراً خطا ہوئے تھے۔

"میں تو مذاق کر رہی تھی۔ تم بہت اچھے شوہر ہو بس پلیز تم ایسی کوئی کوشش مت کرنا۔"

"گڈ گرل!" نائل کو اس کی یہ تائید بہت پسند آئی تھی۔

"میں چینج کر کے آتی ہوں۔" اسے اچانک ہی ٹھنڈ کا احساس ہوا تھا۔

"میرے کپڑے بھی نکال دو۔" سنیہا کے بڑھتے قدم رک گئے تھے۔ دل زور سے دھڑکا تھا۔

"کیا...؟" اسے اپنی جگہ سے نا ہلتا دیکھ نائل نے اس کے چہرے کے آگے چٹکی بجائی تھی۔ وہ فوراً ہوش میں آئی تھی۔

"میں نکالوں...؟" اس نے بے یقینی سے پوچھا تھا۔ جو شخص اسے اپنے کمرے میں جانے کی اجازت نہیں دیتا تھا وہ شخص آج اسے نا صرف اپنے کمرے تک رسائی دے رہا تھا بلکہ اپنی الماری تک بھی...

"ایک سیکنڈ! کہیں تم اس خوش فہمی میں مبتلا تو نہیں ہو کہ میں تمہیں ہاتھوں کا چھالا بنا کر رکھوں گا اور تمہیں

کوئی کام نہیں کرنا پڑے گا؟" نائل نے عجیب نظروں سے اسے گھورا تھا۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" سنیہا نے فوراً اس کی بات کی تردید کی تھی۔ نا تو اس نے ایسے کوئی خواب دیکھے تھے اور نا ہی اسے کام چوری کی عادت تھی۔

"گڈ!" نائل کی جان میں جان آئی تھی۔

"پلیز اب جا کر نکال دو کپڑے، سارے بھیگ گئے ہیں۔ اتنا روتی ہو تم! ساری شرٹ بھگو دی تم نے...!" وہ عجیب و غریب شکلیں بنائے آگے بڑھا تھا۔

"کڑوا کریلا...!" سنیہا بھی بڑبڑاتی ہوئی اس کے پیچھے گئی تھی۔

---

فارم ہاؤس سے وہ سیدھا گھر کے لیے روانہ ہوا تھا۔ اسے وانیہ کی بے حد فکر تھی۔ ایک بڑی اور سنسان سڑک پر گاڑی چلاتے وہ مسلسل وانیہ کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اچانک سڑک کے بیچ و بیچ اس کی گاڑی اپنا توازن برقرار نہیں رکھ سکی تھی۔ نائل نے سٹیرنگ کو بہت مہارت سے گھمایا تھا مگر پھر بھی گاڑی سامنے موجود درخت سے ٹکرا گئی تھی۔ اس کا سر بھی سٹیرنگ سے ٹکرایا تھا۔ ماتھے پر ایک چھوٹا سا زخم آیا تھا۔ اس نے لاپروائی سے ٹشو پیپر سے بہتے خون کو صاف کیا تھا۔ ڈیش بورڈ پر پڑی گن اٹھائے وہ باہر نکلا تھا۔ اس نے ارد گرد طائرانہ نگاہ دوڑائی تھی۔ اب اس نے اپنی نگاہیں نیچے سڑک پر گاڑھی تھیں۔ وہاں جگہ جگہ کیل بکھرے پڑے تھے۔ ان کیلوں کی وجہ سے اس کی گاڑی کے چاروں ٹائر پینچر ہو گئے تھے۔ وہ محتاط قدم اٹھاتا اپنی گاڑی تک گیا تھا۔ اپنی گاڑی کی کھڑکی کے شیشے پر ہاتھ رکھے وہ ابھی ٹائروں کو دیکھنے کے لیے جھکنے ہی والا تھا کہ اچانک ایک تیر اس کے ہاتھ سے آر پار ہوتا شیشہ توڑ گیا تھا۔ نائل نے فوراً اس تیر کی سیدھ میں تین فائر

کیے تھے مگر سب بے کار تھا۔وہ اچھے سے جانتا تھا کہ اب وہاں کوئی نہیں تھا۔تکلیف کی شدت کو برداشت کرتے اس

نے اپنے ہاتھ میں سے وہ تیر نکالا تھا۔ تیر کے ساتھ ایک خط لپٹا ہوا تھا۔

"ڈیوڈ...!"خط کھولنے سے پہلے ہی اس کے لب ہلے تھے۔ذہن میں اچانک ہی ماضی کا منظر ابھرا تھا۔

"گاڑی کے پنچر ہونے کے بعد اندر موجود شخص ضرور باہر آئے گا۔لاشعوری طور پر وہ کھڑکی کے شیشے پر ہاتھ رکھے

گاڑی کو دیکھنے نیچے جھکے گا۔کسی اونچے درخت پر بیٹھ کر آپ باآسانی تیر سے وار کر سکتے ہیں اور تیر پھینکنے کے بعد ایک لمحہ ضائع کیے بغیر وہاں سے پھرتی سے نکل سکتے ہیں۔"

"واہ نائل بھائی یہ تو بہت اچھا آئیڈیا ہے۔"نائل نے سرخ آنکھوں کے ساتھ وہ خط کھولا تھا۔

"آپ کو اپنی جان پیاری نہیں ہے نا سہی مگر مجھے میری جان بہت پیاری ہے۔آج کے بعد اسے کوئی نقصان پہنچا تو

آپ کی زندگی موت سے بھی بدتر بنا دوں گا سالے صاحب!"نائل نے سختی سے خط ہاتھ میں دبوچا تھا۔

"میری بلی مجھے ہی میاؤں!"اس کا غصے سے برا حال تھا۔

"میری سکھائی گئی ساری ٹیکنیکس مجھ ہی پہ آزما رہا ہے۔کمینہ! مجھے بھائی کہتا تھا اور اب میری ہی بہن پر نظر رکھتا ہے۔"نائل کے کان کی لوئیں تک سرخ ہوئی تھیں۔ڈیوڈ اسے جس کی حفاظت کرنے کے لیے دھمکا رہا تھا وہ نائل کی اپنی ہی بہن تھی۔

"ایک بار ہاتھ لگ جا پھر بتاتا ہوں میں تجھے...!"ڈیوڈ نے اسے اچھا خاصا ذلیل کیا ہوا تھا۔

"کیوں سکھایا میں نے اسے یہ سب...!"نائل نے غصے سے گاڑی پر زور سے ایک پنچ مارا تھا۔

گھر آتے ساتھ ہی اسے ساری صورت حال کا علم ہوا تھا۔

"جو بھی تھا پھو پھو! آپ کو وانیہ پر ہاتھ نہیں اٹھانا چاہیئے تھا۔"

اسے وانیہ کی اس حرکت پر حیرانگی تو تھی مگر ماہم کا اسطرح سے اس پر ہاتھ اٹھانا اسے بالکل اچھا نہیں لگا تھا۔

"اس وقت جو مجھے سمجھ آیا وہ میں نے کیا۔"

"آپ نے غلط کیا پھو پھو!"

"ہاں تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ میں تو ہوں ہی غلط، سگی جو نہیں ہوں۔"

"پھو پھو!" وہ تڑپ اٹھا تھا۔

"کہتے ہو تو چلی جاتی ہوں یہاں سے، چلی جاتی ہوں تمہاری اور تمہاری بہن کی زندگی سے...!" ماہم کی آنکھیں بہنے لگی تھیں۔

"میرا وہ مطلب نہیں تھا پھو پھو! آپ میرے لیے بہت اہم ہیں۔ آپ کے بہت احسانات ہیں مجھ پر۔ آپ نے وانیہ کو، مجھے اور اس گھر کو تب سنبھالا جب میں بالکل ٹوٹ
چکا تھا، جب میں بالکل ہار گیا تھا۔" نائل کی آواز میں بھی نمی گھلی تھی۔

"مجھے بھی وانیہ کی بہت پرواہ ہے نائل! میں نہیں چاہتی کہ وہ خود کو یا کسی اور کو نقصان پہنچائے۔" بستر پر بیٹھتے اس نے شکست خور حالت میں کہا تھا۔

"پھو پھو! میری بہن پاگل نہیں ہے۔ وہ بچپن سے ایسی نہیں تھی۔ بس اس حادثے کے بعد...!" نائل بھی ماہم کے قریب بیٹھا تھا۔

"آپ ہی بتائیں پھوپھو! ایک آٹھ سال کی بچی تھی وہ، اس نے اپنی آنکھوں سے اپنی ماں پر بیتے ظلم کو...!"اس کے الفاظ ایک بار پھر ٹوٹے تھے۔

"میں آج تک اس ٹراما سے نہیں نکل سکا تو پھر وانیہ نے تو سب اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔"نائل نے آنسوؤں کو گلے کے اندر اتارا تھا۔

"وہ ٹھیک ہو جائے گی۔ مجھے یقین ہے کہ وہ ٹھیک ہو جائے گی۔"اتنے سالوں بعد بھی امید برقرار تھی۔

"ان شاءاللہ!"ماہم کے لب آہستگی سے ہلے تھے۔

"تم جانتے ہو وہ چار لوگ کون تھے؟"

"جانتا ہوتا تو اب تک قبر میں اتار چکا ہوتا انہیں...!"نائل کی آنکھیں سرخ ہوئی تھیں۔ ماہم نے افسوس سے سر جھکایا تھا۔

---

الیکس آج بدر کے گھر آیا تھا۔ اسی اندھیرے کمرے میں وہ لوگ آج پھر کسی کی زندگی کے خاتمے کی پلیننگ کر رہے تھے۔

"تم ٹھیک تھے بدر، سارے فساد کی جڑ وہ لڑکی ہے۔"

"تو پھر کب کر رہے ہو اس کا بندوبست؟"بدر کے چہرے پر شیطانی مسکراہٹ تھی۔

"بہت جلد...!"الیکس کے چہرے پر بھی شیطانیت در آئی تھی۔

"وہ بالکل نینا کی کاپی ہے۔ نینا نے سیم کو پاگل کر دیا تھا اور اب یہ لڑکی ڈیوڈ کو پاگل کر رہی ہے۔"

الیکس کی بات پر بدر چونکا تھا۔"کیا وہ واقعی نینا جیسی دکھتی ہے؟"آنکھوں میں چمک کے ساتھ ساتھ دلچسبی بھی ابھری تھی۔

"ہاں بالکل...!"الیکس کی تائید پر بدر کے لب مسکرائے تھے۔

"نینا تو بہت حسین تھی۔"وہ گہری سوچ میں ڈوبا تھا۔

"سوچنا بھی مت...!"الیکس نے اسے تنبیہہ کی تھی۔"نائل اور ڈیوڈ دونوں ہی اس کے محافظ ہیں۔بہت برا پھنسے گے۔"

الیکس واقعی خوفنزدہ تھا۔

"میں ایسا کچھ نہیں سوچ رہا۔بس اس لڑکی کو جلد از جلد راستے سے ہٹاؤ۔میں بلیک مونسٹر کو کسی بھی قیمت پر کھو نہیں سکتا۔"وہ آج جس بھی مقام پر تھے،ڈیوڈ ہی کی بدولت تھے۔

"میں نے سوچ لیا ہے کہ کیا کرنا ہے۔"الیکس کے کہنے پر بدر نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی جانب دیکھا تھا۔

"یہ سانپ بے حد زہریلا ہے۔"الیکس نے میز پر پڑے ڈبے کی جانب اشارہ کرتے کہا تھا۔اس لڑکی کے زندہ رہنے کا کوئی چانس نہیں ہے۔میری معلومات کے مطابق وہ لڑکی آج مزار جانے والی ہے۔ہم مزار میں ہی یہ کام کریں گے۔نائل اور ڈیوڈ دونوں ہی کو شک نہیں ہو گا۔"

"شاباش!"بدر نے اس کے منصوبے کو سراہا تھا۔

---

آج ایک بار پھر مصطفی کے مدعو کرنے پر ہارون اپنے خاندان کے ہمراہ لنچ پر ان کے گھر آئے تھے۔دن بدن یہ ملاقاتوں کا سلسلہ بڑھتا جا رہا تھا۔حاتم کو یہ ملاقاتیں
ایک آنکھ نا بھاتی تھیں۔مانو کی اس حرکت کے بعد وہ کبھی یہاں آنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا مگر اپنے باپ کی جھڑکیاں سننے کے بعد اسے مجبوراً یہاں آنا پڑا تھا۔ہارون کا اپنے گھر میں بہت روب تھا۔ان کی بیوی اور

بچے ان کے کسی بھی فیصلے کے آگے کچھ بھی بولنے کی جرات نہیں کر سکتے تھے۔
لنچ کے بعد صوفی مانو کے ساتھ اس کے کمرے میں کھیل رہی تھی۔اسے یہ بچی بہت ہی پسند تھی۔مانو کے اچانک
غائب ہو جانے پر صوفی اسے ڈھونڈ ھنے نکل گئی تھی۔وہ اچھے سے جانتی تھی کہ یہ مانو کی کوئی نئی شرارت ہے۔
مسلسل اس کا نام پکارتے وہ آگے بڑھ رہی تھی جب ایک کمرے سے اسے کچھ گرنے کی آواز سنائی دی تھی۔وہ بغیر
کچھ سوچے سمجھے اندر داخل ہوئی تھی۔اپنی آنکھوں کے سامنے ایک لڑکے کو دیکھ کر اس کی چیخ نکلنے ہی والی تھی جب مقابل نے اس کے منہ پر سختی سے ہاتھ رکھا تھا۔وہ سختی سے آنکھیں میچ گئی تھی۔
"کون ہو تم؟"اسے ایک جھٹکے سے چھوڑے مقابل غصے سے گویا ہوا تھا۔
صوفی کا تو سارا وجود ہی کانپ اٹھا تھا۔
"میرے کمرے میں کیا کر رہی ہو؟"اگلے سوال پر اس کی آنکھیں برسنے لگی تھیں۔منہ پر ہاتھ رکھے وہ بھاگتی ہوئی
وہاں سے گئی تھی۔

---

حاتم باہر لان میں ٹہل رہا تھا جب مانو اس کے پاس آکر کھڑی ہوئی تھی۔اسے دیکھ کر حاتم کا حلق تک کڑوا ہوا تھا۔اس سے پہلے کہ وہ وہاں سے جاتا،مانو فوراً اسے اس کے آگے سے گزر گئی تھی۔حاتم کو شدید حیرت ہوئی تھی۔اب وہ وہیں کھڑا مانو کو جھولے پر منہ پھلائے بیٹھا دیکھ رہا تھا۔

"پاگل ٹڈی!" اس نے سر جھٹکتے قدم آگے بڑھائے تھے۔ایک تو غلطی بھی اس ہی کی تھی اور اوپر سے وہ نخرے بھی دکھا رہی تھی۔

اندر کی جانب جاتے ہوئے اس کا کسی سے تصادم ہوتے ہوتے بچا تھا۔

"آپ عبداللہ بھائی ہیں نا؟" اسے سامنے والے کی شخصیت نے بے حد متاثر کیا تھا۔

"عبداللہ میں صرف اپنی ماں کے لیے ہوں اور بھائی میں صرف اپنی بہن کے لیے، سمجھے بچے!" وہ ناگواری سے
کہتے آگے بڑھا تھا۔اصل غصہ تو اسے اس لڑکی کی حرکت پر تھا۔کوئی اور انہیں اس طرح ساتھ دیکھ لیتا تو نجانے
کیا سوچتا؟

"دونوں بہن بھائی ہی پاگل ہیں۔بہن کا نام ماہ نور نہیں ہے تو بھائی کا نام عبداللہ نہیں ہے۔" دونوں بہن بھائیوں پر مٹی ڈالتے وہ آگے بڑھا تھا۔یہ پہلی ملاقات بالکل بھی خوشگوار نہیں رہی تھی۔

---

وہ صوفی کے کمرے میں مسلسل ادھر سے ادھر چکر لگائے اپنی بھڑاس نکال رہا تھا۔وہ بستر پر گم صُم بیٹھی کہیں اور ہی کھوئی تھی۔اسے اپنے کیے پر شدید ندامت تھی۔آخر کیسے وہ کسی کے بھی کمرے میں داخل ہو سکتی تھی؟

"نجانے وہ میرے بارے میں کیا سوچ رہا ہو گا۔" صوفی کے حلق میں کانٹے چبھنے لگے تھے۔

"نہایت ہی کوئی کھڑوس شخص تھا۔ گھر آئے مہمانوں سے بات کرنے کی تمیز تک نہیں ہے اسے...!" مسلسل بولتے ہوئے اب اس کی نظر صوفی پر پڑی تھی۔

"کہاں کھوئی ہوئی ہو تم؟" حاتم کے اپنے سامنے چٹکی بجانے پر وہ ہوش میں آئی تھی۔

"حاتم کو اگر پتا چل گیا تو وہ کیا سوچے گا؟" صوفی نے فوراً ہی جھرجھری لی تھی۔

"کہیں نہیں...!" اس کی زبان نے بامشکل الفاظ ادا کیے تھے۔

"مجھے کہتا ہے کہ 'بچے...' عجیب وغریب شکلیں بناتے وہ ایک بار پھر سے شروع ہو چکا تھا۔

"پندرہ سال کا ہوں میں، بچہ تھوڑی ہوں۔" حاتم نے غصے سے سر جھٹکا تھا۔

صوفی خاموشی سے اس کی ساری باتیں سن رہی تھیں۔

"آخر کیا عمر ہو گی اس کی؟ اٹھارہ، انیس کا ہی ہو گا نا؟"

"تم نے کیوں چپ کا روزہ رکھا ہوا ہے؟" اس کی مسلسل خاموشی سے وہ جھنجھلا اٹھا تھا۔

"میں سونا چاہتی ہوں حاتم! میرے سر میں درد ہو رہا ہے۔" صوفی کے آہستگی سے کہنے پر وہ بھڑک اٹھا تھا۔

"بس ایک بار مجھے وزیراعظم بن لینے دو، دیکھ لوں گا میں ایک ایک کو...!" وہ غصے سے پیر پٹختا وہاں سے گیا تھا۔

---

رات کے کھانے پر سب موجود تھے۔ مصطفی بار بار نظر اٹھا کر اپنے بیٹے کی جانب دیکھ رہے تھے۔ وہ اس بات سے بخوبی واقف تھا مگر بظاہر وہ خود کو لاعلم ہی ظاہر کر رہا تھا۔

"ہارون کے گھر والے کیسے لگے تمہیں؟" بالآخر انہوں نے بات کا آغاز کیا تھا۔

"اچھے ہیں۔" اس نے پلیٹ پیچھے کھسکھائے نیپکین سے اپنا منہ صاف کیا تھا۔

اس نے بہت عجلت میں کھانا کھایا تھا ایسے جیسے اسے کہیں جانے کی جلدی ہو۔

"اور ہارون کی بیٹی؟" گھڑی میں وقت دیکھتے وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"وہ بھی اچھی ہے۔" اس نے بغیر سوچے سمجھے جواب دیا تھا جبکہ مصطفی کے چہرے پر مسکراہٹ بکھری تھی۔

زندگی میں پہلی بار وہ اپنے بیٹے کے کسی جواب سے خوش ہوئے تھے۔

---

گھر سے باہر نکلتے اس نے ہڈی کی کیپ سر پر پہنی تھی۔ اب وہ تیز تیز قدم اٹھاتا آگے بڑھ رہا تھا۔ بظاہر وہ جاگنگ کر رہا تھا۔ کافی راستوں سے گزرنے کے بعد اس کے قدم ایک جگہ رکے تھے۔ ارد گرد ایک طائرانہ نگاہ ڈوراتے وہ فوراً گاڑی کے اندر بیٹھا تھا۔

"آپ تیس سیکنڈ لیٹ ہیں۔" ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے شخص نے باقاعدہ اسے گھورا تھا۔

"میں لیٹ نہیں ہوں اسفند! تمہاری گھڑی خراب ہے۔" اس کا لہجہ پر اعتماد تھا۔ اسفند اس کے اس پر یقین لہجے پر ہمیشہ ہی دنگ رہ جاتا تھا۔ وہ صحیح کہہ رہا تھا، وہ لیٹ نہیں تھا۔

"آگے کیا کرنا ہے؟" اسفند کے کہنے پر وہ گہری سوچ میں پڑ گیا تھا۔

"فلحال تو بہت محتاط چلنا ہے۔ میں کسی قسم کا کوئی رسک نہیں لے سکتا۔ اگر ڈیڈ کو علم ہو گیا کہ میں اتنے مہینے کسی ٹرپ پر نہیں بلکہ ٹریننگ پر تھا تو میری شہادت پکی ہے۔" اس کے انداز پر اسفند کا قہقہ چھوٹا تھا مگر ہمیشہ کی طرح آج بھی مقابل کے چہرے پر سنجیدگی تھی۔

"ٹھیک ہے۔ ویسے بھی ابھی کچھ وقت ہے۔" اسفند نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا تھا۔

"تمہیں تھوڑا چھوٹا ہونا چاہیئے تھا۔" اس بات پر اسفند چونکا تھا۔

"یا پھر مانو کو تھوڑا بڑا...!" اسفند نے نظریں جھکا لیں تھیں۔ وہ اس معنی خیز گفتگو کا مطلب اچھی طرح جانتا

تھا۔ان دونوں کی دوستی ٹریننگ سے کافی پہلے ہی ہو چکی تھی۔ٹریننگ کے دوران ایک دوسرے کو دیکھ کر وہ دونوں
ہی چونکے تھے۔آہستہ آہستہ ان کے درمیان گہری دوستی ہو چکی تھی۔تھوڑی دیر بات چیت کے بعد وہ گاڑی سے باہر نکلا تھا۔

"پھر ملاقات ہو گی اسفند عرف... شاہین!" باہر نکلتے ہی اس نے گاڑی کے کھلے شیشے سے اندر دیکھتے کہا تھا۔اسفند
مسکرادیا تھا۔یہ خطاب اسے اپنے پہلے کیس کی کامیابی پر ملا تھا۔اس نام نے دشمنوں کے دل میں خوف بٹھادیا تھا۔اس کے اصلی نام اور پہچان سے صرف کچھ لوگ ہی واقف تھے۔

---

وہ مزار کے پچھلی طرف ایک چبوترے پر بیٹھی کب سے اس عورت کا انتظار کر رہی تھی جو کہ آنے کا نام ہی نہیں
لے رہی تھی۔وہ آج یہاں کیوں آئی تھی یہ وہ خود بھی نہیں سمجھ پا رہی تھی۔ایک انجانی کشش تھی جو اسے یہاں کھینچ لائی تھی۔وہ سوچوں میں گم تھی جب اچانک
اس کی نظر درخت کے نیچے بیٹھی عورت پر پڑی تھی۔وانیہ کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں۔وہ وہاں کب آئی تھی اسے خبر تک نا ہوئی تھی۔اپنی حیرت پر قابو پاتے وہ قدم اٹھاتی اس عورت کے پاس گئی تھی۔

"کیا تم مجھے ہاتھ دیکھنا سکھا سکتی ہو؟" اس کے قریب بیٹھتے وانیہ نے آہستگی سے کہا تھا۔وہ اس مقصد سے یہاں نہیں آئی تھی مگر اچانک ہی اس کے دماغ میں یہ بات آ گئی تھی۔اسے دنیا کی ہر انوکھی چیز سیکھنے کا شوق تھا۔

"مستقبل جاننا چاہتی ہو؟"اس عورت نے اس کے جانب دیکھے بغیر کہا تھا۔

"ماضی جاننا چاہتی ہوں۔"اس نے شکست خور لہجے میں کہا تھا۔

"جو گزر گیا اسے جان کر کیا کرو گی؟"اب کی بار اس عورت نے نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔

"سکون کی تلاش ہے۔ماضی جان کر شاید سکون مل جائے۔"

"غلط جگہ سکون تلاش کر رہی ہوں۔"اس عورت نے ایک افسوس بھری نگاہ اس پر ڈالی تھی۔

"غلط سہی کچھ نہیں پتا، بس جاننا ہے۔تم نے مجھے وہ آئینہ کیوں دیا تھا؟"اسے اچانک ہی یاد آیا تھا۔

"وقت سب سمجھا دے گا۔"تسبیح کے دانے گراتے وہ خاموش ہوئی تھی۔

"ماضی نا سہی، چلو مستقبل ہی بتا دو۔"وانیہ نے گویا ہار مانی تھی۔اس عورت کے ہاتھ ایک لمحے کے لیے رکے تھے۔اس نے ایک بار پھر وانیہ کی جانب دیکھا تھا۔اب کی بار اس کے لبوں پر معنی خیز مسکراہٹ ابھری تھی۔

"میں یہ کام چھوڑ چکی ہوں لیکن تمہارے لیے یہ میں کرنے کو تیار ہوں۔"وانیہ نے خوشی سے اس کے آگے اپنا ہاتھ پھیلایا تھا۔

"راہ بہت کھٹن ہے۔دو راستے ہیں، دیکھتے ہیں تم کسے چنو گی۔"وہ کہہ کر خاموش ہوئی تھی۔

"مجھے پلیز صاف صاف بتاؤ۔"اسے گہری دلچسپی ہوئی تھی۔

"مستقبل سے تو اللہ ہی واقف ہے مگر تمہارے ہاتھوں کی لکیریں کچھ بتا رہی ہیں۔"

"کیا بتا رہی ہیں؟"

"شادی...دو شادیاں...!"وانیہ کا منہ حیرت سے کھلا تھا۔

"تم سیریس ہو؟"

"میں نے کہا نا مستقبل سے تو اللہ واقف ہے۔میں تو بس وہی بتا رہی ہوں جو مجھے دکھ رہا ہے۔"

"میں نے یہاں آکر اپنا وقت ضائع کیا۔ایک شادی تو ہو نہیں رہی، دو دو شادیاں..."اس کا قہقہ چھوٹا تھا۔

"پاگل عورت...!"وہ بڑبڑاتے ہوئے وہاں سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"دعامانگا کرو لڑکی!اپنے اچھے مستقبل کے لیے دعامانگا کرو۔"وانیہ کے بڑھتے قدم رکے تھے۔وہ ایڑیوں کے بل واپس گھومی تھی۔

"جب ضرورت ہوتی ہے تب مانگ لیتی ہوں۔"وہ بال جھٹکتے آگے بڑھی تھی۔یہ سچ تھا۔وہ ضرورت کے وقت ضرور

دعامانگتی تھی۔کبھی امتحان میں کامیابی کے لیے، کبھی نائل کی ڈانٹ سے بچنے کے لیے تو کبھی کس لیے...ان سب چیزوں میں وہ اپنے عقائد کو پس پشت ڈال دیتی تھی۔وہ خود اپنے آپ کو سمجھنے سے قاصر تھی۔

منہ میں مسلسل بڑبڑاتی وہ اب مزار کی سیڑھیاں اتر رہی تھی۔

"وقت ضائع کر دیا بوڑھیا نے میرا!"چہرے پر آئے بالوں کو پیچھے کرتی وہ ناگواری سے اتر رہی تھی۔سیڑھیاں اترتے وہ ایک جگہ رکی تھی۔اب وہ اپنی دوست کو فون کر کے اپنے دن کے برباد ہونے کا بتا رہی تھی۔گارڈز آج بھی باہر ہی کھڑے تھے۔الیکس کب سے اس پر نظر رکھے ہوئے تھا۔

وانیہ فون پر بات کرتے ایک درخت کے پاس رکی تھی۔آج مزار میں لوگوں کی تعداد کافی کم تھی۔ویسے بھی یہاں

سے ہسپتال بہت دور تھا اور سانپ بھی بے حد زہریلا تھا۔وانیہ کے زندہ رہنے کا کوئی چانس نہیں تھا۔اس کے قدموں کی سیدھ میں الیکس نے ڈبہ کھولے سانپ چھوڑا تھا۔

وہ سانپ رینگتا ہوا وانیہ کی جانب بڑھا تھا۔وہ فون پر محو گفتگو تھی۔سانپ اس کے قدموں کے قریب آکر رکا تھا۔وانیہ کو بالکل بھی خبر نہیں تھی کہ اس کے قدموں کے قریب ایک سانپ ہے۔

اس سانپ نے وانیہ کے پیر پر ڈسا تھا۔ کسی احساس کے تحت اس نے نیچے زمین پر دیکھا تھا۔ سانپ دیکھتے ہی اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں۔ اس نے فوراادھر ادھر دیکھا تھا۔ وہاں اکادکا لوگ موجود تھے۔ اور کسی کا بھی دھیان اس طرف نہیں تھا۔ سانپ کے جانے سے پہلے ہی وہ اسے پکڑ چکی تھی۔

"یہ تو بہت نایاب لگتا ہے۔" اس نے لوگوں کی نظروں سے بچتے اس سانپ کو اپنے بیگ میں ڈال کر زپ بند کی تھی۔

اب اس نے اپنے پیر کی طرف دیکھا تھا جہاں ڈسنے کا نشان تھا۔ بہت آرام سے اس جگہ کو ٹشو پیپر سے صاف کرتے وہ نارمل انداز میں آگے بڑھی تھی۔

ایلیکس کو ہارٹ اٹیک آتے آتے بچا تھا۔ وہ بار بار اپنی آنکھیں مسل رہا تھا۔ اس کی آنکھوں نے جو دیکھا تھا وہ ناقابل یقین تھا۔

سانپ کے کاٹنے کے بعد وہ لڑکی کیسے زندہ بچ سکتی تھی؟

کتنے آرام سے اس نے سانپ کو اٹھایا تھا جیسے وہ اس سب میں ماہر ہو۔ ایلیکس کے دماغ نے کام کرنا چھوڑ دیا تھا۔

---

گھر آتے ساتھ ہی وہ تقریبا بھاگتے ہوئے اپنے کمرے میں آئی تھی۔ دروازہ لاک کرتے اس نے اپنے بیگ کو بستر پر پٹخا تھا۔ وانیہ کا سر بری طرح چکرانے لگا تھا۔ اس کا چہرہ پسینے سے تر تھا۔ اس نے اپنے ہاتھوں کی طرف دیکھا تھا جو کہ نیلے پڑ گئے تھے۔ زہر نے اپنا اثر دکھانا شروع کر دیا تھا۔ وہ

لڑکھڑاتے قدموں کے ساتھ فرش پر گری تھی۔اس کے ہونٹوں سے جھاگ نکلنی شروع ہو گئی تھی۔اگلے ہی لمحے وہ ہوش وہواس سے بیگانہ ہو گئی تھی۔اسے تقریباً دو گھنٹے بعد ہوش آیا تھا۔بوجھل قدموں سے بستر کا سہارا لے کر وہ بامشکل اٹھی تھی۔اس نے اپنے ہاتھوں سے ہونٹوں پر
لگی جھاگ کو صاف کیا تھا جو کہ اب خشک پڑ چکی تھی۔

"لگتا ہے سانپ کچھ زیادہ ہی زہریلا تھا۔"اس کے گلے سے بامشکل آواز نکلی تھی۔اس کے شوق بھی اس کی طرح منفرد تھے۔مختلف سانپوں سے کیمیکلز بنانا اس کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔اس نے کئی بار آہستہ آہستہ ان سانپوں کا زہر ایک خاص فارمولے کے تحت اپنے جسم میں اتارا تھا۔یہی وجہ تھی کہ اس پر سانپوں کے کاٹنے کا اثر نہیں ہوتا
تھا۔اس نے اپنے گھر کے ایک کمرے میں خوفیہ طور پر نجانے کیا کیا رکھا ہوا تھا۔بظاہر وہ وہاں پینٹنگ کرتی تھی مگر درحقیقت وہاں ایک الگ ہی دنیا قائم تھی۔

---

وہ بستر پر لیٹا کسی گہری سوچ میں ڈوبا تھا جب سنیہا کافی کا کپ ٹیبل پر رکھتے اس کے قریب بیٹھی تھی۔

"کیا سوچ رہے ہو؟"ٹھوڑی پر ہاتھ جمائے سنیہا نے مسکرا کر پوچھا تھا۔

"تمہاری سوتن کے بارے میں...!"اٹھ کر بیٹھتے نائل نے سنجیدگی سے جواب دیا تھا۔

“I hate you!”

وہ غصے سے کہتی ابھی اٹھی ہی تھی جب نائل نے اسے بازو سے پکڑے واپس بستر پر بٹھایا تھا۔

"صرف کافی ہی پلاؤ گی یا پھر کچھ کھلاؤ گی بھی؟"نائل نے خوشگوار موڈ میں پوچھا تھا۔

"تم ہی نے تو کھانا لگانے سے منع کیا تھا۔"

"اب میں ہی کہہ رہا ہوں کہ لگا دو۔" نائل نے اس کی کلائی آزاد کرتے اب کافی کے لیے ہاتھ آگے بڑھایا تھا۔

"ٹھیک ہے میں لگاتی ہوں، تم آجاؤ۔" وہ کہتے ساتھ ہی اٹھی تھی جب نائل نے اسے پکارا تھا۔

"سنیہا...!"

سنیہا کے دل کی دھڑکن ایکدم ہی بے ترتیب ہوئی تھی۔ اسے اپنا نام آج بے حد خوبصورت لگا تھا۔

"تھوڑی عزت کر لیا کرو میری۔" اس کی اگلی کہی بات پر سنیہا کے ماتھے پر شکنیں ابھری تھیں۔

"مجھے 'تم' کہہ کر مخاطب مت کیا کرو۔"

"وجہ...؟" سنیہا نے بھنویں سکیڑے استفسار کیا تھا۔

"اس میں تمہارا ہی فائدہ ہے۔" کپ لبوں سے لگاتے نائل نے عجیب نگاہوں سے اسے دیکھا تھا۔

"مطلب...؟" وہ الجھ گئی تھی۔ در حقیقت وہ اسے الجھا رہا تھا۔

"جو بیویاں اپنے شوہروں کو تم کہہ کر مخاطب کرتی ہیں ان کے بیوہ ہونے کے چانسز بہت زیادہ ہوتے ہیں۔" ایک اور سپ لیتے نائل نے لاپروائی سے کہا تھا۔

"What...?"

نائل کا لہجہ جتنا عام تھا، سنیہا کا ردعمل اتنا ہی شدید تھا۔ وہ بیچاری تو ہونق بنے اسے دیکھتی ہی رہی تھی۔

"سچ کہہ رہا ہوں۔ دادی بھی دادا کو آپ کہہ کر ہی مخاطب کرتی تھیں اور مام بھی ڈیڈ کو... ایک دفعہ دادی نے دادا کو تم کہہ کر مخاطب کیا تھا۔ دادا کو ہارٹ اٹیک آتے آتے بچا تھا۔ آگے تم خود سوچ لو۔" کافی کا آخری سپ لیتے نائل نے کپ واپس میز پر رکھا تھا۔

سنیہا اس کے چہرے کے تاثرات جانچنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس کے چہرے پر ہمیشہ کی طرح آج بھی سنجیدگی

تھی۔
"تم سچ کہہ رہے ہو؟"اسے یہ نہایت ہی غیر منطقی بات لگی تھی جس پر یقین کرنا ناممکن تھا۔
"میرا تمہارا کیا مذاق؟"نائل کا انداز بے حد لاپرواہ تھا۔سنیہا تو کچھ لمحے بے یقینی سے اسے دیکھتی ہی رہی تھی۔پھر اپنے چکراتے سر کو تھامتے وہ فوراوہاں سے اٹھی تھی۔
وہ شخص اسے پاگل کرنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔اس کی عجیب وغریب باتوں سے ہمیشہ ہی سنیہا کا سر درد کرنے
لگ جاتا تھا۔

---

یونیورسٹی میں عائزہ زبردستی وانیہ کو ایک کلاس کے لیے لے گئی تھی جو کہ ان کے ڈیپارٹمنٹ کے ہال میں تھی۔
وہاں انہیں مختلف قسم کے موضوعات پر لیکچرز دیے جاتے تھے۔آج یہاں اسلام پر لیکچر دیا جانا تھا۔وانیہ اس بات سے
لاعلم تھی بلکہ اسے لاعلم رکھا گیا تھا۔اپنی نشست پر
بیٹھنے کے بعد اسے اس لیکچر کی نوعیت کا علم ہوا تھا۔
اس نے گھور کر عائزہ کو دیکھا تھا جس پر وہ نظریں چرا گئی تھی۔یہ لیکچر تقریبا دو گھنٹے چلا تھا۔وہ خاموشی سے وہاں بیٹھی رہی تھی۔لیکچر کے ختم ہوتے ہی وہ جان چھڑوانے والے انداز میں باہر آئی تھی۔باہر آتے ساتھ ہی اس نے عائزہ کو آڑے ہاتھوں لیا تھا۔

ابھی وہ دونوں باتیں ہی کر رہے تھے کہ ایک لڑکی نے آکر انہیں ٹوکا تھا۔ یہ وہی لڑکی تھی جو اندر لیکچر دے رہی تھی۔ وہ مکمل طور پر عبایہ اور نقاب میں ملبوس تھی۔

"کوئی مسئلہ ہے؟"

"ہاں بالکل ہے۔" وانیہ کے جواب دینے سے پہلے ہی عائزہ بول دی تھی۔ "اس کے کچھ عجیب وغریب سوال ہیں۔ کیا آپ ان کے جواب دے سکتی ہیں؟"

"ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔" وانیہ نے اسے گھوری سے نوازا تھا۔

"اگر کوئی مسئلہ ہے تو ہم بیٹھ کر بات کر لیتے ہیں۔" لہجہ شائستگی سے بھرپور تھا۔

"یہ تو بہت اچھا ہو جائے گا۔" اس بار بھی عائزہ فوراً سے بولی تھی۔ ناچاہتے ہوئے بھی وانیہ کو اس لڑکی کے پیچھے
چلنا ہی پڑا تھا۔

"اس مولوانی سے کیا میں سائنس کی باتیں پوچھوں؟ یہ مجھے کیا جواب دے گی۔ زیادہ سے زیادہ ایک دو آیتیں پڑھ
کر سنا دے گی یا پھر میرے کسی سوال پر کفر کا فتویٰ لگا دے گی۔ اور آتا ہی کیا ہے ان لوگوں کو...؟" اس کا ذہن مختلف سوچیں بن رہا تھا۔

ایک کمرے میں جا کر وہ کرسی پر بیٹھی تھی اور اس نے اپنے سامنے رکھی گئی دو کرسیوں پر انہیں بیٹھنے کا کہا تھا۔ "میں آپ کی کیا مدد کر سکتی ہوں؟"

"بتاؤ نا...!" عائزہ نے وانیہ کو کہنی ماری تھی جس پر اس نے خونخوار نگاہوں سے اسے گھورا تھا۔

"مجھے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔" بالآخر جو جواب اس نے دیا تھا اس پر عائزہ نے اپنا ماتھا پیٹا تھا۔

"میں بتاتی ہوں۔ابھی کل ہی یہ کہہ رہی تھی کہ اللہ کو کس نے پیدا کیا ہے؟"اس سوال پر وہ لڑکی مسکرا دی تھی۔

"کیا آپ واقعی ایسا سوچتی ہیں؟"وہ اب براہ راست وانیہ سے مخاطب تھی۔وانیہ نے گہری سانس خارج کرتے ہار مانی تھی۔

"ہاں!ہر چیز کا کوئی نا کوئی خالق ضرور ہوتا ہے تو پھر اللہ کا خالق کون ہے؟

Who created God?"

"No one...!"

قُلۡ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝

اللہ کا معنی ہے ایسی ہستی جو صرف تخلیق کر سکتی ہے اسے کسی نے تخلیق نہیں کیا۔"

"یہ ایک غیر منطقی بات ہے۔انسانی عقل اس چیز کو تسلیم کرتی ہے کہ ہر کسی کا کوئی نا کوئی خالق ضرور ہے۔" اس نے اپنے دل کی بات کہہ ڈالی تھی۔

"در حقیقت آپ کا سوال ہی غیر منطقی ہے۔کیا آپ نے کبھی سنا ہے کہ ایک حاملہ خاتون کسی بکری کے بچے کو جنے...

یقیناً نہیں!کیونکہ یہ ایک غیر منطقی بات ہے بالکل آپ کے سوال کی طرح...اللہ کی ذات ہمیشہ سے موجود تھی،ہے اور رہے گی۔"

"لیکن پھر بھی یہ سوال تو ذہن میں اٹھتا ہے نا کہ آخر اللہ کی ذات آئی کہاں سے...؟" وہ اپنی بات پر مصر تھی۔

"آپ جانتی ہیں کہ یہ سوال ذہن میں کیوں اٹھتا ہے؟" وانیہ نے ناسمجھی سے اس لڑکی کی طرف دیکھا تھا۔

"یہ سوال ذہن میں اس لیے اٹھتا ہے کیونکہ ہم انسان ہیں۔انسان ایک تولیدی عمل سے اس دنیا میں آتا ہے۔اس نے اپنے

ارد گرد ہر چیز کو تخلیق ہوتے دیکھا ہے، پیدا ہوتے دیکھا ہے جس وجہ سے ہم اللہ کو بھی اس سانچے میں سوچتے ہیں کہ یقیناً اسے بھی کسی نے تخلیق کیا ہو گا۔ چلو فرض کر لیتے ہیں کہ اللہ کو کسی نے تخلیق کیا ہے (نعوذ باللہ) تو پھر اس تخلیق کرنے والے کو کس نے بنایا؟ اللہ ایک حقیقت ہے جسے جھٹلایا نہیں جا سکتا۔" وانیہ نے اب کوئی سوال نہیں پوچھا تھا۔وہ اس جواب سے مطمئن نہیں ہوئی تھی۔ کیونکہ قسمت نے اس کے لیے کچھ اور ہی سوچا تھا۔اسے ہر سوال کا جواب خود ہی ڈھونڈھنا تھا۔

---

سنیہا نے ڈائننگ ٹیبل پر کھانا چن دیا تھا۔نائل سربراہی کرسی پر براجمان تھا۔

"میں نے آج دیسی کھانا بنایا ہے۔آپ چکھ کر بتائیں، کیسا بنا ہے؟" نائل نے چونک کر اس کی جانب دیکھا تھا۔وہ مسکرا رہی تھی۔نائل بھی اس کے اس طرح 'آپ' کہنے پر مسکرا

دیا تھا۔

اس نے ہاتھ بڑھا کر ایک باؤل پر سے ڈھکن ہٹایا تھا۔ چہرے کا رنگ فوراً ہی فق ہوا تھا۔اب اس نے باری باری ساری ڈشز پر سے ڈھکن ہٹایا تھا۔

"یہ سب کیا ہے؟" اپنے سامنے اتنا اوئلی کھانا دیکھ کر اس کا موڈ آف ہو چکا تھا۔

"دیسی فوڈ...!"سنیہا نے نا سمجھی سے جواب دیا تھا۔

"تم میری ڈائیٹنگ کا بیڑا غرق کرو گی۔ میں یہ سب نہیں کھاتا۔"نائل عجیب شکلیں بناتے وہاں سے اٹھا تھا۔

"لیکن تم... آپ نے تو کہا تھا کہ آپ کو دیسی فوڈ پسند ہے۔"وہ بھی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"میری کہی ہر بات کو سیریس لینا ضروری ہے۔"وہ جھنجھلایا تھا۔

"اچھا ٹھیک ہے، میں کچھ اور بنا دیتی ہوں۔"

"نہیں رہنے دو۔ بہت وقت لگے گا۔ایک کام کرتے ہیں، کہیں باہر چلتے ہیں۔"سنیہا اس کے دن بدن بدلتے تیور دیکھ کر حیران

رہ جاتی تھی۔ سامنے کھڑا شخص ایک عجیب و غریب مخلوق تھی جو کہ اس کی سمجھ سے بالکل باہر تھی۔

کبھی وہ اسے طعنے دیتا تھا تو کبھی وہ حد سے زیادہ سویٹ بن جاتا تھا۔

"پانچ منٹ ہیں تمہارے پاس، جلدی سے تیار ہو جاؤ۔"نائل کے کہنے پر وہ مسکرا کر سر جھٹکتی اوپر گئی تھی۔

نائل گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا جبکہ سنیہا چوری چھپے اسے دیکھنے میں مصروف تھی۔

"میں جانتی ہوں کہ تمہاری سنائی گئی کہانی جھوٹی ہے مگر اگر تمہیں میرا آپ کہنا اچھا لگتا ہے تو پھر مجھے تمہاری خوشی زیادہ عزیز ہے۔"وہ دل ہی دل میں مخاطب ہوئی تھی۔

"میں شوہر ہوں تمہارا۔ تم مجھے دیکھ سکتی ہو۔"اپنی چوری پکڑے جانے پر سنیہا نے بوکھلا کر رخ دوسری جانب موڑا تھا۔

انہوں نے ریسٹورنٹ میں ڈنر کیا تھا۔ڈنر کے بعد وہ ابھی باہر ہی آئے تھے کہ نائل کو ضروری کال آگئی تھی۔وہ اسے
کچھ دیر وہیں رکنے کا کہہ کر آگے بڑھ گیا تھا۔ٹھیک پانچ منٹ بعد وہ واپس لوٹا تھا۔سنیہا کو کسی عورت سے مسکرا مسکرا کر باتیں کرتے دیکھ اس کے ماتھے پر شکنیں ابھری تھیں۔نائل کے اس تک پہنچنے سے پہلے ہی وہ عورت وہاں سے جا چکی تھی۔

"کیا کہہ رہی تھی وہ عورت؟"اس کے لہجے میں چٹانوں جیسی سختی تھی۔

"وہ...!"سنیہا کہتے کہتے رکی تھی۔اسے اچانک ہی شرارت سوجھی تھی۔

"وہ کہہ رہی تھی کہ میں بے حد حسین ہوں اور میں جس شخص کا نصیب ہوں،وہ بہت خوش قسمت ہے۔"سنیہا نے چہرے پر سنجیدگی سجائے کہا تھا۔وہ نہیں چاہتی تھی کہ نائل کو ذرا برابر بھی شک ہو۔

"ایک سیکنڈ تم یہی رکو میں ابھی آتا ہوں۔"اپنے کوٹ کی جیب سے موبائل نکالے نائل نے بے انتہا سنجیدگی سے کہا
تھا۔

"کہاں...؟"سنیہا نے ناسمجھی سے پوچھا تھا۔

"اس عورت کو کسی اچھے اپٹیکس کا نمبر دینا ہے۔مجھے لگتا ہے اس کی نظر بہت زیادہ خراب ہے۔"نائل نے جس
قدر سنجیدگی سے کہا تھا۔سنیہا کا چہرہ اتنا ہی سرخ ہوا تھا۔

"اب بات مت کرنا مجھ سے...!"وہ غصے سے پیر پٹختی آگے بڑھی تھی۔

"اب کیا کر دیا میں نے...؟"وہ کندھے اچکاتا اس کے پیچھے گیا تھا۔

وہ بستر پر لیٹی ہوئی تھی جب ملازمہ نے کمرے کا دروازہ بجایا تھا۔ وانیہ نے اسے اندر آنے کی اجازت دی تھی۔

"بی بی جی! آپ کی دوست نے آپ کے لیے کچھ تحائف بجھوائے ہیں۔" وہ فورا الرٹ ہو کر بیٹھی تھی۔

"لے کر آؤ فورا...!" وانیہ تیزی سے بستر سے اٹھی تھی۔

کچھ دیر بعد کمرہ مختلف تحائف سے بھر چکا تھا۔ وانیہ ہر ایک چیز کو چھو کر دیکھ رہی تھی۔

"آج تو کوئی خاص موقع نہیں ہے تو پھر شاہین نے یہ سب کیوں بجھوایا ہے؟" وہ سوچ میں ڈوبی تھی۔ پھولوں کے اندر بھی اسے آج کوئی نوٹ نہیں ملا تھا۔

"باقی سب تو ٹھیک ہے مسٹر شاہین! مگر ٹیڈی بیئر کیوں بھیجتے ہو تم مجھے؟" اس نے بڑے سائز کے ٹیڈی بیئر کو اٹھاتے ہوئے کہا تھا۔

"میں کوئی چھوٹی بچی تھوڑی ہوں۔" وانیہ نے مسکرا کر ٹیڈی بیئر ایک سائیڈ پر رکھا تھا۔ اچانک ہی کسی احساس کے تحت اس نے ٹیڈی بیئر واپس اٹھایا تھا۔ اس کے کان کے پاس ایک خط چسپاں تھا جو کہ کافی مہارت سے وہاں چپکایا گیا تھا۔ وانیہ نے خط کھول کر پڑھا تھا۔ "آج میری سالگرہ ہے۔" وانیہ چونکی تھی۔ آج سے پہلے تو اس نے کبھی بھی اسے ایسی کوئی خبر نہیں دی تھی۔

"تمہارے بغیر میرا گزارا نہیں ہے۔ صرف ایک سال! اپنی اکیسویں سالگرہ پر تم میرے پاس ہو گی۔" وانیہ نے وہ خط

پڑھ کر بند کیا تھا۔

اب اس نے ایک نظر اپنے ہاتھ میں پہنے بریسلیٹ کو دیکھا تھا تو دوسری نظر ان تحائف اور خط کو.... "کبھی کبھی مجھے ایسا لگتا ہے جیسے یہ تحائف اور خطوط بھیجنے والا اور اس بریسلیٹ کے ذریعے مجھ سے بات کرنے والا

شخص الگ الگ ہیں۔" وہ بالکل صحیح سوچ رہی تھی۔ دونوں کی باتوں میں تضاد تھا۔ وہ ان تحائف اور خطوط بھیجنے والے کو شاہین سمجھتی تھی جبکہ در حقیقت اسے یہ سب ڈیوڈ بھیجتا تھا۔

---

نائل لیپ ٹاپ پر کام کرنے میں مصروف تھا جب سنیہا اس کے پاس آکر بیٹھی تھی۔

"کیا کر رہے ہو؟" اس کے کندھے پر سر رکھے سنیہا نے نہایت محبت سے پوچھا تھا۔

"کرکٹ کھیل رہا ہوں۔" اس کے تحمل بھرے انداز پر وہ بھڑک کر پیچھے ہٹی تھی۔ مجال تھی جو وہ شخص کبھی کوئی

سیدھا جواب دے دے۔

"کبھی کسی سوال کا سیدھا جواب نہیں دے سکتے؟" سنیہا نے کلس کر پوچھا تھا۔

"جیسا سوال ویسا جواب...!" وہ اب بھی لیپ ٹاپ پر مصروف تھا۔

وہ منہ میں مسلسل کچھ بڑبڑاتی ہوئی وہاں سے اٹھی تھی۔

تبھی نائل کی نظر اس کی کلائی پر پڑی تھی۔ دودھیا مگر خالی کلائی... ایک لمحہ لگا تھا اسے کہیں اور پہنچنے میں، کہیں بہت پیچھے.... ماضی کے بکھرے پنوں میں....

"یہ کیا تم نے چھن چھن لگا رکھی ہے۔ اتار وا نہیں... سر میں درد کر دیا ہے۔" اس کی دھاڑ پر کسی کی آنکھوں سے

بہتے موتی آج اتنے سالوں بعد بھی اس کے دل پر گرے تھے۔

"تم چوڑیاں نہیں پہنتی؟" نائل کے لب اپنے آپ ہلے تھے۔ اچانک اس قسم کے سوال پر سنیہا چونکی تھی۔

"مجھے پسند نہیں...!" سنیہا نے پلٹتے ساتھ جواب دیا تھا۔

"مگر مجھے ہیں۔" کسی ٹرانس کی کیفیت میں اس نے یہ الفاظ ادا کیے تھے۔

"آپ لے آئیں گا اور پہنا بھی دیجیں گا۔ میں پہن لوں گی۔" وہ چہکتے ہوئے ایک بار اس کے پاس بیٹھی تھی۔

"لیکن تمہیں تو چوڑیاں پہننا پسند نہیں...!"

"کوئی بات نہیں! میں پہن لوں گی۔" وہ ایک بار پھر کہیں کھو گیا تھا، کہیں بہت پیچھے....

"آج چوڑیاں نہیں پہنی تم نے؟"

"میں آج کے بعد کبھی نہیں پہنوں گی۔"

"کیوں...؟"

"جو چیز آپ کو پسند نہیں وہ میں کیسے پہن سکتی ہوں" گہری سانس خارج کرتے وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اس کے اسطرح اٹھنے پر سنیہا حیران ہوئی تھی۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتا کمرے کی بالکونی میں آیا تھا۔

نائل نے فوراً سگریٹ سلگائی تھی۔ شاید وہ اندر کے انتشار کو کم کرنے کی ایک کوشش تھی۔

"کیا ہوا نائل؟ سب ٹھیک ہے؟" سنیہا اس کے پیچھے آئی تھی۔

"ہاں سب ٹھیک ہے۔" سگریٹ کا کش بھرتے اس نے آہستگی سے کہا تھا۔

"تم چوڑیاں نہیں پہنو گی۔"

چند ثانیوں بعد نائل کی بات پر وہ چونکی تھی۔

"تمہیں نہیں پسند تو تم نہیں پہنو گی۔" سگریٹ کو فرش پر گراتے اس نے سنیہا کے دونوں ہاتھ تھامے تھے۔

"مگر آپ کو تو..."

"ہر کسی کی اپنی پہچان ہوتی ہے۔آپ کسی کو کسی کے بھی سانچے میں نہیں ڈھال سکتے۔تم سنیہا ہو، کوئی اور نہیں... تمہاری پسند، ناپسند میرے لیے اہم ہے۔" کہتے ساتھ ہی وہ اس کے ہاتھ چھوڑے وہاں سے گیا تھا۔
وہ کچھ دیر اس کی کہی باتوں کے بارے میں سوچتی رہی تھی جو کہ ہمیشہ کی طرح آج بھی اس کے سر پر سے گزری تھیں مگر ایک بات جو اسے سمجھ آئی تھی وہ یہ کہ وہ اس کی پسند، ناپسند کے بارے میں سوچتا ہے۔سنیہا کے لبوں کو مسکراہٹ نے چھوا تھا۔

---

ماہم اپنے کمرے میں بیٹھی کتاب پڑھ رہی تھی جب وانیہ دروازہ ناک کرتے اندر داخل ہوئی تھی۔اب وہ مختلف
سوالات کر کے ماہم کا سر کھا رہی تھی۔ماہم کے سر میں درد ہونے لگا تھا مگر وانیہ کی زبان کو بریک ہی نہیں لگ رہی تھی۔
"وانیہ اب بس کر دو۔میرے سر میں درد ہونے لگا ہے۔" وہ اکتا گئی تھی۔
"پھوپھو میں آپ کے لیے چائے بنا لاؤں؟" وانیہ کی بات پر ماہم نے باقاعدہ اس کے آگے ہاتھ جوڑے تھے۔وانیہ کو کچن
میں بھیجنے کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔نتائج تو اسے ہی بھگتنے تھے۔
"پھر سر دبا دوں آپ کا...؟" ماہم نے بے اختیار گہری سانس خارج کی تھی۔یہ بلا ٹلنے والی نہیں تھی۔
"مجھے کمزوری محسوس ہو رہی ہے۔میں کچھ دیر آرام کرنا چاہتی ہوں وانیہ!" ماہم نے اپنی طرف سے بہت کار آمد بہانہ
بنایا تھا مگر اس کا بہانہ اس ہی کے گلے پڑ جائے گا یہ اس نے سوچا بھی نہیں تھا۔

"میں ناآپ کو فروٹس کاٹ کر دیتی ہوں۔آپ کی کمزوری دور ہو جائے گی۔"اس نے جھٹ سے آگے بڑھ کر میز پر

پڑی ہوئی ٹوکری میں سے فروٹس اٹھائے تھے مگر وہاں چھری نہیں تھی۔وانیہ نے ادھر ادھر نظریں گھمائی تھیں۔

چھری بیڈ کے پاس پڑی میز پر تھی۔اس کے لبوں پر مسکراہٹ بکھری تھی۔اس نے ایک نظر ماہم کی طرف دیکھا

تھاجو کہ اپنا سر تھامے بیٹھی تھی جبکہ دوسری نظر اس چھری کو...اس بات کا یقین کرتے کہ ماہم اس کی طرف

نہیں دیکھ رہی،اس نے وہیں کھڑے اپنا بائیاں ہاتھ اٹھایا تھا۔ایک سیکنڈ کی دیر تھی اور چھری میز سے اڑتی ہوئی فوراًاس کے ہاتھ میں آئی تھی۔

"وانیہ وہ چھری...!"ماہم کو اچانک ہی یاد آیا تھا کہ چھری باسکٹ میں موجود نہیں ہے مگر وانیہ کے ہاتھ میں چھری

دیکھ کر اسے حیرت کا شدید جھٹکا لگا تھا۔

"یہ چھری تو وہاں تھی۔"ماہم کے اوسان خطا ہوئے تھے۔یہاں سے اس میز تک کا فاصلہ زیادہ تھا۔اگر وانیہ وہاں چھری لینے جاتی تو یقیناماہم کو خبر ہو جاتی۔

"کیا ہو گیا ہے پھوپھو؟یہی پر تو پڑی تھی۔"چہرے پر معصومیت کے ساتھ سنجیدگی بھی تھی۔

"مجھے اچھے سے یاد ہے میں نے صبح اٹھائی تھی مگر واپس نہیں رکھی تھی۔"ماہم نے دماغ پر زور ڈالے کہا تھا۔

"پھوپھو مجھے لگتا ہے آپ کی طبیعت واقعی میں ٹھیک نہیں ہے۔آپ کو آرام کرنا چاہیئے۔" وانیہ کے لہجے میں فکر مندی تھی۔

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔" وہ اپنا سر تھامتے بستر پر لیٹی تھی۔وانیہ ماہم کو آرام کی تاکید کرتے دروازہ بند کرتے باہر گئی

تھی۔باہر آتے ساتھ ہی اس نے ہاتھ جھاڑے تھے۔اس کا کام ہو گیا تھا۔اب ماہم کم از کم تین گھنٹے اپنے کمرے سے باہر نہیں آئے گی۔وہ باآسانی اپنے نئے پروجیکٹ پر کام کر سکتی تھی۔

---

نائل اور اسفند آج اتنے دنوں بعد ملے تھے۔یہ ایک کھنڈر نما جگہ تھی، جسے نائل نے مختص کیا تھا۔"دن بدن حالات خراب ہوتے جا رہے ہیں۔اس ہفتے پچیس لڑکیوں کے ذریعے سمگلنگ ہوئی ہے اور ہم کچھ نہیں کر سکے۔" نائل نے افسوس سے کہا تھا۔

"مجھے اس بارے میں علم نہیں تھا۔" اسفند کے چہرے پر بھی افسردگی تھی۔

"یہ ٹھیک نہیں ہے۔ڈیوڈ تو تم پر مکمل طور بھروسہ کرتا ہے۔کہیں اسے تم پر شک تو نہیں ہے؟" نائل کے لہجے میں

فکر مندی تھی۔

"ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔وہ مکمل طور پر میرے ہاتھ میں ہے۔یقیناً اس سمگلنگ کو اس سے بھی خفیہ رکھا گیا ہو گا۔"

"اگر ایسا ہے تو ڈیوڈ کو یہ بات پتا ہونی چاہیئے۔وہ لوگ آپس میں لڑیں گے تو ہمیں ہی فائدہ ہو گا۔" نائل پرجوش ہوا

تھا۔

"ہم ڈیوڈ کو ختم کیوں نہیں کر دیتے؟"

اس بات پر نائل ٹھٹکا تھا۔ ذہن میں ماضی کے کچھ واقعات نمودار ہوئے تھے۔

"کہیں آپ کو اس سے ہمدردی تو نہیں؟" وہ شاید اسے کریدنا چاہتا تھا۔

"میں مانتا ہوں کہ اس کے ساتھ غلط ہوا مگر جو راہ اس نے چنی ہے وہ غلط ہے۔ میرے دل میں اس کے لیے کوئی ہمدردی نہیں ہے۔ اور جب بات ملک کی آجائے تو پھر میں کسی پر رحم نہیں کروں گا۔" اس جواب سے مقابل کے چہرے پر سکون چھایا تھا۔

تھوڑی دیر بات چیت کے بعد ان دونوں نے ہی اپنی اپنی راہ لی تھی۔ نائل تو سیدھا گھر کے لیے روانہ ہوا تھا جبکہ اسفند اپنے فلیٹ کے لیے.... فلیٹ میں پہنچتے ہی اس نے اپنا کوٹ

اتار کر سائیڈ پر رکھا تھا۔ اپنے کمرے میں داخل ہوتے وہ صوفے پر بیٹھا تھا۔ صوفے کے سامنے میز پر شطرنج پڑی ہوئی تھی۔ مہرے ادھر ادھر بکھرے ہوئے تھے۔ اسفند نے مسکرا کر ایک پیادہ اٹھایا تھا۔ اب اس نے دوسرے ہاتھ سے دوسرا پیادہ اٹھایا تھا۔

"نائل اور ڈیوڈ...!" اس کے لبوں پر عجیب مسکراہٹ ابھری تھی۔ اگلے لمحے یہ مسکراہٹ قہقے میں تبدیل ہوئی تھی۔

"بیوا قوف... چچ چچ چچ...!" اس نے دونوں پیادوں کو ایک طرف رکھا تھا۔

"تم دونوں کو کیا لگتا ہے کہ میں تم دونوں کے ساتھ ہوں؟" اس نے ایک بار قہقہ لگایا تھا۔

"تمہاری درمیان تو دشمنی کی ایک چنگاری تھی۔ میں نے... میں نے اس چنگاری کو بھڑکتی آگ میں بدل دیا۔" اس کی آنکھیں سرخ ہوئی تھیں۔ چہرے پر غصہ چھایا تھا۔

"اتنے سالوں سے میں آئی۔ایس۔آئی کو بیوا قوف بناتا آیا ہوں اور پھر انڈر ورلڈ کو... لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ میرا مقصد
کچھ اور ہی ہے۔"اس نے اس دونوں پیادوں کو ہاتھ میں رکھے سختی سے مٹھی بند کی تھی۔

"تم دونوں کو اتنا الجھانا ہے کہ تم میں سے کوئی ایک دوسرے کو مار دے۔اور جو بچ جائے گا اسے میں مار دوں گا۔"اس نے مٹھی کھولے پیادے فرش پر گرائے تھے۔

"اس طرح آئی۔ایس۔آئی کے سارے راز بھی میرے اور..."اس نے ان دونوں پیادوں کو بوٹ تلے مسلا تھا۔

"اور بلیک مونسٹر کا منصب بھی میرا...!"اس نے مسکراتے ہوئے صوفے کی پشت سے ٹیک لگائی تھی۔کچھ لمحوں بعد وہ اٹھ کر بیٹھا تھا۔اب اس نے ہاتھ بڑھا کر ملکہ کو اٹھایا تھا۔

"وانیہ...بچاری وانیہ...!"ملکہ کے مہرے کو الٹ پلٹ کر دیکھے اس کے لب ہلے تھے۔

"مجھ سے ملنے کے لیے اتنی بے تاب ہوتی ہو کہ اپنی جان ہی خطرے میں ڈال دیتی ہو مگر کوئی بات نہیں سویٹ ہارٹ!بس ایک دفعہ میرا مقصد پورا ہو جائے تمہاری مرنے کی خواہش میں خود پوری کروں گا۔"وہ ایک بار پھر عجیب انداز میں ہنسا تھا۔

---

نائل کسی میٹنگ کے سلسلے میں ریسٹورنٹ آیا تھا۔واپسی پر اس کا کسی سے ٹکراؤ ہوا تھا۔اپنے سامنے ڈیوڈ کو دیکھ کر نائل کی آنکھیں سرخ ہوئی تھیں۔

"What a pleasant surprise?"

ڈیوڈ کے چہرے پر خوشگواریت چھائی تھی۔"سالے صاحب! کیسے ہیں آپ؟"ڈیوڈ کے مسکرا کر پوچھنے پر نائل کا خون

کھولا تھا۔

"تم میرا پیچھا کر رہے ہو؟"نائل نے سرخ پڑتے چہرے کے ساتھ غصے سے کہا تھا۔

"آپ میری محبوبہ تھوڑی ہیں جو میں آپ کا پیچھا کروں گا؟"چہرے پر تپا دینے والی مسکراہٹ تھی۔

"بکواس بند کرو اور میرا راستہ چھوڑو۔"اس کا موڈ ڈیوڈ کو دیکھتے ساتھ ہی خراب ہو گیا تھا۔

"افف! اتنا غصہ...؟اتنا غصہ صحت کے لیے اچھا نہیں ہوتا سالے صاحب!"اسکے ایک بار پھر اس نام سے مخاطب کرنے

پر نائل نے ضبط سے مٹھیاں بھینچی تھیں۔

"میری بہن کے بارے میں سوچنا چھوڑ دو۔میں اپنی معصوم بہن کو کبھی بھی تم جیسے گھٹیا اور پیچ شخص کے حوالے نہیں کروں گا۔"نائل کے چہرے پر جس قدر غصہ تھا،ڈیوڈ کے چہرے پر اتنا ہی اطمینان تھا۔

"وہ میری تھی،میری ہے اور میری ہی رہے گی۔بہت جلد میں اسے اپنے پاس لے آؤں گا اور آپ کچھ نہیں کر سکے گے۔"اس کے لہجے کے اطمینان سے نائل تلملا اٹھا تھا۔

"ایسا کبھی نہیں ہو گا۔میں تم جیسے حیوان کا کبھی اپنی بہن پر سایہ بھی نہیں پڑنے دوں گا۔"نائل دبا دبا سا غرایا تھا۔

"مجھے حیوان بنایا کس نے...؟"اس کے چہرے پر تلخ مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔آنکھوں میں اذیت اور کرب ابھرا تھا۔

"آپ نے... میں آج جو بھی ہوں اس کی وجہ آپ ہیں۔ میں مشکل میں تھا۔ میں نے آپ کو مدد کے لیے پکارا اور آپ نے کیا کیا؟ مجھے تنہا چھوڑ دیا۔" اس کی نظروں میں خلفشار صاف واضح تھا۔

"میں نے کچھ نہیں کیا۔ مجھے تو پتا بھی نہیں تھا کہ تم مشکل میں ہو۔" نائل کی بات پر وہ استہزائیہ ہنسا تھا۔

"جھوٹ! صاف جھوٹ...!" ڈیوڈ نفی میں سر ہلاتے پیچھے ہٹا تھا۔

"تمہیں پتا ہے، تم ایک دن بہت بری طرح پچھتانے والے ہو ڈیوڈ!"

"پچھتانے کی باری اب آپ کی ہے۔ مجھ پر جو بیتنی تھی بیت گئی۔"

"اگر تمہیں لگتا ہے کہ میں غلط ہوں تو مجھ سے بدلہ لو نا! اس ملک کو کیوں تباہ کر رہے ہو؟"

"کیونکہ اس ملک نے مجھ سے میرا سب کچھ چھین لیا۔ میرا پورا خاندان اجاڑ دیا۔ اب میں ہر ایک خاندان کو اجاڑ کر رکھ دوں گا۔" اس کی بات پر نائل نے گہری سانس خارج کی تھی۔ وہ اسے نہیں سمجھا سکتا تھا۔ وہ سمجھنا ہی نہیں چاہتا تھا۔ اس کا برین اس حد تک واش کیا جا چکا تھا کہ اسے نائل اپنا سب سے بڑا دشمن لگتا تھا۔

---

عبداللہ اپنے کسی دوست کے ساتھ گھر سے باہر جا رہا تھا جب مصطفی نے گاڑی تک پہنچتے ہی اسے آڑے ہاتھوں لیا تھا۔

"کہاں...؟" ان کا لہجہ سپاٹ تھا۔

"لنچ پر جا رہے ہیں۔" گاڑی کا دروازہ کھولتے کھولتے وہ رکا تھا۔

"السلام علیکم انکل!" گاڑی سے باہر نکلتے ہی اسفند نے خوشدلی سے انہیں سلام کیا تھا۔

"وعلیکم السلام!" انہوں نے اس پر گویا احسان کرتے ہوئے جواب دیا تھا۔

"بیٹا جی! آپ کوئی کام وغیرہ نہیں کرتے

کیا؟"عبداللہ نے سختی سے آنکھیں میچی تھی۔ کم از کم وہ اسفند کے سامنے شرمندگی نہیں اٹھانا چاہتا تھا۔

"میں سمجھا نہیں انکل؟"اس نے ناسمجھی سے ان کی طرف دیکھا تھا۔

"بیٹا! اس عمر میں نا آپ کو یا تو اپنے والد کے ساتھ بزنس میں مدد کرنی چاہیئے یا پھر کم از کم اپنی پڑھائی پر دھیان دینا چاہیئے۔"عبداللہ نے عجیب نگاہوں سے اپنے باپ کی جانب دیکھا تھا۔ وہ سمجھ چکا تھا کہ یہ سب اسے ہی سنایا جا رہا ہے۔ حالانکہ وہ اپنی یونیورسٹی کا ٹاپر تھا۔ مصطفی کو اس سے اصل شکایت یہ تھی کہ وہ بزنس میں دلچسبی نہیں لیتا تھا۔

"جی انکل!"اس نے ناسمجھی سے اپنے دوست کی جانب دیکھا تھا جس پر اس نے اپنی کنپٹی پر دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی رکھے گول گول گھمائی تھی۔ آسان الفاظوں میں وہ اپنے باپ کو پاگل کہہ رہا تھا۔ اس کی اس حرکت پر جہاں اسفند نے اپنے لب دبائے تھے وہیں دوسری طرف مصطفی کا چہرہ دھواں دھواں ہوا تھا۔ وہ اپنے بیٹے کی حرکت کو دیکھ چکے تھے۔

"بیٹا آپ اپنے گھر جائیں اور بیٹا جی آپ ذرا اندر تشریف لائیں۔"انہوں نے اپنے بیٹے کو خونخوار نگاہوں سے گھورا

تھا۔

---

اگلے آدھے گھنٹے تک اس کی پیشی چلتی رہی تھی۔ وہ نہایت تحمل سے اپنے باپ کی ہر جلی کٹی سن رہا

تھا۔

"سونی سمجھالو اپنے بیٹے کو۔ اب یہ مجھے اپنے دوست کے سامنے یوں ذلیل کرے گا۔" اب تو پوں کا رخ سونی کی جانب تھا۔

"مجھے تم سے اس حرکت کی امید نہیں تھی عبداللہ!" سونی نے ایک شکوہ بھری نگاہ اپنے بیٹے پر ڈالی تھی۔ "معافی مانگو اپنے ڈیڈ سے...!" اس نے عبداللہ کو ڈپٹا تھا۔

"I am sorry!"

چہرے پر ہمیشہ کی طرح آج بھی وہی سنجیدگی تھی۔

"معافی کا مطلب بھی پتا ہے تمہیں؟ چہرے دیکھو اس کا... شرمندگی نام کی کوئی چیز ہی نہیں ہے اس کے چہرے

پر..." وہ مزید بھڑکے تھے۔

"میں کوشش تو کر رہا ہوں نا...!" اس نے آہستگی سے کہا تھا۔

"کیس چیز کی...؟" مصطفیٰ اور سونی دونوں نے ہی ناسمجھی سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

"شرمندہ ہونے کی...!" اس جواب پر جہاں سونی نے اپنا سر پیٹا تھا وہیں مصطفیٰ کا پی بی ہائی ہوا تھا۔

"اس سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے سونی! یہ صرف تمہاری اولاد ہے اور ایک نمبر کی خبیث اولاد ہے۔ میری صرف ایک

بیٹی ہے، بس!" وہ شدید غصے کی حالت میں وہاں سے گئے تھے۔

"اب میں نے کیا کر دیا؟" اس نے ناسمجھی سے اپنی ماں سے دیکھا تھا۔ وہ بیچاری ایک افسوس بھری نگاہ اس پر ڈال کر وہاں سے گئی تھی۔

الیکس رات کے وقت ڈرائیو کر کے کہیں جا رہا تھا جب اچانک ہی اس کی گاڑی کے سامنے ایک اور گاڑی رکی تھی۔

اس نے بروقت بریک لگائی تھی۔ وہ غصے سے باہر آیا تھا۔ دوسری گاڑی میں بیٹھے دو شخص بھی فوراً باہر نکلے تھے۔ اسے کچھ سوچنے سمجھنے کا موقع دیے بغیر ہی ایک شخص نے اس کے چہرے پر سپرے کی تھی۔ وہ اسی وقت

ہوش و ہواس سے بیگانہ ہوتے سڑک پر گرا تھا۔

الیکس کو پورے دو گھنٹے بعد ہوش آیا تھا۔ ہوش آتے ہی اسے اپنے سامنے ڈیوڈ دکھا تھا۔ "ڈیوڈ...؟" اس نے یقین کرنا چاہا تھا۔

"آج میں صرف بلیک مونسٹر ہوں۔" اس کے سامنے کرسی پر ٹانگ جمائے بیٹھے وہ سرد لہجے میں گویا ہوا تھا۔

الیکس نے حرکت کرنے کی کوشش کی تھی مگر اس کے ہاتھ اور پیر باندھے ہوئے تھے۔

"مزار کیا کرنے گئے تھے؟" بغیر کسی لگی لپٹی کے وہ سیدھا مدعے پر آیا تھا۔

اب جا کر کہیں الیکس کے اوسان بحال ہوئے تھے۔ اس نے اپنے ارد گرد دیکھا تھا۔ یہ ان کے تہ خانے کا ٹارچر سیل تھا جہاں نجانے کتنے لوگوں کی آہیں اور سسکیاں دفن تھیں۔ اس کے حلق میں کانٹے چبھنے لگے تھے۔ اس کا وجود پسینے سے تر ہو گیا تھا۔

"کچھ پوچھا ہے میں نے؟" وہی سرد اور سفاک لہجہ...

الیکس کی زبان جیسے تالو سے چپک گئی تھی۔ اسے ہرگز توقع نہیں تھی کہ ڈیوڈ کو اتنی جلدی اس بات کا علم ہو جائے گا۔

"مم... میرا یقین کرو بلیک مونسٹر! میں تو ویسے ہی گیا تھا بس!"

"چادر چڑھانے گئے تھے؟" آنکھیں قہر برسا رہی تھیں۔

"میں کسی قسم کی فضول بات سننے کے موڈ میں نہیں ہوں۔ سچ سچ بتاؤ وہاں کیوں گئے تھے؟ وانیہ کے پیچھے کیوں گئے تھے؟" اس نے زور سے اپنا ہاتھ میز پر مارا تھا۔ الیکس کا سانس ایک لمحے کے لیے سوکھ گیا تھا۔ "میں نے کچھ نہیں کیا بلیک مونسٹر! میں نے تمہاری محبت کی جان بچائی ہے۔ وہ کچا علاقہ تھا۔ وہاں پتا نہیں کیسے سانپ آگیا۔ میں نے اپنی جان پر کھیل کر اس لڑکی کی... میرا مطلب ہے کہ میم کی جان بچائی تھی۔" وہ بالکل بوکھلا گیا تھا۔ اس کے سامنے بیٹھا شخص انسان نہیں بلکہ حیوان تھا۔ اور وہ حیوان کچھ بھی کر سکتا تھا۔

"وہاں جانے کا مقصد...؟" سوال اب بھی وہی تھا۔

"میں دیکھنا چاہتا تھا تمہاری محبت کو.... میں دیکھنا چاہتا تھا کہ اس میں ایسی کیا خاص بات ہے جو..."

"خاموش، بالکل خاموش...!" وہ دھاڑتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اس کی دھاڑ پر باہر کھڑے جیمز اور ماریہ کا دل بھی کانپ اٹھا تھا۔

"تمہاری ہمت کیسے ہوئی میری محبت کو دیکھنے کی...؟" اس نے الیکس کا منہ دبوچا تھا۔ "تم نے اسے کیسے اس نظر سے دیکھا؟" ڈیوڈ کے اعصاب تن چکے تھے۔ وہ بالکل
آپے سے باہر ہو گیا تھا۔

"تت... تم غلط...!" الیکس کے الفاظ ابھی منہ میں ہی تھے جب ڈیوڈ نے اس کی کرسی کو لات مارتے زمین پر گرایا تھا۔

رسیوں میں جکڑا وہ کرسی سمیت اوندھے منہ فرش پر گرا تھا۔

"کتنی دفعہ سمجھایا ہے کہ میرے ذاتی معاملات سے دور رہا کرو۔" اسے بالوں سے دبوچتے اس نے کرسی واپس ٹھیک

کی تھی۔ الیکس بری طرح کراہ رہا تھا مگر سامنے والا شخص بے رحم تھا، حد سے زیادہ بے رحم....

"مجھ سے غلطی ہو گئی بلیک مونسٹر! مجھے معاف کر دو۔" یہ بچنے کا آخری راستہ تھا۔

"بلیک مونسٹر کی ڈکشنری میں معافی نام کا کوئی لفظ نہیں ہے۔" اس نے ایک جھٹکے سے الیکس کے بالوں کو چھوڑا تھا۔

"سانپ کہاں سے آیا تھا؟" ایک بار پھر اپنی جگہ بیٹھتے اس نے سرد لہجے میں پوچھا تھا۔

"مجھے نہیں پتا... یقین کرو اس میں میرا کوئی ہاتھ نہیں ہے۔"

"وہ تو میں پتا لگا لوں گا۔ فلحال تو تم وہاں جانے کی قیمت ادا کرو۔" ڈیوڈ نے ایک گارڈ کو اشارہ کیا تھا۔ الیکس کے اعصاب شل ہوئے تھے۔ نجانے وہ اس کے ساتھ کیا کرنے والا تھا؟

"چلو ایک کھیل کھیلتے ہیں۔" چہرے پر تیکھی مسکراہٹ سجائے ڈیوڈ نے اس کی آنکھوں میں اپنی آنکھیں گاڑھی تھیں۔ جہاں الیکس کا سانس رکا تھا وہیں باہر کھڑے جیمز اور ماریہ کا دل بھی کانپا تھا۔ وہ لوگ اس کے کھیل سے اچھی طرح واقف تھے۔

تھوڑی دیر میں میز پر کچھ کیل اور ہتھوڑی رکھ دی گئی تھی۔

"میرے سر میں اس وقت بہت درد ہے۔ کسی قسم کی چیخ یا کراہٹ میں بالکل برداشت نہیں کروں گا۔" اس نے کہتے

ساتھ ہی ایک کیل اور ہتھوڑی اٹھائی تھی۔

"نہیں! بلیک مونسٹر تم...." الیکس کا رنگ خوف سے پیلا پڑ چکا تھا۔

"بولنے کی اجازت نہیں ہے الیکس! میرا پہلے ہی روزہ ہے اور اس وقت مجھے کافی کی شدید طلب ہو رہی ہے۔اگر تمہاری زبان نے میرے سر درد میں مزید اضافہ کیا تو میں یہ زبان کاٹنے میں ایک لمحہ ضائع نہیں کروں گا۔"

(ایسٹر ایک مسیحی تہوار ہے۔جو کہ 46دنوں پر مشتمل ہوتا ہے۔46دنوں بعد عیسائی عید مناتے ہیں۔اسے اردو

میں 'عید الفصح' بھی کہتے ہیں۔عیسائی اتوار کو نکال کر چالیس دن روزہ رکھتے ہیں اور اس کے بعد عید مناتے ہیں۔

ایسٹر کے مطلق عیسائیوں کے اپنے عقائد ہیں۔کچھ کے مطابق یہ روزہ چھ گھنٹے پر مشتمل ہوتا ہے، تو کچھ کے مطابق آٹھ، بارہ یا چوبیس گھنٹے پر... اکثریت چوبیس گھنٹے کا روزہ رکھتی ہے۔)

اس کا دائیاں ہاتھ کھولے اب ڈیوڈ نے کیل ہتھوڑی کی مدد سے اس کے ہاتھ کے درمیان میں گاڑھی تھی۔الیکس نے بہت مشکل سے اپنی سسکیوں کا گلا گھوٹا تھا۔وہ جانتا تھا کہ چیخنے چلانے کے بعد وہ شخص اس کا کیا حال کرے گا۔بہتر یہی تھا کہ چپ چاپ اس کی دی ہوئی سزا کو سہہ جائے۔

"مجھے تمہارا اس کے پیچھے جانا بالکل پسند نہیں آیا۔"اسی کیل کی سیدھ میں اس نے تھوڑے فاصلے پر اگلا کیل گاڑھا تھا۔پورے کمرے میں صرف ہتھوڑی بجنے کی آواز گونج رہی تھی۔

الیکس کے منہ سے ایک آہ تک نا نکلی تھی۔اس نے خود پر بہت مشکل سے قابو پایا ہوا تھا۔

"یہ تو بہت اچھا لگ رہا ہے۔"تقریباً آدھے گھنٹے بعد وہ مختلف کیلوں سے اس کے ہاتھ پر ایک پھول بنانے میں کامیاب ہو ہی گیا تھا۔اب وہ سراہتی نگاہوں سے اپنا کارنامہ دیکھ رہا تھا۔الیکس کی آنکھوں سے آنسو پھسل پھسل کر اس کے گال بھگو رہے تھے۔

"یہ پھول تو میں اپنی جان جہاں کو تحفے میں دیتا مگر کیا کروں... تمہارا ہاتھ دیکھ کر وہ ڈر جائے گی۔"اسے شدت سے افسوس ہوا تھا۔

"تھکا دیا تم نے مجھے الیکس..."اپنا غصہ اس پر اتارنے کے بعد اب وہ کافی حد تک ریلیکس تھا۔اپنا کورٹ اٹھاتے اب وہ باہر کی جانب بڑھا تھا۔

"ماریہ ایک گلاس جوس لے کر آؤ۔"ماریہ کو حکم صادر کرتے وہ مغرورانہ چال چلتا آگے بڑھا تھا۔

"بلیک مونسٹر کا تو روزہ نہیں تھا؟"وہ حیران ہوئی تھی۔

"عیسائیوں کے چار گروہ ہیں جن کے مختلف
عقائد ہوتے ہیں بالکل جیسے تم مسلمانوں کے ہاں فرقے ہوتے ہیں۔روزہ رکھنے کا طریقہ سب کا مختلف ہوتا ہے۔کچھ مکمل
طور پر روزہ رکھتے ہیں،بغیر کچھ کھائے پیے...کچھ صرف روزے کے دوران پانی پیتے ہیں اور کچھ روزے کے دوران سب کچھ کھا پی سکتے ہیں سوائے آگ پر پکی ہوئی چیزوں کے...بلیک مونسٹر ان ہی میں سے ہے۔"جیمز کی بات پر ماریہ کا سر چکرایا تھا۔

"یہ کون سا روزہ ہوا بھلا....؟"وہ صحیح معنوں میں شاک تھی۔

"چپ چاپ جا کر جوس پیش کرو بادشاہ سلامت کو...اس سے پہلے کہ وہ جوس کے طور پر تمہارا خون پی جائے۔"

ماریہ نے سوچتے ساتھ ہی جھرجھری لی تھی۔اب وہ تقریباً بھاگتی ہوئی وہاں سے گئی تھی۔

ہارون اور مصطفی کی ملاقاتوں کا تسلسل ویسے ہی جاری تھا۔آج مصطفی اپنے گھر والوں کے ساتھ ہارون کے گھر آئے تھے۔لنچ کے بعد سب لوگ لاؤنج میں بیٹھے چائے پی رہے تھے جب صوفی اندر داخل ہوئی تھی۔یونیفارم پہنے، سر پر حجاب باندھے اس کا چہرہ پسینے سے تر تھا۔اس کا سارا وجود کپکپا رہا تھا۔

"صوفی کیا ہوا بیٹا؟"شہلا بھاگتی ہوئی اپنی بیٹی کی طرف گئی تھی۔

"مم... میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"کہتے ساتھ ہی وہ تیزی سے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی تھی۔صوفے پر بیٹھے

عبداللہ نے ایک سرسری سی نگاہ اس لڑکی پر ڈالی تھی پھر وہ دوبارہ اپنے موبائل پر مصروف ہو گیا تھا۔

کچھ دیر بعد ہارون کو فون آیا تھا۔وہ اضطراب کی حالت میں فوراً وہاں سے اٹھے تھے۔مصطفی بھی ان کے پیچھے گئے تھے۔ان دونوں کے اسطرح وہاں سے جانے پر سب لوگ ہی پریشان ہوئے تھے۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد وہ لوگ گھر آئے تھے۔حاتم بھی ان کے ساتھ تھا۔اس کا یونیفارم جگہ جگہ سے پھٹا ہوا تھا اور چہرے پر نیل کے نشان تھے۔شہلا بھاگتی ہوئی اپنے بیٹے کی جانب گئی تھیں۔

"حاتم! یہ سب کیا ہے؟"اس کے چہرے کو چھوتے وہ تڑپ اٹھی تھیں۔وہ خاموشی سے نظریں جھکائے کھڑا تھا۔

"یہ سب تمہاری تربیت ہے۔اور یہ نالائق...!"انہوں نے حاتم کو گریبان سے پکڑے اس کے گال پر دو تمانچے رسید کیے تھے۔

"ہارون یہ کیا کر رہے ہو؟"مصطفی نے آگے بڑھ کر اسے روکا تھا۔سب کے سامنے اس بے عزتی پر حاتم شرمندگی کے احساس سے زمین میں گڑھتا چلا گیا تھا۔

"تو اور کیا کروں؟ میں نے اسے وہاں پڑھنے کے لیے بھیجا ہے اور یہ وہاں غنڈہ گردی کرتا پھر رہا ہے اسے تو میں۔۔۔" مصطفی نے ایک بار پھر ہارون کے بڑھتے ہاتھ کو روکا تھا۔ "جوان اولاد پر ہاتھ نہیں اٹھاتے۔ اگر حاتم نے ایسا کچھ کیا ہے تو یقیناً اس کے پیچھے کوئی وجہ ہو گی۔" مصطفی نے سمجھداری سے کام لیتے کہا تھا۔

"وجہ تو ہے نا! وہ لڑکے کسی لڑکی کو تنگ کر رہے تھے اور یہ حاتم تائی بن کر اسے بچانے پہنچ گئے۔" وہاں موجود

سب افراد ہی پریشان تھے سوائے ایک شخص کے۔۔۔ صوفے پر بیٹھا موبائل میں مصروف وہ شخص۔۔۔ ہر چیز سے بے نیاز

وہ گیم کھیلنے میں بے حد مصروف تھا۔ اس نے معاملے کی سنگینی کو جاننے کے لیے ایک بار بھی نگاہ اٹھا کر دیکھنے کی زحمت نہیں کی تھی۔

"اگر اتنی ہی ہمدردی سوار تھی تو کمپلین کر دیتے۔ کالج کے باہر لڑائی کرنے کی کیا ضرورت تھی؟" وہ شدید طیش کی حالت میں گویا ہوئے تھے۔

ہارون کی اونچی آواز سنتے ہی وہ بھاگ کر اپنے کمرے سے آئی تھی۔ حاتم کو کٹھہرے میں کھڑا دیکھ اس کے سارے

وجود پر لرزش طاری ہوئی تھی۔ اس نے کچھ کہنے کے لیے اپنے لب کھولے تھے جب حاتم کی سخت گھوری پر اس

کی زبان کو قفل لگ گیا تھا۔ ان دونوں بہن بھائیوں کی آنکھوں کا یہ تضاد کسی نے بہت دلچسپی سے دیکھا تھا۔ وہ زیرک نگاہیں رکھتا تھا۔ ایک لمحہ لگا تھا عبداللہ کو ساری صورتحال سمجھنے میں۔۔۔۔

حاتم اس سب کے بعد فوراً ہی گھر سے نکل گیا تھا۔ رات کے تقریباً نو بجے کے قریب وہ کالونی کے پارک میں موجود
بینچ پر بیٹھا تھا۔ عبداللہ کا گھر پارک کے بہت قریب تھا۔ وہ اپنے کمرے کی کھڑکی بند کرنے لگا تھا جب اس کی نظر حاتم پر پڑی تھی۔ کھڑکی بند کیے وہ اپنے کمرے سے باہر
نکلا تھا۔ چند ثانیوں بعد وہ پارک میں موجود تھا۔ حاتم کی نظریں اپنے بوٹوں پر جمی ہوئی تھیں جبکہ وہ ساتھ ساتھ دانتوں سے اپنے ہونٹ بھی کچل رہا تھا۔

"Are you ok?"

بینچ کی دوسری طرف بیٹھتے عبداللہ نے نرمی سے استفسار کیا تھا۔ اس کی آواز پر حاتم نے چونک کر سر اٹھایا تھا۔

"آپ...؟" سامنے موجود شخص کی موجودگی اس کے لیے بالکل غیر متوقع تھی۔

"تم ٹھیک ہو؟" اس کے دوبارہ استفسار کرنے پر کہیں جا کر حاتم کو ہوش آیا تھا۔

"جی...!" اس نے یک لفظی جواب دیا تھا۔

"گھر جاؤ۔" اس بات پر حاتم کے ماتھے پر بل پڑے تھے۔ اس نے بغور سامنے بیٹھے شخص کو دیکھا تھا جو کہ اس کی
جانب نہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ سپاٹ چہرے کے ساتھ سامنے دیکھ رہا تھا۔ اصل حیرت تو اسے اس کے لہجے سے ہوئی تھی۔ سامنے بیٹھے شخص کے لہجے میں کوئی ہمدردی یا نرمی کا تاثر نہیں تھا۔ اس کا لہجہ حکمیہ تھا۔

"میں یہیں ٹھیک ہوں۔" حاتم نے منہ بسورے جواب دیا تھا۔

"یہاں بیٹھنے سے مسئلہ حل نہیں ہو گا۔ گھر جاؤ اور جا کر اپنے ڈیڈ سے معافی مانگو۔"اب کی بار لہجے میں تھوڑی نرمی در آئی تھی۔

"میں کیوں معافی مانگوں؟ میں نے کچھ غلط نہیں کیا۔"وہ بگڑا تھا۔

"غلطی تمہاری ہی تھی۔ اس طرح لڑائی جھگڑا کسی مسئلے کا حل نہیں.... تمہیں کالج کی انتظامیہ سے بات کرنی چاہیئے تھی۔"

"کیا کسی لڑکی کو چھیڑنے والے کو نہیں مارنا چاہیئے؟"اس نے ایک دفعہ بھی اپنی زبان سے اپنی بہن کا نام نہیں لیا

تھا۔ وہ اسے سب کے سامنے رسوا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اور وہ اپنے باپ کی فطرت سے بھی اچھی طرح واقف تھا۔ وہ

غیرت میں آکر صوفی کی پڑھائی ہی چھڑوا دیتے۔

"بالکل بھی نہیں....!"لہجہ تحمل سے بھرپور تھا۔

"اچھا! تو پھر آپ کے خیال سے کیا کرنا چاہیئے؟"یہ طنز تھا۔ مقابل کی باتوں سے اس کا دماغ گھومنے لگا تھا۔

"اسی وقت ان لڑکوں سے بات چیت کر کے معاملے کو رفع دفع کرنا چاہیئے اور پھر ان سے دوستی کر کے بات کو ختم کرنا چاہیئے۔"

حاتم کا منہ بے اختیار کھل گیا تھا۔ اس نے پھٹی پھٹی نگاہوں سے سامنے بیٹھے شخص کی جانب دیکھا تھا مگر مجال تھی جو اس شخص کے ماتھے پر ایک شکن بھی موجود ہو۔ اس کے چہرے پر سنجیدگی تھی، حد سے زیادہ سنجیدگی...

"اگر اس لڑکی کی جگہ آپ کی بہن ہوتی تو بھی آپ یہی کہتے ؟" حاتم نے طنزیہ انداز میں پوچھا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ
اس سوال کے جواب میں یقیناً سامنے بیٹھا شخص یا تو انکار کرے گا یا پھر وہ کم از کم گڑبڑائے گا ضرور.... اور یہی حاتم کی جیت ہوتی۔ مگر یہ اس کی سب سے بڑی غلط فہمی تھی کیونکہ مقابل کے یک لفظی جواب نے اس کے اعصاب بالکل شل کر دیے تھے۔

"ہاں...!" حاتم کو اپنے آس پاس دھماکوں کی آواز سنائی دینے لگی تھی۔

"آپ سچ میں یہی کرتے ؟" اس نے جیسے یقین کرنا چاہا تھا۔

"بالکل میں یہی کرتا کیونکہ میں تمہاری طرح بیوقوف نہیں ہوں۔"

"کیا مطلب...؟"

"مطلب یہ کہ اگر کوئی میری بہن پر بری نظر ڈالے گا تو میں اسے ہر گز اتنی آسانی سے نہیں چھوڑوں گا۔" حاتم نے ناسمجھی سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

"میں کالج کے باہر کبھی ان لڑکوں کو نا پیٹتا کیونکہ وہاں کیمرے لگے ہوئے ہوتے۔ انتظامیہ کے سامنے دوستی کر لیتا اس کے بعد میں انہیں رات کے اندھیرے میں اٹھواتا اور وہ حشر کرتا کہ زندگی بھر یاد رکھتے۔" حاتم تو بس اسے دیکھتا ہی رہ گیا تھا۔

"میری زندگی کا ایک اصول ہے۔ میرے نزدیک موت سزا نہیں ہے بلکہ زندگی سزا ہے۔" حاتم خاموشی سے اسے بس دیکھتا ہی رہا تھا۔

"گھر جاؤ اپنے۔" کہتے ساتھ ہی وہ اٹھا تھا۔

"آپ کیا ان لڑکوں کو اٹھوانے کے لیے غنڈے ہائیر کرتے؟" حاتم کی آواز پر اس کے بڑھتے قدم رکے تھے۔

"بالکل بھی نہیں! میرے دوست اس کام میں میری مدد کرتے۔" کہتے ساتھ ہی وہ آگے بڑھ گیا تھا جبکہ حاتم گہری سوچ میں ڈوبا تھا۔

---

وہ اپنے کمرے میں صوفے پر بیٹھے شولیسز باندھ رہا تھا جب مصطفی نے کمرے کا دروازہ ناک کیا تھا۔ عبداللہ فورا الرٹ ہوا تھا۔

"ٹرسٹ می! میں نے کچھ بھی نہیں کیا۔" اس نے کھڑے ہوتے ساتھ ہی وضاحت پیش کی تھی۔

"بات کرنی ہے تم سے...!" صوفے پر بیٹھتے انہوں نے اسے بھی بیٹھنے کا کہا تھا۔ ان کے چہرے کی سنجیدگی سے وہ جان چکا تھا کہ یقینا بات معاملہ سیریس ہے۔

"بزنس میں تو کوئی دلچسپی ہے ہی نہیں تمہیں.... اس لیے میں چاہتا ہوں کہ تم شادی کر لو۔" وہ کرنٹ کھا کر صوفے سے اچھلا تھا۔

"شادی...؟" اسے اپنی سماعتوں پر بالکل یقین نہیں آیا تھا۔

"ہاں شادی! اور لڑکی ڈھونڈھ چکا ہوں میں تمہارے لیے۔ ایک مہینے کے اندر اندر نکاح ہے تمہارا..." عبداللہ کو اپنے آس پاس دھماکوں کی آواز سنائی دینے لگی تھی۔

"ڈڈ... ڈیڈ آپ مذاق کر رہے ہیں نا...؟" دوسروں کو اپنے سامنے لاجواب کرنے والا آج خود بوکھلا گیا تھا۔

"نہیں بیٹا! بھلا تمہارا میرا کیا مذاق؟" وہ اسی کا تکیہ کلام اسی پر الٹا گئے تھے۔

"میں ہر گز ایسا کچھ نہیں کروں گا۔میری ابھی عمر ہی کیا ہے؟صرف بیس سال کا ہوں میں ڈیڈ!"

"میں رخصتی کا نہیں کہہ رہا۔صرف نکاح ہو گا۔"ان کے لہجے میں پختگی تھی،یعنی وہ فیصلہ کر چکے تھے۔

"اور کون ہے وہ حور پری؟"وہ تپ کر بولا تھا۔اپنے باپ سے اسے کوئی اچھی امید نہیں تھی۔

"ہارون کی بیٹی... صوفی...!"اسے ایک بار پھر اپنے آس پاس دھماکوں کی آواز سنائی دی تھے۔

نظروں کے سامنے اس ڈرپوک اور کانفیڈینٹ لیس لڑکی کا ہیولہ لہرایا تھا۔اس نے فوراً ہی جھر جھری لی تھی۔

"میں مر کر بھی اس لڑکی سے شادی نہیں کروں گا۔"اس نے شدید طیش کی حالت میں کہا تھا۔

"تمہیں مرنے کا کس نے کہا ہے؟تم زندہ رہ کر شادی کر لو۔"انہوں نے جیسے مسئلے کا حل بتایا تھا۔

"ڈیڈ...!"دانت پر دانت جمائے وہ بے بسی سے گویا ہوا تھا۔

"کیا ڈیڈ...؟باپ ہوں تمہارا!اپنے بیٹے سے کچھ اور نا سہی مگر زچ کرنا تو سیکھ ہی لیا ہے میں نے..."وہ آج صحیح معنوں میں زچ ہوا تھا۔

"میں اس لڑکی سے ہر گز نکاح نہیں کروں گا۔وہ میرے ٹائپ کی نہیں ہے۔"اس نے اب اپنے لہجے کو ہموار کیا تھا۔

"وہ ایک سلجھی ہوئی اور بہت پیاری بچی ہے۔میرے گھر کی بہو صرف وہی بنے گی۔"

"تو بنا لیں اسے بہو... میں نے کب منع کیا۔بس شادی نہیں کروں گا میں اس سے...!"اس نے ہاتھ کھڑے کرتے کہا تھا۔

"گدھے!جب تم اس سے شادی نہیں کرو گے تو میں اسے بہو کیسے بناؤں گا؟"اس کی فضول گوئی سے وہ ہمیشہ ہی پریشان رہتے تھے۔

"وہ میرا مسئلہ نہیں ہے۔مجھے صرف اتنا پتا ہے کہ میں اس سے نکاح نہیں کروں گا۔" کہتے ساتھ ہی وہ تیزی سے وہاں

سے گیا تھا۔

مصطفی کا سر ایک بار پھر چکرایا تھا۔وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ ان کی یہ اولاد انہیں ناک وچنے چبوانے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

---

مانو آج عبداللہ کے ساتھ پارک میں گئی تھی۔وہ کھیلنے میں مصروف تھی جبکہ وہ یہیں بنچ پر بیٹھا موبائل استعمال کر رہا تھا۔ساتھ ہی ساتھ وہ کچھ دیر بعد ایک نظر اس پر ڈال لیتا تھا۔

"السلام علیکم!" سلام کرتے ساتھ ہی حاتم اس کے ساتھ بیٹھا تھا۔

"وعلیکم السلام!" فون بند کرتے اس نے سنجیدہ تاثرات کے ساتھ جواب دیا تھا۔

"Thanks..."

حاتم نے مشکور انداز میں کہا تھا۔

اس نے عبداللہ کی بات پر عمل کرتے اپنے دوستوں کے ساتھ مل کر رات کے اندھیرے میں ان دو لڑکوں کو کنڈ نیپ کر کے انہیں اچھا خاصا مارا تھا۔یہ حاتم کی زندگی کا پہلا ایکپیرینس تھا۔شروع شروع میں وہ بہت زیادہ گھبرایا

ہوا تھا لیکن آہستہ آہستہ اسے سب اچھا لگنے لگا تھا۔اس نے اپنی زندگی کے پہلے ایڈوانچر کو بہت انجوائے کیا تھا۔

You Welcome!”

کہتے ساتھ ہی وہ فون اٹھائے وہاں سے گیا تھا۔ نا تو عبداللہ نے شکریہ ادا کرنے کی وجہ پوچھی تھی اور نا ہی حاتم نے اسے کچھ بتایا تھا۔

حاتم کچھ دیر عجیب نگاہوں سے فاصلے پر کھڑے اس شخص کو دیکھتا رہا تھا جو فون پر کسی سے محو گفتگو تھا۔

"عجیب۔۔۔!" اسے دیکھ کر حاتم کے ذہن میں فلحال یہی لفظ آیا تھا۔ اب اس کی نظر جھولا جھولتی مانو پر پڑی تھی۔ حاتم کے لبوں کو مسکراہٹ نے چھوا تھا۔ وہ بے اختیار اس جانب قدم بڑھا گیا تھا۔

"کیسی ہو مانو؟"

اپنے عقب سے جانی پہچانی آواز سنتے اس نے چونک کر دیکھا تھا۔ حاتم کو دیکھ کر اس کی سنہری آنکھوں میں چمک ابھری تھی مگر اگلے ہی لمحے اس نے رخ موڑ لیا تھا۔

"میں بین سے ناراض ہوں۔" اس نے رخ موڑے ہی شکوہ کیا تھا۔

"کیوں۔۔۔؟" اتنے دن گزر جانے کے بعد حاتم کا غصہ ٹھنڈا ہو چکا تھا۔

"تم نے مجھے ڈانٹا۔" کھڑے ہوتے ساتھ ہی اس نے منہ بسورے حاتم کی جانب دیکھا تھا۔

"تم نے وہ حرکت کیوں کی تھی؟" حاتم نے بھی ایک آنکھ آچکا کر پوچھا تھا۔

"میں تو بس تمہارے ساتھ رہنا چاہتی تھی بس اسی لیے کیا تھا۔" اس نے روندھی آواز میں کہا تھا۔

"تمہیں یہ سب کرنے کے لیے کس نے کہا تھا؟" حاتم نے ہاتھ باندھے استفسار کیا تھا۔

"وہ آپا نے۔۔۔ وہ ہمارے گھر کام کرتی ہیں نا۔۔۔۔ انہوں نے کہا کہ تین بار 'قبول ہے' کہنے سے ہم ایک ساتھ رہ سکتے ہیں بلکہ ابھی تو سائن بھی کرنے تھے۔" اسے اچانک ہی یاد آیا تھا۔

"بیوقوف لڑکی! اپنے دماغ سے یہ ساری فضول باتیں نکال دو۔ ہم ایک ساتھ نہیں رہ سکتے۔" حاتم نے اسے سمجھانا

چاہا تھا۔

"کیوں...؟" وہ بضد تھی۔

"کیونکہ تم ابھی بہت چھوٹی ہو۔" اس کے الٹا سوال کرنے پر حاتم سے جو جواب بن پڑا تھا، اس نے دے دیا تھا۔

"میں پورے آٹھ سال کی ہوں۔" مانو نے ہاتھ کی انگلیوں پر گنتے ہوئے اسے جتایا تھا۔

"تم صرف آٹھ سال کی ہو۔" حاتم نے 'صرف' پر زور دیتے کہا تھا جبکہ صحیح معنوں میں وہ اپنا سر دیوار میں مار رہا تھا۔

"تو آٹھ سال کی عمر میں شادی نہیں ہوتی؟" اسی معصومیت سے ایک اور سوال پوچھا گیا تھا۔

"نہیں...!" صبر کا مظاہرہ کرتے حاتم نے نرمی سے جواب دینے کی پوری کوشش کی تھی۔ مانو کا چہرہ بجھ گیا تھا مگر

اگلے ہی لمحے کسی خیال کے تحت وہ فوراً چہکی تھی۔

"پھر کس عمر میں شادی ہوتی ہے؟" اس سوال پر حاتم کو پورا پارک ہی گول گول گھومتا نظر آیا تھا۔

"بتاؤ نا....؟" اسے خاموش دیکھ مانو نے اچھلتے پوچھا تھا۔

"اکیس سال کی عمر کی...!" اس نے بغیر کچھ سوچے سمجھے جھنجھلاتے ہوئے کہا تھا۔

"اکیس سال کی عمر میں میں تمہارے ساتھ رہ سکتی ہوں؟" اس نے ایک آس سے پوچھا تھا۔

"ہاں ہاں...!" حاتم نے اسے ٹالنے والے انداز میں کہا تھا۔ وہ اس کے سوالات سے تنگ آ چکا تھا۔

"ویسے اکیس سال ہوتا کتنا ہے؟"

"میرا سر ہوتا ہے۔" وہ غصے سے کہتا وہاں سے گیا تھا۔ مانو کو تو کسی چیز کی جیسے پرواہ ہی نہیں رہی تھی۔ وہ تو بس اپنے بین کے ساتھ رہنے پر ہی بے حد خوش تھی۔

---

سونی اپنے کمرے میں بستر پر بیٹھی ہوئی تھی اور عبداللہ گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھا مسلسل اپنی ماں کی منتیں کر رہا تھا۔

"مام چائلڈ میرج ہمارے قانون میں جائز نہیں ہے۔ آپ پلیز ڈیڈ کو سمجھائیں انہیں جیل ہو سکتی ہے۔" اپنی ماں
کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھے وہ اب تک نجانے کتنی دلیلیں دے چکا تھا مگر اس کی قسمت کی خرابی.... ہر دلیل ہی بری
طرح رد ہو چکی تھی۔

"تم بچے نہیں ہو عبداللہ!" سونی نے اسے گھوری سے نوازا تھا۔

"مگر وہ تو ہے نا...!"

"اس کی عمر پندرہ سال ہے۔" وہ بس کسی بھی طرح اس لڑکی سے جان چھڑوانا چاہتا تھا۔

"اٹھارہ سال سے کم عمر میں شادی کرنا جرم ہے۔ میں بتا رہا ہوں، ڈیڈ کو جیل ہو جائے گی۔" وہ اپنی ماں کو ڈرانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"صرف نکاح کا کہہ رہے ہیں۔ رخصتی چار پانچ سال بعد ہی ہو گی۔" سونی کے سر میں اب درد ہونے لگا تھا۔

"تو نکاح بھی چار پانچ سال بعد کر لیتے ہیں نا....!" اسے اس مصیبت سے نکلنے کا ایک نیا راستہ مل گیا تھا۔

"تمہارے ڈیڈ اور مجھے تم پر بالکل اعتماد نہیں ہے۔ تمہارا کیا بھروسہ کسی کو بھی شادی کر کے لے آؤ اور کہو کہ یہ میری بیوی ہے۔"

"میں ایسا کیوں کروں گا؟" وہ اس وقت شدید کوفت محسوس کر رہا تھا۔

"بس میں اب کچھ نہیں سنوں گی۔ اب تمہیں جو بھی بات کرنی ہے جا کر اپنے ڈیڈ سے کرو۔" سونی نے گویا بات کا

اختتام کیا تھا۔ عبداللہ نے گہری سانس خارج کی تھی۔ البتہ وہ فیصلہ کر چکا تھا کہ یہ شادی تو وہ کسی قیمت پر نہیں کرے گا۔

---

سونی کو چھوڑے اب وہ مسلسل اپنے باپ کی منتیں کر رہا تھا جو کہ رائیگاں ہی جا رہی تھیں۔

"ڈیڈ ٹرسٹ می! آپ کو جیل ہو جائے گی۔"

"اور کون کروائے گا مجھے جیل؟" مصطفی نے آنکھیں چھوٹی کیے اپنے بیٹے کم باپ زیادہ کو گھورا تھا۔

"میں ہوں نا....!" اس کی زبان غلط وقت پر پھسلی تھی۔

"تم جیسی اولاد سے مجھے کوئی اچھی امید ہے بھی نہیں...!" انہوں نے افسوس سے سر جھٹکا تھا۔

"میرا وہ مطلب نہیں تھا۔" بالوں میں ہاتھ پھیرتے وہ خجل کا شکار ہوا تھا۔

"بس بہت ہو گیا اب اس موضوع پر اب کوئی بات نہیں ہو گی۔" انہوں نے ہاتھ اٹھائے سخت لہجے میں کہا تھا۔

"اور ہاں خبر دار جو یہ سڑی ہوئی شکل لے کر ہارون یا اس کی فیملی کے سامنے گئے۔ان لوگوں سے تم نہایت تمیز اور تہذیب سے پیش آؤ گے۔" وہ حکم دیتے کمرے سے باہر گئے تھے۔

ان کے جانے کے بعد اس نے غصے سے بیڈ کو ایک ٹھڈا مارا تھا۔ایکدم ہی اس کے دماغ میں ایک جھماکہ ہوا تھا اور

لبوں پر شیطانی مسکراہٹ رینگ آئی تھی۔

"اگر میں تمیز اور تہذیب سے پیش نا آؤں تو...؟" اس نے لبوں کو گول کیا تھا۔

"ہارون انکل کبھی بھی اپنی بیٹی کو ایک بد لحاظ شخص کے حوالے نہیں کریں گے۔" اس نے پلین ترتیب دیتے ہوئے

کمرے سے باہر کی جانب قدم بڑھائے تھے۔

---

وہ بغیر کسی کے علم میں لائے چپ چاپ دوپہر کے وقت ہارون کے گھر گیا تھا۔اسے یہاں سب جانتے تھے تو اندر جانے میں اسے کوئی دقت پیش نہیں آئی تھی۔

لاؤنج میں داخل ہوتے اس کے قدم رکے تھے۔اندر عدالت لگے دیکھ اس کا ماتھا ٹھنکا تھا۔

"کچھ پوچھ رہا ہوں میں تم سے حاتم... کیا ان لڑکوں کو تم نے مارا تھا؟" وہ چپ چاپ سر جھکائے کھڑا تھا جبکہ گھر کے باقی تمام افراد اپنی اپنی جگہ سہمے ہوئے تھے۔

"وہ لڑکے تمہارا نام کیوں لے رہے تھے؟"

ان کی دھاڑ پر حاتم نے سختی سے آنکھیں میچی تھیں۔

"تم نے مارا ہے انہیں یا نہیں...؟"

"حاتم نے کچھ نہیں کیا۔" اس آواز پر سب نے مڑ کر دیکھا تھا۔

"انکل آپ خود ہی بتائیں... کیا آپ کا بیٹا ایسا کچھ کر سکتا ہے؟" اس نے حاتم کو سر تا پیر دیکھتے کہا تھا۔

"یہ اس رات میرے ساتھ تھا۔ میں بس اسے چیئر اپ کرنے کے لیے اپنے ساتھ لے گیا تھا۔" حاتم نے بے یقینی سے سامنے

کھڑے شخص کی طرف دیکھا تھا۔ اس کے چہرے پر کوئی خوف کوئی ڈر نہیں تھا۔ اس کا لہجہ پر اعتماد تھا، ایسے جیسے وہ جو بھی بول رہا ہو وہ بالکل سچ ہو۔

"مجھے پہلے ہی یقین تھا کہ میرا بیٹا کچھ غلط نہیں کر سکتا۔" حاتم گرتے گرتے بچا تھا۔ شہلا اور صوفی دونوں ہی حیران ہوئے تھے۔

"آؤ بیٹا بیٹھو چائے پیتے ہیں۔" ہارون شروع سے ہی اس کی شخصیت سے متاثر تھے اور آج اس کا اعتماد انہیں مزید متاثر کر گیا تھا۔ وہ یہی اعتماد اپنے بیٹے میں دیکھنا چاہتے تھے مگر کبھی ایسا ممکن نہیں ہوا تھا۔

وہ کچھ دیر وہاں بیٹھنے کے بعد واپسی کے لیے نکلا تھا۔

"بیوقوف لڑکا!" اسے حاتم پر شدید غصہ تھا۔ وہ وہاں ولن بننے آیا تھا مگر ہیرو بن گیا تھا۔ ساری پلیننگ دھری کی دھری رہ گئی تھی۔

"ماسک نہیں لگا سکتا تھا۔" اگر حاتم اس وقت اس کے سامنے ہوتا تو یقیناً اس کا گلا عبداللہ کے ہاتھ میں ہوتا۔

---

نائل بیڈ کراون سے ٹیک لگا کر بیٹھا لیپ ٹاپ پر کام کر رہا تھا جب سنیہا کمرے میں داخل ہوئی تھی۔

"نائل! کھانا تیار ہے آجاؤ۔" وہ کہتے ساتھ ہی واپس مڑنے لگی تھی جب نائل کی آواز پر اس کے قدم رکے تھے۔

"اگر تم میری تھوڑی سی عزت کر لو گی تو اس میں کوئی حرج تو نہیں....!" سنیہا نے گہری سانس خارج کی تھی۔

"نائل جی! کھانا تیار ہے۔ براہ مہربانی تشریف لے آئیں۔" اس نے
چہرے پر مصنوعی مسکراہٹ سجائے نہایت تحمل سے کہا تھا۔

"آنکھیں جھکا کر بھی کہہ سکتی ہو۔" لیپ ٹاپ پر ٹائپ کرتے اس نے ایک نظر سنیہا پر ڈالی تھی۔ اس بات پر وہ ہتے
سے اکھڑ گئی تھی۔

"بیوی ہوں آپ کی غلام نہیں....! اور اگر کھانا کھانے میں
دلچسبی رکھتے ہیں میاں جی تو تشریف لے آئیں ورنہ بھوکے سوئیں۔" وہ غصے سے پیر پٹختی وہاں سے گئی تھی۔

"جتنا اچھا میں شوہر ہوں نا، مجھے اتنی ہی نافرمان بیوی
ملی ہے۔" نائل نے جان بوجھ کر اونچی آواز میں کہا تھا تا کہ سنیہا با آسانی سن سکے۔

"اچھے شوہر جی! اگر دو منٹ میں آپ نیچے نا آئے نا تو آج بھوکے سونا پڑے گا۔" زینے اترتے سنیہا نے بھی ہانک لگائی تھی۔

لیپ ٹاپ سائیڈ پر رکھے وہ منہ میں بڑبڑاتا ہوا وہاں سے اٹھا تھا۔

سنیہا نے ڈائننگ ٹیبل پر کھانا چن دیا تھا۔ نائل نے خاموشی
سے بغیر کسی مین میخ کے کھانا کھایا تھا۔ یہ بات سنیہا کو
بالکل ہضم نہیں ہوئی تھی۔ اسے نائل کے طعنوں کی عادت ہو گئی تھی۔

"کھانا کیسا بنا ہے؟" وہ پوچھے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔

"اچھا ہے۔" نیپکین سے منہ تھپکتے نائل نے سرسری سے انداز میں کہا تھا۔ سنیہا کو بہت بری طرح کھانسی ہوئی تھی۔

"تم ٹھیک ہو؟" نائل نے پانی کا گلاس اس کی جانب بڑھائے استفسار کیا تھا۔

سنیہا نے پانی ایک ہی سانس میں حلق سے اتارا تھا۔

"تم کسی دن مجھے پاگل کر دو گے۔" اپنا گلا تھامتے وہ گہری گہری سانسیں لینے لگی تھی۔

"میں یہ نہیں کر سکتا کیونکہ تم آل ریڈی پاگل ہو۔" سنیہا نے سخت تاثرات سے اسے گھورا تھا۔ مگر مقابل کے چہرے پر آج بھی وہی لاپروائی اور سنجیدگی تھی۔

"ہم کب تک یہاں رہے گے؟" وہ کتنے عرصے سے یہ سوال پوچھنا چاہتی تھی مگر ہمت نہیں کر پا رہی تھی۔ اسے کہیں نا کہیں آج بھی نائل کے غصے سے ڈر لگتا تھا۔

"مطلب....؟" اس نے ناسمجھی سے سنیہا کی جانب دیکھا تھا۔

"مطلب یہ کہ آپ مجھے اپنے گھر کب لے کر جائے گے؟" نائل کے چہرے کا رنگ زرد پڑا تھا۔

"اور آپ کی فیملی میں کون کون ہے؟"

"کوئی نہیں....!" نائل نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا تھا۔

"میرے پیرینٹ کی ڈیتھ ہو چکی ہے۔"

"اوہ...!" سنیہا کو افسوس ہوا تھا۔

"اور آپ کی بہن....؟" اس کی بہن اسے بہت اچھی طرح سے یاد تھی۔ اس کی وجہ سے تو نائل نے اس پر اتنا تشدد کیا تھا۔

"وہ بیرون ملک ہوتی ہے۔" اس نے سنیہا کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے بڑی صفائی سے جھوٹ بولا تھا۔

وانیہ اس کا سب کچھ تھی۔ وہ ہرگز بھی اس کی نظروں میں نہیں گرنا چاہتا تھا۔ بہتر یہی تھا کہ سنیہا اور وانیہ کا کبھی آمنا سامنا نا ہو۔

"ہم یہاں کیوں رہتے ہیں اور آپ کیوں کبھی کبھی یہاں آتے ہیں۔ ہم آپ کے گھر کیوں...."

"سنیہا....!" نائل نے نرمی سے اس کا ہاتھ تھاما تھا۔

"تمہارے لیے صرف میرا وجود، میرا ساتھ اہم ہونا چاہیئے۔ ہم جہاں بھی رہیں، یہ اہم نہیں ہے۔ دوبارہ اس بارے میں بات نہیں ہو گی۔" اس کے اتنی اپنائیت سے کہنے پر سنیہا خاموش ہو گئی تھی۔ وہ کہہ تو صحیح رہا تھا، سنیہا کے لیے نائل کا ساتھ ہی اہمیت رکھتا تھا۔

---

نائل اور محسن صبح کے وقت پارک میں جاگنگ کر رہے تھے جب محسن کو اس کی خاموشی کھلنے لگی تھی۔

"اگر انسان کی شکل اچھی نا ہو تو اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ وہ کچھ بولے ہی نا...." محسن نے شرارت سے اس پر طنز کیا تھا۔

"اور جس انسان کی شکل، عقل اور زبان تینوں ہی بے کار ہو اسے چاہیئے کہ ڈوب کر مر جائے۔" وہ نائل آفندی تھا۔ وہ اینٹ کا جواب پتھر سے دینے کا قائل تھا۔

"منہ کیوں لٹکا ہوا ہے تمہارا؟" محسن نے سر جھٹکتے سنجیدگی سے پوچھا تھا۔

"مینج نہیں ہوتا مجھ سے، کبھی فارم ہاؤس تو کبھی گھر.... سنیہا کہتی ہے کہ میں مستقل طور پر اس کے ساتھ

کیوں نہیں رہتا اور وانیہ کہتی ہے کہ میں مستقل طور پر
ان کے ساتھ کیوں نہیں رہتا۔"نائل نے سرد آہ بھری تھی۔

"تو پھر بھابھی کو گھر لے جاؤ سمپل!"

"وانیہ کیا سوچے گی میرے بارے میں کہ میں نے چھپ کر شادی کرلی۔"اسے اب بھی صرف وانیہ کی ہی فکر تھی۔

"تو پھر جیسا چل رہا ہے ویسا چلنے دو۔"محسن نے آسان حل پیش کیا تھا۔

"ہمم...!"نائل نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

"ویسے زن مریدی کہاں تک پہنچی؟"محسن نے لب دبائے شرارت سے پوچھا تھا۔

"عروج تک....!وہ سارے کام کرنے پڑ رہے ہیں جو کرنے کا کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔"وہ صحیح کہہ رہا تھا۔لڑکیوں کے ساتھ شاپنگ،لانگ ڈرائیو پر جانا اسے شدید زہر لگتا تھا مگر اب وہ یہ سارے کام کر رہا تھا۔

اس کی بات پر محسن نے دل کھول کر قہقہ لگایا تھا۔

"سنیہا واقعی بہت خوش قسمت ہے جو اسے مجھ جیسا شوہر ملا ہے۔"نائل نے خود کو سراہتے ہوئے کہا تھا۔

اس بات پر محسن نے بامشکل قہقہ ضبط کیا تھا۔وہ کتنا اچھا شوہر تھا یہ تو صرف اس کی بیوی ہی بتا سکتی تھی۔

اور محسن کو یقین تھا کہ سنیہا کے خیالات یقیناً نائل کے خیالات سے مختلف ہوں گے۔

"لیکن بیویوں کے معاملے میں نا میری قسمت بہت خراب ہے۔فرنبردار بیوی تو میری قسمت میں ہی نہیں لکھی۔ایک وہ پہلے والی تھی جسے میں کہہ کہہ کر تھک گیا تھا کہ مجھ سے نظریں ملا کر بات کیا کرو مگر مجال ہے جو اس نے کبھی میری بات مانی ہو اور ایک یہ آخری والی ہے جس سے میں کہہ کہہ کر تھک گیا ہوں کہ نظریں جھکا کر بات کیا کرو مگر وہ میری سنتی ہی نہیں...."کچھ فاصلے پر

موجود درخت پر نظریں جمائے نائل نے نہایت افسوس سے

کہا تھا۔

"باقی کی انیس بیویوں کے بارے میں کیا خیال ہے؟" محسن اب بھی شرارت کے موڈ میں تھا۔

"وہ خاصی فرنبردار تھیں۔" نائل کے چہرے کی سنجید گی پر

محسن گردن پیچھے کی طرف کیے پاگلوں کی طرح ہنسا دیا تھا۔

"افسوس کہ وہ تمہاری اصل بیویاں نہیں تھیں۔" اس نے سرخ پڑتے چہرے کے ساتھ بامشکل کہا تھا۔

"صد افسوس!" نائل نے اس انداز سے سر نفی میں ہلایا تھا جیسے وہ واقعی اپنی نام نہاد انیس بیویوں کو بے حد مس کر رہا ہو۔ وہ بیویاں جنہیں اس نے خود ہی جہنم واصل کیا تھا۔

---

آج مصطفی ہارون سے ملنے اس کے آفس گئے تھے۔ وہ کافی دیر اضطراب کا شکار رہے تھے۔ ان کے چہرے کی یہ پریشانی دیکھ کر ہارون نے خود ہی بات کا آغاز کیا تھا۔

"کوئی مسئلہ ہے کیا؟؟"

"نہیں تو...!" انہوں نے نظریں چرائی تھیں۔

"تم مجھ سے کوئی بھی بات شیئر کر سکتے ہو مصطفی۔" ہارون نے اسے اعتماد میں لیا تھا۔ اور مصطفی نے بھی بالآخر سچ بولنے کا فیصلہ کر ہی لیا تھا۔

"میں تم سے معذرت خواہ ہوں ہارون مگر یہ شادی نہیں ہو سکتی۔ میرا بیٹا نہیں مان رہا۔ اس نے مجھے گھر چھوڑنے کی دھمکی دی ہے۔ وہ سر پھرا ہے، کچھ بھی کر سکتا ہے۔ میں اپنے اکلوتے بیٹے کو کھو نہیں سکتا۔"

"تمہارا بیٹا تمہیں بلیک میل کر رہا ہے اور تم ہو بھی گئے؟" ہارون نے گویا اس کا تمسخر اڑایا تھا۔

"تو پھر میں کیا کروں ہارون...؟" وہ اس وقت بے بسی کی انتہا پر تھے۔

"تم بھی اسے بلیک میل کرو۔" ہارون کی آنکھوں میں عجیب سی چمک تھی۔

"کیا مطلب...؟"

"میری بیٹی تمہاری بہو نہیں بن سکتی مگر تمہاری بیٹی تو میری بہو بن سکتی ہے نا..." ہارون نے مسکراتی نگاہوں سے مصطفی کی جانب دیکھا تھا۔

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو ہارون...؟ تم نے ایسا سوچا بھی کیسے...؟ میری مانو بہت چھوٹی ہے۔ میں اس کے ساتھ یہ زیادتی کرنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔" مصطفی کو ہارون کی بات سخت ناگوار گزری تھی۔

"ہم ایسا سچ میں نہیں کرے گے مگر تم اپنے بیٹے کو دھمکی تو دے سکتے ہو نا....؟" مصطفی نے چونک کر اس کی جانب دیکھا تھا۔

ہارون کی بات پر وہ گہری سوچ میں پڑ گئے تھے۔ مانو عبداللہ کے لیے بہت اہم تھی۔ وہ اس کے لیے کچھ بھی کر سکتا تھا، صوفی سے شادی بھی....

اس شادی کے پیچھے اصل مقصد ایک بزنس ڈیل تھی۔ مصطفی اور ہارون کے درمیان ایک سودا ہونا تھا جس کا انحصار اس شادی پر تھا۔

مصطفی کو آجکل بزنس میں بہت لاس ہو رہا تھا۔ ہارون نے اسے کم قیمت پر کچھ شیئرز اور پارٹی دینے کی آفر کی تھی مگر شرط یہ شادی تھی۔ جس وجہ سے مصطفی اس بارے میں کافی سیریس تھا ورنہ وہ اپنے بیٹے کی اتنی کم عمری میں شادی ہرگز نہیں کرتے۔

عبداللہ ابھی ابھی گھر کے اندر داخل ہوا تھا جب ملازمہ نے اسے ہارون کے بلاوے کی اطلاع دی تھی۔ وہ بادل نخواستہ ان کے کمرے کی جانب بڑھا تھا۔

دل میں تو وہ پکا عہد کر ہی چکا تھا چاہے کچھ بھی ہو جائے وہ اپنی بات سے پیچھے نہیں ہٹے گی۔

دروازہ ناک کرتے وہ اندر داخل آیا تھا۔ صطفی نے اسے بیٹھنے کا کہا تھا۔

"صوفی سے شادی نا کرنا تمہارا آخری فیصلہ ہے؟" بغیر کسی لگی لپٹی کے انہوں نے سیدھا استفسار کیا تھا۔

"جی بالکل!" لہجہ ہموار تھا۔

"ٹھیک ہے! تم مت کرو صوفی سے شادی..." عبداللہ نے عجیب نظروں سے اپنے باپ کی جانب دیکھا تھا۔ اس کے چہرے پر خوشی کی کوئی رمق در نا آئی تھی۔ اسے یقین تھا کہ یقیناً اس کے باپ کے دماغ میں کچھ چل رہا ہے۔

"مجھے کسی بھی قیمت پر ہارون سے رشتہ داری قائم کرنی
ہے۔ اگر اس کی بیٹی میرے گھر کی بہو نہیں بنے گے تو پھر میری بیٹی اس گھر کی بہو بنے گی۔" عبداللہ کا سانس رکا تھا۔ اسے لگا جیسے اسے کسی نے جلتی بھٹی میں جھونک دیا ہو۔

"ڈیڈ....!" وہ چلاتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"آپ کو پتا ہے آپ کیا کہہ رہے ہیں؟" اس کی آنکھیں پل میں سرخ ہوئی تھیں۔

"جب میرا بیٹا میرا سہارا نہیں بن سکتا تو میری بیٹی میرا سہارا بنے گی۔" مصطفی کے چہرے کا سکون عبداللہ کو مزید طیش دلا گیا تھا۔ وہ تو اپنی شادی کو چائلڈ میرج سمجھتا تھا تو پھر مانو تو ابھی بچی تھی۔

"آپ نے ایسا سوچا بھی کیسے...؟ میں اپنی معصوم بہن کو کسی بزنس ڈیل کا حصہ نہیں بننے دوں گا۔" مصطفی نے چونک کر اس کی جانب دیکھا تھا یعنی وہ بے خبر نہیں تھا۔

"میں باپ ہوں مانو کا، اس کے لیے تمام فیصلے لینے کا اختیار رکھتا ہوں۔" وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

"میرے جیتے جی تو یہ ناممکن ہے۔ میں ایسا ہرگز نہیں ہونے دوں گا چاہے اس کے لیے مجھے اس لڑکے کو قبر میں ہی کیوں نا پہنچانا پڑے۔" وہ دھمکی نہیں دے رہا تھا۔ وہ جو کہتا تھا وہ کر کے دکھاتا تھا۔

"آ گئے نا اپنے اصل پر... انہیں سب چیزوں سے روکنے کے لیے تو میں تمہاری پیروں میں ذمہ داری کی بیڑیاں ڈالنا چاہتا ہوں۔ آرمی تو تمہیں کبھی جوائن نہیں کرنے دوں گا۔" وہ ان کا اکلوتا بیٹا تھا۔ وہ اسے ملک کے لیے وقف نہیں کر سکتے تھے۔

"ان سب میں آرمی کہاں سے آ گئی؟ میں اپنا وہ خواب بھول چکا ہوں اور آپ بھی پلیز بھول جائیں۔" نہایت صفائی سے اس نے ایک بار پھر جھوٹ بولا تھا۔

"میں تم سے آخری بار پوچھ رہا ہوں۔ کیا تم صوفی سے نکاح کرو گے یا نہیں...؟"

"میں انکار کروں تو....؟" دونوں باپ بیٹا ایک بار پھر آمنے سامنے آئے تھے۔

"پھر میں مانو کی شادی حاتم سے کروا دوں گا۔" وہ بھی ضد پر اڑے تھے۔

"یہ زیادتی ہے ڈیڈ!" اس نے احتجاج کیا تھا۔

"تم صوفی سے نکاح کرو گے یا نہیں...؟" انہوں نے ایک بار پھر اپنی بات دہرائی تھی۔

"ڈیڈ..."

"ہاں یا نا....؟"

"ٹھیک ہے! میں کروں گا۔" اس نے گویا ہار مانی تھی۔ اسے اپنے باپ کے ارادے کچھ ٹھیک نہیں لگے تھے۔ وہ ہمیشہ تو اپنی بہن کی حفاظت کے لیے یہاں موجود نہیں ہوتا تھا۔ اگلے چند دنوں میں بھی اسے ایک مشن پر جانا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کے پیچھے کچھ ایسا ہو جائے جس پر اسے ساری زندگی پچھتانا پڑے۔ مصطفی ایسے ہرگز نہیں تھے مگر جب سے ان کی ہارون کے ساتھ ملاقاتوں کا سلسلہ بڑھا تھا تب سے وہ کافی حد تک تبدیل ہو گئے تھے۔ عبداللہ کو ان کا یہ دوست ہمیشہ سے ہی کھٹکتا تھا اور اس کی نظریں... عبداللہ کو ان نظریں سے وحشت محسوس ہوتی تھی۔

شاید کچھ ایسا ضرور تھا جو چھپا ہوا تھا۔

صوفی سے شادی کی حامی بھرنے کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ وہ ہارون پر نظر رکھ سکے۔

---

رات کے پہر چاند کی چاندنی بادلوں کے پیچھے کہیں چھپ سی گئی تھی۔ کالے بادلوں کی گھٹاؤں نے کسی آسیب کی طرح آسمان کو اپنی لپیٹ میں لیا ہوا تھا۔ ہوا کی خنکی ماحول کو سرد کرنے کے لیے کافی تھی۔

وہ بستر پر چت لیٹی گہری گہری سانسیں لے رہی تھی۔ اس چٹخا دینے والی سردی میں بھی وہ بغیر کچھ اوڑھے سو رہی تھی۔ پورا جسم پسینے سے شرابور تھا۔ ہاتھ بار بار حرکت کر رہے تھے مگر جسم اٹھنے سے انکاری تھی۔ ایک بوجھ تھا جو اسے جاگنے سے روک رہا تھا۔

"یاد ہے اس دن کیا ہوا تھا؟ تمہاری ماں.... نینا.... بیچاری....

چار لوگ تھے نا.... جھاڑیوں کے پیچھے کیا کیا تھا اس شخص نے....؟ یاد ہے نا تمہیں....؟" وہ نیند میں بے چین ہوئی تھی۔ وہی صور پھونکتی بھیانک آواز اسے آج ایک بار پھر سنائی دے رہی تھی۔ وہ اٹھ کر دیکھنا

چاہتی تھی کہ آخر کون ہے وہ جو اسے کچھ بھی بھولنے نہیں دیتا مگر جسم حرکت سے عاری تھا۔آنکھیں کھلنے سے انکاری تھیں۔

"چلو آج ایک بار پھر سے شروع کرتے ہیں۔پہلے کیا کیا تھا اس شخص نے....ہاں! تمہاری ماں کے بال ہٹائے تھے نا چہرے سے پھر کیا کیا تھا....؟وہ جھکا تھا نانینا پر...."آج ایک بار پھر وہی داستان شروع ہوئی تھی۔اس کی ماں پر بیتا ہر ایک ظلم اسے کسی دلچسپ کہانی کی طرح سنایا گیا تھا۔

اور اسے ہمیشہ کی سننا پڑا تھا۔ایک بے جان وجود کے ساتھ....وہ سب سن سکتی تھی مگر بول یا حرکت نہیں کر سکتی تھی۔وہ تقریبا ہر رات اسی اذیت اور اسی تکلیف سے گزرتی تھی۔بچے لوریاں سنتے سنتے بڑے ہوتے ہیں مگر وانیہ....وہ یہی سب سنتے سنتے بڑی ہوئی تھی۔

سامنے والا شخص حد سے زیادہ بے رحم تھا۔ظلم کی داستان سنانے کے بعد وہ رکتا نہیں تھا بلکہ ایک نئے سرے سے کہانی پھر سے شروع ہو جاتی تھی۔یہ سب سنتے سنتے بالآخر رات کے کسی پہر اس پر مکمل طور پر نیند غالب ہو ہی گئی تھی۔

---

ناشتے کے بعد وانیہ نائل کے کمرے کی جانب بڑھی تھی۔وہ آفس کے لیے تیار ہو رہا تھا جب وانیہ نے کمرے کا دروازہ ناک کیا تھا۔اسے اپنے کمرے میں دیکھ کر نائل کو خوشگوار حیرت ہوئی تھی۔اس نے خوشدلی سے وانیہ کو اندر آنے کی اجازت دی تھی۔

"کیا ہوا میری جان...؟رات ٹھیک سے سوئی نہیں آپ؟"اس کی آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے دیکھ کر نائل نے فکر مندی سے استفسار کیا تھا۔

وہ مدھم سا مسکرا دی تھی۔سکون کی نیند تو اسے کبھی نصیب ہی نہیں ہوئی تھی۔

"بھائی میں ڈاکٹر کے پاس جانا چاہتی ہوں تھیریپی کے لیے۔۔۔!" انگلیاں مڑوڑتے اس نے بالآخر کہہ ہی ڈالا تھا۔

نائل ایک لمحے کے لیے چونکا تھا پھر اس کے لب دلفریب مسکراہٹ میں ڈھلے تھے۔

یہ پہلی بار تھا جب وانیہ نے خود سے ڈاکٹر کے پاس جانے کا کہا تھا۔

"ٹھیک ہے میری جان! ہم آج ہی جائے گئے۔" اس نے آگے بڑھ کر وانیہ کو خود سے لگایا تھا۔

وہ اب تھک چکی تھی۔ اپنے پاگل پن سے لڑتے لڑتے وہ واقعی تھک گئی تھی۔ یا تو یہ اس کا وہم تھا یا پھر حقیقت۔۔۔۔

---

اس نیم اندھیرے کمرے میں صرف دو ہی لوگ موجود تھے۔ ایک ڈاکٹر سیف اور دوسری وانیہ۔۔۔۔

وہ آج پہلی بار یہاں کھل کر بات کرنے آئی تھی۔ وہ ہر بات جو وہ اپنے گھر والوں سے شیئر نہیں کر سکتی تھی۔

"آپ مجھ سے کچھ کہنا چاہتی ہیں؟" اس کے خود سے یہاں آنے پر سیف کو نہایت خوشی ہوئی تھی۔

"آپ جنات پر یقین رکھتے ہیں؟" ایکویریم میں تیرتی ایک سنہری مچھلی پر نظریں جمائے اس نے الٹا ان ہی سے سوال پوچھا تھا۔

"بحثیت مسلمان میں رکھتا ہوں۔" وہ بھی اس سے بات کرنا چاہتے تھے۔ اس کے اندر جو بھی خلائیں تھیں۔ وہ صرف تب ہی پر ہو سکتی تھیں جب وانیہ اپنے دل کی بات شیئر کرے۔

"میں نہیں رکھتی۔" نظریں اب بھی اس مچھلی پر ہی جمی تھیں۔

"مجھے اپنے کندھوں پر ایک بوجھ محسوس ہوتا ہے ایک عجیب سا بوجھ۔۔۔۔!" ڈاکٹر سیف کی جانب دیکھے اس نے بے بسی سے کہا تھا۔

"کیسا بوجھ....؟"

"میں آپ کو جو بھی کہوں گی کیا آپ یقین کریں گے؟"

"بالکل کروں گا۔"ڈاکٹر نے فوراہامی بھری تھی۔

"میں پاگل نہیں ہوں۔"وہ اپنی کرسی سے تھوڑا آگے ہوئی تھی۔

"میں جانتا ہوں۔"ڈاکٹر نے ایک بار پھر اسے اعتماد میں لیا تھا۔یہ ان کا پروفیشن تھا۔مریض کو اعتماد میں لے کر اس کا ماضی جاننا....

"ہمارے درمیان جو بھی بات ہو گی وہ آپ کسی کو نہیں بتائے گے۔"

"بے فکر رہو۔میں کسی سے کچھ نہیں کہوں گا۔"وانیہ نے گہری سانس خارج کرتے بات کا آغاز کیا تھا۔

"تقریباہر رات مجھے ایک آواز سنائی دیتی ہے جو کہ بار بار اس حادثے کو دہراتی ہے۔ایک عجیب اور پراسرار سی آواز....میں سب کچھ بھولنا چاہتی ہوں مگر حقیقت یہی ہے کہ وہ آواز مجھے کبھی کچھ بھولنے ہی نہیں دیتی۔مجھے صحیح سے یاد نہیں رہتا مگر رات میں گزرا کچھ نا کچھ وقت مجھے یاد رہتا ہے۔آپ بتائیں ڈاکٹر....یہ کوئی آسیب ہے یا پھر کوئی انسان....؟"

"آپ میڈیسن لے رہی ہیں مس وانیہ....؟"ڈاکٹر نے بہت نرمی سے پوچھا تھا۔اس بات پر وانیہ کا میٹر گھوم گیا تھا۔

"آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟"وہ غصے سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"ہر کسی کو لگتا ہے کہ میں پاگل ہوں۔درحقیقت آپ سب لوگ پاگل ہیں۔"اپنا بیگ اٹھائے وہ پیر پٹختی وہاں سے گئی تھی۔

رات کے وقت وہ چوری چھپے گھر سے باہر نکلی تھی۔دوائی کھانے اور اس آواز کو ایک بار پھر سے سننے کا اس کا کوئی موڈ نہیں تھا۔ایک گارڈ کے سونے کا فائدہ اٹھاتے اس نے گاڑی کی چابی حاصل کر ہی لی تھی۔گیٹ پر کھڑے گارڈ کو وہ ہیپناٹائز کرنے میں کامیاب رہی تھی۔

اپنی گاڑی میں بیٹھتے اس نے فراٹے سے گاڑی آگے بڑھا دی تھی۔آج کلب میں لیٹ نائٹ پارٹی تھی۔وانیہ بس سکون حاصل کرنا چاہتی تھی۔اس لیے اس نے کلب جانے کا فیصلہ کیا تھا۔

کلب آکر بھی اسے سکون نہیں ملا تھا۔کاؤنٹر کے پاس کھڑی وہ مسلسل ادھر ادھر نظریں گھما رہی تھی۔اچانک اس کی نظر الکوحل پر پڑی تھی۔لبوں پر شیطانی مسکراہٹ رینگ آئی تھی۔دماغ نے ایک نئے ایڈونچر کا سگنل دیا تھا۔دماغ کی بات پر لبیک کہتے اس نے ویٹر کو ایک گلاس بنانے کا کہا تھا۔

پہلا سپ لیتے اس کا حلق تک کڑوا ہوا تھا۔مگر وہ پیچھے نہیں ہٹی تھی۔اس نے ایک کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا گلاس پیا تھا۔

یہ اس کے لیے ایک نیا اور منفرد تجربہ تھا۔ایک ایسی چیز کو پینا جو اس نے آج سے پہلے کبھی نا پی ہو۔

---

ڈیوڈ رات کے پہر اپنے ڈرائیور کے ساتھ کسی کام سے جا رہا تھا جب بیچ سڑک پر ایک گاڑی سے ان کی گاڑی کی ٹکر ہوئی تھی۔اس کا دماغ ویسے ہی گھوما ہوا تھا۔بغیر کچھ سوچے سمجھے اس نے طیش کی حالت میں گن لوڈ کی تھی۔اب اس کا ارادہ گاڑی کے اندر موجود شخص کو اوپر پہنچانے کا تھا۔

گاڑی کا دروازہ کھولے وہ باہر آیا تھا۔گاڑی کے اندر موجود حسینہ بھی جھولتی ہوئی گاڑی سے باہر آئی تھی۔

ایک لمحے کے لیے ڈیوڈ کی دھڑکنیں رکی تھیں۔ہاتھ میں موجود گن پر اسکی گرفت ڈھیلی پڑی تھی مگر اگلے ہی لمحے اپنے جذبات پر قابو پاتے اس کی آنکھوں میں لال خراشیں ابھری تھیں۔

نہایت بیہودہ لباس میں سامنے وانیہ کھڑی تھی جس سے ایک قدم بھی کھڑے رہنا مشکل ہو رہا تھا۔اتنا تو وہ سمجھ چکا تھا کہ وہ ڈرنک ہے۔

"تم... تم نے میری گاڑی کیوں... کیوں...."لڑکھڑاتی زبان کے ساتھ ابھی اس نے جملہ مکمل بھی نہیں کیا تھا کہ ڈیوڈ نے

اسے کلائی سے دبوچا تھا۔اب وہ غصے سے اسے مسلسل کھینچتے ہوئے آگے لے جا رہا تھا۔

ڈرائیور کو گاڑی سے نکالے اس نے وانیہ کو اپنا کوٹ پہنائے فرنٹ سیٹ پر بٹھایا تھا۔اب وہ خود گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا۔

مجھے جانا ہے۔مجھے پارٹی میں جانا ہے۔نشے کی حالت میں وہ مسلسل گاڑی کا دروازہ کھولنے کی کوشش کر رہی تھی جو کہ لاک تھا۔

"کھولو اسے...! مجھے جانا ہے۔کون ہو تم....؟"دروازہ کھولنے کی ناکام کوشش کرتے وہ مسلسل نشے میں بول رہی تھی۔

"کون ہو تم....؟ بولو! کون ہو تم....؟"

"کڈنیپر ہوں اور تم کڈنیپ ہو چکی ہو لڑکی... تو بہتر یہی ہے کہ خاموش رہو۔"وہ اس وقت شدید غصے میں تھا۔اس لیے جو منہ میں آیا بول گیا۔

"میں کڈنیپ ہو گئی؟"گاڑی کی پشت سے ٹیک لگائے وہ بڑبڑائی تھی۔ڈیوڈ نے اب کہیں جا کر سکون کا سانس لیا تھا۔کم از کم اب تو اس کی مسلسل چلتی زبان کو بریک لگنی تھی۔

"ہاہاہا....!"ڈیوڈ کی سوچوں کا تسلسل وانیہ کی کھلکھلاہٹ سے ٹوٹا تھا۔وہ گاڑی کی پشت سے ٹیک لگائے پاگلوں کی طرح ہنس رہی تھی۔ڈیوڈ ایک لمحے کے لیے چونکا تھا۔

"شاید کڈنیپنگ والی بات کو زیادہ ہی سیریس لے لیا ہے۔" اس کے دماغ نے ایک خیال بنا تھا جو کہ وانیہ کی اگلی بات سے غلط ثابت ہوا تھا۔

"قسم کھاؤ... !میں سچ میں کڈنیپ ہو گئی ہوں نا....؟ اففف! مجھے تو یقین ہی نہیں آرہا۔ ایک نیا ایڈوینچر...." نشے کی حالت میں بھی اسے ایڈوینچر نہیں بھولے تھے۔

"شاید کچھ زیادہ ہی نشہ کر لیا ہے۔" ڈیوڈ نے خود کو تسلی دی تھی۔

"مسٹر کڈنیپر! مجھے یہاں سے بہت دور لے جاؤ جہاں پر کوئی نا ہو۔" ڈیوڈ نے حیرانگی سے اس پاگل لڑکی کی جانب دیکھا تھا۔ وہ اس سے ایسے مخاطب ہو رہی تھی جیسے وہ کوئی کڈنیپر نہیں بلکہ اس کا نیا نویلا دولہا ہو۔

"تم نا بھائی سے بہت سارے پیسے مانگنا۔ پورے پچاس کڑور... بلکہ اس سے بھی زیادہ.... میں کوئی عام لڑکی نہیں ہوں۔ میں وانیہ آفندی ہوں۔ خبردار جو... جو تم نے کم پیسے مانگے تو... !" اپنی سیٹ سے آگے ہوتے وانیہ نے اسے انگلی اٹھائے دھمکی دی تھی۔

ڈیوڈ کو اپنا سر چکراتا ہوا محسوس ہوا تھا۔

"مسٹر کڈنیپر.... !مسٹر کڈنیپر.... !" وہ بار بار اسی نام کا راگ لاپ رہی تھی۔ ڈیوڈ کے سر میں درد ہونے لگا تھا۔

"تم دو منٹ چپ نہیں بیٹھ سکتی۔" اپنے مزاج کے برعکس اس کا لہجہ کافی نرم تھا۔

وانیہ سے زیادہ اسے نائل پر غصہ آرہا تھا جو کہ ایک چھٹانک بھر کی لڑکی نہیں سنبھال پارہا تھا۔ آج وانیہ اگر کسی غلط شخص کے ہاتھ لگ جاتی تو نجانے کیا ہوتا؟

وہ اس چیز کا حساب تو نائل سے لینے کا پورا ارادہ رکھتا تھا۔

اس وقت وہ وانیہ کو اپنے گھر نہیں لے جاسکتا تھا کیونکہ اس کا گھر کافی دور تھا۔ فلحال اسے ماریہ کا خیال آیا تھا۔

اس نے فوراً ماریہ کو فون کر کے اپنے آنے کی اطلاع دی تھی۔

"مسٹر کڈنیپر! تمہارے چار چار چہرے کیوں ہیں؟" وانیہ آنکھیں چھوٹی کیے اس کی طرف جھکی تھی۔

"چلو جی! لوگوں کو نشے میں دو دو چہرے دکھتے ہیں۔ میڈم کو چار چار دکھ رہے ہیں۔" ڈیوڈ نے بڑبڑاتے ہوئے سر جھٹکا تھا۔

---

وہ کچھ دیر میں ماریہ کے گھر پہنچ گیا تھا۔ وانیہ کو اس کے ساتھ اس حالت میں دیکھ ماریہ کا سارا وجود ہی جھلس گیا تھا۔

"اسے کمرے میں لے کر جاؤ۔" ڈیوڈ کی آواز پر ماریہ کو ہوش آیا تھا۔

"نہیں! میں کہیں نہیں جاؤں گی۔" وانیہ ڈیوڈ کے سینے سے لگی تھی۔ اس کی اس حرکت پر جہاں ڈیوڈ کے دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہوئی تھیں وہیں ماریہ کا چہرہ سرخ پڑا تھا۔ اس کا دل چاہا کہ وہ وانیہ کا گلا ہی دبا دے۔

"مسٹر کڈنیپر! مجھے تمہارے ساتھ رہنا ہے۔" اس کی شرٹ کو مٹھیوں میں دبوچے وانیہ کی آنکھیں بند ہونے کے قریب تھیں۔ اس پر نیند غالب آ رہی تھی۔

"دور ہٹو.... !" ڈیوڈ نے اسے خود سے دور دھکیلا تھا۔ وہ ایک اور سیکنڈ بھی اس کے ساتھ یوں ہی چپکی رہتی تو وہ بھی اپنا آپ کھو بیٹھتا۔

"اسے اندر لے کر جاؤ۔" اس نے اپنی بے قابو ہوتی دھڑکنوں پر قابو پاتے ماریہ کو حکم صادر کیا تھا۔

"میں نہیں جاؤں گی۔ تم ایسا نہیں کر سکتے مسٹر کڈنیپر! تم نے مجھے کڈنیپ کیا ہے اور تم مجھے کیسے اس چڑیل کے ساتھ بھیج سکتے ہو؟" ماریہ کا منہ بے اختیار کھل گیا تھا۔

"بلکہ تم نے تو مجھے ٹھیک سے کڈنیپ ہی نہیں کیا۔ تم نے تو میرے ہاتھ پیر بھی نہیں باندھے۔" وہ منہ پھلاتے ایک بار پھر ڈگمگائی تھی۔ اس کے گرنے سے پہلے ڈیوڈ نے اسے بازو سے تھام لیا تھا۔

"بس بہت ہو گیا۔" وہ ایکدم ہی آپے سے باہر ہوا تھا۔

"تمہاری وجہ سے اتنی اہم میٹینگ رہ گئی میری اور تم..."

اس نے وانیہ کو جھٹکا دیے اپنے قریب کیا تھا۔

"کیا چیز ہو تم...؟ نائل کیسے جھیلتا ہے تم جیسی آفت کو...؟" وہ تو ایک گھنٹے میں ہی اس کی قینچی جیسی زبان سے تنگ آگیا تھا۔

"تم مجھے ڈانٹ رہے ہو مسٹر کنڈنیپڑ...؟ یہ تم ٹھیک نہیں کر رہے۔ تم جانتے نہیں ہو مجھے... میں تمہیں تڑپا تڑپا کر مار دوں گی۔"

"پہلے اپنے قدموں پر ٹھیک سے کھڑی تو ہو جاؤ۔ زمین سے نکلی نہیں ہو اور مارو گی مجھے... وہ بھی تڑپا تڑپا کر..." وہ اس کے قد پر طنز کر رہا تھا۔

اگر اس وقت وانیہ ہوش میں ہوتی تو اس بات کا ضرور منہ توڑ جواب دیتی۔

"مجھے پارٹی میں جانا ہے۔" مسلسل جھولتے ہوئے اس کو پھر سے پارٹی یاد آئی تھی۔

"خداوند! کہاں پھس گیا میں...؟" وہ بڑبڑایا تھا۔

"دیکھو لڑکی اگر تم ابھی اسی وقت اندر نہیں گئی تو میں واپس گھر چھوڑ آؤں گا تمہیں..."

"نہیں پلیز نہیں...." دھمکی کارآمد ثابت ثابت ہوئی تھی۔

وانیہ بغیر کسی چوں چاں کے ماریہ کے ساتھ چلی گئی تھی۔

رات کے پہر نائل اپنا لیپ ٹاپ اٹھائے کمرے کی جانب بڑھا تھا۔سنیہا کی نیند خراب ناہو اسی وجہ سے وہ ٹیرس پر کام کرتا رہا تھا۔کمرے کی لائٹ آن دیکھ اس کا ماتھا ٹھنکا تھا۔تھوڑا آگے جاتے اسے کسی کی سسکیوں کی آواز سنائی دی تھی۔نائل فورا دروازے کا ناب گھمائے اندر داخل ہوا تھا۔

اچانک دروازہ کھلنے کی آواز سے سنیہا نے فورا گھٹنوں میں سے سر نکالا تھا۔رخ موڑے اس نے پھرتی سے اپنے آنسو صاف کیے تھے۔

"مجھے پتا ہے کہ تمہیں تمہاری سوچ سے زیادہ اچھا شوہر مل گیا ہے مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ تم اس خوشی میں آدھی رات کو آنسو بہاؤ گی۔"لیپ ٹاپ ایک سائیڈ پر رکھے نائل اس کے پاس بیٹھا تھا۔سنیہا خاموش رہی تھی۔

اسے خاموش دیکھ کر وہ معاملے کی سنگینی کا اندازہ لگا چکا تھا۔

نائل نے آہستگی سے اس کے گرد بازو حمائل کر کے اسے اپنے قریب کیا تھا۔سنیہا اپنا تمام تر ضبط کھوئے اس کے سینے سے لگی پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

نائل نے بغیر کچھ کہے، بغیر کچھ پوچھے اس کے گرد باندھے حصار کو مضبوط کر لیا تھا۔اب وہ اس کے بال سہلا رہا تھا۔

"مجھے مام کی بہت یاد آ رہی ہے۔میں انہیں بہت مس کر رہی ہوں۔"اس نے خود ہی اپنے دل کی بات اس سے کہہ دی تھی۔اس کے بالوں میں چلتی نائل کی انگلیاں ایک لمحے کے لیے تھمی تھیں۔

"کیا میں ان سے بات نہیں کر سکتی...؟ صرف ایک وڈیو کال...."اس کے سینے سے سر نکالے سنیہا نے ایک آس سے پوچھا تھا۔نائل کچھ لمحوں کے لیے گہری سوچ میں ڈوبا تھا۔

"پلیز....!"سنیہا نے اس کے بازو پر دباؤ ڈالے ایک بار پھر التجا کی تھی۔

"ٹھیک ہے مگر تم صرف اپنی ماں سے ہی بات کرو گی۔" آخر میں اس کے لہجے میں سختی در آئی تھی۔

سنیہا نے فوراً اثبات میں سر ہلایا تھا۔

"ابھی سو جاؤ۔ صبح بات کر لینا۔"

"لیکن میں....!"

"سو جاؤ سنیہا...." اس کی گھوری پر سنیہا نے فوراً اچھے بچوں کی طرح کمبل تانا تھا۔

نائل ابھی سونے کے لیے لیٹا ہی تھا کہ اس کا فون بجا تھا۔

انجانہ نمبر دیکھ کر اس نے ناگواری سے فون اٹھایا تھا۔

"دو خبریں ہیں.... ایک اچھی اور ایک بری.... کون سی خبر پہلے سننا پسند کریں گے سالے صاحب؟" نائل کرنٹ کھا کر اٹھا تھا۔

"تم....!" وہ دبا دبا سا غرایا تھا۔ آہستگی سے کمبل اتارے وہ بالکنی کی جانب بڑھا تھا۔

"کیا مصیبت ہے؟" یہ بات تو طے تھی کہ وہ شخص اسے کبھی سکون کا سانس نہیں لینے دے گا۔

"چلیں پہلے بری خبر سنا دیتا ہوں۔" ڈیوڈ کے لبوں پر زہریلی مسکراہٹ تھی۔

"آپ کی بہن اس وقت گھر پر موجود نہیں ہے۔" نائل کے سر پر جیسے آسمان گرا تھا۔

"اور اچھی خبر پتا ہے کیا ہے...؟ وہ میرے ساتھ ہے۔" نائل کے ہاتھ سے فون چھوٹتے چھوٹتے بچا تھا۔

اس کے چہرے کے تاثرات امیجن کرتے ڈیوڈ اچھا خاصا محظوظ ہوا تھا۔

"پھر بات ہو گی۔ وہ کیا ہے نا.... ہم تھوڑا مصروف ہیں۔" اس نے کہتے ساتھ ہی فون کاٹ دیا تھا۔

نائل کچھ دیر صدمے میں وہیں کھڑا رہا تھا۔

ڈیوڈ ٹیرس پر کھڑا سگریٹ سلگا رہا تھا جب ماریہ بھاگتی ہوئی وہاں آئی تھی۔

"کیا ہوا....؟" ڈیوڈ فکر مندی سے گویا ہوا تھا۔

"وہ...وہ لڑکی...!" ماریہ نے ہانپتے ہوئے کہا تھا۔

"کیا ہوا اسے...؟" اسے وہیں چھوڑے وہ بھاگتا ہوا کمرے کی جانب بڑھا تھا۔

ماریہ بھی اس کے پیچھے گئی تھی۔

کمرے میں پہنچتے ڈیوڈ کی آنکھیں حیرت سے کھل گئی تھیں۔ وانیہ بستر پر کھڑی پردے کو پنکھے پر ڈالنے کی کوشش کر رہی تھی۔

ڈیوڈ نے گہرا سانس خارج کیے مٹھیاں بھینچی تھیں۔

"تم اپنے کمرے میں جاؤ اور جا کر سو جاؤ۔" ماریہ نے چونک کر اس کی جانب دیکھا تھا۔

"جاتے ہوئے دروازہ بند کر جانا۔" ماریہ کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ ہوئی تھی۔

"جاؤ۔" اس کی دھاڑ پر وہ فوراً وہاں سے بھاگی تھی۔

"تیرے ہجر میں ہم نے صدیاں کاٹیں

تیرے عشق میں ہم دیوانے ہوئے

ہم کیا پڑھیں تیرے حسن کے قصیدے

تو تو سراپہ لطافت ہے

تیری گھنی زلفیں، تیرے گلابی ہونٹ، تیری

نشہ آور آنکھیں، تیرا

چاند سا چہرہ، ہر چیز

ہی ہے قابل ستائش...

مگر ہمارا دل تو تیری

ٹھوڑی کے ایک تل پر فنا ہے۔" پنکھے پر پردہ لٹکانے کی ناکام کوشش کرتے وہ بار بار یہی شعر دھرا رہی تھی۔

ڈیوڈ کے لبوں کو مسکراہٹ نے چھوا تھا۔

"یہ تم کیا کر رہی ہو؟" ٹھوڑی پر ہاتھ رکھے اس نے دلچسپی سے استفسار کیا تھا۔

"پنکھے صاف کر رہی ہوں۔ دیکھو کتنے گندے ہیں۔" مدہوشی کی وجہ سے اس سے ٹھیک سے بولا تک نہیں جا رہا تھا۔

"چھوڑو اسے.... نیچے آؤ۔" اس کا ہاتھ تھامتے ڈیوڈ نے اسے بستر سے نیچے اتارا تھا۔ وہ بھی چپ چاپ نیچے اتر آئی تھی۔

"مسٹر کڈنیپر! تم اچھے دکھتے ہو۔" وانیہ نے اس کی ہلکی بڑھی بیئرڈ کو چھوتے کہا تھا۔

اس کے اس طرح چھونے پر ڈیوڈ کے دل کی ڈھرکنیں ایک بار پھر معمول سے تیز ہوئی تھیں۔

"تم بھی اچھی دکھتی ہو۔" ڈیوڈ نے اس کی ٹھوڑی پر موجود تل پر نظریں جمائے کہا تھا۔

"مجھے پارٹی میں جانا ہے۔" اس کو گریبان سے پکڑے وانیہ نے بچوں کی طرح ضد کی تھی۔

اسے واپس اسی بات پر آڑتے دیکھ ڈیوڈ نے گہری سانس خارج کی تھی۔

"چپ چاپ سو جاؤ۔" اس نے نہایت ضبط سے کہا تھا۔

"میں نے نہیں...."

"اگر تم نے میری بات نہیں مانی نا... تو میں تمہیں ایک اندھیرے کمرے میں چھوڑ آؤں گا۔ جہاں ہر طرف سانپ، بچھو اور کاکروچ ہوں گے۔" ڈراوہ تو بہت اچھا تھا مگر دیا غلط شخص کو تھا۔

"سچی....؟"وانیہ خوشی سے اچھلی تھی۔

"چلو جلدی چلو.... مسٹر کڈنیپر وہاں چھپکلی تو ہو گی نا....؟اور سانپ کس نسل کے ہو گے ؟"وہ بولنے پر آئی تھی تو بولتے ہی چلی گئی تھی۔

"میری نسل کے ہوں گے۔"ڈیوڈ نے آج اس بات کی تصدیق کی تھی کہ وہ انسان ہے ہی نہیں....بلکہ وہ کوئی عجیب ہی مخلوق ہے۔

"تم سانپ ہو....؟"وانیہ کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں۔

"ہاں ہوں۔"وہ اچھا خاصا تپا ہوا تھا۔

"ؤاووو....!"وانیہ نے ستائشی نگاہوں سے اسے دیکھا تھا۔

"تمہاری نسل کہاں ہے ؟"ایک اور بے تکے سوال پر ڈیوڈ کا دماغ گھوما تھا۔

"ابھی اس دنیا میں نہیں آئی۔"اگر وہ وانیہ تھی تو وہ بھی ڈیوڈ تھا۔اس کے ہر الٹے سوال کا جواب دینا اس پر جیسے فرض تھا۔

"کب آئے گی؟"وانیہ نے تجسس سے پوچھا تھا۔

"جب تم مجھ سے شادی کرو گی تب...."ڈیوڈ نے اس کے گرد مضبوط حصار باندھا تھا۔

"میں کیوں ایک سانپ سے شادی کروں؟ میں تو انسان ہوں۔"اس نے نہایت منطقی جواب دیا تھا۔

"شادی تو تمہیں کرنی پڑے گی ورنہ...."ڈیوڈ اس کے مزید قریب ہوا تھا۔دونوں کے درمیان اب ایک انچ سے بھی کم فاصلہ تھا۔

"ورنہ میں تمہیں ڈس لوں گا۔"جذبات سے چور انداز میں وہ اس کی ٹھوڑی پر جھکا تھا۔

"ڈس لو...."اسے پیچھے دھکیلتے وانیہ نے لاپرواہی سے کہا تھا۔

"مر جاؤں گی۔" ڈیوڈ نے جتاتی نگاہوں سے کہا تھا۔

"سانپ کے کاٹنے میں نہیں مروں گی۔" اس نے بات کو گویا تمسخر میں اڑایا تھا۔

"چلو اب شاباش سو جاؤ۔" ڈیوڈ نے نہایت محبت سے کہا تھا۔

"ٹھیک ہے مگر پھر پہلے تم سو گے۔" اس بات پر ڈیوڈ کا چہرہ سرخ پڑا تھا۔

"لڑکی خود پر اتنا ہی ظلم کرو جتنا تم صبح برداشت کر سکو۔" اس کا اشارہ صبح اس کے ہوش میں آنے پر تھا۔

"تم میرے پاس رہو گے تو ہی میں سوؤں گی۔" وہ بضد تھی۔

"ٹھیک ہے۔" وہ کسی کی نا سننے والا آج اس لڑکی کی ضد کے آگے ہار گیا تھا۔

وانیہ بستر پر لیٹ گئی تھی اور ڈیوڈ اس کے پاس بیٹھا تھا۔

"میری جان! سو جاؤ اب...." ڈیوڈ نے نہایت محبت سے کہا تھا۔

"میں تمہاری جان نہیں ہوں۔" تڑک کر جواب آیا تھا۔

"اچھا...! تو پھر کس کی جان ہو؟" اس پر تھوڑا سا جھکتے ڈیوڈ نے دلچسپی سے پوچھا تھا۔

"میں.... میں.... ہاں! میں صرف اپنے بھائی کی جان ہوں۔" اس جواب پر ڈیوڈ ہتھے سے اکھڑ گیا تھا۔

"تمہارے بھائی کی ایسی کی تیسی.... کمینہ، سالا! ہر وقت بیچ میں آجاتا ہے۔ سارے موڈ کو بیڑا غرق کر دیا۔" وہ غصے سے پیچھے ہٹا تھا۔

"تم میرے بھائی کو برا نہیں کہو۔ تم کہتے ہو تو میں تمہیں بھی بھائی بنا...." اس کا جملہ مکمل ہونے سے پہلے ہی ڈیوڈ نے سختی سے اس کے منہ پر ہاتھ رکھا تھا۔

"ایک اور لفظ بولا تو زبان کاٹ دوں گا تمہاری... ساری محبت کی ایسی کی تیسی کر دی۔" اس نے وانیہ کو گھوری سے نوازتے ہاتھ ہٹایا تھا۔

"تم بہت برے ہو مسٹر کڈنیپر!

I hate you!"

بالآخر مسلسل بڑبڑاتے ہوئے اس کی آنکھیں بند ہو ہی گئی تھیں۔ڈیوڈ نے سکھ کا سانس لیا تھا۔

---

لائٹ آف کرتے وہ ابھی کمرے سے باہر ہی آیا تھا جب اس کا فون ایک بار پھر بجا تھا۔نائل کی پندرہ مسڈ کالز دیکھ کر ڈیوڈ کے لبوں پر مسکراہٹ بکھری تھی۔

اس نے نائل پر گویا احسان کرتے ہوئے اس بار فون اٹھا ہی لیا تھا۔

"دیکھو ڈیوڈ میری بات سنو! وانیہ معصوم ہے۔تم کیوں اسے بخش نہیں دیتے؟" اس کے لہجے میں بے بسی تھی۔

"میری بہن بھی بہت معصوم تھی۔" مقابل کے جواب پر نائل کے ڈرائیو کرتے ہاتھ ایک لمحے کے لیے ڈھیلے پڑے تھے۔

"میں نے اسے نہیں مارا۔اسے میری گاڑی نے ہٹ ضرور کیا تھا مگر گاڑی میں میں نہیں تھا۔میرے وہاں تک پہنچنے سے پہلے ہی وہ دم توڑ گئی تھی۔" نائل نے ایک بار پھر اسے حقیقت بتائی تھی جسے وہ تسلیم ہی نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"آپ کہے گے اور میں مان لوں گا؟" وہ ہنسا تھا۔

"میں تم سے جھوٹ نہیں بول رہا۔تمہاری بہن کی موت کے پیچھے میرا کوئی ہاتھ نہیں ہے۔" نائل کو اس وقت صرف وانیہ کی فکر تھی۔

"اچھا....! چلیں مان لیتے ہیں لیکن میرے ماں باپ کی موت کا کیا....؟ کہہ دیں کہ اس کے پیچھے بھی آپ کا اور آپ کی آئی۔ ایس۔ آئی ٹیم کا کوئی ہاتھ نہیں...."اس کے لہجے میں صرف کرب تھا۔

"تمہیں دکھتا کیوں نہیں ہے کہ یہ سب ایک سازش تھی۔ یہ سب ان ہی لوگوں کا کیا دھرا ہے جن کے ساتھ تم ہو۔"نائل نے ہمیشہ کی طرح اسے آج بھی سمجھانا چاہا تھا۔

"ٹھیک ہے تو پھر ثابت کریں۔ اگر آپ نے ثابت کر دیا تو میں نا صرف سیرینڈر کروں گا بلکہ سارے راز بھی آئی۔ ایس۔ آئی کو دینے کو تیار ہوں لیکن اگر آپ ثابت نا کر سکے تو..."اس نے وقفہ لیا تھا۔ نائل کچھ لمحے اس کے بولنے کا انتظار کرتا رہا تھا۔

"تو پھر وانیہ میری.... آپ خود اسے مجھے سونپے گے۔"نائل کا دل ایک لمحے کے لیے بند ہوا تھا۔

"کیا ہوا مسٹر نائل....؟ خاموش کیوں ہو گئے؟ اگر آپ سچے ہیں تو پھر ڈر کس بات کا ہے؟"وہ واضح طور پر نائل کا مذاق اڑا رہا تھا۔

"مجھے منظور ہے۔"نائل نے دل پر پتھر رکھے کہا تھا۔ یہ سارے راز حاصل کرنے اور ڈیوڈ کو راہ راست پر لانے کا آخری موقع تھا۔ وہ اسے گنوانا نہیں چاہتا تھا۔

"فلحال تو ایڈریس سینڈ کر رہا ہوں۔ آکر اپنی مصیبت... میرا مطلب ہے کہ اپنی لاڈلی کو لے جاؤ۔"اس نے کہتے ساتھ ہی ناگواری سے فون کاٹا تھا۔

"دو گھنٹے تو سنبھلی نہیں مجھ سے... ساری زندگی کیسے سنبھالوں گا؟"دماغ کے کسی کونے سے آواز آئی تھی۔

"نہیں نہیں وہ تو بہت معصوم ہے۔ تنگ تھوڑی کرے گی۔ ابھی تو نشے میں ہے نا اس لیے...."دل نے فورا تسلی بخش جواب دیا تھا۔

اب کس نے کسے اور کتنا تنگ کرنا تھا یہ تو آنے والے وقت نے خود طے کرنا تھا۔

وانیہ کی آنکھ صبح تقریباً دس بجے کھلی تھی۔اٹھتے ساتھ ہی اس کے لبوں کو دلفریب مسکراہٹ نے چھوا تھا۔

یہ مسکراہٹ کیوں اس کے لبوں پر نمودار ہوئی تھی یہ تو وہ خود بھی نہیں جانتی تھی۔

"اتنے مزے کی نیند تو آج سے پہلے کبھی نہیں آئی۔" وانیہ نے انگڑائی لیتے کہا تھا۔

ڈیوڈا بھی یہاں ہوتا تو بیچارا صدمے سے بیہوش ہی ہو جاتا۔ساری رات اس کی ناک میں دم کر کے وہ کہہ رہی تھی کہ نیند تو بہت مزے کی آئی ہے۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد وہ دبے پاؤں لاؤنج میں داخل ہوئی تھی۔نا تو ماہم وہاں تھی اور نا ہی نائل... وانیہ نے سکھ کا سانس لیا تھا۔

ابھی وہ پلٹی ہی تھی کہ نائل کو سامنے دیکھ اس کا سانس ہی رک گیا تھا۔وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ گھر کیسے پہنچی مگر اتنا ضرور جانتی کہ نائل ہی یقیناً اسے کسی نا کسی طرح ڈھونڈھ کر لایا ہو گا۔

"پھوپھو سے بات ہو گئی ہے میری... آپ بھی سامان پیک کر لیں اپنا... ایک ہفتے بعد کی فلائٹ ہے۔آپ اور پھوپھو لندن جا رہے ہیں۔" وانیہ کے سر پر بم گرا کر نائل نے اپنی راہ لی تھی۔وانیہ کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اسے اپنی چھوٹی سی غلطی کی اتنی بڑی سزا ملے گی۔

"میں پاکستان چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گی۔" اس نے خود کو باور کروایا تھا۔یہاں اس کا مکمل سیٹ اپ تھا۔وہ اسطرح ہر چیز کو چھوڑ کر نہیں جا سکتی تھی۔

وانیہ تیزی سے ماہم کے کمرے کی جانب بڑھی تھی۔نائل تو کبھی راضی نہیں ہو گا مگر ماہم... وہ اسے اپنی ایکٹینگ کے جوہر دکھا کر ضرور اپنی بات منوا سکتی تھی۔

وانیہ نے تین بار دروازہ ناک کیا تھا مگر اندر سے جواب نہیں آیا تھا لہذا وہ دروازے کا ناب گھمائے اندر داخل ہوئی تھی۔ کمرے میں داخل ہوتے اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں۔ بستر پر جگہ جگہ تصویریں بکھری پڑی تھیں۔ وانیہ قدم قدم چلتی بستر تک گئی تھی۔ اس نے ہاتھ آگے بڑھا کر ایک تصویر اٹھائی تھی۔

"مام... ڈیڈ..." اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے۔

نینا کو تو وہ پہچان گئی تھی۔ اس نے یہ تصویر پہلے بھی دیکھی تھی مگر ساتھ موجود شخص کو وہ پہلی بار دیکھ رہی تھی۔ یقیناً وہ اس کے والد تھے۔

بستر پر بیٹھتے اس نے ایک کے بعد دوسری اور دوسری کے بعد تیسری تصویر اٹھائی تھی۔ اس کی آنکھیں بیگھنے لگی تھیں۔

ان تصویروں کو سائیڈ پر رکھے اب اس نے ایل بم اٹھایا تھا۔ اب وہ بڑے اشتیاق سے تصویروں کو دیکھ رہی تھی۔ وہاں پر اس کی اور نائل کی بھی بہت سی تصویریں تھیں۔ اس سے پہلے کہ وہ اگلا پنا الٹتی، ایک تصویر نے اسے رکنے پر مجبور کر دیا تھا۔

وہ تصویر اوپر سے پھٹی ہوئی تھی ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اسے جان کر پھاڑا گیا تھا۔ اس تصویر میں دو لوگ تھے۔ ایک بچی جو کہ وانیہ تھی اور اس کے ساتھ ایک اور لڑکی جس کا چہرہ واضح نہیں تھا۔ اس کے چہرے تک کے حصے کو پھاڑا گیا تھا۔

وانیہ نے ایل بم سے وہ تصویر نکالی تھی۔

تصویر نکالتے ہی زمین پر کچھ گرنے کی آواز آئی تھی۔ وانیہ کے قدموں کے پاس کچھ گرا تھا۔ اس نے جھک کر وہ چیز اٹھائی تھی۔ وہ ایک نہایت خوبصورت طرز کا لاکٹ تھا۔

"نین عمر..." وانیہ کے لب ہلے تھے۔ اس لاکٹ پر یہی لکھا ہوا تھا۔

"عمر....؟ یہ عمر کون ہے؟؟" اگر نینا اس کی ماں تھی تو پھر یہ عمر کون تھا؟

وانیہ گہری سوچ میں پڑ گئی تھی۔ اس کے والد کا نام تو عمر نہیں تھا پھر یہ نین کے ساتھ عمر کیوں لکھا تھا...؟؟

اس لاکٹ کو ہاتھ میں دبوچے وہ فوراً کمرے سے باہر گئی تھی۔

کہانی سلجھنے کے بجائے مزید الجھ گئی تھی۔ اگر نینا اس کی ماں تھی تو وہ ہرگز کسی غیر کا نام اپنی ماں کے ساتھ برداشت نہیں کر سکتی تھی اور حیرت کی بات تو یہ تھی کہ یہ لاکٹ ماہم کے کمرے سے برآمد ہوا تھا۔

---

آج صوفی اور عبداللہ کا نکاح تھا۔ نکاح بہت سادگی سے رکھا گیا تھا۔ نکاح سے پہلے عبداللہ نے صوفی سے اکیلے میں ملنے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ مصطفی کا ماتھا ٹھنکا تھا مگر وہ سب کے سامنے اپنے بیٹے کو کچھ نہیں کہہ سکتے تھے۔

نکاح کا اہتمام لاؤنج میں کیا گیا تھا جبکہ وہ دونوں بات کرنے باہر لان میں آئے تھے۔ باہر رکھی کرسیوں پر بیٹھتے کچھ دیر تک دونوں ہی خاموش ہوئے تھے۔

"اس نکاح میں میری مرضی شامل نہیں ہے۔" عبداللہ نے بات کا آغاز کیا تھا۔

"میں تمہیں خوش نہیں رکھ سکتا۔ تم میری آئیڈیل نہیں ہو۔ چاہو تو نکاح سے انکار کر دو۔" وہ اپنی کہہ کر خاموش ہوا تھا۔ ہاتھوں کو آپس میں مس کرتے وہ نظریں جھکائے ہوئے تھے۔ زبان نے ایک حرف بھی ادا نہیں کیا تھا۔

"تم کچھ کہو گی نہیں...؟؟" اس بات پر تو اس کا ردعمل بنتا تھا بلکہ بہت شدید ردعمل بنتا تھا۔

"جو بھی آپ کی آئیڈیل ہو آپ اس سے نکاح کر سکتے ہیں لیکن پلیز مجھ سے بھی کر لیں۔" کچھ ثانیوں بعد جب وہ بولی تھی تو عبداللہ کے پیروں تلے تو معنوں زمین ہی کھسک گئی تھی۔

"میں پڑھنا چاہتی ہوں۔ مجھے ڈاکٹر بننا ہے۔ اگر میں آپ سے نکاح نہیں کروگی تو ڈیڈ مجھے آگے پڑھنے نہیں دے گے۔"صوفی کی آواز بھرا گئی تھی۔

"تم مجھ سے اس لیے نکاح پر راضی ہوئی ہو کیونکہ تم آگے پڑھنا چاہتی ہو؟"صوفی کے اثبات میں سر ہلانے پر عبداللہ کو جیسے صدمہ پہنچا تھا۔

"تم میں عقل نام کی کوئی چیز ہے یا نہیں...؟ دیکھو میں تمہیں پسند نہیں کرتا۔ ہم دونوں کی زندگی برباد ہو جائے گی۔ تم انکار کردو۔"

"آپ مرد ہو کر اتنے مجبور ہیں تو سوچیں پھر میں کتنی مجبور ہوں گی..." نظریں اب بھی جھکی ہوئی تھیں۔

وہ ایک لمحے کے لیے کچھ بولنے کے قابل نہیں رہا تھا۔

"نکاح کے بعد مجھ سے کوئی اچھی امید مت رکھنا۔"وہ غصے سے اٹھ کر وہاں سے گیا تھا۔

اس کے جانے کے بعد صوفی کے لبوں سے ایک سسکی نکلی تھی۔ آنکھ سے ایک آنسو ٹوٹ کر ہاتھ کی پشت پر گرا تھا۔ شادی کوئی بچوں کا کھیل نہیں ہوتی۔

وہ تو نجانے کب سے اس کے بارے میں سوچنے لگی تھی۔ وہ تو اپنا آپ کب کا اس کے نام کر چکی تھی اور ایک وہ سنگدل تھا جو ایک ہی لمحے میں اس رشتے اور اس کے جذبات کے پرخچے اڑا گیا تھا۔

---

عبداللہ نے اپنے نکاح میں اسفند کو بھی انوائیٹ کیا تھا۔ مانو کی اسفند سے بہت اچھی دوستی ہو گئی تھی۔ اپنے بھائی کے دوست کو وہ کیسے ناپسند کر سکتی تھی۔ وہ اسے مختلف ٹرکس دکھا کر اچھا خاصا متاثر کر چکا تھا۔ اسفند کو اپنے دوست کی سوچ پر افسوس بھی ہوا تھا کیونکہ مانو تو صرف ایک چھوٹی سی بچی تھی اور وہ بھی اسے ایک بچی کی طرح ہی ٹریٹ کر رہا تھا۔

اسفند نے اب مانو کو چاکلیٹس دی تھیں جنہیں وہ مزے سے کھا رہی تھی۔ دونوں ہی ایک دوسرے کے ساتھ خوش کھڑے تھے مگر کوئی تھا جو انہیں حسد کی نگاہ سے دیکھ رہا تھا، وہ حاتم تھا۔

اب اس کی برداشت کی حد پار ہوئی تھی۔ آخر کیسے مانو کسی انجان کے ساتھ اتنا فری ہو سکتی تھی۔

"مانو چلو تمہیں آنٹی بلا رہی ہیں۔" وہاں پہنچتے ہی حاتم نے اس کا ہاتھ پکڑا تھا۔ ہاتھ پکڑنے کے بعد نا اس نے آؤ دیکھا تھا اور نا تاؤ... وہ سیدھا باہر کی جانب بڑھا تھا۔

"شرم نہیں آتی تمہیں اس کے ساتھ اتنا فری ہوتے ہوئے....؟ تمہارے مامے کا بیٹا ہے جو تم اتنا ہنس ہنس کر باتیں کر رہی تھی؟" حاتم نے مانو کا ہاتھ جھٹکے غصے سے پوچھا تھا۔

وہ کچھ عجیب سا محسوس کر رہا تھا، شاید جلن... وہ مانو کے لیے کوئی احساسات نہیں رکھتا تھا اور نا ہی اس کی اتنی عمر تھی کہ وہ یہ سب سوچے... مگر وہ اچھے دوست تھے۔ وہ یہ رقابت داری حاتم کی برداشت سے باہر تھی۔

"تم مجھے ڈانٹ کیوں رہے ہو بین؟" مانو کی آنکھیں ڈبڈبائی تھیں۔ وہ اس رویے کی عادی نہیں تھی۔

"میں..." سارے الفاظ ختم ہوئے تھے۔ وہ خود بھی کچھ نہیں سمجھ پا رہا تھا۔

"تم اچھے بین نہیں ہو۔" اس کی آنکھیں برسنے لگی تھیں۔

"اچھا اچھا! تم رو تو نہیں...!" حاتم فوراً گھبرا گیا تھا۔

"تم نے مجھے کبھی چاکلیٹس بھی نہیں لا کر دیں۔" اس کی شکایتوں کا پٹارا کھل چکا تھا۔

"میں کل لا کر دے دوں گا۔" حاتم اس کے چہرے کے آنسوؤں کو دیکھ کر بوکھلا گیا تھا۔ اگر کوئی اسے اس طرح روتا دیکھ لیتا تو حاتم سے اس کے رونے کی وجہ پوچھتا اور اس بیچارے کے پاس تو کوئی جواب ہی نہیں تھا۔

"نہیں مجھے چاکلیٹس نہیں چاہیئے۔" آنکھیں ابھی بھی نم تھیں۔

"اچھا ٹھیک ہے۔ تم مجھے بتادو کہ تمہیں کیا چاہیئے میں تمہیں وہ لا دوں گا۔" حاتم نے بات سنبھالنے کی کوشش کی تھی۔ زیادہ سے زیادہ وہ کس چیز کی فرمائش کرے گی...؟ بسکٹ، کھلونے، کوئی بیکری ایٹم یا پھر کچھ ایسا ہی.... مگر مانو کی فرمائش پر حاتم کے سر پر نا صرف آسمان گرا تھا بلکہ اس کے قدموں سے زمین بھی نکل گئی تھی۔

"مجھے کاکروچ چاہیئے۔ وہ بھی پورے پانچ..." مانو نے انگلیوں کی مدد سے اسے بتایا تھا۔

"کک...کاکروچ....؟" حاتم بیچارے کو تو سانس بھی مشکل آئی تھی۔

"ہاں...." مانو نے حتمی فیصلہ سنایا تھا۔

"تم مذاق کر رہی ہو نا...؟" حاتم کے تو پسینے ہی چھوٹ گئے تھے۔ وہ تو خود کاکروچ سے اتنا ڈرتا تھا تو پھر وہ تو صرف آٹھ سال کی تھی۔

"نہیں....!" مانو نے نفی میں سر ہلایا تھا۔

"تمہیں کاکروچ چاہیئے کیوں....؟"

"میں انہیں ایک ڈبے میں بند کردوں گی جہاں پر پہلے سے 45 کاکروچ رکھے ہیں میں نے...." حاتم بیچارا زمین پر گرا تھا۔ صدمہ، حیرانگی، بے یقینی... کیا نہیں تھا اس کے نظروں میں...

"میں ابھی جا کر بتاتا ہوں آنٹی کو کہ ان کی بیٹی کیا کارنامے انجام دیتی پھر رہی ہے۔" وہ عہد کرتا اٹھا تھا۔ یہ کوئی چھوٹی بات نہیں تھی۔ وہ صرف آٹھ سال کی تھی۔ اس قسم کے شوق اس عمر میں بالکل قابل قبول نہیں تھے۔

"میں مذاق کر رہی تھی بین! مجھے کاکروچ سے بہت ڈر لگتا ہے۔ مجھے نہیں چاہیئے۔" وہ پل میں مکر گئی تھی۔

"تم سچ کہہ رہی ہو؟" مانو نے زور زور سے اثبات میں سر ہلایا تھا۔ حاتم کی جان میں جان آئی تھی۔

اس نے مانو کی بات پر فورا یقین کر لیا تھا کیونکہ کاکروچ پالنے کا مشغلہ اس کا دماغ قبول نہیں کر پایا تھا۔

---

عبداللہ اور صوفی کے نکاح کے اگلے دن ہی ہارون نے انہیں کھانے پر انوائیٹ کیا تھا۔ دوپہر کے کھانے پر ڈائینگ ٹیبل مختلف لوازمات سے سجی ہوئی تھی۔

"صوفی بیٹا! آپ کی پڑھائی کیسی جارہی ہے؟" سونی نے اسے خود سے مخاطب کیا تھا۔ صوفی نکاح کے بعد سے کچھ بجھی بجھی سی تھی اور سونی اچھے سے جانتی تھی کہ اس کے پیچھے یقینا عبداللہ کا سرد رویہ اور ہر معاملے میں عدم دلچسپی سے کام لینا ہے۔

اس نے بس مسکرانے پر ہی اتفاقا کیا تھا۔ کرب زدہ اور پھیکی مسکراہٹ....

"کالج کب سے جانا شروع کریں گی آپ؟"

"کل سے...." دھیما اور ٹھہرا اور لہجہ....

"صوفی کالج نہیں جائے گی۔" سونی کے کسی بھی رد عمل سے پہلے عبداللہ نے سب کی توجہ اپنی جانب کھینچی تھی۔

"تم کہنا کیا چاہتے ہو؟" مصطفی کے ماتھے پر شکنیں واضح تھیں۔

"یہی کہ صوفی اب میری بیوی ہے۔ اور میں نہیں چاہتا کہ یہ آگے پڑھے..." اس کی بات پر جہاں سب کے چہروں پر حیرت چھائی تھی وہیں دو آنکھیں مزید جھک گئی تھیں۔ ناچاہتے ہوئے بھی آنکھ سے چھن سے ایک آنسو ٹوٹ کر گال پر لڑھک گیا تھا۔

"یہ فیصلہ کرنے والے تم ہوتے کون ہو؟" مصطفی کا چہرہ غصے سے سرخ پڑا تھا۔

"صوفی کا شوہر... آپ بھول گئے ڈیڈ! کل ہی تو نکاح ہوا ہے۔" باپ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے وہ انہیں بہت کچھ جتا گیا تھا۔

"زیادہ پڑھنے لکھنے سے لڑکیوں کا دماغ خراب ہو جاتا ہے۔ میٹرک تک پڑھائی بہت ہے، آگے پڑھنے کی ضرورت نہیں...." اس نے عام سے لہجے میں کہا تھا جیسے یہ کوئی بڑی بات ہو ہی نا....

وہ آج دوسری دفعہ ایک معصوم دل توڑ چکا تھا۔ وہ اپنی ضد میں آ کر کسی معصوم کی خوشیوں کا قاتل بنا تھا۔

"آپ یہ فیصلہ نہیں کر سکتے۔ صوفی کا آپ کے ساتھ نکاح ضرور ہوا ہے مگر رخصتی نہیں...." حاتم کو عبداللہ کی بات اور انداز دونوں ہی سخت ناگوار گزرے تھے۔

"تم سے کسی نے رائے مانگی ہے؟" ہارون نے بری طرح سے حاتم کو ڈپٹا تھا۔

"صوفی اب آپ کی امانت ہے۔ آپ جیسا چاہے گے ویسا ہی ہو گا بیٹا....!" ہارون کی بات پر جہاں عبداللہ کے لبوں پر فاتحانہ مسکراہٹ در آئی تھی وہیں صوفی کا صبر جواب دے گیا تھا۔ وہ اب مزید ایک لمحہ بھی یہاں نہیں رک سکتی تھی۔ اگر وہ ایک گھڑی اور یہاں رکتی تو یقیناً وہ دھاڑیں مار مار کر رو دیتی۔

اپنے وجود کی کپکپاہٹ پر قابو پاتے وہ ابھی اٹھنے ہی لگی تھی جب عبداللہ نے اسے پکارا تھا۔

"تم نے کچھ لیا ہی نہیں...؟ کچھ لو نا...." اس کی آواز سب کی توجہ صوفی کی جانب مبذول کر گئی تھی۔

"جی....!" آنسوؤں کو گلے کے اندر اتارتے اس نے کپکپاتے ہاتھوں سے پلیٹ میں موجود چمچ پکڑا تھا۔

وہ اب یہاں سے نہیں اٹھ سکتی تھی۔ اگر ابھی وہ یہاں سے جاتی تو یہ بات ہارون کو سخت ناگوار گزرتی... اور بعد میں اس کی اچھی خاصی کلاس لگتی....

صوفی نے پانی کا گلاس اٹھائے لبوں سے لگایا تھا۔ پانی کے ساتھ ساتھ وہ اپنے آنسو بھی پی گئی تھی۔

کس قدر سنگدل تھا وہ شخص.... اس کے خواب کا قتل کر کے وہ اسے ماتم منانے کا بھی حق نہیں دے رہا تھا۔

وہ لان میں ٹہل ٹہل کر کسی سے فون پر بات کر رہا تھا جب صوفی نظریں جھکائے ہاتھ میں ٹرے پکڑے اس کی جانب آئی تھی۔ کال کاٹتے عبداللہ نے ڈش میں سے کپ اٹھایا تھا۔ اس کے کپ اٹھانے کی دیر تھی، وہ پھرتی سے واپس گھومی تھی۔

"رکو....!" بھاری گھمبیر آواز پر صوفی کا ننھا سا دل کانپا تھا۔ وہ اپنی جگہ ساکت کھڑی رہی تھی۔ پلٹنے کی ہمت وہ کھو چکی تھی۔ وہ کافی کا کپ سائیڈ ٹیبل پر رکھے اس کی جانب بڑھا تھا۔

"میں اس وقت کافی نہیں پیتا بلکہ گرینٹی پیتا ہوں۔"

"میں بنا... بنا دیتی ہوں۔" اتنے قریب سے آواز آنے پر دل کی دھڑکنیں مزید تیز ہو گئی تھیں۔

"اس کی ضرورت نہیں....!" اس کے مزید قریب ہوتے وہ اس کے ہاتھوں سے ڈش لے چکا تھا۔ عبداللہ نے وہ ڈش ٹیبل پر رکھی تھی۔

اس کے اس عمل سے صوفی کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ پیدا ہوئی تھی۔ اس کی ہتھیلیاں پل میں پسینے سے بھیگ گئی تھیں۔

بے شک وہ محض پندرہ سال کی تھی مگر وہ اس رشتے کے تقاضوں کو اچھی طرح سمجھتی تھی۔ یہ اس رشتے کا کمال تھا یا سامنے موجود شخص کی وجاہت کا.... مگر وہ اپنا دل بری طرح ہار بیٹھی تھی۔

"کیسا محسوس کر رہی ہو؟" ہاتھ پر ہاتھ باندھے وہ اس کے قریب کھڑا دلچسپی سے استفسار کر رہا تھا۔ صوفی اس کی بات کا مطلب اچھی طرح سمجھ چکی تھی۔

"جب خواب ٹوٹتے ہیں تو درد ہوتا ہے نا....؟" وہ عجیب انداز میں ہنسا تھا۔ وہ اب بھی مجرم بنی نظریں جھکائے خاموش کھڑی تھی۔

"مجھے بھی ہوا تھا جب تم زبردستی میرے سر پر مسلط کی گئی تھی۔مجھے تم جیسی لڑکی ہر گز نہیں چاہیئے تھی۔ نظریں ملا کر تو بات کر نہیں سکتی تم مجھ سے... قدم سے قدم ملا کر کیا خاک چلو گی؟" اس کے کانوں میں زہر انڈیلتے وہ نفرت سے منہ پھیرے وہاں سے گیا تھا۔

صوفی نے گہری سانس خارج کیے نگاہیں اٹھائی تھیں۔وہ

اس ہتک آمیز لہجے کی عادی تھی۔

اس نے اپنے باپ کو ہمیشہ اپنی ماں سے اسی لہجے میں بات کرتے سنا تھا۔

"شاید سارے شوہر ایسے ہی ہوتے ہیں۔" اس کے دل کے کسی کونے سے آواز آئی تھی۔وہ یہ نہیں کہہ سکتی تھی کہ سارے مرد ایسے ہی ہوتے ہیں کیونکہ اس کا بھائی ایسا نہیں تھا۔وہ باقی سب سے بہت مختلف تھا۔یہی وجہ تھی کہ وہ حاتم کے زیادہ قریب تھی۔

وہ دونوں جڑواں ہونے کے ساتھ ساتھ اچھے دوست بھی تھے۔ایک دوسرے سے لڑنے جھگڑنے کے بعد بھی وہ ایک دوسرے کا سایہ تھے۔

---

رات کے گھپ اندھیرے میں وہ ایک بار پھر اس کمرے میں بیٹھی مختلف کڑیاں جوڑ رہی تھی۔دوائی کھانا اس نے چھوڑ دیا تھا اور رات کے وقت تقریباً سونا بھی وہ چھوڑ چکی تھی۔وہ آواز دن بدن اسے خوف میں مبتلا کرتی جا رہی تھی۔بہت کوشش کرنے کے باوجود بھی وہ اس آواز کا سراغ نہیں لگا پا رہی تھی۔

ایک بات تو طے تھی کہ یہ اس کا وہم نہیں تھا۔کوئی تھا جو اسے ہر رات اذیت سے گزارتا تھا۔کوئی تھا جو اسے کچھ بھی بھولنے نہیں دیتا تھا۔

اس سب کا شاید ایک ہی حل تھا کہ وہ اپنے ماضی کو جان لے۔ وہ تمام رازوں پر سے پردہ ہٹانے میں کامیاب ہو جائے۔ شاید ایسے ہی اسے اس آواز سے چھٹکارا مل سکتا تھا۔

"نین... نینا... عمر... جیمز....!" اس نے ڈائری کے صفحے پر چند نام گھسیٹے تھے۔

"نین.... نینا....!" اس نے ان دو ناموں پر ہاتھ پھیرا تھا۔

"کیا یہ ممکن ہے کہ یہ دو الگ الگ لوگ ہوں؟" پین کو دانتوں تلے دبائے وہ گہری سوچ میں ڈوبی تھی۔

ڈائری کو سائیڈ پر رکھے اب اس نے پاس پڑا لاکٹ اٹھایا تھا۔

"عمر....! اس نام کو چھوتے ہوئے اس کے لب ہلے تھے۔

"یا تو یہ عمر مام کا کوئی لور ہے یا پھر..." اس نے وقفہ لیا تھا۔

"یا پھر نین اور نینا دو الگ الگ شخصیات ہیں۔"

"یہ ہو سکتا ہے۔ یہ بالکل ہو سکتا ہے کیونکہ مام نے کہا تھا کہ 'نین بھاگ جاؤ۔" اسے اپنی ماں کی کہی بات اچھے سے یاد تھی۔

"اگر نین اور نینا دو الگ الگ لوگ ہیں تو پھر نین کا مجھ سے اور اس گھر سے کیا رشتہ ہے؟" وہ اب مختلف کڑیوں کو جوڑنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"ہو سکتا ہے کہ وہ میری بڑی بہن ہو جسے بچاتے بچاتے مام اپنی جان کی بازی ہار گئیں۔" وہ خود سے ہی ہم کلام تھی۔

اس کی زندگی ایک پزل بن چکی تھی جسے وہ کسی بھی قیمت پر سلجھانا چاہتی تھی۔

"اگر ایسا ہے تو پھر نین ہے کہاں....؟ اسے تو پھر اس گھر میں ہونا چاہیئے تھا نا...؟" اپنی ماں کی تصویر اٹھائے وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"وہ ڈگریز... ہاں وہ میڈلز... ہو سکتا ہے کہ وہ نین کی ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ بیرون ملک رہتی ہو۔ ہو سکتا کہ وہ ہائیر سٹڈیز کے باہر گئی ہو.... ہاں یہ ہو سکتا ہے کیونکہ وہ لڑکی جسے میں آپی کہہ رہی تھی.... س کی عمر بھی تو لک بھک اٹھارہ، انیس سال تھی نا....! ہو سکتا ہے کہ وہی نین ہو۔" مسلسل سوچ سوچ کر وانیہ کے سر میں درد ہونے لگا تھا۔

"کیا مصیبت ہو تم نین...! میری زندگی کا تو سارا سکون ہی برباد کر دیا ہے تم نے... بس ایک دفعہ مل جاؤ مجھے... ہر ایک چیز کا حساب لوں گی میں تم سے...." سب کچھ ویسے ہی چھوڑے وہ منہ بناتی وہاں سے اٹھی تھی۔

---

رات کے پہر نائل ایک بوسیدہ گھر کو لاک کیے باہر نکلا تھا۔

محسن گاڑی کے پاس کھڑا اس کا انتظار کر رہا تھا۔ باہر جاتے ساتھ ہی وہ فرنٹ سیٹ پر بیٹھا تھا۔ اس کے بیٹھتے ہی محسن نے گاڑی سٹارٹ کر دی تھی۔

"آخر کب تک چلے گا یہ سلسلہ؟" محسن نے سنجیدگی سے پوچھا تھا۔

"میری زندگی کی آخری سانس تک..." ونڈو سے باہر گزرتے درختوں کو دیکھ کر نائل نے گہری سانس خارج کی تھی۔

"تم مار کیوں نہیں دیتے اسے...؟" شاید وہ ہمدردی محسوس کر رہا تھا۔

"مارنا ہوتا تو بارہ سال پہلے ہی مار دیتا۔ تم تو جانتے ہو نا میرے اصول کو... میں موت نہیں زندگی دیتا ہوں۔ میرے نزدیک موت نہیں بلکہ زندگی سزا ہے۔" گاڑی کی پشت سے ٹیک لگائے نائل نے آنکھیں موندی تھیں۔

"میری مانو تو اسے مار کر قصہ ختم کرو۔یوں روز روز کیوں خود کو اذیت پہنچاتے ہو؟" وہ دوست ہونے کی حیثیت سے اسے سمجھا رہا تھا۔

"میں بس انتقام لینا چاہتا ہوں۔" اس نے آنکھیں کھولے کہا تھا۔رات کے اندھیرے میں بھی اس کی سنہری آنکھوں میں سرخی واضح تھی۔

"یہ کیسا انتقام ہوا جس میں تم اپنے ہی دشمن کا علاج کروا رہے ہو؟" محسن نے چڑ کر کہا تھا۔

"میں اسے اس کے پورے ہوش و ہواس میں تڑپا تڑپا کر مارنا چاہتا ہوں۔جو کچھ میری ماں کے ساتھ ہوا اور جو کچھ میری وانیہ برداشت کر رہی ہے اس سب کا ذمہ دار کون ہے؟بس کچھ وقت اور... ہر چیز کا حساب ہو گا۔" اس کی آنکھوں میں بدلے کی آگ بھڑک رہی تھی۔

اب کی بار محسن خاموش ہی رہا تھا۔نائل کو کچھ بھی سمجھانے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔وہ جو سوچ لیتا تھا پھر وہ کسی بھی حال میں وہ کر گزرتا تھا۔

---

اپنی ماں کے کہنے پر وہ دوپہر کے وقت صوفی کے گھر آیا تھا۔وہ تقریباً پندرہ منٹ سے گاڑی کے پاس کھڑا اس مہارانی کا انتظار کر رہا تھا جو آنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔آج شام کو ایک گرینڈ پارٹی تھی جس میں ان کے نکاح کو ساری دنیا کے سامنے ڈسکلوز کرنا تھا۔عبداللہ اس کے سخت خلاف تھا کیونکہ صوفی کو اپنے فرینڈ سرکل میں سب سے ملوانا وہ اپنی بے عزتی سمجھتا تھا۔

وہ اچھے سے جانتا تھا کہ سب اس کا مذاق اڑائیں گے۔صوفی کسی طرح سے بھی اس کے قابل نہیں تھی۔

مزید دو منٹ گزر جانے کے بعد اسے صوفی نظر آئی تھی جو کہ تیز تیز قدم اٹھاتی اسی کی جانب بڑھ رہی تھی۔عبداللہ کا دماغ سوا نیزے پر چڑھا تھا۔آج اس لڑکی کی خیر نہیں تھی۔

"سس... سوری!" اس تک پہنچتے صوفی نے ہانپتے ہوئے کہا تھا۔ان چند دنوں میں ہی وہ اپنے شوہر کے مزاج سے اچھی طرح واقف ہو چکی تھی۔

"تمہیں پتا ہے میں کب سے تمہارا یہاں دھوپ میں کھڑا انتظار کر رہا ہوں؟ کوئی احساس ہے تمہیں....؟" لہجہ نہایت سخت تھا۔صوفی بالکل سہم گئی تھی۔

اسے کتنی ہی دفعہ ملازم اندر بلا چکے تھے اور تو اور صوفی کی والدہ بھی اسے خود اندر بلانے آئی تھیں مگر وہ اپنی ضد کا پکا تھا۔

"تم سمجھتی کیا ہو خود کو...؟ کسی سلطنت کی شہزادی ہو اور میں تمہارا غلام....؟" عبداللہ کے لہجے کی ترشی پر صوفی کی آنکھیں چھلکنے لگی تھیں۔

"میں.... میں نماز پڑھ رہی تھی۔" نظریں جھکائے وہ منمنائی تھی۔عبداللہ کا سارا غصہ جیسے جھاگ بن کر اڑا تھا۔

وہ کچھ دیر اس تھر تھر کانپتے وجود کو دیکھتا رہا تھا پھر اس نے سانس خارج کیے سر جھٹکا تھا۔

"بیٹھو گاڑی میں...." لہجے میں وہی سختی لیے عبداللہ نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی تھی۔

وہ اسے سیدھا شاپنگ مال لے گیا تھا۔عبداللہ نے ساری شاپنگ اپنی مرضی سے کی تھی۔صوفی نے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔اسے عبداللہ کی چوائس اچھی لگی تھی۔

اس نے صوفی کے لیے بہت خوبصورت میکسی سلیکٹ کی تھی۔ٹی پنک کلر کی بہت نفیس میکسی... جس کے گلے اور بازوں پر ہلکا ہلکا کام ہوا ہوا تھا۔

عبداللہ نے اس کے لیے کسی قسم کا بولڈ ڈریس نہیں لیا تھا۔وہ اس کی بیوی تھی،وہ اسے مڈرن لک میں ضرور دیکھنا چاہتا تھا مگر حیا کے زمرے میں رہ کر....

شاپنگ کرنے کے بعد وہ واپس گاڑی میں آکر بیٹھے ہی تھے جب عبداللہ کا فون بجا تھا۔

"جی مام....؟"سونی کی کال دیکھ کر اس نے فوراً کال ریسیو کی تھی۔

"کیا مصیبت ہے؟اب آئسکریم بھی کھلاؤں اسے... کیا مصیبت میرے سر پر تھوپ دی ہے؟"وہ اور بھی نجانے کیا کیا بول رہا تھا۔اس بات کی پرواہ کیے بغیر کہ وہ اپنے کہے جملوں سے کسی کے دل پر چھریاں چلا رہا ہے۔

کچھ دیر بعد عبداللہ نے فون کاٹے گاڑی سٹارٹ کی تھی۔

"آئسکریم کا کون سا فلیور پسند ہے تمہیں؟"صوفی نے ضبط سے مٹھیاں بھینچی تھیں۔

"مجھے آئسکریم نہیں پسند...."اتنی بے عزتی کے بعد وہ اس شخص کے ساتھ آئسکریم تو بہت دور کی بات پانی تک نا پیے۔

"کون سا فلیور کھاؤ گی؟"وہ اب بھی اپنی بات پر مصر تھا۔

"مجھے آئسکریم نہیں کھانی۔"اس نے اپنے لہجے کو مضبوط کرتے ایک بار پھر کہا تھا۔صوفی کو لگا شاید عبداللہ نے اس کا جواب ٹھیک سے سنا نہیں ہے۔

"ایک بار ذرا پھر سے کہنا...."سڑک پر نگاہیں جمائے اس نے سنجیدگی سے کہا تھا۔

"مجھے....مجھے نہیں کھا...."اس کے الفاظ ابھی منہ میں ہی تھے جب عبداللہ نے گاڑی کو جھٹکا دیے ایکدم سے سپیڈ بڑھا دی تھی۔

صوفی کے تو اوسان ہی خطا ہو گئے تھے۔اسے موت اپنے سامنے دکھائی دے رہی تھی۔

"یہ کیا کر رہے ہیں آپ...؟"سڑک کے بیچوں بیچ وہ تیز ڈرائیو کر رہا تھا۔کبھی کسی گاڑی تو کبھی بائیک سے وہ ٹکراتے ٹکراتے بچتے تھے۔

"تو آئسکریم نہیں پسند تمہیں....؟" پہلی بار صوفی نے نظریں اٹھا کر اس کی جانب دیکھا تھا جس کے چہرے پر بلا کا اطمینان اور سنجیدگی تھی۔ایسے جیسے وہ یہ موت کا کھیل کھیلنے میں ماہر ہو۔

"مم... مجھے پسند ہے۔" وہ جتنا تیز بول سکتی تھی وہ بولی تھی۔

اس کے کہتے ساتھ ہی عبداللہ نے ایک سائیڈ پر گاڑی روکی تھی۔ صوفی کی جان میں جان آئی تھی۔

"دوبارہ میری کہی کسی بھی بات سے اختلاف مت کرنا۔" کاٹ دار اور سخت لہجہ....

اس نے سمجھتے ہوئے اچھی بیویوں کی طرح فوراً اثبات میں سر ہلایا تھا۔

"اب بتاؤ کون سا فلیور کھاؤ گی؟"

"جو آپ کو پسند ہو۔" عبداللہ نے گھور کر اس صنف نازک کو دیکھا تھا جو آنکھیں جھکائے مسلسل ہانپ رہی تھی۔

یعنی ڈوز کا اثر ابھی بھی ٹھیک سے نہیں ہوا تھا۔

"مجھے تو کریلے کا جوس پسند ہے۔ پیو گی؟؟"

"جی....!" فرنبرداری کا مظاہرہ کرتے اس نے ایک بار پھر سر کو زور و شور سے ہلایا تھا۔

"میں ایک وقت میں تین گلاس پیتا ہوں۔ تم پیو گی؟"

"جی....!" جواب اب بھی وہی تھا۔ عبداللہ کے لبوں کو مسکراہٹ نے چھوا تھا۔

"گھر چلیں...؟"

"جی....!" ایک بار پھر اسی جواب پر اس نے سر جھٹکتے گاڑی سٹارٹ کی تھی۔ وہ سمجھ چکا تھا کہ وہ بہت زیادہ نروس ہے جس وجہ سے وہ کچھ بھی سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

"گھر پر سب کو بتاؤ گی کہ میں نے اتنی تیز ڈرائیونگ کی؟" کچھ دیر بعد عبداللہ کو شرارت سوجھی تھی۔

"جی....!"ہاتھوں کی کپکپاہٹ پر قابو پاتے صوفی نے خالی الذہنی کی کیفیت میں ایک بار پھر وہی جواب دیا تھا۔

"تم میری شکایت لگاؤ گی؟"عبداللہ نے ایک نظر اس کی طرف ڈالی تھی۔

"جی....!"کسی ربورٹ کی مانند صوفی نے ایک بار پھر وہی جواب دیا تھا۔

"تم میری شکایت لگاؤ گی؟"اس نے بے یقینی سے صوفی کی جانب دیکھا تھا۔

"جی....ہاں.... نہیں....!"اسے اب کہیں جا کر ہوش آیا تھا۔

"بیوا قوف لڑکی....!"وہ زیر لب بڑبڑایا تھا۔

باقی کا سارا راستہ خاموشی سے کٹا تھا۔اپنے گھر کے سامنے گاڑی رکتے ہی صوفی نے پھرتی سے ہینڈل پر ہاتھ رکھا تھا۔

وہ یہاں سے بھاگ جانا چاہتی تھی۔وہ اس شخص کے ساتھ مزید ایک لمحہ بھی نہیں گزارنا چاہتی تھی۔

"رکو..."صوفی نے شکست خور حالت میں واپس ہاتھ ہٹایا تھا۔

"شام کو جب پارٹی میں آنا تو یہ حجاب اتار کر آنا..."

صوفی کے سر پر معنوں بم گرا تھا۔

"دیکھو!اب جب ہمارا نکاح ہو ہی گیا ہے تو میں چاہتا ہوں کہ رخصتی سے پہلے تم تھوڑا گروم ہو جاؤ۔اپنے پہننے اوڑھنے کا سٹائل بدل لو۔اور اپنے اندر تھوڑا اعتماد لاؤ۔مجھے تو یقین نہیں آتا کہ تم ہارون انکل کی بیٹی ہوں....انہیں دیکھو،اپنے بھائی کو ہی دیکھ لو اور ایک تم ہو کہ...."عبداللہ نے سر جھٹکا تھا۔صوفی کی نظریں مزید جھک گئی تھیں۔

یہ ضروری نہیں کہ آپ ایلیٹ کلاس سے تعلق رکھو تو آپ پر اعتماد اور پر وقار ہو۔ بچوں کو اعتماد دینا پڑتا ہے۔ صوفی کو کبھی اپنے گھر کی جانب سے نا تو اعتماد ملا تھا اور نا ستائش..... وہ شروع سے ہی حساس تھی۔ ہر ایک چھوٹی سے چھوٹی چیز کو محسوس کرنے والی اور پھر گھر کے ماحول نے اسے حد سے زیادہ حساس بنا دیا تھا۔

---

رات کے وقت آفندی ہاؤس میں شاندار پارٹی کا اہتمام کیا گیا تھا۔ شہر کے مشہور و معروف بزنس مین اس پارٹی میں مدعو تھے۔ سونی اور مانو صوفی کے ساتھ پارلر گئے ہوئے تھے جبکہ باقی سب مہمانوں کا استقبال کرنے میں مصروف تھے۔ گرے کلر کے پینٹ کوٹ میں ملبوس وہ کسی سے محو گفتگو تھا۔ ہر ایک کی ستائشی نظر اس سنہری آنکھوں والے شہزادے پر جیسے رک گئی تھی۔

وہاں موجود ہر شخص اس شہزادے کی شہزادی کو دیکھنے کے لیے بے چین تھا۔

کچھ دیر بعد تمام لائٹس آف کی گئی تھیں۔ اب صرف ایک ہی لائٹ آن تھی۔ مدھم سی نیلی رنگ کی ایک لکیر نما روشنی.... جس میں اس حجابی شہزادی کا چہرہ صاف دکھ رہا تھا۔ پاکیزہ اور حسین چہرہ....

عبداللہ ایک لمحے کے لیے ساکت ہو گیا تھا۔ اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں۔

"کیا وہ صوفی تھی...؟" اس کے دل اور دماغ نے فوراً لال سگنل دیا تھا۔

"ہرگز نہیں.... تو پھر یہ کون تھی؟" وہ اسے نہیں پہچان پایا تھا۔

مصطفی کے ہوش دلانے پر اسے ناچار آگے قدم بڑھانے پڑے تھے۔ صوفی تک جاتے اس نے اپنا ہاتھ اس کے آگے پھیلایا تھا۔

نیلی روشنی میں دونوں کا عکس واضح تھا۔ ہر ایک آنکھ انہیں ہی دیکھ رہی تھی۔ کسی کی نظروں میں رشک تھا اور کسی کی نظر میں حسد....

عبداللہ کے ہاتھ آگے بڑھانے پر صوفی نے بھی اپنا کپکپاتا ہاتھ اس کے سپرد کیا تھا۔ صوفی کی ہتھیلیاں پسینے سے بھیگ چکی تھیں۔ اس کے ہاتھوں کی نمی کو محسوس کرتے عبداللہ کی جان میں جان آئی تھی۔

یہ صوفی ہی تھی۔ یہ اس کی ڈرپوک منکوحہ ہی تھی۔

"میں بھی سوچوں کسی اور لڑکی کا ہاتھ پکڑنے کا تھوڑی کہے گئے ڈیڈ....!" اس نے اپنے خیالات کو خود تک ہی رکھا تھا۔

اب وہ اس نیلی روشنی کی سیدھ میں اس کا ہاتھ پکڑے آگے بڑھ رہا تھا۔

"مام! آپ لوگ کس پالر گئے تھے؟" اس نے ساتھ چلتی سونی کے کان میں سرگوشی کی تھی جس پر سونی نے اسے گھوری سے نوازا تھا۔ عبداللہ کو مجبوراً خاموش ہونا پڑا تھا۔

"میرا مطلب ہے کہ یہ کنفرم میرے والی ہے نا....؟" کچھ دیر بعد وہ پھر گویا ہوا تھا۔

"تم سدھرتے کیوں نہیں ہو؟" سونی نے اس پر افسوس بھری نگاہ ڈالی تھی۔ وہ منہ بناتا ایک بار پھر خاموش ہوا تھا۔

اب تقریباً سب لوگ ہی آ کر ان سے مل رہے تھے۔ مختلف تحائف اور پھولوں سے پورا لان ہی تقریباً بھر چکا تھا۔ صوفی کے لیے یہ لک سونی نے ہی چنا تھا۔ وہ اپنا حجاب نہیں اتارنا چاہتی تھی۔ اسی لیے سونی نے اس کی ڈریسنگ اور اس کے حجاب کو تھوڑا سا سٹائلش لک دیا تھا۔

صوفی بے انتہا حسین تھی۔ ذرا سے میک اپ سے اس کی خوبصورتی مزید نکھر گئی تھی۔

"آپ ناراض ہیں مجھ سے...؟" ہمت جمع کر کے صوفی نے بات کا آغاز کیا تھا۔

"نہیں.... کیوں....؟" وہ حیران ہوا تھا۔

"میں نے بہت سوچا مگر میں... حجاب نہیں اتار سکی۔ میرے پاس دو راستے تھے... یا تو میں آپ کو راضی کر لوں یا پھر اپنے رب کو.... میں اپنے رب کو ناراض نہیں کر سکتی۔

I am sorry!

میں آپ کے لیے بھی یہ نہیں کر سکتی۔" اس نے نظریں جھکائے مدھم آواز میں کہا تھا۔

"اچھی بات ہے۔ تمہیں یہ کرنا بھی نہیں چاہیئے۔" صوفی نے چونک کر نظریں اٹھائی تھیں۔ عبداللہ کو اپنی جانب دیکھتے پا کر وہ فوراً نظریں جھکا گئی تھی۔

"اتنا برا نہیں دکھتا میں.... تم مجھے دیکھ سکتی ہو۔" پہلے کی نسبت اس کا رویہ آج کافی بہتر تھا۔

وہ بلش کر گئی تھی۔ کیوں....؟ وہ یہ نہیں جانتی تھی۔

"تم دنیا کے سامنے حجاب نہیں اتار سکتی لیکن میرے سامنے تو اتار سکتی ہو نا....؟ یا پھر بالوں میں کوئی مسئلہ ہے؟؟" اس نے اپنا خدشہ ظاہر کیا تھا۔

وہ ایک لمحے کے لیے چونکی تھی پھر اچانک ہی وہ ہنس دی تھی۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میرے بالوں کے ساتھ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔" شاید زندگی میں پہلی بار وہ حاتم کے علاوہ کسی اور سے کھل کر بات کر رہی تھی۔

کیوں نا کرتی وہ اس کا جیون ساتھی تھا۔ صوفی کو بس تھوڑی سی محبت اور تھوڑے سے اعتماد کی ضرورت تھی۔

"تو پھر کب کھول رہی ہو یہ حجاب....؟" اپنے خدشات کو دور کرنے کے لیے اس کے بال دیکھنا بے حد ضروری تھی۔ عبداللہ کو کہیں نا کہیں یہ خدشہ لاحق تھا کہ شاید اس کے سر پر بال ہی نا ہوں اسی وجہ سے وہ حجاب نہیں کھولتی۔

یہ اس کے ذہین دماغ کی اپنی خرافات تھی۔ اگر واقعی ایسا تھا تو وہ یہ دھوکہ برداشت نہیں کر سکتا تھا۔

"رخصتی کے بعد.....!"صوفی کی بات پر عبداللہ کا حلق تک کڑوا ہوا تھا۔اب تو اسے مزید فکر ستانے لگی تھی۔کہیں یہ سب لوگ مل کر اسے دھوکہ تو نہیں دے رہے؟؟

"تمہیں بغیر حجاب کے تو میں دیکھ کر رہوں گا۔"اس نے عہد کیا تھا اور وہ اپنے عہد کا پکا تھا۔

---

کافی دنوں بعد آج ایک بار پھر نائل اور اسفند کی ملاقات ہو رہی تھی۔یہ ملاقات گاڑی میں بیٹھے بیٹھے ہی ہوئی تھی کیونکہ نائل کو جلدی تھی۔اسے کہیں اور جانا تھا۔

"میں چاہتا ہوں کہ تم کچھ ایسا کرو کہ ڈیوڈ کے سامنے ساری حقیقت کھل جائے۔کچھ ثبوت اکھٹے کرنے ہونے گے تمہیں.... میں اس کے ذریعے پورے ڈارک ورلڈ تک رسائی چاہتا ہوں۔"

"آپ کو لگتا ہے کہ وہ ہماری مدد کرے گا؟"نائل کا اسطرح ڈیوڈ کا ذکر کرنا اسفند کو ایک آنکھ نا بھایا تھا۔

"جب ساری حقیقت اس کے سامنے کھل جائے گی تو سوائے پچھتاوے کے اس کے پاس کچھ نہیں بچے گا۔اور مجھے یقین ہے کہ اپنے گناہوں کا کفارہ ادا کرنے کے لیے وہ ہماری مدد ضرور کرے گا۔"نائل اچھی طرح جانتا تھا کہ ڈیوڈ دل کا برا نہیں ہے۔اسے ایسا بننے پر مجبور کیا گیا ہے۔

"آپ فکر مت کریں۔ایسا ہی ہوگا۔"چہرے پر مصنوعی مسکراہٹ سجائے اس نے بامشکل کہا تھا۔

"تمہاری بھول ہے نائل!ایسا کبھی نہیں ہوگا۔میں اس کے دل میں تمہارے لیے نفرت بڑھا تو سکتا ہوں لیکن یہ دشمنی کبھی ختم نہیں ہوگی۔"وہ نائل اور ڈیوڈ کو کبھی بھی ایک نہیں ہونے دے سکتا تھا۔اتنی محنت سے تو اس نے

آئی۔ایس۔آئی اور ڈارک ورلڈ میں قدم جمائے تھے۔اب اپنی ہار اسے کسی صورت قبول نہیں تھی۔

وانیہ اور عائزہ آج ایک بار پھر لیکچر بنک کر کے کیفے میں بیٹھی باتوں میں مصروف تھیں۔ دنیا کا ہر اکاؤنٹ ہیک کرنے والی، مختلف چیزیں اور کیمیکلز ایجاد کرنے والی اپنی کورس کی کتابوں سے بھاگتی تھی۔ اسے پڑھنا ایک آنکھ ناپسند تھا۔

"ویسے میں سوچ رہی تھی کہ یہ ڈراموں میں بلاوجہ فضول چیزیں دکھاتے ہیں۔ خاص کر یہ چائنیز اور کورین ڈرامااز.... کوئی لاجک ہی نہیں ہوتا۔ اب میں نے کل ہی ایک ڈراما دیکھا، اس میں جو ولن ہوتا ہے وہ سائیکو ہوتا ہے اور اسے لوگوں کو مارنے میں مزا آتا ہے۔ حقیقت سے تو ان سب چیزوں کا کوئی تعلق نہیں ہے۔" چیپس کو دانتوں سے کترتے عائزہ نے اپنی مفید رائے دی تھی جو کہ فوراً ہی رد ہو گئی تھی۔

"تمہیں کس نے کہا کہ حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے؟" وانیہ نے شاکی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

"مطلب....؟" عائزہ نے ماتھے پر بل ڈالے ناسمجھی سے وانیہ کو دیکھا تھا۔

"یہ سائیکو پاتھ اصل زندگی کے سائیکو پاتھ کے سامنے کچھ بھی نہیں ہے۔ ہمارا مسئلہ ہی یہی ہے۔ ہم اپنے گھروں میں ایک سیو زون میں بیٹھے ہیں تو ہمیں لگتا ہے کہ بس یہی دنیا ہے جبکہ حقیقت اس سے بہت زیادہ مختلف ہے۔ تمہیں پتا ہے عائزہ اس دنیا کے علاوہ بھی ایک دنیا ہے جسے ہم ڈارک ورلڈ یا پھر اور بھی بہت سے نام دے سکتے ہیں۔ دنیا کے بڑے بڑے امراء اور بزنس مین اس میں شامل ہیں۔ انٹرنیٹ پر ڈارک ویب سائٹس موجود ہیں۔ ایسی ویب سائٹس جہاں عام لوگ رسائی حاصل نہیں کر سکتے۔ تمہیں پتا ہے وہاں کیا کیا ہوتا ہے؟"

"کیا....؟" عائزہ کی دلچسپی بڑھی تھی۔

"وہ سب کچھ جو ہماری سوچ سے پرے ہے۔وہ لوگ بچوں اور عورتوں کو کڈنیپ کرتے ہیں۔پھر یہ بڑے بڑے امیر زادے جو کہ در حقیقت سائیکو ہی ہوتے ہیں.... یہ سب بولیاں لگاتے ہیں کہ فلاں خاتون یا بچے کو اس طرح سے ٹارچر کرواور اس کی وڈیو ہمیں بھیجو تو ہم تمہیں اتنے پیسے دے گے۔پھر ان کی چیخ و پکار سے یہ لوگ محظوظ ہوتے ہیں۔کروڑوں رپوں میں ایک وڈیو خریدی جاتی ہے۔وہ لوگ مختلف قسم کے مظالم ڈھاتے ہیں.... مثلاناخن اتار کر مرچیں رکھ دینا،ڈرلر مشین سے کسی کے ہاتھ اور ٹانگ میں ہول کرنا....اور بھی بہت کچھ جو ہم سوچ بھی نہیں سکتے۔

زیادہ مظالم خواتین پر ڈھائے جاتے ہیں کیونکہ ان کی نسوانی چیخیں انہیں سکون پہنچاتی ہیں۔"وانیہ کی بات مکمل ہونے پر عائزہ نے جھرجھری لی تھی۔یہ سب تو وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔

"میری تو بس ایک ہی خواہش ہے کہ بس ایک بار اس دنیا کو دیکھ لوں،ایک نئے ایڈونچرڈ کے طور پر...."

"تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے نا....؟"عائزہ بیچاری کا تو منہ ہی کھل گیا تھا۔

"بالکل ٹھیک ہے۔بس ایک بار کسی سائیکو پاتھ سے پالا پڑ جائے۔مزا ہی آجائے گا۔"وہ ایکسائیڈڈ ہوئی تھی۔

"تم بھی ایک سائیکو پاتھ ہی ہو۔"عائزہ نے اپنا ماتھا پیٹا تھا۔

"ہاں شاید تم ٹھیک کہتی ہو۔"وانیہ نے تہے دل سے اقرار کیا تھا۔

"ویسے تمہیں نہیں لگتا کہ ان عورتوں اور بچوں کو انصاف ملنا چاہیئے بلکہ اس دنیا کے ہر اک مظلوم کو....؟"عائزہ کے دماغ میں اچانک ہی ایک ترکیب آئی تھی۔

"ملنا تو چاہیئے مگر ایسا ممکن نہیں ہے۔"وانیہ نے سٹرا کی مدد سے جوس پیتے ہوئے لاپروائی سے کہا تھا۔

"ٹھیک کہہ رہی ہو۔اس سب کے لیے تو ایک ایسی جگہ ہونی چاہیئے جہاں سب کو انصاف مل سکے۔"عائزہ کی آنکھوں میں چمک در آئی تھی۔

"ہاں مگر ایسی جگہ کہاں ملے گی؟" وانیہ کے لہجے میں اب بھی لاپروائی تھی۔

"آخرت.... جہاں ہر ایک کو انصاف ملے گا۔ اپنے اعمال کے عوض لوگ جنت یا دوزخ میں جائے گے۔" وانیہ کو زبردست کھانسی آئی تھی۔ اسے بالکل اندازہ نہیں تھا کہ عائزہ گفتگو کا رخ اس طرف موڑے گی۔

"تم ٹھیک کہتی ہو۔ ایسی جگہ ہونی چاہیئے مگر ایسا کچھ ہو گا اس بات کا کیا ثبوت ہے؟ جب کسی آنکھ نے یہ سب دیکھا ہی نہیں تو میں کیسے مان لوں کہ آخرت حقیقت میں ہو گی؟؟" خود کو کمپوز کرتے وانیہ نے عائزہ کو مشکل میں ڈال دیا تھا مگر اس بار اس کی تیاری بھی مکمل تھی۔

"تم نے کبھی دل کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے یا پھر تم کبھی پیرس گئی ہو؟"

"نہیں....!" اس کے جواب پر عائزہ کی آنکھوں کی چمک مزید گہری ہوئی تھی۔

"پھر تم کیسے کہہ سکتی ہو کہ تمہارے سینے میں دل دھڑکتا ہے یا پھر اس دنیا کے نقشے پر پیرس نام کی کوئی جگہ ہے؟" اس سوال پر وانیہ صحیح معنوں میں گڑبڑا گئی تھی۔ وہ کچھ دیر جواب تلاش کرتی رہی تھی پھر اچانک ہی اس کے دماغ نے کام کرنا شروع کیا تھا۔

"میں نے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا مگر لوگوں نے تو دیکھا ہے نا.... تصویریں موجود ہیں، تمام تر ثبوت موجود ہیں۔ آخرت کے ہونے کا کیا ثبوت ہے؟ کیا کبھی کسی نے آخرت کا سفر کیا ہے؟ کیا کوئی تصاویر یا کوئی ثبوت موجود ہے؟؟" عائزہ کچھ دیر افسوس سے اسے دیکھتی رہی تھی پھر اس نے بے اختیار گہری سانس خارج کی تھی۔

"اللہ تمہیں ہدایت دے۔" اس نے بالآخر ہار مانی تھی۔ وانیہ کے سوالات کے جوابات دینا اس کے بس سے باہر تھا۔

"اگر دعا دینی ہے تو میرے کام کی دو بلکہ تم رہنے دو میں خود ہی مانگ لیتی ہوں۔" اس نے کہتے ساتھ ہی آسمان کی جانب دیکھا تھا۔

"اے اللہ! میں نہیں جانتی کہ یہی سب غیر منطقی چیزیں ہیں یا نہیں لیکن مجھے تیری ذات پر بھروسہ ہے۔ میں نے بہت بار دعا مانگی ہے اور میری ہر دعا ہی قبول ہوتی ہے۔ آج ایک اور دعا مانگتی ہوں.... جنت نا سہی مگر جہنم کا سفر تو کروا ہی دے مجھے...." عائزہ نے باقاعدہ اپنا سر پیٹا تھا۔ وہ دعا مانگ بھی رہی تھی تو کیا....؟

لوگ کہتے ہیں کہ ہمیں دوسروں کے تجربوں سے سیکھنا چاہیئے، عبرت حاصل کرنی چاہیئے۔ مگر جو عبرت اور جو سبق انسان کو اپنے تجربے سے ملتا ہے وہ سبق انسان کبھی نہیں بھولتا۔ وانیہ کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہونے والا تھا۔

زندگی نے اسے وہ سبق دینا تھا جسے وہ ساری زندگی نہیں بھول سکے گی۔

---

ماہم لاؤنج میں بیٹھی کتاب پڑھنے میں مصروف تھی جب نائل گھر کے اندر داخل ہوا تھا۔

"پھوپھو وانیہ کہاں ہے؟" وہ بہت زیادہ بے چین لگ رہا تھا۔

نائل نے وانیہ کے لیے ایک نئی کار خریدی تھی۔ وہ وانیہ کو سرپرائیز دینا چاہتا تھا اسی وجہ سے وہ گھر جلدی واپس آیا تھا۔

"اپنے کمرے میں ہو گی۔" ماہم نے لاپروائی سے جواب دیا تھا۔ نائل تیزی سے وانیہ کے کمرے کی جانب بڑھا تھا۔

وہ اسے آوازیں دیتا رہا تھا مگر وہ وہاں نہیں تھی۔

"پھوپھو وانیہ کمرے میں نہیں ہے۔" وہ جھنجھلایا تھا۔

"پھر اپنے پینٹنگ روم میں ہو گی۔ کہہ تو رہی تھی کہ کوئی نئی پینٹنگ بنانی ہے۔" اس کا دھیان اب بھی کتاب کی طرف ہی تھا۔

"اچھا میں دیکھتا ہوں۔"

"مت جاؤ نائل! تمہیں پتا تو ہے کہ وانیہ کو کسی کا بھی وہاں جانا پسند نہیں ہے۔"

"سب ٹھیک ہے نا پھوپھو؟" وہ ان کے لہجے میں بیزاری کو محسوس کر چکا تھا۔

"ہاں ٹھیک ہے۔" کتاب سائیڈ پر رکھے وہ اپنی جگہ سے اٹھی تھی۔

"پھوپھو! مجھے سچ سچ بتائیں کہ کیا ہوا ہے؟" نائل قدم قدم چلتا ماہم تک گیا تھا۔

"کچھ خاص نہیں! بس میں نے وانیہ سے کہا تھا کہ مجھے بھی اپنی نئی پینٹنگ دکھاؤ مگر اس نے صاف انکار کر دیا۔"

"اوہو پھوپھو! آپ نے تو مجھے ڈرا ہی دیا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ مکمل ہونے سے پہلے کسی کو نا دکھانا چاہتی ہو۔ چلیں آئیں! ہم دونوں مل کر کلاس لیتے ہیں وانیہ کی...." ماہم کو خود سے لگائے نائل نے بہت محبت سے کہا تھا۔

"میں اس کمرے میں نہیں جاؤں گی۔ تمہیں جانا ہے تو جاؤ۔" وہ اب بھی خفا خفا سی لگ رہی تھیں۔

"ٹھیک ہے میں ہی چلا جاتا ہوں اور کان پکڑ کر لے کر آتا ہوں اسے...." نائل نے مسکراتے ہوئے قدم آگے بڑھائے تھے۔

اس کمرے تک پہنچتے نائل نے دروازہ کھولا تھا۔ ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر لائٹ آن کی تھی۔ ایک دم ہی پورے کمرے میں روشنی پھیل گئی تھی۔ نائل نے متلاشی نگاہوں سے ارد گرد دیکھا تھا مگر وانیہ اسے کہیں نہیں دکھی تھی۔ اس نے دو، تین بار اسے آواز بھی دی تھی مگر کوئی جواب نہیں ملا تھا۔

"یہ لڑکی بھی نا.....!" وہ سر جھٹکتے آگے بڑھا تھا۔ایک طرف پینٹ برشز اور پینٹ پڑے ہوئے تھے۔

دیواروں پر مختلف قسم کی خوبصورت پینٹنگز بنی ہوئی تھیں۔

وہ زیادہ تر قدرت پر پینٹنگ بناتی تھی۔کسی خوبصورت جگہ، پھول یا پھر کسی خوبصورت منظر کی....

نائل نے ایک نظر دیوار پر لگی پینٹنگز کو دیکھا تھا۔اس کا ماتھا ٹھنکا تھا۔یہ پینٹنگز تو تقریبا دو سال پرانی تھیں پھر وہ دن رات پیننگز کا کہہ کر یہاں کیا کرتی رہتی تھی؟؟

اس نے آگے بڑھتے ہوئے ایک کینوس سے پردہ ہٹایا تھا۔وہ خالی تھا۔ایک کے دوسرا، دوزرے کے بعد تیسرا....سب ہی خالی تھے۔وہ کچھ نیا نہیں بنا رہی تھی پھر اس نے ماہم سے کیوں جھوٹ بولا....؟

وہ زیرک نگاہیں رکھتا تھا۔وہ ایک آئی۔ایس۔آئی ایجنٹ تھا مگر اس کے باوجود بھی اسے کبھی وانیہ پر شک نہیں ہوا تھا۔وجہ صرف یہ تھی کہ وہ اس کی بہن تھی.... چھوٹی اور معصوم بہن....اس کی آنکھوں پر اعتماد اور محبت کی پٹی بندھی ہوئی تھی۔

ابھی وہ یہ سب سوچ ہی رہا تھا کہ اس کی سماعتوں سے موبائل کی رنگ کی آواز ٹکرائی تھی۔یہ آواز دیوار کے پیچھے سے آرہی تھی۔نائل اچھی طرح جانتا تھا کہ یہاں ایک خفیہ کمرہ ہے مگر وہ تو کسی کے زیر استعمال نہیں تھا۔اس نے خود بہت عرصے پہلے اسے لاک کیا تھا تو پھر وہاں سے فون کی گھنٹی کی آواز....؟

نائل نے قدم آگے بڑھا کر دیوار کے ایک طرف ہاتھ رکھا تھا۔دروازہ اس کے سامنے تھا مگر لاک تھا۔کچھ دیر ادھر ادھر ڈھونڈنے کے بعد وہ چابیاں ڈھونڈنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

دروازے میں چابی گھمائے اس نے اندر قدم رکھا تھا۔کمرہ تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔نائل نے اپنے موبائل کی ٹارچ آن کرتے سوئچ تلاش کیا تھا۔

بٹن دباتے کمرے میں مدھم مدھم سی نیلی روشنی ہوگئی تھی۔اس روشنی میں سب واضح تھا۔نائل کی آنکھیں حیرت کے مارے کھل گئی تھیں۔جو وہ دیکھ رہا تھا وہ نا قابل یقین تھا۔

ایک طرف مختلف قسم کے کمپیوٹرز رکھے ہوئے تھے۔تاروں کی مدد سے سارا اسسٹم سیٹ کیا گیا تھا۔نائل نے شاک کی کیفیت میں قدم آگے بڑھائے تھے۔اتنا تو وہ بھی جانتا تھا کہ یہ ساری ڈیوائس اور کمپیوٹرز ہیکنگ کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔

ابھی وہ اسی شاک سے باہر نہیں نکلا تھا جب اس کی نظر دوسرے کونے پر پڑی تھی۔اس نے میز کا سہارا لیے اپنی حیرانگی پر قابو پانے کی کوشش کی تھی۔وہاں کیمیکلز کے ساتھ ساتھ سانپ، بچھو اور بھی نجانے کیا کیا تھا۔ان کانچ کے شیشوں سے وہ باآسانی سب دیکھ سکتا تھا۔

نائل کو زبردست چکر آئے تھے۔یہ سب اس کی سوچ سے پڑے تھا۔یہ سب کون کر سکتا تھا؟یہاں پر تو کوئی نہیں آتا تھا تو پھر یہ سب....؟

اس کا دماغ اسے سب بتا اور سمجھا چکا تھا مگر اس کا دل
اس حقیقت کو تسلیم کرنے سے انکاری تھا۔

"نہیں! وانیہ نہیں....!"اس کے لب اپنے آپ ہلے تھے۔وہ فوراً قدم باہر کی جانب بڑھا گیا تھا۔

اس کمرے سے نکلتے اب وہ مسلسل وانیہ کو آواز دیتے ایک بار پھر اس کے کمرے میں گیا تھا۔وہ وہاں نہیں تھی۔

کچھ دیر وہاں کھڑے رہنے کے بعد نائل نے اس کے کمرے کی تلاشی لینا شروع کی تھی۔اگلے دس منٹ تک وہ اس کا سارا کمرہ الٹ چکا تھا۔وہاں ایسی ویسی کوئی چیز نہیں تھی جو کہ وانیہ کو مشکوک ظاہر کرے۔

تھک ہار کر وہ بستر پر بیٹھا ہی تھا کہ اس کی نظر کارپیٹ پر گری رپورٹس پر پڑی تھی۔وہ وانیہ کی رپورٹس تھیں۔

نائل نے اپنی جگہ سے اٹھتے ساتھ ہی جھک کر وہ رپورٹ اٹھائی تھی۔ رپورٹس کو کھولے اس کی دھڑکن ایک لمحے کے لیے رکی تھی۔

اس کے ہاتھ سے رپورٹس نیچے گری تھیں۔ ان رپورٹس کے مطابق وانیہ کی مینٹل ہیلتھ بالکل ٹھیک تھی۔

نائل نے اپنا ہاتھ اپنی ترپیشانی پر پھیرا تھا۔ اچانک ذہن میں جھماکہ ہوتے ہی اس نے دراز کھولے اس میں سے وانیہ کی میڈیسن نکالی تھیں۔ اب وہ موبائل نکالے کچھ دیر ان میڈیسنز کا نام سرچ کر رہا تھا۔

سرچ کرنے کے بعد اس کی آنکھوں میں سرخی اتری تھی۔ لب بھینچے وہ غصے سے باہر کی جانب بڑھا تھا۔

"وانیہ.... وانیہ....!" وہ دھاڑتا ہوا لاؤنج میں آیا تھا۔ اس کی دھاڑ پر نا صرف ماہم بلکہ تمام ملازم بھی سہم گئے تھے۔

"وانیہ کہاں ہے؟" اس نے قہر برساتی نگاہوں سے ایک ملازمہ سے پوچھا تھا۔

"وہ تو گھر پر نہیں ہیں جی! وہ تو یونی....!" ابھی اس نے جملہ مکمل بھی نہیں کیا تھا کہ وانیہ اندر داخل ہوئی تھی۔ ملازمہ تو جان بچا کر فوراً وہاں سے رفو چکر ہو گئی تھی۔

"کیا بات ہے، آج تو سب موجود ہیں یہاں..." نائل کو اس وقت گھر پر دیکھ کر اسے خوشگوار حیرت ہوئی تھی۔

"کہاں تھیں آپ....؟" نائل کی آنکھوں میں سرخی کے ساتھ ساتھ نمی بھی تھی۔

"یونیورسٹی تھی مگر آپ کیوں...." شدید غصے کی حالت میں آگے بڑھتے نائل نے وانیہ کا بازو دبوچا تھا۔ اسے کچھ بھی سوچنے سمجھنے کا موقع دیے بغیر وہ اسے تقریباً گھسیٹتا ہوا آگے لے کر جا رہا تھا۔

"بھائی! مجھے درد ہو رہا ہے۔ یہ کیا کر رہے ہیں آپ؟" وہ درد سے زیادہ شاک کی کیفیت کی تھی۔ نائل تو اس سے اونچی آواز میں بات تک نہیں کرتا تھا تو اس قسم کا رویہ.....؟

نائل نے اسے اس کمرے میں لا کر چھوڑا تھا جہاں وہ مصوری کرتی تھی۔

"کہاں ہیں وہ پینٹنگز جو دن رات بناتی ہیں آپ؟" اس کی غضب ناک آواز پر وانیہ کا پورا وجود ہی لرز گیا تھا۔

"کچھ پوچھا ہے میں نے....؟" وانیہ کی آنکھوں سے اشک جاری ہوئے تھے۔ وہ اس رویے کی وجہ نہیں جان پا رہی تھی۔

"یہ سارے کینوس خالی ہیں وانیہ، اور یہ جو نام نہاد پینٹنگز یہاں لگی ہوئی ہیں یہ بہت پرانی ہیں تو پھر آپ یہاں کیا کرتی ہیں؟" ایک پل کے لیے وہ لاجواب ہو گئی تھی۔ اس کا دماغ اسے لال سگنل دے رہا تھا۔

"حقیقت یہ ہے وانیہ صاحبہ کہ آپ یہاں مصوری کرتی ہی نہیں ہیں۔ آپ تو کچھ اور کرتی ہیں۔" اپنی بہن کی ہر صحیح غلط بات سننے اور ماننے والا آج اسے کچھ بولنے کا موقع ہی نہیں دے رہا تھا۔

"اور آپ کو پتا ہے کہ آپ کیا کرتی ہیں؟" ایک بار پھر اس کا ہاتھ تھامتے وہ اسے اس خفیہ کمرے میں لے گیا تھا۔

"یہ کرتی ہیں آپ....!" وانیہ کی سانسیں رک گئی تھیں۔ اسے اپنی دھڑکنیں تھمتی ہوئی محسوس ہوئی تھیں۔ وہ پکڑی جائے گی اور وہ بھی اسطرح.... یہ اس کے وہم و گمان میں ہی نہیں تھا۔

"محسن ٹھیک کہتا تھا۔ وہ بالکل ٹھیک کہتا تھا۔ میں ہی پاگل تھا بلکہ میں ہی پاگل ہوں۔" نائل کی آواز بھرا گئی تھی۔

"مام کے بعد اگر کسی کو ٹوٹ کر چاہا تھا تو وہ آپ تھیں۔ اگر کسی پر آنکھ بند کر کے بھروسہ کیا تھا تو وہ بھی آپ ہی تھیں، پھر کیوں.... کیوں....؟" اسے دونوں کندھوں سے جھنجھوڑتے وہ استفسار کم اپنی بے بسی کا مظاہرہ زیادہ کر رہا تھا۔ وہ صرف اس کی بہن نہیں تھی، وہ اس کی زندگی تھی۔ وہ اس کا مان اور غرور تھی۔ نائل نے وانیہ کو اپنی بہن سمجھ کر نہیں بلکہ اپنی بیٹی سمجھ کر پالا تھا۔

وہ ویسے ہی اس پر جان چھڑکتا تھا مگر اس حادثے کے بعد تو وہ وانیہ کو لے کر حد سے زیادہ حساس ہو گیا تھا۔ وہ آٹھ سال کی تھی جب اس نے اپنے ماں باپ دونوں کو ہی کھو دیا تھا، تب سے نائل نے ہی اسے پالا تھا۔

"بھائی میں...." وانیہ کے گلے میں آنکھوں کا گولہ اٹکا تھا۔ وہ شرمندگی سے نظریں جھکائے ہچکیوں سمیت رو دی تھی۔

"آج یہ آنسو مت بہائیں آپ.... مجھ پر آپ کے ان جھوٹے آنسوؤں کا کوئی اثر نہیں ہو گا۔" وانیہ نے چونک کر سر اٹھایا تھا۔ اس کے بھائی کو اس کے آنسو جھوٹے لگ رہے تھے۔ ایک لمحے کے لیے اسے لگا جیسے اس کے جسم سے روح نکل گئی ہو۔

"یہ سب کیوں....؟" نائل کے سارے الفاظ بھی جیسے ختم ہی ہو گئے تھے۔

“I am sorry!

آپ کو بتا دیتی تو آپ مجھے کبھی یہ سب نا کرنے دیتے۔ بھائی ٹرسٹ می! میں نے کبھی کوئی غلط کام نہیں کیا۔ میں تو بس ٹائم پاس کے لیے یہ سب...." ہچکیاں ایک بار پھر بندھ گئی تھیں۔

"یہ سانپ، بچھو.... یہ سب ٹائم پاس ہے؟" اس نے اپنی حیرت پر قابو پاتے بہت مشکل سے پوچھا تھا۔

"یہ سب اچھا لگتا ہے۔ میرا مشغلہ ہے۔" اس نے نظریں جھکائے روندھی آواز سے کہا تھا۔

"دماغ درست ہے آپ کا....؟ یہ کس قسم کا مشغلہ ہے اور کرتی کیا ہیں آپ ان سب چیزوں سے....؟" ہاتھوں کو ایک دوسرے سے مس کیے وہ خاموش کھڑی رہی تھی۔

"میں صرف سچ سننا چاہتا ہوں وانیہ! صرف سچ.... ورنہ کہیں ایسا نا ہو کہ آپ مجھے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے کھو دیں۔" وانیہ کا دل ایک لمحے کے لیے کانپ اٹھا تھا۔ وہ نائل کو کسی قیمت پر کھونا نہیں چاہتی تھی۔

"بھائی! میں آپ کو سب بتاتی ہوں۔پہلے آپ پلیز ریلیکس ہو جائیں۔ہم بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔" وانیہ نے بچوں کی طرح اس کا بازو تھاما تھا جبکہ ہاتھوں میں لرزش واضح تھی۔

"آپ کو جو بھی کہنا ہے، ابھی اور اسی وقت کہیں۔" نائل نے فوراً اس کا ہاتھ جھٹک دیا تھا۔وانیہ نے گویا ہار مانی تھی۔

"میں بس اکاؤنٹس ہیک کرتی ہوں۔لوگ اس کے بدلے مجھے پے کرتے ہیں۔میں.... بزنس مینز کو ایک دوسرے کے راز جاننے میں مدد دیتی ہوں۔بیرون ملک بھی بہت سے لوگ مجھ سے کام... کام کرواتے ہیں۔کبھی کبھی.... کسی چھوٹے موٹے سیاست دان کے خلاف ثبوت...." وہ خاموش ہو گئی تھی۔نائل کی آنکھوں میں حیرت مزید بڑھتی ہی جا رہی تھی۔

"محسن کا اکاونٹ آپ نے ہیک کیا تھا نا...؟" وانیہ نے سر جھکائے اثبات میں سر ہلایا تھا جس پر نائل نے سختی سے آنکھیں میچی تھیں۔

"میرا اکاونٹ کتنی دفعہ ہیک کر چکی ہیں آپ؟" آنکھیں کھولے وہ دو قدم چلتا اس کے قریب آیا تھا۔

"بھائی میں...."

"صرف سچ وانیہ...." اس کے لہجے کی سختی پر وانیہ نے سارے احتجاج چھوڑے ہار مانی تھی۔

"چار دفعہ.... شروع شروع میں کیا تھا۔صرف چیک کرنے کے لیے کہ میں یہ کر سکتی ہوں یا نہیں...." نائل کے سر میں درد ہونے لگا تھا۔نجانے آج اس پر کون کون سے انکشافات ہونے تھے۔

"اور یہ سانپ اور بچھو....؟"

"یہ مردہ ہیں، انہیں کیمیکلز کی مدد سے پریزرو کیا ہے میں نے....ان کے خون اور زہر میں کچھ کیمیکلز ملا کر ایک نایاب قسم کا زہر تیار کیا تھا میں نے.... مگر وہ ایکسپیریمنیٹ کامیاب نہیں ہوا۔اس کے بہت سائیڈ ایفیکٹس

ہیں۔اس لیے چھوڑ دیا۔"نائل کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس پر ایک کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا میزائل گرایا جا رہا ہو۔یعنی اس کی معصوم،فرشتہ صفت بہن یہ سب کیسے.... کیسے کر سکتی تھی؟؟

"سچ میں چھوڑ دیا ہے میں نے.....!"وہ سچ کہہ رہی تھی۔وانیہ نے یہ زہر اپنی رگوں میں بھی اتارا تھا جس وجہ سے اس پر زہریلی چیزوں نے اثر کرنا تو چھوڑ دیا تھا مگر اسے اور بہت سی چیزوں میں پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔اسی وجہ سے اس نے مزید کوئی ڈوز نہیں لی تھی۔

"کچھ اور بھی رہتا ہے کیا....؟"نائل نے کبھی خود کو اس قدر بے بس محسوس نہیں کیا تھا جس قدر وہ آج کر رہ تھا۔

"بس کبھی کبھی شوقیہ طور پر کچھ نئی چیزیں بنانے کی کوشش...."

"کس قسم کی چیزیں....؟"وانیہ نے اپنے بیگ سے ایک پین نکال کر نائل کے سامنے رکھا تھا۔

"یہ پین!اس میں ایک ڈیوائس فٹ کی ہے میں نے.... کسی کو بھی الیکٹریک شاک دینے کے لیے.... یہ منفی اور مثبت جذبات پہچانتا ہے۔اگر میری اجازت کے بغیر اسے کوئی چھوئے گا تو مر جائے گا،لیکن اگر میں اپنی مرضی سے دوں گی تو کچھ نہیں ہو گا۔اور یہ رنگ...."اس نے ہاتھ میں پہنی انگوٹھی کو چھوا تھا۔اب رنگ کو رب کیے وانیہ نے ہاتھ گھمایا تھا۔ایک سیکنڈ کا کھیل تھا اور سامنے میز پر پڑا اکٹر اس کے ہاتھ میں تھا۔نائل کی نا صرف آنکھیں پھیلی تھیں بلکہ وہ بیچارا کچھ بولنے کے قابل ہی نہیں رہا تھا۔

وہ نجانے کتنی لڑکیوں کو دھوکہ دیتا آیا تھا مگر اسے کیا معلوم تھا کہ در حقیقت وہ اپنی ہی بہن سے زبردست دھوکہ کھا رہا ہے۔

"اور وہ میڈیسنز کیوں لے رہی ہیں آپ....؟"اس بات پر وانیہ کے ماتھے پر بل پڑے تھے۔

"کون سی میڈیسنز....؟"

"خود کو پاگل کرنے کی دوائی جبکہ در حقیقت ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔آپ کی رپورٹس چیخ چیخ کر بتا رہی ہیں کہ آپ بالکل نارمل ہیں۔کیوں وانیہ.....کیوں.....؟کیوں اتنے سالوں تک آپ مجھے دھوکہ دیتی آ رہی ہیں؟"نائل اور بھی نجانے کیا کیا کہہ رہا تھا جبکہ وانیہ کا دماغ تو دوائیوں پر ہی اٹک گیا تھا۔

"پاگل پن کی دوائیاں.....؟"وہ زیر لب بڑائی تھی۔

"بھائی!میں نے کبھی کوئی دوائی نہیں لی۔میں تو وہی دوائیاں کھاتی ہوں جو آپ مجھے لا کر دیتے ہیں یا پھوپھو.....!ٹرسٹ می!میں سچ کہہ رہی ہوں۔مجھے کیا ضرورت ہے غلط دوائی لینے کی.....؟"وانیہ نے اسے یقین دلانا چاہا تھا۔

"جھوٹ.....صاف جھوٹ.....!"نائل کو اب اس کی کسی بات کا کوئی بھروسہ نہیں تھا۔

"آپ کا جھوٹ ابھی سامنے آجائے گا۔"نائل اس کا ہاتھ پکڑے اسے باہر لاؤنج میں لے گیا تھا۔

ماہم وہاں اضطراب کی حالت میں ادھر سے ادھر چکر لگا رہی تھی۔بھائی،بہن کے بیچ بولنے کی اس کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔

"کیا ہے یہ سب.....؟"نائل نے ٹیبل سے وہ رپورٹ اٹھائے وانیہ کے سامنے رکھی تھی۔وانیہ نے حیرانگی سے وہ رپورٹ تھامی تھی۔جیسے جیسے وہ پڑھتی جا رہی تھی،اس کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی جا رہی تھیں۔

"بھائی یہ....."

"آپ کے کمرے سے ملی ہے۔"

"یہ.....میں.....مجھے نہیں پتا یہ میرے کمرے میں کیسے.....؟ٹرسٹ می بھائی!ہاں میں مانتی ہوں کہ میں پاگل نہیں ہوں مگر کبھی کبھی اٹیکس ہو جاتے ہیں۔"

"آپ کو کبھی کوئی اٹیکس نہیں ہوتے۔یہ سب جھوٹ تھا،لیکن کیوں.....؟"

"بھائی ایسا کچھ نہیں ہے۔مجھے تو خود کچھ سمجھ نہیں آرہی۔"وانیہ کا سر بری طرح چکرانے لگا تھا۔

"وانیہ اب تو سچ بول دیں۔کم از کم اب تو جھوٹ مت بولیں۔میں جان چکا ہوں کہ آپ بالکل نارمل ہیں مگر یہ ڈرامہ کرنے کی وجہ کیا ہے، مجھے صرف اتنا بتادیں؟؟"

"کون سا ڈرامہ بھائی....؟میں نے کبھی کوئی ڈرامہ نہیں کیا۔میں تو صرف سچ جاننا چاہتی ہوں کہ مام کے ساتھ کیا ہوا اور نین...."

"اووو!میں اب سمجھا....تو یہ سب ڈرامہ اسی وجہ سے کیا آپ نے....واؤ وانیہ!بہت ذہین ہیں آپ....اتنی آسانی سے بیوقوف بناتی آئیں ہیں آپ مجھے...."وہ عجیب انداز میں ہنسا تھا۔

"مجھے سچ سچ بتائیں،اپ کو سب یاد ہے نا،اس دن جو کچھ بھی ہوا تھا بس مجھے اذیت پہنچانے کے لیے بار بار وہ سب دہراتی ہیں،ہیں نا....؟"

"میں ایسا کیوں کروں گی بھائی...؟"وہ تڑپ اٹھی تھی۔نائل کو تکلیف پہنچانے کا وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔

"پھر تو آپ کو اور بھی بہت کچھ یاد ہوگا۔خیر چھوڑیں!مجھے اس میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔مجھے بس اتنا بتادیں کہ وہ چار لوگ کون تھے؟اس کے بعد آپ سے میرا کوئی تعلق نہیں...."

"بھائی پلیز ایسا مت کہیں۔"وہ آگے بڑھ کر نائل کے سینے سے لگی تھی۔

"میں سب چھوڑدوں گی۔آئی پرومس!میں دوبارہ ایسا ویسا کوئی کام نہیں کروں گی مگر پلیز آپ ایسا کچھ مت کہیں۔مجھے سچ میں کچھ نہیں یاد....مجھے کچھ نہیں پتا...."

“Ohh just shut up!

اب آپ کی کسی بات پر مجھے کوئی یقین نہیں ہے۔"نائل نے اسے خود سے دور کیا تھا۔

"آخری بار پوچھ رہا ہوں آپ سے.... مجھے بتائے کہ وہ چار لوگ کون تھے؟" اس کے لہجے میں سختی در آئی تھی۔

"مجھے نہیں یاد.... مجھے نہیں پتا... مگر اسے پتا ہو گا۔ہاں اسے پتا ہو گا۔"

"کسے....؟"

"اس عورت کو.... وہ آواز.... جو مجھے کچھ بھولنے نہیں دیتی۔وہ خوفناک آواز جو مجھے ہر رات تکلیف دیتی ہے۔مجھے بہت تکلیف ہوتی ہے بھائی! مجھے بہت اذیت ہوتی ہے۔" منہ پر ہاتھ رکھے وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

"مت کریں یہ سب! میں اب آپ کی باتوں میں نہیں آنے والا....!" وانیہ نے اسے حد سے زیادہ مایوس کر دیا تھا۔وہ اس کا بھروسہ بری طرح توڑ چکی تھی۔نائل شاید اب کبھی بھی اس پر بھروسہ نہیں کر سکتا تھا۔
وانیہ بھی اس کی آنکھوں میں اپنے لیے نفرت نہیں دیکھ سکتی تھی لہذا وہ بھاگتی ہوئی اپنے کمرے کی جانب گئی تھی۔

نائل شکست خور حالت میں صوفے پر بیٹھا تھا۔ماہم نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھے اسے تسلی دینا چاہی تھی۔

"میں نے کیا کچھ نہیں کیا اس کے لیے پھوپھو.... گھر بدل دیا، پہچان بدل دی یہاں تک کہ نام بھی....! مانو سے وانیہ.... مجھے بتائیں مجھ سے کہاں غلطی ہوئی؟" ماہم کی آنکھیں بھی بھیگ گئی تھیں۔

"ڈاکٹر سیف مجھ سے ہمیشہ کہتے تھے کہ یہ سب صرف ایک مخصوص عمر تک ہی ہو گا پھر وہ نارمل ہو جائے گی۔ مگر ایسا نہیں ہوا۔ایسا اس لیے نہیں ہوا کیونکہ مانو نے ایسا ہونے ہی نہیں دیا۔"

"خود کو سنبھالو عبداللہ!" ماہم نے اس کے کندھے پر دباؤ ڈالے کہا تھا۔

"مجھے اس نام سے مت پکاریں پھوپھو! مجھے تکلیف ہوتی ہے۔ یہ نام مام کو پسند تھا۔ وہ میرا یہی نام رکھنا چاہتی تھیں مگر ڈیڈ نے میرا نام نائل رکھا تھا۔ لیکن میں ان کے لیے عبداللہ ہی تھا۔ اب جب وہ نہیں ہیں تو مجھے یہ نام نہیں پسند.... یہ مجھے تکلیف دیتا ہے۔"

"نائل! مانو سے ایسے بدگمان مت ہو۔ وہ بچی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ جو کہہ رہی ہو، اس میں کوئی سچائی ہو۔ یہ تو ہمارے سامنے ہے کہ اسے بچپن کی کوئی بات یاد نہیں ہے۔ کوئی اتنے عرصے تک کیسے یہ ڈرامہ کر سکتا ہے؟" ماہم نے دوررن دیشی سے کام لیا تھا۔

"آپ جا کر وہ کمرہ دیکھ آئیں۔ آپ جان جائیں گئی کہ وہ کیا ہے اور کیا کر سکتی ہے۔" ماہم کو مجبوراً خاموش ہونا پڑا تھا۔ نائل اس وقت کچھ بھی سننے یا سوچنے کی کیفیت میں نہیں تھا۔

اپنے کمرے میں آتے ہی وانیہ نے دروازہ لاک کیا تھا۔ اپنے بال نوچتی وہ زمین پر گرتی ہی چلی گئی تھی۔ اس نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ نائل.... اس پر جان چھڑکنے والا اس کا بھائی اس سے اس طرح بدگمان ہو جائے گا۔ شدید ڈپریشن کی وجہ سے اس کے ہاتھ پیر کانپ رہے تھے۔ اسے سانس لینے میں دشواری پیش آ رہی تھی مگر آج اسے سنبھالنے والا کوئی نہیں تھا۔ آج اسے خود ہی خود کو سنبھالنا تھا۔

"میں دوبارہ نہیں کروں گی۔ میں سچ میں دوبارہ نہیں کروں گی۔ میں سب چھوڑ دوں گی مگر بھائی مجھ سے ناراض مت ہوں۔ پلیز! مجھ سے ناراض مت ہوں۔" بستر سے ٹیک لگائے وہ خود سے ہی ہم کلام تھی۔

"مجھے کچھ نہیں جاننا۔ میں لعنت بھیجتی ہوں ہر اک چیز پر.... مجھے بس میرا بھائی چاہیئے۔ مجھے اور کوئی نہیں چاہیئے۔" اس نے اپنے ہاتھوں کی کپکپاہٹ پر قابو پانے کے لیے بستر کی چادر کو مضبوطی سے اپنے ہاتھوں میں جکڑ لیا تھا۔

"مجھے کوئی نہیں چاہیئے۔" دیوانہ وار اپنے بالوں میں ہاتھ پھیرتی وہ اٹھی تھی۔ لڑکھراتے قدموں کے ساتھ اس نے کپ بورڈ سے تمام خطوط نکالے تھے۔ وہ خطوط جو ڈیوڈا سے لکھتا تھا۔

وانیہ نے ہر ایک خط کو ٹکروں میں پھاڑ کر پھینکا تھا۔ خطوں کے پرخچے ہر جانب بکھر گئے تھے۔

"مجھے شاہین بھی نہیں چاہیئے۔ وہ بھی مطلبی ہے، جھوٹا ہے۔ مجھے کچھ نہیں جاننا۔" اس نے آگے بڑھتے ڈرار سے وہ لاکٹ نکالا تھا۔ لاکٹ پر وہ دو نام دیکھتے اس کا چہرہ سرخ ہوا تھا۔

"اس سب کی ذمہ دار تم ہو۔ تمہارے نام نے میری زندگی عذاب بنادی نین.... "اتنا تو وہ سمجھ ہی چکی تھی کہ نین اس کی ماں ہر گز نہیں ہے۔

"بس تم کبھی میرے سامنے مت آنا۔ مار ڈالوں گی میں تمہیں.... تمہاری ذات میں اب کوئی دلچسبی نہیں رہی مجھے.... میں آج ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اپنی زندگی سے نین نام کا باب بند کرتی ہوں۔" وانیہ نے پوری قوت سے وہ لاکٹ اٹھا کر پھینکا تھا۔ "دعاؤں کا تو پتا نہیں لیکن بد دعا ضرور دوں گی میں تمہیں آج.... سسک سسک کر جیو.... تمہیں کبھی موت نصیب نا ہو.... ہمیشہ تڑپتی رہو۔" زمین پر بیٹھتے وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔ اسے خود نہیں سمجھ آرہا تھا کہ وہ کیا بول رہی ہے۔

نائل آج کافی دنوں بعد فارم ہاؤس جا رہا تھا۔ وجہ سنیہا کی بار بار کی گئی کالز تھیں جس وجہ سے وہ شدید مشتعل تھا۔

"کیا مصیبت ہے؟" کمرے میں داخل ہوتے ساتھ ہی وہ دھاڑا تھا۔

"نائل....!" وہ روتے ہوئے اس کے سینے سے لگی تھی۔

"ڈیڈ! انہیں.... انہیں ہارٹ اٹیک آیا ہے۔ مجھے جانا ہے۔" اس کے سینے پر ہاتھ رکھے وہ ہچکیوں سمیت رو دی تھی۔

"تم اس وجہ سے مجھے کال کر رہی تھی؟" نائل نے اسے بازو سے پکڑے خود سے دور کیا تھا۔ سنیہا نے روتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

"غلطی میری ہی ہے، مجھے تمہیں فون دینا ہی نہیں چاہیئے تھا۔" نائل نے افسوس سے سر جھٹکا تھا۔

"میرے ڈیڈ کو ہارٹ اٹیک آیا ہے۔ وہ اس وقت زندگی اور موت کے بیچ لڑ رہے ہیں۔" وہ بے بسی سے چیخ اٹھی تھی۔

"تو....؟ موت تو ویسے ہی سب کو آنی ہے اور جہاں تک بات ہے تمہارے باپ کی.... تو بے فکر رہو، وہ خبیث اتنی جلدی مرنے نہیں والا.... اور پیسے چاہیئے ہوں گے تبھی یہ ڈرامہ رچایا ہے۔" سنیہا بے یقینی سے اسے دیکھتی رہی تھی۔ وہ شخص دل تو رکھتا ہی تھا۔ اس کے سینے میں تو شاید پتھر تھا۔

"نائل! مجھے جانا ہے۔ میں بس ایک دفعہ انہیں دیکھنا چاہتی ہوں۔ مام کہہ رہی تھیں کہ وہ مجھے یاد کر رہے ہیں۔" وہ مسلسل روتے ہوئے التجا کر رہی تھی۔

"شاید یہ وہی باپ ہے جس نے تمہیں بیچ دیا تھا اور مڑ کر ایک بار پوچھا بھی نہیں...."

"وہ جو بھی ہیں، میرے ڈیڈ ہیں۔ مجھے جانا ہے۔" اتنے عرصے سے سوئی ہوئی تڑپ آج جاگ چکی تھی۔ ایک بیٹی ہونے کی حیثیت سے اسے آج باپ کی یاد شدت سے ستا رہی تھی۔

"میرا دماغ خراب مت کرو۔ تمہارے ان مگرمچھ کے آنسوؤں کا مجھ پر کوئی اثر نہیں ہوگا۔ تم سب عورتیں ایک جیسی ہوتی ہو، منافق اور جھوٹی.... تم کہیں نہیں جاؤ گی۔ چپ چاپ یہیں پڑی رہو۔" وہ وانیہ کا غصہ سنیہا پر اتار رہا تھا۔

"نائل! میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں، میں تمہارے پیر پڑتی ہوں.... پلیز مجھے جانے دو۔" وہ روتے ہوئے اس کے قدموں میں گر گئی تھی۔

"اگر تم نے میری مرضی کے بغیر اس گھر سے ایک قدم بھی باہر نکالا تو طلاق دے دوں گا میں تمہیں...." وہ تنفر سے کہتا وہاں سے گیا تھا۔ وہ نجانے کتنی دیر اپنی بے بسی پر آنسو بہاتی رہی تھی۔ وہ چاہ کر بھی یہ اخذ نہیں کر پا رہی تھی کہ آخر اس کا قصور کیا ہے؟ آخر کیوں اسے بار بار اپنے ناکردہ گناہوں کی سزا بھگتنی پڑتی ہے۔

دوپہر کے وقت وہ کسی فائل کو لینے کے لیے گھر کے اندر داخل ہوا تھا۔ لاؤنج میں اس کا سامنا وانیہ سے ہوا تھا۔ اس سے پہلے کہ نائل منہ پھیر کر وہاں سے گزر جاتا، وانیہ نے اس کا ہاتھ تھاما تھا۔

"بھائی! پلیز مجھے معاف کر دیں۔ میں بے قصور ہوں۔" اس کے لہجے میں نمی صاف واضح تھی۔

"وانیہ میرا ہاتھ چھوڑیں۔" نائل نے اس کی جانب دیکھنے سے گریز برتا تھا۔

"بھائی! پلیز معاف کر دیں۔" آنسو پھسل کر گال پر بہہ رہے تھے۔

"میں اس بارے میں سوچ سکتا ہوں اگر آپ سچ مجھ سے صرف سچ کہے۔" نائل نے آہستگی سے اس کے ہاتھ سے اپنا بازو چھڑوایا تھا۔

"بھائی جو سچ تھا، میں بتا چکی ہوں۔"

"نائل! تم ایک بار ٹھنڈے دماغ سے وانیہ کی بات سن تو لو۔" ماہم ابھی ابھی لاؤنج میں داخل ہوئی تھی۔

"آپ تو چپ ہی رہیں۔ یہ ساری آگ آپ ہی کی لگائی ہوئی ہے۔" ماہم کی جانب دیکھے وہ تقریباً چیخ اٹھی تھی۔

"یہ بات کرنے کا کون سا انداز ہے وانیہ؟" نائل کو اس پر شدید غصہ آیا تھا۔

"بھائی! میں کچھ نہیں جانتی۔مجھے بس اتنا پتا ہے کہ میں آپ کے بغیر نہیں رہ سکتی۔میں نے کچھ نہیں کیا۔بس ہم سب بھول جاتے ہیں نا...."وانیہ نے ایک بار پھر نائل کو بازو سے پکڑا تھا۔

"پاگل پن کے دورے نہیں پڑتے نا آپ کو....؟"اسے شانوں سے تھامے نائل نے اپنی سرخ آنکھیں اس کی نم سنہری آنکھوں میں گاڑھی تھیں۔

"بھائی...."

"آپ کو میری قسم ہے وانیہ! میں جھوٹ نہیں سننا چاہتا۔"اس بات پر وانیہ کا دل زور سے ڈھرکا تھا۔

"وانیہ! جو بھی سچ ہے بتا دو۔"ماہم بھی قدم قدم چلتی اس کے پاس آئی تھی۔

"ہم تمہارا علاج کروائیں گے۔تم ٹھیک ہو جاؤ گی۔"ماہم نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھے اسے تسلی دی تھی۔

"مجھے کسی علاج کی ضرورت نہیں ہے۔میں بالکل ٹھیک ہوں۔کوئی دورے نہیں پڑتے مجھے....!"ماہم کا ہاتھ جھٹکتی وہ چیخ اٹھی تھی۔

"اب بہت ہو گیا۔جب سچ سامنے آ ہی گیا ہے تو پھر ٹھیک ہے۔بالکل نارمل ہوں میں...."نائل اور ماہم دونوں کو ہی جھٹکا لگا تھا۔

"کیوں کیا یہ سب....؟"کچھ دیر بعد نائل کے گلے سے بامشکل آواز نکلی تھی۔

"ایک خاص عمر تک صرف آپ کی توجہ حاصل کرنے کے لیے....مجھے اچھا لگتا تھا جب آپ اپنے سارے کام چھوڑ کر صرف مجھ پر توجہ دیتے تھے مگر پھر آہستہ آہستہ میں بیزار ہونے لگی۔وہ کہتے ہیں نا کہ چائے میں چینی ایک حد تک اچھی لگتی ہے۔ضرورت سے زیادہ میٹھا بھی زہر ہی لگتا ہے۔"وہ عجیب انداز سے ہنسی تھی۔

"لیکن میں کیا کرتی بھائی؟ ایک دم سے تو میں یہ نہیں کہہ سکتی تھی کہ میں بالکل ٹھیک ہوں۔اس لیے ناچاہتے ہوئے بھی مجھے یہ ڈرامہ کرناپڑا۔رپورٹس تبدیل کرنا میرے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ڈاکٹر سیف کو بیوقوف بنانا بھی میرے لیے بہت آسان تھا۔اس بیچارے کو تو سمجھ ہی نہیں آئی کہ اس کے ساتھ ہوا کیا ہے اور اور بھی بہت کچھ کیا میں نے..... "وہ نظریں چرا گئی تھی۔نائل کے لیے اپنے قدموں پر کھڑے رہنا مشکل ہو گیا تھا۔

"پھوپھو!آپ پیکنگ کرلیں۔کل آپ لندن جارہی ہیں اور انہیں ساتھ لے کر جائیں گا۔میں اب ساری زندگی ان کی صورت نہیں دیکھنا چاہتا۔"وہ کہہ کر رکا نہیں تھا۔

اس کے جانے کے بعد وانیہ بھی ایک پل وہاں نار کی تھی۔

وہ بھاگتی ہوئی اپنے کمرے کی جانب گئی تھی۔

دونوں بہن بھائیوں کے درمیان ایک چپقلش کی دیوار قائم ہو گئی تھی۔لیکن دونوں ہی اس بات سے انجان تھے کہ یہاں سے ایک نئے سفر کا آغاز ہونا تھا۔

الحمد سے والناس تک کے سفر کا آغاز......

اب دیکھنا یہ تھا کہ اس سفر کو طے کرتے کرتے کس کس نے کیا کیا کھونا اور کیا کیا پانا تھا۔

ڈھلتے سورج کی روشنی میں سٹڈی روم میں موجود کرسی پر بیٹھے وہ گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔سورج کی بجھتی کرنیں اب کھڑکی سے اندر تک کا سفر طے نہیں کرپارہی تھیں۔ٹیبل پر فائلز بکھری پڑی تھیں۔ہارون نے کسی فائل کو ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا۔وہ اس وقت صرف نائل کے رویے کے بارے میں سوچ رہا تھا جو اس کی توقع سے زیادہ برا تھا۔جو بھی تھا لیکن صوفی ان کی اکلوتی بیٹی تھی۔وہ اسے اس طرح کسی انجان شخص کے رحم وکرم پر نہیں چھوڑ سکتے تھے۔

وہیں بیٹھے اس نے کھلی کھڑکی سے باہر کی جانچ دیکھا تھا۔ تیز ہوائیں پردوں کی باڑوں کو توڑ کر اندر داخل ہو رہی تھیں۔ وہ کچھ دیر غروب ہوتے سورج کا دلنشیں منظر دیکھتا رہا تھا پھر اچانک ہی دماغ نے ساری گتھی سلجھائی تھی۔ رات کی تاریکی کے شروع ہونے کا منظر دیکھتے دیکھتے وہ آفندی ہاؤس کے مکینوں کی زندگیاں تاریک کرنے کا پلین ترتیب دے چکا تھا۔

مصطفی تو پہلے ہی اس کے ہاتھوں کی کٹھ پتلی بن چکا تھا بس اب کسی بھی طرح نائل کو شیشے میں اتارنا ضروری تھا۔ اس سب کا ایک ہی طریقہ تھا..... مصطفی کی بیٹی کو اپنے گھر کی بہو بنانا.... نائل کے ہاتھ باندھنا.....

ایک لمحے کی تاخیر کیے بغیر اس نے مصطفی کو کال ملائی تھی۔

ٹھیک ایک گھنٹے بعد ایک ریسٹورنٹ میں دونوں کی ملاقات ہوئی تھی۔ کچھ دیر کی انتھک محنت کے بعد وہ مختلف دلائل سے مصطفی کو نیم رضامند کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

"میرا ایک ہی بیٹا ہے ہارون! میں اسے خود سے بدگمان نہیں کر سکتا۔" مگ سے اڑتی کافی کی بھاپ پر نظریں جمائے انہوں نے بے بسی سے کہا تھا۔

"جب نکاح ہو جائے گا تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔ بعد میں وہ کچھ نہیں کر سکے گا، سوائے اس نکاح کو قبول کرنے کے...."

"مانوا بھی بہت چھوٹی ہے۔ ہم ایک کام کرتے ہیں کہ ابھی منگنی کر دیتے ہیں پھر جب وہ دونوں بڑے ہو جائیں گے تو شادی بھی کر دے گے۔" ان کی بیٹی کی عمر اگر صوفی کی عمر جتنی ہوتی تو شاید وہ اس بارے میں ضرور سوچتے مگر وہ تو ابھی بہت چھوٹی تھی، صرف آٹھ سال کی....اس معصوم کو تو نکاح کا مطلب تک نہیں پتا تھا تو پھر اس رشتے کے تقاضوں کو سمجھنا تو بہت دور کی بات تھی۔

"میں یہ سب ہمارے رشتے کو مضبوط کرنے کے لیے کہہ رہا ہوں۔ صرف نکاح ہی تو ہے۔ رخصتی تھوڑی کرنے کا کہہ رہا ہوں۔" مصطفی نے سرد آہ بھرتے کافی کے مگ کو لبوں سے لگایا تھا۔

"تو پھر ہم نائل کے جاتے ہی مانو اور حاتم کا نکاح کر دیں گے۔" اپنی جگہ سے تھوڑا سا آگے کھسکتے ہارون نے اپنے ہاتھ ٹیبل پر رکھے تھے۔

"جیسا تمہیں ٹھیک لگے۔" اس جواب سے ہارون کی آنکھوں میں موجود شیطانیت کی چمک گہری ہوئی تھی۔

---

مصطفی کے قائل ہونے کے پیچھے ہارون کی چاشنی بھری زبان نہیں تھی بلکہ وہ نشہ آور دوائی تھی جو وہ کافی کی صورت میں گھونٹ گھونٹ اپنے اندر اتار رہا تھا۔ اور یہ پہلی بار نہیں ہو رہا تھا۔ وہ ہمیشہ ہی اپنی بات منوانے کے لیے ایسے ہی حربے استعمال کرتا تھا۔

---

---

ایک بہت اہم مشن کے سلسلے میں نائل کو بیرون ملک جانا تھا۔ بظاہر وہ ہائیر سٹڈیز کے لیے جا رہا تھا مگر حقیقت سے صرف وہی آشنا تھا۔

اس کی رات کی فلائیٹ تھی اور وہ آج صبح صبح بغیر بتائے ہارون کے گھر آیا تھا۔ اس اچانک آمد کا واحد مقصد صوفی کو بغیر حجاب کے دیکھنا تھا۔

کھلے گیلے بالوں کو کمر پر پھیلائے وہ ڈوپٹے سے بے نیاز لاؤنج میں موجود صوفے پر بیٹھی پڑھائی میں مشغول تھی۔ چائے سے لطف اندوز ہونے کے ساتھ ساتھ وہ رجسٹر پر پوائنٹس بھی لکھ رہی تھی۔ نائل نے اسے پڑھنے کی اجازت دے دی تھی۔ اس کا مقصد صوفی سے اس کے خواب چھیننا نہیں تھا بلکہ وہ تو بس اسے چند لمحوں کے لیے اس اذیت سے گزارنا چاہتا تھا جس سے وہ گزرا تھا۔

---

لاؤنج میں داخل ہوتے نائل کے قدم رکے تھے۔وہ صرف ضدی نہیں تھا،وہ حد سے زیادہ ضدی تھا۔جو وہ ایک بار ٹھان لیتا تھا وہ کر کے ہی رہتا تھا۔پین کو دانتوں تلے دبائے وہ بہت انہماک سے کچھ پوائنٹس کو سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن شاید اسے سمجھنے میں دقت پیش آ رہی تھی۔اس کا چہرہ اس کے تاثرات کی مکمل ترجمانی کرتا تھا اور نائل تو ویسے ہی چہرے پڑھنے میں ماہر تھا۔

نیوی بلو کلر کے سوٹ میں ملبوس اس معصوم حسینہ نے پہلی بار نائل کے دل پر دستک دی تھی۔زندگی میں پہلی بار وہ شاید کچھ محسوس کر رہا تھا۔وہ دونوں اپنے پیرینٹ کی مرضی سے کئی بار مل چکے تھے تاکہ ان کے درمیان انڈرسٹینڈنگ ہو جائے۔بعض ملاقاتیں خوشگوار رہی تھیں تو بعض ناخوشگوار....ناخوشگوار ملاقاتوں کا سلسلہ زیادہ تھا۔شاید یہ اس کی معصومیت اور صبر ہی تھا جو وہ نائل کے دل میں مقام حاصل کرنے میں کامیاب رہی تھی۔

ہاتھ پر ہاتھ باندھے،لب دبائے وہ بہت دلچسپی سے اسے دیکھ رہا تھا۔وہ کبھی پین کو دانتوں تلے دباتی تھی تو کبھی ہاتھ میں گھماتی تھی۔اس طرح کرتے وہ پچھلے سات منٹ میں نجانے کتنی بار نوٹس پر جھک چکی تھی۔اس طرح جھکنے کی وجہ سے اس کے ریشمی،گیلے بال اس کے چہرے پر آ جاتے تھے جنہیں وہ بار بار جھنجھلا کر پیچھے ہٹاتی تھی۔

"کچھ ہیلپ چاہیئے؟"بھاری گھمبیر آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تھی۔وہ نا صرف خود کرنٹ کھا کر اچھلی تھی بلکہ اس کے نوٹس،کتابیں اور دانتوں تلے دبایا پین بھی زمین بوس ہوا تھا۔

صوفی نے پھرتی سے سائیڈ پر پڑا ڈوپٹہ اچھے سے اوڑھا تھا۔اب وہ بوکھلا کر اپنے بکھرے بال سمیت رہی تھی۔نائل اس کی بوکھلاہٹ سے اچھا خاصا لطف اندوز ہوا تھا۔

اس بات کا یقین کرتے کہ نائل اس کے سامنے ہے، وہ ہرنی کی رفتار سے وہاں سے بھاگی تھی۔نائل کے ہونٹوں پر تبسم لہرایا تھا۔

---

صوفی کے بالوں کے ساتھ کوئی مسئلہ نہیں تھا، یہ خیال ہی نائل کے باعث سکون تھا۔

نائل کے جانے کے بعد حاتم اور مانو کے نکاح کی بات گئی تھی۔ہارون کے آگے ان کے گھر والوں کی ایک نا چلی تھی مگر مصطفی کو بھرپور احتجاج کا سامنا کرنا پڑا تھا۔سونی کسی صورت اس سب پر راضی نہیں تھی۔اس نے اپنے بیٹے کو بتانا چاہا تھا مگر نائل کا فون مسلسل بند جا رہا تھا۔

رات کے پہر وہ بالکنی میں کھڑی مسلسل اپنی قسمت پر اشق بہا رہی تھی۔ مصطفی جو اس پر جان چھڑکتے تھے، اب نجانے کیوں وہ اس سے بیزار سے رہنے لگے تھے۔اس کے لاکھ احتجاج کے باوجود بھی آج سے ٹھیک دو دن بعد اس کی چھوٹی اور معصوم بیٹی کی زندگی کا فیصلہ کیا جانا تھا۔اس سے اس کا بچپن چھین لیا جانا تھا۔ مصطفی تو یہ فیصلہ ہارون کی دی گئی ادویات کے زیر اثر کر رہے تھے مگر آج بھی اکسویں صدی میں بھی بہت سارے ایسے مقامات ہیں جہاں پر چائلڈ میر جز کا رواج عام ہے۔

اسلام بچوں کی جلد شادی کی تاکید ضرور کرتا ہے تاکہ وہ مختلف برائیوں اور فحاشی سے محفوظ رہ سکیں مگر لڑکا اور لڑکی کا بالغ ہونا بھی اتنا ہی ضروری ہے تاکہ وہ اس پاک رشتے اور ایک دوسرے کے حقوق و فرائض کو سمجھ سکیں اور ایک خوشحال زندگی گزار سکیں۔

آج کل چائلڈ میر جز کا تناسب تو پھر بھی کچھ حد تک کم ہے مگر بہت سے گھروں میں بچوں کی پیدائش پر ہی ان کی زندگی کا فیصلہ کر دیا جاتا ہے۔ان کے پیدا ہوتے ہی انہیں کسی نا کسی کے نام سے منسوب کر دیا جاتا ہے۔ پھر بعد میں وہ شخص جواری نکلے یا شرابی.... زبان سے پیچھے نہیں ہٹا جاتا۔

---

بیٹیوں کی زندگی کوئی مذاق نہیں ہوتی۔ والدین کو اپنی بیٹیوں کو اتنا اعتماد ضرور دینا چاہیئے کہ وہ کھل کر آپ سے اپنی پسند یا ناپسند کا اظہار کر سکیں۔

وقت کے ساتھ ساتھ اگر اپنی سوچ تھوڑی تبدیل کر لی جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں....

سونی نے متورم آنکھوں کے ساتھ آسمان کی جانب دیکھا تھا۔ وہ کھلا آسمان، وہ دلفریب چاند اور جھلملاتے تارے.... اسے ہر چیز ہی اپنی بے بسی کا مذاق اڑاتی نظر آ رہی تھی۔

"سونی! تم ابھی تک جاگ رہی ہو؟" اسے اپنے عقب سے مصطفی کی آواز سنائی دی تھی۔ وہ پلٹی نہیں تھی۔

"سونی....!" مصطفی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا۔

"نینا.... میرا نام نینا ہے۔" اس کا ہاتھ جھٹکتی وہ اندر کی جانب گئی تھی۔ یہ ناراضگی کا اظہار تھا۔ مصطفی اسے پیار سے سونی کہہ کر مخاطب کرتا تھا۔ مصطفی اور نینا یونیورسٹی سے ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے۔ ان کی لو میرج ہوئی تھی۔ یونیورسٹی میں ہر اک آنکھ انہیں رشک کی نگاہ سے دیکھتی تھی۔ جہاں مصطفی بہت گڈ لکنگ اور ہینڈسم تھا وہیں نینا بے انتہا حسین تھی۔ اس کا دودھیا رنگ اور پرکشش چہرہ کسی کی بھی توجہ اپنی جانب مبذول کر سکتا تھا۔ اور اس کے حسن کو مزید چار چاند اس کے ٹھوڑی پر موجود وہ گہرا سیاہ تل لگاتا تھا۔ دو بچوں کے بعد بھی وہ بہت زیادہ جوان دکھتی تھی۔ اگر نائل اس کے ساتھ کہیں باہر جاتا تو وہ اس کی ماں کم اور بڑی بہن زیادہ لگتی تھی۔

صوفی اور نائل کے نکاح کی طرح حاتم اور مانو کا نکاح بھی بہت سادگی سے رکھا گیا تھا۔ جب سے حاتم کو اپنے باپ کے ارادوں کا پتا چلا تھا، اس نے خوب احتجاج کیا تھا مگر اس کی ایک نا سنی گئی تھی۔

نکاح سے پچھلی رات اپنا سامان باندھے وہ توگھر چھوڑ کر جا رہا تھا جب دروازے پر ہی اس کے باپ نے اسے رنگے ہاتھوں پکڑ لیا تھا۔ اور پھر اس کی وہ مار لگی تھی کہ صوفی اور شہلا نے ہاتھ جوڑ جوڑ کر اسے بچایا تھا۔ شہلا کے قسم دینے پر حاتم نے نکاح کے لیے حامی بھر ہی لی تھی۔

اسے اپنے باپ کی پسند سے نکاح کرنے پر کوئی اعتراض نہیں تھا مگر ایک آٹھ سالہ بچی سے نکاح.... اور وہ بھی تب جب وہ خود محض پندرہ سال کا تھا۔ وہ بالکل بھی میچیور نہیں تھا۔ اس کی فطرت میں اب بھی بچکانہ پن تھا۔

"مام! چاہے تو مجھے پھانسی لگا دیں مگر اس ٹڈی سے نکاح مت کروائیں۔" یہ نکاح سے پہلے آخری احتجاج تھا۔

"کل رات کی مار بھول گئے ہو تم....؟ اگر ہاں تو پھر بات کر کے دیکھ لو اپنے ڈیڈ سے...." حاتم منہ بسور کر رہ گیا تھا۔

اسے بہت بری طرح سے مار پڑی تھی۔ ٹانگوں اور ہاتھوں کے ساتھ منہ بھی سوج گیا تھا۔ صوفی نے بہت مشکل سے میک اپ سے اس کی سوجی آنکھ کو نارمل کرنے کی کوشش کی تھی۔

نکاح خواں کے آتے ہی نکاح پڑھایا گیا تھا۔ حاتم نے برے دل کے ساتھ ہی سہی مگر اس نکاح کو تسلیم کر لیا تھا۔ جیل میں بھی تو لوگ روکھی سوکھی پر گزارا کرتے ہیں نا، اب اگر اسے عمر بھر کی قید میں اس ٹڈی کو جھیلنا تھا تو پھر ٹھیک ہے۔ وہ قبول کر چکا تھا، اس کے علاوہ کوئی اور راستہ بھی تو نہیں تھا۔

نکاح کے وقت اس کی نظریں جھکی ہوئی اور منہ پھولا ہوا تھا۔ ایک چیز تھی جس نے اسے چونکنے اور نظر اٹھا کر اپنے عقب میں بیٹھی چھوٹی سی لڑکی کی طرف دیکھنے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ اس کا نام تھا۔

اچانک ہی اس کے لبوں کو مدھم سی مسکراہٹ نے چھوا تھا۔ اگر وہ کہتی تھی کہ اسے اپنا نام بولنا نہیں آتا تو بالکل کہتی تھی۔

نکاح کے بعد وہ طبیعت خرابی کا بہانہ کرتے باہر لان میں آبیٹھا تھا۔ سرد، خوشگوار ہوا اس کی بوجھل طبیعت پر اچھا اثر ڈال رہی تھی۔ وہ پودوں کے ننھے ننھے پتوں کو ہلتے ہوئے دیکھ رہا تھا جو ہوا کے دباؤ کی وجہ سے کبھی اس جانب تو کبھی دوسری جانب جھک جاتے تھے۔

پودوں کی کیاریوں میں مختلف رنگ کے پھول بھی کھلے ہوئے تھے۔ چاند کی چاندنی اور لان میں لگا ہوا بلب ان کا محسور کن حسن دیکھنے میں کافی مددگار ثابت ہو رہے تھے۔

وہ اپنی سوچوں میں گم مسلسل ان پھولوں کو دیکھنے میں مصروف تھا جب ایک آواز نے اس کی سوچ میں ارتعاش پیدا کیا تھا۔

"بین! تم یہاں کیوں بیٹھے ہو؟" ایسا کیسے ہو سکتا تھا کہ بین کی مانو اسے کہیں تنہا چھوڑ دے۔

"تم پلیز چلی جاؤ یہاں سے، میرا موڈ اس وقت بہت خراب ہے۔" لہجے میں بے بسی کے ساتھ تھکان واضح تھی۔

"اُفف بین! تم مان لو نا آنٹی کی بات، اور کر لو مجھ سے نکاح.... پھر ہم ساتھ مل کر بین ٹین دیکھیے گے۔" اس کے سامنے رکھی کرسی پر بیٹھتے مانو نے معصومیت سے کہا تھا۔ حاتم کا دماغ صحیح معنوں میں گھوما تھا۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے کیا وہ لڈو کھیل کر آیا تھا جو وہ نکاح کا بول رہی تھی۔

"ابھی میں نے تین بار "قبول ہے" بولا ہے نا، اور سائن بھی کیے، تو ہو گیا ہمارا نکاح.... مبارک ہو تمہیں، تم جیت گئی۔ اب ہم دونوں میاں بیوی ہیں۔" مانو کو خونخوار نگاہوں سے گھورتے حاتم نے ایک ایک لفظ چبا چبا کر ادا کیا تھا۔

"میاں بیوی مطلب....؟" معصومیت اب بھی برقرار تھی۔

"مطلب میں اب تمہارا شوہر ہوں۔" اس نے کھا جانے والی نگاہوں سے ایک بار مانو کو گھورا تھا۔

"شوہر کیا ہوتا ہے؟" وہ ابھی بھی نہیں سمجھی تھی۔ یہی وہ لمحہ تھا جب حاتم کو سامنے بیٹھی گڑیا سے ہمدردی ہوئی تھی۔ زیادتی صرف اس کے ساتھ نہیں ہوئی تھی بلکہ اس معصوم کے ساتھ بھی ہوئی تھی جسے ٹھیک سے نکاح اور شوہر کا مطلب تک نہیں پتا تھا۔

"ادھر آؤ...." حاتم نے ہاتھ کے اشارے سے اسے اپنے پاس بلایا تھا۔ وہ چہکتی ہوئی اس کے پاس گئی تھی۔ اس سے بڑی بات اس کے لیے کیا ہو سکتی تھی کہ حاتم خود اسے بلا رہا تھا۔

"اس سب کا کوئی مطلب نہیں ہے۔ تم صرف اپنی پڑھائی پر دھیان دو گی اور میرا انتظار کرو گی۔ وعدہ کرو...." حاتم نے اس کے آگے اپنی ہتھیلی پھیلائی تھی۔ وہ کچھ دیر خالی الذہن کی کیفیت سے اسے دیکھتی رہی تھی پھر مانو نے کھلکھلاتے ہوئے اپنا ننھا ہاتھ اس کی ہتھیلی پر رکھا تھا۔

وہ لاکھ شرارتی صحیح مگر تھی تو ایک چھوٹی بچی ہی نا.... حاتم کسی صورت اس کا بچپن چھننے نہیں دے سکتا تھا۔

"ایک بات سچ سچ بتاؤ تم میرے ساتھ کیوں رہنا چاہتی تھی؟" وہ جاننا چاہتا تھا کہ کہیں اس کے ننھے دماغ میں اس کے والد نے تو یہ بات نہیں ڈالی۔

"کیونکہ تم مجھے اچھے لگتے ہو۔ مجھے تمہارے ساتھ رہنا ہے۔ تمہارے ساتھ کارٹون دیکھنے ہیں اور بہت سارا کھیلنا بھی ہے۔" ہاتھ پھیلا کر اس نے پرجوش انداز میں کہا تھا۔ حاتم نے باقاعدہ اپنا سر پیٹا تھا۔ اس کی ساری زندگی برباد صرف کارٹون دیکھنے اور کھیلنے کی وجہ سے ہوئی تھی۔ اب مزید یہ کتنی برباد ہونی تھی، اگر حاتم کو اس بات کا ذرا سا بھی اندازہ ہوتا تو وہ اس نکاح کے اوپر مرنے کو ترجیح دیتا۔

رات کے تقریباً نو بجے کے قریب وانیہ اور ماہم کی فلائیٹ تھی۔ ساری تیاری تقریباً مکمل تھی۔ وانیہ نے کسی قسم کا کوئی احتجاج نہیں کیا تھا۔

---

ماہم نائل کے کمرے میں نجانے کب سے اسے سمجھانے کی کوشش کر رہی تھی کہ وہ وانیہ کے ساتھ غلط کر رہا ہے مگر نائل نے تو جیسے اپنے کان ہی لپیٹ لیے تھے۔ وہ وانیہ کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔

"نائل ایک بار پھر سوچ لو، رہ لوگے اس کے بغیر؟؟" شاید یہ آخری کوشش تھی۔

"رہ لوں گا۔" لہجے میں پختگی تھی۔

"میرا بس چلے نا پھوپھو! تو میں اسے لندن بھیجنے کے بجائے اسے آج ہی کسی کے ساتھ رخصت کر دوں۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا پھوپھو کہ ہم کسی اچھے سے لڑکے سے وانیہ کا نکاح کروا دیں؟"

"تمہارا دماغ خراب تو نہیں ہے؟ تم جانتے ہو نا کہ یہ ناممکن ہے۔" ماہم کو اس کی دماغی حالت پر شبہ ہوا تھا۔

"ہم اسے ممکن بھی تو کر سکتے ہیں نا....؟" وہ واقعی اس وقت سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کھو چکا تھا۔ وانیہ نے اسے بہت دکھ پہنچایا تھا۔

"نائل! وانیہ شادی شدہ ہے۔" ماہم نے اسے یاد دلانا ضروری سمجھا تھا۔ دروازے کے باہر کھڑی وانیہ کے قدم لڑکھڑائے تھے۔ کون سا انکشاف اس پر کب ہو رہا تھا....؟

وہ جانے سے پہلے نائل سے ملنا چاہتی تھی، اس سے معافی مانگنا چاہتی تھی۔

"نکاح پر نکاح جائز نہیں ہے نائل!"

"جانتا ہوں پھوپھو! مگر یہ تو بچپن کا نکاح ہے نا، اسے تو کچھ یاد بھی نہیں ہے" وانیہ کے لیے ایک لمحہ بھی وہاں مزید رکنا مشکل ہو گیا تھا۔ وہ بھاگتی ہوئی اپنے کمرے کی جانب گئی تھی۔

"نائل نکاح تو نکاح ہوتا ہے۔ اگر پھر بھی تم ایسا کچھ چاہتے ہو تو اسے اس نکاح کے بارے میں سب بتا دو پھر فیصلہ مانو کا ہوگا، وہ چاہے تو اس نکاح کو تسلیم کر لے یا پھر خلع لے لے۔" نائل نے افسوس سے سر جھٹکا تھا۔ اس کے ہاتھ مکمل طور پر بندھے ہوئے تھے، وہ چاہ کر بھی کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ وانیہ کو بچپن کی کوئی بات

بھی یاد نہیں تھی سوائے اس حادثے کے، یہ بات تو نائل بھی اچھی طرح جانتا تھا کیونکہ اس ہی نے تو اسے ایک بالکل مختلف ماحول اور ڈاکٹر کے مشورے سے ادویات دی تھیں مگر اصل بات جس کی وجہ سے وہ وانیہ سے شدید خفا تھا، وہ جان بوجھ کر اس کا یہ پاگل پن کا ڈرامہ کرنا تھا۔

وانیہ کے جانے کے بعد نائل کتنی ہی دیر بے مقصد سڑکوں پر گاڑی گھماتا رہا تھا۔ وہ اسے ابھی سے مس کرنے لگا تھا مگر افسوس تو اس بات کا بھی تھا کہ وہ خود ایک بار بھی اس کے پاس نہیں آئی تھی۔ کاش کہ وہ ایک بار سچے دل سے اس سے معافی مانگ لیتی تو وہ اسے معاف کر دیتا۔ نائل اپنی بہن کو سو قتل بھی معاف کر سکتا تھا۔

اس ساری صورت حال میں وہ اس بات سے مکمل طور پر لاعلم تھا کہ اس کی بہن اس سے مکمل طور پر بدگمان ہو چکی ہے۔

سنسان سڑک کے ایک پار گاڑی روکتے وہ شیشہ کھولے اس سرد اور خنک رات میں سانس لینے کی کوشش کر رہا تھا۔

گاڑی کی پشت سے ٹیک لگائے، آنکھیں موندے وہ اپنی بہن کے ساتھ بتائے خوبصورت لمحات کو یاد کر رہا تھا جب فون کی رنگ سے اس کے خیالات کا تسلسل ٹوٹا تھا۔

ڈیوڈ کی کال دیکھ کر نائل کا دماغ اچھا خاصا گھوما تھا۔ وانیہ کا سارا غصہ اب اس پر نکلنا تھا۔

"کیسے ہیں سالے صاحب؟" اس نے ہشاش بشاش انداز میں پوچھا تھا۔ اس کال کا مقصد نائل کو دو دن پہلے ہوئی سمگلنگ کے بارے میں اطلاع دینا تھا کہ اس کے پیچھے اسی کا ہاتھ تھا اور نائل اور اس کی ناقص ٹیم اتنے سالوں کی محنت کے باوجود بھی ان لوگوں کو نہیں پکڑ سکے تھے۔

"یہ آخری دفعہ ہے جو میں نے تمہاری کال اٹھائی ہے۔اور ایک بات بتادوں تمہیں جس کے لیے کال کرتے ہو نا،وہ اب نہیں ہے یہاں...."نائل کا دماغ تو صرف وانیہ پر ہی اٹکا ہوا تھا۔باقی کسی چیز کی فلحال اسے کوئی پرواہ نہیں تھی۔

"اب مجھ سے رابطہ کرنے کے بجائے سیدھا اس سے رابطہ کرنا۔اس سے پوچھ لو،اگر وہ تمہارے ساتھ جانا چاہے تو لے جاؤ اسے اپنے ساتھ....بلکہ لے ہی جاؤ اسے اپنے ساتھ۔میں اکیلا کیوں بھگتو؟تم بھی تو بھگتو نا...."نائل نے کھٹاک سے فون بند کر دیا تھا۔یہ پہلی بار تھا جب ڈیوڈ کچھ بولنے کے قابل ہی نہیں رہا تھا۔

"لگتا ہے سالے صاحب آج کچھ زیادہ ہی غصے میں ہیں۔"اس نے سر جھٹکتے فون سائیڈ پر رکھا تھا۔

"ویسے آفر تو کافی اچھی ہے۔"وہ سوچ میں پڑ گیا تھا۔

"سالے صاحب نے خود ہی اجازت دے دی مجھے...."اس کی آنکھوں میں خوشی کی چمک ابھری تھی۔

"لیکن میں ایسا کچھ نہیں کروں گا۔"ڈیوڈ نے ایک بار پھر اپنا فون اٹھایا تھا۔

"مام چاہتی تھیں کہ تمہارے اکیس سال کے ہونے پر ہی ہماری رخصتی ہو۔"اس نے وانیہ کی تصویر کو زوم کیا تھا۔

"بس کچھ وقت اور...."اس نے اس کی ٹھوڑی پر موجود تل پر اپنی شہادت کی انگلی رکھی تھی۔وہ اس کے سامنے موجود نہیں تھی پھر بھی وہ اس کا لمس محسوس کر رہا تھا۔

"لیکن....!"اب اس نے اس کی آنکھوں کو زوم کیا تھا۔

"اس سے پہلے اگر تم خود مجھ تک آئی تو پھر وعدہ کرتا ہوں،دنیا کی کوئی طاقت ہمیں جدا نہیں کر سکتی۔میں کسی صورت اس بار تمہیں خود سے دور نہیں جانے دوں گا۔"اس کے چہرے کو آنکھوں میں سماتے اس نے عہد کیا تھا۔

فون سائیڈ پر رکھے اب اس نے اپنے وائلٹ میں سے ایک کاغذ نکالا تھا۔

کاغذ پر بچوں کی ہینڈ رائیٹنگ میں تین بار "قبول ہے" لکھا ہوا تھا، ڈیوڈ نے ان سطروں کو چھوا تھا۔

"ٹڈی....!" اس کے لب خو بخود ہلے تھے اور ساتھ ہی ساتھ لبوں پر ہلکا سا تبسم لہرایا تھا۔

وانیہ کے جانے کے بعد نائل کا سارا سکون درہم برہم ہو چکا تھا۔ گھر جانے کا اس کا کوئی موڈ نہیں تھا۔ اس گھر کی خالی دیواریں اب اسے وحشت زدہ لگ رہی تھیں۔ لہذا اس نے فارم ہاؤس جانے کا فیصلہ کیا تھا۔

کمرے کے اندر داخل ہوتے ہی وہ چینج کر کے بستر پر لیٹا تھا۔ سنیہا اور اس کے درمیان کسی قسم کی کوئی گفتگو نہیں ہوئی تھی۔ نائل کو مسلسل اپنی پیشانی مسلتے دیکھ وہ چپ چاپ اٹھ کر کچن میں گئی تھی۔ تھوڑی دیر بعد وہ اسکے لیے کافی بنا کر لائی تھی۔ خاموشی سے ٹیبل پر کافی رکھے ابھی وہ مڑنے ہی لگی تھی جب نائل نے اس کی کلائی تھامی تھی۔

"گھڑی پر بارہ بجے ہوئے ہیں، سمجھ آتا ہے۔ یہ تمہارے چہرے پر کیوں بارہ بجے ہوئے ہیں؟" بیڈ کراون سے ٹیک لگاتے نائل نے اسے اپنے پاس بٹھایا تھا۔ سنیہا خاموشی سے نظریں جھکائے مسلسل اپنے ہونٹ کتر تی رہی تھی۔

"بات کروا تو دی تھی تمہاری۔" اس نے کافی کا کپ تھامے دوسرے ہاتھ سے سنیہا کا ہاتھ تھاما تھا۔

"اگر جانے دیتے تو کیا ہو جاتا؟" لب کترتے وہ شکوہ کر رہی تھی، اور اس کا شکوہ بالکل بجا تھا۔

"ایک بات اپنے دماغ میں بٹھا لو کہ تم وہاں کبھی نہیں جاؤ گی۔ میں نے تمہاری بات کروا دی۔ تم نے ویڈیو کال کر لی، اتنا کافی ہے۔" وڈیو کال کے بعد وہ کافی حد تک مطمئن تھی۔ اس کے والد کی حالت کافی بہتر تھی۔

"کیا آپ میرے ڈیڈ کو معاف نہیں کر سکتے؟" سنیہا نے بہت مان سے اس کے ہاتھ پر دباؤ ڈالتے پوچھا تھا۔

"تمہارا فون کہاں ہے؟" اس کے الٹا سوال کرنے پر سنیہا نے گہری سانس خارج کی تھی۔ شاید وہ ساری زندگی اب اپنے گھر والوں سے نہیں مل سکتی تھی۔

بغیر کسی احتجاج کے اس نے خاموشی سے نائل کو اپنا فون لا کر دے دیا تھا۔

"تمہیں اب اس کی ضرورت نہیں ہے۔" اس نے فون سائیڈ ٹیبل پر رکھتے کہا تھا۔

"ہفتے میں ایک بار تم اپنے گھر فون کر سکتی ہو۔" سنیہا کا معنوں سانس رکا تھا۔ وہ تو نائل کی غیر موجودگی کا فائدہ اٹھاتے نجانے دن میں کتنی دفعہ اپنے گھر کال کرتی تھی۔

"لیکن نائل....!"

"پندرہ دن میں ایک دفعہ....!" اس کے کسی بھی احتجاج سے پہلے ہی وہ اپنا فیصلہ بدل چکا تھا۔

"مگر...."

"ایک مہینے میں ایک دفعہ....!" اب کی بار سنیہا نے اپنی زبان پر قفل لگایا تھا۔ اسے ڈر تھا کہ کہیں وہ ساری زندگی اپنے گھر والوں سے بات کرنے سے محروم نا ہو جائے۔

کچھ دیر خاموشی کی نظر ہوئی تھی۔ نائل اپنی جگہ لیٹا تھا اور سنیہا لیمپ آف کیے اپنی سائیڈ پر آ کر لیٹی تھی۔

نائل نے ابھی آنکھیں بند ہی کی تھیں جب سنیہا کی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تھی۔

"کیا آپ کو مجھ سے محبت ہے؟" نائل اپنی آنکھیں کھولنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ خاموشی کا لمبا وقفہ ان دونوں کے درمیان آیا تھا، شاید وہ جواب تلاش کر رہا تھا۔

"مجھے اپنی پہلی بیوی سے بے انتہا محبت ہے۔" یہ کہتے ساتھ ہی اس نے کروٹ بدلی تھی۔ سنیہا اس کے عجیب وغریب اظہار پر کچھ دیر سوچتی رہی تھی پھر اچانک ہی اس کے لب مسکراہٹ میں ڈھلے تھے۔ کم از کم وہ اس سے محبت تو کرتا تھا، یہی احساس ہی سنیہا کے لیے بہت تھا۔

سنیہا نے صبح صبح اٹھ کر بہت محبت سے نائل کے لیے ناشتہ تیار کیا تھا۔اس کے کل رات کے اظہار محبت نے تو جیسے اسے ایک نئی زندگی بخشی تھی۔

"آج کوئی خاص دن ہے کیا؟"اپنے عقب سے وجاہت سے بھرپور مردانہ آواز سنتے وہ پلٹی تھی۔ بالکل سادہ حلیہ، بھوری ٹی شرٹ کے ساتھ ٹراؤزر پہنے وہ سنیہا کے دل کی ڈھرکنیں بے ترتیب کر گیا تھا۔اوپر سے ماتھے پر بکھرے گیلے بال.... وہ ہمیشہ ہی اس کے آگے ہار جاتی تھی۔ وہ اس وقت بالکل رف اینڈ ٹف لگ رہا تھا۔

"نہیں تو....؟"اپنے جذبات پر قابو پاتے وہ مسکرائی تھی۔

"تو پھر یہ سب....؟"نائل کا اشارہ ڈائننگ ٹیبل پر بکھرے لوازمات کی جانب تھا۔

"بس ویسے ہی دل چاہ رہا تھا۔"

"ہمم.....!"گہری نظروں سے اس کا جائزہ لیتے نائل نے سربراہی کرسی سنبھالی تھی۔

نیلے اور سفید رنگ کے امتیاز کے سوٹ میں ملبوس، بالوں کو آدھ کیچر میں مقید کیے وہ نائل کو اچھی لگی تھی۔اوپر سے اس کا گلال، بھرا ہوا چہرہ....

"آج تم کچھ الگ سی لگ رہی ہو۔"وہ کہے بنا نا رہ سکا تھا۔سنیہا کے رنگ ڈھنگ آج اسے کچھ عجیب لگے تھے۔

"جب شوہر اپنی بیوی سے اظہار محبت کرتا ہے نا تو اس کے چہرے پر ایسے ہی رونق چھا جاتی ہے۔"کرسی گھسیٹتے سنیہا نے پلیٹ اٹھائی تھی۔

"اظہار محبت....؟"وہ نا صرف چونکا تھا بلکہ اس کے ماتھے پر شکنیں بھی ابھری تھیں۔

"ہاں! اظہار محبت....!"اس کے کپ میں گرینٹی انڈیلتے وہ دلکشی سے مسکرائی تھی۔نائل کچھ دیر افسوس سے اسے دیکھتا رہا تھا پھر اس نے سر جھٹکتے گرینٹی کا سپ بھرا تھا۔

"یہ اظہار محبت تمہارے لیے نہیں تھا۔" کچھ دیر بعد اس نے ہنوز سنجیدگی سے کہا تھا۔

"تو پھر کس کے لیے تھا؟" اس کا حیران ہونا بنتا تھا۔ وہ اس کی بیوی تھی، اور اس نے یہی کہا تھا کہ اسے اپنی بیوی سے بے انتہا محبت ہے۔

"میری پہلی بیوی کے لیے...." ٹیبل پر رکھے ہاتھ ایک لمحے کے لیے کانپے تھے۔ یہ اس کی برداشت سے باہر تھا۔ شراکت داری وہ برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

کچھ دیر خاموشی کی نظر ہوئی تھی۔ پھر بامشکل اپنے وجود کی لرزش پر قابو پاتے سنیہا کے لب ہلے تھے۔

"مجھ سے پہلے تمہاری زندگی میں کتنی لڑکیاں تھیں؟" اس کا سارا وجود انگاروں پر لوٹ رہا تھا۔ کاش کہ وہ انکار کر دے۔ کاش کہ وہ کہہ دے کہ میں مذاق کر رہا تھا۔ میری زندگی میں تمہارے علاوہ اور کوئی نہیں.... سنیہا کا دل دعاؤں کا ورد کر رہا تھا۔ مگر اس بیچاری کے تو وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اس شخص کا جواب اس کے اعصاب بالکل شل کر دے گا۔

"اب تم نے پوچھ ہی لیا ہے تو بتا دیتا ہوں۔ پچاس گرل فرینڈز تھیں میری، پندرہ منگیتر.... چار بار بات مہندی تک پہنچی لیکن بیویاں ٹوٹل اکیس تھیں میری.... ایک خود مر گئی، انیس کو میں نے مار دیا اور اکیسویں تم ہو۔ اب بتاؤ تمہارے ساتھ کیا کروں۔ زندہ دفنا دوں تمہیں....؟" نائل اس کے چہرے کے بدلتے ہر تاثر سے محظوظ ہوا تھا۔

اس کے چہرے پر نجانے کتنے رنگ آ کر گزرے تھے۔ حیرانگی، بے یقینی، صدمہ اور نجانے کیا کیا.....

"تت.... تم مذاق کر رہے ہو نا....؟" اس بیچاری کے چہرے کی نا صرف ہوائیاں اڑی تھیں بلکہ اس کا چہرہ تو بالکل زرد پڑ چکا تھا۔

"میرا تمہارا کیا مذاق....؟" چہرے پر آج بھی وہی ازلی سنجیدگی تھی۔ ابھی اگر وہ کرسی پر نا بیٹھی ہوتی تو یقیناً زمین پر گر جاتی۔

"ناشتہ اچھا بنایا ہے تم نے...." اس کا دائیاں گال تھپتھپاتے وہ اسے اس بے یقینی کی کیفیت میں چھوڑ کر جا چکا تھا۔

سنیہا نے پانی کا گلاس لبوں سے لگائے خود کو ریلیکس کرنے کی بھرپور کوشش کی تھی۔

"میں پاگل ہو جاؤں گی۔" اس نے اپنا سر تھامتے بے بسی سے کہا تھا۔ وہ نائل آفندی کی بیوی تھی، وہ اسے کیسے نارمل رہنے دے سکتا تھا۔

سنیہا اپنے پوچھے گئے سوال پر ہی پچھتائی تھی۔ آخر ضرورت ہی کیا تھی اس قسم کا سوال پوچھنے کی.... کوئی سیدھا جواب تو دے نہیں سکتا تھا وہ شخص.... سنیہا نے اپنا سر جھٹکا تھا۔

وہ اسے مذاق ہی سمجھی تھی، ایک بھیانک مذاق جبکہ در حقیقت وہ سچ بول کر بھی اس کا دھیان بھٹکانے اور اسے گمراہ کرنے میں کامیاب ٹھہرا تھا۔

---

نائل تیار ہو کر اپنی گاڑی کی جانب بڑھا ہی تھا جب اسے محسن کا میسج موصول ہوا تھا۔ وہ اس سے ملنا چاہتا تھا اور وہ بھی اسی وقت.... نائل نے گاڑی کا رخ اس کے گھر کی جانب موڑا تھا۔

---

---

(لندن)

---

طلوع فجر کے وقت موسم میں موجود خنکی جسم کو چٹخا دینے کی صلاحیت رکھتی تھی۔ پورے گھر میں ہیٹنگ سسٹم آن تھا۔ فلیٹ کے ایک کمرے میں وحشت چھائی ہوئی تھی، کسی قبرستان سے کئی گنا زیادہ وحشت اور سناٹا....

لیمپ کی روشنی نے کمرے کو روشن کیا ہوا تھا۔ وہ بستر کے ایک کونے میں دبکی بیٹھی تھی۔ آنکھوں میں نیند کا خمار تھا۔ وہ سونا چاہتی تھی مگر کوئی انجانہ خوف اسے سونے نہیں دے رہا تھا۔

وانیہ کو یہاں آئے ایک ہفتہ گزر چکا تھا مگر اس کی حالت بد سے بد تر ہوتی جا رہی تھی۔ وہ رفتہ رفتہ اپنے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کھوتی جا رہی تھی۔ دن میں وہ بالکل ٹھیک رہتی تھی مگر رات.... رات اس کی پل صراط پر گزرتی تھی۔ اسے اب صرف اس آواز کا خوف نہیں تھا بلکہ اسے اب ہر چیز خوفزدہ کرتی تھی۔

پردہ کی سرسراہٹ، لیمپ کا بجھنا، ہلکی سی آواز.... وہ ہر چیز سے خوف محسوس کرنے لگی تھی۔ دن کے وقت یہ خوف کہیں غائب ہو جاتا تھا مگر رات کے وقت یہ خوف اس پر غالب آ جاتا تھا۔

آج کی رات بھی بہت مشکل گزری تھی۔ سورج کی روشنی کمرے میں آنے تک وہ بستر سے ایک انچ بھی نہیں ہلی تھی۔ صبح ہونے کا یقین کرتے وانیہ نے شاور لیے چینج کیا تھا۔ آج اس کا یونیورسٹی میں پہلا دن تھا۔

وہ خود بھی یونیورسٹی جانا چاہتی تھی، شاید اسطرح اس کا یہ خوف ختم ہو سکے۔

فلیٹ میں موجود چھوٹی سی ڈائننگ ٹیبل پر وانیہ اور ماہم نے ناشتہ کیا تھا۔ دونوں کے درمیان کسی قسم کی کوئی گفتگو نہیں ہوئی تھی اور یہ روز کا معمول تھا۔ نا ماہم اسے خود سے مخاطب کرتی تھی اور نا ہی وانیہ نے کبھی کوشش کی تھی۔

یونیورسٹی جاتے ساتھ ہی وانیہ نے خاموشی سے اپنی کلاسیز لی تھیں۔ وہاں کی خوبصورتی میں اسے کوئی نہیں دلچسبی نہیں تھی۔

لیکچرز لینے کے بعد وہ خاموشی سے کوریڈور سے گزر رہی تھی جب اس کی نظر ایک لڑکے پر پڑی تھی جو مسلسل ایک فرنگن کے ساتھ بحث کر رہا تھا۔ وانیہ یہاں سے اس کی پشت ہی دیکھ پائی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ سر جھٹک کر آگے بڑھتی، اس لڑکے کی حرکت نے اسے رکنے پر مجبور کر دیا تھا۔

اس نے چند نوٹ اس لڑکی کے منہ پر مارے تھے۔ وانیہ کا دماغ گھوم گیا تھا۔ وہ خود ایک لڑکی تھی، کسی اور لڑکی کی تذلیل برداشت کرنا اس کے لیے بہت مشکل تھا۔

“Excuse me!”

وانیہ نے اپنا ہاتھ اس کے کندھے پر رکھا تھا۔

“Yes....?”

وہ اس کی جانب پلٹا تھا۔

سادہ سا حلیہ، ہلکی بڑھی ہوئی شیو، کسرتی جسامت اور شعلے کی مانند جلتی آنکھیں.... وانیہ کو یہی محسوس ہوا تھا۔ وہ زیادہ دیر تک ان آنکھوں میں نہیں دیکھ سکی تھی۔

"کیا آپ کو یہ سب زیب دیتا ہے؟" وانیہ نے آنکھیں سکیڑے سر تا پیر اس شخص کو گھورا تھا۔ دیکھنے میں وہ بھی سٹوڈنٹ ہی معلوم ہوتا تھا۔

"کیا....؟" اس نے حیران ہوتے پوچھا تھا۔

"اسطرح ایک لڑکی کے ساتھ اس قسم کا سلوک کرنا...." اس کے حلیے سے وہ پہچان چکی تھی کہ وہ مشرقی ہے اور اردو اچھی طرح سمجھتا ہے۔

"آپ ہوتی کون ہیں مجھ سے یہ سوال کرنے والی؟" ان دونوں کی بحث میں وہ امیر کن لڑکی موقع کا فائدہ اٹھاتی وہاں سے رفو چکر ہو چکی تھی۔

"ایک پاکستانی ہو کر آپ ایسا کیسے کر سکتے ہیں؟"

"کس نے کہا کہ میں پاکستانی ہوں، میں انڈین ہوں اور آپ...." اس کی نظر اب سامنے پڑی تھی جہاں سے وہ لڑکی غائب تھی۔

"بھاگ گئی، آپ کی وجہ سے بھاگ گئی وہ...." اسے شدید صدمہ پہنچا تھا۔

"سارے پیسے ڈوب گئے میرے۔" اس نے افسوس سے سر نفی میں ہلایا تھا۔ وانیہ کو کچھ کھٹکنے لگا تھا۔

"مطلب....؟"

"مطلب یہ کہ اس نے میرا نقصان کیا اور جب میں نے پیسے مانگے تو چند چلر میرے منہ پر دے مارے، میں نے بھی اٹھا کر وہی اس کے منہ پر دے مارے۔ اس سے پہلے کہ میں اس سے ساری رقم وصول کرتا، آپ آ گئیں۔" وانیہ نے آنکھیں میچے نظریں چرائی تھیں۔

"اب بتائیں کہ کہاں ڈھونڈو میں اسے....؟"

"آئی۔ ایم۔ سوری!" وہ صحیح معنوں میں شرمندہ ہوئی تھی۔

"آپ مجھے بتا دیں کہ آپ کا کتنا نقصان ہوا ہے۔ میں بھر دوں گی۔"

"اس کی ضرورت نہیں ہے۔" اپنا بیگ پہنے وہ منہ میں کچھ بڑبڑاتا ہوا وہاں سے گیا تھا۔

"لیکن میری بات تو سنیں...." وہ اس کے پیچھے گئی تھی۔

"آپ مجھے بتا دیں کہ آپ کا کتنا نقصان ہوا ہے۔ ایسے مجھے سکون نہیں آئے گا۔" وانیہ نے اس کے سامنے جاتے راستہ روکا تھا۔

"جتنا نقصان ہونا تھا، ہو گیا۔ میں بلاوجہ اجنبیوں سے پیسے نہیں لیتا۔" وہ بڑی رسانیت سے اس کی آفر ٹھکرا چکا تھا۔

"ٹھیک ہے، پھر ہم دوستی کر لیتے ہیں۔ میرا نام وانیہ ہے اور آپ کا....؟" وانیہ نے دوستی کے لیے ہاتھ آگے بڑھایا تھا، جسے وہ مکمل طور پر نظر انداز کر گیا تھا۔

"آپ پلیز میرا راستہ چھوڑ دیجیں۔" اس نے نہایت تحمل اور ادب کے دائرے میں رہ کر کہا تھا۔

"حد ہے یار! ایک تو میں دوستی کا ہاتھ آگے بڑھا رہی ہوں اور تمہارے نخرے ہی نہیں ختم ہو رہے۔" وہ اپنی پہلی ٹون میں واپس آئی تھی۔

"تو آپ سے کس نے کہا ہے کہ یہاں کھڑے رہ کر میرے نخرے برداشت کریں؟" وانیہ کا بے اختیار منہ کھل گیا تھا۔ کس قدر اکھڑ مزاج تھا وہ شخص...

"ہونا پھر انڈین....؟ دکھا دی نا اوقات...." وہ غصے سے پیر پٹختی وہاں سے گئی تھی۔

"Excuse me....?"

احمر کے تو تن بدن میں آگ ہی لگ گئی تھی۔ اس نے تیزی سے وانیہ کا راستہ کاٹا تھا۔

"اپنی بات کی وضاحت دینا پسند کرے گئی آپ....؟" اس کا چہرہ غصے سے سرخ پڑا تھا۔

"نہیں!" وانیہ تو پھر وانیہ تھی۔

"ہیں نا پھر آپ پاکستانی....؟" منہ بنائے وہ بھی آگے بڑھا تھا۔ اس تذلیل پر وانیہ کا دماغ تو ہتھے سے ہی اکھڑ گیا تھا۔

وہ ایک بار پھر اس کے پیچھے گئی تھی۔

"سمجھتے کیا ہو تم خود کو....؟"

"اگر یہی سوال میں آپ سے پوچھوں تو....؟" وہ اچھا خاصا زچ ہوا تھا۔ وہ لڑکی تو اس کا پیچھا ہی نہیں چھوڑ رہی تھی۔

"میں تو ایک نہایت عقلمند لڑکی ہوں۔" وانیہ نے ایک ادا سے بالوں کو جھٹکا دیا تھا۔ احمر تو اس کے کانفیڈینس پر دنگ ہی رہ گیا تھا۔

"اور میں انتہائی بیوا قوف جو آپ سے بات کر کے اپنا قیمتی وقت ضائع کر رہا ہوں۔" وہ ایک دوسرے کو بھگو بھگو کر مار رہے تھے۔

"دیکھیں مسٹر انڈین! اب آپ اپنی حد پار کر رہے ہیں۔" وانیہ نے اسے انگلی دکھائی تھی۔

"دیکھیں مس پاکستانی! میرا راستہ چھوڑ دیجیں۔" اس کی ڈریسنگ اور بات چیت کے انداز سے صاف واضح تھا کہ وہ پاکستانی ہے۔

"ہاں ٹھیک ہے، مجھے بھی کوئی شوق نہیں ہے تم سے مزید بات کرنے کا... ویسے تم شکل سے بالکل بھی ہندو نہیں لگتے۔" احمر کے ماتھے کی شکنیں مزید گہری ہوئی تھیں۔

"آپ سے کس نے کہا کہ میں ہندو ہوں؟" وہ اس کے ضبط کو اچھا خاصا آزما رہی تھی۔

"تم انڈین ہو...." وانیہ نے نہایت فضول لاجک پیش کیا تھا۔

"انڈیا میں بھی مسلمان رہتے ہیں اور پاکستان سے زیادہ رہتے ہیں۔ بالکل ویسے ہی جیسے پاکستان میں ہندو رہتے ہیں، خود کو ہی دیکھ لیجیں۔" احمر نے پورا پورا انتقام لیا تھا۔

"What....?"

"میں ہندو نہیں ہوں۔" وانیہ نے دانت کچلاتے کہا تھا۔

"تو پھر کرسچن ہوں گی۔" انداز بے حد لاپرواہ تھا۔

"میں مسلمان ہوں۔" وہ احتجاجا چیخ اٹھی تھی۔

"کیا....؟" اب کی بار حیران ہونے کی باری احمر کی تھی۔

"لگتی تو نہیں ہیں۔" احمر نے بے یقینی سے اس کی جانب دیکھا تھا۔ وانیہ کی ڈریسنگ ویسے ہی کافی بولڈ تھی اور لندن آکر تو اس نے بچا کچا لحاظ بھی چھوڑ دیا تھا۔

ابھی بھی اس کی جینز کے گھٹنے برہنہ تھے اور شرٹ نہایت چست، گلا گہرا اور بازو نیم برہنہ تھے۔

"اچھا....! تو آپ ہی بتا دیجیے کہ آپ کی نظر میں مسلمان ہونے کی کیا پہچان ہے؟" کمر پر دونوں ہاتھ رکھے وانیہ نے منہ بنائے استفسار کیا تھا۔

"مسلمان کا تو پتا نہیں مگر مومن عورتوں کی کچھ خصوصیات بتا دیتا ہوں آپ کو.... مومن عورتیں پردہ کرتی ہیں۔ اپنی زینت کسی نامحرم پر عیاں نہیں کرتیں۔ وہ نماز پڑھتی ہیں اور اپنے دین پر کبھی کمپرومائز نہیں کرتیں۔ اب براہ مہربانی میرا راستہ چھوڑیں اور مزید ایک مومن مرد کا ایمان خراب مت کیجیے۔" وہ ایک سائیڈ سے ہو کر نکل گیا تھا۔

وانیہ ہکا بکا وہیں کھڑی رہ گئی تھی۔

"میں ایمان خراب کر رہی ہوں؟"

"ٹھرکی انڈین کہیں کا...." پیر پٹختے وہ غصے سے آگے بڑھی تھی۔

"سمجھتا کیا ہے خود کو....؟" اپنے کمرے میں چکر لگاتے لگاتے وانیہ کا سانس پھول چکا تھا مگر غصہ کسی صورت کم نہیں ہو رہا تھا۔

"میری طرف دیکھنے سے ایمان خراب ہوتا ہے صاحب کا.... تو مت دیکھے نا۔" پھولے تنفس کے ساتھ وہ تھک ہار کر بستر پر بیٹھی تھی۔

"کہیں لائن وائن تو نہیں مار رہا تھا؟"

"نہیں نہیں! ایسا لگتا تو نہیں ہے۔" وانیہ نے اپنی سوچ کی تردید کی تھی۔

"مگر ہے تو نہایت بے مروت اور فضول شخص.... مومن عورتیں یہ کرتی ہیں، وہ نہیں کرتی، بڑا آیا مومن مرد...."وانیہ نے ہاتھ آگے بڑھا کر ہاتھ میں کشن دبوچا تھا۔

"وانیہ آفندی کو للکار کر تم نے ٹھیک نہیں کیا مسٹر انڈین! جواب تو منہ توڑ دوں گی میں تمہیں...."اس نے کشن کو زور سے بھینچتے تہیہ کیا تھا۔

کچھ دیر اپنے کمرے میں رہنے کے بعد اچانک ہی وانیہ کے ذہن نے کام کرنا شروع کیا تھا۔

"بڑا آیا مجھے مومن عورتوں کی صفات بتانے والا..... تمہاری ہی کتاب سے تمہیں مومن مردوں کی صفات بتا کر شرمندہ نا کیا نا تو میرا نام بھی وانیہ آفندی نہیں...."کشن سائیڈ پر اچھالتے وہ بھاگتے ہوئے باہر گئی تھی۔

ماہم تو اس وقت گھر پر موجود نہیں تھی مگر ملازمہ کے پاس ضرور قرآن پاک ہو سکتا تھا۔

"تمہارے پاس قرآن پاک ہے؟"وہ کچن میں برتن دھوتی ملازمہ کے سر چڑھی تھی۔

"جی ہے۔"وہ شکل سے ہی وانیہ کو کافی مذہبی لگتی تھی۔

"ترجمے والا ہے؟"آنکھوں میں کسی کو شکست دینے کی چمک لیے اس نے اگلا سوال پوچھا تھا۔

"ترجمے والا تو نہیں ہے۔"اس جواب پر اسے مایوسی ہوئی تھی۔

"اچھا چلو جو ہے وہ لا دو۔"ملازمہ نے وانیہ کو قرآن پاک لا کر دیا تھا جسے وہ ایک ہی جھٹکے سے جھپٹتی کمرے میں کہیں گم ہوئی تھی۔

ملازمہ کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا تھا۔اسے وانیہ پر شدید غصہ بھی آیا تھا، آخر کیسے وہ بغیر سر پر کچھ اوڑھے اس مقدس کتاب کو چھو سکتی تھی۔

"اب میں بتاتی ہوں تمہیں مومن مردوں کی صفات.... مومن مرد بھی کسی غیر عورت سے بات نہیں کرتے، مگر یہ بات تو ریفرینس سے ہی بتاؤں گی میں تمہیں...." ایک کرسی پر بیٹھتے وانیہ نے آکسائیٹڈ ہوتے قرآن پاک کھولا تھا۔

وانیہ نے سادہ طرز کے سرخ گلاف میں لپٹی وہ کتاب کھولی تھی۔

خوبصورت طرز کی جلد، کالے رنگ میں لکھے گئے وہ حروف، وہ قدیم زبان.... وہ ایک پل کے لیے مسمرائیز ہوگئی تھی۔ اس قدیم کتاب نے پہلی بار اس پر سحر قائم کیا تھا یا پھر شاید وانیہ نے پہلی بار اس کتاب کو کھولا تھا۔

وانیہ نے قرآن پاک اٹھا کر اپنی گود میں رکھا تھا۔ اب وہ اس کے پنے پلٹتی مسلسل ان حروفوں پر نظر دوڑا رہی تھی۔ وہ کبھی قرآن پاک درمیان سے کھولتی، کبھی آخر سے تو کبھی کہیں سے.... مزید دو منٹ گزرنے کے بعد ایک آواز نے اس کے تخیل میں خلل ڈالا تھا۔

"اللہُ اَکبرُ اللہُ اَکبرُ، اللہُ اَکبرُ اللہُ اَکبرُ" ہواؤں نے مؤذن کی آواز کو اس بند کمرے تک پہنچایا تھا۔ یہ عصر کا وقت تھا۔ ان کے فلیٹ کے پاس ہی ایک چھوٹی سی مسجد تھی جہاں پر بغیر سپیکر کے آذان دی جاتی تھی مگر کھڑکی کھلے ہونے کی وجہ سے وہ آواز باآسانی وانیہ کے کمرے تک پہنچ جاتی تھی۔

وانیہ نے لاشعوری طور پر قرآن پاک کو بند کر کے میز پر رکھا تھا۔ اب اس کا رخ کھڑکی کی جانب تھا جہاں سے تیز ہواؤں کے ساتھ اذان کی صدائیں بھی بلند ہو رہی تھیں۔ وہ غیر محسوس انداز میں کھڑکی کے پاس جا رکی تھی۔

تیز ہوا کے جھونکے اس کی زلفوں کے ساتھ اٹکھیلیاں کر رہے تھے۔ آنکھیں بند کیے اس نے کھڑکی کے پٹ کو سختی سے پکڑا تھا۔ موذن کی ہر صدا کے ساتھ وہ اپنے اندر ایک سکون اترتا ہوا محسوس کر رہی تھی۔

آذان کے مکمل ہوتے ہی اس نے پٹ آنکھیں کھولی تھیں۔اس کے دل کی ڈھڑکنیں معمول سے تیز ہوئی تھیں۔

اس کے جسم میں خون تیزی سے سرایت کرنے لگا تھا۔یہ انجانہ احساس وہ آج سے پہلے کبھی محسوس نہیں کر پائی تھی۔گہری سانس اندر کھینچتے وہ واپس اپنی جگہ پر گئی تھی۔وانیہ نے ایک بار پھر قرآن پاک اٹھایا تھا۔اب کی بار اس نے قرآن کو درمیان یا آخر سے نہیں کھولا تھا بلکہ اس نے ابتدائیہ صفحہ کھولا تھا۔

"بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝ "اس کالی سیاہی سے لکھے حروف کو چھوتے وانیہ کے لب ہلے تھے۔

"اَلۡحَمۡدُ...."

"یہ میں کیا کر رہی ہوں۔اس لڑکے کو جواب دینا تھا میں تو یہ پڑھنے ہی بیٹھ گئی۔"اس نے ایک جھرجھری لیتے قرآن پاک کو بند کیا تھا۔

قرآن کو وہیں میز پر چھوڑے وانیہ اپنے بستر کی جانب بڑھی تھی۔اس پر نیند غالب آئی تھی۔اس نے اس وقت نیند کو قرآن پر ترجیح دی تھی۔اس لڑکے کو سبق سکھانے کا تو وہ کوئی اور راستہ بھی نکال سکتی تھی،اس کے لیے قرآن پڑھنا ضروری نہیں تھا۔

زندگی کے سفر میں بعض حادثات ضروری

ہوتے ہیں....

اک سبق،اک تجربہ،اک ٹھوکر....

الحمد سے سفر کا آغاز ہو چکا تھا....

اب والناس تک منزل کی تکمیل ہونا باقی تھا۔

---

ایک اور وحشت زدہ رات میں وہ بستر پر ڈری سہمی بیٹھی تھی۔ وانیہ نے دوائی کھانا چھوڑ دی تھی جس وجہ سے اس کی حالت مزید خراب ہو رہی تھی۔ وہ آواز تو اسے سنائی دینا کب کی بند ہو چکی تھی مگر اس آواز کا خوف اس کے دل سے گیا نہیں تھا۔ وہ اتنے سالوں تک جس اذیت سے گزرتی رہی تھی، اسے بھولنا اتنا آسان نہیں تھا۔

"میں سونا چاہتی ہوں۔" بے بسی سے روتے ہوئے اس نے اپنا سر گھٹنوں میں دیا تھا۔

"پلیز مجھے سونے دو۔" ذہن میں اب بھی وہی ہولناک آواز گردش کر رہی تھی۔

"میں سونا چاہتی ہوں۔" بستر پر لیٹتے وہ ہچکیوں سمیت رو دی تھی۔

"یا اللہ! میں سونا چاہتی ہوں۔" اپنی دھن میں وہ یہ جملہ تین بار دھرا چکی تھی پھر اچانک ہی اپنے کہے گئے جملے پر غور کرتے وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھی تھی۔

یہ پہلی بار نہیں تھا، وہ پہلے بھی کئی بار اللہ کو ایسے ہی پکارتی تھی۔

مشکل کے وقت تو انسان کو اللہ ہی یاد آتا ہے۔ وانیہ کو بھی

اللہ ہی یاد آتا تھا مگر اس کا ذہن اس حقیقت کو تسلیم ہی نہیں کرتا تھا کہ وہی ذات برحق ہے۔ شاید یہ منافقت تھی مگر وانیہ کی ذہنی کیفیت اس وقت کچھ بھی سمجھنے سے قاصر تھی۔

وہ کچھ دیر کانپتے وجود کے ساتھ وہاں بیٹھی رہی تھی پھر اچانک اس کے دماغ میں ایک خیال آیا تھا۔ وانیہ نے کپکپاتے ہاتھوں سے اپنا فون اٹھایا تھا۔ آذان ڈاؤن لوڈ کیے وانیہ نے پلے کا بٹن دبایا تھا۔ موبائل کو اپنے سرہانے رکھے اس نے کسی چھوٹے بچے کی طرح کمبل سر تا پیر تانا تھا۔ تقریباً بیس بعد ہی اس پر نیند غالب آئی تھی۔

اگلے دن وانیہ اس انڈین شخص کو ڈھونڈھنے کی جدوجہد میں ساری یونیورسٹی چھان چکی تھی۔

"کہاں گیا ٹھرکی انڈین....؟" وانیہ نے آخری بار متلاشی نگاہوں سے ارد گرد نظر گھمائی تھی۔ اسے وہ سامنے آڈیٹوریم سے آتا دکھ گیا تھا۔

آنکھوں میں چمک لیے وہ بھاگتی ہوئی اس کی طرف گئی تھی۔

"ہائے مسٹر ٹھرکی انڈین!" احمر کے ماتھے پر بل پڑ گئے تھے۔

"میرا مطلب ہے مسٹر انڈین!" اس کی گھوری وانیہ کو اپنا بیان بدلنے پر مجبور کر گئی تھی۔

"کیسے ہو؟" وہ ایسے گویا ہوئی تھی جیسے ان دونوں کے درمیان گہری دوستی ہو۔

احمر نے سر جھٹکتے اپنا راستہ ناپا ہی تھا جب وانیہ کالی بلی کی طرح اس کی راہ میں رکاوٹ بنی تھی۔

"دیکھو ہمارے درمیان کل جو بھی ہوا اسے بھول جاتے ہیں۔ میں تمہیں دوستی کی آفر کرتی ہوں۔" وانیہ نے مسکرا کر ہاتھ آگے بڑھایا تھا۔

"میں آپ کی اس آفر کو رد کرتا ہوں۔" احمر نے اس کی جانب دیکھنے سے گریز کیا تھا۔

"گڈ اچھی بات ہے۔ مجھے بھی تم سے دوستی کا کوئی شوق نہیں ہے میں تو بس تمہیں آزما رہی تھی کہ تم واقعی میں ٹھرکی ہو یا نہیں...." دانتوں کی بھرپور نمائش کرتے وہ اپنا بیان بدل گئی تھی۔

"آپ مجھے آزمانے والی ہوتی کون ہیں؟" ہاتھ پر ہاتھ باندھے اس نے سختی سے استفسار کیا تھا۔

"تمہاری ماں...." وہ دل ہی دل میں گویا ہوئی تھی۔ اس کے آگے پیچھے گھومنے کا واحد مقصد اسے سبق سکھانا تھا۔

وہ نا صرف وانیہ کو ضد دلا گیا تھا بلکہ اسے ایک نیا ایڈوینچر بھی مل گیا تھا، ایک چٹان نما شخص کو ریزہ ریزہ کرنا..... یہ اس کا مشن بن گیا تھا۔ وہ اسے اچھا خاصا زچ کرنا چاہتی تھی۔

"میرا راستہ چھوڑیں اور دوبارہ میرے راستے میں مت آئیں گا۔" احمر کا لہجہ کٹیلا تھا۔

"کیوں....؟ کیا تم زچ ہو رہے ہو؟"

"جی بہت زیادہ....."نجانے وہ کون سی گھڑی تھی جب اس مصیبت سے اس کی ملاقات ہوئی تھی۔ وہ تو اس کا پیچھا ہی نہیں چھوڑ رہی تھی۔

"بس پھر تو طے ہو گیا کہ آج کا سارا دن ہم ساتھ گزارے گے۔"وانیہ کو اب مزا آنے لگا تھا۔ اوپر سے اس کھڑوس کے بگڑے زاویے....وہ حد سے زیادہ محظوظ ہوئی تھی۔

"آپ کیا ہر اجنبی کے سر پر ایسے ہی مسلط ہوتی ہیں یا پھر یہ خاص عنایت مجھ پر ہی ہے؟"وہ اس کی بے باکی پر دنگ رہ گیا تھا۔

"نہیں یہ خاص عنایت آپ ہی پر ہے کیونکہ آپ مومن مرد جو ٹھہرے....اور میں ایک بے حیا لڑکی...."احمر کو اب کہیں جا کر معاملے کی سنگینی کا اندازہ ہوا تھا۔ وہ اس سے کل والی بات کا انتقام لے رہی تھی۔

"مجھے لگتا ہے کہ مجھے آپ سے اسلام کے متعلق کچھ کلاسیز لینی چاہیئے۔ ویسے نام کیا ہے آپ کا....؟"وہ آج احمر کو بخشنے کے موڈ میں نہیں تھی۔

"میں آپ کو اپنا نام بتانے میں دلچسبی نہیں رکھتا۔"

"ایک بار نام بتائیں تو سہی....ساری کی ساری جنم کنڈلی نکال لوں گی۔"احمر نے چونک کر اسے دیکھا تھا۔

"کیا ہوا...؟ تم تو مجھے ایسے دیکھ رہے ہو جیسے یہ لفظ پہلی بار سنا ہو؟ انڈین ہی ہو نا یا پھر.... جھوٹ بولا ہے؟"وہ بھی نائل کی طرح زیرک نگاہیں رکھتی تھی۔

"Shut up!"

وہ جھنجھلاتا ہوا آگے بڑھا تھا۔

وانیہ بھی اس کے پیچھے بھاگی تھی مگر وہ اس کے اٹھتے تیز قدموں کی پیروی نہیں کر سکی تھی۔ایک جگہ پہنچتے وہ کہیں گم ہو گیا تھا۔

"مسٹر انڈین....؟"وہ مسلسل اسے پکارتی ہوئی آگے کی جانب بڑھ رہی تھی۔

ایک جگہ پہنچتے احمر کی پشت دیکھتے وہ بھاگ کر اس جانب گئی تھی۔لیکن اس طرح بھاگ کر جانے کی وجہ سے وہ اپنا توازن برقرار نا رکھ سکی تھی اور بہت بری طرح زمین پر گری تھی۔اسطرح اوندھے منہ گرنے کی وجہ سے اس کا سر پھٹ چکا تھا۔

"آپ ٹھیک تو ہیں؟"احمر گھبرا کر اس کی جانب جھکا تھا۔

وانیہ نے اپنے ہاتھ سے اپنا سر تھاما تھا۔اس کا ہاتھ خون سے بھر چکا تھا۔

"آپ کا بہت خون بہہ چکا ہے۔فکر مت کریں۔سب ٹھیک ہو جائے گا۔ہم ڈاکٹر کے پاس چلتے ہیں۔"وہ حد سے زیادہ فکر مند ہوا تھا۔

یونیورسٹی کے جس حصے میں وہ لوگ موجود تھے وہاں تقریباً سٹوڈنٹس نا ہونے کے برابر تھے اور جو موجود تھے انہیں کسی سے کوئی لینا دینا نہیں تھا۔

"آپ چلیں میرے ساتھ....!"احمر نے اسے اٹھانے کی کوشش کی تھی مگر اپنے ہاتھ پر لگا ہوا خون دیکھ کر وانیہ کی حالت خراب ہونے لگی تھی۔

"چار لوگ....ایک عورت، تین مرد....مام....نین....مار دیا،سب ختم کر دیا۔"وہ ہانپتے وجود کے ساتھ مسلسل بڑبڑا رہی تھی۔

"جھاڑیوں کے پیچھے....مار دیا۔" وہ اپنی پوری قوت سے چلاتی اگلے لمحے ہوش وحواس سے بیگانہ ہو گئی تھی۔احمر کا تو دماغ ہی ماؤف ہو چکا تھا۔وہ اس کے بے ربط جملوں کے معنی تو نہیں سمجھ سکا تھا مگر اس کی حالت....احمر کو شدید خوف میں مبتلا کر گئی تھی۔

وانیہ کی آنکھ رات کے آٹھ بجے کے قریب کھلی تھی۔وہ اس وقت اپنے کمرے میں موجود تھی۔سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔وانیہ نے اٹھنے کی کوشش کی تھی مگر وہ اس وقت بہت زیادہ کمزوری محسوس کر رہی تھی۔

"آپ اٹھ گئیں بی بی جی! کچھ لے کر آؤں آپ کے لیے...؟" ملازمہ نے ہشاش بشاش لہجے میں پوچھا تھا۔

"بھائی...." اس نے آنکھیں بند کیے نائل کو پکارا تھا۔وہ جب سے یہاں آئی تھی تب سے نائل نے ایک بار بھی اس سے رابطہ نہیں کیا تھا۔

"بی بی کچھ چاہیئے آپ کو....؟"

"پھوپھو! پھوپھو کہاں ہیں؟" اس نے نیم غنودگی کی حالت میں پوچھا تھا۔

"وہ تو گھر پر نہیں ہیں جی...." وانیہ نے کرب سے آنکھیں موندی تھیں۔وہ لوگ جب سے یہاں آئے تھے تب سے ماہم کافی حد تک بدل گئی تھی۔اس کے پہننے اوڑھنے کا ڈھنگ اور آنے جانے کے اوقات ہر چیز ہی تبدیل ہو چکی تھی۔

"ٹھیک ہے! تم جاؤ یہاں سے....مجھے کچھ نہیں چاہیئے۔" وانیہ نے آنکھیں بند کیے رخ موڑا تھا۔

"سنو....!" ملازمہ کے جانے سے پہلے وانیہ نے اسے پکارا تھا۔

"جی....؟" وہ جاتے جاتے واپس پلٹی تھی۔

"مجھے یہاں کون لے کر آیا، میرا مطلب ہے کوئی اور تھا کیا میرے ساتھ؟" شاید احمر نے ہی اس کی مرہم پٹی کروائی تھی۔ شاید وہ ہی اسے گھر چھوڑ کر گیا تھا۔

"جی جی! وہ لڑکا تھا نا.... سارا دن آپ کے ساتھ ہسپتال میں رہا تھا۔ ماہم بی بی تو بضد تھیں کہ آپ کو جلد از جلد گھر لے کر آئے مگر وہ لڑکا ڈٹا رہا تھا۔ آپ کا بہت خیال رکھا جی! گھر آنے کے بعد بھی وہ کتنی دیر گھر کے باہر کھڑا رہا تھا۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی آپ کی ٹھیک حالت کا یقین کرتے وہ یہاں سے گیا ہے۔" وانیہ کو شدید حیرت ہوئی تھی مگر اندر ہی اندر وہ کہیں نا کہیں خوش بھی تھی۔ اس کے بھائی کو اسکی کوئی پرواہ نہیں تھی۔ اس پر جان چھڑکنے والی ماں جیسی پھوپھو بھی اسے تنہا چھوڑ گئی تھیں، شاہین کا بھی کوئی اتا پتا نہیں تھا اور اس کا نام نہاد بچپن کا شوہر.... نجانے وہ کہاں تھا؟ کیسا دکھتا تھا؟ اس نے تو مڑ کر ایک بار بھی وانیہ کی خبر نہیں لی تھی۔ اور ایک یہ شخص تھا جو کہ انجان ہو کر بھی اس کے لیے اتنا کچھ کر گیا تھا۔

---

نائل نے محسن کے گھر کے باہر گاڑی روکی تھی۔ گاڑی سے اترتے وہ ناگواری سے اندر داخل ہوا تھا۔

"کیا ضروری بات تھی؟" صوفے پر تقریباً ڈھتے نائل نے بیزاری سے پوچھا تھا۔ وانیہ کے جانے کے بعد اس کی زندگی کا سارا سکون بھی جیسے چلا گیا تھا۔ وہ اسے بہت مس کر رہا تھا۔

"ایک خوشخبری دینی تھی تمہیں...." نائل نے سوالیہ نگاہوں سے محسن کی جانب دیکھا تھا۔ اسے تو لگا تھا کہ شاید اب اس کی زندگی بھی کچھ بھی اچھا نہیں ہونا تھا۔

"میں نے اور ساشا نے بہت محنت سے کچھ ثبوت اکھٹے کیے ہیں جن سے حاتم کے سامنے تمہاری بے گناہی ثابت ہو جائے گی۔" محسن نے دلچسبی سے اس کے چہرے کا جائزہ لیا تھا۔ وہ وہاں بے یقینی اور حیرانگی جیسی کوئی چیز دیکھنا چاہتا تھا مگر اس کا بے تاثر چہرہ دیکھ کر محسن کو اچھی خاصی مایوسی ہوئی تھی۔

"تمہیں خوشی نہیں ہوئی؟"

"کس بات کی خوشی....؟ اگر تم لوگ اتنے ہی ذہین ہوتے تو بہت پہلے یہ کر چکے ہوتے۔" نائل اپنی ساری امیدیں ہار چکا تھا۔ اب محسن کی یہ بات اسے مزاخیہ ہی لگی تھی۔

"یہ فائل دیکھ کر ہماری ذہانت کا فیصلہ کرنا...." محسن نے چیلنجنگ انداز میں وہ فائل صوفے پر پٹخی تھی۔ نائل نے ناگواری سے وہ فائل کھولی تھی جیسے جیسے وہ پڑھتا جا رہا تھا، اس کے چہرے کا رنگ تبدیل ہوتا جا رہا تھا۔

"یہ.... یہ تم نے کیسے کیا؟" وہ شاکڈ تھا۔

ان ریکارڈز کے مطابق نائل اس حادثے کے وقت ہسپتال میں موجود تھا۔ یہ مشکل تھا کہ ڈیوڈ اس کی بات پر یقین کر لے لیکن وہ دونوں ہی اچھی طرح جانتے تھے کہ ان ریکارڈز کو دیکھنے کے بعد وہ ہسپتال ضرور جائے گا اور سچ پتا لگانے کی جستجو میں اینٹ سے اینٹ بجا دے گا۔

"بس کبھی غرور نہیں کیا۔" محسن نے فرضی کالر جھاڑے تھے۔

"سارے ریکارڈز تو جل چکے تھے تو پھر تمہیں یہ کہاں سے....؟" نائل نے مشکوک نگاہوں سے اسے گھورا تھا۔

"ہسپتال کے ایک ڈاکٹر کے پاس کچھ پرانے ریکارڈز کی کاپیز پڑی تھیں۔وہ بائے چانس ساشا کا دوست نکلا۔جب اس نے باتوں ہی باتوں میں اس چیز کا ذکر کیا تو میں نے اور ساشا نے وہ فائلز دیکھنے کا مطالبہ کیا،اور فائنلی ہمیں یہ مل گئی۔" نائل کے لبوں کو مسکراہٹ نے چھوا تھا۔

"کھیل میں مزا آئے گا۔حاتم کسی کو نہیں چھوڑے گا۔" نائل کے چہرے پر خوشگواریت چھائی تھی۔

"دیر کس بات کی ہے، جلد از جلد پہنچاؤ یہ اس تک...."

محسن بھی بہت خوش تھا،آخر کار اتنے سالوں بعد ان کی محنت رنگ لائی تھی۔

نائل اثبات میں سر ہلاتا کھڑا ہوا تھا۔وہ اچھے سے جانتا تھا کہ حاتم وہ چھوٹا اور کمزور سا بچہ نہیں رہا،وہ ایک بھپڑا ہوا شیر ہے جو اگر نائل کو نقصان پہنچا سکتا تھا تو نجانے اپنے ان ساتھیوں کے ساتھ کیا کیا نہیں کر سکتا تھا....؟

---

وہ کافی دیر ڈیوڈ سے رابطہ کرنے کی کوشش کرتا رہا تھا مگر اس کا فون مسلسل بند جا رہا تھا، نجانے وہ کہاں غائب تھا؟؟

سارا دن گزرنے کے بعد نائل نے گاڑی کا رخ فارم ہاؤس کی جانب موڑا تھا۔گھر جانے کا تو اس نے سوچا بھی نہیں تھا۔وہ گھر اسے کاٹ کھانے کو دوڑتا تھا۔وانیہ کے بغیر سب ادھورا تھا۔

اپنے گھر کے باہر اس نے ایک کال لینے کے لیے گاڑی روکی تھی۔گارڈ کو چابی تھماتے وہ عین فارم ہاؤس کے دروازے کے باہر کھڑا کسی سے محو گفتگو تھا۔

دو منٹ مزید بات کرنے کے بعد نائل نے ابھی فون رکھا ہی تھا کہ اچانک ہی فائرنگ سٹارٹ ہوئی تھی۔اس کے بازو پر دو فائر کیے گئے تھے۔گارڈز فوراً حرکت میں آئے تھے مگر فائرنگ کرنے والا بھاگ چکا تھا۔فائرنگ کی آواز سنتے سنیہا بھی بھاگ کر باہر آئی تھی۔

"نائل...."اس کا بہتا خون دیکھ وہ چیخ اٹھی تھی۔

"اندر جاؤ بیوقوف عورت...."اسے دیکھ کر وہ دھاڑا تھا۔نائل کا ارادہ اس شخص کے پیچھے جانے کا تھا مگر سنیہا کی آہ پکار نے اس کے قدم روک کر دیے تھے۔

وہ سنیہا کو اکیلا چھوڑ کر نہیں جا سکتا تھا۔

کچھ دیر بعد ڈاکٹر کے آنے پر نائل کی مرہم پٹی کی گئی تھی۔وہ تو گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ محسن کا آج اسے یہ فائل دینا اور پھر یہ حملہ،وہ بھی اس کے گھر کے باہر....یہ کھلی دھمکی تھی،یعنی وہ جو بھی تھا،وہ اسے یہ جتانا چاہتا تھا کہ وہ اس کے گھر تک پہنچ چکا ہے۔اس کے لاکھ محتاط رہنے کے باوجود بھی دشمن اس کے گھر تک پہنچ چکے تھے۔وہ لوگ سنیہا کو بھی نقصان پہنچا سکتے تھے۔

"نائل یہ جوس پی لو۔"سنیہا نے جوس کا گلاس اس کے سامنے پیش کیا تھا۔

"مجھے نہیں پینا۔"کہتے ساتھ ہی وہ بستر سے اٹھا تھا۔

"کہاں جا رہے ہو؟"وہ ہکا بکا رہ گئی تھی۔

"کام ہے ایک...."وہ ایسے برتاؤ کر رہا تھا جیسے اسے گولیاں نہیں بلکہ ایک سوئی چبھی ہو۔

"نائل!تمہیں گولیاں لگی ہیں۔"سنیہا نے اسے یاد دلانا ضروری سمجھا تھا۔

"پتا ہے مجھے...."پاؤں میں جوتے پہنتے اس نے لاپرواہی سے کہا تھا۔

"سچ سچ بتاؤ،تم کون ہو؟"پچھلی دفعہ بھی وہ ایسے ہی اٹھ کھڑا ہوا تھا۔سنیہا کو کچھ کھٹکنے لگا تھا۔

"میجر نائل آفندی...." جوتے پہننے کے بعد اب وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑا بال برش کر رہا تھا۔

"اچھا مذاق تھا۔" وہ ذرا برابر متاثر نہیں ہوئی تھی۔

"یہ جوک نہیں تھا۔" اس کی جانب پلٹتے نائل نے خفگی سے کہا تھا۔

"یہ جوک آف دا ائیر تھا۔ تم غنڈے ہو سکتے ہو، موالی ہو سکتے ہو، گینگسٹر ہو سکتے ہو مگر میجر.... سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔" سنیہا کا لہجہ پر یقین تھا۔ نائل نے بامشکل صبر کے گھونٹ بھرے تھے۔

"تم نہیں آپ...." نہایت سخت گھوری کے ساتھ نائل نے اسے باور کروایا تھا۔

"اچھا ٹھیک ہے، پلیز کہیں مت جائیں۔ کچھ دیر آرام کر لیجیں۔" لہجے میں مٹھاس گھولتے سنیہا اس کے پاس آئی تھی۔

"آرام کرنے کا وقت نہیں ہے میرے پاس...." اس کے لہجے میں سرد مہری تھی۔

"اچھا ٹھیک ہے تو پھر یہ جوس پی لیجیے۔ اس کے بعد چلے جائیں گا۔" سنیہا نے آنکھیں ٹپٹپائے جوس کا گلاس اس کے سامنے کیا تھا۔

"پلیز میرے لیے...." اس کی التجا پر نائل نے ناگواری سے گلاس پکڑے لبوں سے لگایا تھا۔

اس نے ایک ہی سانس میں جوس گلے کے اندر اتارتے خالی گلاس سنیہا کو پکڑایا تھا۔

"تھوڑی دیر میرے پاس رک جاؤ۔" سنیہا نے اس کا ہاتھ تھامتے کہا تھا۔

"بس آدھا گھنٹہ.... مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔ میرے سوتے ساتھ ہی چلے جانا۔"

"اچھا! ٹھیک ہے۔" اس نے بنا کچھ سوچے سمجھے ہی اس کی بات مان لی تھی۔

سنیہا بستر پر لیٹی تھی اور نائل بستر کی دوسری جانب لیٹ گیا تھا۔

اگلے دس منٹ میں ہی نائل پر نیند غالب آئی تھی۔ اس کے سونے کا یقین کرتے سنیہا اٹھ کر بیٹھی تھی۔

وہ اچھے سے جانتی تھی کہ اس کا شوہر کبھی آرام نہیں کرے گا جس وجہ سے اس نے ڈاکٹر سے اسے نیند کی دوا دینے کا کہا تھا۔سنیہا نے جوس کے گلاس میں چار ہیوی ڈوس نیند کی گولیاں ڈالی تھیں تا کہ وہ سکون سے سو سکے۔اسے ایک عجیب سا تجسس بھی تھا کہ آخر کیوں اس کے شوہر پر ہی قاتلانہ حملے ہوتے ہیں۔ کہیں نا کہیں سنیہا کو خوف تھا کہ وہ کسی غلط کام میں ملوث ہے۔

صبح اپنے انجام کا سوچتے سنیہا کے گلے میں گلٹی ابھری تھی۔نائل اس کا بہت برا حشر کرنے والا تھا مگر اس نے خود کو تمام تر حالات کے لیے تیار رکھا تھا۔

اب اس پر کمبل درست کرتے وہ اس کی نیند کا بھرپور فائدہ اٹھا کر اپنی نظروں کی پیاس بجھا رہی تھی۔سنیہا نے آہستگی سے اپنا دائیاں ہاتھ اس کی گال پر رکھا تھا۔اس کی شیو کی میٹھی چھبن محسوس کرتے اس کا چہرہ سرخ پڑا تھا۔

اپنا ہاتھ اس کی گال پر سے ہٹاتی وہ اپنے لبوں تک لے گئی تھی۔اپنی انگلیوں کے پوروں کو چومتے سنیہا نے بے اختیار اپنا منہ ہاتھوں میں چھپایا تھا۔اس کے جاگتے تو یہ سب ناممکن تھا اور پھر کچھ شرم و حیا کے تقاضے بھی تھے۔

کچھ دیر مزید گزرنے کے بعد سنیہا ہمت کر کے اس کے مزید قریب آئی تھی۔اب اس نے اپنا نرم ملائم ہاتھ نائل کے دل کے مقام پر رکھا تھا۔سنیہا کو اپنا دل اس کے دل کے ساتھ دھڑکتا ہوا محسوس ہوا تھا۔اس سے پہلے کہ وہ اپنا ہاتھ ہٹاتی، نائل نے سختی سے اس کا ہاتھ تھاما تھا۔

سنیہا کے تو اوسان ہی خطا ہو گئے تھے۔

"مت جاؤ۔پلیز مت جاؤ۔" وہ آنکھیں بند کیے کچھ بڑبڑا رہا تھا۔اس بات کا یقین کرتے کہ وہ غنودگی میں کچھ بول رہا ہے، سنیہا اس کے مزید قریب ہوئی تھی۔

"مت جاؤ۔ مجھے چھوڑ کر مت جاؤ۔" پہلے پہل سنیہا کو تھوڑی حیرت ہوئی تھی پھر اچانک ہی اس کے لبوں پر دلفریب مسکراہٹ بکھری تھی۔

"میں کہیں نہیں جا رہی۔" سنیہا نے اس کے کان کے پاس سرگوشی کی تھی۔

"صوفی پلیز مت جاؤ۔ مجھے چھوڑ کر مت جاؤ۔" اس کے زبان سے ادا ہونے والے اگلے الفاظ نے سنیہا کو بالکل ساکت کر دیا تھا۔ وہ ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑواتی پیچھے ہٹی تھی۔

"صوفی....؟" اس کی آنکھ سے آنسو ٹوٹ کر گال پر گرا تھا۔

کیا کچھ برداشت نہیں کیا تھا اس نے....؟ محض اس امید کے ساتھ کہ نائل صرف اس کا ہے، مگر وہ غلط تھی، اس کے دل پر تو کسی اور کا قبضہ تھا۔

بستر سے اٹھتے وہ ننگے پیر بالکنی کی جانب بھاگی تھی۔ سامنے پڑی کرسی سے اس کا پیر ٹکرایا تھا، وہ اوندھے منہ زمین پر گری تھی مگر اس نے اٹھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

"کیوں...؟ میرے ساتھ کیوں...؟ کیوں نائل، کیوں....؟" وہ اپنی پوری قوت سے چلاتی ہچکیاں لے لے کر رو رہی تھی۔

آج اسے پہلی بار احساس ہوا تھا کہ نائل صرف اس کی محبت نہیں بلکہ عشق بھی تھا۔ یہ شراکت داری وہ کسی صورت برداشت نہیں کر پا رہی تھی۔

---

نائل کی آنکھ صبح نو بجے کے قریب کھلی تھی۔ اٹھتے ساتھ ہی اس کی آنکھیں سرخ ہوئی تھیں۔ وہ اتنا ذہین تو تھا ہی.... کہ ساری صورت حال فوراً سمجھ جائے۔

"سنیہا....!" وہ چلاتے ہوئے بستر سے اٹھا تھا۔

"سنیہا...." وہ اسے آوازیں دیتا ہر جگہ تلاش کر رہا تھا مگر وہ کہیں نہیں تھی۔

"تم نے جوس میں کیا ملایا تھا؟" اسے کچن میں ناشتہ بناتے دیکھ کر نائل اس تک پہنچے دھاڑا تھا۔

"تمہاری ہمت کیسے ہوئی ایسا کرنے کی....؟" اس کی کلائی سختی سے دبوچے وہ غرایا تھا لیکن نائل آج اس بات سے انجان تھا کہ آج اس کا نہیں بلکہ سنیہا کا دن ہے۔

"صوفی کون ہے؟" یہ سوال نہیں تھا بلکہ یہ بم تھا جو نائل کے سر پر پھوڑا گیا تھا۔

"بتائیں مسٹر نائل! صوفی کون ہے؟" اس کی آنکھیں سرخ ہونے کے ساتھ ساتھ متورم بھی تھیں مگر لہجہ.... لہجہ ہموار تھا۔ نائل کی گرفت ڈھیلی پڑی تھی۔

"صوفی کون ہے نائل؟" اسے پیچھے کی طرف دھکیلتے وہ پوری قوت سے چلائی تھی۔ نائل اس کے سوال سے زیادہ اس کے انداز پر دنگ تھا۔

"کون صوفی.... یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟" خود کو بروقت سنبھالتے نائل نے ہموار لہجے میں کہا تھا۔ اسے ہرگز اندازہ نہیں تھا کہ سب اتنی جلدی کھل جائے گا۔

"وہی صوفی جس کا ساری رات راگ لاپتے رہے ہو۔ صوفی پلیز مجھے چھوڑ کر مت جاؤ، سب چلے گئے تم مت جاؤ...." سنیہا نے اس کے کہے گئے الفاظ دہرائے تھے۔

"میں نے.... میں نے ایسا کہا؟" وہ تو خود شاکڈ تھا۔ اس نے تو کبھی صوفی کو اسطرح سے یاد نہیں کیا تھا یا پھر شاید اس پر اس بات کا انکشاف پہلی بار ہوا تھا۔

"میں نے سب برداشت کیا۔ ہر ظلم، ہر ستم.... مگر شراکت داری میں برداشت نہیں کروں گی۔" سنیہا نے سلیب پر رکھا گلاس زمین پر پٹخا تھا۔ گلاس کرچی کرچی ہوا تھا بالکل ویسے جیسے سنیہا کا دل....

"میں نے تمہیں معاف کیا۔ تمہیں ایک اور موقع دیا صرف اس خوش فہمی کے ساتھ کہ تم صرف میرے ہو، مگر میں غلط تھی۔ تمہارے دل و دماغ پر تو کسی اور کا قبضہ ہے۔ یہ میری برداشت سے باہر ہے۔" وہ ہچکیوں سمیت رو دی تھی۔

"سنیہا میری بات سنو...." معاملے کی سنگینی کو سمجھتے نائل نے حد درجے نرمی سے کہا تھا۔

"کچھ نہیں سننا مجھے.... کہاں کمی رہ گئی تھی؟ بتاؤ مجھے.... میں نے تو ٹوٹ کر چاہا تمہیں.... میری زندگی میں آنے والے پہلے مرد صرف تم ہو اور تم نے کیا کیا؟ مجھ پر ایک دوسری عورت کو فوقیت دی۔ کون ہے وہ بے حیا.... جس نے تمہیں مجھ سے چھین لیا؟" وہ اپنے حواس کھو بیٹھی تھی۔

"تمیز سے بات کرو۔" نائل نے اپنے لب بھینچے تحمل کا بھرپور مظاہرہ کیا تھا۔

"اوو! یعنی اب وہ زیادہ اہم ہے تمہارے لیے.... ہاں! کیوں نہیں ہو گی، آخر کار ان چاہی تو میں ہوں نا، تم نے تو مجھ سے نکاح محض میرے ڈیڈ سے انتقام لینے کے لیے کیا تھا نا....؟ نائل میں یہ برداشت نہیں کر سکتی۔ تم ایک کام کرو، مجھے جان سے مار دو...." اسے گریبان سے پکڑے وہ دیوانہ وار کہہ رہی تھی۔

"مجھے مار دو نائل! مجھے مار دو...." اس کے ہاتھ تھامتے سنیہا نے اپنی گردن پر رکھے تھے۔

"تم پاگل ہو گئی ہو۔" نائل نے اسے دور دھکیلا تھا۔

"جیسا تم سمجھ رہی ہو ویسا کچھ بھی نہیں ہے۔" نائل نے صفائی دینے کی کوشش کی تھی مگر سنیہا اس وقت اپنے ہوش و حواس میں نہیں تھی۔

"مجھے نہیں جینا، مجھے نہیں جینا...." سسکیوں کے دوران اس نے چولہے کے پاس پڑی چھری اٹھائی تھی۔

"سنیہا...." نائل نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ سے چھری جھپٹی تھی۔

"ہوش میں آؤ۔" نائل نے اسے جھنجھوڑتے ہوئے کہا تھا۔اسے بالکل اندازہ نہیں تھا کہ سنیہا اس کو لے کر اس قدر حساس ہو گی۔

"میں یہ برداشت نہیں کر سکتی نائل!" وہ شکست خور حالت میں اس کے سینے سے لگی تھی۔

اس کے گرد حصار قائم کرتے نائل مسلسل اس کی پشت سہلا رہا تھا۔

"کیوں کیا تم نے میرے ساتھ یہ....؟" سنیہا کے آنسو نائل کی شرٹ بھگو رہے تھے۔

"میں نے کچھ نہیں کیا سنیہا! وہ میرا ماضی تھی،اس سے زیادہ کچھ نہیں...." اسے خود سے الگ کیے نائل نے اپنا ایک ہاتھ اس کی گال پر رکھا تھا۔شاید وہ اسے ریلیکس کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"تم میرا حال ہو۔بس یہی حقیقت ہے۔"

"اور صوفی....؟" اس کا لہجے میں نمی کا عنصر اب بھی واضح تھا۔

"وہ کہیں نہیں ہے۔" نائل نے اپنی انگلیوں کی پوروں سے اس کے آنسو پونچھے تھے۔

"تمہیں اس سے محبت ہے؟" وہ سسکی تھی۔

"میں نے بہت سالوں پہلے ہی اپنی محبت کو اپنے ہاتھوں سے دفنا دیا تھا۔" اپنے ہاتھ سے اس کی گال سہلاتے نائل بہت آہستگی سے گویا ہوا تھا۔

"وہ دھوکہ باز تھی۔مجھے اس وقت چھوڑ کر گئی جب مجھے اس کی ضرورت تھی۔" وہ بے بسی سے ہنسا تھا۔

سنیہا نے بے یقینی سے اس کی جانب دیکھا تھا۔کیا اس جیسے شخص کو بھی کوئی دھوکہ دے سکتا تھا؟

"وہ مر گئی ہے سنیہا!" نائل نے اس سے کچھ نہیں چھپایا تھا۔اس بات پر سنیہا کا دل ایک لمحے کے لیے دھڑکنا بھول گیا تھا۔

"ہمارے درمیان دوبارہ اس موضوع پر بات نہیں ہو گی۔" اب کی بار وہ تھکے تھکے انداز میں گویا ہوا تھا۔

"تمہیں مجھ سے محبت ہے؟" چند ثانیوں بعد سنیہا کے کیے گئے سوال سے خاموشی کا ایک طویل وقفہ ان دونوں کے درمیان آیا تھا پھر گہری سانس ہوا میں خارج کرتے نائل نے بولنا شروع کیا تھا۔

"میں کوشش کر رہا ہوں۔ ٹرسٹ می! میں اس رشتے کو قبول کرنے کی بھرپور کوشش کر رہا ہوں۔" سنیہا کا ہاتھ تھامتے نائل نے اسے یقین دہانی کروائی تھی۔

"یعنی تمہیں مجھ سے محبت نہیں ہے؟" اس کی آنکھوں کے چراغ بجھ گئے تھے۔

"میں...." وہ کہتے کہتے رکا تھا۔

"تم اگر ذرا سی بھی خوبصورت دکھتی تو اس بارے میں سوچا جا سکتا تھا۔" اس بات پر سنیہا کے ماتھے پر بل پڑے تھے۔ کم از کم وہ اس قسم کی کسی بات کی توقع نہیں کر رہی تھی۔

"میرا مطلب ہے کہ اگر تمہارا رنگ تھوڑا سا صاف ہوتا اور تمہارے بال.... اچھے ہیں، بالکل ناگن کی زلفوں جیسے مگر اگر یہ تھوڑے سے لمبے ہوتے تو...."

"نائل...." سنیہا نے احتجاج کیا تھا۔

"وزن بھی کافی زیادہ ہے تمہارا، مجھے نا سلم سمارٹ لڑکیاں...."

"بھاڑ میں جاؤ۔" وہ غصے سے اسے پرے دھکیلتی وہاں سے گئی تھی۔

"اب کیا کر دیا میں نے....؟" نائل نے پیچھے سے ہانک لگائی تھی۔

"اس دنیا میں نا سچے اور کھرے لوگوں کی کوئی قدر ہی نہیں ہے۔" اس نے سر جھٹکتے مایوسی سے کہا تھا۔

یہ سچ تھا کہ وہ آگے بڑھنے کی کوشش کر رہا تھا مگر یہ سب اتنا آسان نہیں تھا۔ ماضی کی کچھ یادیں کبھی آپ کا پیچھا نہیں چھوڑتی۔ وہ دیمک بن کر آپ کو کھا تو جاتی ہیں مگر کبھی آپ سے جدا نہیں ہوتیں۔

وانیہ آج دو دن بعد یونیورسٹی گئی تھی۔

"ہائے!" احمر کے پاس بیٹھتے وہ خوشگواریت سے گویا ہوئی تھی۔

ان دو دنوں میں احمر نے وانیہ کا بہت خیال رکھا تھا۔ وہ صبح شام اسے بکے بھیجتا تھا۔ اور فون پر اسے میسجز بھی کرتا تھا۔ وانیہ کا نمبر وہ ملازمہ سے لے چکا تھا۔

وہ نہیں جانتا تھا کہ وہ یہ سب کیوں کر رہا ہے.... شاید ہمدردی میں یا پھر کچھ اور تھا.... وہ کچھ محسوس کر رہا تھا، ایک عجیب سا کھنچاؤ....

"تم نے میرا اتنا خیال رکھا اس کے لیے میں تمہاری مشکور ہوں۔"

"اب میں نے ایسا بھی کچھ نہیں کیا۔" وہ مدھم سا مسکرایا تھا۔

"مجھے اس وقت واقعی کسی کے سہارے کی ضرورت تھی، تم نے میرا ساتھ دے کر مجھ پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔"

"دوستی میں احسان نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی۔" وانیہ اس کی بات پر چونکی تھی۔

"میرا نام احمر ہے۔" احمر نے دوستی کے لیے ہاتھ آگے بڑھایا تھا۔

"وانیہ...." وانیہ نے خوشدلی سے وہ ہاتھ تھاما تھا۔

"ویسے مومن مرد کسی نامحرم کا ہاتھ نہیں تھامتے۔" اس بات پر احمر کا رنگ ایک لمحے کے لیے فق پڑا تھا۔ اس نے کرنٹ کھا کر وانیہ کا ہاتھ چھوڑا تھا۔ وہ دل کھول کر ہنسی تھی۔

"ریلیکس! میں مومن عورت نہیں ہو تو اتنا تو چلتا ہے۔" اس کی بوکھلاہٹ سے وانیہ اچھا خاصا محظوظ ہوئی تھی۔

"میں چلتا ہوں۔" اپنا بیگ اٹھائے وہ پھرتی سے اٹھا تھا۔

"ارے مگر کہاں....؟" وانیہ بھی فوراً اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"ضروری کام ہے۔" اس نے نظریں چرائی تھیں۔

"ٹھیک ہے مگر ایک شرط پر جانے دوں گی تمہیں..." احمر نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی جانب دیکھا تھا۔

"تمہیں آج شام میرے ساتھ ایک کپ کافی پینی پڑے گی۔ اور میں انکار ہرگز نہیں سنوں گی۔" یہ شکریہ ادا کرنے کا ایک طریقہ تھا۔

"ٹھیک ہے۔" حامی بھرتے ہی وہ عجلت سے وہاں سے گیا تھا۔ وانیہ اس کی پشت دیکھے مسکرادی تھی۔

---

ہر گزرتے دن کے ساتھ وانیہ اور احمر کی ملاقاتوں میں اضافہ ہوتا جارہا تھا۔ اس دونوں کی دوستی گہری سے گہری ہوتی جارہی تھی۔ وانیہ جس سرکل سے تعلق رکھتی تھی اس سرکل میں لڑکا اور لڑکی کی دوستی کو بالکل معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا۔ اس کا فرینڈز سرکل بہت محدود تھا جس کی اہم وجہ اس کی دماغی حالت اور نائل کا حد سے زیادہ حساس پن تھا۔

رات کے تقریباً دس بجے کے قریب وانیہ نے احمر کو کال کی تھی۔

"مجھے پک کرلو۔"

"کیوں....؟" وہ جو کتابوں میں سر دیے بیٹھا تھا اس کے اس مطالبے پر بری طرح چونکا تھا۔

"کہیں باہر چلتے ہیں۔"

"وانیہ! تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے نا؟" وہ بہت جلد آپ سے تم تک کی مسافت طے کرچکا تھا۔

"ہاں بالکل ٹھیک ہے۔ میں بور ہورہی ہو۔"

"بور ہورہی ہو تو کوئی مووی دیکھ لو۔ مجھے پڑھنا ہے۔" اس کے لہجے میں ناگواری کا عنصر صاف واضح تھا۔

"کیا کروگے اتنا پڑھ کر.... کہیں باہر چلتے ہیں نا....؟" وہ بضد تھی۔

"وانیہ میڈم! میں آپ کی طرح اپر کلاس سے تعلق نہیں رکھتا۔ بہت مشکل سے سکالرشپ پر یہاں تک پہنچا ہوں۔ پارٹ ٹائم جاب کرتا ہوں تاکہ اپنے تمام تک اخراجات اٹھا سکوں۔ وہاں کلکتہ میں میری ماں مجھ سے بہت آس لگائے بیٹھی ہے تو براہ مہربانی مجھے پڑھنے دیں۔" اس نے کھٹاک سے فون بند کر دیا تھا۔ وانیہ کا تو منہ ہی کھل گیا تھا۔

"بدتمیز انڈین کہیں کا....." وانیہ نے غصے سے فون پرے دھکیلا تھا۔

---

بہت بار رابطہ کرنے کے بعد بالآخر ڈیوڈ نے نائل کا فون اٹھا ہی لیا تھا۔

"لگتا ہے سالے صاحب کو بہنوئی کی یاد کچھ زیادہ ہی ستا رہی تھی۔" اس کا لہجہ حد سے زیادہ شوخ تھا۔

"کہاں غائب ہو تم؟" نائل نے دانت کچلاتے ہوئے پوچھا تھا۔

"بہت مصروفیت ہے سالے صاحب! اب کیا کیا بتاؤں؟" ڈیوڈ نے لاپروائی سے کہا تھا۔

"اچھی طرح جانتا ہوں تمہاری مصروفیت کو اور یہ بھی کہ پرسوں جو بیرون ممالک سے لاکھوں کی تعداد میں سمگلنگ ہوئی ہے، اس کے پیچھے تمہارا ہاتھ ہے۔"

"غلط، بالکل غلط! صرف سمگلنگ ہی نہیں بلکہ بھتہ خوری، لڑکیوں کی کڈنیپنگ اور تمام تر دہشتگردانہ کاروائیوں کے پیچھے میرا ہی ہاتھ ہے مگر افسوس آپ کے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے، سالے صاحب...." ڈیوڈ نے سالے صاحب پر زور دیتے کہا تھا۔

"تم...." اس کا اطمینان بھرا انداز نائل کو مزید طیش دلا گیا تھا۔

"مجھے بس تمہاری ایک غلطی کا انتظار ہے۔"

"اور مجھے آپ کی بہن کے ایک دیدار کا.... ویسے اسے دور کیوں بھجا آپ نے....؟ آپ کو کیا لگتا ہے کہ میں اس تک پہنچ نہیں سکتا۔ بس چند مہینے اور.... پھر مانو کو مجھ سے کوئی دور نہیں کر سکتا۔"

"خبردار جو تم نے ایسا کچھ سوچا بھی تو.... میری بہن سے دور رہو، سمجھے"

"کوئی ایک زبان ہے آپ کی....؟" اس کی بات میں چھپے ہوئے مفہوم کو نائل اچھی طرح سمجھ چکا تھا۔

"میری بات کان کھول کر سن لو، خبردار جو تم نے میری بہن کو بری نگاہ سے دیکھا تو...." نائل نے اسے کھلی دھمکی دی تھی۔

"محبت بھری نگاہ سے تو دیکھ سکتا ہوں نا....؟" نائل کو زچ کرنے کا وہ کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا تھا۔

"تم...." نائل کا چہرہ غصے سے تمتما اٹھا تھا۔

"ملو مجھ سے...." تمام تر فضول باتوں کو سائیڈ پر رکھے نائل مدعے پر آیا تھا۔

"رشتہ دینا ہے کیا....؟"

"بکواس بند کرو اور آ کر ملو مجھ سے.... شاید اس ملاقات کے بعد تمہیں اپنے کیے ہر جرم پر شدید پچھتاوا ہو اور تم خود کو کبھی معاف بھی نہ کر سکو۔"

"پھر تو ملاقات ضروری ہے۔" وہ واضح طور پر تمسخر اڑا رہا تھا۔

"لوکیشن سینڈ کرتا ہوں تمہیں...." نائل نے یہ کہہ کر فون رکھ دیا تھا۔

---

ڈیوڈ اور نائل کی ملاقات رات کے وقت ایک خفیہ جگہ پر ہوئی تھی۔ یہ ایک پرانا گھر تھا جس کے ٹیرس پر اس وقت وہ دونوں موجود تھے۔

"یہ فائل دینی تھی مجھے.... شاید اسے دیکھنے کے بعد تمہاری آنکھوں پر بندھی پٹی کھل جائے۔" نائل نے فائل اس کی جانب بڑھائی تھی۔

"دعا کرتا ہوں کہ تم اپنے گناہوں کا بوجھ اٹھا سکوں۔" اس کے ہاتھ سے فائل لیتے ڈیوڈ نے ایک اچنٹی نگاہ نائل پر ڈالی تھی۔

وہ یہ کہہ کر رکا نہیں تھا بلکہ اسی تیزی سے وہاں سے گیا تھا جس تیزی سے وہ وہاں آیا تھا۔

ڈیوڈ کچھ دیر خالی الذہن کی حالت میں وہاں کھڑا رہا تھا پھر اس نے وہ فائل کھولی تھی۔

اس سنسناتی رات کے گھپ اندھیرے میں جہاں آسمان پر گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں وہیں آج کسی کی نظروں سے تمام تر گھٹائیں ہٹی تھی۔ کچھ منظر جو دھندلے تھے وہ اب واضح ہونے لگے تھے۔ کڑیوں سے کڑیاں جڑنے لگی تھیں۔ زندگی کی سڑک کے پار دھند چھٹ چکی تھی، سب صاف تھا، بالکل جھرنے سے بہتے شفاف پانی کی طرح....

وہ ایک لمحہ مزید ضائع کیے بھاگتا ہوا نیچے آیا تھا۔ اس کا رخ اب ہسپتال کی جانب تھا۔ دل کی عجیب کیفیت تھی۔ حاتم کا دل صحیح اور غلط کے بیچ کہیں پھنسا ہوا تھا۔ اگر تو یہ فائل سچی ہے تو پھر.... وہ آگے سوچنا نہیں چاہتا تھا، وہ آگے سوچ ہی نہیں سکتا تھا کیونکہ آگے تو کچھ تھا ہی نہیں.... جو بھی تھا وہ گزر چکا تھا۔ اس کا کیا ہر جرم، ہر قتل، ہر برائی، سب کچھ....

اپنے دماغ سے سب جھٹکتے اس نے گاڑی آگے کی جانب بڑھائی تھی۔

آدھے گھنٹے کی معمولی سی محنت کے بعد ہر ایک چیز، ہر ایک سچ اس کے سامنے تھا۔ ہسپتال سے باہر آتے وہ اپنی گاڑی میں بیٹھا تھا۔ وہ کتنی دیر غائب دماغی کی حالت میں وہاں بیٹھا رہا تھا۔ سٹیرنگ پر ہاتھ جمائے اس نے چابی گھمانے کی کوشش کی تھی جو کہ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گری تھی۔

ڈیوڈ نے شکست خور حالت میں سیٹ کی پشت سے ٹیک لگایا تھا۔ وہ اس وقت ڈرائیو کرنے کی حالت میں نہیں تھا۔

آنکھیں بند کرتے ہی سیاہی اس کے آگے چھائی تھی۔

بند تاریک کمرے میں تقریباً پندرہ، ساڑھے پندرہ سال کا وہ بچہ دبکا بیٹھا تھا۔ اپنے دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے وہ مسلسل سسک رہا تھا۔ اتنے میں دروازہ کھلنے کی آواز آئی تھی۔ ایک عجیب طرز کا سفید لباس پہنے وہ شخص اندر داخل ہوا تھا جو کہ تقریباً ایک ہفتے سے روز وہاں آرہا تھا۔ حاتم نے اپنی زندگی میں پہلی بار کسی کو اس قسم کا لباس پہنے دیکھا تھا۔ وہ عیسائیوں کا مخصوص لباس تھا اور وہ شخص پادری تھی۔

"کیسے ہو ڈیوڈ؟" اس کے پاس بیٹھتے اس شخص نے شفقت سے اپنا ہاتھ اس کے سر پر پھیرا تھا۔

"میرا نام حاتم ہے، ڈیوڈ نہیں...." وہ پیچھے کی طرف کھسکتے چیخ اٹھا تھا۔

"تم ڈیوڈ ہو اور مستقبل کے بلیک مونسٹر...." اس شخص کے لہجے میں اب بھی وہی مٹھاس تھی۔

"مجھے نہیں بننا کوئی بلیک مونسٹر.... مجھے جانے دو، پلیز مجھے دو۔" وہ بے بسی سے چیخ اٹھا تھا۔

اس پادری نے نظر اٹھا کر اس کی جانب دیکھا تھا۔ دبلا پتلا نوجوان لڑکا.... جس کے جسم کے ہر حصے پر کوئی نا کوئی نشان ضرور تھا لیکن اس سب کے بعد بھی اس میں کوئی بات تو ضرور تھی جو وہ اب تک زندہ تھا۔

"تم مجھے بھوکے لگ رہے ہو۔ کچھ کھاؤ گے؟" اس بات پر حاتم کی آنکھوں کے ساتھ ساتھ اس کی بھوک بھی چمک اٹھی تھی۔ وہ دو دن سے بھوکا تھا۔ اسے جان کر بھوکا رکھا گیا تھا۔

"کھانا کھاؤ گے؟" ایک بار پھر پوچھنے پر حاتم نے آہستگی سے اثبات میں سر ہلایا تھا۔ اس شخص کے چہرے پر معنی خیز مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔

اس نے اشارے سے دروازے کے پاس کھڑے گارڈ کو بلایا تھا۔ تھوڑی دیر میں وہ ایک ڈھکی ہوئی ٹرے اور ایک باکس لے کر اندر داخل ہوا تھا۔

"اس دنیا میں کوئی بھی چیز ایسے ہی نہیں مل جاتی۔ اگر تمہیں کھانا چاہیئے تو تمہیں میرا ایک کام کرنا ہو گا۔" اس شخص نے ٹرے پر سے ڈھکن ہٹایا تھا۔

"کیسا کام....؟" اپنے سامنے اتنے سارے لوازمات دیکھ کر حاتم کو شدت سے بھوک کا احساس ہوا تھا۔

"اس باکس میں ایک بلی ہے اور یہ چاقو ہے۔ اسے مار دو اور کھانا حاصل کر لو۔" اس بات پر حاتم کی سانس سوکھ گئی تھی۔ وہ یہ کرنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

"میں یہ نہیں کروں گا، کسی قیمت پر بھی نہیں...."

"تمہاری مرضی ہے لیکن ایک بات یاد رکھنا، اگر تم یہ نہیں کرو گے تو اگلے ایک ہفتے تک تمہیں کھانا نہیں ملے گا اور اگر تم یہ کرو گے تو تمہیں روز کھانا ملے گا۔" وہ لوگ تو تیس تیس سال کے مرد کو اپنے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیتے تھے۔ یہ تو پھر ایک بچہ تھا۔

حاتم گہری سوچ میں پڑ گیا تھا۔

"خود کو بچانے کے لیے کسی کو مارنا غلط نہیں ہے۔ اپنی ضرورت کے لیے کسی کو مارنا بالکل جائز ہے۔ تم کچھ غلط نہیں کرو گے۔" وہ لوگ کافی عرصے سے اس کا برین واش کر رہے تھے۔ اسے ایک درندہ بنانے کے جتن کر رہے تھے اور وہ اچھے سے جانتے تھے کہ وہ بہت جلد اس میں کامیاب بھی ہو جائے گے۔

حاتم کچھ دیر عجیب نظروں سے اس باکس اور کھانے کی ٹرے کو دیکھتا رہا تھا پھر وہ ہمت کرتا بامشکل اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

اس نے کپکپاتے ہاتھوں سے وہ باکس کھولا تھا۔اس باکس میں ایک بہت ہی خوبصورت پرشیئن سفید بلی کا بچہ تھا۔وہ کرنٹ کھا کر پیچھے ہٹا تھا۔

"یہ تو بہت چھوٹا سا ہے۔"وہ سسکا تھا۔

"بالکل نہیں ڈیوڈ....یہ تمہارا دشمن ہے۔وہ دشمن جس کی وجہ سے تم بھوکے ہو۔مار دو اسے اور اپنی خوراک حاصل کرو۔"

"نہیں! نہیں!"وہ مسلسل روتے ہوئے سر نفی میں ہلا رہا تھا۔

"مار دو اسے....مار دو....."بار بار ایک ہی آواز اس کے کانوں میں گونج رہی تھی۔

اس نے ایک نظر اس معصوم بلی کے بچے کی طرف دیکھا تھا جس کی گرے آنکھوں میں صرف معصومیت ہی تھی اور دوسری نظر اس کھانے کو.....جہاں کھانے کی خوشبو اس کے نتھنوں سے ٹکرا رہی تھی وہیں اس بچے کی میاؤں میاؤں کی آواز بھی اسے برابر سنائی دے رہی تھی۔

ایک لمحہ لگا تھا اسے فیصلہ کرنے میں....انسانیت اور درندگی میں سے اس نے درندگی کو چنا تھا۔حاتم نے کپکپاتے ہاتھوں کے ساتھ چھری اٹھائی تھی۔

آنکھیں بند کیے وہ چھری اس بلی کے بچے کے قریب لے گیا تھا۔اگلے لمحے اس کے کپڑوں اور چہرے پر خون کے چھینٹے تھے۔یہ حاتم کی زندگی کا پہلا قتل تھا۔وہ ایک بلی کا قتل نہیں تھا،وہ معصومیت کا قتل تھا،وہ حاتم کا قتل تھا اور ڈیوڈ کی پیدائش.....

وہ ایک جھٹکے سے سیدھا ہو کر بیٹھا تھا۔کچھ دیر چابی ٹٹولنے کے بعد ڈیوڈ نے سرخ آنکھوں کے ساتھ گاڑی آگے ڈورائی تھی۔

وانیہ اور احمر کی دوستی کو تقریباً مہینہ ہونے کو آیا تھا۔ ہر گزرتے دن کے ساتھ یہ دوستی گہری سے گہری ہوتی جا رہی تھی۔

اب بھی اس نے احمر کو کسی فوٹو شوٹ کے لیے ایک جگہ بلایا تھا۔ احمر بہت اچھا فوٹو گرافر تھا۔ مگر اس کی فوٹو گرافی کی ایک خاص بات تھی، وہ صرف انہی چیزوں کی تصویریں لیتا تھا جو کہ اسے خوبصورت لگتی تھی۔ وہ زیادہ تر قدرت کے حسین مناظر کو اپنے کیمرے میں مقید کرتا تھا۔

کافی دیر وانیہ کا انتظار کرنے کے بعد اس نے اب جھنجھلاتے ہوئے اسے فون ملایا تھا۔

"کہاں پر ہو تم.... ؟ اور مجھے یہاں کیوں بلایا ہے، یہاں خوبصورتی نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔" ایک اونچے مقام پر سورج کے غروب ہونے کا دلنشیں منظر بھی اسے متاثر نہیں کر سکا تھا۔

"اپنے پیچھے دیکھو۔" فون سے نسوانی آواز سنتے ہی وہ بے اختیار پلٹا تھا۔

آسمان میں اڑتے پرندے کی پرواز رک گئی تھی، ہوا کے تیز جھونکوں نے اپنا رخ موڑا تھا۔ کسی کی نظریں تھمی تھیں، کوئی ساکت ہوا تھا، وہ احمر تھا.... جو اپنے سامنے وانیہ کو دیکھ کر بالکل مسمرائز ہوا تھا۔ ہلکے جامنی رنگ کی خوبصورت مگر سادہ سی میکسی پہنے وہ مسکرا کر اس کی جانب آرہی تھی۔ اس کے بڑھتے ہر قدم پر احمر کے دل کی دھڑکن بے قابو ہو جاتی تھی۔

احمر کی یہ کیفیت اس کا بے پناہ حسن دیکھ کر نہیں ہوئی تھی بلکہ کچھ اور تھا جس نے اسے چاروں خانے چت کر دیا تھا۔

وانیہ کا حجاب..... سفید اور جامنی رنگ کے امتزاج کا وہ خوبصورت حجاب.....

"اب تو لوگے نا میری تصویر؟" اس تک پہنچتے وہ چیلنجنگ انداز میں گویا ہوئی تھی۔

احمر نے مسکرا کر اس کا خوبصورت سراپا اپنے کیمرے میں قید کیا تھا۔

وانیہ نے کئی بار اس سے اپنی تصویر کھینچنے کی فرمائش کا اظہار کیا تھا مگر احمر نے ہمیشہ ہی انکار کیا تھا۔ اس کے بقول وہ صرف خوبصورتی کو ہی اپنے کیمرے میں قید کرتا تھا اور وانیہ.... وانیہ اسے کبھی خوبصورت نہیں لگی تھی، مگر آج وہ اسے نا صرف حسین لگی تھی بلکہ وہ بری طرح اپنا دل بھی ہار بیٹھا تھا۔

"مجھے تم سے کہنا ہے۔" اس نے ہمت کرتے اپنے دل کی بات کہنے کا فیصلہ کیا تھا۔

"کہو...." سورج کے نارنجی رنگ میں کھوتے وانیہ نے خوشدلی سے اجازت دی تھا۔

"تمہیں محبت پر یقین ہے؟" انگلیوں کو آپس میں مس کیے اس نے اپنی گھبراہٹ پر قابو پایا تھا۔

"ہاں ہے۔" کسی کے نقوش کو آنکھوں کے پردے پر تصور کرتے اس نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

"تمہیں پتا ہے احمر! اس کی شاعری مجھے بہت اچھی لگتی ہے۔ کبھی کبھی اس کا ڈانٹنا بھی اور اس کے تحائف بھی...." احمر کے دل کو کچھ ہوا تھا، ایسے جیسے کسی نے اسے مٹھی میں جکڑا ہو۔ اسے ہرگز اندازہ نہیں تھا کہ وانیہ کی زندگی میں کوئی ہوگا۔

"تمہیں پتا ہے میں اس سے بدگمان ضرور ہوئی تھی مگر میری محبت اس کے لیے کم نہیں ہوئی۔ اس غروب ہوتے سورج کے سامنے آج میں اعتراف کرتی ہوں کہ مجھے شاہین سے بے انتہا محبت ہے۔ مجھے اپنے شوہر سے بہت محبت ہے۔" وہ دلکشی سے مسکرائی تھی۔ اس بات سے انجان کہ وہ کسی کا معصوم دل بری طرح توڑ چکی ہے۔

"شاہین....؟ تم شادی شدہ ہو؟" احمر کو اپنی آواز کسی کھائی سے آتی سنائی دی تھی۔

"ہاں! میں کسی کی منکوحہ ہوں اور تمہیں پتا ہے میں نے اپنی زندگی میں کبھی اس شخص کو حقیقت میں نہیں دیکھا مگر میں نے اسے تصور کیا ہے۔ وہ بہت اچھا ہے، بہت زیادہ...." احمر کے لیے اب ایک قدم بھی وہاں رکنا مشکل ہو گیا تھا۔

"مجھے کام ہے، بعد میں ملتے ہیں۔" ایک لمحہ ضائع کیے بغیر وہ تقریباً بھاگتا ہوا وہاں سے گیا تھا۔

وانیہ نے اسے آوازیں دی تھیں مگر وہ نہیں رکا تھا۔ رکنا ممکن ہی نہیں تھا۔ اب پیچھے مڑ کے دیکھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اس کا دل ٹوٹا تھا۔ اس کی پہلی محبت نے اس کا دل بری طرح توڑا تھا۔

اب یہاں اسکا کچھ نہیں بچا تھا۔ سب ختم ہو گیا تھا۔ اقرار سے پہلے ہی انکار کا تیر اس کے دل میں پیوست کر دیا گیا تھا۔

بس یہی تک تھا وانیہ اور احمر کا ساتھ.....

---

وانیہ کو احمر پر شدید غصہ تھا کیونکہ وہ اسے اکیلا چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ گھر آتے ہی اس نے نوچ کر اپنا حجاب اتارا تھا۔ کپڑے تبدیل کیے اس نے رول کیے بستر پر پٹخے تھے۔ اب وہ منہ بنا کر بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا کر بیٹھی تھی۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد اسے احمر کا ایک لمبا چوڑا وائس نوٹ آیا تھا۔ پہلے پہل تو وانیہ نے اسے بغیر پڑھے ہی ڈیلیٹ کرنے کا فیصلہ کیا تھا مگر پھر اس نے منہ بسورے اسے کھول ہی لیا تھا۔

"آئی۔ایم۔سوری وانیہ! مجھے تمہیں اسطرح چھوڑ کر نہیں جانا چاہیئے تھا۔ مگر میں مجبور تھا۔ میرے گھر ایک ایمرجنسی ہو گی ہے جس وجہ سے میں واپس جا رہا ہوں اور اب کبھی واپس نہیں آؤں گا۔ لیکن ہم دوست ہیں اور ہمیشہ رہے گے۔ تمہیں اگر زندگی میں کبھی بھی میری ضرورت پڑے تو تم مجھے بس ایک کال کر لینا، میں آ جاؤں گا۔ الوداع وانیہ....!" وہ کچھ دیر شاک کی کیفیت میں بیٹھی رہی تھی پھر اچانک ہی اس کی بائیں آنکھ نے ایک موتی گرایا تھا۔

احمر اس کے ساتھ ایسا کرے گا یہ اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔ وہ تو اسے اپنا دوست مانتی تھی اور اس نے کیا کیا....؟ اسے اسطرح اکیلا چھوڑ کر چلا گیا۔

کچھ دیر آنسو بہانے کے بعد وہ اپنے کمرے سے باہر آئی تھی۔ دل کی عجیب کیفیت تھی۔ وہ بہت اکیلا پن محسوس کر رہی تھی۔ وانیہ نے پہلے نائل کو کال کرنے کا سوچا تھا مگر پھر اس کی آنا آڑے آگئی تھی۔ لہذا اسنے اپنا رخ ماہم کے کمرے کی جانب کیا تھا۔

دروازہ ناک کرتے ساتھ ہی ماہم نے اسے اندر آنے کی اجازت دی تھی۔

"آپ کہیں جا رہی ہیں پھوپھو....؟" اسے اپنے بال سٹریٹ کرتے دیکھ وانیہ نے استفسار کیا تھا۔

"ہاں ضروری کام ہے۔" آئینے میں خود کو دیکھتے اس نے سرسری سے انداز میں کہا تھا۔

بلاشبہ وہ بہت حسین تھی۔ ماہم کی عمر لگ بھگ چالیس سے بیالیس سال کے درمیان تھی۔ نائل اور اس کی عمر میں چند سالوں کا ہی فرق تھا مگر وہ پھر بھی اسے ماں جیسی عزت ہی دیتا تھا۔

"آپ کچھ دیر میرے پاس نہیں رک سکتیں؟" وانیہ نے ایک آس سے کہا تھا۔

"ضروری کام نا ہوتا تو میں ضرور رک جاتی۔" ماہم نے اجلت بھرے انداز میں اپنا بیگ اٹھایا تھا۔

"پھوپھو پلیز رک جائیں۔" وانیہ نے ایک بار پھر منت کی تھی۔

"میری جان! میں نے کہا نا کہ ضروری کام ہے اور ویسے بھی میری گڑیا بور تو ہو ہی نہیں سکتی، اتنی ٹیلنٹڈ جو ہے۔" ماہم کے لبوں پر مدھم مسکراہٹ تھی۔

"ویسے ہیکنگ اور زہر بنانے کے علاوہ اور کیا کیا کر سکتی ہے میری گڑیا....؟" اپنا بیگ اتارے وہ ایک بار پھر ڈریسنگ ٹیبل کے پاس گئی تھی۔ کھلے بال اسے الجھن میں مبتلا کر رہے تھے لہذا اس نے انہیں باندھنے کا فیصلہ کیا تھا۔

ماہم نے لمبے گھنے بالوں کو پونی ٹیل میں جکڑا تھا۔

"ایسا تو کچھ خاص نہیں، بس میں....." وانیہ کی نظروں نے اچانک ماہم کے سراپے کا طواف کیا تھا۔

اس کے پونی ٹیل میں جکڑے بال، لمبا سیاہ کوٹ اور جینز کے اوپر ٹوپ.....وہ کہیں اور ہی پہنچ گئی تھی۔ کہیں بہت پیچھے..... سڑک کے پار کھڑی گاڑی، تین درندے اور ایک عورت....

"پھوپھو...." اس کے نا صرف لب پھڑ پھڑانے تھے بلکہ قدم بھی لڑکھڑائے تھے۔ آٹھ سال اتنی کم عمر بھی نہیں ہوتی کہ اسے کچھ یاد نا رہتا مگر یہ وانیہ کی ذہنی حالت تھی جس وجہ سے اسے کچھ یاد نہیں رہتا تھا۔

گہری گہری سانسیں لیتے وہ نفی میں سر ہلاتے پیچھے ہٹی تھی۔

"نہیں! نہیں....." مسلسل چلاتے ہوئے وہ وہاں سے بھاگی تھی۔ ماہم اس کے اس رویے پر ایک لمحے کے لیے بہت حیران ہوئی تھی مگر پھر اس نے منہ بھی کچھ بڑبڑاتے ہوئے سر جھٹکا تھا۔

"پاگل....."

---

وانیہ اندھا دھند بھاگتی ہوئی اپنے کمرے کی جانب گئی تھی۔ اس نے فوراً اپنے کمرے کو لاک کیا تھا۔ اس کا سارا وجود ہی کپکپا رہا تھا۔ دل کی دھڑکنیں اس قدر تیز تھیں معنوں جیسے ابھی باہر آ جائے گا۔

وہ اتنی بیوقوف نہیں تھی کہ کچھ سمجھ نا سکے۔ وہ آج سب سمجھ چکی تھی۔ ماہم کو نہ پہچاننے کی وجہ اس کا حلیہ تھا اور پھر کچھ ادویات کا اثر.....

"زہر کیسے بناتی ہو تم....؟"

"کس کیمیکل کا استعمال کرتی ہو؟"

"ہیکنگ کے لیے کون سا پروگرام استعمال کرتی ہو؟"

وانیہ کے ذہن میں اس کے کیے گئے سوال گردش کرنے لگے تھے۔اپنے ہاتھوں سے اپنا سر تھامتے وہ بستر پر بیٹھی تھی۔

اسے آج شدت سے اپنی بیوا قوفی کا احساس ہو رہا تھا۔اس نے ماہم کی باتوں میں آکر نائل کو خود سے بدگمان کر دیا تھا۔

"یہ میں نے کیا کر دیا....؟"اس کی آنکھیں اشق بہا رہی تھیں۔

نائل پر وانیہ کا راز افشاں ہونے کے بعد وہ اپنے کمرے میں بیٹھی مسلسل رو رہی تھی جب ماہم اس کے کمرے میں داخل ہوئی تھی۔

"پھوپھو پھو ٹرسٹ می! میں نے کوئی دوائیاں تبدیل نہیں کیں۔مجھے کسی رپورٹس کے بارے میں کچھ نہیں پتا۔"وہ روتے ہوئے ماہم کے گلے لگی تھی۔

"میں جانتی ہوں میری گڑیا...."ماہم نے اس کی پیٹ سہلائی تھی۔

"میرا یقین کریں، میں نے کچھ نہیں کیا۔میں سچ کہہ رہی ہوں۔رات کو وہ آوازیں....مجھے بہت تکلیف ہوتی ہے پھوپھو! بہت زیادہ....میرا یقین کریں۔"اس سے الگ ہوتے وہ روتے ہوئے اسے اپنی بے گناہی کا یقین دلا رہی تھی۔

"مجھے تم پر پورا یقین ہے وانیہ مگر نائل کو تم پر اعتبار نہیں ہے۔"ماہم نے قدرے افسردگی سے کہا تھا۔

"میں کیا کروں پھوپھو، میں انہیں کیسے یقین دلاؤں؟"وہ روتے ہوئے مسلسل سسک رہی تھی۔

"تم جو مرضی کرلو، وہ تمہارا اعتبار نہیں کرے گا۔وہ تو تم سے ہمیشہ ہی بیزار رہتا ہے۔ایسے جیسے جان چھڑوانا چاہتا ہو اور دیکھو، آج تو اسے بہانہ بھی مل گیا۔"اپنی چاشنی زبان سے وہ وانیہ کے دماغ میں نائل کے خلاف زہر انڈیل رہی تھی۔

"یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں پھوپھو....؟ بھائی ایسے نہیں ہیں۔" اپنے بھائی کی شان میں گستاخی وہ کسی صورت برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

"بیٹھو یہاں پر...." ماہم نے اسے بستر پر بٹھایا تھا۔

"نائل تم سے بہت محبت کرتا ہے مگر دیکھو نا! ایک وقت ایسا ضرور آتا ہے جب انسان تھک جاتا ہے۔ تمہیں نہیں لگتا کہ تم اس کی خوشیوں میں رکاوٹ ہو؟ اس نے ابھی تک شادی نہیں کی، صرف تمہاری وجہ سے.... کیا یہ اس کے ساتھ زیادتی نہیں ہے؟"

"میری وجہ سے....؟" وہ شاکڈ تھی۔

"ہاں تمہاری وجہ سے.... وہ نہیں چاہتا کہ شادی کر کے اس کا دھیان بٹ جائے۔ وہ صرف تم پر توجہ دینا چاہتا ہے۔" وانیہ کے اندر بہت کچھ ٹوٹا تھا۔ اس کا بھائی اس کے لیے اتنی بڑی قربانی دے رہا تھا، اور اسے تو خبر تک نہیں تھی۔

"تمہیں پتا ہے نائل نے مجھ سے کل کیا کہا...؟" وانیہ نے سوالیہ نظروں سے ماہم کی جانب دیکھا تھا۔

"اس نے کہا کہ اب اس کی برداشت ختم ہو گئی ہے۔ وہ تمہیں پاگل خانے میں داخل کروانا چاہتا ہے۔" وانیہ کی سانس پل میں سوکھی تھی۔ اسے اپنے کانوں میں سائیں سائیں کی آواز سنائی دینے لگی تھی۔ اس کا بھائی.... اس پر جان چھڑکنے والا بھائی ایسا کیسے کہہ سکتا تھا؟؟

"بھائی ایسا کیسے.... کیسے کہہ سکتے ہیں؟" گلے سے پھنسی پھنسی سی آواز نکلی تھی۔ آنکھوں میں بے یقینی در آئی تھی۔

"وانیہ.... میں نے اسے بہت سمجھایا ہے مگر وہ ماننے کو تیار ہی نہیں ہے۔" وہ کبھی اس بات پر یقین نا کرتی اگر اسے یہ بتانے والی اس کی ماں جیسی پھوپھو نا ہوتی تو....

"میں پاگل نہیں ہوں پھوپھو! میں پاگل خانے نہیں جاؤں گی۔" وہ تڑپ اٹھی تھی۔

"میں کیا کہہ سکتی ہوں وانیہ! یہ نائل کا فیصلہ ہے۔"

"نہیں پھوپھو! پلیز کچھ کریں، بھائی کو سمجھائیں۔" وہ بہت بری طرح ڈر گئی تھی۔

"اس کا ایک ہی حل ہے۔"

"کیا....؟" وہ فورا بولی تھی۔

"تم قبول کرلو کہ تمہیں کبھی کوئی اٹیک نہیں ہوا۔ نائل کو ابھی صرف شک ہے۔ تم اس کا شک یقین میں بدل دو۔ مجھ سے تھوڑی سی بدتمیزی بھی کرنی ہوگی تمہیں....اس کے بعد ہم دونوں لندن چلے جائے گے۔ کچھ عرصے بعد نائل کا غصہ جب ٹھنڈا ہوگا تو وہ تمہیں خود ہی بلالے گا۔" وہ حد سے زیادہ شاطر اور چالاک تھی۔

"میں جھوٹ بولوں پھوپھو؟؟"

"اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ لندن جانا پاگل خانے جانے سے کئی گنا زیادہ بہتر ہے۔" وانیہ ایک لمحے کے لیے سوچ میں پڑ گئی تھی۔ اسے ماہم کی بات بری نہیں لگی تھی۔

"یہ میں نے کیا کردیا۔" اپنی بیوقوفی کو یاد کرتے وانیہ نے اپنے بال نوچے تھے۔

"اس کا مطلب وہ آواز بھی پھوپھو کی ہی تھی اور میں....میں کبھی پاگل تھی ہی نہیں....مجھے پاگل کیا گیا ہے۔" اتنے سارے انکشافات نے اس کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سلب کردی تھی۔

کچھ دیر اپنی قسمت پر اشق بہانے کے بعد اس نے پھرتی سے فون اٹھایا تھا۔ اسے نائل کو کال کر کے سب کچھ بتانا تھا مگر ہاتھوں میں اس قدر لرزش تھی کہ فون چھوٹ کر اس کے ہاتھ سے گرا تھا۔ فون کے گرتے ساتھ ہی چھن کی آواز کے ساتھ اس کی سکرین ٹوٹی تھی۔ وانیہ نے جھک کر فورا فون اٹھایا تھا مگر سب بے سود....وہ نہیں چل رہا تھا۔

ڈیوڈ نے فون کر کے نائل کو ملنے کے لیے بلایا تھا۔نائل کچھ حد تک خوش بھی تھا اور کچھ خدشات نے بھی اسے گھیرا ہوا تھا، نجانے ڈیوڈ کو کیا پتا چلا تھا اور آج وہ کس طرح سے ری ایکٹ کرے گا؟

وہ دونوں رات کی تاریکی میں ایک بار پھر ایک سنسان جگہ پر ملے تھے، جہاں دور دور تک کوئی انسان تو دور بلکہ جانور تک نہیں تھا۔

نائل اپنی گاڑی روکے باہر نکلا تھا۔ڈیوڈ پہلے سے ہی کھڑا اس کا انتظار کر رہا تھا۔نائل کو دیکھتے وہ بغیر اسے کچھ سمجھنے کا موقع دیے تیزی سے آگے بڑھ کر اس کے گلے لگا تھا۔نائل ہکا بکا رہ گیا تھا۔یہ اس کی توقعات سے بالکل برعکس تھا۔

"نائل بھائی...."اس کے لہجے میں نمی گھلی تھی۔

"میں آپ سے معافی مانگنے کے قابل بھی نہیں رہا۔"اس سے الگ ہوتے ڈیوڈ نے نظریں جھکائے شرمندگی سے کہا تھا۔

"مجھے سمجھ نہیں آرہا کہ میں کس منہ سے معافی مانگوں؟"وہ نظریں اپنے جوتوں پر گاڑے مسلسل اپنے ہونٹ کچل رہا تھا۔

نائل تو ششدر تھا۔کیا یہ سب اتنا آسان تھا؟ کیا اتنی آسانی سے ڈیوڈ کو سب پتا چل گیا تھا اور تو اور اس نے یقین بھی کر لیا؟؟

"میں سب ٹھیک کرنا چاہتا ہوں نائل بھائی! کیا یہ ممکن ہے؟ بتائیں نائل بھائی! کیا میں واپس لوٹ سکتا ہوں؟ میں نے تو اپنا مذہب تک چھوڑ دیا۔مجھے لگا تھا کہ یہ حق نہیں ہے۔مجھے لگا تھا کہ بائبل مقدس ہی حق ہے۔مجھے ایسا کرنے پر مجبور کیا گیا تھا۔مجھے اسلام سے متنفر کیا گیا تھا لیکن اب میں سب سمجھ گیا ہوں۔میری

آنکھوں پر بندھی پٹی اب کھل چکی ہے۔میں لوٹنا چاہتا ہوں۔بتائیں نائل بھائی! کیا یہ مذہب مجھے دوبارہ قبول کرے گا؟"نائل کچھ لمحے بے یقینی سے اسے دیکھتا رہا تھا پھر اس نے گہری سانس ہوا میں تحلیل کرتے ڈیوڈ کے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا۔

"اللہ بہت غفور ورحیم ہے۔وہ تمہیں ضرور معاف کرے گا۔ان شاءاللہ!"نائل مدھم سا مسکرایا تھا۔

"میں آپ کی اور آئی۔ایس۔آئی کی پوری پوری مدد کرنے کو تیار ہوں لیکن...."وہ سانس لینے کو رکا تھا۔نائل نے سوالیہ نگاہیں اس کے چہرے پر مرکوز کی تھیں۔

"پہلے میں اسلام قبول کرنا چاہتا ہوں۔"نائل کو سچے دل سے خوشی ہوئی تھی۔

"میری خواہش ہے کہ کل جمعے کے وقت ہم اس شہر کی

سب سے بڑی مسجد میں جائیں اور میں امام مسجد کے ہاتھوں اسلام قبول کروں۔"نائل اس کی فرمائش پر ایک لمحے کے لیے چونکا ضرور تھا مگر پھر اس نے رضامندی دے دی تھی۔

---

وانیہ ساری رات شاک کی کیفیت میں رہی تھی۔جو بھی ہوا،اس پر یقین کرنا بے حد مشکل تھا۔اس نے سارا کمرہ چھان مارا تھا مگر اس کا پاسٹ پورٹ، ویزا کچھ بھی موجود نہیں تھا۔یقیناً اس سب کے پیچھے ماہم کا ہاتھ تھا۔وہ اسے نائل سے دور لندن لائی تھی مگر کیوں....؟اس سب کے پیچھے اس کا کیا مقصد تھا؟؟

صبح کے آٹھ بجے وہ اپنے کمرے سے باہر نکلی تھی۔ماہم ناشتے کی ٹیبل پر بیٹھی کسی سے محو گفتگو تھی۔وانیہ اس شخص کو اچھے سے جانتی تھی۔وہ کئی بار یہاں ماہم سے ملنے آتا تھا۔ماہم نے اسے اپنا دوست کہہ کر مخاطب کروایا تھا۔اسے صبح صبح ناشتے کی ٹیبل پر دیکھے وانیہ کو بہت حیرت ہوئی تھی۔وہ قدم قدم چلتی اس تک گئی تھی۔

"ارے میری گڑیا اٹھ گئی؟" ماہم نے ایک نرم مسکراہٹ اس کی جانب اچھالی تھی۔

"آؤ بیٹھو ناشتہ کرو ہمارے ساتھ...." وانیہ چپ چاپ کرسی گھسیٹتے ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھی تھی۔اب وہ گہری نظروں سے سامنے بیٹھے شخص کا جائزہ لے رہی تھی۔اس نے آج سے پہلے کبھی اسے اتنے غور سے نہیں دیکھا تھا۔

چہرے سے کچھ شناسائی کی رمق واضح ہوئی تھی۔شاید یہ شخص ان تین درندوں میں سے ایک تھا۔ابھی وہ اندازہ ہی لگا سکی تھی، کچھ بھی واضح نہیں تھا۔

اس کا دماغ مختلف سوالات اٹھا رہا تھا۔

"اگر اس سب کے پیچھے ماہم کا ہاتھ تھا تو اس نے یہ سب کیوں کیا؟ اس کی ماں کے ساتھ اس قدر ظلم کیوں....؟

ماہم اس کی سگی پھوپھو نہیں تھی، یہ تو وہ بھی جانتی تھی مگر اس نے تو اسے ماں کی طرح پالا تھا پھر وہ ادویات کیوں تبدیل کیں؟ اس کی رپورٹس کیوں تبدیل کیں؟ اسے کیوں ہر رات اذیت پہنچائی؟ کیوں اسے اس کا ماضی بھولنے نہیں دیا؟"

"آج میں اپنی گڑیا کو اپنے ہاتھوں سے کھانا کھلاؤں گی۔" ماہم کی آواز پر وانیہ کی سوچوں کا تسلسل ٹوٹا تھا۔

"وانیہ! ویسے تم نے بتایا نہیں کہ وہ زہر کیسے بناتی ہو؟" اپنے ہاتھ میں ٹوسٹ پکڑے ماہم نے وانیہ کے سامنے کیا تھا۔وانیہ نے ضبط سے مٹھیاں بھینچی تھیں۔

"اچھا چلو بعد میں بتا دینا! ابھی میرے ہاتھ سے ناشتہ تو کر لو۔" وانیہ کا صبر یہیں پر جواب دے گیا تھا۔وہ اپنی ماں کے قاتل کے ہاتھ سے ناشتہ تو ہرگز نہیں کر سکتی تھی۔

وانیہ ایک جھٹکے سے کرسی سے اٹھی تھی۔

"کیا ہوا وان....."

"چٹاخ...." ابھی ماہم کے الفاظ منہ میں ہی تھے جب وانیہ نے ایک زبردست تمانچہ اس کے منہ پر رسید کیا تھا۔ پھر یہ سلسلہ رکا نہیں تھا۔ وہ دیوانہ وار اس پر تھپڑوں کی برسات کر رہی تھی۔

"قاتل.... بے شرم.... جان لے لوں گی میں تمہاری...." وانیہ نے اسے گلے سے دبوچا تھا۔

"یہ کیا کر رہی ہو تم لڑکی....؟" الیکس نے آگے بڑھ کر اسے پیچھے ہٹانے کی کوشش کی تھی مگر اس نے ایسا کر کے اپنے ہی پیروں پر کلہاڑی ماری تھی کیونکہ وانیہ اب ماہم کو چھوڑ الیکس پر جھپٹی تھی۔

"تم بھی تھے نا....." اس نے اس کے پیٹ میں ایک زبردست گھونسا مارا تھا۔

"دماغ خراب مت کرو پاگل لڑکی!" الیکس نے غصے سے اس کے دونوں ہاتھ اپنی گرفت میں لیے تھے جبکہ ماہم ابھی بھی اپنا گلہ پکڑے بری طرح کھانس رہی تھی۔

"پاگل کسے کہا تم نے....؟ تم بے غیرتوں نے مجھے پاگل کیا۔ مجھے غلط دوائی دی۔ سب جان گئی ہوں میں، سب کچھ...." الیکس اور ماہم نے ایک دوسرے کی جانب دیکھا تھا۔

"میری ماں کے قاتل ہو تم لوگ، اتنے سالوں تک مجھے بیوقوف بناتے آئے ہو۔ میں چھوڑوں گی نہیں تمہیں...." وہ الیکس کی گرفت میں بری طرح مچلی تھی۔ وانیہ کا بس چلتا تو وہ ماہم کو زمین میں ہی گاڑھ دیتی۔

"الیکس....." ماہم نے اسے اشارہ کیا تھا۔ اس کا اشارہ سمجھتے الیکس نے وانیہ کی گردن پر ہاتھ رکھے مخصوص نس دبائی تھی اور اگلے ہی لمحے وہ ہوش و ہواس سے بیگانہ ہو گئی تھی۔

تقریباً دو گھنٹے بعد وانیہ کو ہوش آیا تھا۔ اس نے اپنا آپ کمرے کے فرش پر گرا پایا تھا۔ وہ بامشکل اٹھ کر بیٹھی تھی۔ ابھی اس نے کھڑے ہونے کی کوشش ہی کی تھی کہ اسے اپنا وجود کھنچتا ہوا محسوس ہوا تھا۔

اس کی نظروں نے اپنے پیروں تک کا سفر کیا تھا، وہاں بیڑیاں بندھی ہوئی تھیں۔ وانیہ نے اپنے ہاتھ وہاں لے جانے کی کوشش کی تھی مگر اس کے دونوں ہاتھ بھی بندھے ہوئے تھے۔

"خوش آمدید گڑیا! ایک نئی زندگی مبارک ہو۔" اس کے کانوں سے نسوانی آواز ٹکرائی تھی۔ وانیہ نے اس آواز کی پیروی کرتے سامنے دیکھا تھا۔ منظر دھندلا تھا مگر ہیل کی ٹک ٹک کی آواز واضح سنائی دے رہی تھی۔ اس شخصیت کے قریب آتے منظر بھی بالکل صاف ہوا تھا۔ وہ ماہم تھی، لمبے کوٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے، بالوں کو پونی ٹیل میں جکڑے اور ہونٹوں پر گہری لال لپسٹک لگائے....

اسے دیکھتے ہی وانیہ کا خون کھولنے لگا تھا۔ اس نے اٹھنے کی کوشش کی تھی مگر سب بے سود.... ایسا کرنے کی کوشش میں وہ خود کو ہی نقصان پہنچا رہی تھی۔ کیونکہ ان لوہے کی بیڑھیوں کا وزن بہت زیادہ تھا، وہ جتنی مزاحمت کرتی، اتنا ہی نقصان اٹھاتی....

"چچ.... چچ.... چچ....! کیا حال کر لیا ہے تم نے اپنا....؟ مجھے تو سوچ سوچ کر ترس آرہا ہے کہ آگے کیا کیا سہنا ہے تمہیں...." ماہم نے مصنوعی افسوس سے کہا تھا۔ وانیہ بغیر کچھ کہے برابر اسے گھور رہی تھی۔

"ویسے پتا کیسے چلا کہ وہ عورت میں تھی؟" ہاتھ باندھے ماہم نے دلچسپی سے استفسار کیا تھا۔

"مجھے یاد ہے، مجھے اچھے سے یاد ہے کہ وہ تم ہی تھی۔" وانیہ نے ایک ایک لفظ چبا چبا کر ادا کیا تھا۔

"اور تم جانتی ہو کہ تمہیں سب کیوں یاد ہے؟" ماہم دو قدم چلتی اس کے قریب آئی تھی۔ اس نے اب نفرت سے وانیہ کے بال نوچے تھے۔ وہ کراہ اٹھی تھی۔

"وہ اس لیے پیاری بھتیجی کیونکہ پچھلے کچھ عرصے سے میں نے تمہیں کسی قسم کی کوئی غلط دوائی نہیں دی۔ اور میں نے یہ اس لیے کیا کیونکہ تم سے مجھے بہت کام ہیں اور ان کاموں کو کرنے کے لیے تمہارا ٹھیک ہونا بے حد

ضروری تھا۔"ماہم نے ایک جھٹکے سے اس کے بال چھوڑے تھے۔وانیہ کا سر بیڈ سے ٹکرایا تھا۔اس کے سر سے خون کی ایک لکیر نمودار ہوئی تھی۔

ماہم نے اس کا سر پکڑے اس کے ماتھے پر بے دردی سے ٹشو رگڑا تھا۔

"ابھی کسی قسم کا اٹیک میں افورڈ نہیں کر سکتی۔"ماہم نے وہ ٹشو ورڈ سٹ بین میں پھینکا تھا۔

"مجھ سے کیا چاہتی ہو؟"وانیہ لب بھینچے چلائی تھی۔

"بہت کام ہیں،وقت آنے پر پتا چل جائے گا۔"ماہم کے لبوں پر معنی خیز مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔

"میرے ساتھ یہ سب کیوں کیا،میں نے تمہارا کیا بگاڑا تھا،ایک آٹھ سالہ بچی نے تمہارا کیا بگاڑا تھا؟کیوں مجھے پاگل پن کی دوائیاں دیں،کیوں مجھے کبھی وہ سب بھولنے نہیں دیا؟"بے بسی سے اسکی آنکھیں چھلکنے لگی تھیں۔

"تمہارا یہ چہرہ....سارے فساد کی جڑ تمہارا یہ چہرہ ہے۔"ماہم نے اس کا منہ دبوچا تھا۔

"تمہارا یہ حسن،تمہاری ٹھوڑی کا یہ تل....ہو بہو اپنی ماں پر گئی ہو۔اس عورت پر جس سے سب سے زیادہ نفرت کی میں نے...."ماہم نے اس کا منہ چھوڑے اسے پڑے دکھیلا تھا۔

"ساری فساد کی جڑ وہی تو تھی۔اس کی وجہ سے میں نے اپنی محبت کھودی۔دو بچوں کے بعد بھی کمبخت اتنی حسین اور جوان دکھتی تھی کہ سمیر اس پر بری طرح دل ہار بیٹھا۔سیم صرف میرا تھا۔میں نے اسے چاہا تھا مگر تمہاری ماں....اس نے اسے مجھ سے چھین لیا۔"وہ چلائی تھی۔وانیہ ناسمجھی سے اسے ہی دیکھ رہی تھی۔وہ کچھ بھی سمجھنے سے قاصر تھی۔

آخر کون تھا یہ سمیر....؟اس کے باپ کا نام تو مصطفی تھا تو پھر ماہم کس کے بارے میں بات کر رہی تھی؟؟

"لیکن دیکھو کیا انجام ہوا اس نینا کا...."ماہم نے قہقہ لگایا تھا۔

"نا صرف سمیر کے ہاتھوں گولی کھائی بلکہ مرتے وقت عزت بھی گنوادی۔" وانیہ کی آنکھوں میں خون اترا تھا۔

"کون تھا وہ شخص.... ؟بتاؤ مجھے.... باقی کے دو کون تھے ؟ایک تو جیمز نامی شخص تھا تو دوسرا کون تھا؟ ؟بتاؤ مجھے کون تھا وہ.... ؟" وہ پوری قوت سے چلائی تھی۔

"آہستہ بولو! کان کے پردے پھاڑو گی کیا.... ؟ابھی ضروری کام سے باہر جانا ہے مجھے.... آکر بات کرتے ہیں۔تب تک تم انجوائے کرو۔" ایک تیکھی مسکراہٹ اس کی جانب اچھالے وہ واپس پلٹی تھی۔

"بتاؤ مجھے کون ہے وہ.... ؟" وہ اس قید میں مسلسل پھڑ پھڑا رہی تھی مگر ساری کوششیں بے کار تھیں۔

---

جمعے کے وقت ساری مسجد لوگوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ سفید کرتے میں سادے سے حلیے میں ملبوس دو شخص مسجد کے اندر داخل ہوئے تھے۔نائل اور ڈیوڈ نے ساتھ میں نماز ادا کی تھی۔نائل کچھ عجیب سا محسوس کر رہا تھا۔اصولاً پہلے ڈیوڈ کو اسلام قبول کرنا چاہیئے تھا پھر نماز ادا....اس کا دل خدشات میں گھرا ہوا تھا مگر اس نے پھر بھی اپنے ہر غلط خیال کی تردید کی تھی۔اس نے حاتم پر بھروسہ کیا تھا مگر وہ اس بات سے انجان تھا کہ سامنے موجود شخص اب حاتم نہیں رہا، وہ ڈیوڈ ہے۔

جمعے کی نماز پڑھنے کے بعد ابھی صرف دو منٹ ہی گزرے تھے کہ ہر طرف فائرنگ سٹارٹ ہوئی تھی۔

ہر طرف بھگدڑ مچ گئی تھی۔ڈیوڈ تو با آسانی اپنے بندوں کے زیر نگرانی وہاں سے نکل گیا تھا مگر نائل....اسے جب تک ساری صورت حال سمجھ آئی تھی، تب تک وہاں لاشیں بھیچ چکی تھیں۔مسجد کی در دیوار نمازیوں کے خون سے رنگین جا چکی تھی۔نائل کے پاس اس وقت نا کوئی گن تھی اور نا ہی

موبائل.....ڈیوڈ نے اسے شدید قسم کا دھچکا دیا تھا۔وہ اسے ایک ایسا سبق پڑھا گیا تھا جسے نائل ساری زندگی نہیں بھول سکتا تھا۔

فائرنگ اب بھی جاری تھی۔چند نقاب پوش لوگ مسجد کے ستونوں کے پیچھے سے دھر ادھر فائرنگ کر رہے تھے۔لوگ باہر جانے کے لیے جیسے ہی سربراہی دروازے کی جانب بھاگتے،ان کا سارا وجود گولیوں سے بھون دیا جاتا۔نائل کو کسی قسم کا کوئی نقصان نہیں پہنچایا گیا تھا۔یہ ساری کاروائی صرف سات منٹ کے اندر اندر ہوئی تھی۔پولیس کے وہاں تک پہنچتے یا کسی بھی قسم کے ردعمل سے پہلے ہی وہ نقاب پوش لوگ وہاں سے بھاگ چکے تھے۔

---

ڈیوڈ نے جو جھٹکا نائل کو دیا تھا،وہ چاہ کر بھی اسے بھول نہیں پا رہا تھا۔

"نائل سنبھالو خود کو....."محسن نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھے اسے تسلی دی تھی۔

"میں اسے چھوڑوں گا نہیں....میں اسے جان سے مار دوں گا۔"اس کی آنکھوں میں سرخی نمودار ہوئی تھی۔

"میں خود کو اس ملک کا محافظ کہتا ہوں اور آج اتنے سارے لوگوں کا قاتل بن گیا۔"اس کی آواز سے بے بسی صاف چھلک رہی تھی۔

"میں خود کو کیسے معاف کروں گا محسن....؟"اس کی آنکھیں متورم تھیں جبکہ لہجہ شکست خور تھا۔

"تمہارا اس میں کوئی قصور نہیں ہے۔"وہ اسے تسلی دینے کی کوشش کر رہا تھا۔

"تو پھر کس کا قصور ہے؟میں نے کیوں اس پر اعتبار کیا؟"وہ مسلسل خود کو ہی ملامت کر رہا تھا۔

"نائل!تم اسے وہاں نا بھی لے کر جاتے تب بھی اس نے یہی کرنا تھا۔"محسن بالکل ٹھیک کہہ رہا تھا۔یہ سب تو پہلے سے ہی پلینڈ تھا۔

"لیکن اس سب کا باعث میں بنا، اس نے یہ جان کر کیا۔" اس سے پہلے کہ ان دونوں کے درمیان مزید کوئی بات ہوتی، نائل کا فون بجا تھا۔

ڈیوڈ کا نمبر دیکھ کر اس کی آنکھوں میں لہو اترا تھا۔ نائل نے لب بھینچے فون اٹھایا تھا۔

"کیسا لگا سرپرائیز سالے صاحب؟" اس کا لہجہ تمسخرانہ تھا۔ نائل نے سختی سے آنکھیں میچی تھیں۔

"امید کرتا ہوں کہ یہ سبق ساری زندگی نہیں بھولیں گے آپ...." صوفے پر شاہانہ انداز میں لیٹے اس نے سلگار کا کش بھرتے نائل کا مذاق اڑایا تھا۔

"آپ کو کیا لگا تھا کہ یہ جھوٹی فائلز مجھے دکھا کر آپ میرا بھروسہ جیت لے گے؟ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، میں کوئی چھوٹا بچہ نہیں ہوں جو سب سمجھ نا سکوں۔" نائل کے ڈیوڈ کو فائل دینے سے پہلے ہی بدر اسے سب کچھ بتا اور سمجھا چکا تھا۔ اس کے ذہن میں اس قدر زہر بھر دیا گیا تھا کہ اسے نائل کی ہر بات اور ہر ثبوت ہی جھوٹا معلوم ہوتا تھا۔

"تمہیں پتا ہے حاتم! ایک دن تم بہت پچھتاؤ گے، بہت زیادہ....." نائل بس اتنا ہی کہہ سکا تھا۔

"پچھتانے کی باری میری نہیں اب آپ کی ہے۔"

"جن لوگوں نے تمہیں اتنا ٹارچر کیا، تم انہی کا ساتھ دے رہے ہو؟" نائل نے چڑ کر کہا تھا۔

"انہوں نے میرے خاندان کو نہیں مارا، انہوں نے میری بہن کو نہیں مارا....ان لوگوں تک میں صرف آپ کی وجہ سے پہنچا تھا۔ اور ویسے بھی اس عمل سے تو سب گزرتے ہیں۔ اس وقت میں گزرا تھا تو آج نجانے کتنے نوجوان گزر رہے ہیں۔ یہ سب ضروری تھا، خود کو مضبوط کرنے کے لیے بے حد ضروری...." نائل نے بے اختیار گہری سانس خارج کی تھی۔

وہ اسے نہیں سمجھا سکتا تھا۔

"میں نے تمہارے ساتھ غلط کیا تو تم بھی میرے ساتھ غلط کرونا.... تم کیوں معصوم لوگوں کی جان لے رہے ہو؟"

"معصوم تو کوئی بھی نہیں ہے سالے صاحب! اور ویسے بھی اپنی تسکین کے لیے کسی کو مارنا غلط نہیں ہے۔ لوگوں کی چیخ وپکار، یہ خون خرابہ مجھے سکون دیتا ہے۔ اور بلیک مونسٹر اپنے سکون کے لیے کچھ بھی کر سکتا ہے۔ ویسے میرا ارادہ بم بلاسٹ کرنے کا تھا مگر مسجد میں اس تعداد میں لوگ موجود نہیں تھے بس اسی لیے ارادہ بدل دیا۔"

"ایک پل کے لیے سوچو اگر اس جگہ تمہارا عزیز ہوتا پھر....؟"

"میں وہ کیوں سوچوں جو ممکن ہی نہیں ہے۔ میرے سارے عزیز تو ویسے ہی مر چکے ہیں اب کسی اور کے مرنے اور جینے سے مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" سفاکیت کی انتہا تھی۔

"اللہ بہت جلد تمہیں سب دکھائے گا۔" نائل اس وقت شدید صدمے کی حالت میں تھا جس وجہ سے اس کا دماغ ٹھیک سے کام نہیں کر رہا تھا۔

"بس جب خود سے کچھ نہیں ہوتا تو بددعائیں دینا شروع ہو جاتے ہیں آپ مسلمان...." ڈیوڈ نے ہنکارا بھرتے تمسخر اڑایا تھا۔

"تم بھی مسلمان تھے۔"

"تھا ہوں نہیں..... جو حق تھا میں نے اسے چن لیا۔" نائل اس سے مزید بحث نہیں کر سکتا تھا لہذا اس نے فوراً ہی کال کاٹ دی تھی۔ دوسری طرف ڈیوڈ کے لبوں پر فاتحانہ مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔

نائل کبھی بھی ڈیوڈ تک نہیں پہنچ سکتا تھا، نا تو اس کے پاس اتنی طاقت تھی اور نا ہی کوئی ثبوت.....

وانیہ نجانے کتنے گھنٹے وہاں بیٹھی اپنی قسمت پر اشق بہاتی رہی تھی پھر اچانک ہی دروازہ کھلنے کی آواز آئی تھی۔ ماہم کو اندر آتے دیکھ وانیہ نے ناگواری سے منہ پھیرا تھا۔

"کھانا کھالو۔" ماہم نے اس کے سامنے پلیٹ رکھی تھی۔

"دفع ہو جاؤ یہاں سے....." اس نے سرخ انگارہ آنکھوں سے ایک نظر ماہم کو تو دوسری نظر اس پلیٹ کو دیکھا تھا۔

"تمہارا خیال ہے کہ میں تمہیں مرنے دوں گی؟ ہر گز نہیں میری پیاری بھتیجی.... ابھی تو تم سے بہت سارے کام نکلوانے ہیں۔ بہت سارے اکاؤنٹس ہیں جو تمہیں ہیک کرنے ہیں اور وہ زہر بلکہ ہر قسم کا زہر بنا کر دو گی تم مجھے...."

"تمہاری سوچ ہے۔" وانیہ نے اس کی بات مذاق میں اڑائی تھی۔

"یہ تو وقت بتائے گا میری جان!" ماہم نے آگے بڑھ کر اس کا گال تھتھپایا تھا۔

"ویسے بہتر ہے کہ چپ چاپ میری بات مان لو ورنہ بہت زیادہ تکلیف ہو گی تمہیں...."

"جو کرنا ہے کر لو، میں نہیں ڈرتی تم سے..... اور ایک بات اپنے دماغ میں بٹھالو، میں وانیہ آفندی ہوں۔ تم مجھے قید نہیں کر سکتی۔ میں بہت جلد فرار ہو جاؤں گی۔" ماہم تو اس کے اعتماد کو سراہے بنا نا رہ سکی تھی۔

"ویسے ترس آتا ہے مجھے تم پر.... اگر بھائی کو یہ سب پتا چل گیا تو کیا حشر کریں گے وہ تمہارا....؟" ماہم کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ ہوئی تھی۔ نائل اس کے ساتھ کیا کیا کر سکتا تھا یہ وہ بخوبی جانتی تھی۔

"ہر دو گھنٹے بعد کال آتی ہے تمہارے بھائی کی، تمہاری خیریت پوچھنے کے لیے...." وانیہ نے چونک کر سر اٹھایا تھا۔

"بات کرنا چاہتا ہے وہ تم سے لیکن میں ہمیشہ ہی منع کر دیتی ہوں۔ جانتی ہو میں اسے کیا وجہ بتاتی ہوں؟" جہاں ماہم کے لبوں پر شیطانی مسکراہٹ تھی وہیں وانیہ کی آنکھوں میں بے یقینی.....

"یہی کہ تم اس سے بات نہیں کرنا چاہتی یہاں تک کہ اس کا نام بھی نہیں سننا چاہتی۔ اور جب جب میں تمہارے سامنے نائل کا ذکر کرتی ہوں تو تمہاری حالت خراب ہو جاتی ہے۔ بس اسی لیے وہ بیچارا نا تو تمہیں کال کرتا ہے اور نا ہی یہاں تم سے ملنے آتا ہے۔" وانیہ کی آنکھ سے آنسو ٹوٹ کر گرا تھا۔

"میں تمہاری جان لے لوں گی۔" وہ اس قید میں ایک بار پھر مچلی تھی۔

اس نے کیسے سوچ لیا تھا کہ اس پر جان چھڑکنے والا بھائی اسے ایسے ہی چھوڑ سکتا تھا؟

"وہ تو ابھی بھی تڑپتا ہے تمہارے لیے.... پتا ہے مجھے کیا کہتا ہے؟ وہ کہتا ہے کہ مجھے وانیہ سے کوئی شکایت نہیں ہے۔ میں نے اسے کب کا معاف کر دیا۔ بس آپ جلدی سے اسے میرے پاس لے آئیں۔" وانیہ کی آنکھیں برسنے لگی تھیں۔

"میں نے اسے یقین دلایا ہے کہ تمہاری دماغی حالت بالکل بھی ٹھیک نہیں ہے اور اس سب کی وجہ غلط ادویات کا استعمال ہے جو تم نجانے کتنے سالوں سے محض اپنے بھائی کی توجہ حاصل کرنے کے لیے کھا رہی ہو۔"

"ایک بار کھول دو مجھے.... تمہیں تو میں جان سے مار دوں گی۔" وانیہ نے نم آواز سے کہا تھا۔

"آج کے لیے اتنا ہی بہت ہے۔ اب اگلا انکشاف کل....." ہاتھ جھاڑتے وہ کمرے سے باہر گئی تھی۔

وانیہ اپنی بے بسی پر پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

---

عصر کے وقت ڈیوڈ نے ایک بوسیدہ، کھنڈر نما گھر کے سامنے گاڑی روکی تھی۔اب وہ مغرورانہ چال چلتا اندر داخل ہوا تھا۔

"ہائے بلیک مونسٹر! کیسے ہو تم؟" ایک کمرے کے اندر داخل ہوتے اس نے خوشگواریت سے پوچھا تھا۔

"میرا مطلب ہے ایکس بلیک مونسٹر...." اس نے تصیح کی تھی۔

اب وہ قدم قدم چلتا بستر پر لیٹے وجود کے پاس گیا تھا۔

"اسے ویل چیئر پر بٹھاؤ۔" اس نے اپنے ایک ملازم کو حکم صادر کیا تھا۔

خود صوفے پر بیٹھے اس نے سامنے پڑی ٹیبل پر اپنے پیر رکھے تھے۔ سیم بے سود وجود کے ساتھ کرسی پر بیٹھا خالی نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ڈیوڈ کچھ دن پہلے ہی سیم کے ٹھکانے کا پتا لگا چکا تھا اور باآسانی اسے اپنے پاس بھی لے آیا تھا۔ الیکس ابھی اس سے ناواقف تھا۔

"ڈرامے بازی بند کرو مسٹر ایکس! میں جانتا ہوں کہ تم الیکس کے سامنے جان کر نہیں بولتے مگر میرے سامنے تمہیں بولنا ہوگا۔ میں سچ سننا چاہتا ہوں الف سے لے کر ے تک، حرف با حرف...." پاؤں کی قینچی بنائے وہ مسلسل اپنے جوتوں کو ہلا رہا تھا۔

"اس کے بدلے مجھے کیا ملے گا؟" سیم کی لڑکھڑاتی آواز سن کر ڈیوڈ کے لبوں پر مسکراہٹ بکھری تھی۔

"تم کیا چاہتے ہو؟"

"آزادی! اس زندگی سے آزادی...." اس کا لہجہ شکست خور تھا۔وہ اپنے وجود کا ایک عضو تک نہیں ہلا سکتا تھا اور پھر نینا کی یادیں....وہ تھک گیا تھا، اسے سوچتے سوچتے....

"ٹھیک ہے میں تمہاری یہ خواہش پوری کردوں گا مگر پہلے مجھے تمہاری کہانی جاننی ہے، تمہاری اور نینا کی کہانی...." سیم نے نظریں میچے گہری سانس خارج کیے بولنا شروع کیا تھا۔

"مصطفی، نینا اور میں ایک ساتھ یونیورسٹی پڑھتے تھے۔وہ جونیئر زتھے اور میں سینیئر....بظاہر میں وہاں سٹوڈنٹ تھا مگر اصل میں میں وہاں کیس کے لیے گیا تھا۔نینا کو میں نے پہلی بار ایک پارک میں دیکھا تھا۔اسے دیکھتے ہی میرا پتھر دل دھڑکنے لگا تھا۔پھر جب یونیورسٹی میں اسے دیکھا تو میرا دل اس کی طرف کھنچنے لگا۔لیکن میں نے دیر کر دی۔اس کی مصطفی سے شادی ہو گئی۔میں پیچھے ہٹ گیا،نینا کی خوشی کی خاطر میں نے اسے چھوڑ دیا۔پھر بیس سال بعد...."سیم نے وقفہ لیا تھا۔اس کے گلے میں کانٹے چبھنے لگے تھے۔

"میں نے اسے پھر دیکھا۔میرے دل نے زور وشور سے بغاوت کی۔اسے پانے کی خواہش نے ایک بار پھر سر اٹھایا۔میں نے اسے میسیجز کرنے شروع کر دیے،میں اسے پھول بھیجنے لگا،وہ ڈرنے لگی،اس کے اور مصطفی کے درمیان جھگڑے ہونے لگے پھر ایک دن میں نے اسے ملنے کے لیے باہر بلایا اور اپنی خواہش کا اظہار کیا۔"

"آپ کا دماغ خراب ہے، یہ آپ کس قسم کی گفتگو کر رہے ہیں؟ میں آپ کو جانتی تک نہیں ہوں اور آپ...."نینا مشتعل ہوتی کرسی سے اٹھی تھی۔

"بہت محبت کرتا ہوں تم سے،مانتا ہوں کہ بہت دیر کر دی مگر میں کیا کروں میرا دل نہیں مانتا....میں تمہیں دنیا کی ساری خوشیاں دوں گا بس ایک بار میری ہو جاؤ۔"

"آپ پاگل ہو چکے ہیں۔میں شادی شدہ ہوں اور اپنے شوہر سے بے انتہا محبت کرتی ہوں۔میرا جوان بیٹا ہے،آپ کو ایسا سوچتے ہوئے بھی شرم آنی چاہیئے۔"وہ غصے سے ایک ہتک بھری نگاہ سیم پر ڈالے وہاں سے گئی تھی۔

"میں پیچھے ہٹ گیا لیکن دل بار بار بغاوت پر اکسانے لگا۔ میں دنیا کے لیے بلیک مونسٹر تھا۔ اپنی محبت حاصل کرنا میرے لیے اتنا مشکل نہیں تھا۔ میں نے مصطفیٰ کو راستے سے ہٹانے کی پلیننگ کی اور پھر میں نے اسے مار دیا۔" اس کی آواز میں نمی گھلی تھی۔

"اگر اتنی ہی محبت تھی تو بیس سال پہلے کیوں کچھ نہیں کیا؟" ڈیوڈ نے گفتگو کے دوران پہلی بار سوال کیا تھا۔

"اس وقت میں بہت کمزور تھا۔ اور مجھے ڈر بھی تھا کہ اگر میں زور زبردستی سے نینا کو حاصل کر بھی لیتا تو اس کی جان کو خطرہ ہوتا۔ میں اس کی جان خطرے میں نہیں ڈال سکتا تھا۔ بیس سال بعد ساری طاقت میری تھی، صرف میری حکومت تھی۔" وہ ایک بار خاموش ہوا تھا۔

"اگر نینا کی اتنی ہی پرواہ تھی تو پھر نینا کو مارا کیوں؟؟"

"غصہ آگیا تھا، اس نے مجھے غصہ دلایا۔ مصطفیٰ کو راستے سے ہٹانے کے بعد میں نے اسے اغوا کیا اور میں نے زبردستی نکاح کرنا چاہا لیکن وہ تو صرف اسی کا دم بھرتی رہی۔ میں نے غصے میں گولی چلادی۔" وہ بلک بلک کر رو دیا تھا۔

"نینا کے ساتھ اور بھی کوئی تھا نا.... اس کے ساتھ کیا کیا؟؟"

"ہاں اس کے ساتھ دو بچیاں تھیں ایک شاید اس کی بیٹی اور ایک پتا نہیں کون تھی.... وہ حجاب میں ملبوس لڑکی....." ڈیوڈ نے چونک کر نظریں اٹھائی تھیں۔

"کیا کیا تم نے اس کے ساتھ....؟" ڈیوڈ نے سرخ انگارہ آنکھوں کے ساتھ اس کی جانب دیکھا تھا۔

"بتاؤ کیا کیا....؟" وہ چلایا تھا۔

"نینا نے مجھ سے بھیک مانگی تھی کہ میں ان دونوں کو جانے دوں لیکن میں سفاک بنا رہا۔ میں نے ان تینوں کو ایک کمرے میں قید کر رکھا تھا۔ نینا نے ان دونوں کو بھگا دیا تھا۔ میں نے بھاگنے دیا۔ میرے لیے صرف نینا اہم

تھی وہ دونوں نہیں.....ویسے بھی وہ دونوں بچیاں ہی تو تھیں، آخر اس ویرانے میں، اس جنگل میں جو جنگلی جانوروں سے بھرا ہوا تھا، کیسے بچ سکتی تھیں؟؟"ڈیوڈ نے سختی سے مٹھیاں بھینچی تھیں۔

"بہت محبت کرتے ہونا اس سے اس لیے اپنی محبت کو درندوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا تاکہ وہ اس معصوم کا جسم نوچ ڈالیں۔"سیم نے چونک کر سر اٹھایا تھا۔

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟"

"زیادہ تو کچھ نہیں جانتا میں اس بارے میں سوائے اس کے کہ نینا کا.... تمہاری نام نہاد محبت کا ریپ ہوا تھا اور یہ ان لوگوں نے کیا تھا جنہیں تم نے اسے پہاڑی سے نیچے پھینکنے کا کہا تھا۔"

"نہیں! نہیں....! یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ یہ جھوٹ ہے۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔"وہ پاگلوں کی چیخ چلا رہا تھا جبکہ ڈیوڈ کے چہرے پر ڈھیروں سکون چھایا تھا۔

"وعدے کے عین مطابق میں تمہیں ہر درد سے آزادی دیتا ہوں۔"وہ چل کر ویل چیئر کے پاس آیا تھا۔

"میں تمہیں موت دیتا ہوں۔"ڈیوڈ نے اس کی گردن پر چھری رکھے ایک جھٹکے سے اس کی گردن پر پھیری تھی۔

"میری بہن اور میری بیوی کو کڈنیپ کرنے اور انہیں جنگلی جانوروں کے رحم و کرم پر چھوڑنے کے جرم میں میں تمہیں موت کی سزا سناتا ہوں۔"ڈیوڈ نے اس کی ویل چیئر کو ٹھڈا مار کر گرایا تھا۔ اس کی گردن سے فوارے کی طرح خون بہہ کر فرش پر گر رہا تھا۔

اپنا کوٹ درست کرتے ڈیوڈ اب باہر کی جانب بڑھا تھا۔ اپنی گاڑی تک پہنچتے اس نے کسی کو کال ملائی تھی۔

"جو کہانی سیم نے سنائی ہے، اس میں نائل کہیں بھی نہیں تھا تو پھر اس نے کب صوفی کو مارا اور کب اپنی بہن کو بچایا؟ جلد از جلد پتا لگاؤ۔" ڈیوڈ نے تنفر سے سر جھٹکتے فون رکھا رھا۔ سیم سے اس ملاقات کے بعد ڈیوڈ کا ذہن مزید الجھ گیا تھا۔

---

وانیہ فرش پر بے سود سوئی پڑی تھی جب ماہم کمرے کے اندر داخل ہوئی تھی۔ وانیہ کو اس حالت میں دیکھ ماہم کے لبوں کو شیطانی مسکراہٹ نے چھوا تھا۔

اس نے آگے بڑھ کر وانیہ کے ہاتھ پر اپنی جوتی کی ہیل کی نوک رکھی تھی پھر وہ آہستہ آہستہ زور دیتی رہی تھی۔ وانیہ تکلیف کی شدت کی وجہ سے بلبلا کر اٹھی تھی۔

"کیسی ہے میری بھتیجی؟" ماہم نے اسے بالوں سے پکڑے جیسے ہوش دلایا تھا۔

"ارے یہ کیا، میری گڑیا نے تو کھانا ہی نہیں کھایا؟" ماہم نے بھری ہوئی پلیٹ کی جانب دیکھتے کیا تھا۔

"ہاتھ مت لگاؤ مجھے.... "اپنا آپ چھڑوانے کی کوشش کرتے وانیہ بری طرح چلائی تھی۔

"چپ ایکدم چپ...." ماہم نے اس کے منہ پر زبردست تمانچہ رسید کیا تھا۔

"مجھے تھپڑ مارے تھے نا تم نے....؟ ابھی بتاتی ہوں تمہیں....؟" وہ غصے سے پھنکارتی ہوئی باہر گئی تھی۔

تھوڑی دیر بعد وہ ہاتھ میں لائٹر پکڑے وانیہ کی جانب بڑھی تھی۔

"آگ دیکھ کر تو میری گڑیا ڈرتی ہے نا....؟ کوئی بات نہیں، اس کا حل ہے میرے پاس...." ماہم نے آگے بڑھ کر اس کی آنکھوں پر پٹی باندھی تھی پھر اس کا ایک ہاتھ گرفت میں لیے ماہم نے لائٹر جلائے اس کی ہتھیلی پر نشان چھوڑا تھا۔ وانیہ درد سے چلا اٹھی تھی۔ اس پہ یہ سلسلہ رکا نہیں تھا، وہ پہ در پہ مختلف جگہ سے اس کا ہاتھ جلا رہی تھی۔ وانیہ بے بسی سے چیختی چلاتی اپنا آپ چھڑوانے کی کوشش کر رہی تھی مگر سب

بے سود....اسکا ایک ہاتھ پوری طرح جلانے کے بعد ماہم نے اس کے دوسرے ہاتھ کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا تھا۔

"چلو آج دوسرا انکشاف کرتے ہیں۔"اس کے سسکتے وجود کی طرف دیکھتے ماہم نے اس کی آنکھوں پر سے پٹی ہٹائی تھی۔

"میں تمہارے باپ کی کزن ہوں۔ بچپن میں ہی ایک کار ایکسیڈینٹ میں میرے ماں باپ کا انتقال ہو گیا۔ تمہارے باپ نے مجھے فل سپورٹ کیا اور پڑھنے کے لیے باہر بھی بھیجا۔ وہ ڈگریز اور وہ میڈلز وہ سب میرے ہی ہیں۔ باہر ایک شخص سے مجھے محبت ہو گئی اور میں سایے کی طرح اس کا پیچھا کرنے لگی پھر مجھے پتا چلا کہ وہ غلط کاموں میں ملوث ہے اس کی خاطر میں بھی ان کاموں میں ملوث ہو گئی۔ پہلے ان لوگوں کا اعتماد جیتا اور پھر میں ان کے لیے کام کرنے لگی لیکن مجھے وہ پھر بھی نہیں ملا، وجہ تمہاری ماں تھی۔"اس نے نفرت بھری نگاہ وانیہ پر ڈالی تھی جو مسلسل روتے ہوئے اپنے ہاتھوں کو دیکھ رہی تھی، وہاں اب چھالے پڑنے لگے تھے۔

"جانتی ہو اس دن کیا ہوا تھا....؟"ماہم گہری سوچ میں پڑ گئی تھی۔

"وہاں کوئی ہے۔"وہ لوگ بھاگتے ہوئے وہاں گئے تھے مگر وہاں کوئی نہیں تھا۔ ماہم کا ذہن پھر بھی اس بات کو تسلیم نہیں کر رہا تھا، اسے یقین تھا کہ وہاں کوئی تھا۔

وہ بھاگتے ہوئے تھوڑا آگے گئی تھی۔ گاڑی میں بیٹھے اس نے گاڑی آگے دوڑا دی تھی۔ وہ لوگ جس گاڑی میں نینا کو لے کر آئے تھے یہ وہ گاڑی نہیں تھی، یہ نائل کی گاڑی تھی۔ جو کہ دو دن پہلے ہی چوری ہوئی تھی۔ اس پہاڑی سے تھوڑے فاصلے پر وہ خالی میدان تھا جہاں ان کا تہہ خانہ موجود تھا۔

سڑک پر کچھ دیر گاڑی دوڑانے کے بعد اسے وہاں کوئی نظر آیا تھا۔گولڈن اور کالے رنگ کے سوٹ میں ملبوس وہ لڑکی، سر پر کالے رنگ کا حجاب باندھے وہ سڑک کے ایک کنارے کھڑے بری طرح ہانپ رہی تھی ۔ماہم کے لبوں پر مسکراہٹ بکھری تھی۔

وہ لندن سے واپسی پر نا صرف ہارون کے خاندان سے ملی تھی بلکہ ان میں اچھی طرح رچ بس بھی گئی تھی۔

"نائل....."نائل کی گاڑی دیکھ کر صوفی بھاگ کر اس طرف آئی تھی۔اسے تو جیسے ایک نئی امید مل گئی تھی۔وہ اور مانو بھاگتے بھاگتے تھک گئے تھے۔رات سے صبح ہو گئی تھی مگر وہاں سے باہر جانے کا کوئی راستہ انہیں نہیں ملا تھا۔

اچانک ایک گاڑی سے چار لوگوں کو باہر نکلتے دیکھ صوفی اور مانو ایک درخت کی اوٹ میں ہوئے تھے۔مانو تو چھوٹی تھی مگر صوفی....اس نے ان چار لوگوں کو اچھی طرح دیکھا تھا۔اور جو انکشاف اس پر ہوا تھا، وہ بے حد بھیانک تھا۔

ایک چھوٹی سی غار نما جگہ پر اس نے مانو کو چھپا دیا تھا۔مانو وہاں آرام سے چھپ سکتی تھی۔صوفی نے اس سے وعدہ لیا تھا کہ چاہے کچھ بھی ہو جائے وہ باہر نہیں آئے گی۔اور یہ سب صرف ایک ڈرامہ ہے اور کچھ نہیں....مانو نے اچھے بچوں کی طرح وعدہ نبھایا تھا۔وہ لوگ اسے نہیں دیکھ سکتے تھے مگر مانو کی آنکھ نے ہر اک منظر دیکھا تھا۔صوفی نظر بچا کر مدد لینے کے لیے وہاں سے بھاگی تھی۔وہ مانو کو اپنے ساتھ لے کر نہیں جا سکتی تھی۔وہ ویسے ہی ساری رات بھاگ بھاگ کر تھک چکی تھی۔اور اگر وہ اسے ساتھ لے کر جاتی تو یقیناً وہ پکڑے جاتے۔اس نے اپنی طرف سے اور اپنے ذہن کے مطابق مانو کو بچانے کی پوری کوشش کی تھی۔اگر وہ خود مانو کے پاس رکتی تو بھی وہ پکڑے جا سکتے تھے۔

"نائل...."گاڑی تک پہنچتے اس نے زور زور سے دروازہ بجانا شروع کیا تھا۔ گاڑی کے شیشوں سے اندر کا منظر نظر نہیں آتا تھا۔ وہ نہیں دیکھ سکی تھی کہ اندر کون ہے۔ لیکن اندر بیٹھی ماہم سمجھ چکی تھی کہ صوفی سب دیکھ چکی ہے۔ اب وہ اس کے لیے صرف ایک خطرہ تھی۔

"نائل انہوں نے نینا آنٹی کو مار دیا اور رانو....."وہ اپنی ہی دھن میں بولے چلی جا رہی تھی جب گاڑی سٹارٹ ہوئی تھی۔

"نائل...."صوفی نے بے یقینی سے اسے پکارا تھا۔

ماہم نے ریورس گیئر لے کر ایک جھٹکے سے گاڑی موڑے صوفی کو ہٹ کیا تھا۔ وہ آنکھوں میں بے یقینی کا تاثر لیے سڑک کے پار گری تھی۔ صوفی کا سر ایک پتھر سے ٹکرایا تھا۔ اگلے لمحے سارا پتھر لہولہان ہوا تھا۔

ایک اور گاڑی کی آواز سنتے گاڑی وہیں چھوڑے ماہم پھرتی سے بھاگتی جنگل کی طرف گئی تھی۔

"صوفی...."نائل بھاگتا ہوا اس کی طرف گیا تھا۔ ماہم درخت کے پیچھے چھپے یہ سارا منظر دیکھ رہی تھی۔

"یہ کیا.... یہ کس نے کیا....؟"اس کا سر گود میں رکھتے نائل نے اس کی گال تھپتھپائی تھی۔

اس کی سانسوں کی رفتار مدھم پڑ رہی تھی۔

"تمہیں کچھ نہیں ہو گا، کچھ نہیں...."وہ دیوانہ وار بول رہا تھا جبکہ وہ آدھ کھلی آنکھوں سے بے یقینی سے اسے دیکھتی اپنی آخری سانسیں لے رہی تھی۔

"صوفی کس نے کیا یہ....؟ مام کہاں ہے اور رانو....؟"نائل نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا تھا جہاں سے خون مسلسل بہہ رہا تھا۔

"آپ نے.... آپ نے کیوں کیا یہ....؟ مم.... مجھے کیوں.... کیوں مارا....؟"یہ آخری الفاظ تھے۔ اس کے بعد اس کی مدھم پڑتی سانسیں رک گئی تھیں۔ ہر طرف سکوت چھا گیا تھا۔ سب جیسے ختم ہو گیا تھا۔

"میں نے....؟" نائل کی آنکھوں میں بے یقینی در آئی تھی۔

"صوفی! اٹھو....." وہ اس کا گال تھپتھپا رہا تھا مگر سب بے سود تھا۔ وہ اب اسے نہیں سن سکتی تھی۔

"میں تمہیں کچھ نہیں ہونے دوں گا۔" نائل اسے آغوش میں بھرتے گاڑی کی جانب بھاگا تھا اس بات سے بے خبر کہ اس کی سانسیں تھم چکی ہیں۔

"میں نے صوفی کو مار دیا مگر الزام نائل کے سر آیا۔ بیچاری! آخری وقت میں بھی یہی سوچتی رہی کہ اسے نائل نے مارا ہے۔" ماہم نے جاندار قہقہہ لگایا تھا۔

وانیہ کی آنکھوں میں خون اترا تھا۔

"تمہیں مجھ سے ڈرنا چاہیئے۔ تمہیں وانیہ آفندی کے قہر سے ڈرنا چاہیئے۔ نائل بھائی تو تمہارے ساتھ جو کریں گے سو کریں گے لیکن میں جو کروں گی، وہ تم سوچ بھی نہیں سکتی۔" وانیہ نے سرخ انگارہ آنکھیں ماہم کی آنکھوں میں گاڑھے ایک ایک لفظ چبا چبا کر ادا کیا تھا۔

"اچھا! کیا کرو گی؟ مجھے مارو گی؟" ماہم نے اس کا مذاق اڑایا تھا۔

"بھائی کہتے ہیں موت سزا نہیں ہے، زندگی سزا ہے۔ اور میں تمہیں زندگی دوں گی، اذیت ناک زندگی...." وہ عہد کر چکی تھی۔

"پہلے میری قید سے تو نکل کر دکھاؤ میری گڑیا! پھر بات کریں گے۔ دیکھو کتنی بے بس ہو تم، زنجیروں میں جکڑی ہوئی ایک پھڑ پھڑاتی چڑیا...." ماہم نے جاندار قہقہہ لگایا تھا۔

"یہ چڑیا کیا کر سکتی ہے اس کا ٹریلر میں تمہیں ابھی دکھاتی ہوں۔" اس کا مفلوج ذہن اب کام کرنے لگا تھا۔ ذہن پر سے پردے اب ہٹ چکے تھے۔

وانیہ نے اپنے بائیں ہاتھ کو حرکت دے کر ذرا سا گھمایا تھا۔ڈریسنگ ٹیبل کی دراز کھلنے کی آواز آئی تھی،ایک لمحے کا کھیل تھا اور اندر موجود قینچی اس کے ہاتھ میں تھی۔

اپنی جگہ سے آگے کھسکتے اس نے ماہم کی ٹانگ میں وہ قینچی بری طرح کھبائی تھی۔وہ درد سے بلبلا اٹھی تھی۔

"You....."

اس کے ہاتھ سے قینچی جھپٹتے ماہم نے اس کے پیر پر تین سے چار بار وہ قینچی پیوست کی تھی۔وانیہ نے کرب سے آنکھیں میچی تھیں۔

"تمہیں ڈر لگ رہا ہے مجھ سے....." قینچی ہاتھ میں دبوچے وہ دروازے کی جانب مڑی ہی تھی کہ وانیہ کی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تھی۔

"میں وانیہ آفندی ہوں، تم تو کیا کوئی بھی مجھے قید نہیں کر سکتا۔میرے پاس طاقت ہے، میرے پاس دماغ ہے، میں بہت جلد یہاں سے بھاگ جاؤں گی لیکن اس کے بعد میں پوری تیاری کے ساتھ لوٹوں گی۔تمہاری بربادی بن کر....." اس کی باتوں کو نظر انداز کرتے ماہم نے کمرے سے باہر جا کر دروازہ لاک کیا تھا۔یہ سچ تھا کہ وہ ایک لمحے کے لیے ڈر گئی تھی۔اسے اس دن کا منظر یاد آیا تھا جب وانیہ نے اسی طرح فروٹس کے لیے چھری اٹھائی تھی۔اس دن تو اسے یہ سب آنکھوں کا دھوکہ ہی لگا تھا کیونکہ ماہم کی نظر میں وانیہ ایک ذہنی مریضہ تھی۔اگر ایلیکس اسے سانپ کے کاٹنے والے واقعے کے بارے میں نا بتاتا تو وہ کبھی بھی وانیہ کی اصلیت نا جان پاتی۔

رات سے صبح ہو گئی تھی۔وانیہ فرش پر اوندھے منہ گری ہوئی تھی۔ساری رات اسے ہاتھوں کی جلن نے سونے نہیں دیا تھا۔ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی اس کی آنکھ لگی تھی۔

فجر کے وقت ایک بار پھر مؤذن کی آواز بلند ہوئی تھی۔

کھڑکی لاک تھی مگر پھر بھی اس کے کمرے تک یہ آواز باآسانی پہنچ رہی تھی، وجہ شاید سپیکر کا استعمال تھا۔

"اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے....." وانیہ کی ہاتھ کی انگلیوں نے حرکت کی تھی۔

مؤذن برابر آذان کے کلمات دہرا رہا تھا۔

"نماز نیند سے بہتر ہے...." ان کلمات پر وانیہ کی آنکھ کھلی تھی۔

"تم نماز نہیں پڑھتی؟" احمر کی آواز اس کے کانوں میں گونجی تھی۔

"پہلے پڑھتی تھی۔" وانیہ نے سرسری سے انداز میں جواب دیا تھا۔

"اب کیوں نہیں پڑھتی؟"

"کبھی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔"

"مطلب....؟"

"مطلب یہ کہ پہلے کبھی ایگزامز میں کامیاب ہونے کے لیے تو کبھی بھائی کی ڈانٹ سے بچنے کے لیے میں پڑھ لیتی تھی مگر اب ان ساری چیزوں کا خوف ختم ہو گیا ہے۔"

"نماز کا خوف سے کیا تعلق؟" وہ نہیں سمجھا تھا۔

"گہرا تعلق ہے۔ میرے نزدیک اللہ ایک ڈر ہے جسے لوگوں کے دلوں میں بٹھایا گیا ہے کہ یہ مت کرو ورنہ اللہ جہنم میں ڈال دے گا اور وہ مت کرو وغیرہ وغیرہ۔" احمر چند ثانیوں کے لیے بالکل ساکت ہوا تھا۔ پھر کچھ دیر سنبھلنے کے بعد اس نے قدرے نرم لہجے میں جواب دیا تھا۔

"ہر کسی کی نظر میں اللہ خوف نہیں ہوتا۔ لیکن اگر تمہیں اللہ خوف لگتا ہے تو پھر تم اسے کم از کم خوف کی حالت میں ضرور پکارنا۔"

"اللہ...." وانیہ کے لب پھڑ پھڑائے تھے۔اس خوفناک اور ویران کمرے میں اسے اللہ شدت سے یاد آیا تھا۔

زندگی میں پہلی دفعہ دل نماز پڑھنے کے لیے بے چین ہوا تھا۔

وانیہ نے اٹھنے کی کوشش کی تھی مگر اس کا وجود زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا اور پھر کچھ کمزوری بھی تھی۔اسے کچھ نا کھائے پیے آج دوسرا دن تھا۔

"وضو کیسے کروں؟" وانیہ نے ارد گرد نگاہیں ڈورائی تھیں پھر اس کی نظر اپنے پاس پڑے جگ پر پڑی تھی جو کہ ماہم اس کے پاس رکھتی تھی۔وانیہ نے آگے بڑھ کر جگ اٹھایا تھا مگر وہ خالی تھا۔سارا پانی تو رات میں ہی ختم ہو گیا تھا۔اس کا دھیان اب اپنے سر کی جانب گیا تھا۔اس کے پاس اوڑھنے کے لیے کچھ نہیں تھا۔

وانیہ کی آنکھوں سے گرم پانی ابلنے لگا تھا۔وہ لڑکی جس نے کبھی ڈوپٹہ نہیں لیا تھا آج اس سے ڈوپٹہ پہننے کی سکت ہی چھین لی گئی تھی۔

"انسان کو دعا کرنا نہیں چھوڑنا چاہیئے۔اسے مانگنا چاہیئے اور مانگتے رہنا چاہیئے۔دینے والی ذات صرف اس ہی کی ہے۔ہمیں یقین ہونا چاہیئے کہ اس کے ہاں دیر ہے مگر اندھیر نہیں......" احمر کی کہی ایک اور بات اس کے ذہن میں گردش کرنے لگی تھی۔

وانیہ نے اپنے دونوں کی جانب دیکھا تھا۔جھلسے ہوئے بدصورت ہاتھ....اسے اپنے ہاتھ بدصورت ہی لگے تھے۔اس نے کپکپاتے ہاتھ پھیلائے تھے۔

آنسوؤں کا ایک ریلہ اس کی آنکھوں سے بہا تھا۔

اللہ ویسے یاد آئے یا نا آئے مگر مشکل حالات میں وہ ضرور یاد آتا ہے۔

سائنس کے قریب وہ لڑکی، آخرت، فرشتوں اور جنات کا انکار کرنے والی، اللہ کی موجودگی پر سوال اٹھانے والی آج گڑگڑا کر اس سے اپنی رہائی مانگ رہی تھی۔

"میں نے بہت بار دعا مانگی ہے اور میری ہر دعا ہی قبول ہوتی ہے۔ آج ایک اور دعا مانگتی ہوں.... جنت نا سہی مگر جہنم کا سفر تو کروا ہی دے مجھے...." اس نے جہنم کا سفر طے کرنے کی دعا مانگی تھی مگر وہ تو اپنے ہاتھوں پر چند آبلوں کی جلن تک برداشت نہیں کر پا رہی تھی۔

بعض دعاؤں کا قبول نا ہونا ہمارے حق میں بہتر نہیں بلکہ بہترین ہوتا ہے۔ انسان بہت جلد باز اور ناقص العقل ہے۔ وہ اکثر اپنے لیے خیر کی جگہ شر مانگتا ہے اور پھر اس شر کے نا ملنے پر واویلا مچا دیتا ہے۔ پھر رفتہ رفتہ وقت انسان پر خیر اور شر کا یہ بھید کھول دیتا ہے پھر اسے سب سمجھ آنے لگتا ہے، ہر ایک چیز، ہر ایک بات.....

---

ڈیوڈ اپنے کمرے میں لیٹا موبائل پر وانیہ کی تصویر کو زوم کر کے دیکھ رہا تھا۔

ماضی کی ایک یاد ہوا کے تیز جھونکے کی طرح اس کے ذہن کے پردے پر اجاگر ہوئی تھی۔

"ناراضگی کی وجہ بھی ہوتی ہے۔" مانو جھولے پر منہ پھلائے بیٹھی تھی جبکہ حاتم پاس بیٹھا اسے منانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"بات مت کرو مجھ سے...." اس کے گال سرخ پڑے تھے۔

"ہوا کیا ہے؟" وہ صحیح معنوں میں جھنجھلایا تھا۔

"کل ہماری شادی ہوئی تھی، ہے نا؟؟" اس کی جانب دیکھے آنکھیں چھوٹی کیے مانو نے تصدیق چاہی تھی۔

"ہاں! ہوئی تھی۔" جھولے سے اٹھتے حاتم نے نا سمجھی سے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

"اور تم نے مجھے منہ دکھائی بھی نہیں دی۔" وہ بیچارا ابھی ٹھیک سے کھڑا بھی نہیں ہوا تھا کہ اپنی چھوٹی سی بیوی کی اس بات پر وہ دھڑام سے نیچے گرا تھا۔

"منہ دکھائی....؟" حاتم کو گہرا صدمہ پہنچا تھا۔

"ہاں منہ دکھائی...." جھولے سے اٹھتے مانو نے دونوں ہاتھ کمر پر رکھے اسے گھوری سے نوازا تھا۔

"تت.... تمہیں منہ دکھائی کا مطلب پتا ہے؟" جھولے کا سہارا لیے وہ بامشکل اٹھا تھا جبکہ اس کی اگلی بات سے وہ ایک بار پھر دھڑام سے گرا تھا۔

"مجھے سب پتا ہے۔" مانو نے ناک سے مکھی اڑائی تھی۔

"کک.... کیا پتا ہے؟" حاتم کے چہرے کی تو ہوائیاں اڑی ہوئی تھیں۔ اس بار اس نے اٹھنے کی کوشش نہیں کی تھی کیونکہ اس کا کوئی فائدہ ہی نہیں تھا۔ وہ اچھے سے جانتا تھا کہ سامنے کھڑی ڈیڑھ فٹ کی ٹڈی اسے بار بار گرانے کا فن اچھے سے جانتی ہے۔

"جب شادی ہوتی ہے تو لڑکا لڑکی کو گفٹ دیتا ہے۔ نغمہ باجی کو ان کے شوہر نے انگوٹھی دی تھی اور تم نے مجھے کچھ نہیں دیا۔" ہاتھ پر ہاتھ باندھے وہ ایک بار پھر رخ موڑ گئی تھی۔

حاتم کو اب جا کر کہیں ساری کہانی سمجھ آئی تھی۔ ان کے گھر کی ملازمہ نے اسے یہ سب بتایا تھا۔ حاتم اس کی اچھے سے کلاس لینے کا ارادہ کر چکا تھا۔

"تمہیں انگوٹھی چاہیئے؟" اٹھتے ساتھ ہی وہ فوراً جھولے پر بیٹھا تھا مبادا کہیں اگلی بات سے پھر ہی نا گر جائے۔

"نہیں! مجھے ٹیڈی بیئر اور چاکلیٹس چاہیئے۔"

"تمہیں منہ دکھائی میں ٹیڈی بیئر اور چاکلیٹس چاہیئے؟" وہ جیسے یقین کرنا چاہتا تھا۔ مانو نے زور و شور سے سر ہلایا تھا۔

"ٹھیک ہے میں لادوں گا مگر تمہیں وعدہ کرنا ہو گا کہ دوبارہ کبھی منہ دکھائی کا لفظ اپنی زبان پر نہیں لاؤ گی۔یہ اچھا لفظ نہیں ہے۔"

"او کے!" اپنی فطرت کے بالکل برعکس اس نے بغیر کسی سوال کے حاتم کی بات مان لی تھی۔حاتم نے شکر کا کلمہ پڑھا تھا۔

"کچھ اور تو نہیں چاہیئے نا تمہیں؟؟"

"تم لا کر نہیں دو گے۔" وہ بڑبڑائی تھی۔اسے مزید دو کاکروچ چاہیئے تھے مگر کہیں نہیں مل رہے تھے۔

"کچھ کہا تم نے؟؟" حاتم کے سوال پوچھنے پر مانو اس کے پاس آکر بیٹھی تھی۔

"ایک بات پوچھوں تم سے....؟" اس نے رازداری سے کہا تھا۔

"پوچھو...." کہہ تو وہ ایسے رہی تھی جیسے وہ منع کر دے گا تو وہ نہیں پوچھے گی۔

"تمہیں پتا ہے کہ کاکروچ کیا کھاتے ہیں؟" وہ بیچارا اس بار جھولے سے پیچھے لڑھک کر گرا تھا۔

"تم کیا کوئی نئی گیم کھیل رہے ہو بین؟" اسے یوں بار بار گرتے دیکھ مانو نے دلچسبی سے پوچھا تھا۔

"تم پلیز چلی جاؤ یہاں سے...." حاتم کی کمر میں شدید چوٹ لگی تھی۔

وانیہ کی تصویر زوم کرتے وہ ہنس دیا تھا۔اس لڑکی نے صحیح معنوں میں اسے ناکوں چنے چبوائے تھے۔

ابھی وہ اس دشمن جاں کے خیالوں میں ہی گم تھا کسی نے اس کے کمرے کا دروازہ ناک کیے اس کے حسین خیالات میں خلل ڈالا تھا۔وہ ماریہ تھی۔ایک سخت نگاہ اس پر ڈالے وہ اٹھ کر بیٹھا تھا۔

"وہ میں یہ بتانے آئی تھی کہ میں نے پیکنگ کر لی ہے۔" اس کی سخت نگاہ پر ماریہ کی جان جیسے ہتھیلی پر آئی تھی۔

"ہمم.... "بیڈ کراون سے ٹیک لگائے ڈیوڈ نے ایک بار پھر موبائل اٹھایا تھا۔

کسی کیس کے سلسلے میں پچھلے کچھ دنوں سے ماریہ اس کے گھر ہی رہ رہی تھی۔ڈیوڈ کو وانیہ کی طرف سے کافی خدشات لاحق تھے جس وجہ سے وہ ماریہ کو لندن بھیج رہا تھا تاکہ وہ اسے تمام تر حالات سے آگاہی دے سکے۔

"وہ ایک بات کرنی تھی۔" دونوں ہاتھوں کو آپس میں مس کیے ماریہ نے تھوک نگلی تھی۔

"الیکس نہیں جانتا کہ آپ نے....."

"اپنی عمر سے زیادہ اپنا دماغ مت چلاؤ لڑکی!" گرجدار،

گھمبیر آواز پر ماریہ کا نا صرف دل زور سے دھڑکا تھا بلکہ اس کی ہتھیلیاں بھی پسینے سے بھیگ گئی تھیں۔

"بڑا ہی کوئی بزدل شخص تھا۔اب اگر گولی ماری ہی دی تھی تو ساری عمر کا روگ لینے کی کیا ضرورت تھی؟ دھرتی پر بوجھ....اس کا مرنا ہی بہتر تھا۔" موبائل آف کیے ڈیوڈ نے سائیڈ پر رکھا تھا۔

"اگر....اس کی جگہ آپ ہوتے تو....تو کیا کرتے؟" ماریہ نے ڈرتے ڈرتے پوچھا تھا۔وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ وہ شخص کس قدر کھڑ دماغ ہے۔

"اول تو یہ ناممکن ہے لیکن پھر بھی اگر کبھی میری محبت نے مجھے دھوکہ دیا، مجھ سے غداری کی تو پھر میں اسے انعام دوں گا۔میں اسے موت دوں گا۔اور اپنے ہی ہاتھوں سے اسے دفنا دوں گا۔" اتنی سفاک گفتگو پر ماریہ کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ ہوئی تھی، یعنی وہ شخص اپنی محبت تک کو نہیں بخشے گا۔

"لیکن یہ ناممکن ہے۔میری بیوی بہت معصوم ہے۔اسے تو دھوکے لفظ کا مطلب بھی نہیں پتا...." اس کا لہجہ پر یقین تھا۔ماریہ نے کوئی اور سوال نہیں کیا تھا۔

"میرے جوتے صاف کرواؤ۔" اسے حکم صادر کرتا وہ ایک بار پھر موبائل میں مصروف ہوا تھا۔

"نئے جوتوں کو کتنی دفعہ صاف کرواؤں؟" وہ دل ہی دل میں کڑھی تھی۔

شوز کے معاملے میں وہ بہت زیادہ چوزی تھا۔وہ سب سے مہنگے برینڈ کے جوتے پہنتا تھا۔اگر اس کے جوتے پر ایک معمولی سا داغ بھی لگ جائے تو وہ اس کے لیے بے کار ہو جاتے تھے۔

---

سنیہا نے ڈائننگ ٹیبل پر کھانا چن دیا تھا۔نائل کے آتے ہی وہ بھی ساتھ والی کرسی پر بیٹھی تھی۔

"اتنا نمک....." پہلے ہی لقمے پر نائل کا حلق تک کڑوا ہوا تھا۔

"کھانا بنانا نہیں آتا تمہیں؟" وہ مشتعل ہوا تھا۔

"مجھے تو کھانا بنانا آتا ہے مگر آپ کو شاید میرے ہاتھ کا کھانا پسند نہیں ہے۔کسی اور کے ہاتھوں کا ذائقہ جو چکھ چکے ہیں۔"

"بس کر دو۔تمہیں اللہ کا واسطہ ہے اب بس کر دو۔تھک گیا ہوں میں یہ سب سن سن کر...." وہ غصے سے وہاں سے اٹھا تھا۔

"کیوں بس کر دوں؟میری حصے کی محبت آپ اس ڈائن سے کرتے ہیں۔یہ ناانصافی نہیں ہے؟" سنیہا بھی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ان دونوں کے مابین حالات بالکل بھی ٹھیک نہیں تھے۔وہ ہر بات میں صوفی کو لے آتی تھی جس وجہ سے نائل شدید جھنجھلا جاتا تھا۔

"میں تم سے بحث نہیں کرنا چاہتا۔" وہ اچھے سے جانتا تھا کہ اس بے ربط گفتگو کا کوئی حل نہیں نکلنے والا۔

"مجھ سے تو بات کرنا بھی گورا نہیں آپ کو اور اس کے خیالات سے باہر ہی نہیں نکلتے آپ...وہ ایک نمبر کی چڑیل ہے۔" نائل کے بڑھتے قدم رکے تھے۔

"ٹھیک کہا تم نے،وہ واقعی چڑیل تھی۔" سنیہا کا بے اختیار منہ کھل گیا تھا۔

وہ ایک عاشق تھا اور ایک عاشق کیسے اپنے محبوب کو چڑیل بول سکتا تھا؟؟

شاید وہ یہ بھول رہی تھی کہ وہ نائل آفندی ہے اور نائل کچھ بھی کہہ اور کر سکتا ہے۔

"بلکہ تم بھی چڑیل ہو اور باقی کی ساری بھی چڑیلیں ہی تھیں۔ تم سب نے مل کر میرا سکھ، چین سب برباد کر دیا۔" وہ غصے سے باہر کی جانب بڑھا تھا۔

"کہاں جا رہے ہو؟" سنیہا نے اسے پیچھے سے آواز دی تھی۔ اس کی بات تو ہمیشہ کی طرح اس کے سر پر سے گزری تھی۔

"ایک دفعہ اور برباد ہونے.... چلو گی ساتھ....؟؟" وہ اچھا خاصا تپا ہوا تھا۔

"تم آج کی ساری رات پھر اس کی یادوں میں گزارنے جا رہے ہو نا؟" وہ نائل کو لے کر بہت زیادہ ان سکیور ہو گئی تھی۔

"میں بائیسویں بار شادی کرنے جا رہا ہوں۔ تم چلو ساتھ، تینوں مل کر فری فائر کھیلیں گے۔" وہ غصے سے کہتا تن فن کرتا وہاں سے گیا تھا۔ سنیہا بیچاری ہکا بکا وہیں کھڑی رہ گئی تھی۔

---

ماریہ کو لندن گئے آج دوسرا دن تھا۔ ڈیوڈ نے اسے نجانے کتنی کالز کی تھیں مگر وہ ریسیو نہیں کر رہی تھی۔

آج جب اس نے ڈرتے ڈرتے کال ریسیو کی تھی تو ڈیوڈ سے اچھی خاصی جھاڑ کھائی تھی۔

"وہ ٹھیک ہے؟" غصہ تھوڑا ٹھنڈا ہونے پر ڈیوڈ نے پوچھا تھا۔

"جی....!" یک لفظی جواب پر اسے اپنے اندر ڈھیروں سکون اترتا محسوس ہوا تھا۔

"یونیورسٹی کیوں نہیں جا رہی وہ؟"

"ویسے ہی.... شاید آگے پڑھنا نہیں چاہتی۔"

"ٹھیک ہے! نظر رکھو۔" اس نے یہ کہتے ہی فون رکھا تھا۔ دوسری طرف ماریہ کے ہاتھ سے فون گرا تھا۔

اس نے مدد طلب نگاہوں سے سامنے کھڑے الیکس کی جانب دیکھا تھا۔

"وہ مار دے گا، تمہیں بھی اور مجھے بھی....."وہ حد سے زیادہ خوفزدہ تھی۔

"کچھ نہیں ہوگا۔جب یہ لڑکی مر جائے گی تو بلیک مونسٹر چند دن سوگ منائے گا پھر تم اسے اپنا کندھا میسر کرنا۔ہمدردی کے چند بول بول دینا اور کچھ ادائیں دکھا دینا.... محبت تو کرتی ہو ناڈیوڈ سے؟"ماریہ نے شکست خور حالت میں سر ہلایا تھا۔

اسے وانیہ ایک آنکھ نا بھاتی تھی۔اب اگر وہ راستے سے ہٹ رہی تھی تو اس سے اچھی اور کیا بات ہو سکتی تھی۔

---

(دو مہینے بعد)

وقت کا کام ہے گزرنا اور وہ ہر حال میں گزر ہی جاتا ہے۔کسی کے لیے اڑتے کبوتر کی طرح تو کسی کے لیے کچھوے کی رفتار سے.....

اسے اس قید میں دو مہینے ہو چکے تھے۔حالت بد سے بدتر ہو گئی تھی۔وہ اپنا ہوش و ہواس تقریباً کھو بیٹھی تھی۔وجہ وہ انجیکشن تھے جو باقاعدگی سے اسے دیے جاتے تھے۔وانیہ نے بہت جلد ہی خود کو آزاد کروالیا تھا مگر اس کے وہاں سے بھاگنے سے پہلے ہی وہ پکڑی جا چکی تھی۔تب سے ماہم اسے انجیکشنز دیتی تھی تاکہ وہ ہوش میں ہی نا رہ سکے۔وانیہ کو قابو کرنے کا واحد یہی طریقہ تھا۔

ابھی بھی وہ کمرے کے ایک کونے میں بے سود پڑی تھی جب ماہم نے اس کے منہ پر پانی کا جگ انڈیلا تھا۔وہ ہڑبڑا کر اٹھی تھی۔

"تمہارے بھائی نے کال کر کر کے دماغ خراب کر دیا ہے۔ بات کرو اس سے اور خبردار جو کوئی چالاکی کی تو...." وانیہ نے آدھ کھلی آنکھوں سے اسے دیکھنے کی کوشش کی تھی۔ بکھرے ہوئے بال، عجیب سی حالت، بالکل زرد پڑتا چہرہ اور آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے..... وہ کسی طرح سے وانیہ نہیں لگ رہی تھی۔

"اگر کوئی چالاکی کی تو پھر انجیکشن دے دوں گی میں تمہیں...."

"نہیں! نہیں! پلیز نہیں....." وہ ڈر کر پیچھے ہٹی تھی۔

"تو پھر کوئی ہوشیاری مت کرنا۔" اسے دھمکی دیے ماہم نے نائل کو کال ملائی تھی۔

"یہ لو کر لو اپنی بہن سے بات۔ بہت مشکل سے منایا ہے میں نے، یہ تو راضی ہی نہیں ہو رہی تھی۔" ماہم نے کہتے ساتھ ہی فون سپیکر پر رکھا تھا۔

"وانیہ میری جان، میرا بچہ! اب چھوڑ دیں نا یہ ناراضگی.... بہت مس کر رہا ہوں آپ کو، پلیز واپس آ جاؤ۔" وانیہ کی آنکھوں میں سیلاب امڈ آیا تھا۔ اس نے کچھ بولنے کے لیے لب کھولے ہی تھے جب ماہم نے اسے گھورا تھا۔

"آپ کے ساتھ آخر مسئلہ کیا ہے؟ جب میں نے کہہ دیا کہ مجھے آپ سے بات نہیں کرنی تو نہیں کرنی۔ کیوں بلاوجہ مجھے تنگ کرتے ہیں؟" وہ اپنی پوری قوت سے چلائی تھی۔

"میرا بچہ...."

"مجھے آپ سے بات نہیں کرنی مسٹر نائل آفندی! مجھے دوبارہ کال مت کیجیے گا۔" ماہم نے فوراً ہی کال کاٹ دی تھی جبکہ دوسری طرف نائل کے دل پر چھریاں چلی تھیں۔ وانیہ نا تو خود پاکستان آنے کی روادار تھی اور نا ہی وہ نائل کو آنے دے رہی تھی۔ نائل اسے لے کر بہت زیادہ پریشان تھا۔ وہ جب بھی وہاں آنے کا سوچتا تو ماہم اسے اپنی باتوں میں لے آتی تھی۔

فون کے کٹتے ساتھ ہی وانیہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

"میں تمہاری بات ماننے کے لیے تیار ہوں۔ تم جو کہو گی میں کروں گی۔"اس نے سر جھکائے ہار مانی تھی۔مزید کوئی بھی ٹارچر وہ برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

"شاباش! شاباش میری گڑیا!"ماہم کا پور پور خوشی سے جھوم اٹھا تھا۔

"لیکن تمہیں بھی اپنا وعدہ نبھانا ہو گا۔اس سب کے بعد تم مجھے جانے دو گی۔"

"ہاں ہاں کیوں نہیں....؟"

"چلو تم جا کر شاور لو پھر ہم چلتے ہیں۔"ماہم اس سے وہ زہر بنوانا چاہتی تھی اور پھر وہ لوگ اسے آگے بیچنا چاہتے تھے۔وہ اچھے سے جانتی تھی کہ اس کی بہت ڈیمانڈ ہو گی۔پہلے پہل تو وہ اور الیکس چاہتے تھے کہ وانیہ ان کے لیے کام کرے مگر بعد از ماہم کو احساس ہو گیا تھا کہ یہ ممکن نہیں ہے لہذا اب وہ اس سے صرف فارمولا حاصل کرنا چاہتے تھے۔

وانیہ چینج کرنے کے بعد ماہم کے کمرے میں گئی تھی۔ماہم اب اسے زنجیروں میں قید نہیں رکھتی تھی کیونکہ ان نشہ آور انجیکشنز کی وجہ سے وہ اتنی سکت ہی نہیں رکھتی تھی کہ کچھ کر سکے۔

ماہم کو کمرے میں نا پا کر وانیہ تیزی سے اس کی الماری کی جانب بڑھی تھی۔لاکر کو ایک ٹیکنیک سے کھولنے کے بعد اس نے فوراً اپنا ٹوٹا ہوا موبائل نکالا تھا۔آج اس کا دماغ کچھ حد تک کام کر رہا تھا کیونکہ دو دن سے اسے کسی قسم کا انجیکشن نہیں دیا تھا۔اپنا کام نکلوانے کے لیے اس کا وانیہ کو ہوش میں رکھنا بے حد ضروری تھا۔

وہ اچھے سے جانتی تھی کہ فون کہاں رکھا ہوا ہے لیکن ادویات کے زیر اثر وہ ہوش کھو بیٹھتی تھی۔

وانیہ چپ چاپ وہ فون اٹھائے اپنے کمرے کی جانب بھاگی تھی۔کمرے میں آتے ہی اس نے اچھی طرح سے فون ایک جگہ چھپا دیا تھا۔

اب وہ ماہم کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ کر کسی جگہ گئی تھی۔ وہ ایک لیب تھا۔ ماہم اور دو اور لوگوں کی نگرانی میں وانیہ نے کام شروع کیا تھا۔ اس کا ارادہ کسی صورت بھی وہ پوئزن بنانے کا نہیں تھا۔ وہ کافی دیر مختلف قسم کی ڈیمانڈز کر کے ٹائم ضائع کر رہی تھی۔ دو گھنٹے کام کرنے کے بعد وہ لوگ واپس گھر آئے تھے۔ وانیہ نے ماہم سے جھوٹ بولا تھا کہ یہ سب کرنے میں اسے تقریباً ایک ہفتہ لگے گا۔

رات کے تقریباً بارہ بجے وانیہ آہستگی سے اپنے بستر سے اٹھی تھی۔ آدھے گھنٹے کی محنت کے بعد وہ فون ٹھیک کرنے میں کامیاب ہو گئی تھی۔ اس کا پاسپورٹ، ویزا، موبائل، لیپ ٹاپ سب ماہم کے قبضے میں تھا۔

وانیہ نے نائل کو کال ملانے کا سوچا تھا پھر اس نے اپنا ارادہ ترک کر دیا تھا۔ اس وقت پاکستان میں کافی وقت ہو گیا تھا لہذا اس نے فجر کے وقت اسے کال کرنے کا سوچا تھا۔ جو بھی تھا، وہ اس کا بھائی تھا۔ وہ یقیناً اس پر یقین کرے گا۔ وہ اسے سب کچھ بتانے کا ارادہ کر چکی تھی۔

اپنے اوپر بیتے ہر ستم کو یاد کرتے وانیہ کی آنکھیں بھیگ گئی تھیں۔ اس نے نجانے کیا کیا برداشت کیا تھا۔

یہ رات اس پر بہت بھاری گزری تھی مگر اس نے جیسے تیسے گزار ہی لی تھی۔

صبح کے تقریباً پانچ بجے وانیہ نے کپکپاتے ہاتھوں سے نائل کو کال ملائی تھی۔ اب پہلے جیسا تعلق ان دونوں کے درمیان نہیں رہا تھا جس وجہ سے وہ جھجھک رہی تھی۔ پاکستان اور لندن کے ٹائم میں تقریباً چار سے پانچ گھنٹے کا فرق تھا۔

کمرے میں پڑا نائل کا موبائل مسلسل بج رہا تھا۔ بیل کی ہر رنگ کے ساتھ وانیہ کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو رہی تھیں۔

سنیہا ابھی ابھی کمرے میں داخل ہوئی تھی۔ اس نے آگے بڑھ کر نائل کا فون اٹھایا تھا۔ وہ اس وقت کمرے میں موجود نہیں تھا۔

نائل سنیہا کی حفاظت کے تحت اسے اپنے گھر لے آیا تھا مگر ان دونوں کے درمیان حالات ابھی بھی بہتر نہیں ہوئے تھے۔ وجہ سنیہا کا بے جا شک تھا۔

“My love.....”

موبائل کی سکرین پر جگمگاتا نام دیکھ سنیہا کا چہرہ تمتما اٹھا تھا۔ غصے کی ایک شدید لہر اس کی آنکھوں میں دوڑی تھی۔

"اس کا مطلب میرا شک ٹھیک تھا۔ جس محبت کا نائل دم بھرتے ہیں وہ مری نہیں بلکہ زندہ ہے۔ اسے تو میں سبق سکھاتی ہوں۔" اس نے غصے سے کال ریسیو کی تھی۔

"کون....؟" وانیہ کے کچھ بولنے سے پہلے ہی سنیہا نے کٹیلے لہجے میں پوچھا تھا۔ وانیہ نے فون کان سے ہٹا کر ایک بار پھر نمبر دیکھا تھا۔

"آپ کون....؟" اس کے لب آہستگی سے ہلے تھے۔

"فون تم نے کیا ہے تو تم بتاؤنا....؟" اس کے لہجے میں نفرت اور ہتک تھی۔

"یہ.... یہ نمبر تو نائل آفندی کا ہے نا؟؟" وانیہ نے تصدیق چاہی تھی۔

"جی بالکل انہی کا ہے اور میں ان کی بیوی بات کر رہی ہوں، اور فلحال ہم دونوں بہت زیادہ مصروف ہیں۔ وہ کیا ہے نا میرے شوہر مجھ سے بے پناہ محبت کرتے ہیں اور ابھی بھی ہم ہنی مون پر آئے ہوئے ہیں۔ آپ کی تعریف؟؟" وانیہ کے ہاتھ سے فون چھوٹ کر گرا تھا۔ اس کی آنکھوں میں بے یقینی کا سمندر تھا۔

"بھائی نے شادی کر لی؟" منہ پر ہاتھ رکھے اس نے اپنی سسکیوں کا گلا گھوٹا تھا۔

"مجھے بتایا تک نہیں....؟ پھوپھو ٹھیک کہتی ہیں بھائی کی زندگی میں میری کوئی اہمیت نہیں ہے۔" ایک لمحہ لگا تھا اسے نائل سے بدگمان ہونے میں....

دوسری طرف سنیہا نے وانیہ کا نمبر بلاک کر کے ڈیلیٹ کر دیا تھا۔

"مجھے یہاں سے باہر نکلنا ہے۔" وانیہ نے اپنے آنسو پونچھے تھے۔

"مگر میں جاؤں گی کہاں؟"

"لاہور...." اس کے لب ہلے تھے۔ عائزہ کے پیرینٹس لاہور میں رہتے تھے۔ وہ وہاں جا سکتی تھی۔

وانیہ نے فوراً عائزہ کا نمبر ملایا تھا۔ اور اس سے مدد مانگی تھی۔ وہ فون پر اسے سب نہیں بتا سکتی تھی بس اس نے فلائیٹ بک کروانے کے لیے عائزہ سے پیسے مانگے تھے۔ عائزہ نے دوستی کا حق ادا کرتے وانیہ کی مدد کے لیے حامی بھری تھی۔

صبح ناشتہ کرنے کے بعد ماہم نے اسے اپنے ساتھ چلنے کا کہا تھا۔ وانیہ چپ چاپ اس کے پیچھے چل دی تھی جبکہ اس نے فروک کی جیب میں کچھ چھپایا ہوا تھا۔ وہ ایک سانپ کا زہر تھا جسے وہ کل چھپ کر ایک انجیکشن میں بھر لائی تھی۔ دروازے تک پہنچتے وانیہ نے موقع کا فائدہ اٹھاتے پیچھے سے ماہم کی گردن میں انجیکشن کھبو دیا تھا۔ ایک ہی جھٹکے میں وہ سارا زہر اس کی رگوں میں اتار چکی تھی۔

"تم اتنی آسان موت ڈیزرو نہیں کرتی مگر فلحال میرے پاس اور کوئی راستہ نہیں ہے۔" زہر اس قدر طاقتور تھا کہ اس نے فوراً ہی اپنا اثر دکھانا شروع کر دیا تھا۔ وہ تڑپتے وجود کے ساتھ زمین پر گری پڑی تھی۔ ہونٹوں سے جھاگ نکل رہی تھی اور سارا جسم ہی نیلا پڑا تھا۔

یہ وانیہ کی زندگی کا پہلا قتل تھا۔ وہ بھاگتی ہوئی ماہم کے کمرے میں گئی تھی۔ اپنا پاسپورٹ اور ویزا اٹھائے اب وہ تیزی سے اپنے کمرے کی جانب گئی تھی۔ سامان تو وہ پہلے ہی پیک کر چکی تھی۔

اب اسے بس کسی بھی طرح ائیرپورٹ پہنچنا تھا۔

---

ڈیوڈ نے اسفند کو ملنے کے لیے اپنے گھر بلایا تھا۔وہ اس سے کسی خاص موضوع پر بات کرنا چاہتا تھا۔

"میں نے بم پلانٹ کرنے کا سوچا ہے۔"اسفند فوراً چوکنا ہوا تھا۔

"میں اپنی ساری ٹیم کو پہلے ہی سب بتا اور سمجھا چکا ہوں۔اب تمہیں بتا رہا ہوں۔23 مارچ کو مینار پاکستان میں بلاسٹ ہو گا۔"

"مینار پاکستان کیوں....؟"

"پاکستانیوں کو بتانا ہے کہ ان کے تاریخی دن پر اس کی تاریخی عمارت بالکل محفوظ نہیں ہے۔"ڈیوڈ نے قہقہہ لگایا تھا۔

"میں نہیں چاہتا کہ شاہین کسی بھی قسم کی کوئی مداخلت کرے۔تم میری ٹیم کے ہر ممبر پر نظر رکھنا اور پتا لگاؤ کہ آخر غدار ہے کون؟"

"جیسا آپ کہے۔"اسفند نے نہایت ادب سے جواب دیا تھا۔

اس کے گھر سے جانے کے تقریباً دس منٹ بعد جیمز، ماریہ اور الیکس کمرے میں داخل ہوئے تھے۔

"اس پر نظر رکھو اور ساری کال ریکارڈز چیک کرنا...."ڈیوڈ نے پیشانی مسلتے حکم صادر کیا تھا۔

"آپ کو اس پر شک کب ہوا؟"جیمز پوچھے بنا نہ رہ سکا تھا۔

"شروع سے تھا۔اسطرح کوئی اچانک کیسے کسی کی جان بچا سکتا ہے۔اس دنیا میں بغیر مقصد کوئی بھی اتنا اچھا نہیں ہو سکتا۔اور اس دن جب میرے کمرے کی ڈریسنگ ٹیبل کے مرر پر جو نوٹ لکھا تھا۔سی سی ڈی وی فوٹیج میں اس ہڈی والے شخص کے ہاتھ میں جو رنگ تھی بالکل ویسی ہی رنگ اسفند کے ہاتھ میں بھی دیکھی ہے میں نے...."

"تو پھر ہم اسے پکڑ کیوں نہیں لیتے؟" ماریہ کو تجسس ہوا تھا۔ اگر ڈیوڈ پہلے سے ہی سب جانتا تھا تو پھر اس نے کسی پر کچھ ظاہر کیوں نہیں ہونے دیا تھا؟

"پہلے شکار کو بے بس کریں گے پھر پکڑے گے۔ اسے یہ سب بتانے کا مقصد ہی یہی ہے کہ وہ یقینا آئی۔ایس۔آئی سے کنٹیکٹ کرے گا۔ اصل مقصد صرف بلاسٹ کرنا نہیں ہے بلکہ کسی کا چہرہ بے نقاب کرنا بھی ہے۔ ہماری ساری ٹیم بہت پرانی ہے سوائے اسفند کے..... اگر بلاسٹ کے وقت آرمی یا پولیس میں سے کوئی بھی وہاں پہنچتا ہے تو پھر اسفند کے ساتھ وہ ہوگا جو گمان سے بالکل باہر ہے۔" اس کے سفاک لہجے پر وہ تینوں ہی خوفزدہ ہوئے تھے۔ اس کی دحشت ہی اتنی تھی کہ ہر ایک جان اس کے سامنے تھر تھر کانپتی تھی۔

---

(لاہور)

ایک نیا سفر.....

ایک نئی منزل....

دو کتابیں.....

دو مسافر.....

دو راستے....

الحمد سے والناس کا سفر....

پیدائش سے مکاشفہ کا سفر.....

کس کی قسمت میں لکھا تھا کیا.....؟

یہ دیکھنا ابھی باقی تھا۔

یہ منظر لاہور کے ڈی ایچ اے فیز 6 کا تھا۔

ائیر پورٹ سے عائزہ اسے پک کرنے آئی تھی۔ گاڑی کی پچھلی سیٹ پر عائزہ کے ساتھ بیٹھی وہ مسلسل کھڑکی سے باہر کی جانب دیکھ رہی تھی۔

سڑک کی دائیں طرف ہیڈ آفس تھا جبکہ وانیہ کی نظریں تو درختوں پر ہی جمی تھی۔ تیزی سے گزرتے ایک سیدھ میں وہ درخت....

ٹہنیوں کے بوجھ سے جھکی ہوئی شاخیں.... بعض اوقات زندگی میں جھکنا پڑتا ہے۔ جھکے بغیر زندگی کی گاڑی آگے نہیں چلتی۔ اب اس کی نظروں نے درخت کی ایک تنی ہوئی شاخ کا طواف کیا تھا۔ وہ مغرور انداز میں تن کے کھڑی تھی۔ باقی سب کا جھکاؤ زمین کی جانب تھا جبکہ اس شاخ کا رخ آسمان کی جانب تھا۔ باقی شاخوں اور اس میں ایک ہی فرق تھا۔ سب پتوں سے لدی ہوئی تھی جبکہ وہ تنہا اکڑی ہوئی گردن کے ساتھ بغیر کسی پتے کے اکیلی کھڑی تھی۔

"اس کا کیا مقدر ہے؟" چلتی گاڑی کے ساتھ درخت گزرتے جا رہے تھے مگر وانیہ کا ذہن اس ایک شاخ پر اٹکا تھا۔

"ٹوٹ کر زمین بوس ہو جانا...." جواب اس کے ذہن نے فوراً پیش کیا تھا۔

وہ اپنی سوچوں میں گم تھی جب ایک جھٹکے سے گاڑی رکنے پر وہ ہوش میں آئی تھی۔ ان کی منزل آچکی تھی مگر وہ خوش نہیں تھی۔ وہ سفر کرنا چاہتی تھی، صرف سفر.... ضروری تو نہیں کہ ہر سفر کی منزل ہو، کچھ مسافتیں بغیر منزل کے بھی طے کرنی چاہیئے۔

رات کے کھانے کے بعد عائزہ وانیہ کے کمرے میں گئی تھی۔ اس نے بغیر کسی ٹال مٹول کے عائزہ کو سب بتا دیا تھا۔

"اب ان تینوں کی باری ہے۔ایک ایک کو تڑپا تڑپا کر ماروں گی۔"اس کی آنکھوں میں خون ہلکورے لے رہا تھا۔

"میرے خیال سے تمہیں نائل بھائی سے بات کرنی چاہیئے۔"عائزہ نے اسے مفید مشورے سے نوازا تھا۔

"وہ اپنی زندگی میں بے حد خوش ہیں۔میرا اب ان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔اور ویسے بھی میں انہیں کیا کہوں گی کہ میں قتل کر کے آئی ہوں،اور وہ بھی کس کا.....؟"عائزہ نے نظریں چرائی تھیں۔

"میں ساری زندگی نین نین کا راگ لاپتی رہی،مگر مجھے تلاش تو نینا کے قاتلوں کو کرنا تھا۔زیادتی نینا کے ساتھ ہوئی تھی،نین کے ساتھ نہیں....نین اور نینا دو الگ الگ لوگ ہیں۔اب سب سمجھ گئی ہوں میں،اس بوڑھی عورت کا مجھے وہ آئینہ دینا،مام کا کہنا کہ "نین بھاگ جاؤ۔"ہر چیز سمجھ چکی ہوں میں....ماہم نے سب بتا دیا مجھے.....کس قدر بیوقوف تھی میں،کچھ سمجھ ہی نہیں سکی۔"وانیہ نے گہری سانس خارج کی تھی۔

"اب واپس نہیں جاؤں گی میں....یہاں سے ایک نیئے سفر کا آغاز ہوتا ہے۔ایک بیٹی کے انتقام کا آغاز....."اس نے اپنی زندگی کا نیا مقصد تلاش کر لیا تھا۔لیکن کیا مقدر نے بھی اس کے لیے یہی سفر چنا تھا یا پھر ایک اور سفر اس کا منتظر تھا۔

"تمہیں پتا ہے عائزہ،میں نے وہاں ایک دوست بنایا تھا۔مجھے اس پر شک تھا۔"اچانک ہی وانیہ کو یاد آیا تھا۔

"شک.....؟"

"مجھے لگا کہ وہ شاہین ہے مگر میں غلط تھی۔جب میں نے اس دن اپنے شوہر سے محبت کا اظہار کیا تو اس کے چہرے پر کسی قسم کی کوئی خوشی نہیں تھی بلکہ وہ تو چونک گیا تھا۔شکر ہے وہ شاہین نہیں تھا،شکر ہے کہ وہ میرا شوہر نہیں تھا۔کیونکہ میں نے اسے کبھی بھی ایسا تصور نہیں کیا۔میری آنکھیں اسے تصور کرتی ہیں،اس کی مصوری کرتی ہیں،اس سے عشق کرتی ہیں۔"وہ اپنی ہی دھن میں بولے چلے جا رہی تھی۔

"تم نے تو اسے کبھی دیکھا بھی نہیں.... پھر تم اسے پہچانو گی کیسے ؟؟"

"یہ دل کے معاملے ہیں عائزہ !اس کے بارے میں سوچتے ہی میرا دل دھڑکنے لگتا ہے تو کیا یہ ممکن ہے کہ وہ میرے سامنے ہو اور میں پہچان نا سکوں ؟میں اسے پہچان لوں گی۔میرا دل کہتا ہے کہ میں اسے پہچان لوں گی۔"وانیہ نے سرد آہ بھری تھی۔

فجر کے وقت ایک بار پھر آذان کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں۔وانیہ کسمسائی تھی۔

"نماز نیند سے بہتر ہے، نماز نیند سے بہتر ہے۔"وانیہ نے کروٹ بدلی تھی۔

"اف یار !کیا مصیبت ہے۔انہیں بھی سکون نہیں ہے۔صبح ہی صبح شروع ہو جاتے ہیں۔"کمبل منہ تک تانے وہ کان لپیٹ کر سو گئی تھی۔

وہ آزاد ہو چکی تھی، ہر مصیبت اور ہر خوف سے.....اب نا تو اسے نماز پڑھنے کی ضرورت تھی، نا دعا کی اور نا اللہ کی.....اس کے نزدیک اللہ کو صرف خوف میں یاد کرنا تھا جو کہ اب ختم ہو چکا تھا۔ہاں !وہ اللہ کی طرف تھوڑا کھچاؤ ضرور محسوس کر رہی تھی۔اللہ کی ذات پر بھی اب وہ کوئی سوال نہیں اٹھاتی تھی مگر وہ اب بھی اسلام سے کوسوں دور تھی۔

صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق انہیں ہی دی جاتی ہے جو واقعی اس صراط پر چلنا چاہتے ہیں۔

ابھی تو مسافتیں طے کرنا باقی تھیں۔ابھی تو کانٹوں پر چلنا باقی تھا۔

---

وانیہ کو لاہور آئے چند روز گزر گئے تھے۔عائزہ اور اس کے پیرنٹس نے اسے کافی سپورٹ کیا تھا۔وہ کبھی کبھی رات کو نیند میں ڈر جاتی تھی اور چیخنے چلانے لگتی تھی۔مگر اب حالت کافی بہتر تھی۔

"کب تک اس اندھیر کمرے میں بیٹھی رہو گی چلو کہیں باہر چلتے ہیں۔" عائزہ اسے اس ٹراما سے نکالنا چاہتی تھی۔

"میرا دل نہیں چاہتا۔" اس کی ذہنی حالت اب بھی ٹھیک نہیں تھی، وجہ وہ انجیکشنز تھے جو باقاعدگی سے اسے دیے جاتے رہے تھے۔

"بس اب ختم کرو یہ سوگ، اٹھو چلو...." عائزہ نے اسے ہاتھ سے تھام کر اٹھانا چاہا تھا۔

"جانا کہاں ہے؟" وانیہ نے تھکے تھکے سے انداز میں پوچھا تھا۔

"آج 23 مارچ ہے نا، مینار پاکستان دیکھنے چلتے ہیں۔ ویسے بھی تم پہلی بار لاہور آئی ہو" عائزہ پر جوش ہوئی تھی۔

"بہت رش ہو گا یار، اور میرا دل بھی نہیں چاہ رہا۔" وانیہ نے اسے ٹالنا چاہا تھا۔

"تم اٹھ رہی ہو یا میں ناراض ہو جاؤں؟" کمر پر دونوں ہاتھ رکھے اس نے وانیہ کو گھوری سے نوازا تھا۔

"ٹھیک ہے اٹھ رہی ہوں۔" وانیہ ناگواری سے بستر سے اٹھی تھی۔

---

وانیہ اور عائزہ گریٹر اقبال پارک (منٹو پارک) کی سیر کر رہی تھیں۔ اس کا ابتدائیہ حصہ دیکھ وانیہ مبہوط ہوئی تھی۔ وہ زندگی میں پہلی بار لاہور آئی تھی۔

وہ لوگ ادھر ادھر گھومتے رہے تھے۔ وہاں لوگوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ وجہ آج کا خاص دن تھا۔

تیز ہوا کے جھونکے اس کے بھورے بالوں کے ساتھ اٹھکیلیاں کر رہے تھے۔ وانیہ کا چہرہ کافی بجھا بجھا سا تھا۔

پہلے پہل عائزہ اسے حفیظ جالندھری کے مقبرے پر لے گئی تھی، پھر آگے جا کر کچھ پہلوانوں کی قبریں تھیں۔ اس جگہ بہت پہلے اکھاڑا لگتا تھا۔

چند تصویریں کلک کرنے کے بعد وہ دونوں واپس گاڑی میں آبیٹھے تھے۔

"وانیہ یہ Dancing water fountain ہے۔رات کے وقت یہاں لائٹس میوزک کی دھن پر رقص کرتی ہیں۔" عائزہ اسے بہت پرجوش انداز میں بتارہی تھی جبکہ وانیہ کا ذہن ہر بار کہیں اور ہی پہنچ جاتا تھا۔اس کی طبیعت خراب ہونے لگی تھی۔وہ کافی عرصے بعد یوں باہر آئی تھی۔اس ماحول میں،اس روشنی میں اس کا دم گھٹنے لگا تھا۔

"تمہیں پتا ہے یہ ہوٹل میرا فیورٹ ہے۔"کافی آگے جاتے عائزہ نے ایک ہوٹل کی طرف اشارہ کیا تھا۔وہ بندوخان ہوٹل تھا۔اس کی انٹرینس پر سرخ رنگ کا خوبصورت قالین بچھا ہوا تھا جبکہ دونوں اطراف میں نہایت خوبصورت طرز کے ہاتھیوں کا مجسمہ تھا۔

"یہاں کا کھانا بھی ہوٹل کی طرح بہت royal ہے۔"وانیہ نے ایک سرسری سی نگاہ اس ہوٹل پر ڈالی تھی۔

"عائزہ گھر چلیں؟میرا دل بہت گھبرا رہا ہے۔"اس کا سر گھومنے لگا تھا۔

"ابھی تو ہم نے کچھ دیکھا ہی نہیں ہے۔"وہ اسے اتنی خوشی خوشی سب بتارہی تھی اور وانیہ کوئی دلچسپی ہی نہیں لے رہی تھی۔

"یہ جو تمہیں یو شیپ میں نظر آرہے ہیں نا.....یہاں جب پھول کھلتے ہیں نا تو یہ بہت خوبصورت لگتے ہیں۔ایک راز کی بات بتاؤں،یہ ملکہ ایلزبتھ کے گھر کی کاپی ہے۔میرا مطلب ہے،ان کے گھر سے متاثر ہو کر بنایا گیا ہے۔"عائزہ نے فوراً اپنا بیان بدلا تھا۔اب وہ لوگ پیدل واک کر رہے تھے۔

"مجھے اور کچھ نہیں دیکھنا۔"وانیہ نے منہ بنائے کہا تھا۔

"یار تم کتنی بورنگ ہوگئی ہو۔اچھا ایک کام کرتے ہیں،اب صرف مینار پاکستان دیکھے گے اور پھر گھر چلیں گے۔"وانیہ نے ناچاہتے ہوئے بھی ہامی بھر لی تھی۔

---

پارک سے کچھ فاصلے پر ایک بلڈنگ کے ایک فلیٹ پر چند لوگ موجود تھے۔سب کے چہروں سے ہی شیطانیت ٹپک رہی تھی۔آج جو ہونے والا تھا،وہ سب ہی اس سے اچھی طرح واقف تھے۔اتنی سکیورٹی ہونے کے بعد بھی ڈیوڈ نے اس جگہ بم پلانٹ کروایا تھا جہاں مینار واقع تھا۔

کچھ دیر بعد بم بلاسٹ ہو جانا تھا۔وہ ایک بڑے سائز کے ایل ای ڈی کے سامنے راکنگ چیئر کی پشت سے ٹیک لگائے،ہاتھوں کو سر کے پیچھے رکھے بڑی دلچسبی سے دھماکے سے پہلے کا منظر دیکھ رہا تھا۔یہ اس کا پسندیدہ کام تھا۔ماریہ نے اب مینار پاکستان کو فوکس کیا تھا۔باڑ کے باہر کھڑے کافی تعداد میں لوگ سیلفیاں لینے میں مگن تھے۔

تبھی ڈیوڈ کی نظر ایک چبوترے پر بیٹھی اس اپسرا پر پڑی تھی۔وہ کرنٹ کھا کر سیدھا ہوا تھا۔بھورے بالوں کو کھلا چھوڑے ہرے رنگ شرٹ کے ساتھ جینز پہنے وہ لڑکی.....وہ کوئی اور نہیں بلکہ اس کی بیوی تھی۔

"یہ.....یہ یہاں کیا کر رہی ہے؟"وہ بوکھلا گیا تھا۔ماریہ،ایلیکس اور جیمز تینوں نے ہی اس کی نظر کی سیدھ میں دیکھا تھا۔ماریہ اور ایلیکس کا سانس سوکھ گیا تھا۔وہ لوگ تو اسے ماہم کے رحم و کرم پر چھوڑ آئے تھے تو پھر وہ یہاں....؟ایلیکس اچھے سے جانتا تھا کہ وانیہ وہاں سے بھاگ گئی تھی مگر اصولا تو اسے نائل کے پاس جانا چاہیئے تھا تو پھر وہ یہاں کیا کر رہی تھی؟

ڈیوڈ ابھی شاک کی کیفیت میں ہی تھا جب اچانک ہی وہاں بھگدڑ مچی تھی۔پولیس اور آرمی بروقت وہاں پہنچے تھے۔اب وہ لوگوں کو وہاں سے نکال رہے تھے۔

"وانیہ بھاگو یہاں سے.... "عائزہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا تھا جبکہ وانیہ کی حالت خراب ہونے لگی تھی۔وہ عائزہ کا ہاتھ پکڑے وہاں سے بھاگی تو تھی مگر بیچ راستے میں وہ بری طرح گری تھی۔عائزہ کا ہاتھ چھوٹ گیا تھا۔وہ بھیڑ میں کہیں غائب ہوگئی تھی۔ بھیڑ اسے بری طرح کچل رہی تھی۔چوٹ اسے لگ رہی تھی جبکہ تکلیف ایل ای ڈی کی سکرین کے سامنے کھڑے اس شخص کو ہو رہی تھی۔

"میں اسے مرنے نہیں دے سکتا۔"ایک لمحہ ضائع کیے بغیر وہ دیوانہ وار وہاں سے بھاگا تھا۔

"تم وہاں نہیں جا سکتے ڈیوڈ.... "الیکس اس کے پیچھے بھاگا تھا۔

"وہ نہیں مر سکتی۔"اس نے لفٹ کا بٹن دبایا تھا۔وہ کام نہیں کر رہی تھی۔وہ اندھا دھند سیڑھیوں کی جانب بھاگا تھا۔

"بلیک مونسٹر میری بات سنو! تم اس تک نہیں پہنچ سکتے۔وقت بہت کم رہ گیا ہے۔آرمی اسے بچا لے گی۔"اس کے پیچھے سیڑھیاں پھلانگتے الیکس نے ہانپتے ہوئے کہا تھا۔

"ہاں وہ لوگ بچا لے گے۔نائل بچا لے گا۔وہ معصوم ہے،بے قصور ہے۔"وہ پاگلوں کی طرح بھاگتا ہوا اپنی گاڑی کی جانب بھاگا تھا۔

الیکس نے اسے بہت آوازیں دی تھیں مگر وہ نہیں رکا تھا۔بلاسٹ ہونے میں ابھی پچیس منٹ رہتے تھے۔

"میں تمہیں کچھ نہیں ہونے دوں گا۔"اس نے خود کو تسلی دیتے گاڑی میں چابی گھمائی تھی۔

"ماریہ کسی بھی طرح بم ڈفیوز کرو۔ہم بلیک مونسٹر کو نہیں کھو سکتے۔"الیکس نے فوراً ماریہ کو کال ملائی تھی۔ اب وہ بار بار ڈیوڈ کو کال کر رہا تھا۔

"مجھے اندر جانا ہے۔مجھے اندر جانا دو۔"وہاں پہنچتے اس نے واویلا مچایا تھا۔وہ لوگ اسے اندر نہیں جانے دے رہے تھے۔

"اندر میری بیوی ہے۔مجھے اسے بچانا ہے۔" وہ پولیس والوں کے ساتھ گھتم گھتا ہوا تھا۔سارے راستے بند نظر آنے کے بعد ڈیوڈ نے آخر کار اپنی گن نکال کر پولیس والے پر دو فائر کی تھیں۔موقع دیکھتے ہی وہ اندر کی جانب بھاگا تھا۔لوگ اب بھی بھاگ بھاگ کر باہر کی جانب آرہے تھے۔

"وانیہ....." اسے پکارتا وہ اندر داخل ہوا تھا۔

"مانو کہاں ہو تم.....؟" اس کی آنکھیں اشق بہانے لگی تھیں۔

"تم مجھے چھوڑ کر نہیں جاسکتی۔" وہ پاگلوں کی طرح کبھی ایک سے دوسری تو کبھی دوسری سے تیسری جگہ بھاگ رہا تھا۔

اچانک ایک جگہ پر اسے کراہتا ہوا وجود نظر آیا تھا۔سبز گھاس پر پڑی کراہتی ہوئی وہ لڑکی.....

"نین.....!" وہ بھیڑ کو چیرتا ہوا اس کی جانب گیا تھا۔

"نین....!" اس تک پہنچتے حاتم نے اس کا سر اپنی گود میں رکھا تھا۔وانیہ کی آنکھیں نیم کھلی تھیں۔

"میں تمہیں کچھ نہیں ہونے دوں گا نین!" حاتم نے اسے اپنے سینے میں بھینچا تھا۔

"شاہین..." وہ بس اتنا ہی کہہ سکی تھی۔اس کے بعد وہ ہوش وہواس سے بیگانہ ہو گئی تھی۔

حاتم نے اسے اپنی باہوں میں بھرا تھا۔اب وہ بھاگتا ہوا اسے باہر لے جارہا تھا۔

دوسری طرف بلاسٹ ہونے میں صرف دس منٹ باقی تھے۔

"ماریہ جلدی کرو۔" جیمز اور الیکس کی جان ہتھیلی پر آئی ہوئی تھی۔ماریہ کی اپنی حالت بھی کچھ مختلف نہیں تھی۔

وہ لوگ بم خود ہی ڈیزائن کرواتے تھے۔وہ کچھ اس طرز کا ہوتا تھا کہ وہ دور بیٹھے بھی اسے کبھی بھی بلاسٹ یا ڈیفیوز کر سکتے تھے۔

"عارف یہاں ہوتا تو فورا یہ کرلیتا۔" جیمز نے افسوس سے کہا تھا۔ماریہ ہیکنگ میں تو ماہر تھی مگر بم کی ٹائمنگ سیٹ کرنا یا اسے ڈیفیوز کرنا اس کے لیے بہت مشکل تھا۔

"ماریہ جلدی کرو۔ صرف دو منٹ رہتے ہیں۔" جیمز چیخا تھا۔

وہی دوسری طرف ڈیوڈ پارک کی انٹرینس کے قریب پہنچ چکا تھا۔اس نے اجلت میں اپنی گھڑی کی جانب دیکھا تھا۔ صرف تیس سیکنڈ رہتے تھے۔ وہ خود تو مر سکتا تھا اپنی نین کو کبھی مرنے نہیں دے سکتا تھا۔

اس نے ہمت کرتے اپنے قدموں کی رفتار بہت تیز کی تھی۔

"ماریہ صرف دس سیکنڈ رہتے ہیں۔" ماریہ کے ہاتھ کانپنے لگے تھے مگر پھر بھی کمپیوٹر پر انگلیاں مسلسل چل رہی تھی۔

"ہو گیا۔" ٹھیک دو سیکنڈ پہلے وہ کامیاب ہو گئی تھی۔ خوشی کے مارے اس کی آنکھیں چھلکنے لگی تھیں۔ وہ ڈیوڈ کو کبھی مرنے نہیں دے سکتی تھی۔

وہی دوسری طرف ڈیوڈ نے وانیہ کو گاڑی کی پچھلی سیٹ پر لٹایا تھا۔فرنٹ سیٹ سنبھالتے اس نے گاڑی میزائل کی رفتار سے اڑائی تھی۔

---

وانیہ بستر پر لیٹی ہوئی تھی جبکہ ڈیوڈ اس کے پاس بیٹھا ہوا اپنی آنکھوں کی پیاس بجھا رہا تھا۔ڈاکٹر ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی اس کی مرہم پٹی کر کے گئی تھی۔

حاتم نے اس کے چہرے کے ہر اک نقش کو اپنی آنکھوں میں سمایا تھا مگر اس کی نظریں ہمیشہ کی طرح اس تل پر آ ٹھہری تھیں۔ تھوڑی کے درمیان وہ سیاہ تل....

حاتم نے اس پر اپنا انگوٹھا پھیرا تھا۔

پل بھر میں اس کا ذہن کہیں اور پہنچا تھا۔

صوفے پر بیٹھا پندرہ سالہ حاتم، تھوڑے فاصلے پر بیٹھی مانو اور مولوی صاحب کے القابات.....

"حاتم خانزادہ ولد ہارون خانزادہ آپ کا نکاح عینین آفندی ولد مصطفیٰ آفندی کے ساتھ حق مہر پندرہ لاکھ روپے سکہ رائج الوقت کیا جاتا ہے۔ کیا آپ کو قبول ہے؟" اس کے نام پر وہ چونکا تھا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اس کا یہ نام ہو سکتا ہے۔ مانو اور عینین میں زمین آسمان کا فرق تھا۔

اس نے نظر اٹھا کر اپنے عقب میں بیٹھی اس ٹڈی کو دیکھا تھا۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ رینگ آئی تھی۔ اگر وہ کہتی تھی کہ اسے اپنا نام بولنا نہیں آتا تو وہ ٹھیک کہتی تھی۔

"قبول ہے....." حاتم کے لب ہلے تھے۔

"نین....." اس کے بالوں میں انگلیاں چلاتے حاتم نے اس کے کان کے قریب سرگوشی کی تھی۔ اس کے بعد وہ بہت آہستگی سے اپنا چہرہ اس کے چہرے کے قریب لے گیا تھا۔ حاتم نے پورے وثوق سے اس کی پیشانی پر اپنے لب رکھے تھے۔ وہ ہر چیز سے بے نیاز گہری نیند سو رہی تھی۔

"میری ٹڈی....." وہ مسکرایا تھا۔

"مجھے ایک بات بتاؤ تمہیں سب مانو کیوں بلاتے ہیں؟ عینین اور مانو میں تو بہت فرق ہے۔" وہ سچ میں جاننا چاہتا تھا۔

"میں مانو بلی کی طرح کیوٹ ہوں نا اس لیے...." نظریں جھکائے وہ شرمائی تھی۔ اس کی شرماہٹ دیکھ حاتم تو عش عش ہی کر اٹھا تھا۔ وہ کہیں سے بھی آٹھ سال کی نہیں لگتی تھی۔

"تم نے میرے ہاتھ پر ماہ نور کیوں لکھا تھا؟"

"یہی لکھنا آتا تھا مجھے....."

"واہ! ساری دنیا کے نام پتا ہیں تمہیں سوائے اپنے نام کے....." حاتم نے آنکھیں گھمائے طنز کیا تھا۔

"اپنا نام پتا ہے مجھے بس....."

"بولنا نہیں آتا۔" حاتم نے جملہ مکمل کیا تھا۔

"اچھا ویسے ایک بار بول کر تو دکھاؤ۔"

"نہیں آتا....." مانو نے معصومیت سے نفی میں سر ہلایا تھا۔

"میں سکھاتا ہوں تمہیں...." وہ سیدھا ہو کر بیٹھا تھا۔

"بولو! ع۔ی.... نین...." حاتم نے ہجے کیے تھے۔

"غیعنین...." مانو نے معصومیت سے اس کے کہے الفاظ دہرائے تھے۔

"تم نے تو اسے اور مشکل کر دیا ہے۔" وہ جھنجھلایا تھا۔

"یہ عینین ہے۔" وہ دنیا کا پہلا شوہر تھا جو اپنی بیوی کو اس کا نام بولنا سکھا رہا تھا۔

"عغننن....." اس نے ایک بار پھر اپنے نام کا جنازہ نکالا تھا۔

حاتم دانت پیس کر رہ گیا تھا۔

اچانک ہی اس کے دماغ میں ایک زبردست آئیڈیا آیا تھا۔

اس نے مانو کو ہاتھ سے پکڑ کر اپنے سامنے کھڑا کیا تھا۔

"آج سے تم نا تو عینین ہو اور نا مانو.... تم صرف نین ہو۔" اس نے مسکرا کر مسئلے کا حل پیش کیا تھا۔

"نین....." مانو کی آنکھوں میں چمک ابھری تھی۔

"میں نین ہوں۔" وہ خوشی سے اچھلی تھی۔ اسے یہ نام پسند آیا تھا۔

"تمہارا نام کیا ہے؟" وہ اس کا نام بار بار بھول جاتی تھی۔

"میرانام حاتم ہے۔" جہاں حاتم مسکرایا تھا وہیں نین کا منہ بن گیا تھا۔

"اچھانام نہیں ہے یہ....."

"اتنااچھانام تو ہے۔حاتم خانزادہ، بالکل رائل....." وہ برا منا گیا تھا۔

"رائل مطلب.....؟"

"رائل مطلب شاہی...."

"شاہی مطلب....؟"

"میرا سر....." وہ چڑا تھا۔

"تمہارے سر کا نام شاہی ہے؟"

"سر کا تو پتا نہیں لیکن میرے سر درد کا نین ہے۔" وہ اسے ہمیشہ ہی زچ کر دیتی تھی۔

"مگر تم نے تو کہا ہے کہ نین میرا نام ہے بین؟" دونوں ہاتھ کمر پر رکھے اس نے جتنی معصومیت سے استفسار کیا تھا، حاتم کا دماغ اتنا ہی گھوما تھا۔

"میرا نام بین نہیں ہے۔" اسے گھوری سے نوازتے حاتم نے غصے سے کہا تھا۔ وہ جب جب اسے اس نام سے مخاطب کرتی تھی حاتم کو ایسا لگتا تھا جیسے وہ اسے کارٹون کہہ رہی ہو۔

"بین اچھانام ہے۔" مانو نے جیسے اسے سمجھانا چاہا تھا۔

"اچھاااا! تو پھر ٹڈی بھی بہت اچھانام ہے۔" عینین کو یہ نام بالکل پسند نہیں تھا۔

"نہیں نین اچھانام ہے، ٹڈی نہیں، تم مجھے نین بلانا.....

"ٹھیک ہے تو پھر تم بھی وعدہ کرو کہ تم مجھے بین نہیں بلاؤ گی۔" حاتم نے آنکھوں کی پتلیاں سکیڑے اس کے آگے ہاتھ پھیلایا تھا۔

"تو پھر کیا بلاؤں؟"اس نے منہ بسورے پوچھا تھا۔

"حاتم....."

"یہ نام اچھا نہیں ہے۔" مانو نے ہاتھ لپیٹے کہا تھا۔ حاتم بیچارہ بس صبر کے گھونٹ ہی بھر سکا تھا۔

"میں نا تمہارے لیے ایک اچھا سا نام سوچوں گی۔" وہ پر جوش ہوئی تھی۔ حاتم نے سرد آہ بھری تھی۔ آخر کیا برائی تھی اس کے نام میں جو اس شہزادی کو پسند ہی نہیں آ رہا تھا۔

"بس بہت ہو گیا۔ اب تمہیں خود سے دور نہیں جانے دوں گا۔ نائل تمہاری حفاظت نہیں کر سکتا۔ میں تمہیں اس بار واپس نہیں بھیجوں گا۔" وہ خود سے مخاطب ہوا تھا۔

"فلحال ضروری کام سے جانا ہے مجھے۔ آ کر تفصیلی ملاقات ہو گی۔" حاتم نے اس کے اوپر کمبل درست کیا تھا۔ نجانے اسے اپنے سامنے دیکھ کر وہ کیسا برتاؤ گی۔ اسے کچھ یاد نہیں، یہ تو حاتم بھی اچھے سے جانتا تھا مگر جو بھی تھا اب وہ اپنی نین کو خود سے دور نہیں جانے دے سکتا تھا۔

---

کسی گرم چیز کی تپش سے اسفند کی آنکھ کھلی تھی۔ اپنے سر کے نیچے کھولتا ہوا گرم پانی دیکھ کر اس کی چیخیں نکل گئی تھی۔

"ہائے اسفند!" پاس سے جانی پہچانی آواز سنتے اس نے چونک کر اس جانب دیکھا تھا۔ ڈیوڈ کرسی پر ٹانگ پر ٹانگ جمائے بیٹھا تھا۔ اسفند کو وہ الٹا دکھ رہا تھا کیونکہ اسے رسی کی مدد سے الٹا لٹکایا گیا تھا۔ اس کی ٹانگیں اوپر تھیں اور سر نیچے، جبکہ سر کے نیچے ایک بہت بڑے کنٹینر میں کھولتا ہوا گرم پانی تھا۔ اس کے سر اور اس کنٹینر کے درمیان کافی فاصلہ تھا مگر پھر بھی اس گرم بھاپ کی تپش کو برداشت کرنا بہت مشکل تھا۔

"میرا مطلب ہے اسفند عرف شاہین.....آخر کار تم میرے شکنجے میں پھنس ہی گئے۔"ڈیوڈ نے انگلیوں کی مدد سے ٹیبل پر رکھا گلوب گھمایا تھا۔

"بلیک مونسٹر......"وہ جیسے یقین نہیں کر پا رہا تھا۔

"میں تو بلیک مونسٹر ہی ہوں مگر تم کون ہو؟آئی۔ایس آئی کے پالتو کتے..... تمہیں کیا لگا تھا کہ مجھے،بلیک مونسٹر کو بیوا قوف بنالو گے ؟"اس نے قہر برساتی نگاہ اسفند پر ڈالی تھی۔

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں بلیک مونسٹر ؟میرا آئی۔ایس۔آئی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔"

"اچھاااا"ڈیوڈ نے کہتے ساتھ ہی اپنے ایک بندے کو اشارہ کیا تھا۔اس نے رسی ڈھیلی چھوڑ دی تھی۔اس کھولتے ہوئے پانی میں جیسے ہی اسفند کے سر کے بالوں کا کچھ حصہ لگا تھا وہ بلبلا اٹھا تھا۔

ڈیوڈ کے اشارے پر رسی واپس اوپر کی جانب کھینچی گئی تھی۔

"میرے پاس ضائع کرنے کے لیے زیادہ وقت نہیں ہے۔میری بیوی میرا انتظار کر رہی ہے۔میرے پانچ گننے تک یا تو تم چپ چاپ سب قبول کر لو یا پھر اس کھولتے ہوئے لاوے میں جھلس کر مر جاؤ۔"وہ اس وقت شدید بیزار ہوا تھا۔اس وقت اسے صرف اپنی نین کا چہرہ دیکھنا تھا مگر دیکھنا اس منحوس کا پڑ رہا تھا۔

"ایک.....

دو.....

تین.....

چار...."وہ جیسے جیسے گنتا جا رہا تھا،ویسے ویسے رسی ڈھیلی ہوتی جا رہی تھی۔

"پا....."

"بتاتا ہوں،سب بتاتا ہوں۔"اپنی دردناک موت کو سامنے دیکھ اسفند کے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔

"بتاؤ....."ڈیوڈ کے اشارے پر رسی کو واپس اوپر کھینچا گیا تھا۔اگر اسفند کو یہ لگا تھا کہ وہ اسے اپنے سامنے بٹھا کر کچھ پوچھے گا تو یہ اس کی سب سے بڑی غلط فہمی تھی۔

"میں نے آئی۔ایس۔آئی جوائن صرف اس لیے کی تھی تا کہ میں وہاں کے راز باہر پہنچا سکوں لیکن پھر جب مجھے پتا چلا کہ وہ ایک بہت ہی اہم کیس پر کام کر رہے ہیں تو میں نے اس کیس پر ریسرچ کی۔اور پھر میرے دل میں بلیک مونسٹر بننے کی خواہش جاگی۔اس لیے تمہارے ساتھ کام کرتا رہا۔"

"ہو گئی بکواس....؟ جیسے میں تو جانتا ہی نہیں ہوں نا کہ تم آئی۔ایس۔آئی کے پالتو ہو۔تم شاہین ہو۔وہ شاہین جس نے ہمیشہ ہی میرا سارا کھیل خراب کیا ہے۔"ڈیوڈ نے دانت پر دانت جمائے سرخی مائل آنکھوں سے کہا تھا۔

"میں شاہین نہیں ہوں بلکہ میں تو اسفند بھی نہیں ہوں۔"وہ بے بسی سے چیخا تھا۔

ڈیوڈ کے ایک اور اشارے پر رسی پھر ڈھیلی چھوڑی گئی تھی۔

"میں سچ کہہ رہا ہوں۔میرا نام یوسف ہے۔نائل نے کہا تھا کہ اسفند بن کر تمہارے سامنے جاؤں۔شاہین بن کر تمہارے گھر جاؤں اور وہ نوٹ...."موت کے خوف سے اس کی آنکھیں چھلکنے لگی تھیں۔

"تم میرا وقت ضائع کر رہے ہو۔"ڈیوڈ کے اشارے پر ایک بار پھر رسی ڈھیلی چھوڑ دی گئی تھی۔اس کا چہرہ پیشانی تک پانی کے اندر ڈوب چکا تھا۔اس تہہ خانے میں یوسف کی دردناک چیخیں گونجی تھیں۔

"رسی واپس کھینچو....."اس کے حکم پر ایک بار رسی اوپر کی جانب کھینچی گئی تھی۔

"واپس چھوڑو....."یہ عمل تین بار دہرایا گیا تھا۔یوسف کا سارا ماتھا جھلس گیا تھا۔اس کے بالوں کے نیچے کی ساری جلد معنوں پگھل سی گئی تھی۔

"پھر ملاقات ہو گی۔"یوسف کو اب نیچے اتارا گیا تھا۔اس کے بیہوش وجود پر نظر دوڑاتے وہ اجلت بھرے انداز میں باہر گیا تھا۔

"اس کی مرہم پٹی کرو۔یہ مرنا نہیں چاہیئے۔"ڈیوڈ کے حکم پر جیمز نے ادب سے سر جھکایا تھا۔

---

"بابا!میری بات سمجھنے کی کوشش کریں۔ایسے کیسے نا جاتا میں وہاں پر؟میری بیوی ہے وہ....."وہ بدر کے ساتھ فون پر محو گفتگو تھا۔

"اگر تمہیں کچھ ہو جاتا پھر...."بدر کافی خفا تھا۔

"آپ کو لگتا ہے کہ میں موت سے ڈرتا ہوں؟"لہجہ تمسخرانہ تھا۔

"جو بھی ہے تم دوبارہ اس قسم کی حرکت مت کرنا۔"

"اوکے!"وہ فورا مان گیا تھا۔ڈیوڈ بدر کی بہت عزت کرتا تھا۔اس کی کوئی بھی بات وہ نہیں ٹال سکتا تھا۔

"ویسے آپ کو پتا ہے میں آج بہت خوش ہوں۔آخر کار ہمارا دشمن اب ہماری پکڑ میں ہے لیکن کمینہ مان ہی رہا کہ وہ ہی شاہین ہے۔"

"وہ ٹھیک کہہ رہا ہے ڈیوڈ!اس لڑکے کی تصویر دیکھی ہے میں نے.....یہ شاہین نہیں ہو سکتا۔"

"کیا....کیوں نہیں ہو سکتا؟؟"اسے شدید دھچکا پہنچا تھا۔

"کیونکہ میری معلومات کے حساب سے شاہین نائل کا ساتھی ہے۔اس حساب سے اس کی عمر تیس سے پینتیس سال کے درمیان ہونی چاہیے،یہ تو مشکل سے چوبیس سے پچیس سال کا ہوگا۔"

"حد ہے۔شاہین،شاہین،شاہین.....اس شخص نے مجھے ذلیل کر کے رکھا ہوا ہے۔آخر ہے کون یہ شاہین....؟"وہ سخت جھنجھلایا تھا۔

فون رکھنے کے بعد وہ اپنے غصے کی شدت کو کم کرنے کے لیے ادھر سے ادھر ٹہل رہا تھا۔

"یہ شاہین کون ہو سکتا ہے ؟"جیمز سائیڈ پر ادب سے کھڑا کب سے اس کی بے ربط باتوں کو سن رہا تھا۔کچھ کہنے یا وہاں سے جانے کی گستاخی تو وہ کر ہی نہیں سکتا تھا۔

اچانک ہی ڈیوڈ کے دماغ میں جھماکہ ہوا تھا۔

ذہن پر کسی کا چہرہ ابھرا تھا۔

نائل کا دوست ، عینین کے ساتھ کھڑا وہ شخص....

"اسفند،اسفند نام تھا نا اس کا.....؟"وہ گہری سوچ میں پڑا تھا۔

"کیسا دکھتا تھا وہ.....؟"اپنی پیشانی مسلتے وہ اب سوچ رہا تھا۔

"جیمز! مجھے ایک سکیچ بنوانا ہے۔"وہ جلد از جلد اس شاہین نامی مصیبت سے چھٹکارا چاہتا تھا جس نے اس کا سارا سکون برباد کر دیا تھا۔

---

وانیہ کی آنکھ کسی بھیانک خواب کے زیر اثر کھلی تھی۔وہ ہانپتے وجود کے ساتھ اٹھ کر بیٹھی تھی۔چہرہ پسینے سے تر تھا۔

"میم! آپ ٹھیک ہیں؟"کسی نے اس کی جانب پانی کا گلاس بڑھایا تھا۔منظر کچھ واضح نا تھا۔اس نے دھندلاتی نظروں سے وہ گلاس تھاما تھا۔پانی اپنے اندر اتارتے جیسے ایک سکون اس پر طاری ہوا تھا۔اس نے اپنا سر تھامتے اپنے دائیں جانب دیکھا تھا۔دو عورتیں ہاتھ باندھ کر ادب سے کھڑی تھیں جبکہ ان کی نظریں اسی پر جمی تھیں۔

"میم آپ کو کچھ چاہیئے؟"اب کی بار آواز بائیں جانب سے آئی تھی۔وانیہ نے چونک کر اس طرف دیکھا تھا۔وہاں بھی دو عورتیں کھڑی تھیں۔وہ بھی اسی یونیفارم میں ملبوس تھیں جس میں پہلی دو عورتیں....وانیہ نے اپنی آنکھیں بار بار جھپکے جیسے یقین کرنا چاہا تھا۔

"ان کا بی پی چیک کرو۔"یہ آواز سامنے سے آئی تھی۔ایک جوان عورت جس نے سفید رنگ کا کوٹ پہنا ہوا تھا وہ کسی کو ہدایات دے رہی تھی۔یقیناوہ ڈاکٹر تھی اور شاید نرس کو ہدایات دے رہی تھی۔

اپنے ارد گرد چھے چھے لوگوں کو دیکھ وانیہ کا دم گھٹنے لگا تھا۔

"کون ہو تم لوگ؟"اس نے پہلے کہ نرس اس کا بی پی چیک کرتی وہ چلا اٹھی تھی۔

"میم آپ بالکل ریلیکس ہو جائیں۔سب ٹھیک ہے۔"اس نرس نے اسے تسلی دی تھی۔

"کون ہو تم لوگ،میں کہاں ہوں؟"وہ چلاتے ہوئے بستر سے اٹھی تھی۔

"میم پلیز ریلیکس ہو جائیں۔"انہوں نے اسے ریلیکس کرنے کی کوشش کی تھی مگر وانیہ بہت زیادہ گھبرا گئی تھی۔انجان جگہ،غیر شناسہ لوگ اوپر سے اس کی دماغی حالت.....

"نہیں!"وہ نفی میں سر ہلاتی ننگے پیر وہاں سے بھاگی تھی۔ملازماؤں نے اسے روکنے کی کوشش کی تھی مگر وانیہ کسی کے قابو میں نہیں آرہی تھی۔

وہ کمرے سے اندھا دھند بھاگتی لاؤنج کی جانب گئی تھی۔صوفے کے پاس پہنچتے کسی سے اس کا گہرا تصادم ہوا تھا۔

ڈیوڈ نے اسے گرنے سے بچانے کے لیے اس کے گرد حصار قائم کیا تھا۔

"چھوڑو مجھے،جانے دو مجھے۔مجھے کوئی قید نہیں کر سکتا۔میں بھاگ جاؤں گی۔"اس کے چوڑے سینے پر ہاتھ رکھے وہ مسلسل اسے پیچھے دھکیلنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"کیا ہو گیا ہے وانیہ؟ ریلیکس ہو جاؤ۔" وہ سمجھ سکتا تھا کہ وہ اس وقت ٹراما سے گزر رہی ہے۔ ایک عام انسان کا اس طرح کی صورت حال دیکھنا اس کے دماغ پر کس قدر بہت گہرا اثر ڈال سکتا ہے۔

"نہیں چھوڑو مجھے..... مجھے نہیں باندھو۔" وہ اپنی ہی دھن میں کہتی اسے پیچھے دھکیلنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"مانو ریلیکس ہو جاؤ۔" ڈیوڈ نے پیار سے اس کی پیٹھ سہلائی تھی۔ ملازموں کو اشارے سے وہ پہلے ہی بھیج چکا تھا۔

"چھوڑو مجھے....." وہ اب بھی مزاحمتیں کر رہی تھیں۔

"نین! ہوش میں آؤ۔" حاتم نے اسے شانوں سے تھام کر جھنجھوڑا تھا۔ اس کے سینے پر چلتے ہاتھ ایک لمحے کے لیے رکے تھے۔ عینین نے نظر اٹھا کر سامنے کھڑے شخص کی جانب دیکھا تھا۔

ہلکی بڑھی ہوئی شیو، دلکش نقوش، لمبا دراز قد، چوڑا سینہ اور وجیہہ شخصیت مگر جس چیز نے اسے ساکت کیا تھا وہ اس شخص کی آنکھیں تھیں۔ عجیب سی آنکھیں..... وہ فیصلہ نہیں کر پا رہی تھی کہ اس کی آنکھوں کا رنگ کیسا ہے۔ وہ ہلکی نیلی اور بھوری تھیں۔

اس کے دل نے ایک بیٹ مس کی تھی۔

"کیا انسانوں کی بھی اس قسم کی آنکھیں ہوتی ہیں؟" وہ اس کی آنکھوں میں کھو سی گئی تھی۔

"نین....؟" حاتم کے ایک بار پھر مخاطب کرنے پر وہ کرنٹ کھا کر پیچھے ہٹی تھی۔

"مجھے جانا ہے۔" وہ بوکھلا کر باہر کی جانب بھاگی تھی جب حاتم نے اسے کلائی سے پکڑے اپنی جانب کھینچا تھا۔

"مم.... مجھے چھوڑو ورنہ مار دوں گی میں تمہیں۔ زہر دے کر مار دوں گی۔" وہ ایک بار پھر ہوا اس کھو بیٹھی تھی۔

"اچھاااا! دو زہر، مار دو مجھے....." اس کی کمر کے گرد گرفت مضبوط کرتے حاتم نے دلچسپی سے اس کے چہرے کا طواف کیا تھا۔

"کک.... کون ہو تم؟" اس کی گرفت میں پھڑ پھڑاتے ہوئے اس نے پہلا سوال پوچھا تھا۔

"سانپ...." حاتم نے جہاں لب دبائے تھے وہیں وانیہ کا دل دھک سے رہ گیا تھا۔ آخر کون تھا وہ اور کیا جانتا تھا اس کے بارے میں؟؟

"تمہیں پتا ہے تم کون ہو؟" اپنی ٹڈی کی آڑی رنگت دیکھ وہ اچھا خاصا محظوظ ہوا تھا۔

"ناگن، چلو ڈسو مجھے، اور اتار و اپنا زہر میرے اندر....." اس نے گھیرا مزید تنگ کیا تھا۔

"تم واقعی نہیں جانتے کہ میں کون ہوں، میں ایک قاتل ہوں اور ایک قتل کر کے بھاگی ہوں۔" وانیہ نے لہجے کو مضبوط کرتے کہا تھا جبکہ حاتم کی سانسوں کی تپش اپنے چہرے پر محسوس کرتے اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا تھا۔ حاتم اس کے دل کی تیز ہوتی دھڑکن واضح سن سکتا تھا۔

"اووو! یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ انڈر ورلڈ کے ڈان کے بیوی کو کم از کم قاتلہ تو ہونا ہی چاہیئے۔" وانیہ کی نا صرف آنکھیں پھیلی تھیں بلکہ اس کے گلے میں گلٹی بھی ابھری تھی۔

"ڈان....؟" بیوی والی بات پر اس نے دھیان نہیں دیا تھا۔

"ہاں ڈان!" حاتم نے کہتے ساتھ ہی اسے بغیر کچھ سوچنے سمجھنے کا موقع دیے اپنی بانہوں میں اٹھایا تھا۔

"یہ تم کیا کر رہے ہو چھوڑو مجھے....." وہ اس کے سینے پر ایک بار پھر مکے برسانے لگی تھی۔

"ابھی طبیعت ٹھیک نہیں ہے تمہاری، ایک بار ٹھیک ہو جاؤ پھر ہر چیز کا حساب لوں گا تم سے....." اس کی ناک سے ناک مس کرتے حاتم نے اسے محبت بھری دھمکی دی تھی۔

"یہ تم ٹھیک نہیں کر رہے۔ مجھے نیچے اتارو۔ کہاں لے کر جا رہے ہو مجھے؟" حاتم کے بڑھتے قدموں کے ساتھ وہ ایک بار پھر چیخ اٹھی تھی۔

"بین ٹین دیکھنے....." ایک آنکھ ونگ کرتے وہ اسے اس کے کمرے میں لے گیا تھا۔ اس کی بات وانیہ کے سر پر سے گزری تھی۔

کمرے میں لا کر حاتم نے اسے بستر پر لٹایا تھا۔

"کون ہو تم.....؟" وہ غصے سے اٹھ کر بیٹھی تھی۔

"بین....." حاتم کے یک لفظی جواب پر وہ تلملا اٹھی تھی۔

"مطلب....؟"

"مطلب بین ٹین بہت اچھے کارٹون ہیں۔ تم دیکھو گی؟" وہ جان بوجھ کر اسے چھیڑ رہا تھا۔

"تم پاگل ہو گیا؟ میں کوئی چھوٹی سی بچی ہوں جو کارٹون دیکھوں۔ میں نے تو کبھی بچپن میں بھی نہیں دیکھے۔" اس نے کھا جانے والی نظروں سے حاتم کو گھورا تھا۔

"Really.....?"

اس کا حیران ہونا بالکل جائز تھا۔

"ہاں میں بچپن میں بھی بہت زیادہ میچیور تھی۔"

I see....."

حاتم نے لب دبائے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

"تم جو بھی ہو، مجھے یہاں کیوں لائے ہو؟" اس نے بستر سے اٹھنے کی کوشش کی تھی مگر حاتم نے اسے کلائی سے کھینچے واپس بٹھایا تھا۔

"ابھی تم کچھ کھاؤ گی اور آرام کرو گی۔ باقی باتیں بعد میں...."اس کے لہجے کی سختی وانیہ کو خاموش رہنے پر مجبور کر گئی تھی۔

"اس بستر سے نیچے قدم رکھنے کا سوچنا بھی مت ورنہ....."وہ اس کے تھوڑا قریب ہوا تھا۔

"ورنہ کیا.....؟"اپنی گھبراہٹ پر قابو پاتے وانیہ نے مضبوط انداز میں کہا تھا۔

"ورنہ....."حاتم نے اپنے کوٹ کی جیب سے گن نکالی تھی۔ وانیہ کا سانس وہیں رکا تھا۔

"تمہیں نہیں ماروں گا مگر یہ جتنے ملازم کھڑے تھے نا یہاں پر، ان سب کو مار دوں گا۔"وانیہ کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔

"غلطی تم کرو گی لیکن سزا دوسروں کو ملے گی۔ تو اس لیے کچھ بھی کرنے سے پہلے ہزار بار سوچنا....."اس کا گال تھپتھاتے وہ وہاں سے چلا گیا تھا مگر وانیہ کا دماغ تو بالکل مفلوج ہو گیا تھا۔ اس کے سرد لہجے سے کہیں سے بھی نہیں لگ رہا تھا کہ وہ مذاق کر رہا ہے۔

"ہائے وانیہ تمہاری قسمت، ایک عذاب سے جان چھوٹی تو دوسرے سے پالا پڑ گیا۔"اپنی قسمت پر ماتم کرنے کے سوا اور کوئی راستہ نہیں تھا اس کے پاس.....

---

نائل بستر پر لیٹا سونے کی کوشش کر رہا تھا لیکن گانے کا تیز والیم اسے سونے نہیں دے رہا تھا۔

"رات کے اس پہر یہ دیکھنا ضروری ہے؟"وہ جھنجھلا کر اٹھا تھا۔

"مجھے نیند نہیں آ رہی۔"سنیہا نے سرسری سے انداز میں جواب دیا تھا۔

"تمہیں نیند نہیں آ رہی تو کم از کم مجھے تو سونے دو۔"

"لو سو جاؤ"آف بٹن دبائے اس نے ریموٹ ٹیبل پر پٹخا تھا۔

"تمہارے ساتھ مسئلہ کیا ہے آخر؟"نائل کو اس کے دن بدن بدلتے انداز بالکل پسند نہیں تھے۔

"کوئی مسئلہ نہیں ہے۔مجھے بھلا کیا مسئلہ ہو سکتا ہے؟میرا شوہر مجھے چھوڑ کر دوسری عورتوں میں دلچسبی لے،مجھے تو کوئی مسئلہ ہی نہیں ہونا چاہیئے نا؟"وہ صوفے سے اٹھ کر بستر پر آ بیٹھی تھی۔

"تم پاگل ہو؟"نائل نے بے بسی سے اس کی جانب دیکھا تھا۔نجانے وہ کون سی منحوس گھڑی تھی جب اس کی زبان سے صوفی کا نام نکلا تھا۔

"ہاں پاگل ہوں اور بیواقوف بھی......مائی لو کے نام سے تم اس چڑیل کا نمبر سیو کرتے ہو اور مجھے کہتے ہو کہ وہ مر گئی ہے۔"وہ غصے سے چیخ اٹھی تھی۔

"کیا کہا تم نے.....؟"وہ فوراً بستر سے اٹھا تھا۔

"وہی جو سچ ہے۔وہ چڑیل زندہ ہے لیکن میں نے بھی اس کی ایسی طبیعت صاف کی ہے کہ یاد رکھے گی زندگی بھر.....اسی لیے تو آپ اتنے اداس ہیں شوہر جی،منہ جو نہیں لگا رہی وہ آپ کو....."

"کیا کہا تم نے؟کیا کیا تم نے.....؟"نائل نے غصے سے اس کی جانب بڑھے اسے گلے سے دبوچا تھا۔

"کیا کہا ان سے تم نے،بولو.....؟"اسے انسان سے حیوان بننے میں ایک سیکنڈ لگا تھا۔سنیہا کی سانسیں اکھڑنے لگی تھیں۔اس کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی تھی۔

"بولو کیا کہا تم نے.....؟"اس کا گلا چھوڑے نائل نے اس کی کلائی مروڑی تھی۔

"میں....میں نے کچھ نہیں کہا۔"وہ شیرنی سے فوراً بھیگی بلی بنی تھی۔

"سچ سچ بتاؤ کیا کہا ہے تم نے؟"ماہم ویسے ہی اس کی کال ریسیو نہیں کر رہی تھی اوپر سے سنیہا کی یہ بات.....

"میں نے بس اپنی اور آپ کی شادی کا بتایا تھا بس....."سنیہا منمنائی تھی۔

"بیواقوف عورت!وہ میری بہن کا نمبر ہے۔"سنیہا کو بستر پر دھکہ دیے وہ اپنا موبائل اٹھائے باہر گیا تھا۔

حاتم کی باتوں کا اثر نا لیتے وانیہ نے پورے گھر میں ادھم مچا رکھا تھا۔گھر میں دس ملازم،ایک ڈاکٹر اور ایک نرس موجود تھے مگر وہ اکیلی سب پر بھاری تھی۔حاتم کسی ضروری کام سے باہر گیا تھا۔اس بات سے انجان ک اس کی معصوم بیوی نے اس کے گھر کا نقشہ ہی بگاڑ دیا ہے۔آخر کار چلا چلا کر تھک کر وہ سو ہی گئی تھی۔یہ اس دوائی کا بھی اثر تھا جو کہ اسے جوس میں ملا کر زبردستی پلائی گئی تھی۔

حاتم کے واپس آتے ہی ساری داستان اس کے گوش گزار کی گئی تھی مگر مجال تھی کہ وہ اپنی نین کے حوالے سے کچھ غلط سن لے،وہ الٹا ملازموں پر چڑھ دوڑا تھا۔

مختصر یہ کہ وہ دونوں ایک دوسرے کے لیے ہی بنے تھے۔صرف حاتم ہی عینین کو اور عینین ہی حاتم کو برداشت کر سکتی تھی۔

اس کی آنکھ صبح نو بجے کے قریب کھلی تھی۔وہ فورا بستر سے اٹھی تھی۔یہاں سے بھاگنے کا وہ پکا ارادہ کر چکی تھی۔بستر سے اٹھتے اس کی نظر سائیڈ ٹیبل پر پڑے گلدستے پر پڑی تھی۔

گلاب کے پھولوں کا گلدستہ.....

اس نے ہاتھ بڑھا کر وہ اٹھایا تھا۔اس کے ساتھ ایک چھوٹا سا کارڈ بھی چسپاں تھا۔حاتم نے اس بار کارڈ نہیں چھپایا تھا،اس کی ضرورت ہی نہیں تھی۔

"Good morning darling......"

"ٹیرس پر آؤ۔" وانیہ ساکت ہو گئی تھی۔

جس چیز نے اسے چونکنے پر مجبور کیا تھا وہ ہینڈ رائٹنگ تھی۔

"یہ تو بالکل ویسی ہی ہے جیسے وہ خط...."

"شاہین...."اس کے لب مسکراہٹ میں ڈھلے تھے۔ایسے ہی تو اس کا دل نہیں دھڑکا تھا۔

"کتنی بڑی بیوقوف ہوں میں...."اس نے اپنے سر پر ایک چپت لگائی تھی مگر ماتھے پر بندھی پٹی نے اسے کراہنے پر مجبور کر دیا تھا۔

آہستہ آہستہ اسے سب سمجھ آنے لگا تھا۔

"اگر سمیر نے نینا کو اغوا کیا تھا تو پھر نین کون ہے؟مام نے تو کہا تھا نا کہ نین بھاگ جاؤ۔تو کیا وہ صوفی کو نین کہہ رہی تھیں؟"ماہم کی جانب دیکھے اس نے سوال کیا تھا۔

"نینا صوفی کو نین کیوں کہے گی۔وہاں صوفی کے علاوہ بھی تو کوئی تھا نا؟ایک آٹھ سالہ بچی.... عینین آفندی،نینا کی بیٹی نین....."

"میں....میں نین ہوں۔"حیرت کا ایک سمندر اس کی آنکھوں میں ابھرا تھا۔

"وہ لاکٹ اور وہ تصویریں؟"وہ بالکل بھی یقین نہیں کر پا رہی تھی۔

"وہ تو جان کر رکھی تھیں میں نے، تمہیں اذیت دینے کے لیے۔اور یہ دیکھنے کے لیے کہ تمہیں کتنا یاد ہے۔حقیقت تو یہ ہے عینین کہ میں نا تو تمہیں کچھ بھولنے دینا چاہتی تھی اور نا ہی یہ چاہتی تھی کہ تمہیں ٹھیک سے کچھ یاد آئے۔"

"عمر نین....."کارڈ ہاتھ میں پکڑے اس کے لب ہلے تھے۔

اس کے دیے ہوئے کپڑے پہن کر وہ اچھے سے تیار ہو کر ملازمہ کی رہنمائی کے ساتھ ٹیرس پر گئی تھی۔

وہ کسی سے فون پر محو گفتگو تھا۔

نین نے چور نگاہوں سے اس کی جانب دیکھا تھا۔اسکی طرف حاتم کا دائیاں رخ تھا۔

"ڈریسنگ تو اچھی کرتا ہے۔"کالے رنگ کی پینٹ کے اوپر اس نے ہلکے بھورے رنگ کی شرٹ پہنی ہوئی تھی۔

"بال بھی اچھے ہیں۔" حاتم نے اپنے بالوں میں ہاتھ پھیرا تھا۔

"بیئرڈ بھی ٹھیک بنائی ہوئی ہے۔" نین نے اپنی انگلی دانتوں تلے دبائی تھی۔

"دکھنے میں تو میری سوچ سے بھی زیادہ ہینڈسم ہے۔" وہ لاشعوری طور پر انگلی دانتوں تلے دبا گئی تھی۔

"آہ....." اس کی ہلکی سی چیخ پر حاتم اس کی جانب متوجہ ہوا تھا۔ فون آف کیے وہ مسکرا کر اس کی جانب بڑھا تھا۔ نین کا دل اس کی ہتھیلی پر آیا تھا۔

"کیسی طبیعت ہے اب؟" حاتم نے نرم مسکراہٹ اس کی جانب اچھالی تھی۔

"مجھے یہاں سے جانا ہے۔" منہ کے زاویے بگاڑے اس نے کل والا مطالبہ پھر سے دہرایا تھا۔ اتنے سالوں کی دوری کا بدلہ لینا تو بنتا تھا نا.....

"کہاں جانا ہے؟" حاتم اس کے مزید قریب آیا تھا۔

"یہاں سے بہت دور....." اس کی قربت پر وہ نظریں چرا گئی تھی۔

"کتنی دور.....؟" اپنے کان کے پاس سرگوشی سنتے وہ دبک کر پیچھے ہٹی تھی۔

"دیکھو تم مجھے جانتے نہیں ہو، تم میرے بھائی کو جانتے نہیں ہو؟" انگلی اٹھا کر دھمکی دیتے وہ حاتم کو بہت کیوٹ لگی تھی۔

"اس سالے کو مجھ سے بہتر اور کون جان سکتا ہے؟" کرسی پر شاہانہ انداز میں بیٹھتے حاتم نے تنفر سے سر جھٹکا تھا۔

سامنے میز پر ناشتے کے لوازمات سجے ہوئے تھے۔

"تم.... تم نے میرے بھائی کو گالی دی؟" بے یقینی ہی بے یقینی تھی۔

"گالی تو نہیں دی بس رشتہ بتایا ہے۔" وہ حد سے زیادہ ڈھیٹ تھا۔

"میں جا رہی ہوں یہاں سے....." وہ پیر پٹختے ابھی مڑی ہی تھی جب حاتم کی آواز اس کے کانوں میں گونجی تھی۔

"میری مرضی کے بغیر نہیں جا سکتی۔" اس نے کافی کا کپ لبوں سے لگائے لاپروائی سے کہا تھا۔

اس بات کا اندازہ تو وہ کل ہی لگا چکی تھی کہ گھر کے اندر اور باہر کتنی سیکیورٹی ہے۔

"کیوں؟ کس رشتے کے تحت رکوں میں یہاں پر؟" ہاتھ پر ہاتھ باندھے اس نے دانتوں تلے مرچی چبائے کہا تھا۔

"جو رشتہ چاہے بنا لو۔" اس کا لہجہ اب بھی لاپروہ تھا۔

"دوست بنا لوں تمہیں، ویسے بھی مجھے جانوروں سے دوستی کرنا بہت پسند ہے۔" حاتم کے ماتھے پر شکنیں ابھری تھیں۔

"کیا کہا تم نے؟" اپنی جگہ سے اٹھے وہ اس کے قریب گیا تھا۔ ساتھ ہی ساتھ اس نے گن نکال کر نین کے دل کے مقام پر رکھی تھی۔ گن لوڈ ہونے کی آواز پر نین کی اوپر کی سانس اوپر اور نیچے کی سانس نیچے رہ گئی تھی۔

"یہ چل جائے گی۔" اس نے سانس روکے کہا تھا۔

"چلانے کے لیے ہی رکھی ہے۔" وہ اس کی حالت سے محظوظ ہوا تھا۔ شاید وہ بچپن کی ہر ایک بات کا اس سے انتقام لے رہا تھا۔

"دیکھو مجھے مت مارنا۔ میرے اندر نا تو خون بھی تھوڑا سا ہی ہے۔ میں کسی کو کچھ نہیں بتاؤں گی، تمہاری سچائی کسی کو نہیں بتاؤں گی۔" حاتم کے لبوں کی مسکراہٹ کہیں غائب ہوئی تھی۔

"کیا نہیں بتاؤ گی تم؟ بولو کیا جانتی ہو تم؟" وہ ہر گز نہیں چاہتا کہ نین کو کبھی بھی اس کے کالے کارناموں کا علم ہو۔

"یہی کہ تم شاہین ہو اور آئی۔ایس۔آئی ایجینٹ ہو۔" وہ روانی میں بول گئی تھی۔

"What.....?"

حاتم کو حیرت کا شدید دھچکا لگا تھا۔

"میں شاہین ہوں؟" وہ یقین نہیں کر پا رہا تھا۔

"میں کسی کو نہیں بتاؤں گی پکا۔ بھائی بھی شاید اسی لیے تمہیں پسند نہیں کرتے کہ تم آئی۔ایس۔آئی سے ہو۔"

"میں ایسے ہی اسے ڈھونڈھنے میں وقت ضائع کر رہا ہوں۔" وہ بڑبڑایا تھا

"تمہیں کس نے کہا کہ میں آئی۔ایس۔آئی سے ہوں؟" چہرے پر سختی لائے اس نے استفسار کیا تھا۔

"مجھے پتا ہے۔ تم نے آ کر بچایا تھا نا مجھے، تم ہمیشہ مدد کرتے ہو۔ بریسلیٹ کے ذریعے مجھ سے کنٹیکٹ بھی تو کرتے ہو۔"

"بریسلیٹ.....؟" حاتم کو وہ ایک کے بعد دوسرا دھچکہ دے رہی تھی۔

"ہاں! بالکل ٹھیک کہا تم نے، میں شاہین ہی ہوں۔" اس نے کچھ سوچتے ساتھ ہی فوراً اعتراف کیا تھا۔

"ویسے کہاں ہے وہ بریسلیٹ، دکھانا مجھے....."

"میرے پاس نہیں ہے کہیں گما دیا میں نے...."

"تم اتنی لاپرواہ کیسے ہو سکتی ہو۔ تم نے میری دی ہوئی چیز گما دی۔" وہ مشتعل ہوا تھا۔

"جان کر نہیں کیا میں نے،اور ویسے تم نے بھی میرے ساتھ کچھ ٹھیک نہیں کیا۔یہ چوری چھپے مجھے تحائف اور خطوط بھیجتے رہے اور خود ایک بار بھی میرے سامنے نہیں آئے۔کیا میرا حق نہیں بنتا تھا کہ میں دیکھ سکوں،آخر میرا شوہر دکھتا کیسے ہے؟"وہ روانی میں بول گئی تھی جبکہ حاتم کی پیشانی پر بل پڑے تھے۔

"شوہر.....؟تم کب سے جانتی ہو یہ....؟"اس کے دل کی دھڑکن تیز ہوئی تھی۔کاش کہ وہ کہہ دے مجھے سب یاد ہے،ہر ایک چیز،ہر ایک پل.....

"میں نے بھائی کی باتیں سن لی تھیں۔"حاتم کے چہرے پر مایوسی چھائی تھی۔

"اچھا....."وہ بس اتنا ہی کہہ سکا تھا۔

"ویسے تمہارا نام کیا ہے،میرا مطلب اصل نام....؟"

"میرا نام....."حاتم نے اس کی کلائی پکڑے اسے اپنی جانب کھینچا تھا۔نین بوکھلا گئی تھی۔

"میرا نام عمر ہے۔"اس کا دودھیا ملائم ہاتھ اپنے سینے پر رکھے حاتم نے اس کے کان کے پاس سرگوشی کی تھی۔

اس کے اتنا پاس آنے پر نین کا چہرہ سرخ اناری ہوا تھا۔

"میں نے تمہارے لیے ایک بہت اچھا نام سوچا ہے۔"چھوٹی سی عینین نے چہکتے ہوئے حاتم کو بتایا تھا۔

"کیا نام سوچا ہے؟"اس نے بیزاری سے پوچھا تھا۔یقیناً اب بھی کسی کارٹون کا نام ہی سوچا ہوگا۔

"عمر....."

"ہیں!عمر.....؟عمر کیوں.....؟"

"مام کہتی ہیں حضرت عمر(رضی اللہ عنہ)بہت بہادر تھے۔ان کا ایک رعب تھا۔مجھے وہ بہت اچھے لگتے ہیں۔مام یہ بھی کہتی ہیں کہ ہم ان جیسے نہیں بن سکتے مگر ہمیں انہیں فالو ضرور کرنا چاہیئے،اس لیے

عمر....."اس کی آدھی بات تو حاتم کے سر پر سے گزری تھی مگر وہ پھر بھی راضی ہو گیا تھا کیونکہ عمر بین سے بہت بہتر تھا۔

"ٹھیک ہے تم بلا سکتی ہو مجھے اس نام سے....."اس نے گویا سر سے بلا ٹالی تھی۔

"اور تمہیں پتا ہے تمہارا نام کیا ہے؟"حاتم نے اس کا ہاتھ چھوڑے اسے شانوں سے تھاما تھا۔

"وانیہ...."وہ فوراً بولی تھی۔

"نہیں تم نین ہو، عمر کی نین....."اسے عمر نام صرف اس لیے پسند تھا کیونکہ یہ نام اس کی نین نے اسے دیا تھا۔

"تم دور رہ کر بات کیا کرو مجھ سے...."اپنا آپ اس کی گرفت سے آزاد کرواتے وہ دو قدم پیچھے ہٹی تھی۔

"کیوں....؟"

"ٹھیک ہے ہمارا نکاح ہوا تھا مگر مجھے کچھ بھی یاد نہیں ہے۔ یہ میرے لیے بے حد مشکل ہے۔"وہ صحیح کہہ رہی تھی۔اس رشتے کو قبول کرنا اتنا آسان نہیں تھا۔

"میں جانتا ہوں اور تم بے فکر رہو میں تمہیں پورا وقت دوں گا۔"حاتم کے نرم لہجے پر نین کے سر سے جیسے ایک بوجھ اترا تھا۔

"اب جانے دو مجھے یہاں سے....."گھوم پھر کر اس کی سوئی وہیں اڑی تھی۔

"کہاں جانا ہے تمہیں؟"

"میری دوست، وہ بہت پریشان ہو گی مجھے لے کر، ڈھونڈھ رہی ہو گی مجھے وہ۔"

"بھاڑ میں جھونکو ہر ایک چیز کو، اب تمہیں صرف میرے بارے میں سوچنا ہے۔"اب کی بار وہ اس کے پاس نہیں آیا تھا مگر اس کی آنکھوں کی حدت نین کو ایک بار کنفیوز کر گئی تھی۔

"ناشتہ تو ٹھنڈا ہو گیا، دوبارہ بنواتا ہوں۔ تم اپنے کمرے میں کر لینا، مجھے کچھ ضروری کام سے باہر جانا ہے۔" اس کی بات پر نین نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلایا تھا۔

---

نین رات کے وقت ٹیرس پر بیٹھی ہوئی تھی جبکہ حاتم اپنے کمرے کی کھڑکی پر کھڑے اسے دیکھنے میں مصروف تھا۔ اچانک ہی اسے نائل کا خیال آیا تھا۔

اپنا موبائل اٹھائے اس نے نائل کو کال ملائی تھی۔

"کیسے ہیں سالے صاحب؟"

"کیوں فون کیا ہے؟" اس کے لہجے میں تھکاوٹ واضح تھی۔ وہ ماہم اور عینین سے کانٹیکٹ کر کر کے تھک چکا تھا مگر کوئی جواب موصول نہیں ہوا تھا۔ اس لیے اس نے بالآخر لندن جانے کا فیصلہ کیا تھا۔

"آپ کو ہوش دلانے کے لیے، نین کی کوئی خبر ہے کہ آخر وہ ہے کہاں؟"

"بالکل خبر ہے، اور میری بہن کا نام نین نہیں بلکہ وانیہ ہے۔"

"آپ پھر اپنی وانیہ کی خبر رکھیں، میری نین تو اس وقت میرے پاس ہے۔" نائل کو زبردست شاک لگا تھا۔

"بکواس کر رہے ہو تم، وانیہ لندن میں ہے۔"

"حیرت ہوتی ہے آپ کی بے خبری پر، وہ اپنی دوست کے ساتھ کب کی پاکستان آچکی ہے۔ اقبال پارک میں بم بلاسٹ والے دن نین وہاں موجود تھی۔ اگر میں وقت پر نا پہنچتا تو آپ جانتے ہیں کیا ہو سکتا تھا؟" نائل کے پیروں تلے زمین کھسک گئی تھی۔ اس کی زبان جیسے تالو سے چپک گئی تھی۔

"وانیہ تمہارے پاس ہے؟" کچھ دیر کی خاموشی کے بعد وہ بے یقینی سے گویا ہوا تھا۔

"آپ کی بہن میرے پاس ہے۔ اب بتائیں کیا کروں میں اس کے ساتھ، گاڑی سے ہٹ کر دوں؟"

"بلکہ نہیں پہلے مجھے اسے اپنی محبت کے جال میں پھنسانا چاہیئے پھر جب وہ میرے عشق میں پاگل ہو جائے اور مجھ پر اندھا اعتبار کرنے لگ جائے تو مجھے اس کے اعتبار کا خون کر دینا چاہیئے، ہیں نا؟"

"نہیں نہیں! وہ بہت معصوم ہے حاتم بہت زیادہ، تم اسے نقصان نہیں پہنچاؤ گے۔" نائل کے لہجے میں بے بسی ہی بے بسی تھی۔ وہ اکیلا نجانے کس کس محاذ پر تنہا لڑ رہا تھا۔

"مجھے میری بہن واپس چاہیئے حاتم۔"

"اگر وہ آپ کے پاس جانا چاہتی ہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے بلکہ ایک کام کرتے ہیں نین سے ہی پوچھ لیتے ہیں کہ وہ کیا چاہتی ہے۔" لبوں پر تیکھی مسکراہٹ کے ساتھ حاتم نے فون کاٹ دیا تھا۔ نائل ہیلو ہیلو ہی کرتا رہ گیا تھا۔

"کیا کر رہی ہے میری مسز؟" اپنے کان کے پاس پراسرار سرگوشی سے وہ ڈر کے اس کی جانب مڑی تھی۔

"تم نے ڈرا دیا مجھے....." سنہری آنکھوں میں شکوہ تھا۔

"تمہیں ڈرانا میرا مقصد نہیں تھا۔ ایک چھوٹا سا فیور چاہیئے تھا۔" نین نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی جانب دیکھا تھا۔

"ایک لڑکی ہے، ہاتھ دھو کر پیچھے ہی پڑ گئی ہے۔ میں نے تو بس اس کی تھوڑی سی مدد کی تھی مگر اب بار بار نمبر بدل بدل کر تنگ کر رہی ہے۔ میں نے بتایا بھی کہ میں شادی شدہ ہوں پھر بھی پیچھا نہیں چھوڑ رہی۔"

"ایسے جیسے پیچھا نہیں چھوڑ رہی۔ میری بات کرواؤ میں دماغ درست کرتی ہوں اس کا...." وہ ایک ہی دن میں حاتم کو اپنا سب کچھ مان چکی تھی۔

"اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اسے فون کرتا ہوں۔ تمہیں بس مجھ سے کچھ محبت بھری باتیں کرنی ہیں۔ خود ہی دماغ درست ہو جائے گا اس کا۔" وہ فوراً راضی ہو گئی تھی۔ حاتم نے نائل کو کال ملائی تھی۔

"میری نین مجھ سے محبت تو کرتی ہے نا؟"

"ظاہر سی بات ہے۔ بہت کرتی ہوں۔"

"جانم! مجھے چھوڑ کر تو نہیں جاؤ گی نا؟"

"ہر گز نہیں جانم! میں اپنے سرتاج کو چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گی۔ ہمارا جینا مرنا اب ساتھ ہے۔" نائل کے سارے الفاظ جیسے کہیں گم ہو گئے تھے۔

"اگر کوئی تم سے میرے خلاف بات کرے تو کیا یقین کر لو گی؟"

"ہر گز نہیں! عمر کے علاوہ نین کسی پر اعتبار نہیں کرے گی۔" حاتم نے فوراً کال کاٹ دی تھی۔

"Thank you Nain!"

"کوئی بات نہیں...." وہ مدھم سا مسکرا دی تھی۔

"مجھے نیند آرہی ہے، میں سونے جا رہی ہوں۔ تم بھی سو جانا۔" وہ کہتے ساتھ ہی وہاں سے گئی تھی۔

"ایک دن آئے گا نین جب تمہیں عمر کے سوا کچھ نہیں دکھے گا۔" گہری سانس خارج کرتے وہ زخمی سا مسکرایا تھا۔

---

وہ رات میں گہری نیند سو رہی تھی جب اچانک ہی نیند میں اس کی طبیعت بگڑنے لگی تھی۔

"جھاڑیوں کے پیچھے کیا ہوا تھا وانیہ؟"

"بھول گئی تمہاری ماں کے ساتھ کیا ہوا تھا؟"

"بیچاری عزت گنوا دی نا اس نے اپنی....." اسے ٹھنڈے پسینے آنے لگے تھے۔

"جاؤ چلی جاؤ یہاں سے، چلی جاؤ۔" چادر کو دونوں ہاتھوں میں پکڑے وہ چیخنے لگی تھی۔

"کیا ہوا ہے میم؟" ملازمہ فوراً اٹھ کر اس کے پاس آئی تھی۔

حاتم نے اسے رات میں اکیلا چھوڑنے سے منع کیا تھا۔

"میں نے نہیں مارا۔ میں نے جان کر نہیں کیا۔ مجھے چھوڑ دو۔ مجھے جانے دو۔" بستر سے اٹھتے وہ اپنا سر تھامے پاگلوں کی طرح ادھر سے ادھر بھاگ رہی تھی۔

"چلی جاؤ یہاں سے، چلی جاؤ۔" اسے اپنے اطراف میں ہر جگہ ماہم نظر آ رہی تھی۔

اس کی حالت بگڑتے دیکھ ملازمہ بھاگ کر حاتم کو بلانے گئی تھی۔

"نین.....!" ملازمہ کے بلانے پر وہ بھاگتا ہوا اس کے کمرے میں آیا تھا۔

"نین! کیا ہوا؟" حاتم نے اسے شانوں سے تھامے جھنجھوڑا تھا۔

"وہ دیکھو! وہ مجھ پر ہنس رہی ہے۔ وہ مجھے پکڑ کر لے جائے گی۔" کمرے کے ایک کونے کی طرف اشارہ کرتے وہ مسلسل ہانپ رہی تھی۔

"کون نین.....؟"

"چار لوگ تھے۔ میری ماں کو مار دیا، مار دیا۔" وہ اس کے سینے سے لگی رو رہی تھی۔

"مجھے بھولنے نہیں دیتی۔ کچھ بھی بھولنے نہیں دیتی۔"

"کون بھولنے نہیں دیتی؟" حاتم نے اس کے گرد حصار قائم کیا تھا۔

"وہ...." اس کے سینے سے سر نکالے نین نے ایک جگہ اشارہ کیا تھا مگر وہاں کوئی نہیں تھا۔

"ابھی یہیں پر تھی۔ کہاں گئی؟" وہ خود بھی پریشان ہو گئی تھی۔

"میں سچ کہہ رہی ہوں وہ یہاں پر تھی۔" اس نے حاتم کی جانب ایک آس سے دیکھا تھا۔

"گارڈز سے کہو کہ سارے گھر کی تلاشی لے۔" حاتم نے ملازمہ کو حکم دیا تھا۔

"کہاں پر تھی وہ؟" اس نے نین کے گرد بازو حمائل کرتے نرمی سے پوچھا تھا۔

"یہی پر تھی۔ میں سچ کہہ رہی ہوں۔"

"ہاں میری جان! مجھے پتا ہے کہ تم سچ کہہ رہی ہو۔ مجھے اپنی نین پر پورا بھروسہ ہے۔" حاتم نے اس کے ساتھ پورے کمرے کی تلاشی لی تھی۔

"میں نے کوئی رپورٹس تبدیل نہیں کی اور نا ہی کوئی غلط دوائی لی تھی۔"

"بالکل تم نے ایسا کچھ نہیں کیا۔"

"میں پاگل نہیں ہوں۔"

"بالکل بھی نہیں ہو۔" حاتم نے اسے ایک بار پھر خود سے لگایا تھا۔

"تمہیں مجھ پر بھروسہ ہے؟" وہ سسکی تھی۔

"خود سے زیادہ....." اس کی شرٹ مٹھیوں میں دبوچے وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔ جو اعتماد اسے نائل نہیں دے سکا تھا، وہ حاتم دے رہا تھا۔

---

"مجھے قید کیا تھا۔ مجھے زنجیروں میں....." وہ بستر پر لیٹی تھی جبکہ حاتم اس کے پاس بیٹھا تھا۔ وہ مسلسل ٹوٹے پھوٹے جملوں میں اسے خود پر بیتے مظالم سنا رہی تھی۔

"نین کس نے تمہیں قید کیا تھا؟" حاتم نے اس کے بالوں میں انگلیاں چلاتے نرمی سے پوچھا تھا۔

"شاہین تم نے کہا تھا کہ تم ہر چیز کا انتقام لو گے۔ تم نے کہا تھا نا کہ تم ان کے قاتلوں کو مار دو گے۔ پھر وہ اب تک زندہ کیوں ہیں؟" وہ ایکدم سے اٹھ کر بیٹھی تھی۔

"نین تم کیوں یہ سب بول رہی ہو؟ میں تمہارے پاس ہوں تو تم کیوں باقی سب کو یاد کر رہی ہو؟"

"تم چاہتے ہو کہ میں اپنی ماں کی دردناک موت بھول جاؤں؟ تم نے وعدہ کیا تھا۔ اب تم پھر وعدہ کرو مجھ سے، تم ان سب کو مارنے میں میری مدد کرو گے۔" وہ بضد تھی۔

"اچھا ٹھیک ہے، اگر میری نین کی خوشی اسی میں ہے تو پھر میں وعدہ کرتا ہوں۔ ایک ایک کو ڈھونڈھ کر تڑپا تڑپا کر ماروں گا۔ لیکن پھر تمہیں بھی وعدہ کرنا ہو گا کہ تم مجھے شاہین کہہ کر نہیں بلکہ عمر کہہ کر بلاؤ گی۔"

"عمر اور شاہین میں کیا فرق ہے؟"

"رقیب لگتا ہے مجھے اپنا، کمینہ کہیں کا..... ایک بار سامنے آجائے مار ڈالوں گا جان سے...." عینین نے بے یقینی سے اس کی جانب دیکھا تھا۔ آخر کوئی خود کو ہی برا بھلا کیسے کہہ سکتا تھا؟

"تم شاہین ہی ہو نا؟" اس کا دل خدشات سے گھر گیا تھا۔

"میں تمہارا شوہر ہوں عمر، جو کہ تم سے عشق کرتا ہے۔ جس نے اتنے سال تمہاری یاد میں گزارے ہیں، جو ہمیشہ تمہیں تحائف اور خطوط بھیجتا تھا۔"

"چلو اب سو جاؤ۔ میں تمہارے پاس ہی ہوں۔" وہ ریلیکس ہو کر لیٹی تھی۔ وہ باتوں کو گھمانے پھرانے میں ماہر تھا۔ نین کے سارے خدشات کو وہ پل میں دور کر گیا تھا۔

---

نین کی خاطر حاتم نے اپنے سارے کام کچھ وقت کے لیے چھوڑ دیے تھے۔ آج بھی ناشتے کے بعد وہ اسے بہت پیار محبت سے سمجھا کر سائیکیٹریسٹ کے پاس لے کر جا رہا تھا۔

حاتم ڈرائیو کر رہا تھا جبکہ نین گاڑی کے شیشے کے باہر کے مناظر دیکھنے میں مصروف تھی۔ ڈرائیور کو وہ ساتھ نہیں لایا تھا۔ وہ اپنے اور نین کے درمیان کسی تیسرے کی موجودگی برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ ان کی گاڑی کی

پیچھے دو اور گاڑیاں بھی تھیں جن میں گارڈز اسلحے سمیت ان کی حفاظت پر معمور تھے۔وہ کوئی عام انسان نہیں تھا۔انڈر ورلڈ کے لیے وہ بلیک مونسٹر جبکہ دنیا والوں کی نظر میں وہ بہت بڑا بزنس مین تھا۔

"باہر کے نظارے سے فرصت مل گئی ہو تو ایک نگاہ کرم یہاں بھی ڈال دیجیے۔ہم بھی دنیا کی سب سے نایاب چیز کا نظارہ کر لیں۔"

"تمہیں لگتا ہے کہ میں پاگل ہوں؟"اس کی جانب رخ کیے نین نے سپاٹ لہجے میں پوچھا تھا۔

"سچ بولنا ہے یا جھوٹ؟"سڑک سے نظریں ہٹائے حاتم نے اپنی جھیل نما آنکھیں اس کی سنہری آنکھوں میں گاڑھی تھیں۔

"سچ....."اس کی گہری آنکھوں میں اپنا عکس دیکھتے نین نے آہستگی سے کہا تھا۔

"مجھے یقین ہے کہ تم پاگل ہو اور اب سے نہیں بلکہ بچپن سے۔تم ہمیشہ سے عجیب تھی۔"

"میں ایسا کیا کرتی تھی جو تمہیں میں عجیب لگی؟"وہ اس کا ذہن بھٹکانے میں کامیاب ٹھہرا تھا۔

"بہت سی ایسے باتیں ہیں۔مثلاً تم بھاگتے کا کروچ پکڑ لیتی تھی پھر اسے لے کر تم سب کو ڈراتی تھی۔"وہ یہ نہیں کہہ سکا تھا کہ وہ اسے ڈراتی تھی۔

"میں سچ میں یہ کرتی تھی؟"نین نے دلچسپی سے پوچھا تھا۔

"ہاں بالکل!تم ملازموں کے بچوں کے پیچھے اسے پکڑ پکڑ کر بھاگتی تھی۔"

"اور کیا کیا کرتی تھی میں؟"اس کی جانب مکمل طور پر رخ موڑے وہ بہت اشتاق سے پوچھ رہی تھی۔

"بہت لمبی لسٹ ہے تمہاری حرکتوں کی...."وہ ہنس دیا تھا۔

"ہمارا نکاح کیسے ہوا تھا؟"

"ہوا نہیں تھا تم نے زبردستی کیا تھا مجھ سے.... تم آٹھ سال کی عمر میں ہی میرے لکس پر فدا ہو گئی تھی۔" حاتم نے ایک شاکی نگاہ اس پر ڈالی تھی۔

"اگر مجھے کچھ یاد نہیں اس کا مطلب یہ نہیں کہ تم جو بھی بولو گے میں یقین کر لوں گی۔" منہ بنائے وہ ایک بار پھر رخ موڑ گئی تھی۔

"تم سچ میں مرتی تھی مجھ پر....." حاتم نے لب دبائے کہا تھا۔

"اب اتنے بھی اچھے نہیں دکھتے تم....."

"بچپن میں تو تمہیں میرے آگے کچھ دکھتا ہی نہیں تھا۔"

"اب بس کر دو۔ میں تمہارے جھوٹ پر ہرگز یقین نہیں کروں گی، بلکہ مجھے تو یقین ہے کہ تمہاری نیت ہی خراب تھی مجھ پر....." حاتم کا قہقہہ چھوٹا تھا۔

"تم مانو یا نا مانو مگر تم نے آٹھ سال کی ہی عمر میں مجھے بہت بری طرح ٹریپ کیا تھا۔"

"میں نہیں مانتی۔" وہ اپنی بات پر مصر تھی۔

"مرضی ہے تمہاری....."

کچھ لمحے پھر خاموشی کے نظر ہوئے تھے پھر حاتم نے آہستگی سے اس کا ہاتھ تھام کر اسے اپنی جانب متوجہ کیا تھا۔

"کبھی کبھی انسان کو سٹریس ہو جاتا ہے۔ اس سٹریس کو دور کرنے کے لیے سائیکیٹریسٹ کے پاس جانا غلط نہیں ہے۔ سٹریس کسی کو بھی ہو سکتا ہے، مجھے بھی..... جہاں میں تمہیں لے کر جا رہا ہوں وہ میری بہت اچھی دوست ہے اور کبھی کبھی میں بھی اپنا سٹریس دور کرنے ان کے پاس جاتا ہوں۔ ان سے اپنے دل کی ہر بات کرتا ہوں۔ ایسا کر کے مجھے اچھا لگتا ہے۔"

"تم سچ میں جاتے ہو؟" نین نے حیرانگی سے پوچھا تھا۔

"بالکل.....!" اس کی جانب دیکھے وہ مسکرادیا تھا۔ وہ بھی جواباً مسکرائی تھی۔ حاتم نے اس سے جھوٹ بولا تھا لیکن جو بھی تھا وہ نین کو سمجھ رہا تھا۔ عینین بھی رفتہ رفتہ اس کی عادی ہوتی جارہی تھی۔

---

حاتم کے حوصلہ دینے پر عینین نے ڈاکٹر سے کافی حد تک کھل کر بات کی تھی۔ وہ بظاہر وہاں سے جاچکا تھا مگر وہ وہیں ایک کونے میں پردے کے پیچھے کرسی پر بیٹھا اس کی ساری باتیں سن رہا تھا۔ حاتم نین کی ذہنی حالت سے اچھی طرح واقف تھا مگر اسے کچھ نا کچھ کھٹک رہا تھا۔ یقیناً لندن میں ایسا کچھ ضرور ہوا تھا جو کہ نین اسے بتا نہیں رہی تھی۔ یہاں سے وہ سید ھا ماریہ کے پاس جا کر اس سے پوچھ گچھ کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ ان کے سارے کام پینڈنگ پر پڑے تھے۔ اسے اسلام آباد جانا تھا مگر وہ ابھی لاہور میں موجود تھا۔

"کچھ اور بتانا چاہتی ہیں آپ؟" ڈاکٹر نے بہت نرمی سے پوچھا تھا۔

"بس تکلیف ہوتی ہے۔ میں اپنی ماں کی موت بھول نہیں پاتی۔" اس نے لندن میں ہوئی کوئی بھی بات نا تو حاتم کو بتائی تھی اور نا ہی ڈاکٹر کو..... ماہم کو لے کر وہ بے حد خوفزدہ تھی۔ اس نے زندگی میں پہلی بار کسی کی جان لی تھی، کسی کا قتل کیا تھا۔ یہ سب وہ اپنی زبان پر نہیں لا سکتی تھی۔

"آپ چاہے تو میں آپ کو ریلیکس کر سکتی ہوں۔"

"میں ہونا چاہتی ہوں۔" اس کا دماغ پھٹنے لگا تھا۔

"آپ یہاں آئیں۔" ڈاکٹر نے اسے ایک سیٹ پر لٹائے آنکھیں بند کرنے کا کہا تھا۔

وہ اچھے سے جانتی تھی کہ اس کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔ وہ اس قسم کے سیشنز پہلے بھی کئی بار لے چکی تھی۔

"پلیز ہم صرف اس واقعے کے بارے میں بات کریں گے۔" نین نے التجا کی تھی۔

"ہم ایسا ہی کرے گے۔" تھوڑی ہی دیر میں ڈاکٹر نے اسے ہیپناٹائز کیا تھا۔

"اس دن کیا ہوا عینین؟ یاد کرو، مجھے بتاؤ، تم، صوفی اور تمہاری مام نینا..... کیا ہوا تھا اس دن؟ سوچو....." حاتم بھی کرسی سے اٹھ کر وہاں آ گیا تھا۔

عینین نے بولنا شروع کیا تھا۔ پہلے پہل اس کی یادیں واضح نہیں تھیں مگر اب تو تقریباً سب صاف تھا۔

"اس دن میں، مام اور آپی شوپنگ پر گئے تھے....." عینین نے بولنا شروع کیا تھا۔

"ڈیڈ ساتھ ہوتے تو کتنا مزا آتا نا، اور بھائی بھی نہیں آئے ساتھ...." عینین منہ پھلائے ونڈو کے پار گزرتی چیزوں کو دیکھ رہی تھی۔

"مانو آپ کبھی خوش نہیں رہ سکتی۔ ہر چیز میں مسئلہ.... آپ کے ڈیڈ اور بھائی بزی ہیں نا....." نینا نے اسے سمجھانا چاہا تھا۔

اس سے پہلے کہ ان دونوں کے درمیان کوئی اور بات ہوتی نینا کا فون بجا تھا۔

فون سنتے ہی اس کے پیروں تلے زمین کھسک گئی تھی۔

"مصطفی....." اس کے ہاتھ سے فون چھوٹ کر گرا تھا۔

"کیا ہوا آنٹی؟" صوفی سے فکرمندی سے پوچھا تھا۔

"گاڑی ہسپتال کی جانب موڑو۔" اس نے کپکپاتی آواز میں ڈرائیور سے کہا تھا۔

ڈرائیور کے گاڑی موڑتے ہی اچانک سے ان کی گاڑی کے سامنے ایک اور گاڑی آئی تھی۔

سنسان سڑک پر تین آدمی، جن کے چہرے ڈھکے ہوئے تھے۔ انہوں نے ان تینوں کو زبردستی اپنی گاڑی میں بٹھایا تھا اور ڈرائیور کو وہ گولی مار کر وہیں پھینک گئے تھے۔

"مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے مام!" ان تینوں کو ایک گھنڈر نما کمرے میں بند کیا گیا تھا۔ صوفی اور نین دونوں ہی نینا کے ساتھ چپکی بیٹھی تھیں۔

"ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ سب ٹھیک ہو گا۔" وہ پہلے ہی مصطفی کو لے کر بہت پریشان تھی۔ فون کال کے مطابق اس کا ایکسیڈینٹ ہوا تھا۔

تھوڑی دیر بعد کسی کے قدموں کی چھاپ سے تینوں ہی سہم گئی تھیں۔

"کیسی ہو نینا؟" سمیر کو اپنے سامنے دیکھ وہ دنگ رہ گئی تھی۔

"آپ.....؟" وہ یقین نہیں کر پا رہی تھی۔ وہ شخص نجانے کتنے دنوں سے اس کے پیچھے پڑا ہوا تھا اور اب یہ سب....

"بہت حسین ہو تم اور میری دلہن بن کر اور حسین لگو گی۔" سمیر نے نینا کا ہاتھ پکڑ کر اپنی جانب کھینچا تھا۔ صوفی اور عینین دونوں کی آنکھوں میں بے یقینی تھی۔

"چھوڑو مجھے ذلیل انسان! میرے شوہر تمہیں جان سے مار دے گے۔" نینا نے اپنا آپ چھڑوانے کی بھرپور کوشش کی تھی۔

"وہ زندہ ہو گا تو مجھے مارے گا نا....." نینا کے سر پر آسمان گرا تھا۔

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ مصطفی نہیں.....!" وہ زمین پر گرتی چلی گئی تھی۔ صوفی اور عینین روتے ہوئے اس سے لپٹے تھے۔

"اگر تم نہیں چاہتی کہ میں ان دونوں کو بھی مار دوں تو میری بات مان جاؤ۔ اور مجھ سے نکاح کے لیے تیار ہو جاؤ۔" وہ یہ کہہ کر الٹے پاؤں واپس گیا تھا۔ شاید وہ اسے تھوڑا وقت دے رہا تھا۔

وہ نجانے کتنی دیر اپنی بے بسی پر آنسو بہاتی رہی تھی پھر اچانک ہی وہ وہاں سے اٹھی تھی۔

نینا نے اس جگہ کا ہر ایک کونہ چھانہ تھا۔ بہت ڈھونڈھنے پر اسے دیوار کا ایک حصہ دکھا تھا جو کہ نیچے سے تھوڑا ٹوٹا ہوا تھا۔

نینا نے وہاں سے جھانک کر باہر دیکھا تھا۔ باہر جنگل تھا۔

صوفی اور عینین بھی اس کے پیچھے پیچھے ہی تھیں۔

"صوفی میری بات سنو! تم لوگوں کو یہاں سے بھاگنا ہوگا۔ مجھے پورا یقین ہے کہ نائل تم لوگوں تک پہنچ جائے گا۔"

"لیکن آنٹی....."

"میرے ساتھ جو ہوگا وہ ہوگا لیکن میری بیٹیوں کی عصمتوں پر کوئی حرف نہیں آنا چاہیئے۔" نینا نے ادھر ادھر نظریں گھمائی تھیں۔ ایک لوہے کے ٹوٹے ہوئے، زنگ آلود اوزار سے اس نے وہ دیوار توڑنا شروع کی تھی۔ وہ دیوار بہت زیادہ مضبوط نہیں تھی اسی لیے اسے زیادہ مشقت نہیں کرنی پڑی تھی۔ کچھ ہی دیر کی محنت کے بعد وہ ایک بڑا سوراخ کرنے میں کامیاب ٹھہری تھی۔ وہ وہاں سے نہیں جاسکتی تھی مگر عینین اور صوفی جا سکتی تھی۔ صوفی ایک دبلی، پتلی لڑکی تھی اور عینین تو ویسے ہی بہت چھوٹی تھی۔

"چلو جاؤ تم لوگ، اس سے پہلے کہ کوئی آجائے۔"

"آنٹی ہم آپ کو چھوڑ کر کہیں نہیں جائے گے۔" صوفی روتے ہوئے نینا کے گلے لگی تھی۔

"یہ ضد کرنے کا وقت نہیں ہے صوفی، اس سے پہلے کہ کوئی آجائے۔ بھاگ جاؤ یہاں سے.....اور وعدہ کرو تم مانو کا بہت خیال رکھو گی۔" آٹھ سالہ عینین چپ چاپ کھڑی ان کی باتیں سن رہی تھی۔ اس کا ننھا دماغ ساری صورت حال سمجھنے سے قاصر تھا مگر وہ کچھ عجیب ضرور محسوس کر رہی تھی۔

صوفی کی لاکھ ضد کے باوجود نینا نے اسے قائل کر ہی لیا تھا۔

"چلو نین.... "صوفی نے اس کا ہاتھ پکڑا تھا۔ وہ پہلے پہل تو حاتم کو چھیڑنے کے لیے اسے نین کہہ کر پکارتی تھی کیونکہ وہ برا مان جاتا تھا۔ پھر اسے عادت ہو گئی تھی۔

"میں نہیں جاؤں گی۔"اس کا ہاتھ جھٹکتی وہ اپنی ماں سے لپٹی تھی

"میں آپ کو چھوڑ کر نہیں جاؤں گی مام۔"وہ رو دی تھی۔

"میرا بچہ....."نینا نے جھک کر اس کے چہرے کے ہر ایک نقش کو چوما تھا۔

"مام کی بات مانو اور آپی کے ساتھ چلی جاؤ۔"

"میں نہیں جاؤں گی۔ آپ بھی چلیں ہمارے ساتھ....."وہ مسلسل سسک رہی تھی۔

کسی کے قدموں کی چھاپ سے وہ تینوں ہی چونکی تھی۔

"جلدی جاؤ یہاں سے....."انہوں نے زبردستی عینین کا ہاتھ صوفی کے ہاتھ میں تھمایا تھا۔

"میں آپ کے پاس رہوں گی مام!"صوفی اسے گھسیٹتے ہوئے آگے لے کر جا رہی تھی جبکہ وہ مسلسل چیخ چلا رہی تھی۔

دروازہ کھلنے تک وہ دونوں باہر جا چکے تھے۔

"مجھے نہیں جانا....."عینین ابھی بھی ضد پر آڑی ہوئی تھی۔

"بھاگ جاؤ نین، بھاگ جاؤ۔"نینا اپنی پوری قوت سے چلائی تھی۔

"مجھے نہیں جانا، مجھے نہیں جانا۔"وہ آنکھیں بند کیے مسلسل سسک رہی تھی۔ حاتم اس کے ساتھ کھڑا تھا جبکہ اس کی آنکھیں بھی نم تھیں۔

"پھر کیا ہوا عینین، یاد کرو۔ اس کے بعد کیا ہوا تھا؟"

"اس کے بعد ہم بھاگ گئے تھے۔ ہر طرف جنگل ہی جنگل تھا، میں تھک گئی تھی، بہت تھک گئی تھی۔

"نین چلو جلدی کرو۔" ان لوگوں کو دن کے وقت اغوا کیا گیا تھا اور اب دوسری صبح بھی چڑھ چکی تھی۔

"آپی میں بہت تھک گئی ہوں۔اب اور نہیں بھاگ سکتی۔" دونوں ہاتھ کمر پر رکھے وہ مسلسل ہانپ رہی تھی۔

اچانک ہی ان دونوں کو کسی گاڑی کی آواز سنائی دی تھی۔

"نین...." نین کا ہاتھ پکڑتے صوفی ایک درخت کی اوٹ میں چھپ گئی تھی۔

اس ویرانے میں گاڑی روکے چار لوگ باری باری باہر نکلے تھے۔

ایک شخص بھورے پینٹ کوٹ میں ملبوس سگریٹ سلگاتا ہوا گاڑی کی ڈکی کی جانب بڑھا تھا۔

گاڑی کی ڈکی کھولے اس کے چہرے پر مسکراہٹ بکھری تھی۔

"Poor girl..."

اس نے خون میں لت پت لڑکی کو ترس بھری نگاہ سے دیکھا تھا۔اب وہ سر جھٹکتا آگے بڑھا تھا۔

"ڈکی خالی ہے۔وہ بھاگ گئی ہے۔" وہ تینوں باتوں میں مصروف تھے جب ایک عورت کے چیخنے کی آواز سے وہ اس کی جانب متوجہ ہوئے تھے۔

"کیسے بھاگ گئی؟وہ تو مر گئی تھی۔" بھورے پینٹ کورٹ میں موجود شخص بھاگتا ہوا ڈکی کی طرف آیا تھا۔

"بلیک مونسٹر ہماری جان لے لے گا۔" اس عورت نے خوفزدہ لہجے میں کہا تھا۔انہیں یہ گاڑی لڑکی سمیت پہاڑ سے نیچے پھینکنے کا حکم ملا تھا۔

"بڑی کوئی ڈھیٹ عورت ہے۔رات سے صبح ہو گئی مگر ابھی تک نہیں مری۔جاو ڈھونڈھو جا کر اسے...اس حالت میں وہ زیادہ دیر نہیں بھاگ سکتی۔" اس شخص نے غصے سے حکم صادر کیا تھا۔

"پھر کیا ہوا عینین.....؟" ڈاکٹر کے پوچھنے پر اس نے ایک بار پھر گہری گہری سانسیں لیے سب بتانا شروع کیا تھا۔

"آپی نے کہا کہ میں وہاں چھپ جاؤں۔ وہ مدد لے کر آئے گی۔ اور یہ سب صرف ڈرامہ ہے۔ وہ لوگ مام کے دوست ہیں اور یہ صرف ایکٹنگ ہے جیسے موویز میں ہوتی ہے۔" وہ تکلیف کی شدت سے رو دی تھی۔ حاتم نے بھی اپنی آنکھ کے کنارے سے ایک اشق چنا تھا۔

اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اس کے اپنوں نے اتنی تکلیف اٹھائی ہو گی۔

"آگے کیا ہوا، یاد کرو....."

"پھر....." وہ اپنے ذہن پر مکمل زور ڈال رہی تھی۔

اچانک ہی اس کی نظر ڈکی سے باہر بہتے خون پر پڑی تھی۔ اس کے لبوں پر شیطانی مسکراہٹ بکھری تھی۔ اس خون کی پیروی کرتے وہ مسلسل گنگناتے ہوئے آگے بڑھ رہا تھا۔ تھوڑا آگے جا کر اس کے قدم رکے تھے۔

"تو تم زندہ ہو۔" ایک درخت کے قریب بیٹھتے اس نے دلچسپی سے کہا تھا۔

وہ جو درخت کے ساتھ بیٹھی اپنی آخری سانسیں لے رہی تھی۔ اپنے سامنے اس ظالم شخص کو دیکھ بری طرح گھبرا گئی تھی۔ اس کی آنکھیں بار بار بند ہو رہی تھیں۔

"آپ پر پہلی نظر میری پڑی تھی بھابھی جی! تو پھر آخری لمس بھی میرا ہونا چاہیئے نا..." ایک ہاتھ پیٹ پر رکھے وہ

اپنا خون روکنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں التجا تھی۔ اس کے لب نیم وا تھے۔ وہ کچھ کہنا چاہتی تھی، التجا کرنا چاہتی تھی مگر تمام الفاظ تو جیسے زنجیر ہوئے تھے۔

اس سے پہلے کہ وہ شیطان اس معصوم اور پاکیزہ عورت پر جھکتا، جیمز کی آواز اس کے کانوں میں پڑی تھی۔

"یہ تم کیا کر رہے ہو؟ اسے پہاڑی سے پھینکنے کا حکم ملا ہے۔" وہ غراتا ہوا اس کے قریب آیا تھا۔

"پھینک دیتے ہیں، اتنی بھی کیا جلدی ہے؟" وہ خباثت سے مسکرایا تھا۔

"یہ مرنے والی ہے۔" جیمز نے اسے یاد دلایا تھا۔

"مری تو نہیں ہے نا... ہم تو وہ شیطان ہیں جو مردہ کو بھی نہیں چھوڑتے، یہ تو پھر زندہ ہے۔" ایک ایک لفظ اس کے کانوں میں ہتھوڑے کی طرح بج رہا تھا۔ اس نے شدت

سے دعا کی تھی کہ کاش اسے ابھی اور اسی وقت موت آجائے۔ وہ جو کچھ سہہ چکی تھی اس کے بعد مزید کچھ بھی سہنے کی اس میں سکت نہیں تھی۔

"تم...!"

"جیمز! میں جو کر رہا ہوں، مجھے کرنے دو۔ آخر کار اس پر بلیک مونسٹر سے پہلے میری نظر پڑی تھی۔" جیمز نے ایک نظر افسوس سے اسے دیکھا تھا۔

"ٹھیک ہے جو کرنا ہے جلدی کرو۔" اس نے گہری سانس خارج کرتے ہار مانی تھی۔ اب وہ نفی میں سر ہلاتا وہاں سے چلا

گیا تھا۔

عینین کی حالت خراب ہونے لگی تھی۔

"میری ماں کے ساتھ.....!" اس کا جسم جھٹکے کھانے لگا تھا۔

"نین...." حاتم نے چیختے ہوئے اس کا ہاتھ تھاما تھا۔

"ٹھیک ہے عینین! بس اب آگے کچھ مت سوچو، کچھ یاد کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ واپس آجاؤ۔ ریلیکس ہو جاؤ۔" اسے ریلیکس ہونے میں کافی وقت لگا تھا۔

---

"Thanks!"

واپسی کے سفر میں یہ پہلا لفظ تھا جو اس نے کہا تھا۔

"کس لیے....؟"

"اچھا محسوس کر رہی ہوں میں....."

"میں بھی اچھا محسوس کرنا چاہتا ہوں۔"

"تمہیں بھی ایک سیشن لینا چاہیئے۔"

"مجھے سیشن کی نہیں اپنی بیوی کی ضرورت ہے۔ میں تمہارے ساتھ رہنا چاہتا ہوں۔"

"ہم ساتھ تو ہیں۔"

"ایسے نہیں، میں تمہیں ہر پل، ہر گھڑی محسوس کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے ڈر لگتا ہے کہ کہیں تمہیں مجھ سے کوئی چھین نا لے۔ میں نہیں چاہتا کہ تم اب نائل کے پاس واپس جاؤ۔"

"میں کہیں نہیں جا رہی۔ یہی ہوں، تمہارے پاس....."وہ مدھم سا مسکرائی تھی۔

"نکاح کرو گی مجھ سے....؟"اس کے کچھ دیر بعد کہے جملے سے وہ ساکت ہو گئی تھی۔

"میں تمہارے ساتھ رہنا چاہتا ہوں۔"

"یہ جاننے کے باوجود بھی کہ میری دماغی حالت...."

"تم بالکل ٹھیک ہو نین! بالکل ٹھیک، اگر نہیں ہو تو بہت جلد ہو جاؤ گی۔ اپنی محبت پر بھروسہ ہے مجھے۔"حاتم نے اس کا ہاتھ تھاما تھا۔

"بہت لگا لیے کوئے یار کے چکر
اب وصل یار کا وقت ہے۔"اس کی بے باک گفتگو پر بری طرح جھنپ گئی تھی۔

"اسلام آباد جاتے ہی ہم نکاح کر لے گے۔" نین نے کچھ نہیں کہا تھا۔ وہ بس سرخ چہرے کے ساتھ کھڑکی کے پار گزرتی چیزوں کو دیکھ رہی تھی۔

"عینین کے ساتھ کسی قسم کا کوئی دماغی مسئلہ نہیں تھا۔ وہ کوئی ذہنی مریضہ نہیں ہے۔ انہیں ایسا بنایا گیا ہے۔ ان کی رپورٹس کے مطابق ان کے بلڈ میں بہت زیادہ مقدار میں نشہ آور ادویات ملی ہیں۔ آپ باقاعدگی سے انہیں میرے پاس لے کر آئیں۔ کچھ سیشنز اور میڈیسنز کے بعد وہ ٹھیک ہو جائے گی لیکن اس بات کا خیال رکھیں گا کہ ان کے دماغ کو کسی قسم کا کوئی دھچکہ نا پہنچے۔ انہیں آپ کی محبت اور توجہ کی ضرورت ہے۔" ڈاکٹر کی بات یاد کرتے حاتم کی آنکھوں میں شعلے دھکنے لگے تھے۔

"نین پہلے بھی کسی سائیکیٹریسٹ کے پاس جاتی رہی ہے تو پھر وہ ٹھیک کیوں نہیں ہوئی؟"

"عینین کا کیس بہت سمپل ہے۔ ایک آٹھ سالہ بچی اگر اپنا سارا بچپن بھول سکتی ہے تو یہ واقعہ بھی بھول سکتی ہے۔ وہ بھی جب گھر، پہچان یہاں تک کہ نام بھی تبدیل کر دیا گیا ہو۔ اس سب سے تو یہی اخذ ہوتا ہے کہ اسے صحیح ٹریٹمنٹ نہیں دیا گیا۔ اور یقیناً اس سب کے پیچھے کوئی گھر کا ہی شخص ہو گا۔" حاتم گہری سوچ میں پڑا تھا۔ نائل تو یہ نہیں کر سکتا تو پھر کون.....؟

اب اسے بس اتنا ہی پتا لگانا تھا کہ اس کے پیچھے کس کا ہاتھ ہے۔ پھر ساری گھتیاں خود ہی سلجھ جانی تھیں۔

---

"عمر مجھے ڈاکٹر کے پاس جانا ہے۔"

"نین بلاوجہ ضد مت کرو۔ ابھی دو تین دن بعد اگلا سیشن...." اس نے کل سے ضد لگائی ہوئی تھی کہ وہ ڈاکٹر کے پاس جائے گی۔

"دیکھو میں تمہیں اذیت میں نہیں دیکھ سکتا۔"

"مجھے نہیں پتا، مجھے بس ٹھیک ہونا ہے۔ پھر ہمیں شادی بھی تو....."اس نے زبان دانتوں تلے دبائی تھی۔

"یعنی یہ ساری محنت اسی لیے ہو رہی ہے۔" وہ اسے کمر سے کھینچ کر ایک بار پھر اپنے قریب کر گیا تھا۔

"دیکھو ابھی ہمارا نکاح نہیں ہوا۔"اس کے سینے پر ہاتھ رکھے وہ اسے دھکیلنے ہی والی تھی جب عمر نے اس کے دونوں ہاتھ اپنی گرفت میں لیے اس کی کمر کے پیچھے پن کیے تھے۔

"تم یہ ٹھیک نہیں کر رہے۔"اس کی آواز میں نمی گھلی تھی۔

"نین!"عمر فوراً اس سے دور ہٹا تھا۔

"میں مذاق کر رہا تھا۔"

"تو میں کون سا سیریس تھی۔"وہ اسے زبان چڑاتے وہاں سے بھاگی تھی۔ حاتم کچھ دیر ہکا بکا وہاں کھڑا رہا تھا پھر وہ بھی بھاگتا ہوا اس کے پیچھے گیا تھا۔

"ٹڈی کہیں کی....."

"یہاں آؤ......"لاؤنج میں داخل ہوتے عمر نے اسے سخت گھوری سے نوازا تھا۔

"کیوں آؤں؟"وہ صوفے کے پیچھے کھڑی اب بھی بھاگنے کے لیے پر تول رہی تھی۔ جیسے ہی وہ ایک قدم بڑھاتا وہ فوراً بھاگ جاتی۔

"تمہارے پیچھے چھپکلی ہے۔"حاتم نے اسے ڈرانے کے لیے کہا تھا لیکن شاید وہ یہ بھول گیا تھا کہ سامنے کون سی بلا ہے۔

"کہاں ہے؟ کہاں پر ہے؟"وہ فوراً چہکتی ہوئی پلٹی تھی۔ اب وہ چھپکلی ڈھونڈھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"یہاں پر تو کچھ بھی نہیں ہے۔"اس کے چہرے پر مایوسی دیکھ حاتم نے بے اختیار پیشانی مسلی تھی۔

کوئی اور لڑکی ہوتی تو شاید چیخیں مار مار کر گھر سر پر اٹھا لیتی مگر سامنے تو اس کی ٹڈی تھی، بہادر ٹڈی.....

"عمر تم نے جھوٹ...."ابھی اس کے الفاظ منہ میں ہی تھے جب عمر نے ایک بار اسے اپنی دسترس میں لیا تھا۔

"ڈرامے باز کہیں کی...."عمر نے اس کی ناک پر بائیٹ کی تھی۔

"سس...."نین کی سسکی نکلی تھی۔

"مجھے ڈاکٹر کے پاس جانا ہے۔مجھے جلدی سے ٹھیک ہونا ہے۔"وہ نظریں ادھر ادھر گمائے راہ فرار کا راستہ ڈھونڈھ رہی تھی۔

"اور پھر شادی کرنی ہے۔"عمر نے لب دبائے شرارت سے کہا تھا۔

"جی نہیں.....!"اس کا چہرہ سرخ پڑا تھا۔

"تو کیا نہیں کرنی؟"اس کی بوکھلاہٹ اسے محظوظ کر رہی تھی۔

"پتا نہیں....."وہ زچ ہوئی تھی۔

"پتا نہیں ہے تو پتا کیجیے نین صاحبہ،دن کم رہ گئے ہیں۔"اس نے بے حد نرمی سے اسے چھوڑ دیا تھا۔

"تم مجھے ڈاکٹر کے پاس نہیں لے کر جاؤ گے؟"گھڑی کی سوئی پھر وہیں آ کر رکی تھی۔

"ایک شرط پر....."

"کیسی شرط.....؟"

"تمہیں مجھے ایک کپ کافی بنا کر پلانی ہو گی۔"نین کے چہرے کا رنگ بالکل زرد پڑا تھا۔

"کافی.....؟"اس کے چہرے پر خوف کے سائے لہرائے تھے۔

"ہاں کافی!تم تو ایسے ڈر رہی ہو جیسے میں نے گن چلانے کا بولا ہو۔"وہ پھر غلط شخص سے غلط بات کر گیا تھا۔سامنے کھڑی آفت کے لیے گن چلانا آسان جبکہ کافی بنانا بے حد مشکل تھا۔

"مجھے بنانی نہیں آتی۔"

"میں نے کبھی کچن کے کام نہیں کیے۔"

"اندازہ تھا مجھے، کوئی بات نہیں ہم مل کر بناتے ہیں۔" عمر اس کا ہاتھ تھامے کچن کی جانب بڑھا تھا۔

"نہیں عمر پلیز!" عینین کا دل دھک سے رہ گیا تھا۔

آگ کو دیکھ کر اسے ایک بار پھر اٹیک ہونا تھا اور وہ نہیں چاہتی تھی کہ یہ سب عمر کے سامنے ہو۔

"میں کچھ نہیں سنوں گا۔ ہم کافی بنا رہے ہیں بس!" اس کی لاکھ منتوں کے باوجود وہ اسے کچن میں لے آیا تھا۔

جیسے ہی عمر نے چولہا آن کیا تھا، نین نے سختی سے آنکھیں میچی تھیں۔

"وہاں سے کپ اٹھاؤ۔" عمر کی آواز پر اس نے آنکھیں کھولی تھیں۔ وہاں کوئی آگ نہیں تھی۔ چولہا الیکٹرک تھا۔ نین کی رکی سانس بحال ہوئی تھی۔

"نین دو نا.....؟"

"ہاں.....!" اس نے مسکرا کر عمر کو کپ تھمایا تھا۔

ناشتے کے بعد وہ لوگ ڈاکٹر کے پاس گئے تھے۔ حاتم کے منع کرنے کے باوجود بھی وہ جان بوجھ کر ہیپناٹائز ہوئی تھی۔ وہ کل کی طرح آج بھی سکون حاصل کرنا چاہتی تھی۔

لیکن آج حاتم نے ڈاکٹر سے اکیلے میں بات کر کے کہا تھا کہ وہ اس سے لندن میں ہوئے واقعے کے بارے میں پوچھے نا کہ اس کے بچپن والے سانحے کے....

عینین نے ساری آپ بیتی سنا دیتی تھی۔ حاتم جیسے جیسے سنتا جا رہا تھا اس کی آنکھوں میں آگ کے شعلے بھڑکنے لگے تھے۔

"عینین وہ عورت کون تھی؟" حاتم نے اس سے پوچھا تھا۔ وہ مسلسل رو اور سسک رہی تھی۔

"عینین مجھے بتاؤ کس نے کیا یہ سب؟"

"پھوپھو، الیکس...." وہ بس اتنا ہی بولی تھی۔

حاتم نے سختی سے لب بھینچے تھے۔ اس کا پورا وجود غصے سے سرخ پڑا تھا۔ آنکھوں میں لپٹے شعلوں نے آج سب کو بھسم کرنا تھا۔ آج ہر چیز کا انتساب ہونا تھا۔ وہ نین کے ساتھ ہوئے ہر ایک ظلم کا انتقام لینے کا پیاں کر چکا تھا۔

---

نائل اضطراب کی حالت میں لان میں موجود کرسی پر بیٹھا تھا جبکہ محسن ساتھ والی کرسی پر ٹانگ پر ٹانگ جمائے مزے سے باداموں کے ساتھ انصاف کر رہا تھا۔

"نا تو بیوی راضی ہے اور نا ہی بہن..... مجھے سمجھ نہیں آتا کہ میں آخر کیا کروں؟"

"بادام کھاؤ۔" محسن نے اسے مفید مشورے سے نوازا تھا۔

"تم میرے گھر بادام کھانے آئے ہو؟" نائل کو اس کا اطمینان زہر لگا تھا۔

"ایک آئیڈیا ہے میرے پاس، تھوڑا فلمی ہے مگر...."

"بتاؤ....."

"تم وانیہ کو گھر لانا چاہتے ہو نا تو تم ڈیوڈ سے کہو کہ وہ تمہیں تمہاری بہن واپس دے دے۔"

"تم جب بھی کرنا بکواس ہی کرنا۔ میں کہوں گا اور وہ عزت سے اسے یہاں چھوڑ جائے گا۔ اور تو اور وہ تو خود اپنے سر تاج اور میرے سر درد کو چھوڑنے کو تیار نہیں ہے۔" محسن کا قہقہ چھوٹا تھا۔

"تم اس سے کہو کہ وہ تمہیں تمہاری بہن واپس کر دے اور بدلے میں اپنی بہن لے جائے۔ دیکھنا خود چھوڑ کر جائے گا وانیہ کو....."

"تمہارا دماغ سیٹ ہے؟" نائل کو اس وقت وہ پاگل لگا تھا۔

"کہاں سے لے کر آؤں اس کی بہن کو، قبر سے.....؟" وہ اچھا خاصا تپا تھا۔

"صرف کہنے سے کیا ہوتا ہے۔ جب وانیہ یہاں آجائے تو تب کی تب دیکھی جائے گی۔"

"تمہیں لگتا ہے کہ وہ اتنا بیوا قوف ہے۔" نائل کو اس کا آئیڈیا بالکل بھونڈا لگا تھا۔

"تمہارے پاس اس سے بہتر آئیڈیا ہے تو اس پر عمل کر لو۔"

"تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ میں اس سے کہوں کہ صوفی زندہ ہے۔"

"صوفی زندہ ہے؟" اپنے پیچھے سنیہا کی آواز سنتے وہ کرنٹ کھا کر پلٹا تھا۔

"مجھے پہلے ہی پتا تھا، آپ ایک نمبر کے دھوکے باز انسان ہیں۔" وہ روتے، پیر پٹختے وہاں سے گئی تھی۔

نائل نے خونخوار نگاہوں سے محسن کو گھورا تھا۔

"یہ میرا قصور نہیں ہے۔" محسن نے ہاتھ اٹھائے کہا تھا۔

"مجھے کبھی کبھی لگتا ہے کہ تم میرے سب سے بڑے دشمن ہو۔ خود تو بسا لیا ہے اپنا گھر، میرا نا بسنے دینا۔"

"اب جا کر بتاؤ اسے کہ ایسا کچھ نہیں ہے۔ میری زندگی میں صرف سنیہا ہے، صوفی نہیں....."

"دیکھو یہ تمہارا پرنسل میٹر ہے۔ مجھے ویسے بھی دیر ہو رہی ہے۔"

"محسن....." نائل نے اسے آواز دی تھی مگر وہ نو دو گیارہ ہو گیا تھا۔

---

عینین کو گھر چھوڑ کر وہ سیدھا ماریہ کے پاس گیا تھا۔وہ اس وقت ایک فلیٹ میں رہ رہی تھی۔فلیٹ کا دروازہ کھولے وہ غضب ناک چال چلتے اندر داخل ہوا تھا۔

"ماریہ....." وہ چیختے ہوئے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا تبھی اسے وہ کچن کاؤنٹر کے پاس کھڑی نظر آئی تھی۔

"کیا ہوا بلیک مونس....."

"الیکس کہاں ہے؟" اس کے بال دبوچے ڈیوڈ نے اس کا سر سلیب پر پٹخا تھا۔

"لندن میں کیا ہوا تھا؟" اس کے بال واپس کھینچتے اس نے ماریہ کا منہ دبوچا تھا۔

"میں کسی قسم کی کوئی بکواس سنوں گا، صرف سچ...."

"میرے قہر سے تم اچھی طرح واقف ہو۔ نین کے ساتھ کیا کیا تم لوگوں نے؟" سرد لہجے میں اس کے کان میں صور پھونکتے اس نے ماریہ کو دھکہ دیا تھا۔

"مجھے نہیں پتا۔میں نے کچھ نہیں کیا۔ نین اپنی پھوپھو کے ساتھ رہتی تھی وہاں پر، اور وہ بالکل ٹھیک تھی۔"

"بیوقوف لڑکی! تمہیں وہاں بھیجا کس لیے تھا میں نے....؟" وہ غرایا تھا۔

"الیکس وہاں آتا تھا؟" لہجے میں سفاکیت اور سرد مہری تھی۔

"مجھے نہیں پتا بلیک مونسٹر، مجھے سچ میں نہیں پتا۔" وہ مسلسل ہانپ رہی تھی۔

"اگر اس سب میں کہیں پر بھی تمہارا ہاتھ ہوا تو یاد رکھنا کہ میں کیا حال کروں گا۔" اسے پرے دھکیلتے وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے گیا تھا۔

اس وقت ماریہ سے اہم ماہم تھی جسے وہ کسی صورت نہیں بخشنے والا تھا۔

---

نائل اپنے کمرے کی بالکنی میں کھڑا سگریٹ سلگا رہا تھا جب سنیہا نے پیچھے سے بہت آہستگی سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا۔

“I am sorry!”

وہ اس کے عقب میں آ کھڑی ہوئی تھی۔ ساشا اسے سب بتا چکی تھی۔ اب وہ نائل سے کافی شرمندہ تھی۔

"تم ہر روز مجھے اور خود کو اذیت پہنچاتی ہو۔ تمہیں پتا ہے تمہاری ان ہی حرکتوں کی وجہ سے میرا گھر آنے کو دل نہیں کرتا۔" سگریٹ کا دھواں ہوا میں مہلک ہو رہا تھا جبکہ اس کے چہرے پر ہنوز متانت تھی۔

"میں آپ سے صرف محبت نہیں کرتی بلکہ عشق کرتی ہوں۔ میں شراکت داری برداشت نہیں کر سکتی۔" اس کی آواز میں نمی کا عنصر واضح تھا۔

"تمہیں کس نے کہا کہ شراکت داری برداشت کرو؟ ہزار بار بتا چکا ہوں کہ میری زندگی میں صرف تم ہو۔" وہ جھنجھلا کر اس کی سمت مڑا تھا۔

"اور دل میں.....؟" آنکھوں میں آنکھیں ڈالے وہ استفسار کر رہی تھی۔ وہ خاموش ہو گیا تھا، پھر اس نے نظریں چرائی تھیں۔ اور بس اسی لمحے سنیہا کے دل پر زبردست گھونسہ پڑا تھا۔

"دل میں صرف صوفی ہے، ہے نا؟" وہ عجیب انداز میں ہنسی تھی۔ اگر وہ کسی ضن میں تھی تو نائل کی خاموشی نے اسے بھی دور کر دیا تھا۔ وہ اب بھی اس کی جانب دیکھنے سے گریز کر رہا تھا۔ سگریٹ اس کے دائیں ہاتھ کی دو انگلیوں کے درمیان مسلسل اپنی زندگی کی ڈور ہارتی جا رہی تھی۔

"مجھے بتا دیجیں نائل! میں ایسا کیا کروں کہ آپ کو مجھ سے محبت ہو جائے۔ مجھے بتائیں، اس میں ایسی کیا خاص بات تھی جو مجھ میں نہیں ہے۔ مجھے بتائیں نائل! میں بالکل ویسی بن جاؤں گی، جیسی وہ تھی۔" اس کے سینے پر

سر رکھے وہ مسلسل سسک رہی تھی۔ وہ اب بھی خاموش کھڑا تھا۔ وہ اسے کیا سمجھاتا، کیا کہتا.....؟ کوئی تسلی، کوئی بات..... نائل کے پاس الفاظ جیسے ختم ہوئے تھے۔

"مجھے بتائیں وہ کیسی دکھتی تھی۔ کیا وہ مجھ سے زیادہ حسین تھی، کیسی ڈریسنگ کرتی تھی وہ، میں سب کروں گی نائل، سب کچھ..... مگر پلیز! مجھے اپنے دل میں وہ مقام دے دیں جو آپ نے اسے دیا ہے۔ پلیز مجھے تھوڑی سی محبت دے دیں۔" اس سے الگ ہوتے، اس کا گریبان پکڑے وہ بے بسی کی انتہا پر تھی۔ نائل نے ایک افسوس بھری نگاہ اس پر ڈالی تھی۔ اس کا یہ کمپلیس اسے دن بدن نحیف اور لاغر کرتا جا رہا تھا۔

"تم سچ میں جاننا چاہتی ہو تو سنو۔ وہ بات بہ بات مجھے یوں تنگ نہیں کرتی تھی اور نا ہی اس نے کبھی تمہاری طرح مجھ سے محبت کی بھیک مانگی۔ یہ اس کے کردار کی پاکیزگی تھی، یہ اس کی معصومیت تھی جس نے میرے دل کو فتح کر لیا۔ ہماری کوئی لو میرج نہیں ہوئی تھی اور نا ہی میں پہلی نظر میں اس کی محبت میں گرفتار ہوا تھا۔ یہ سب آہستہ آہستہ ہوا۔ اس نے صبر کیا تھا جو تم نہیں کر رہی۔ سنیہا صوفی کی خوبصورتی نے مجھے کبھی متاثر نہیں کیا۔ اس کی خدمت، اس کا خلوص اور اس کی دینداری نے مجھے متاثر کیا تھا۔ میرے کہنے کے باوجود اس نے حجاب نہیں اتارا تھا۔ اس نے مجھے راضی کرنے کے لیے اپنے رب کو ناراض نہیں کیا۔" وہ سانس لینے کو رکا تھا جبکہ سنیہا تو سانس بھی نہیں لے سکی تھی۔ اپنے محبوب کی زبان سے اپنے رقیب کی تعریف سننا ایک عاشق کے لیے کڑا امتحان ہوتا ہے۔ وہ اس امتحان سے گزر رہی تھی۔

"میں نے کبھی نہیں کہا کہ تم اس جیسی بن جاؤ اور نا ہی میں یہ چاہتا ہوں۔ ہر کسی کی اپنی ایک پہچان ہوتی ہے۔ میری ایک بات یاد رکھو سنیہا! ہمارے درمیان جو بھی مسائل ہیں۔ ان کی وجہ وہ نہیں بلکہ تم خود ہو۔ تم مجھے ذہنی سکون پہنچانے کے بجائے صرف اذیت دیتی ہو۔ تم میری بیوی ہو، وہ تھی..... بس اتنی سی بات ہے لیکن تم سمجھنا ہی نہیں چاہتی۔ اگر وہ میرے لیے خاص تھی تو تم بھی ہو۔ میرا نہیں خیال کہ ہمیں کسی

تیسرے کو درمیان میں لانا چاہیئے۔ جو گزر گیا اسے بھول جانا بہتر ہوتا ہے۔ اور ہاں پلیز صوفی بننے کی کوشش مت کرنا، تم وہ نہیں بن سکتی۔" وہ کہہ کر رکا نہیں تھا۔ اس نے آج ضرورت سے وضاحت دی تھی لیکن شاید یہ ضروری بھی تھا۔

وہ ہر چیز سے تھک چکا تھا۔ ہر رشتے نے اسے اذیت پہنچائی تھی۔ انسان دشمنوں سے تو جنگ لڑ لیتا ہے مگر جب بات اپنوں کی آتی ہے تو وہ ہمیشہ شکست کھا جاتا ہے۔

وہ گم صُم سی آنکھوں میں حیرت اور بے یقینی لیے نجانے کتنی دیر وہاں کھڑی رہی تھی۔

وہ جو کچھ بھی کہہ کر گیا تھا، اس سے سنیہا کو بہت تکلیف پہنچی تھی۔ اس کی گفتگو میں صرف صوفی تھی، درد تھا، ملال تھا مگر سنیہا کہیں نہیں تھی۔ وہ یہی اخذ کر سکی تھی۔

---

بیل کی آواز پر وہ دروازہ کھولنے گئی تھی۔ دروازہ کھولتے جیسے اس کے سر پر گھر کی چھت گری تھی۔

"ہائے پھوپھو!" نائل نے ایک نرم مسکراہٹ ماہم کی جانب اچھالی تھی۔

"کب سے ڈھونڈھ رہا ہوں آپ کو لیکن آپ نجانے کہاں غائب ہو گئی تھیں۔" ادھر ادھر نظریں گھماتے وہ اندر داخل ہوا تھا۔

ماہم نے خود کو ریلیکس کرتے اپنے چہرے پر مصنوعی مسکراہٹ سجائی تھی۔ وہ اچھے سے جانتی تھی کہ نائل کچھ نہیں جانتا لیکن پھر بھی وہ احتیاطی طور پر گھر نہیں گئی تھی۔

اس دن عینین کے وہاں سے بھاگنے کے فوراً بعد الیکس وہاں آیا تھا۔ وہ ماہم کو بروقت ہسپتال لے کر گیا تھا جس وجہ سے وہ بچ گئی تھی لیکن واپس جانے کی غلطی اس نے نہیں کی تھی۔ عینین کے نائل کے بجائے ڈیوڈ کے

پاس جانے کی اطلاع اسے الیکس نے پہنچائی تھی جس کے بعد وہ بہت زیادہ ریلیکس ہو گئی تھی، کیونکہ گھیرا الیکس کی زندگی کا تنگ ہوا تھا، اس کی نہیں.....

"پھوپھو گھر کیوں نہیں آئی آپ؟" ماہم کے گرد بازو کا حصار پھیلائے اس نے بے حد نرمی سے پوچھا تھا۔

"وہ وانیہ کو لے گئے نائل! میں کس منہ سے آتی؟" نائل کے اپنائیت بھرے انداز نے ماہم کو بالکل ہی ہلکا پھلکا کر دیا تھا۔ اب اسے مزید لندن میں اس چھوٹے سے فلیٹ میں رہنے کی ضرورت نہیں تھی اور نا ہی پیسوں کے لیے الیکس کے آگے ہاتھ پھیلانے کی......اس کا بھتیجا اسے لینے آگیا تھا۔

"وانیہ ڈیوڈ کے پاس ہے لیکن وہ اس کا حساب دے گا بلکہ ہر کوئی ہی اپنے کیے کا حساب دے گا۔" اس نے بہت نرمی سے ماہم کو خود سے لگایا تھا۔

"مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آرہا نائل! نجانے کون لوگ تھے، وانیہ کو ساتھ لے گئے اور میرے ساتھ بھی....." اس کی آواز بھرا گئی تھی۔

"میں نے کہا نا پھوپھو! آپ بالکل فکر نا کریں میں ہر چیز کا حساب لوں گا۔"

"میں نے سنا ہے تم نے شادی کر لی؟"

"آپ کو کس نے بتایا؟" جواب کے بجائے وہ الٹا استفسار کر رہا تھا۔

"مجھے بس پتا چل گیا۔" وہ ایک لمحے کے لیے مضطرب ضرور ہوئی تھی۔

"کیا نام ہے تمہاری بیوی کا؟"

"سنیہا....."

"کافی خوبصورت نام ہے، یقیناوہ بھی خوبصورت ہو گی۔"

"وہ بھی خوبصورت ہے مگر صوفی سے کم..... آپ کو تو یاد ہو گی نا صوفی؟" ماہم کے چہرے کا رنگ زرد پڑا تھا۔ وہ اسے کیسے بھول سکتی تھی، اس نے خود ہی تو اس کی جان لی تھی۔

"ہمم!" وہ پھیکا سا مسکرائی تھی۔

"آپ اپنا سامان پیک کر لیں۔ ہم پاکستان جائے گے۔"

"مگر ٹکٹس اور....."

"وہ سب میرا مسئلہ ہے۔ میں اب مزید اپنی پیاری سی پھوپھو کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ میں چاہتا ہوں کہ ہم جلدی سے پاکستان پہنچ جائے اور میں آپ کی بہت ساری خدمت کروں۔ آپ نے میرے لیے اور خاص طور پر جو کچھ وانیہ کے لیے کیا ہے۔ میں اس سب کا احسان چکانا چاہتا ہوں۔" اس کا لہجہ عسل سے زیادہ میٹھا تھا۔

"میں نے کسی پر کوئی احسان نہیں کیا نائل، میں نے اپنا فرض نبھایا ہے۔ وانیہ میری بیٹی ہے اور مائیں اپنی بیٹیوں پر احسان نہیں کرتیں۔ اور تم بالکل بے فکر رہنا، وہ بہت جلد ہمارے پاس ہو گی اور سنیہا کی بھی فکر مت کرنا۔ صوفی سے زیادہ خیال رکھوں گی میں اس کا....."

"مجھے یہی امید تھی آپ سے، لیکن اس بار میں وہاں تک نوبت ہی نہیں پہنچنے دوں گا۔ آپ سنیہا یا وانیہ کا خیال نہیں رکھے گی پھوپھو، بلکہ اس بار آپ کا بیٹا آپ کا خیال رکھے گا۔" اس نے ماہم کو شانوں سے تھامتے یقین دلایا تھا۔

کچھ دیر بیٹھنے کے بعد وہ سامان پیک کرنے کمرے میں گئی تھی۔ وہ پہلے ہی سوچ چکی تھی کہ اگر وانیہ نے اس کے خلاف زبان کھولی تو وہ اسے پاگل ثابت کر دے گی اور اب تو ویسے بھی وہ ڈیوڈ کے پاس تھی، اب اس کا کام اور آسان ہو گیا تھا۔ وہ آسانی سے یہ کہہ سکتی تھی کہ ڈیوڈ نے وانیہ کو اس کے خلاف بھڑکایا ہو گا اور جہاں تک بات تھی حاتم کے اسے نقصان پہنچانے کی تو یہ اب ناممکن تھا کیونکہ اب وہ نائل کی حفاظت میں تھی۔

ماہم کی زندگی کے سارے مسائل جیسے حل ہو گئے تھے۔

"مام مام!" وہ غصے سے چلاتا ہوا کچن میں داخل ہوا تھا۔

"کیا مسئلہ ہے؟" شہلا کو اس کا یہ لہجہ بالکل پسند نہیں تھا۔

"آپ سب نے میرے ساتھ بے حد زیادتی کی ہے۔" حاتم نے منہ پھلائے سلیب سے گلاس اٹھایا تھا۔

"اب کیا ہو گیا؟" وہ اس کی شکایتوں سے عاجز آچکی تھیں۔

"ایک تو اس آٹھ سالہ مصیبت کو میرے سر پر مسلط کر دیا پھر نکاح کے اگلے روز میں اسے پلے لینڈ لے کر گیا اور اب اس نے میرے کمرے کا حشر بگاڑ دیا ہے اور ڈیڈ کہتے ہیں خبر دار جو اسے کچھ بھی کہا تو...." ناگواری سے فریج سے بوتل نکالے اس نے منہ سے لگائی تھی۔ گلاس کو وہ واپس سلیب پر پٹخ چکا تھا۔

"کتنی دفعہ کہا ہے کہ بیٹھ کر پیا کرو اور گلاس میں نہیں پیا جاتا تم سے؟" اپنے پیچھے سے صوفی کی آواز سنتے حاتم نے بوتل لبوں سے ہٹائی تھی۔ اب وہ ایڑیوں کے بل واپس گھوما تھا۔

"نہیں پیا جاتا۔" کہتے ساتھ ہی اس نے وہ ٹھنڈے پانی کی بوتل صوفی پر الٹ دی تھی۔ وہ بیچاری تو ٹھنڈ سے کانپ ہی اٹھی تھی۔

"حاتم یہ کیا بد تمیزی ہے؟" شہلا نے غصے سے اسے گھورا تھا۔

"اور جو آپ لوگوں نے میرے ساتھ کیا اس کا کیا.....؟ اور آپ کی لاڈلی کا نام نہاد شوہر جو میرے ساتھ کرے گا اس کا کیا.....؟ شدید قسم کا دھوکہ دیا گیا ہے ہمیں، نائل بھائی میرے اور اس ٹڈی کے نکاح کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتے۔ صوفی جی آپ اپنی خیر منائیں۔" اسے پہلے ہی ٹھنڈ کے جھٹکے پڑ رہے تھے اور

تو اور حاتم کی باتیں.....اتنی مشکل سے نائل کا رویہ کچھ حد تک بہتر ہوا تھا۔اس سب کے بعد تو اس کے دل میں صوفی کے لیے بدگمانی میں اضافہ ہو جانا تھا۔

"مام! پلیز اس مصیبت کو میرے کمرے سے نکال دیں۔آپ اسے یہاں لائی ہی کیوں ہیں؟" وہ سید ھا منت پر اتر آیا تھا۔

"وہ خود آنا چاہتی تھی۔میں کیسے منع کر دیتی؟" عینین کا بس چلتا تو وہ ایک لمحے کے لیے بھی اپنے عمر سے دور نا رہتی مگر اس کی قسمت خرابی، جو یہ رخصتی اور اتنے سالوں کا انتظار اس کی راہ میں رکاوٹ بنے ہوئے تھے۔

"آپ لوگوں سے کچھ نہیں ہونا، میں خود ہی بندوبست کرتا ہوں اس کا......" وہ شرٹ کی آستینیں چڑھاتا اپنے کمرے کی جانب بڑھا تھا۔صوفی ڈائینگ ٹیبل کے پاس کھڑی نائل کے بارے میں سوچ رہی تھی۔حاتم اسے نئی ٹینشن دے گیا تھا۔

کمرے کے دروازے تک پہنچتے اس نے اپنے کالر جھاڑے تھے۔ایک نظر اپنے نا نظر آنے والے دونوں بازوں کے ڈولوں پر ڈالتے وہ کمرے کے اندر داخل ہوا تھا۔

کمرے کی حالت دیکھ اسے گہرا صدمہ پہنچا تھا۔وہ بد سے بدترین ہو گیا تھا۔بستر کی چادر زمین پر گری ہوئی تھی، تکیے بھی ادھر ادھر بکھرے پڑے تھے جیسے ان کے ساتھ کشتی لڑی گئی ہوں۔ڈریسنگ ٹیبل پر موجود چیزیں بھی گری ہوئی تھیں اور اس کی پرفیوم کی خوشبو پورے کمرے میں پھیلی ہوئی تھی۔ایسا گماں ہوتا تھا جیسے پورے کمرے کو نکہت میں نہلایا گیا تھا۔

صوفے پر پیر پھیلائے اس کی جان کی دشمن مزے سے پوپ کارن کھانے میں مصروف تھی جبکہ نظریں سامنے دیوار پر لگے ایل۔ای۔ڈی کی سکرین پر مرکوز تھیں۔

وہ شدید غصے کی حالت میں اس کی جانب بڑھا تھا۔ مگر اصل چکر تو اسے تب آئے تھے جب اس نے نظر اٹھا کر سکرین کی جانب دیکھا تھا۔ وہاں جیو گرافی چینل چل رہ تھا۔ بڑی سکرین پر ایک شیر کو ہرن کا شکار کرتے دیکھ حاتم کا دل خراب ہوا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر سوئچ آف کیا تھا۔

"عمر اسے کھولو۔" وہ جو اتنے انہماک سے اپنا پسندیدہ چینل دیکھ رہی تھی، سخت بدمزہ ہوئی تھی۔

"یہی سب فضولیات دیکھ دیکھ کر نا تمہارا دماغ خراب ہوتا جا رہا ہے۔" دونوں ہاتھ کمر پر رکھے حاتم نے اسے سخت گھوری سے نوازا تھا۔

"یہ فضول نہیں ہے، یہ بہت اچھا ہے۔ اس کے بعد سانپ نے بھی آنا تھا۔ پلیز دیکھنے دو۔" وہ جیو گرافی چینل دیکھنے کے لیے ایسے ضد کر رہی تھی جیسے وہ کوئی کارٹون دیکھ رہی ہو اور وہ اسے دیکھنے نا دے رہا ہو۔

"تم خود بھی پاگل ہو اور مجھے بھی پاگل کر دو گی۔ چلو نکلو میرے کمرے سے....." حاتم نے ہاتھ جھلاتے اسے باہر کا راستہ دکھایا تھا۔

"ڈیڈ کہتے ہیں یہ اب میرا کمرہ بھی ہے۔ تم جاؤ۔" عینین نے بھی ہاتھ جھلاتے کہا تھا۔ اس کا انداز ایسا تھا کہ جیسے کہنا چاہ رہی ہو "دفع ہو جاؤ یہاں سے...."

"ایک تو میرے ڈیڈ کو ڈیڈ اور مام کو مام بولتی ہو اوپر سے میرے کمرے پر قبضہ بھی جما رہی ہو۔" حاتم نے اسے بازوؤں سے پکڑ کر اوپر اٹھایا تھا۔

"چھوڑو مجھے....." وہ ہوا میں ہی ہاتھ پیر چلا رہی تھی۔

"چلو نکلو باہر....." اسے نیچے اتارتے حاتم اسے گھسیٹتے ہوئے دروازے تک لے گیا تھا۔ وہ چیختے چلاتے ایڑیاں فرش پر رگڑ رہی تھی۔

"اوئے ٹڈی چپ چاپ باہر نکلو میرے کمرے سے...." حاتم نے اسے سیدھا کھڑا کیے آخری وارننگ دی تھی۔

"اوئے ٹڈی میں نہیں جاؤں گی۔" اس نے ہو بہو حاتم کے انداز کو کاپی کیا تھا۔ وہ لمحے بھر کو ششدر رہ گیا تھا۔

"لڑکے ٹڈی نہیں ہوتے۔" دانت پر دانت جمائے اس نے عینین کو کھا جانے والی نظروں سے گھورا تھا۔

"پھر کیا ہوتے ہیں؟"

"ٹڈے....." وہ بغیر سوچے سمجھے اسے مذکر مؤنث سمجھا گیا تھا۔

"اوئے ٹڈے یہ اب میرا کمرہ ہے۔ تم باہر نکلو۔" حاتم کا منہ بے اختیار کھلا تھا۔ خیر غلطی اس کی اپنی تھی۔ ضرورت کیا تھی اسے درست لفظ سکھانے کی......

"تم ایسے نہیں مانو گی۔" اس کا ہاتھ پکڑ کر حاتم نے اسے کمرے سے باہر نکال دیا تھا۔ عینین کو ہوش تب آیا تھا جب اس کے منہ پر دروازہ بند ہوا تھا۔

اس کی آنکھیں ایکدم بھر آگئی تھیں۔ آنکھوں سے رم جھم برسنے لگی تھی پھر آہستہ آہستہ یہ رم جھم پلکوں کا باڑ توڑتی سیلاب کی شکل اختیار کر گئی تھی۔ سونے پر سہاگہ سیلاب کے ساتھ کانوں کو چیڑ دینے والا سائرن بھی بجنا شروع ہوا تھا۔ ایسا خوفناک سائرن کہ گھر کے مکینوں سمیت لان کے درختوں میں بنے گھونسلوں میں موجود پرندوں تک نے پناہ مانگی تھی۔

آدھے گھنٹے بعد طوفان تھما تھا مگر طوفان کے تھمتے ہی صوفی، شہلا اور خاص طور پر حاتم کی شامت آئی تھی۔

وہ تینوں مجرموں کی طرح سٹڈی روم میں سر جھکائے کھڑے تھے۔ جج کا کام ہارون سر انجام دے رہے تھی جبکہ وہ چھوٹی آفت ایک کرسی پر بیٹھی اب بھی سسک رہی تھی۔

"ایک بچی نہیں سنبھلتی تم لوگوں سے، کیا حال کر دیا ہے اس بیچاری کا.....؟اب جب یہ گھر جا کر سب بتائے گی تو مصطفی کیا سوچے گا میرے بارے میں؟"

"ڈیڈ میں نے کچھ نہیں کیا۔ مجھے تو بس نیند آ رہی تھی اسی لیے میں نے عینین جی سے کہا کہ براہ مہربانی لاؤنج میں جا کر اپنے من پسندیدہ شوز دیکھ لیں۔" نظریں جھکائے نہایت ادب کے ساتھ وہ منمنایا تھا۔

"ڈیڈ یہ جھوٹ بول رہا ہے۔ اس نے مجھے زور زور سے دو تھپڑ لگائے تھے۔ اور مجھے کمرے سے کھینچ کر باہر نکالا تھا۔ میری انگلی بھی دروازے میں آ گئی تھی۔" وہ بتاتے بتاتے ایک بار پھر رو دی تھی۔

"حاتم.....؟" ہارون دھاڑے تھے۔

"جھجھ..... جھوٹ بول رہی ہے ڈیڈ، میں نے ایسا کچھ نہیں کیا۔"

"خاموش بالکل خاموش! آٹھ سال کی معصوم بچی جھوٹ کیوں بولے گی؟ تم جھوٹ بول رہے ہو۔" اگلے بیس منٹ تک یہ کلاس چلتی رہی تھی، صوفی اور شہلا بھی رگڑے میں آئے تھے۔ اس سب کا نتیجہ آخر یہ نکلا تھا کہ حاتم کی ایک مہینے کی پاکٹ منی بند کر دی گئی تھی۔

"بیٹا یہاں جو بھی ہوا، وہ آپ گھر میں تو نہیں بتائے گی نا؟" ان سب کے جانے کے بعد ہارون نے پیار سے اس کا گال پچکارا تھا۔

"میں بتاؤں گی۔" تڑک کر جواب آیا تھا۔

"بیٹا یہ اب آپ کا بھی گھر ہے اور اپنے گھر کی باتیں باہر نہیں بتاتے۔ ٹھیک ہے نا.....!" وہ کسی صورت مصطفی کی نظروں میں اپنی امیج خراب نہیں کر سکتا تھا۔

"ٹھیک ہے مگر میری ایک شرط ہے۔"آنسو صاف کرتے اس نے مصطفیٰ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کہا تھا۔وہ بالکل دنگ رہ گیا تھا۔اتنی سی عمر میں اگر اسے شرائط کا پتا تھا تو پھر بڑی ہو کر نجانے اس نے کیا کیا نہیں کرنا تھا۔اسے داماد پرفیکٹ ملا تھا تو پھر بہو بھی کسی سے کم نہیں تھی۔دونوں بہن بھائی اپنی مثال آپ تھے۔

"کیسی شرط....؟"

"مجھے ایک گفٹ چاہیئے۔مجھے ناایک کاکروچ چاہیئے اور چھپکلی بھی....."ہارون کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔وہ شاید دنیا کی پہلی بہو تھی جو اپنے سسر سے تحفے میں کاکروچ اور چھپکلی مانگ رہی تھی۔

"آپ کو یہ کیوں چاہیئے؟"اپنی حیرت پر قابو پاتے ہارون نے استفسار کیا تھا۔

"میں عمر کو ڈراؤں گی۔"

"کون عمر.....؟"

"بین....."

"کون بین.....؟"وہ اتنی سی عمر میں ہارون کے دماغ کی دہی بنا رہی تھی۔

"آپی کا بھائی....."ہارون نے بے اختیار گہری سانس خارج کی تھی۔

"کون آپی.....؟"اب شاید اسے اندازہ ہو رہا تھا کہ اس نے اپنے بیٹے کے ساتھ کتنی بڑی زیادتی کی تھی۔یہ لڑکی واقعی آفت تھی۔

"صوفی آپی....."ہارون کو اب جا کر کہیں سکون آیا تھا۔

"آپ حاتم کو ڈرانا چاہتی ہیں؟"اب کی بار اس نے دلچسپی سے پوچھا تھا۔عینین نے معصومیت سے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

"ہاہاہا....."وہ دل کھول کر ہنس دیے تھے۔

"اب وہ آپ کو تنگ کرے نا تو اس کے سامنے صرف میرا نام لے لینا، آپ کو چھپکلی اور کاکروچ کی ضرورت نہیں پڑے گی۔" وہ کچھ دیر گہری سوچ میں ڈوبی رہی تھی پھر وہ اچانک ہی مسکرا کر اٹھی تھی۔

"اوکے ڈیڈ!" وہ پھدکتی ہوئی سٹڈی روم سے باہر گئی تھی۔اس کے جانے کے بعد ہارون نے ٹشو سے اپنے ماتھے پر ابھری پسینے کی ننھی ننھی بوندیں صاف کی تھیں۔

---

الیکس کافی عرصے سے روپوش تھا۔ یہ کرنے کے لیے اسے بدر نے کہا تھا۔اصولاً تو انہیں یقین تھا کہ عینین اپنی زبان نہیں کھولے گی۔ وہ کبھی نہیں بتائے گی کہ اس نے قتل کیا ہے مگر پھر بھی محتاط رہنا ضروری تھا۔ آج بھی اتنی دفعہ کال ملانے کے بعد بدر نے الیکس کی کال اٹھائی تھی۔

"کیا مصیبت ہے؟" بدر غرایا تھا۔

"مم.... مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے بدر! اب تو خواب میں بھی صرف بلیک مونسٹر اور اس کی دی ہوئی سزائیں آتی ہیں۔ مجھے ایسا لگتا ہے کہ وہ کسی بھی وقت یہاں پہنچ جائے گا۔" اس کی آواز میں ڈر واضح تھا۔

"ہاں تو پھر کیوں اس لڑکی کے ساتھ وہ سب کیا؟ جب پتا ہے کہ وہ ڈیوڈ کے لیے اہم ہے تو پھر کیوں کیا اس کے ساتھ یہ؟؟" وہ کافی بیزار لگ رہا تھا۔

"بدر مجھے لگتا ہے کہ وہ مجھ سے بدلہ لے رہا ہے بلکہ ہم سب سے، جو کچھ ہم نے اس کے ساتھ کیا۔ جو ظلم ہم نے اس پر ڈھائے، وہ ضرور انتقام لے گا۔ سیم کو بھی اس نے مار دیا۔ وہ تمہیں بھی مار دے گا اور مجھے بھی....."

"بکواس بند کرو۔ بلیک مونسٹر کا خوف تمہارے سر چڑھ کر بول رہا ہے۔ میں نے کبھی اس پر کوئی ظلم نہیں ڈھایا۔ جو کیا تم نے کیا۔ اب سزا بھی تم ہی بھگتو گے۔ دوبارہ مجھے فون مت کرنا، میرا اب تم سے کوئی تعلق نہیں....." بدر نے کہہ کر کال کاٹ دی تھی۔

"تم میرے ساتھ یہ نہیں کر سکتے بدر، مجھے اکیلا نہیں چھوڑ سکتے۔ ہیلو ہیلو...." فون فرش پر پٹختے وہ بھی زمین پر ڈھے گیا تھا۔ اسے اب ہر طرف صرف بلیک مونسٹر ہی دکھائی دے رہا تھا۔

''نائل یہ کونسی جگہ ہے؟'' وہ حیران ہو کر آگے قدم بڑھا رہی تھی۔ اتنا ویرانہ اور خاموشی دیکھ ماہم کو کسی انہونی کا احساس ہوا تھا۔ سارا جادہ سنسان تھا۔ یہ گاڑیوں کا پرانا شوروم تھا جہاں شاید سالوں سے کوئی نہیں آیا تھا۔ ادر گرد کھڑی مٹی اور گرد سے اٹی گاڑیاں اس بات کا ثبوت تھیں۔ گاڑیوں کے گرد بڑے سائز کے ٹائر پڑے ہوئے تھے۔

''نائل یہ کونسی.....'' جملہ مکمل ہونے سے پہلے اس کے سر کی پچھلی طرف کسی نے کوئی زوردار چیز ماری تھی۔ آنکھوں کے آگے اندھیرا چھایا تھا۔ سامنے کا منظر دھندلایا تھا۔ وہ چکرا کر زمین پر گری تھی۔

اس کی آنکھ تقریباً ایک گھنٹے بعد کھلی تھی۔ آنکھوں کے سامنے کسی کا ہیولہ لہرایا تھا۔ گرے رنگ کے پینٹ کوٹ میں موجود وہ شخص.....

''نائل....'' اس کے لب بے یقینی سے ہلے تھے۔ اس نے اٹھنے کی کوشش کی تھی مگر اسے اپنے اوپر کسی بوجھ کا احساس ہوا تھا۔ وہ ایک انچ بھی نہیں ہل سکی تھی۔

اس کے ہاتھ پیر رسیوں کی مدد سے ان بھاری ٹائروں کے ساتھ بندھے ہوئے تھے اور آگے جا کر ان رسیوں کی ڈور تھوڑی اونچائی پر چار سمتوں میں کھڑی گاڑیوں سے بندھی ہوئی تھیں۔ اگر وہ اٹھنے کی کوشش کرتی تو یقیناً اس پر بہت بوجھ پڑنا تھا جو کہ وہ اٹھا نہیں سکتی تھی۔

''میری بہن کو بھی ایسے ہی باندھا تھا نا؟'' کرختی سرد آواز ماہم کے کانوں میں کسی ہتھوڑے کی مانند بجی تھی۔

''نائل.....'' اس نے بے یقینی سے ایک بار پھر پکارا تھا۔

''نائل ہی ہوں پھوپھو، آپ کا پیارا بھتیجا جو کہ اب آپ کا بے حد خیال رکھے گا۔'' آگے بڑھتے ایک ہی جست میں اس نے ماہم کو بازو سے پکڑے سیدھا بٹھایا تھا۔ ایک ساتھ چاروں طرف سے اتنا بوجھ پڑنے پر وہ چلا اٹھی تھی۔ اس کا ہر ایک ہاتھ اور ٹانگ کچھ فاصلے پر پڑے وزن دار ٹائر سے بندھے ہوئے تھے جو کہ آگے جا کر

اونچائی پر کھڑی ان چار گارڈیوں سے جڑے تھے۔اس کی دونوں کلائیوں اور پیروں سے خون رسنے لگا تھا۔وہ اب بھی متواتر چلا رہی تھی۔

"یہ پہلا درد ہے جو میں نے آپ کو دیا ہے۔اور آپ سے یہی برداشت نہیں ہو رہا تو سوچیں کہ آگے کیا کیا ہو گا؟"نائل کی آنکھوں میں کرب کے ساتھ ساتھ نمی بھی ابھری تھی۔

"وانیہ جھوٹ بول رہی ہے نائل، تم تو اس کی ذہنی حالت سے واقف ہو نا، حاتم نے اسے میرے خلاف ورغلایا ہے۔"یہ سب اس کی سوچ سے بالکل برعکس تھا۔وہ دل ہی دل میں دعا گو تھی کہ کاش یہ صرف ایک خواب ہو۔اتنا دردناک انجام اس نے کبھی نہیں سوچا تھا اور نائل کے ہاتھوں.....اس کی سوچ کا تسلسل یہی آ کر ٹوٹ جاتا تھا۔

"اس کی ذہنی حالت کس نے خراب کی، اسے یہاں تک کون لایا، صوفی کو کس نے مارا تھا؟"آنکھوں میں سختی لیے وہ دریافت کر رہا تھا۔

"آپ نے....."جواب خود دیا گیا تھا۔

"آپ کو پتا ہے کہ جب ڈیوڈ نے مجھے مانو کے متعلق بتایا پھر میں نے ساری تحقیق کی اور آپ مجرم ثابت ہوئیں۔میں یہ پہلے بھی کر سکتا تھا مگر میں نے نہیں کیا۔میری آنکھوں پر اعتبار کی پٹی جو بندھی تھی۔اپنوں پر اعتبار کرنے کی بہت بڑی سزا ملی مجھے....."وہ عجیب انداز میں ہنس دیا تھا۔

"ڈیڈ پر بھروسہ کیا میں نے، انہوں نے میری غیر موجودگی کا فائدہ اٹھاتے عینین کا نکاح کر دیا۔صوفی پر اعتبار کیا تھا میں نے، اس نے مجھے نکاح کے بارے میں لاعلم رکھ کر دھوکہ دیا۔حاتم پر اعتبار کیا، وہ دشمنوں کے ساتھ جا ملا۔ساری زندگی اندھوں کی طرح اپنی بہن کو معصوم سمجھتا رہا، اور وہ میری ناک کے نیچے مجھے دھوکہ دیتی رہی۔میں جانتا تھا کہ صوفی کو ایک عورت نے مارا ہے۔میں پاگلوں کی طرح اسے گھر کے باہر تلاش کرتا

رہااس بات سے انجان کہ غدار تو میرے گھر میں ہی موجود ہے۔آہ کس قدر بیوا قوف ہوں میں....." وہ ایک بار پھر ہنسا تھا۔اس کی ہنسی کھوکھلی تھی۔

"کیوں پھوپھو کیوں.....مجھے بتائیں کس چیز کی کمی تھی آپ کو جو آپ نے یہ سب کیا۔میں نے آپ کو ہمیشہ ماں کا درجہ دیا اور آپ نے مجھے ہی تباہ کر دیا۔"اس نے آنکھ کے کونے سے ایک اشک چنا تھا۔

"اب جو کیا ہے اس کی سزا تو بھگتنی ہو گی نا۔آئی پرامس جتنا خیال آپ نے مانو کا رکھا ہے نا اس سے تین گنا زیادہ خیال میں آپ کا رکھوں گا۔"اس کی آنکھوں میں بھڑکتے شعلوں نے ماہم کے پورے وجود کو جیسے جھلسا دیا تھا۔ساری وضاحتیں دم توڑ گئی تھیں۔وہ بہت بری طرح شکست کھا گئی تھی۔

"اور میں دس گنا....."اس آواز پر ماہم اور نائل دونوں نے چونک کر اس آواز کی سمت میں دیکھا تھا۔

بلیک جینز پر زیتون رنگ کی شرٹ پہنے، پاؤں میں سفید اور کالے رنگ کے امتزاج کے جوگرز پہنے قدم قدم اٹھاتا وہ ان کی جانب آرہا تھا۔جہاں نائل چونکا تھا وہیں ماہم کو اپنی جان نکلتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔اسے دیکھ کر وہ ہمیشہ خوف محسوس کرتی تھی۔نائل تو پھر بھی آسان موت دیتا مگر وہ شخص.....وہ رحم نام کے لفظ سے واقف نہیں تھا۔الیکس کی زبانی وہ پہلے ہی اس کی سفاکیت کے قصے سن چکی تھی۔

"ہائے پھوپھو جان!"ان تک آتے اس نے ماہم کے سامنے ہاتھ لہرایا تھا۔یہی وہ لمحہ تھا جب اس نے شدت سے دعا کی تھی کہ اسے بس کسی بھی طرح موت آجائے۔اسے بلیک مونسٹر کی دی ہوئی زندگی نہیں چاہیئے تھی۔

"تم یہاں کیا کر رہے ہو؟"حاتم کو اپنے سامنے دیکھ نائل کو شدید تپ چڑھی تھی۔

"اپنی محبوبہ کے بھائی کی یاد ستا رہی تھی۔ سوچا سلام پیش کر آؤں۔" دائیں ہاتھ کی دو انگلیوں کو کنپٹی تک لے جاتے اس نے نائل کو مسکرا کر سلام پیش کیا تھا۔ نائل کا حلق تک کڑوا ہوا تھا۔ حاتم کی مداخلت اسے شدید ناگوار گزری تھی۔

"چلیں پھوپھو جانی! چلتے ہیں۔" اس نے ابھی ایک قدم ہی آگے بڑھایا تھا کہ نائل کسی دیوار کی طرح اس کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔

"دفع ہو جاؤ یہاں سے، یہ میرا معاملہ ہے، ٹانگ اڑانے کا سوچنا بھی مت....." نائل نے اسے پیچھے کی جانب دھکیلا تھا۔

"آپ کو خبر کس نے دی تھی؟"

"جو بھی ہے، تم چپ چاپ چلے جاؤ یہاں سے...."

"پھوپھی جان کو لیے بغیر تو کہیں نہیں جاؤں گا۔" ماہم کا پور پور پسینے میں ڈوبا تھا۔

"یہ میری بیوی کی قاتلہ ہے اور میری بہن کی مجرم.....اسے سزا دینے کا حق میرا ہے۔ تم بیچ میں مت آؤ۔" عینین کے ساتھ جو کچھ بھی ہوا اس کے بعد حاتم نے اپنے طریقے سے بھی تحقیق کی تھی۔ اس کی بہن کی مجرم بھی ماہم ہی ثابت ہوئی تھی۔ یہ سب اتنا مشکل نہیں تھا۔ وہ دونوں بہت سال پہلے بھی یہاں تک پہنچ سکتے تھے، مگر آنکھوں پر بندھی اعتبار کی پٹی نے ان کی قوت بصارت جیسے سلب کر لی تھی۔ گھر میں ہی غدار ہو گا، یہ ان دونوں نے کبھی نہیں سوچا تھا۔ نائل باہر مجرم تلاش کر رہا تھا جبکہ حاتم نائل کو ہی مجرم سمجھتا تھا۔

"جو مری تھی وہ میری بہن تھی اور جو اس وقت تکلیف سے گزر رہی ہے، وہ میری بیوی ہے۔ اسے سزا دینے کا حق صرف اور صرف میرا ہے۔"

"میں تم سے بڑا ہوں تو پہلا حق میرا ہے۔" نائل نے انگلی اٹھا کر اسے سخت لہجے میں سمجھانا چاہا تھا۔

"یہ کہاں کا انصاف ہے کہ سارے حق بڑوں کو ملیں۔ہم چھوٹوں کے سینے میں کیا دل نہیں ہوتا؟" ڈیوڈ نے فل فلمی ڈائیلاگ جھاڑا تھا۔

"بس طے ہو گیا میں اسے الیکٹرک شاک دے دے کے پاگل کر دوں گا بالکل ویسے جیسے اس نے میری نین کو غلط دوائیاں دے دے کر پاگل کیا تھا۔" ماہم کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھانے لگا تھا۔

"نہیں میں پہلے اسے زہر دوں گا۔میری بہن سے زہر بنوا رہی تھی نا....."

"میں اسے نیچے لٹا کر اس پر ٹرک چلاؤں گا۔"

"اور میں اسے جلتی بھٹی میں جھونک دوں گا۔" ان دونوں کی سفاکانہ گفتگو سنتے ماہم پر لرزا طاری ہوا تھا۔اگلے لمحے وہ ہوش و ہواس سے بیگانہ ہو گئی تھی۔

جبکہ ان دونوں کی لڑائی ابھی بھی جاری تھی۔وہ ایسے لڑ رہے تھے جیسے دو رقیب آپس میں لڑتے ہیں۔

"تم یہاں سے جا رہے ہو یا نہیں....." نائل نے ایک زبردست پنچ اس کے منہ پر جڑا تھا۔

"آپ یہ ٹھیک نہیں کر رہے سالے صاحب!" ڈیوڈ نے سرخ آنکھوں سے اس کی جانب دیکھا تھا۔

"یعنی تم نہیں جاؤ گے۔" نائل نے اسے کالر سے پکڑے اس بار دو مکے اس کے پیٹ میں جڑے تھے۔

"میں لحاظ کر رہا ہوں سالے صاحب!" اس نے انگلی اٹھائے نائل کو وارننگ دی تھی۔

"جب مجھ پر تیر پھینکتے ہو، مجھے گولی مارتے ہو تب یہ لحاظ کہاں جاتا ہے؟" گھما کر ایک زوردار پنچ اس کی گال پر رسید کرتے وہ پیچھے ہٹا تھا۔حاتم کی ناک سے دو بوند خون بہا تھا۔

اسے اس وقت وہ لمحہ یاد آیا تھا جب اس نے زندگی میں پہلی بار نائل سے مار کھائی تھی۔

"بے شرم انسان! شرم نہیں آئی میری بہن پر بری نظر رکھتے ہوئے....." اسی کے گھر میں، اس ہی کے لاؤنج میں وہ تابڑ توڑ اس پر حملے کر رہا تھا۔

"مجھے بھائی بولتے ہو اور میری ہی بہن پر نظر رکھتے ہو۔" اس کی شرٹ کا کالر پکڑے نائل نے اس کے پیٹ میں زبردست گھونسہ مارا تھا۔

شہلا اور صوفی دونوں ہی اس کی منتیں کر رہی تھیں مگر نائل کے سر پر تو جیسے خون سوار تھا۔ شہلا کو اپنے بیٹے کو بچانے کے لیے گارڈز کو بلانا پڑا تھا۔ وہ بہت مشکل سے قابو میں آیا تھا۔

"ایک بات یاد رکھنا چھوڑوں گا نہیں میں تمہیں۔" نائل کی بات یاد کرتے آج اتنے سالوں بعد اس کے ہونٹوں پر تلخ مسکراہٹ بکھری تھی۔ اس وقت وہ کمزور تھا، جواباً حملہ نہیں کر سکتا تھا مگر آج وہ طاقتور تھا لیکن اس نے جوابی کاروائی آج بھی نہیں کی تھی۔

"صوفی کو آپ نے نہیں مارا، میں جان گیا ہوں۔ لیکن میرے ماں باپ کو کس نے مارا تھا؟" ناک سے خون کی بوند صاف کرتے اس نے نائل کی جانب دیکھا تھا۔

"اتنے ذہین ہو تو خود پتا لگا لو نا....." نائل نے نخوت سے سر جھٹکا تھا۔

"پتا لگا لوں گا۔ یہ اب ضروری ہے۔" اس نے دل ہی دل میں پیماں کیا تھا۔

"امید کرتا ہوں کہ سچ جاننے کے بعد تمہیں زیادہ تکلیف نا ہو۔"

"میری فکر مت کریں سالے صاحب! میری ہر تکلیف اور ہر درد کا درماں میرے پاس ہے۔" اس کے لبوں کو دلفریب مسکراہٹ نے چھوا تھا۔

"تمہیں اس دن سے خوف نہیں آتا جب اسے تمہاری سچائی پتا چلے گی؟"

"میں یہ نوبت نہیں آنے دوں گا۔"

"سب چھوڑ دو حاتم، عینین کو مجھے سونپ دو اور خود گرفتاری دے دو۔ وعدہ کرتا ہوں، پوری کوشش کروں گا کہ تمہیں کم سے کم سزا ملے۔"

"اگر میں کہوں کہ میں واپس نہیں لوٹنا چاہتا پھر.....؟" نائل نے چونک کر اس کی جانب دیکھا تھا۔

"مجھے یہ زندگی بہت پسند ہے۔ دنیا پر حکومت کرنا بے حد اچھا لگتا ہے مجھے۔ اور میں کچھ غلط نہیں کرتا، صرف اس ملک کو ہر گنہگار اور دوغلے انسان سے پاک کرتا ہوں۔"

"تم معصوم لوگوں کی جان لیتے ہو حاتم!"

"معصوم کوئی نہیں ہوتا۔ سب جھوٹے اور فریبی ہیں۔ اور ہاں میں حاتم نہیں ڈیوڈ ہوں، بلیک مونسٹر....." وہ گناہوں کی دلدل میں اس قدر دھنس چکا تھا کہ واپسی کے بارے میں سوچنا بھی گناہ سمجھتا تھا۔

"تم پچھتاؤ گے۔" نائل نے افسوس سے اس کی جانب دیکھا تھا۔

"میں نہیں آپ پچھتائیں گے۔ آخر دیا ہی کیا ہے اس ملک نے آپ کو؟ آپ کی اہمیت کیا ہے ائی۔ ایس۔ ائی کی نظر میں.... میرا احسان مانیں جو آپ کے متعلق انڈر ورلڈ میں کسی کو نہیں بتایا۔ صرف چند لوگوں ہی آپ کے متعلق جانتے ہیں۔ آپ کی یہ سانسیں میرے پاس گروی ہیں۔ سوچیں اگر میں یہ بات پھیلادوں کہ "دا فیمس بزنس مین نائل آفندی ایک سیکریٹ ایجینٹ ہے" تو کیا ہوگا آپ کے ساتھ.... بھڑ کی طرح جھپٹے گے سب آپ کی جانب اور آپ کی نام نہاد ٹیم تنہا چھوڑ دے گی آپ کو۔ ابھی بھی وقت ہے یہ سب چھوڑ کر میرا ساتھ دیجیں۔ شاہین کون ہے اور کہاں ہے، مجھے بتادیجیں۔ ہم دونوں ساتھ مل کر اس دنیا پر راج کرے گے۔" وہ اسفند کی جانب سے خدشات میں گھرا تھا۔ نا تو اسے اس کا چہرہ ٹھیک سے یاد تھا اور نا ہی اسے یقین تھا کہ وہ ہی شاہین ہے۔

"تف ہے تمہاری سوچ پر۔ اکیلا بھی رہ جاؤں گا نا تب بھی غداری نہیں کروں گا۔" اس کی سوچ پر ماتم کرنے کے سوا وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

"مجھے مانو سے ملنا ہے۔"

"وہ آپ سے نہیں ملنا چاہتی۔"جواب دو بدو آیا تھا۔

"مگر میں ملنا چاہتا ہوں۔"

"اس کی حالت ایسی نہیں ہے کہ وہ کوئی صدمہ برداشت کر سکے۔"نائل کا دل دھڑکنا بھول گیا تھا۔جب ڈاکٹر نے عینین کو ہپناٹائز کیا تھا تو حاتم نے کچھ حصے کی وڈیو بنا کر نائل کو سینڈ کی تھی۔اس وڈیو کو دیکھتے وہ تڑپ اٹھا تھا۔

"میں فون پر بات کروا سکتا ہوں،وہ بھی اگر وہ چاہے تو....."یہ جاننے کے بعد کہ نائل صوفی کا قاتل نہیں ہے،حاتم کے دل میں کچھ نرم گوشہ پیدا ہوا تھا۔نائل خاموش رہا تھا۔کس قدر بد قسمت تھا وہ.....اپنی بہن سے بات کرنے کے لیے وہ آج اپنے دشمن کے آگے ہاتھ پھیلا رہا تھا۔اس سب کا قصوروار بھی وہ خود ہی تھا۔اس نے خود ہی عینین کو خود سے بدگمان کیا تھا۔

"اسے آپ رکھ لیجیے مجھے نہیں چاہیے۔"نائل پر گویا احسان کرتے وہ وہاں سے گیا تھا۔نائل کو حیرت تو بہت ہوئی تھی۔ابھی تھوڑی دیر پہلے وہ ماہم کو یہاں سے لے جانے کے لیے لڑ رہا تھا اور اب.....اس قدر لاتعلقی.....وہ شخص کبھی کبھی اس کی سمجھ سے باہر ہو جاتا تھا۔

---

نائل کے پاس سے وہ سیدھا بدر کی طرف گیا تھا۔عینین ابھی بھی لاہور میں ہی تھی۔

"بابا الیکس کہاں ہے؟"بغیر کسی لگی لپٹی کے اس نے سوال پوچھا تھا۔

"میں نہیں جانتا ڈیوڈ!"بدر کا لہجہ بے حد محتاط تھا۔

"ایک دفعہ مل جائے مجھے، وہ حال کروں گا کہ سننے والے کی روح بھی کانپ جائے۔" لب بھینچے وہ بدر کے ساتھ پلنگ پر بیٹھا تھا۔

"وہ لڑکی اتنی خاص ہے تمہارے لیے کہ تم اس کی ماں کی موت کا بدلہ لینے کے لیے اپنے اتنے خاص آدمی کو مار دو گے؟"

"آپ سے کس نے کہا کہ میں یہ سب اس کی ماں کا انتقام لینے کے لیے کر رہا ہوں؟" اس نے تعجب سے بدر کی جانب دیکھا تھا۔

"ان دونوں نے میری نین کو تکلیف پہنچائی۔ اسے اتنے دنوں تک ٹارچر کیا۔ یہ میں معاف نہیں کر سکتا۔" آنکھوں میں سرخی اتری تھی۔

"کیا وہ لڑکی اتنی اہم ہے تمہارے لیے؟"

"وہ میری بیوی ہے، ظاہر ہے وہ اہم ہے۔"

"وہ نائل کی بہن بھی ہے۔"

"مجھے اس سے فرق نہیں پڑتا۔ آپ چاہے تو نائل کو جان سے مار دیں یا پھر مجھے اجازت دیں کہ میں یہ کار خیر سرانجام دوں۔"

"اسے نہیں مارنا۔ شاہین تک پہنچنے کی واحد سیڑھی وہی ہے۔ اتنے سالوں سے یہ جاننے کے باوجود کہ اس کا تعلق کہاں سے ہے میں نے اسے کوئی نقصان نہیں پہنچایا، وجہ صرف اور صرف شاہین ہے۔ وہ صرف ایک مہرہ ہے، شاہین تک پہنچنے کا ذریعہ...... تم جانتے ہو اس کا تعلق ائی۔ ایس۔ ائی کے کسی حساس ادارے سے نہیں ہے۔ وہ سامنے اس لیے ہے کیونکہ یہ لوگ شاہین کو بچانا چاہتے ہیں۔ اصولا تو نائل کے ایکسپوز ہوتے ہی

یا تو اس کی موت کی خبر آتی یا پھر آئی ایس۔ائی سے لاتعلقی کی، لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا۔کچھ ہے جواب بھی پوشیدہ ہے۔"بدر گہری سوچ میں پڑ گیا تھا۔

"لیکن کیا بابا.....؟مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آ رہی۔"وہ اس سب سے بے حد بیزار تھا۔نین کے اس کی زندگی میں قدم رکھنے کے بعد باقی چیزوں میں اس کی دلچسپی ختم ہوتی جا رہی تھی۔

"یہی تو پتا لگانا ہے بیٹا کہ آخر ایسا کیا ہے جو ہم نہیں سمجھ پا رہے۔میری معلومات سے حساب سے نائل کا دوست اسفند ہی شاہین ہے۔اگر ایسا ہے تو پھر وہ کہاں غائب ہے؟"بدر نے آنکھیں سکیڑے دماغ پر زور دیا تھا۔

"کبھی کبھی مجھے لگتا ہے کہ نائل اور شاہین کے درمیان کوئی تیسرا ہے جو شاید شاہین کی حفاظت کر رہا ہے یا پھر ہمیں اس تک پہنچنے نہیں دیتا۔لیکن پھر مجھے لگتا ہے کہ شاید اسفند شاہین نا ہو۔ہو سکتا ہے کہ وہ کوئی اور ہو۔"

---

سر جھٹکتے اس نے گہری سانس خارج کی تھی۔

"میں پتا لگا لوں گا بابا، وہ مجھ سے بچ نہیں سکتا۔اس کی موت میرے ہاتھوں لکھی ہے اور یقین کریں میں اسے تڑپا تڑپا کر ماروں گا۔اس کی زندگی جہنم بنا دوں گا جیسے اس نے ہماری بنا دی۔"اس نے گویا پیماں کیا تھا۔

"مجھے تم سے یہی امید ہے۔"بدر نے اس کی پیٹھ تھپتپائی تھی۔

"فلحال تو باقی کے دو لوگوں کو ڈھونڈھنا ہے مجھے....."بدر چونکا تھا۔

"کونسے لوگ.....؟"

"نین کی ماں کے قاتل....."

"تم اس میں اتنی دلچسپی کیوں لے رہے ہو؟"اس کے چہرے پر ناگواری ابھری تھی۔

"نین سے وعدہ کیا ہے۔نبھانا تو پڑے گا نا....."

"کیا کرو گے ان دو لوگوں کے ساتھ.....؟"

"ایسی بھیانک موت دوں گا کہ روح کانپ اٹھے۔" بدر ایک لمحے کے لیے سانس نہیں لے سکا تھا۔

"مجھے لگتا ہے تم نین کو لے کر کچھ زیادہ ہی سیریس ہو۔" بدر نے ایک آنکھ آچکا کر پوچھا تھا۔

"میں بالکل ہوں۔ اگر اسے ایک کھروچ بھی آئی یا پھر کسی نے اسے مجھ سے دور کیا تو میں سب بھول جاؤں گا، سب کچھ....." بدر کو اس کا انداز کچھ عجیب لگا تھا۔

"کیا یہ دھمکی تھی؟"

"نہیں نہیں ڈیوڈا سے دھمکی کیوں دے گا؟" لیکن ایک بات طے تھی کہ وہ اب عینین کو نقصان پہنچانے کے بارے میں نہیں سوچ سکتا تھا۔ اگر ڈیوڈ کی خوشی اس لڑکی میں تھی تو اسے کوئی اعتراض نہیں تھا۔ ویسے بھی وہ چھٹانک بھر کی لڑکی اس کے لیے خطرہ ہرگز نہیں تھی۔ وقت پڑنے پر وہ اسے نائل کے خلاف بھی استعمال کر سکتا تھا تب تک ڈیوڈ کے سر سے بھی محبت کا بھوت اتر جانا تھا۔

"بابا بہت دن ہو گئے ہیں۔ مجھے انجیکشن چاہیئے۔" آج صبح سے وہ عجیب سی بے چینی محسوس کر رہا تھا۔

"ہاں ڈیوڈ کیوں نہیں مگر پہلے وہ ڈرگز سے بھرا ٹرک تو منزل تک پہنچا دو۔"

"آپ کو میری صلاحیتوں پر شک ہے بابا، ایسا کون سا کام ہے جو آپ نے مجھے کہا ہو اور میں نے نا کیا ہو؟" وہ الٹا بگڑا تھا۔

"ایسی بات نہیں ہے بیٹا، میں تو مذاق کر رہا ہو۔ یہ لو۔" بدر نے سرنج میں انجیکشن بھر کر اسے تھمایا تھا۔

ڈرگز کے جسم میں اترتے ہی اس کے چہرے پر سکون کے سائے لہرائے تھے۔

"اچھا ڈیوڈ ایک بات تو بتاؤ۔" بدر چل کر اس کے قریب آیا تھا۔

"جی.....؟"

"عہد نامی جدید میں کونسی کتاب تمہیں سب سے زیادہ پسند ہے؟"

"یوحنا کی انجیل....."

"کیوں......؟"

"وہ باقی تینوں سے مختلف ہے۔ متی، مرقس اور لوقا کی اناجیل کو "اناجیلِ مماثلہ" کے طور پر بیان کیا جاتا ہے۔ کیونکہ ان کا طرز تحریر اور مواد کافی حد تک ایک جیسا ہے۔ لیکن یوحنا کی انجیل سب سے الگ ہے۔ حضرت عیسی کی الوہیت اور فرزند خدا ہونے کا عقیدہ صرف انجیل یوحنّا میں بیان ہوا ہے۔" وہ کہہ کر خاموش ہوا تھا۔ بدر کے لبوں پر معنی خیز مسکراہٹ ابھری تھی۔

"بابا انجیل مقدس ہی حق ہے، میں سچ کہہ رہا ہوں۔ آپ بھی اسے تھام لیں۔" بدر اس کی بات پر چونکا تھا۔ اس نے زندگی میں پہلی بار ایسا کوئی مطالبہ کیا تھا۔

"تم ٹھیک کہتے ہو۔ مجھے اس بارے میں سوچنا چاہیئے۔" کچھ دیر مزید بات چیت کے بعد ڈیوڈ وہاں سے چلا گیا تھا۔

اس کے جانے کے بعد پورے گھر میں بدر کا قہقہ گونجا تھا۔ ماضی کی یاد اس کے ذہن کے پردے پر اجاگر ہوئی تھی۔

"تم نے مجھے کیوں پادری بنا دیا ہے اور اس بچے کو کیوں اس کے مذہب سے دور کر رہے ہو؟" منیر نے بیزاری سے کہا تھا۔ وہ ان ہی کا ساتھی تھا۔ مسلمان تھا مگر حاتم کے سامنے وہ ایک پادری بنا ہوا تھا۔

"میں اسے ایک درندہ اور حیوان بنانا چاہتا ہوں۔ میں اسے بلیک مونسٹر بنانا چاہتا ہوں اس لیے اس لڑکے کی سب سے قیمتی چیز اس سے چھیننا ضروری ہے۔ تم نے شاید غور نہیں کیا مگر میں نے کیا ہے۔ اس کی سب سے قیمتی چیز اس کا ایمان ہے۔ تم نے کبھی اسے نماز پڑھتے دیکھا ہے؟ کبھی اس کے چہرے پر چھایا اطمینان دیکھا

ہے؟ مجھے وہ چھیننا ہے۔ مجھے اسے گمراہ کرنا ہے۔ بس اس کے دماغ میں مسلمانوں کے لیے نفرت یہاں تک کہ انسانوں کے لیے بھی نفرت بھر دو۔"

"ٹھیک ہے۔" منیر نے جیسے سر سے بلا ٹالتے کہا تھا۔

"تم میرے لیے بہت خاص ہو ڈیوڈ، میں تمہیں کسی قیمت پر کھو نہیں سکتا۔" ماضی کی بات یاد کرتے وہ چلایا تھا۔

---

لاہور پہنچتے ہی وہ سب سے پہلے گھر گیا تھا۔ عینین کو دیکھنے کے لیے اس کا دل بے قرار تھا۔ اسے اپنے کمرے میں بستر پر منہ پھلائے بیٹھے دیکھ حاتم کی آنکھوں کو قرار آیا تھا۔ وہ پہلے ہی اسے آگاہ کر چکا تھا کہ وہ آنے والا ہے جس وجہ سے وہ منہ پھلائے بیٹھی تھی۔ اسے اسلام آباد گئے دو دن ہو گئے تھے جس وجہ سے عینین سخت خفا تھی۔

"تیرا طلعت صبیح ہے.....

تیرے لب عسل سے زیادہ میٹھے.....

تیری آواز مطرب سے زیادہ خوب رو......

تیرے نین میرا پسندیدہ نظارہ.....

تیری زلفوں سے اٹھتی نکہت میری درماں....." اس کے قریب آتے حاتم نے اس کے بالوں کی خوشبو اپنے اندر اتاری تھی۔ نین جھنپ کر پیچھے ہٹی تھی۔ وہ اس سے لڑنے کا پورا پورا ارادہ رکھتی تھی لیکن وہ اپنی محسور کن آواز سے اس کے کانوں میں سحر پھونک رہا تھا۔ اس کا دل نا چاہتے ہوئے بھی بے قابو ہوا تھا۔

"میں ناراض ہوں۔" منہ پھیرے وہ منمنائی تھی۔

"میں جانتا ہوں۔" اس کے قریب بیٹھے حاتم نے اس کے بالوں پر بوسہ دیا تھا۔ وہ دبک کر پیچھے ہٹی تھی۔

"تو پھر دور رہو۔" اس کی قربت میں وہ ہمیشہ ہی کنفیوژ ہو جاتی تھی۔

"دور رہوں گا تو اپنی نین کو مناؤں گا کیسے؟" اس کے گرد بازو پھیلائے حاتم نے اسے خود کے قریب کیا تھا۔

"ابھی شادی نہیں ہوئی ہماری۔" آہستگی سے اس کا حصار توڑے وہ رخ موڑ گئی تھی۔

"تمہارا یہ بہانہ اب ختم کرنا ہی پڑے گا۔" وہ پل پل اس کے لیے تڑپ رہا تھا۔ اسے عینین اب مکمل طور پر اپنی دسترس میں چاہیئے تھی۔

"ہم کل اسلام آباد جا رہے ہیں۔ اور ہم وہاں پر نکاح کر لے گے۔ لیکن اگر تم چاہو تو اس خوشی کے موقع پر اپنے بھائی کی دعائیں لے سکتی ہو۔" نین نے چونک کر سر اٹھایا تھا۔ حاتم اس کی جانب دیکھے مسکرا رہا تھا۔

"یہ لو بات کر لو۔" حاتم نے نائل کا نمبر ملا کر فون اسے تھمایا تھا۔ خود وہ کمرے سے چلا گیا تھا۔ وہ دونوں بہن بھائی کے درمیان نہیں آنا چاہتا تھا۔ وہ کچھ دیر خالی الذہنی کی کیفیت سے فون کی سکرین کو دیکھتی رہی تھی پھر اس نے ہمت جمع کر کے فون کان سے لگایا تھا۔

"وانیہ میری جان! میرا بچہ....." وہ کرب سے پکارا اٹھا تھا۔

عینین کی آنکھ سے آنسو ٹوٹ کر گال پر گرا تھا۔

"آپ سن رہی ہیں نا.....؟" اپنی سسکی روکنے کے لیے اس نے منہ پر ہاتھ رکھا تھا۔

"عینین....." اس نام پر وہ تمام تر ضبط کھوئے ہچکیوں سمیت رو دی تھی۔

"میرا بچہ! ایسے تو مت رونا....." نائل کی آواز بھی بھرا گئی تھی۔

"آپ بہت برے ہیں بھائی، بہت زیادہ....." وہ ہچکیوں کے درمیان بول رہی تھی جبکہ اپنی بہن کی بات پر وہ کچھ بول نہیں سکا تھا۔

"اتنی بڑی غلطی تو نہیں تھی میری جو آپ نے مجھے اتنی بڑی سزا دی۔ آپ نے مجھے خود سے دور کر دیا اور میرا اعتبار بھی نہیں کیا۔" نائل نے سختی سے آنکھیں میچی تھیں۔

"آپ کو پتا ہے میں ہر روز کس قدر اذیت سے گزرتی تھی۔ آپ نے ایک بار بھی مڑ کر میری خبر نہیں لی۔ پھوپھو نے..... پھوپھو نے میرے ساتھ....." وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

"میری جان ایسے مت رو۔ پلیز مت رو۔" اس کا بس چلتا تو وہ اس کی آنکھ سے گرتے ہر موتی کو چن لیتا۔

"میں تو روز ہی ایسے روتی تھی بھائی....." اپنے آنسو صاف کرتے وہ چلا اٹھی تھی۔

"مجھے معاف کر دیں۔ کیا آپ اپنے بھائی کو معاف نہیں کرے گی؟" نائل نے ایک آس سے کہا تھا۔

"نہیں، کبھی نہیں! معاف کرنا تو دور میں تو آپ کا چہرہ بھی نہیں دیکھنا چاہتی۔ فون صرف اس لیے کیا ہے کہ آپ کو بتا سکوں کہ میں عمر کے ساتھ بہت خوش ہوں جیسے آپ اپنی بیوی کے ساتھ....."

"آپ غلط شخص پر اعتبار کر رہی ہیں۔ وہ آپ کو بالکل توڑ دے گا۔ وانیہ اس پر اعتبار مت کریں۔ اسے مت بتائیں گا کہ اللہ نے آپ کو کن صلاحیتوں سے نوازا ہے" اس نے محتاط ہوتے عینین کے کسی ہنر کا ذکر نہیں کیا تھا۔

"کیوں نا بتاؤں؟"

"وہ میرا شوہر ہے۔ میں اس سے کچھ نہیں چھپاؤں گی۔ آپ نے اتنے سالوں تک مجھ سے یہ سب چھپا کر رکھا۔ مجھے سمجھ نہیں آتی بھائی، کیا ملک کے لیے کام کرنا گناہ ہے؟ کیا کسی حساس ادارے سے تعلق رکھنا گناہ ہے؟" نائل کے ماتھے پر دو بل پڑے تھے۔

"آپ کو تو فخر ہونا چاہیئے بھائی کہ آپ کا بہنوئی ایک محب وطن ہے۔"عینین نے افسوس سے کہا تھا۔ماہم پہلے ہی اس کے دماغ میں نائل کے خلاف نجانے کیا کچھ بھر چکی تھی اوپر سے رہی سہی کسر حاتم نے پوری کر دی تھی۔

"محب وطن.....؟"نائل کو شدید شاک لگا تھا۔

"میری جان میری بات غور سے سنیں، وہ شخص آپ کو بیوا قوف بنا رہا ہے۔میں آپ کو سب سمجھاتا ہوں۔آپ تحمل سے میری بات....."

"میں عمر کے خلاف کچھ نہیں سنوں گی بھائی !اور آپ پہلے جا کر اپنی پہلی بیوی کا انتقام تو لیں۔اپ کو پتا ہے اسے بھی پھو پھو نے مارا تھا۔اتنے سالوں سے مجھے غلط دوائی بھی وہی دے رہی تھیں،اور جس سائیکیٹر یسٹ کے پاس ہم جاتے تھے ناوہ بھی پھو پھو سے ملا ہوا تھا۔لیکن افسوس بھائی آپ کبھی کچھ دیکھ ہی نہیں سکے یا پھر شاید آپ بھی اس سب میں ملوث تھے۔"اپنی سنا کر وہ فون کاٹ چکی تھی جبکہ دوسری طرف نائل بالکل ششدر رہ گیا تھا۔عینین کو اندازہ ہی نہیں تھا کہ وہ اپنے الفاظ سے نائل کا کلیجہ چیر گئی تھی۔

فون سائیڈ پر اچھالے وہ گھٹنوں میں منہ دیے پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی جب اسے اپنے بالوں میں کسی کی چلتی انگلیاں محسوس ہوئی تھیں عینین نے سر اٹھا کر نم آنکھوں سے سامنے دیکھا تھا۔اگلے لمحے وہ تیزی سے بستر سے اٹھتی حاتم کے سینے سے لگی بچوں کی طرح بلک بلک کر رو دی تھی۔حاتم نے نرمی سے اس کی کمر سہلائی تھی۔

"بھائی نے بہت غلط کیا میرے ساتھ،بہت غلط....."عینین کے آنسو حاتم کی شرٹ بھگو رہے تھے۔

"تم مجھے کبھی دھوکہ مت دینا۔مجھ سے کبھی جھوٹ مت بولنا....."اس کے سینے سے سر اٹھائے اس نے ایک آس سے کہا تھا۔

"ایسا کبھی نہیں ہو گا، کبھی نہیں...." اپنی انگلیوں کی پوروں سے اس کے موتی چنتے حاتم نے اسے یقین دلایا تھا۔ وہ ایک بار پھر اس کے سینے سے لگی تھی۔

---

وہ رات کے پہر شکست خور حالت میں گھر لوٹا تھا۔ کمرے میں داخل ہوتے اسے حیرت کا جھٹکا لگا تھا۔ سنیہا جائے نماز بچھائے نماز پڑھ رہی تھی۔ اس نے شاید پہلی بار سنیہا کو نماز پڑھتے دیکھا تھا۔ وہ مبہوط سا اسے دیکھتا رہا تھا پھر وہ چپ چاپ پلنگ پر آ بیٹھا تھا۔ نماز پڑھنے کے بعد سنیہا نے جائے نماز تہہ کر کے رکھی تھی۔

"کھانا لگا دوں؟" اس کے پاس کھڑے ہوتے اس نے نرمی سے پوچھا تھا۔ لہجے میں پہلے جیسا جوش اور خوشی نہیں تھی۔ اس نے اس رشتے کو اور نائل کو اس کے حال پر چھوڑ دیا تھا۔ اب وہ مزید اس سے محبت کی بھیک مانگ کر اپنی توہین نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"بھوک نہیں ہے۔" لہجہ تھکن سے چور تھا۔

"پھر کافی بنا لاتی ہوں۔"

"دل نہیں چاہ رہا۔"

"کچھ اور چاہیئے؟" نائل کے نفی میں سر ہلاتے ساتھ ہی وہ چپ چاپ پلنگ پر جا لیٹی تھی۔ اس نے ایک بار بھی اس کی رنجیدگی کی وجہ نہیں پوچھی تھی۔ نائل بھی اس کے بدلتے تیور دیکھ کر حیران تھا۔ ہمیشہ تو وہ اس کے سر پر مسلط رہتی تھی اور اس کے لاکھ جھڑکنے اور برا بھلا کہنے کے بعد بھی وہ پیچھے نہیں ہٹتی تھی اور اب اسے سنیہا کی ضرورت تھی تو وہ اس سے بالکل لاتعلق ہو گئی تھی۔

وہاں سے اٹھتے وہ چینج کرنے گیا تھا۔ نائٹ ڈریس پہنے وہ بھی اپنی سائیڈ پر آ کر لیٹا تھا۔ لیمپ کی مدھم روشنی میں وہ اس کے چہرے پر نظریں جمائے ہوئے تھا۔ سنیہا کی آنکھیں بند تھیں۔

"تم مجھ سے ناراض ہو؟" گفتگو کا آغاز نائل نے کیا تھا۔ یہ اسے ہی کرنا تھا۔

"نہیں....." یک لفظی جواب آیا تھا جبکہ آنکھیں ابھی بھی بند تھیں۔

"تمہیں ہونا چاہیئے۔" وہ آنکھیں کھولنے پر مجبور ہو گئی تھی۔

"سب مجھ سے ناراض ہیں تو تمہیں بھی ہونا چاہیئے۔" وہ عجیب انداز میں ہنسا تھا۔

"سب ٹھیک ہے؟" وہ اپنی جگہ پر اٹھ بیٹھی تھی۔

"پتا نہیں....." اس کا ہاتھ تھامتے نائل نے اپنا سر اس کی گود میں رکھا تھا۔ وہ بالکل دنگ رہ گئی تھی۔

"میں تھک گیا ہوں سنیہا، بہت زیادہ تھک گیا ہوں۔" اس کا ہاتھ مضبوطی سے تھامے وہ نم آواز میں گویا ہوا تھا۔

"میں نے ہمیشہ تمہارے ساتھ زیادتی کی بلکہ سب کے ساتھ کی۔ سب نے دھوکہ دیا مجھے، سب چھوڑ گئے۔ تم تو دھوکہ نہیں دو گی نا مجھے.....؟" اٹھ کر بیٹھتے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے نائل نے بہت مان سے پوچھا تھا۔

"نہیں دو گی نا.....؟" اس کے ہاتھ پر دباؤ ڈالے نائل نے ایک بار پھر پوچھا تھا۔

وہ کچھ دیر سر جھکائے خاموش رہی تھی پھر اس نے اپنے خشک لبوں پر زبان پھیری تھی۔

"اگر میں نے دے دیا تو.....؟" نائل کے چہرے پر ناگواری ابھری تھی۔ کم از کم وہ یہ نہیں سننا چاہتا تھا۔

"تو پھر میں مر ہو جاؤں گا۔"

"اللہ نا کرے۔" سنیہا نے تڑپ کر اس کے لبوں پر اپنا ملائم ہاتھ رکھا تھا۔ اس کا ہاتھ تھامتے وہ نم آنکھوں سے مسکرا دیا تھا۔

"بس تم کبھی مجھ سے جھوٹ مت بولنا۔" نائل نے اس کی دائیں گال سہلائی تھی۔ وہ پھیکا سا مسکرا دی تھی۔

حاتم اسے لاہور سے اسلام آباد لے آیا تھا۔ عینین نے کافی بار اسے کہا تھا کہ وہ وہیں رہنا چاہتی ہے مگر حاتم نے اس کی ایک نہیں سنی تھی۔ عینین نہیں چاہتی تھی کہ اسلام آباد میں اس کا سامنا نائل سے ہو مگر وہ حاتم کو انکار نہیں کر سکی تھی۔ گاڑی کے رکتے ہی عینین نے ابھی ہینڈل پر ہاتھ رکھا تھا تبھی حاتم نے اسے روک دیا تھا۔ خود باہر نکلتے وہ قدم قدم چلتا گاڑی کی دوسری جانب گیا تھا۔ دروازہ کھولے اس نے خوشگواریت سے عینین کے آگے ہاتھ پھیلایا تھا۔ پہلے وہ چونکی پھر اچانک ہی اس کے لب دھیرے سے مسکرائے تھے۔ اس نے نہایت نرمی سے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دیا تھا۔ اب وہ اس کا ہاتھ تھامے آگے بڑھ رہا تھا۔ عینین نے مبہوط ہو کر اس کاخ کو دیکھا تھا۔ شیشے کا کاخ...... سفید بالکل سفید.....

اندر داخل ہوتے دونوں اطراف میں سبزہ ہی سبزہ تھا۔ اس سبزے میں خوبصورت کونپلیں کھلی ہوئی تھیں۔ درمیان سے ایک ترچھی سڑک نکالی گئی تھی جس کے اطراف کو خوبصورتی سے سجایا گیا تھا۔ تھوڑا آگے جاتے ملازم ان کے استقبال میں کھڑے تھے۔ ان سب کے ہاتھ میں خوبصورت پھولوں کے بکے تھے۔ وہاں گلاب کے علاوہ ہر قسم کا پھول تھا۔ سب نے ہی اسے استقبالیہ کلمات کہے تھے۔ یہ سب عینین کے لیے بالکل نیا تھا۔ اس کے تصور سے بالکل برعکس..... اس نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ اس کا شوہر اس سے اس قدر محبت کرتا ہے۔ تھوڑا آگے جا کر پول بنایا گیا تھا۔ اس پول دیکھ کر وہ ٹھٹکی تھی۔ وہ ہارٹ شیپ میں تھا۔

"تو کیا یہ اس کے لیے بنایا گیا تھا؟" وہ دل ہی دل میں مخاطب ہوئی تھی لیکن لب ساکن ہی تھے۔ اب وہ اسے اندر لے کر جا رہا تھا۔ دونوں نے ہی سفید رنگ کا لباس زیب تن کیا ہوا تھا۔ عینین کا فراک لمبا اور گھیرے دار تھا جبکہ حاتم اس پر سفید پینٹ کوٹ میں ملبوس تھا۔ اس کی ہلکی بڑھی ہوئی شیو اس کی وجاہت میں اضافہ کر رہی تھی۔

دونوں نے ایک ساتھ اس محل میں قدم رکھا تھا، ان کی خوشیوں کا محل....

وہاں کا انٹیئر بہت مہنگا اور نایاب تھا۔ ٹائلز اس قدر صاف ستھرے تھے کہ ان میں عکس واضح نظر آتا تھا۔ اوپر چھت پر بڑے سائز کا جھومر لٹکا ہوا تھا۔ ایک طرف بہت خوبصورت طرز کے صوفے رکھے ہوئے تھے۔

وہ ادھر ادھر نظریں گھماتی سحر زدہ سی آگے بڑھ رہی تھی۔

"تمہارا محل بہت خوبصورت ہے۔" دونوں اطراف میں گول، گھیرے دار سیاہ ٹائلز کے بنے زینوں کو دیکھ کر اس نے ستائشی لہجے میں کہا تھا۔ وہاں ہر چیز سفید تھی سوائے ان زینوں کے..... لیکن جس رعنا انداز میں وہ بنائے گئے تھے وہ واقعی دیکھنے والے کی توجہ مبذول کرنے والے تھے۔

"یہ میرا نہیں ہمارا کاخ ہے۔" حاتم نے اس کی کلائی پکڑے اسے اپنی جانب کھینچا تھا۔

"اور ہمیں اب یہاں ساری زندگی رہنا ہے۔" اس کے چہرے پر جھولتی لٹ کو اس کے کان کے پیچھے اڑستے حاتم نے میٹھی سرگوشی کی تھی۔ وہ سر تا پیر سرخ ہوئی تھی۔

"تم آرام کرو، مجھے کچھ کام ہے۔ رات میں تیار رہنا، میں نے تمہارے لیے سرپرائز پلین کیا ہے۔" عینین کی آنکھیں فوراً چمک اٹھی تھیں۔

"کیسا سرپرائز.....؟" وہ خود کو پوچھنے سے روک نہیں سکی تھی۔

"رات کا انتظار کرو۔" حاتم نے محبت سے اس کی گال تھپتھپائی تھی۔ وہ منہ بسور کر رہ گئی تھی۔

---

"عمر ہم کہاں جا رہے ہیں؟" وہ اب کی بار جھنجھلائی تھی۔ ایک تو یہ میکسی اوپر سے ہیلز اور آنکھوں پر بندھی پٹی..... اسے چلنے میں بے حد دشواری ہو رہی تھی۔

"سرپرائز ہے جاناں!" اس کا ہاتھ تھامتے وہ آہستگی سے آگے بڑھ رہا تھا۔

"میں اتار رہی ہوں اسے...." اسے شدید کوفت محسوس ہوئی تھی۔

"سوچنا بھی مت....." اس کی سخت آواز پر وہ منہ کے زاویے بنائے خاموش ہو گئی تھی۔

اسے آڑے ترچھے منہ بناتے دیکھ حاتم مسکرادیا تھا۔ کھلے بال، دونوں اطراف سے چند بالوں کو جوڑ کر خوبصورت چٹیاں بنائے، جن میں جگہ جگہ بیڈز لگائے ہوئے تھے۔ بھورے بال نیچے سے کرل ہوئے ہوئے تھے۔ بے بی پنک کلر کی خوبصورت سی میکسی پہنے جس کے گلے پر ہلکی مگر نفیس کڑاہی کی گئی تھی اور سفید ہیلز پہنے وہ لڑکھڑاتے قدموں سے اس کا ہاتھ مضبوطی سے تھامے آگے بڑھ رہی تھی۔

ایک جگہ پہنچتے حاتم نے بہت آہستگی سے اس کی آنکھوں پر سے پٹی ہٹائی تھی۔

"Surprise….."

عینین نے مسکرا کر دھیرے سے آنکھیں کھولی تھیں۔ سامنے کا منظر دیکھ بے اختیار اس کی مسکراہٹ سمٹی تھی۔ وہ اسے ایک ریسٹورنٹ کے اوپری حصے میں لایا تھا۔

عینین کے قدموں تلے سرخ گلاب کی پتیاں بکھری ہوئی تھیں۔ اطراف میں سرخ ہارٹ شیپ کی بڑے سائز کی موم بتیاں سجائی گئی تھیں جو کہ تعداد میں بہت زیادہ تھیں۔

سامنے ایک دل نما بورڈ لگا ہوا تھا جس کے درمیان میں لائٹوں سے

"Will you marry me?"

لکھا تھا۔

ایک سائیڈ پر بہت خوبصورت ٹیبل سجی ہوئی تھی۔ ٹیبل کا اور دونوں اطراف میں پڑی کرسیوں کا کور سرخ اور سفید امتزاج کا تھا، یہاں تک کہ ٹیبل پر رکھا دس پاونڈ کا کیک بھی ریڈ ویلویٹ کا تھا۔

عینین کے پسینے چھوٹنے لگے تھے۔ ہر طرف سرخ رنگ دیکھ کر اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھانے لگا تھا۔

"کیسا لگا سرپرائیز؟" حاتم نے تجسس سے پوچھا تھا۔

"خون.....لال رنگ....." وہ بڑبڑائی تھی۔

آنکھوں کے سامنے ایک بار پھر وہی سانحہ کسی فلم کی طرح گردش کرنے لگا تھا۔

"مار دیا، مار دیا، میری ماں کو مار دیا۔" وہ دیوانہ وار چیختے ہوئے وہاں سے ابھی بھاگی ہی تھی کہ حاتم نے اس کے دونوں ہاتھوں کو اپنی گرفت میں لیے اسے روکا تھا۔

"کہاں جا رہی ہو نین؟"

"مجھے جانے دو۔ پلیز مجھے جانے دو۔" وہ بے بسی سے چلا اٹھی تھی۔

"میں نے یہ سب تمہارے لیے کیا ہے۔ تمہیں پسند نہیں آیا کیا....؟" اس کے گرد بازو حمائل کرتے حاتم نے نرمی سے پوچھا تھا۔

"عمر میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ گھر چلتے ہیں۔" اس نے ہانپتے وجود کے ساتھ کہا تھا۔ کسی بھی وقت وہ آپے سے باہر ہو سکتی تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ حاتم اس کا یہ روپ دیکھے۔

"کیوں گھر چلتے ہیں؟ میں نے اتنی محبت سے تمہارے لیے یہ سب کیا ہے اور تم....."

"مجھے جانا ہے۔" وہ اسے پرے دھکیلتی وہاں سے بھاگی تھی۔ مگر سیڑھیوں تک پہنچتے اس کے قدم رکے تھے۔ دروازہ بند تھا۔

عینین نے اسے کھولنے کی کوشش کی تھی مگر وہ نہیں کھل رہا تھا۔

"یہ نہیں کھلے گا نین! جب تک میں نہیں چاہوں گا یہ نہیں کھلے گا۔" اس کی جانب مڑے اپنی ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے عمر نے اسے سائیڈ سمائل پاس کی تھی۔ عینین کے قدم زنجیر ہوئے تھے۔ آنکھوں میں بے یقینی ابھری تھی۔

"تو کیا وہ اسے جان بوجھ کر اذیت پہنچا رہا تھا؟؟؟"اس نے اپنی سوچ کے تسلسل کو یہی روکا تھا۔

"کیا ہوا تکلیف ہو رہی ہے؟"اس کے قریب آ کر وہ عجیب انداز میں گویا ہوا تھا جبکہ وہ اپنے ہوا س کھوتی جا رہی تھی۔

"اب اور ہو گی۔"حاتم نے کہتے ساتھ ہی ایک بٹن دبایا تھا۔

اس دل نما بورڈ پر لگے الفاظ بھڑک اٹھے تھے۔آگ کے تیز شعلوں میں بھڑکتے وہ محبت بھرے الفاظ......

“Will you marry me?”

منہ پر ہاتھ رکھے وہ چلا اٹھی تھی۔

---

رات کی چاندنی میں وہ کھڑا سگریٹ سلگا رہا تھا جب اسے اپنے پیچھے سے محسن کی آواز سنائی دی تھی۔

"اس کا سپیکر تو بند کرواؤ، میں پاگل ہو گیا ہوں۔"ماہم کی چیخ و پکار سے محسن شدید بیزار ہوا تھا۔

"یہ آوازیں مجھے سکون پہنچا رہی ہیں۔"وہ سر کو خم دیے مسکرایا تھا۔

"مجھے سمجھ نہیں آ رہی کہ یہ بلاوجہ کیوں چلا رہی ہے؟"

"بلاوجہ نہیں چلا رہی۔اسے لگ رہا ہے کہ اسے شاکس دیے جا رہے ہیں۔"پچھلے دو دن سے اس کی آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔پٹی باندھنے سے پہلے نائل نے اسے رسی سے باندھ کر دو دفعہ الیکٹرک شاکس دیے تھے۔اب دو دن سے وہ مسلسل صرف ریکارڈنگ چلا رہا تھا جبکہ ماہم کو ہر آواز پر ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے اسے شاکس دیے جاتے ہیں۔وہ اس کے دماغ کے ساتھ کھیل رہا تھا۔

"ابھی تو میں ایسی ایسی الوژن بناؤں گا کہ وہ اپنا ذہنی توازن کھودے گی۔" وہ اس کام میں ماہر تھا۔ وہ جان بوجھ کر ایسی صورت حال پیدا کرتا تھا کہ سامنے والا شخص یقین کرلے کہ وہی حقیقت ہے مگر درحقیقت وہ محض ایک جھوٹ ہوتا تھا۔

"ٹھیک ہے فلحال چلتے ہیں یہاں سے، میرے کان پک گئے ہیں۔"

"ہمم....." نائل نے سگریٹ نیچے پھینکے بوٹ تلے مسلی تھی۔

"ویسے جانا کہاں ہے؟" محسن کی باتوں سے وہ اتنا اندازہ تو لگا ہی چکا تھا کہ اس کا ارادہ گھر جانے کا بالکل نہیں ہے۔

"کہیں باہر چلتے ہیں۔ تم بھی تھوڑا فریش ہو جاؤ گے۔ ساشا ویسے بھی گھر پر نہیں ہے اور نا ہی بچے، تو ہم....."

"سوچنا بھی مت....." اس کے ارادے بھانپتے نائل نے فوراً ہاتھ کھڑے کیے تھے۔

"یار کچھ نہیں ہوتا نا....."

"محسن تمہیں پتا ہے کہ میں نہیں پیتا۔ میرے دماغ پر چڑھ جاتی ہے پھر مجھے کسی چیز کا ہوش نہیں رہتا۔"

"ایک آدھ گلاس سے کچھ نہیں ہوتا۔"

"ہرگز نہیں....." نائل نے صاف انکار کیا تھا۔

"اچھا ٹھیک ہے۔ مجھے تو پینے دو۔ تم مت پینا۔" اپر کلاس میں شراب پینا اور سگریٹ پینے جیسے عمل کو برا نہیں سمجھا جاتا تھا۔ یہ ان کے معمول کا حصہ تھا۔

کچھ دیر اس کی منتیں کرنے کے بعد وہ نائل کو راضی کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

رات کے تقریباً ایک بجے وہ چکراتے سر کے ساتھ گھر کے اندر داخل ہوا تھا۔ محسن نے زبردستی اسے دو گلاس وائن کے پلا دیے تھے۔اور وہ بے حد سٹرونگ تھی جس وجہ سے نائل سنبھل نہیں پا رہا تھا۔وہ سگریٹ ضرور پیتا تھا مگر شراب بہت کم.....

لڑکھڑاتے قدموں سے گرتے پڑتے وہ اپنے کمرے میں داخل ہوا تھا۔اتنی زور سے دروازہ کھلنے کی آواز سے وہ ڈر کر نیند سے اٹھی تھی۔

"نائل....."اس سے پہلے کہ وہ گرتا سنیہا نے اسے آگے بڑھ کر اسے تھاما تھا۔

"آپ نے پی رکھی ہے؟"وہ بے یقینی سے گویا ہوئی تھی۔

"محسن نے....اس نے پلا دی۔"وہ غنودگی میں بول رہا تھا۔

"آپ آئیں یہاں پر...."اسے سہارا دیے وہ بستر تک آئی تھی۔بستر تک پہنچتے وہ ڈھے گیا تھا۔

"بس اسی چیز کی کمی رہ گئی تھی۔"اس کے پاس بیٹھتے سنیہا نے افسوس سے اسے دیکھا تھا۔

اس کے اٹھنے سے پہلے ہی نائل نے اس کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا تھا۔

"صوفی، مت جاؤ۔پلیز مجھے چھوڑ کر مت جاؤ۔"وہ پھر سے وہی ورد کر رہا تھا جبکہ سنیہا کے تن بدن میں آگ سی لگ گئی تھی۔اس نے غصے سے اپنا ہاتھ چھڑوایا تھا۔

"صوفی، صوفی، صوفی..... تھک گئی ہوں میں یہ نام سن سن کر....."وہ غصے سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"سنیہا کہاں ہے؟بتائیں نائل اس سب میں سنیہا کہاں ہے؟"اس کے پاس بیٹھے سنیہا نے اس کا گال تھپکتے جیسے اسے ہوش میں لانے کی کوشش کی تھی۔

"کیا آپ کو کبھی سنیہا سے محبت نہیں ہوئی؟"اس نے بھرائی آواز میں پوچھا تھا۔شاید وہ اس کے نشے میں ہونے کا فائدہ اٹھاتی سچ جاننا چاہتی تھی۔

"بتائیں نائل! سنیہا کے لیے آپ کے دل میں کیا ہے؟" اس کے گال پر ہاتھ رکھے وہ اس پر جھکی تھی۔ وہ اب بھی نیم غنودگی میں تھا۔

"کچھ بھی نہیں..... کچھ نہیں ہے۔ مجھے سنیہا نہیں چاہیئے۔ مجھے صرف صوفی چاہیئے۔" وہ نیند میں پتا نہیں اور کیا کیا بڑبڑا رہا تھا جبکہ وہ اب مزید ایک لمحہ بھی وہاں نہیں رک سکی تھی۔

"اگر ایسا ہے تو پھر ٹھیک ہے نائل آفندی!" بالکنی میں آکر اس نے گہری گہری سانسیں لیتے اپنے آنسو بے دردی سے صاف کیے تھے۔

"تم اس قابل ہی نہیں ہو کہ تمہیں سنیہا کی محبت ملے۔ تم رہو اپنی اس صوفی اور اس کی محبت کے مقبرے کے ساتھ.... میں اب تمہارے ساتھ نہیں رہوں گی۔ لیکن جانے سے پہلے ایک آخری جھٹکا ضرور دوں گی تمہیں....." وہ سرخ آنکھوں سے گویا ہوئی تھی۔

---

صبح نو بجے کے قریب نائل کی آنکھ کھلی تھی۔

"گڈ مارننگ ڈیئر ہسبنڈ!" سنیہا مسکراتی ہوئی اس کے پاس بیٹھی تھی۔

وہ حیران ہوا تھا، شدید حیران..... اسے اس خوشگوار رویے کی توقع نہیں تھی۔

"آئی۔ایم سوری! مجھے اس طرح پی کر گھر نہیں آنا چاہیئے تھا۔" وہ شرمندہ تھا۔

"کوئی بات نہیں! جو ہوتا ہے اچھے کے لیے ہوتا ہے۔ آپ نے میری بہت بڑی مشکل آسان کر دی۔"

"کیسی مشکل.....؟" بیڈ کراؤن سے ٹیک لگاتے وہ بھی مسکرا کر گویا ہوا تھا۔

"سرپرائز ہے۔ وقت آنے پر بتاؤں گی۔" اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک ابھری تھی۔

"کل رات میں نے کوئی فضول بکواس تو نہیں کی نا؟"

"نہیں! بالکل نہیں....." نفی میں سر ہلاتے وہ مدھم سا مسکرائی تھی۔ وہ ریلیکس ہو گیا تھا۔

"ناشتہ تیار ہے، آپ چینج کر کے آجائیں۔" چہرے پر سجی مسکراہٹ کے ساتھ وہ وہاں سے اٹھی تھی۔

ناشتے کے بعد وہ اس کے لیے کافی بنالائی تھی۔

"آج کچھ خاص ہے کیا؟" سنیہا کا رویہ دیکھ وہ کچھ حیران تھا۔

"نہیں...." ایک لفظی جواب.....

"آپ سے ایک اجازت چاہیئے تھی۔" دونوں ہاتھوں کو آپس میں مس کیے اس نے لب کاٹتے پوچھا تھا۔

"کیسی اجازت؟" وہ ٹھٹکا تھا۔

"میں سارا دن گھر میں بور ہوتی رہتی ہوں۔ کیا میں کبھی کبھی باہر نہیں جاسکتی؟" اس نے دھڑکتے دل سے پوچھا تھا۔ نجانے وہ کس طرح ری ایکٹ کرے؟؟؟

"ٹھیک ہے، کبھی کبھار چلی جایا کرو۔ لیکن یہاں دوست بنانے کی ضرورت نہیں ہے۔" لہجہ کٹیل تھا۔ اس نے ابھی تک اس شادی کو پوشیدہ ہی رکھا ہوا تھا۔ سوسائٹی میں کسی کو بھی اس شادی کا علم نہیں تھا۔

اور ایک لڑکی کا اس کے گھر میں رہنا کوئی بڑی بات نہیں تھی۔ وہ اپنے سرکل میں ایک عیاش بزنس مین کے طور پر مشہور تھا۔

---

"آگ....." کانوں پر ہاتھ رکھے وہ بلند آواز میں چلا رہی تھی۔

"نہیں نین، آگ نہیں ان خوبصورت الفاظ کو دیکھو، جو وہاں لکھے ہوئے ہیں۔" حاتم نے اسے شانوں سے تھام کر اس کا رخ اس بورڈ کی جانب کیا تھا۔

"چھوڑو مجھے، جانے دو۔" وہ مسلسل پھڑپھڑاتے ہوئے اس سے دور جانے کی کوشش کر رہی تھی۔

"تم کہیں نہیں جاؤ گی۔ پہلے ہم کیک کٹ کرے گے پھر کھانا کھائے گے پھر ہی گھر جائے گے۔" اس کا فیصلہ سنتے وہ تڑپ اٹھی تھی۔

"میں مر جاؤں گی عمر! پلیز مجھے جانے دو۔" اس نے سسکتے ہوئے اس کے آگے ہاتھ جوڑے تھے۔

"تمہیں کچھ نہیں ہو گا نین، میں ہوں نا تمہارے ساتھ...." حاتم نے اس کے ہاتھوں کو تھامتے اسے یقین دلانا چاہا تھا۔

"ہر طرف خون ہے۔" وہ اپنی ہی دھن میں بار بار چلا رہی تھی۔

"نین! کہاں پر ہے خون؟؟" حاتم نے اسے کندھے سے جھنجھوڑ کر جیسے ہوش دلایا تھا۔

"ہر طرف....." اس نے کانپتے ہاتھ سے پورے ٹیرس کی طرف اشارہ کیا تھا۔

"یہ گلاب ہے نین....." عمر نے جھک کر اس کے قدموں سے چند پتیاں اپنے ہاتھ میں اٹھائی تھیں۔

"یہ دیکھو! یہ پھول ہیں۔ کتنی اچھی خوشبو ہے اس کی...." اس نے اپنی ہتھیلی پر رکھے پھول اس کے سامنے کیے تھے۔

"اور یہ....." اس کا ہاتھ سختی سے پکڑتے وہ آگے لے گیا تھا۔

"یہ کرٹنز ہیں، یہ ٹیبل ہے، یہ کینڈلز ہیں اور یہ کیک..... خون کہیں بھی نہیں ہے۔" اس کے چہرے کو اپنے ہاتھوں کے پیالے میں بھرتے وہ اسے باور کروا رہا تھا۔

"مم.... مجھے گھر جانا ہے۔" وہ کچھ بھی سوچ یا سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

"نہیں جانا گھر، یہی پر رہنا ہے، سمجھی تم....." اب کی بار وہ غصے سے گویا ہوا تھا۔

وہ روتے، سسکتے ان بکھری گلاب کی پتیوں کے درمیان بیٹھ گئی تھی۔ دروازے کالاک کھولنا اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا مگر بات ہمیشہ اس کی ذہنی حالت پر آکر رک جاتی تھی۔ اپنے ہواس کھونے کے بعد وہ کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ ماہم کی قید میں اتنے عرصے تک رہنے کی واحد وجہ بھی یہی تھی۔

"جب کیک کٹ کرنے کا موڈ ہو تب بتا دینا۔" حاتم نے گویا اپنے دل پر پتھر رکھ لیا تھا۔ وہ اپنی نین کی آنکھوں میں ایک آنسو بھی برداشت نہیں کر سکتا مگر آج وہ اسے جان بوجھ کر تکلیف پہنچا رہا تھا۔ مگر یہ ضروری بھی تھا، اس کا ڈر ختم کرنے کے لیے یہ بے حد ضروری تھا۔

وہ چپ چاپ جا کر کرسی پر بیٹھ گیا تھا۔ وہ نجانے کتنی دیر روتی رہی تھی۔ کبھی وہ چلانے لگ جاتی تھی تو کبھی اس حادثے کو دہرانے لگ جاتی تھی مگر حاتم اس سے بالکل لاتعلق کرسی پر آرام سے ٹانگ پر ٹانگ جمائے بیٹھا تھا۔

ایک گھنٹے بعد وہ رو رو کر تھک گئی تھی۔

"اٹھاؤ مجھے، کیک کٹ کرتے ہیں۔" بھرائی آواز کے ساتھ وہ منمنائی تھی جبکہ حاتم کے لبوں کو مسکراہٹ سے چھوا تھا جسے وہ اگلے ہی لمحے کمال مہارت سے چھپا گیا تھا۔ چہرے پر متانت سجائے وہ اٹھ کر نین کی جانب آیا تھا۔ اس نے غصے سے اس کا بڑھا ہوا ہاتھ سختی سے تھاما تھا۔ اپنے ناخن اس کی ہتھیلی میں چھبانا وہ نا بھولی تھی۔ اس کی اس حرکت پر حاتم نے بامشکل امڈتے قہقہے کو ضبط کیا تھا۔

عینین نے آنکھیں بند کیے حاتم کے ساتھ وہ کیک کٹ کیا تھا۔

حاتم کیک کا پیس اس کے لبوں تک لے گیا تھا۔ عینین نے آنکھیں کھولے پہلے اس پیس کو دیکھا تھا پھر ٹیبل پر پڑے اس بڑے سائز کے کیک کو اور پھر اس نے آہستگی سے ایک نظر پورے ٹیرس پر گھمائی تھی۔ اس کا صبر یہیں ختم ہوا تھا۔ وہ چکراتے سر کے ساتھ حاتم کی باہوں میں جھول گئی تھی۔

عینین کی آنکھ صبح دس بجے کے قریب کھلی تھی۔اٹھتے ساتھ ہی اسے اپنے سر پر مسلط وہی دو ملازماؤں کا چہرہ دکھا تھا۔

"گڈ مارننگ میم!"انہوں نے ہر روز کی طرح وہی الفاظ دہرائے تھے۔آنکھیں کھولتے ساتھ ہی اس کے ذہن کے پردے پر کل رات والا قصہ لہرایا تھا۔

"عمر کہاں ہے؟"وہ غصے سے دمکتے چہرے کے ساتھ اٹھ کر بیٹھی تھی۔

"سر کسی کام سے باہر گئے ہوئے ہیں۔ تھوڑی دیر تک آجائے گے۔آپ ناشتے میں کیا لے گی میم؟"

"زہر.....اور اپنے اس سر کو بھی بتا دینا کی اگر اپنی بھلائی چاہتا ہے تو آج گھر نا آئے۔"وہ تلملاتے ہوئے بستر سے اٹھی تھی۔

اگلے دو گھنٹے عینین نے بہت مشکل سے گزارے تھے۔اسے کبھی غصہ آرہا تھا تو کبھی رونا.....اس کا عمر اس کے ساتھ یہ سب کیسے کر سکتا تھا؟

"گڈ مارننگ جاناں!"اپنے پیچھے سے حاتم کی آواز سنتے وہ کرنٹ کھا کر پلٹی تھی۔

"ناشتہ کیوں نہیں کیا میری نین نے؟"اس کا کیچر کھولے حاتم اس کے قریب ہوا تھا۔عینین کے بھورے ریشمی بال کمر پر پھیل گئے تھے جبکہ آنکھیں غضب ڈھا رہی تھیں۔

"اب اتنے پیار سے تو مت دیکھو نا...."حاتم نے اسے چھونا چاہا تھا مگر عینین نے فوراً ہی اس کا ہاتھ جھٹک دیا تھا۔

"مجھے گھر جانا ہے۔"ایک ایک لفظ چبا چبا کر ادا کیا گیا تھا۔

"ہم اس وقت گھر پر ہی موجود ہیں نین!"

"مجھے اپنے گھر جانا ہے۔ مجھے بھائی کے پاس جانا ہے۔" دو موٹے موٹے آنسو تیرتے ہوئے اس کی گال پر لڑھک گئے تھے۔

"کیا.....؟" اسے شدید قسم کا جھٹکہ لگا تھا۔

"مجھے میرے بھائی کے پاس جانا ہے۔ وہ مجھ سے بہت پیار کرتے ہیں۔ مجھے نہیں رہنا تمہارے ساتھ....." ہاتھوں میں چہرہ چھپائے وہ بلک بلک کر رو رہی تھی۔

حاتم کا پارہ سوا نیزے پر چڑھا تھا۔ اس کی ساری ریاضتیں جیسے بے مول ہوئی تھیں۔ صرف کل رات کی وجہ سے وہ کیسے اس کی بے پناہ محبت کو بھول سکتی تھی؟؟؟

"میرے بھائی بہت اچھے ہیں۔ انہوں نے مجھے کبھی تکلیف نہیں پہنچائی بلکہ میں نے ان کے ساتھ غلط کیا۔ مجھے میرے گھر چھوڑ کر آؤ۔" خونی رشتے اتنی آسانی سے نہیں ٹوٹتے۔ پہلے وہ غصے میں تھی مگر اب حاتم کی ایک غلطی کی وجہ سے اس کی سوئی محبت جاگ اٹھی تھی۔ سارا غصہ جیسے جھاگ بن کر اڑا تھا۔

"نین! یہاں بیٹھو....." حاتم نے اپنے غصے کو ضبط کرتے اسے شانوں سے تھام کر صوفے پر بٹھایا تھا۔ وہ اب بھی رو رہی تھی۔

"نائل بھائی مجھے پسند نہیں کرتے۔ وہ شروع سے ہی اس نکاح کے خلاف تھے۔" اس نے اپنا لہجہ حد درجے نرم رکھا ہوا تھا۔

"میں نے اتنے سال ان کی بہت منتیں کیں کہ مجھے تم سے جدا نا کریں یہاں تک کہ میں انہیں خط بھی لکھتا رہا۔" خط کے پیچھے اس نے "دھمکی آمیز" کہنے سے گریز کیا تھا۔

"میں نے ان کے آگے ہاتھ جوڑے اور پتا نہیں کیا کیا نہیں کیا۔ بس پیر پکڑنے کی کسر رہتی تھی۔" تیر اور گولیاں مارنے جیسی غیر اہم بات بتانا اس نے ضروری نہیں سمجھا تھا۔

آنسو اب تھم چکے تھے۔ وہ دم سادھے اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ اپنے شوہر کے چہرے پر اس قدر بے چارگی دیکھ اس کا دل نرم پڑنے لگا تھا۔

"میں تو ابھی بھی یہی چاہتا تھا کہ تمہاری رخصتی تمہارے گھر سے ہو۔ میں نے نائل بھائی کو فون بھی کیا تھا لیکن جو الفاظ انہوں نے مجھے کہے وہ میں تمہارے سامنے دہرا نہیں سکتا۔" عینین کی آنکھوں میں بے یقینی ابھری تھی۔

"لیکن میں نے پھر بھی ہار نہیں مانی، میں تو تمہارے گھر بھی گیا تھا کہ تمہارے بھائی سے ایک بار پھر التجا کروں کہ وہ ہماری شادی میں شامل ہو جائیں۔ میرے ساتھ چاہے وہ جیسا مرضی سلوک کریں مگر تم تو ان کی بہن ہو نا.... کم از کم تمہارے سر پر ہی شفقت کا ہاتھ رکھ دیں۔ لیکن وہاں جا کر مجھے پتا چلا کہ وہ تو گھر پر ہی نہیں ہیں۔ وہ اپنی بیوی کے ساتھ پیرس گھومنے گئے ہوئے ہیں۔" عینین کا چہرہ آنسوؤں سے تر ہو چکا تھا۔ وہ ایک بار پھر اسے نائل سے بدگمان کرنے میں کامیاب ٹھہرا تھا۔

محبت انسان کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سلب کرتی ہے۔ انسان کو صرف اپنے محبوب کی کہی بات ہی سچ لگتی ہے۔

"اور جو کل رات میرے ساتھ تم نے کیا، اس کا کیا....؟" اس نے ڈبڈبائی نظروں سے اس کی جانب دیکھا تھا۔

"میں بس تمہارا ڈر ختم کرنا چاہتا ہوں۔ بھلا یہ بھی کوئی ڈرنے کی چیزیں ہیں؟ سرخ رنگ تو بہت خوبصورت رنگ ہے۔ میں تمہیں اس رنگ میں دیکھنا چاہتا ہوں۔" حاتم نے اس کے گرد اپنا حصار قائم کیا تھا۔

"تم مجھے خون میں دیکھنا چاہتے ہو؟" آواز میں نمی کا عنصر اب بھی واضح تھا۔

"میں تمہیں اپنی شادی کی پہلی رات سرخ جوڑے میں دیکھنا چاہتا ہوں۔اور جہاں تک بات ہے خون کی، تو میں تو اپنی نین کی آنکھ میں ایک آنسو بھی برداشت نہیں کر سکتا تم خون کی بات کرتی ہو؟" حاتم نے اس کے سر پر بوسہ دیا تھا۔وہ ایک بار دبک کر پیچھے ہٹی تھی۔

"کل ہمارا نکاح ہے۔اور نکاح کے بعد یہ گریز میں بالکل برداشت نہیں کروں گا۔" حاتم نے اسے پیار بھری دھمکی دی تھی۔وہ فوراً جھنپ گئی تھی۔

"جاؤ جا کر منہ دھو کر آؤ پھر ناشتہ کرتے ہیں۔" وہ منہ بناتی اٹھی تھی۔

اس کے جانے کے بعد وہ گردن پیچھے کی پھینک کر دل کھول کر ہنسا تھا۔

"ویل ڈن ڈیوڈ! تم اداکاری بھی اچھی کر لیتے ہو۔" حاتم نے خود کو داد دی تھی۔

---

آج نائل سنیہا کو باہر لے کر آیا تھا۔دونوں نے ساتھ میں لنچ کیا تھا پھر اس کے بعد اچانک ہی نائل کا شاپنگ کا ارادہ ہوا تھا۔سنیہا نے کوئی رد عمل ظاہر نہیں کیا تھا۔وہ چپ چاپ اس کی ہر بات مان رہی تھی۔

چند ڈریسز اور جیولری خریدنے کے بعد وہ لوگ ابھی مال سے باہر ہی نکل رہے تھے جب پیچھے سے ایک آواز آئی تھی۔

"نائل....." ایک شخص مسکراتا ہوا وہاں آیا تھا۔

"اسد...." نائل نے بھی مسکرا کر اس سے مصافحہ کیا تھا۔

"نئی گرلفرینڈ ہاں.....؟" اس نے سر تا پیر گہری نظروں سے سنیہا کا جائزہ لیا تھا۔

نائل نے ضبط سے مٹھیاں بھینچی تھیں۔

"نہیں صرف دوست ہے۔" سنیہا کا ہاتھ تھامے وہ تیزی سے آگے بڑھا تھا۔ وہ بے یقینی سے اپنے شوہر کو دیکھتی رہی تھی۔ گاڑی تک پہنچتے نائل کا چہرہ دھندلا یا تھا۔ سنیہا کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔

نائل نے بغیر کچھ کہے غصے سے گاڑی سٹارٹ کی تھی۔ سنیہا اس قدر شاک میں تھی کہ اسے پتا ہی نہیں چلا کہ کب گھر تک کا سفر طے ہوا تھا۔

گاڑی رکتے ہی اسے ہوش آیا تھا۔ وہ چپ چاپ اٹھ کر مرے مرے قدموں کے ساتھ اپنے کمرے کی جانب بڑھی تھی۔

ٹھیک آدھے گھنٹے بعد نائل کمرے میں داخل ہوا تھا۔ اسے گم صُم بستر پر بیٹھے دیکھ وہ اس کے پاس آ بیٹھا تھا۔

"میں نے پبلکلی ہماری شادی اناؤنس نہیں کی۔ مجھے امید ہے تم مجھے سمجھو گی۔" نائل نے اس کا دودھیا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا تھا۔

"میں نہیں سمجھوں گی تو اور کون سمجھے گا۔" وہ استہزایہ ہنسی تھی۔

"بس آپ مجھے ایک بتائیں کہ آخر آپ نے مجھ سے نکاح کیوں کیا؟" اپنا ہاتھ اس کی گرفت سے آزاد کرواتے وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ نائل بھی اس کے ساتھ ہی اٹھا تھا۔

"ڈیڈ سے انتقام لینا تھا تو مجھ سے نکاح کیوں کیا؟ اگر ڈیڈ نے چند پیسوں کے عوض مجھے بیچ ہی دیا تھا تو نکاح کرنے کی کیا ضرورت تھی؟" نائل نے سوالیہ نظروں سے اس کی جانب دیکھا تھا۔

"نکاح کے بغیر رکھ لیتے مجھے اپنے پاس، وہ کیا کہہ رہا تھا آپ کا دوست.....؟ ہاں گرل فرینڈ....." وہ آج بولنے پر آئی تھی تو تمام تر لحاظ بھول بیٹھی تھی۔

"سنیہا.....!" نائل نے غصے سے اس کی کلائی دبوچی تھی۔

"کیا سنیہا.....؟" اپنا ہاتھ چھڑواتی وہ چلا اٹھی تھی۔

"جب ساری دنیا کے سامنے اپنانے کی ہمت نہیں تھی تو پھر نکاح کیوں کیا تھا؟"

"مجبوری ہے میری، نہیں بتا سکتا سب کو....."نائل نے نظریں چرائی تھیں۔

"ایسی بھی کیا مجبوری ہے جو ہمارے رشتے کو ایک گالی ہی بنا دیا آپ نے؟؟"وہ بے بسی سے چلا اٹھی تھی۔

"میں بس تمہاری حفاظت کرنا چاہتا ہوں۔"وہ اسے کچھ بھی نہیں سمجھا سکتا تھا۔

"آپ پلیز چلے جائیں یہاں سے، میں اس وقت آپ کا چہرہ نہیں دیکھنا چاہتی۔"وہ بری طرح رو رہی تھی۔نائل کچھ لمحے اسے دیکھتا رہا تھا پھر اس نے پیچھے کی جانب قدم اٹھائے تھے۔فلحال اسے اکیلا چھوڑ دینا ہی بہتر ہے۔

تھوڑی دیر رونے کے بعد سنیہا نے اپنے گال رگڑتے فون اٹھایا تھا۔

"مجھے تم سے ملنا ہے کبیر!"اس نے بھرائی آواز کے ساتھ کہا تھا۔

---

ڈیوڈ اپنے کمرے میں بیٹھا کچھ ضروری فائلز الٹ پلٹ کر دیکھ رہا تھا جب اس کا فون بجا تھا۔نائل کی کال دیکھ کر اس کے لبوں پر تیکھی مسکراہٹ ابھری تھی۔

"تم سمجھتے کیا ہو خود کو....ہر چیز میں ٹانگ اڑانا ضروری ہے۔ماہم کو کہاں غائب کیا ہے۔سچ سچ بتاؤ کہاں ہے وہ؟؟"شوروم میں اسے نا پا کر وہ غصے سے پاگل ہوا تھا۔اتنی سکیورٹی کے باوجود صرف ڈیوڈ ہی یہ جرات کر سکتا تھا۔

"ریلیکس سالے صاحب! سانس تو لے لیں۔"فائل سائیڈ پر رکھے ڈیوڈ نے تحمل بھرے انداز میں کہا تھا۔

"ماہم کہاں ہے ڈیوڈ؟"نائل کا چہرہ غصے سے تمتما اٹھا تھا۔

"مجھے کیا پتا....."صوفے کی پشت سے ٹیک لگائے اس نے بہت اطمینان سے کہا تھا۔

"تم آخر سدھرتے کیوں نہیں ہو؟" وہ بے بسی سے چلا اٹھی تھی۔

"آہ یہ کیا کہہ رہے ہیں سالے صاحب! میں تو نہایت شریف اور مہذب شہری ہوں۔ ایک سدھرا ہوا انسان.... کسی انسان کو غائب کرنا میرے بس کی بات نہیں ہے۔ میں نے تو کبھی ایک مچھر تک نہیں مارا۔ آپ تو نہایت خوش قسمت ہیں سالے صاحب جو آپ کو مجھ جیسا معقول بہنوئی ملا ہے۔" اس نے لب دبائے کہا تھا۔ نظروں کے سامنے نائل کا لال دمکتا ہوا چہرہ لہرایا تھا۔

"Ohh Shut Up....."

اگر وہ اس کے سامنے ہوتا تو یقیناً وہ ڈیوڈ کا بہت برا حشر کر چکا ہوتا۔

"Same to you Salee Sahab....."

لہجہ اب بھی اطمینان بخش تھا۔

"Go to hell....."

نائل نے غصے سے کال کاٹی تھی۔

"You also....."

ڈیوڈ نے جاندار قہقہ لگایا تھا۔

---

نائل کی غیر موجودگی کا فائدہ اٹھاتے سنیہا کیفے گئی تھی۔

"تم اب بھی سوچ رہی ہو سنیہا! اس شخص نے تمہارے ساتھ کیا کچھ نہیں کیا اور تمہیں اب بھی اس کی فکر ہے۔"

"پھر میں کیا کروں کبیر.....؟" وہ بری طرح ہاری ہوئی تھی۔

"جو میں کہہ رہا ہوں وہ کرو۔"

"مگر....."

"اگر مگر کچھ نہیں سنیہا، اس نے تم سے جھوٹ بولا، تمہیں دھوکہ دیا اور نجانے کیا کچھ نہیں کیا تمہارے ساتھ.....سب کچھ ریڈی ہے بس تم اس سے کسی بھی طرح پیپرز سائن کروالو۔"

"ہمم....."وہ گہری سوچ میں ڈوبی تھی۔

---

ماہم کو ڈیوڈ نے ایک خفیہ جگہ پر رکھا ہوا تھا۔وہ آج اس سے ملنے کے لیے آیا تھا۔وہ کرسی پر رسیوں سے بندھی ہوئی تھی جبکہ وہ بالکل اس کے سامنے میز کی دوسری طرف آرام دہ کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔اس کے دونوں ہاتھ سر کے پیچھے تھے جبکہ میز پر قینچی کی صورت میں ٹانگیں رکھی ہوئی تھیں۔ماہم کو پہلے ہی نائل نے کافی ٹارچر کیا تھا اور اب جب سے اسے پتا چلا تھا کہ وہ ڈیوڈ کے پاس ہے، اسے تو سانس بھی مشکل آرہی تھی۔

"کچھ کھائیں گی پھوپھو جی.....؟"بالآخر اس نے بات کا آغاز کیا تھا۔اس کی آواز سنتے وہ بری طرح سہمی تھی۔

"مجھ سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے پھوپھو جان! میں ایک سیدھا سادھا سا انسان ہوں، آپ کے بھتیجے کی طرح ظالم تھوڑی ہوں۔"میز سے ٹانگیں ہٹائے وہ اپنا کوٹ درست کرتا کھڑا ہوا تھا۔ماہم کی جان جیسے ہتھیلی پر آئی تھی۔اس کا سارا وجود پسینے سے بھیگ گیا تھا۔

اب وہ مغرورانہ چال چلتا اس کے پاس آرہا تھا۔اس کے بڑھتے ہر قدم کے ساتھ ماہم کی سانسوں کی رفتار تیز ہورہی تھی۔جو کچھ وہ عینین کے ساتھ کر چکی تھی اس کے بدلے نجانے وہ اس کے ساتھ کیا کرنے والا تھا۔

"دو آپشنز دیتا ہوں تمہیں....."کرسی پر جھکتے ڈیوڈ نے اس کے کان کے پاس سرد سرگوشی کی تھی۔

"ویسے یہ میرے اصولوں کے خلاف ہے لیکن رشتہ داری کا بھی تو بھرم رکھنا ہے نا....." وہ چل کر کرسی کی دوسری جانب آیا تھا۔ اب اس نے جھک کر ایک ہاتھ کرسی پر رکھا تھا تو دوسرا ٹیبل پر...... ماہم نے سختی سے آنکھیں میچی تھیں۔ اس کا سارا وجود لرز رہا تھا۔

"زندگی یا موت..... کوئی ایک چن لو۔"

"موت..... پلیز مجھے مار دو۔ مجھے تمہاری دی ہوئی زندگی نہیں چاہیئے۔" وہ کسی ربورٹ کی مانند تیزی سے گویا ہوئی تھی جبکہ لہجے میں ڈر کا عنصر واضح تھا۔ ڈیوڈ کے لبوں پر معنی خیز مسکراہٹ بکھری تھی۔ بلیک مونسٹر کی دی ہوئی زندگی آخر کون قبول کر سکتا تھا؟؟؟

"تو پھر ایک ڈیل کرتے ہیں۔ تمہیں میری دو باتیں ماننی ہوں گی بدلے میں میں تمہیں موت دوں گا۔ منظور ہے؟" وہ چل کر اب اس کے سامنے آکھڑا ہوا تھا۔

"پہلے وعدہ کرو کہ آسان موت دو گے۔" وہ سسکی تھی۔

"آف کورس! بہت آسان....." اس نے بے حد لاپروائی سے کہا تھا۔

"یہ تمہارا فون ہے۔ اس سے الیکس کو کال کرو۔ وہ تمہاری کال نہیں اٹھائے گا، تم پھر کرو گی، وہ پھر نہیں اٹھائے گا۔ پانچ سے چھے بار کال کرنے کے بعد تم اسے میسیج کرو گی کہ تمہارے پاس اس ساری صورت حال سے نکلنے کے لیے زبردست پلین ہے۔ ایسا پلین جس سے تم اور الیکس دونوں ہی بچ جاؤں گے مگر اس کے لیے اسے تم سے ملنا ہوگا۔" اس نے اشارے سے اپنے ایک آدمی کو اس کی رسیاں کھولنے کا کہا تھا۔

"یہ سب تم خود بھی تو کر سکتے ہو تو پھر میں....."

"ایک تو بیچ میں بولنے والے لوگ مجھے سخت زہر لگتے ہیں۔" ڈیوڈ نے زور سے اپنا ہاتھ میز پر مارا تھا۔ وہ پھر سہم گئی تھی۔

"کیا ہے نا پھو پھو جان! جب آپ میسیج کرے گی تو وہ پلٹ کر فون تو کرے گا نا، اس فون کو تو آپ ہی سنے گی نا....."ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے وہ میز پر بیٹھا تھا، اس کے بالکل سامنے.....

"دوسری بات کون سی ہے؟" ماہم نے ڈرتے ڈرتے پوچھا تھا۔

"پہلے ایک کام ہو جائے پھر دوسرے کی طرف آئیں گے۔" ڈیوڈ نے اسے فون تھمایا تھا۔

ماہم نے لرزتی انگلیوں سے اس کا نمبر ملایا تھا۔ پانچ بار کال کرنے کے بعد اس نے میسج کیا تھا۔ اس کے میسج کرتے ساتھ ہی ڈیوڈ نے اس سے فون چھین لیا تھا۔

"پھو پھو جان کو کوئی پانی وانی پلاؤ۔" ڈیوڈ نے ایک بار پھر اشارہ کیا تھا۔

اس کے حکم کو بجالاتے ماہم کو پانی پلایا گیا تھا۔ اس نے سیر ہو کر پانی پیا تھا۔ نائل نے اسے بھوکا پیاسا رکھا ہوا تھا جس وجہ سے وہ دن بدن کمزور ہوتی جا رہی تھی۔

"کھانا لے کر آؤ۔" اس کے اگلے حکم پر ماہم نے چونک کر اس کی جانب دیکھا تھا۔ اسے اپنی جانب دیکھتا پا کر وہ عجیب انداز میں مسکرایا تھا۔ ماہم کو تو اس کی ہنسی سے بھی خوف آرہا تھا۔

وہ اس قدر مہربانی کی وجہ سمجھ نہیں سکی تھی۔ شاید وہ اسے حلال کرنے سے پہلے کھلا پلا رہا تھا جیسے کسی بکرے کو ذبح کرنے کے سے پہلے کھلایا پلایا جاتا ہے۔

---

نائل اور محسن رات کے پہر ایک پارک میں موجود بینچ پر بیٹھے تھے۔ نائل آجکل بہت پریشان رہتا تھا، اسی وجہ سے محسن اسے باہر لایا تھا تاکہ وہ اچھا محسوس کر سکے۔

"تم عینین کے لیے کیوں کچھ نہیں کر رہے؟ ہم اسے واپس لا سکتے ہیں۔" محسن کو عینین کی جانب سے اس کی یہ لاپروائی ہمیشہ ہی کھٹکتی تھی لہذا اس نے آج پوچھ ہی لیا تھا۔

"وہ میری بہن ہے۔ میں اس سے بے خبر نہیں ہوں۔ ہم اسے واپس نہیں لا سکتے۔ وہ نہیں آئے گی، اگر میں زور زبردستی کروں گا تو مجھ سے مزید بدگمان ہو جائے گی۔" اس نے گہری سانس خارج کرتے سامنے موجود درخت کے ہلتے پتوں پر نظریں جمائی تھیں۔

"تو تم اسے ایسے ہی موت کے کنویں میں چھوڑ دو گے؟" لہجہ اب کی بار تھوڑا مشتعل انگیز تھا۔

"وہ جہاں ہے بالکل محفوظ ہے۔ اگر اپنے بعد میں عینین کے حوالے سے کسی پر اعتبار کرتا ہوں تو وہ حاتم ہے یا پھر شاید خود سے بھی پہلے....." وہ عجیب انداز میں ہنسا تھا جبکہ محسن سراسیمہ رہ گیا تھا۔

"وہ اسے کبھی نقصان نہیں پہنچائے گا۔ وہ اسے نقصان پہنچا ہی نہیں سکتا۔ مجھے کبھی یہ خوف نہیں تھا کہ وہ عینین کو کوئی تکلیف پہنچائے گا، مجھے بس اس بات کا ڈر ہے کہ اس کی حقیقت جاننے کے بعد وہ بالکل ٹوٹ جائے گی، بکھر جائے گی۔ وہ یہ سب برداشت نہیں کر سکے گی۔ وہ لاکھ برا سہی مگر اپنی نین کے لیے وہ صرف اس کا عمر ہے۔ اور عمر کبھی اپنی نین کو تکلیف نہیں پہنچا سکتا۔" وہ کہہ کر خاموش ہوا تھا۔ محسن کی قوت گفتار جیسے چھین گئی تھی۔ اس نے مزید کچھ نہیں کہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ گھر لوٹا تھا۔ سنیہا اپنے کمرے میں بستر پر کمبل اوڑھے بیٹھی تھی۔ نائل کے آنے پر بھی اس نے کوئی ردعمل ظاہر نہیں کیا تھا۔

"اب بس بھی کر دو۔ ختم کرو اس ناراضگی کو....." بستر پر نیم دراز ہونے کے بعد اس نے سنیہا کا ہاتھ پکڑا تھا۔ لہجہ معذرت خوانہ تھا۔

"ایک شرط پر....."

"کیسی شرط.....؟"

"مجھے ضمانت چاہیئے۔"

"کیسی ضمانت.....؟"اس کے ماتھے پر پڑی سلوٹیں گہری ہوئی تھیں۔

"میں چاہتی ہوں کہ آپ سکیورٹی کے نام پر یہ گھر میرے نام کر دیں۔ میرا اس دنیا میں اب کوئی نہیں ہے۔ اگر آپ نے کل مجھے چھوڑ دیا تو کم از کم میرے پاس رہائش تو ہونی چاہیئے نا......"اسنے نظریں ملائے بغیر کہا تھا۔ شاید اسے خوف تھا کہ وہ اس کی چوری پکڑ لے گا۔

"تم ہوش میں ہو؟"وہ جھٹکہ کھا کر اٹھا تھا۔

"کیا میں نے کچھ غلط مانگ لیا ہے؟"وہ اس کی سمت مڑی تھی۔

"بالکل! یہ گھر میرے اکیلے کا نہیں ہے، میری بہن کا بھی حصہ ہے اس میں.....اور اگر نا بھی ہوتا تب بھی میں یہ تمہارے نام کبھی نا کرتا۔"اس کی اس قدر صاف گوئی پر سنیہا لب بھینچ کر رہ گئی تھی۔ اس نے سختی سے چادر کو اپنی مٹھی میں جکڑا تھا۔

"یہ گھر نا سہی کوئی اور فلیٹ یا پھر گھر میرے نام کر دیں۔"اس نے نہایت تحمل کا مظاہرہ کرتے کہا تھا۔

"ٹھیک ہے۔"یہ بات اس کے لیے قابل قبول تھی۔

"میں چاہتی ہوں کہ پیپرز آپ میرے سامنے سائن کریں۔"خشک لبوں پر زبان پھیرتے اس نے اب بھی اس کی جانب دیکھنے سے گریز کیا تھا۔

"اوکے!"نائل نے اس بار بھی کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔

---

عینین کے گھر جانے کے بعد وہ صوفی کے کمرے میں ادھر سے ادھر چکر کاٹتا مسلسل اپنا غصہ نکال رہا تھا۔

"بس ایک بار رخصتی ہو جانے دو۔ اس ٹڈی کا تو میں وہ حشر کروں گا کہ یاد رکھے گی۔ سارے گھر کے کام اس سے نا کروائے نا تو میرا نام بدل دینا۔ میرے سامنے نظر اٹھانے تک کی ہمت نہیں ہو گی اس کی.....فٹ بال

کی طرح گھما گھما کر ماروں گا اسے، کسی کاغذ کے صفحے کی طرح پچکار کر رکھ دوں گا۔" حاتم نے ایک ہاتھ کا پنچ بنا کر دوسرے ہاتھ کی ہتھیلی پر مارا تھا۔ صوفی جو اسائمنٹ بنانے میں مصروف تھی، اپنے بھائی کی باتیں سن کر اس نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔

"جیسے کپڑوں کو نچوڑتے ہیں نا، میں اس کی گردن پکڑ کر ویسے ہی گھماوں گا۔" حاتم نے دونوں ہاتھوں کو گھماتے ہوئے کہا تھا۔ صوفی کے چہرے پر بے اختیار مسکرہٹ ابھری تھی۔

"کسی باکسنگ پنچ کی طرح اسے اتنا ماروں گا کہ ساری زندگی یاد رکھے گی۔" اب وہ کھڑا ہوائی باکسنگ کر رہا تھا۔ صوفی کا قہقہ چھوٹا تھا۔

"تمہارے دانت کس خوشی میں نکل رہے ہیں؟" حاتم نے آنکھیں سکیڑے اسے گھورا تھا۔

"ترس آرہا ہے مجھے....." صوفی نے لب دبائے کہا تھا۔

"وہ ٹڈی ترس کے قابل نہیں ہے۔" حاتم نے اس کی بات کی فوراً تردید کی تھی۔

"اس پر نہیں مجھے تم پر ترس آرہا ہے۔ جو صرف آٹھ سال کی عمر میں تمہیں اپنے اشاروں پر نچا سکتی ہے، سوچو انیس بیس سال کی عمر میں وہ تمہارے ساتھ کیا کرے گی؟؟؟"

"چچ، چچ، چچ....." صوفی نے تپا دینے والی مسکراہٹ اس کی جانب اچھالی تھی۔ حاتم کا پارہ سوا نیزے پر چڑھا تھا۔

"تم تو لوگی نا اس کی سائیڈ، نند جو ہے تمہاری..... میری تو کوئی اہمیت ہی نہیں ہے۔ بس ایک بار مجھے اس ملک کا وزیر اعظم بننے دو پھر دیکھ لوں گا میں ایک ایک کو....." اسے وارننگ دیے وہ پیر پٹختا کمرے سے باہر گیا تھا۔ وہ گردن پیچھے کی طرف پھینکتے ہنستی ہی چلی گئی تھی۔

"یہ لو تمہارے پیپرز......!" نائل نے پیپرز اسے تھماتے کہا تھا۔ خود وہ صوفے پر ڈھے گیا تھا۔ اس کے چہرے پر تھکن کے آثار واضح تھے۔

"اتنی جلدی...." سنیہا کی زبان خود بخود پھسلی تھی۔ وہ ذہنی طور پر اس کے لیے تیار نہیں تھی۔

"میری بیوی کی فرمائش تھی، پوری تو کرنی تھی نا....." وہ تھکے تھکے انداز میں مسکرایا تھا۔ ایک لمحے کے لیے وہ دم بخود رہ گئی تھی۔ کیا اس نے واقعی "میری بیوی" کہا تھا یا پھر اسے سننے میں غلطی ہوئی تھی۔

"سائن کر دیے آپ نے.....؟ ہاتھوں کی کپکپاہٹ کو چھپاتے اس نے مضبوط لہجے میں پوچھا تھا۔

"تم نے تو کہا تھا کہ تمہارے سامنے کروں۔" نائل نے عجیب انداز میں اسے دیکھا تھا۔

"جی....." وہ بدقت مسکرائی تھی۔

"سائن کی فکر ہے تمہیں، اور شوہر کی بالکل بھی نہیں.....ایک کپ اچھی سی کافی ہی پلا دو۔"

"جی لاتی ہوں۔" وہ سر جھکائے کمرے سے باہر گئی تھی۔

تھوڑی دیر بعد جب وہ کمرے میں داخل ہوئی تھی تو نائل پلنگ کے پاس کھڑا تولیے کی مدد سے اپنا منہ صاف کر رہا تھا۔ گیلے بال اس کے ماتھے پر بکھرے ہوئے تھے۔

سیاہ رنگ کی جینز کے اوپر فروزی رنگ کی ٹی شرٹ پہنے وہ بہت ہی ہینڈسم دکھ رہا تھا۔ وہ نظریں ہٹانا بھول گئی تھی۔ صاف پانی کی کچھ بوندیں اب بھی اس کے چہرے پر عیاں تھیں۔ سنہری پرکشش آنکھیں، بیضوی چہرہ، کسرتی جسامت.....آخر کیا نہیں تھا اس شخص کے پاس؟؟؟ کوئی بھی لڑکی باآسانی اپنا سب کچھ اس پر ہار سکتی تھی۔

کاش کہ وہ صرف اس کا ہوتا۔ کاش کہ وہ محو غم دوش نا ہوتا، کاش.....اس کاش کے آگے کچھ نہیں تھا، سوائے حسرتوں کے....

"Thank you!"

سنیہا کو ہوش تب آیا تھا جب نائل نے اس کے ہاتھوں سے کافی کا مگ تھاما تھا۔

"پین لادو۔"صوفے پر بیٹھتے اس نے کافی کا ایک سپ لیا تھا۔

"کیوں.....؟"

"سائن نہیں کرنے کیا.....؟"اسے دیکھتے وہ عجیب انداز میں ہنسا تھا، گویا اس کی عقل پر ماتم کیا ہو۔

سنیہا کا دل جیسے مٹھی میں بند ہوا تھا۔

"کیا یہ سب کرنا ضروری ہے؟؟؟"دل نے سوال اٹھایا تھا۔

"شاید ہاں....."دماغ نے فوراً سگنل دیا تھا۔وہ آج اچھا تھا مگر کل دوبارہ اس کا وہی رویہ ہونا تھا۔وہ اچھے سے سمجھ چکی تھی کہ اس کی سرشت کسی صورت تبدیل نہیں ہونے والی۔

سنیہا نے دھڑکتے دل کے ساتھ نائل کو پین پکڑایا تھا۔کافی کا مگ سائیڈ پر رکھے نائل نے فائل اٹھائی تھی۔سنیہا بھی اس کے پاس بیٹھ گئی تھی۔اس کے سائن کرنے سے پہلے ہی وہ مگ کو ہاتھ مار کر اس کی شرٹ پر کافی گرا چکی تھی۔

"آئی۔ایم۔رئیلی سوری! میں نے جان کر نہیں کیا۔"اس نے یہ سب جان کر ہی کیا تھا لیکن پھر بھی وہ ایسے بدحواس ہوئی تھی جیسے یہ انجانے میں ہوا ہو، وجہ نائل کا خوف تھا۔

"اٹس اوکے!"اپنی شرٹ صاف کرتے وہ کھڑا ہوا تھا۔ساتھ ہی ساتھ اس نے ایک اچٹتی نگاہ سنیہا پر ضرور ڈالی تھی۔

"میں اور شرٹ نکال دیتی ہوں۔"سنیہا نے نائل کو شرٹ لا کر دی تھی۔وہ چپ چاپ چینج کرنے چلا گیا تھا۔

اس کے جاتے ہی وہ بھاگ کر شیلف کی جانب گئی تھی جہاں اور بہت سی فائلز پڑی تھیں۔ان میں سے ایک فائل نکال کر اس نے پیپرز نکالے تھے۔ہاتھوں میں لرزش کی وجہ سے پیپرز زمین بوس ہوئے تھے۔اس نے جھکتے ساتھ ہی پیپرز اٹھانے کی کوشش کی تھی مگر میز سے پیر ٹکرانے کی وجہ سے وہ وہیں گر گئی تھی۔درد کی شدت کے احساس سے آنکھوں سے پانی ابلنے لگا تھا۔بے دردی سے اپنے گال رگڑتے وہ اٹھی تھی۔اس نے جلدی سے فائلز میں موجود پیپرز کو تبدیل کیا تھا۔

آنکھوں سے ایک بار پھر پانی بہنے لگا تھا مگر اب بہت دیر ہو گئی تھی۔اب وہ پیچھے نہیں ہٹ سکتی تھی۔

نائل کے باہر آتے ہی وہ الرٹ ہوئی تھی۔نائل نے مسکرا کر ایک نظر اس کے گم صُم چہرے پر ڈالی تھی اور دوسری نظر ان پیپرز پر.....

سنیہا کا دل زور و شور سے دھڑک رہا تھا۔اگر وہ پیپرز پڑھ لیتا تو......

نائل نے فائل اٹھائے پین پکڑا تھا۔اس کے پین کھولتے ہی سنیہا کی حالت غیر ہوئی تھی۔

ایک.....دو..... تین.....اس کا دل زور و شور سے دھڑکا تھا۔

پیپرز سائن کیے نائل نے اس کی جانب بڑھائے تھے۔پیپرز تھامنا تو دور وہ تو سانس بھی نہیں لے سکی تھی۔

"سنیہا......"نائل نے اسے پکارا تھا مگر وہ نہیں سن پا رہی تھی۔

"تمہاری طبیعت مجھے ٹھیک نہیں لگ رہی، تمہیں آرام کرنا چاہیئے۔"فائل ٹیبل پر رکھے اس نے سنیہا کا گال تھپتھپایا تھا۔وہ کرنٹ کھا کر پیچھے ہٹی تھی۔

"مجھے سیلون جانا ہے۔"اسے اپنی آواز کسی کھائی سے آتی سنائی دی تھی۔

"ٹھیک ہے چلی جاؤ۔"وہ آج کل اس پر کسی قسم کی کوئی پابندی نہیں لگا رہا تھا۔سنیہا کا فون تو وہ کب کا اسے واپس کر چکا تھا۔

نائل محسن کے ساتھ لنچ کرنے ریسٹورنٹ گیا تھا۔

"کل میری سالگرہ ہے، اور اپنی سالگرہ پر میں اسے رنگ گفٹ کروں گا۔" نائل کا چہرہ کافی ہشاش بشاش تھا۔

"اچھا جی....." محسن نے ایک شاکی نگاہ اس پر ڈالی تھی۔

"میں نے اعتراف کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ میں اسے سب بتا دوں گا، سب کچھ..... جو بھی میرے دل میں ہے۔" نائل کے لبوں پر دل فریب مسکراہٹ بکھری تھی۔

"میں نے ایک ٹرپ بھی پلین کیا ہے۔ میں ہر چیز کا مداوا کرنا چاہتا ہوں۔ میں اب مزید اسے کوئی دکھ نہیں دوں گا۔ اسے لگتا ہے کہ میری زندگی میں کوئی اور ہے۔ شاید میرے اعتراف سے اسے یقین آ جائے۔" وہ اپنی نئی زندگی کا سوچتے کافی مطمئن نظر آ رہا تھا۔

"دیر آئی درست آئی۔" محسن نے بھی شکر کا کلمہ پڑھا تھا۔ نجانے نائل کو عقل کیسے آئی تھی مگر صد شکر کہ آ ہی گئی تھی۔

کھانا کھانے کے دوران محسن کو ایک ضروری کال آئی تھی۔ وہ ایکسکیوز کرتا وہاں سے اٹھا تھا۔

نائل کچھ دیر ادھر ادھر نظریں دوڑائے اس کا انتظار کرتا رہا تھا پھر اس کی نظر شیشے کے پار ایک میز پر بیٹھے دو لوگوں پر پڑی تھی۔

ایک عورت اور اس کے ساتھ بیٹھا ایک مرد.....

وہ رو رہی تھی جبکہ وہ اسے دلاسہ دے رہا تھا۔ اس لڑکی کا ہاتھ اس لڑکے کے ہاتھ میں تھا۔ نائل کی قوت صلاحیت جیسے سلب ہوئی تھی۔

وہ کوئی اور نہیں اس کی بیوی تھی جو ایک غیر مرد کے ہاتھ میں ہاتھ دیے بیٹھی تھی۔

کس قدر مطمئن تھی وہ.....؟اسے ایک لمحے کے لیے بھی یہ خوف نہیں آیا کہ وہ کسی کی بیوی اور کسی کی امانت ہے۔

وہ آپے سے باہر ہوتا اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"سنیہا تم میری بات....."اس کے ہاتھ پر دباؤ ڈالے کبیر نے ابھی جملہ بھی مکمل نہیں کیا تھا کہ کس نے اسے گریبان نے پکڑ کر اٹھایا تھا۔

نائل نے بغیر کسی لحاظ کے اس کے منہ پر دو مکے جڑے تھے۔اب اس کا دائیاں ہاتھ پکڑتے اس نے ایک ایک کر کے اس کی ساری انگلیاں توڑ ڈالی تھیں۔یہ سب کرنے میں اسے محض دس سیکنڈ لگے تھے۔

سنیہا حواس باختہ ہوتی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ساری صورتحال سمجھنے کے لیے اسے وقت درکار تھا لیکن نائل نے اسے وہ وقت نہیں دیا تھا۔کبیر کو سنبھلنے کا موقع دیے بغیر پھرتی سے میز سے فورک اٹھائے اس نے اس کا ہاتھ کھینچے فورک اس کے ہاتھ میں پیوست کیا تھا۔وہ کوئی چھری نہیں تھی،وہ کانٹے کا چمچ تھا پھر بھی وہ اس کے ہاتھ سے آر پار ہو گیا تھا۔کبیر کراہ اٹھا تھا۔چیخی تو سنیہا بھی تھی۔

"دوبارہ میری بیوی کو چھونے کی کوشش کی تو تمہارے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر کے چیل کوؤں کے آگے ڈال دوں گا۔تمہارے گھر والے ساری زندگی بھی ان ٹکڑوں کو ڈھونڈتے رہے گے تو بھی نہیں ملے گے۔"ایک ایک لفظ چبا چبا کر ادا کرتا ہوٹل کی انتظامیہ کے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی سنیہا کی کلائی دبوچے وہ وہاں سے چلا گیا تھا۔اس ساری کاروائی میں اسے صرف چالیس سیکنڈ لگے تھے۔

اسے فرنٹ سیٹ پر پٹختے اس کی تمام تر آہ پکار کو نظر انداز کرتے وہ گاڑی کو فراٹے سے اڑا لے گیا تھا۔

فون کال کرنے کے بعد محسن جب واپس لوٹا تھا تو نائل وہاں نہیں تھا۔ایک جگہ ہجوم دیکھ کر وہ وہاں پہنچا تھا۔

"سر یہ اس شخص کے ساتھ تھے۔" ایک ویٹر جس نے انہیں کھانا سرو کیا تھا، وہ محسن کو پہچان گیا تھا۔ معجمے کی نظریں اپنی جانب مبذول دیکھ محسن گھبرا گیا تھا۔ سامنے کرسی پر بے سود کراہتے ہوئے شخص کو دیکھ اس کے گلے میں گلٹی ابھری تھی۔ دل سے نجانے کیا کیا صلواتیں نائل کے لیے نکلی تھیں۔

وہ خود تو چلا گیا تھا مگر نتائج محسن کو بھگتنے پڑے تھے۔ کہاں وہ آج نائل کے پیسوں پر لنچ کرنے آیا تھا اور کہاں اس بیچارے کو ہسپتال کے بل سے لے کر پولیس کو رشوت تک دینی پڑی تھی۔

---

تاروں بھری جگمگاتی شب میں وہ اضطراب کی حالت میں کمرے میں بار بار اپنا ڈوپٹہ سیٹ کر رہی تھی۔

حسین سراپے میں نکہت سے مہکی، ہلکی پھلکی جیولری پہنے وہ آج حاتم کو چاروں خانے چت کا ارادہ رکھتی تھی۔ تھوڑی دیر بعد ان کا نکاح تھا۔ وہ سفید رنگ کے خوبصورت فراک میں ملبوس، سر پر گلابی رنگ کا ڈوپٹہ ٹکائے کسی پری سے کم نہیں لگ رہی تھی۔

مولوی صاحب کے آتے ہی ملازمہ اسے نیچے لے کر گئی تھی۔

عینین کا دل جیسے اس کی ہتھیلی پر آیا تھا۔ وہ لاکھ بہادر سہی مگر تھی تو وہ ایک لڑکی ہی..... اس موقع پر ہر عام لڑکی کی طرح وہ بے حد گھبرائی ہوئی تھی۔ ایک نئی زندگی کا آغاز اس کے لیے آسان نہیں تھا۔

"عینین آفندی آپ کا نکاح حاتم خانزادہ ولد ہارون خانزادہ کے ساتھ حق مہر پچیس لاکھ روپے سکہ رائج الوقت کیا جاتا ہے۔ کیا آپ کو قبول ہے؟" وہ ٹھٹکی تھی۔ اس نے نظر اٹھا کر سامنے بیٹھے شخص کو دیکھا تھا۔ وہ مسکرا کر اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"عینین آفندی آپ کا نکاح حاتم خانزادہ ولد ہارون خانزادہ کے ساتھ حق مہر پچیس لاکھ روپے سکہ رائج الوقت کیا جاتا ہے۔ کیا آپ کو قبول ہے؟" مولوی صاحب نے دوبارہ اپنے الفاظ دہرائے تھے۔

وہ کنفیوژ ہو کر کبھی حاتم کو تو کبھی مولوی صاحب کو دیکھ رہی تھی۔اس کا نکاح تو عمر سے ہونا تھا تو پھر یہ حاتم کون تھا؟

"نین....." حاتم نے اسے پکارا تھا۔

"مجھے قبول نہیں ہے۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔حاتم کا دماغ تو بھک سے اڑا تھا۔اس کی تو سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ہی سلب ہو گئی تھی۔

"نین تم یہ کیا کہہ رہی ہو؟" وہ غصے سے اس کی جانب بڑھا تھا۔

"بیٹا! کیا اس نکاح میں آپ کی مرضی شامل نہیں ہے؟ اگر ایسا ہے تو کوئی آپ کے ساتھ زبردستی نہیں کر سکتا۔" حاتم نے ایک کڑی نگاہ اس عمر رسیدہ شخص پر ڈالی تھی۔اگر عینین یہاں موجود نا ہوتی تو وہ اسے یہی ٹھوک دیتا۔

"مجھے نہیں کرنا یہ نکاح...." اس نے بھرائی آواز میں کہا تھا۔

"نین تم یہ کیا رہی ہو، تم ہوش میں تو ہو؟" حاتم نے دیوانوں کی طرح اسے تھامتے پوچھا تھا۔

"میں پورے ہوش و ہواس میں ہوں۔" عینین نے اس کا ہاتھ جھٹکتے کہا تھا۔

"تم مجھے دھوکہ دے رہے ہو۔ مجھ سے محبت کے دعوے کر کے تم میرا نکاح کسی فضول حاتم سے کروا رہے ہو۔تم ایسا کیسے کر سکتے ہو عمر؟" وہ ہچکیوں سمیت رو دی تھی۔اس کی بات سنتے جہاں اس کی اٹکی سانس بحال ہوئی تھی وہیں سر بھی گھوم گیا تھا۔

وہ بچپن سے ہی اس کے سر کا درد تھی تو شادی والے دن وہ کیسے اسے بخش سکتی تھی؟؟

"نین میری جان! حاتم میں ہی ہوں۔" حاتم نے اس کے چہرے کو ہاتھوں کے پیالے میں بھرتے یقین دلایا تھا۔

"مگر تم تو عمر....."

"وہ بھی میں ہی ہوں۔"عینین کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔بیس منٹ اسے سب سمجھا بجھا کر بالآخر یہ نکاح جیسا عظیم کارنامہ سرانجام دے ہی دیا گیا تھا۔

---

گھر لا کر نائل نے اسے بستر پر پٹخا تھا۔اصل جھٹکہ تو اسے تب لگا تھا جب اس نے کمرے کے ایک کونے میں بیگ پیک دیکھا تھا۔

"اوہ!تو تیاری پوری رکھی ہوئی ہے تم نے....."اسے مزید طیش آیا تھا۔

"آپ غلط سمجھ رہے ہیں،میں....."سنیہا نے ابھی سسکتے جملہ بھی مکمل نہیں کیا تھا جب نائل نے اسے بازو سے دبوچ کھڑا کیا تھا۔

"مجھے چھوڑنے کی تیاری کر رہی ہو تم.....؟"اس کا منہ دبوچ وہ غرایا تھا۔

"نہیں!میں....."نائل کی انگلیاں اسے اپنے چہرے میں دھنستی ہوئی محسوس ہوئی تھیں۔زبان سے ایک لفظ بھی نکلنا محال تھا۔

"تمہاری ہمت کیسے ہوئی میرے ساتھ بے وفائی کرنے کی؟"وہ بالکل آپے سے باہر ہوا تھا۔

"بتاؤ کس کی اجازت سے تم گئی تھی اس دو ٹکے کے شخص سے ملنے؟"اس کا منہ چھوڑے نائل نے اس کی کلائی مڑوڑے کمر سے لگائی تھی۔

"آپ غلط سمجھ رہے ہیں۔"وہ درد سے کراہتی منمنائی تھی۔

"یہی ہاتھ دیا تھا نا اس کے ہاتھ میں....."اس کا بائیاں ہاتھ سختی سے دباتے نائل نے سرخی مائل آنکھوں سے اس کی جانب دیکھا تھا۔

"بتاؤ کیا کروں میں تمہارے اس ہاتھ کے ساتھ؟" وہ جنونیت کی انتہا پر تھا۔

"کیا سزا دوں میں تمہیں.....؟ میری امانت ہو تم، کیسے خیانت کی تم نے.....؟"

"بولو کیسے کیا تم نے یہ.....؟ تم میری ہو، صرف میری.... پھر کیوں کیا تم نے یہ.....؟"

"جب خود میرے سامنے کسی اور کا ذکر کرتے ہیں تب خیال نہیں آتا؟" اسے خود سے دور کرنے کی ناکام کوشش کرتے وہ چیخ اٹھی تھی۔ اس میں یہ ہمت کہاں سے آئی تھی وہ خود نہیں جان سکی تھی۔

"صوفی، صوفی، صوفی! میں بھی تو سارا دن یہ نام سنتی رہتی ہوں نا.... بہت محبت کی میں نے آپ سے، ہر ظلم، ہر ستم برداشت کیا مگر جب اس رات نشے کی حالت میں آپ نے کہا نا کہ آپ کو صرف صوفی چاہیئے سنیہا نہیں.... میری ذات مٹی کا ڈھیر ہو گئی۔" ایک بار پھر اس کی ہچکیاں بندھ چکی تھیں۔

"میں جس کا ذکر کرتا ہوں، وہ کوئی غیر نہیں بلکہ میری بیوی تھی۔"

"ہاں تو میں بھی جس کے ساتھ بیٹھی تھی وہ بھی کوئی غیر نہیں تھا، میرا بھائی تھا۔ وہ مجھ سے ملنا چاہتا تھا۔ آپ کو بتا کر جاتی تو کبھی نا جانے دیتے، اس لیے نہیں بتایا۔" وہ منہ ہاتھوں میں چھپائے پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔ نائل کچھ لمحوں کے لیے شاکڈ ہوا تھا۔ اس کی زبان جیسے تالو سے چپک گئی تھی۔

"دے دیے پھر اپنے بھائی کو پیپیرز؟" کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد وہ سنبھل کر بولا تھا۔ سنیہا نے چونک کر سر اٹھایا تھا۔ وہ مطمئن سا کھڑا اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"جو پیپرز تم نے مجھ سے سائن کروائے، وہ دے تو دیے ہوں گے اسے؟" وہ عجیب نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ جیسے شرم سے پانی پانی ہوئی تھی۔ آخر اس نے کیسے سوچ لیا تھا کہ وہ اس کی آنکھوں میں دھول جھونک سکتی تھی۔

"جب ساری دنیا نے مجھے دھوکہ دیا تو پھر میری بیوی کیسے پیچھے رہ سکتی تھی؟؟" وہ بے بسی سے ہنس دیا تھا۔

"تم نے جب گھر کی بات کی تھی نا، میں تب ہی ٹھٹک گیا تھا پھر تم نے جان بوجھ کر کافی گرائی اور مجھ سے پراپرٹی کے پیپرز سائن کروائے اور میں نے کر بھی دیے۔ جانتی ہو کیوں.....؟" پلنگ کے قریب آتے اس نے سنیہا کو بازو سے کھینچ کر کھڑا کیا تھا۔

"مجھے لگا تھا شاید تم یہ اپنی سیکیورٹی کے لیے کر رہی ہو۔ اس سب میں میری بہن کا بھی حصہ ہے لیکن پھر بھی میں نے سائن کر دیے۔ لیکن آج جب مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ یہ سب تم اپنے ان دو ٹکے کے گھر والوں کے کہنے میں آکر کر رہی ہو تو یہ میری برداشت سے باہر ہے۔" وہ اندھا نہیں تھا، مگر اعتبار کی پٹی اسے کچھ دیکھنے نہیں دیتی تھی۔ وہ سب کچھ دیکھ کر بھی انجان بن جاتا تھا۔ وہ ہمیشہ اسے آپ کو بہلا لیتا تھا۔

"آپ نے کہا کہ ساری دنیا نے آپ کو دھوکہ دیا، لیکن مسٹر نائل آفندی.... میں نے آپ کو دھوکہ نہیں دیا۔ سنیہا کبھی نائل کو دھوکہ نہیں دے سکتی۔" اس کے ہاتھ سے اپنا آپ چھڑواتے اس نے اپنا بیگ اٹھایا تھا۔

"یہ لیجیں....." بیگ سے پیپرز نکالے اس نے نائل کی جانب بڑھائے تھے۔

"میں ان کی باتوں میں ضرور آگئی تھی لیکن آپ کو دھوکہ نہیں دے سکی۔" سنیہا کا باپ اور بھائی کافی عرصے سے اس سے کنٹیکٹ کرنے کی کوشش کر رہے تھے بالآخر ایک دن اس نے کال ریسیو کر ہی لی تھی۔ انہوں نے اسے نائل کے خلاف بھڑکانے کی پوری کوشش کی تھی، وجہ محض اس کی دولت حاصل کرنا تھا۔ وہ اتنی سمجھدار نہیں تھی، اسی لیے باآسانی ان کی باتوں میں آگئی تھی۔ اور پھر نشے کی حالت میں نائل کا صوفی کا ذکر کرنا اسے بالکل توڑ گیا تھا۔ اس نے نائل کو چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ واپس لندن جانے کی شرط یہی رکھی گئی تھی کہ وہ یہ پیپرز سائن کروائے گی۔ پیپرز تو اس نے سائن کروا لیے تھے مگر وہ کبیر کو نہیں دے

سکی تھی۔ عین وقت پر ہی مگر اسے سمجھ آ گیا تھا کہ وہ لوگ محض اس کا استعمال کر رہے ہیں۔ اسے یہ عقل بھی اس کی ماں نے ہی دی تھی اور اس سے کبھی واپس نا آنے کا وعدہ بھی لیا تھا۔

"لیکن اب میں تھک گئی ہوں۔ یہ سب میری برداشت سے باہر ہے۔ آپ رہیں اپنی صوفی کی یادوں کے مقبرے کے ساتھ..... مجھے اب کوئی اعتراض نہیں ہے۔" اس نے بہت مشکل سے امڈتے آنسوؤں کو روکا تھا۔

"بہت محبت ہے نا آپ کو اس سے..... تو پھر آج میں آپ کو آپ کی محبت کی قسم دیتی ہوں، میں آپ کو صوفی کی قسم دیتی ہوں۔ مجھے آزاد کر دیں۔ مجھے طلاق دے دیں۔" وہ ہی جانتی تھی کہ اس نے یہ الفاظ کیسے ادا کیے تھے۔ رہنے کا کوئی ٹھکانہ نا ہونے کے باوجود بھی وہ اب نائل کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی تھی۔ اس کے الفاظ کسی ہتھوڑے کی مانند نائل کے کانوں میں بجے تھے۔

سنیہا کی جانب سے اس قسم کے کسی مطالبے کے بارے میں وہ خواب میں بھی نہیں سوچ سکتا تھا۔ اس کی بیوی نے تو خود کو اس کے سامنے ریت کا ڈھیر کر دیا تھا۔ وہ تو عشق کی دعویدار تھی اور اب یہ مطالبہ.....

"میں تمہاری دی ہوئی قسم کو ماننے سے انکار کرتا ہوں۔ میں یہ کبھی نہیں کروں گا، کبھی نہیں....."

"میں آپ کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی۔"

"مگر میں رہنا چاہتا ہوں۔" نائل نے اسے شانوں سے تھامتے نرمی سے کہا تھا۔

"میں آپ کے کسی فریب میں نہیں آنے والی۔" اس کے ہاتھ جھٹکتے وہ پیچھے ہٹی تھی۔

"آپ مجھے بس آزاد کر دیں ورنہ...."

"ورنہ کیا.....؟" اسے کلائی سے پکڑے وہ اسے اپنے بے حد قریب کر چکا تھا۔

"ورنہ میں خلا لے لوں گی۔" اس نے خشک لبوں پر زبان پھیرتے خود کو مضبوط ظاہر کرنے کی کوشش کی تھی۔

"سنیہا..... " نائل نے اسے کھینچ کر مزید قریب کیا تھا۔ دونوں کے درمیان فاصلہ اب ایک انچ برابر بھی نہیں تھا۔ اس کی سانسوں کی تپش اپنے چہرے پر محسوس کرتے وہ سختی سے آنکھیں میچ گئی تھی۔

"اگر میری اجازت کے بغیر اس گھر سے باہر قدم بھی نکالا تو جو حشر تمہارے بھائی کے ہاتھ کے ساتھ کیا ہے وہی تمہاری ٹانگوں کے ساتھ کروں گا۔" اس کا گال نرمی سے سہلاتے وہ پیچھے ہٹا تھا۔

"کبیر، وہ ٹھیک تو ہے نا؟؟" اس سب میں اسے تو وہ بھول ہی گئی تھی۔

"ظاہر ہے زندہ ہی ہوگا۔" نائل نے لاپرواہی سے کہا تھا۔ اسے اپنے کیے پر ذرا برابر شرمندگی نہیں تھی۔

"کس قدر بے حس انسان ہیں آپ، میرے بھائی کے ساتھ اتنا غلط کیا آپ نے.... نجانے وہ کیسا ہوگا؟" اسے اب کبیر کی فکر ستانے لگی تھی۔

"دوبارہ تمہارے منہ سے میں نے کسی کا بھی ذکر سنا تو مار ڈالوں گا سب کو....." وہ بے حسی کی انتہا پر تھا۔

"مجھے اس کے پاس جانا ہے۔"

"چپ چاپ بیٹھی رہو۔ ورنہ سچ میں ٹانگیں توڑ دوں گا۔ پتا کرتا ہوں اس کا..... لیکن تم اگر اپنے گھر والوں کی سلامتی چاہتی ہو تو چپ چاپ یہاں بیٹھی رہو اور دوبارہ ان کا ذکر مت کرنا ورنہ ٹریلر تو تم دیکھ ہی چکی ہو۔" وہ اسے ڈرا رہا تھا اور وہ واقعی ڈر گئی تھی۔ جو کچھ اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا، وہ اسے خوفزدہ کرنے کے لیے کافی تھا۔

"مجھے طلاق چاہیئے۔" بھرائی آواز کے ساتھ وہ منمنائی تھی۔

Ohh Shut up!”

اسے شٹ اپ کال دیتے وہ تیزی سے وہاں سے گیا تھا۔

وہ کچھ دیر بری طرح روتی رہی تھی پھر اس نے ایک فیصلہ کرتے اپنے آنسو صاف کیے تھے۔

"بس بہت رولیا میں نے..... اگر رہنا آپ ہی کے ساتھ ہے تو پھر اب میری مرضی چلے گی۔ ہر چیز کا انتقام لوں گی میں.... جینا حرام کر دوں گی آپ کا....."اس نے معصومیت بھرا پیماں کیا تھا۔

---

وہ ہاتھ مسلتے اضطراب کی حالت میں بستر پر بیٹھی تھی۔ جو تماشہ وہ نیچے لگا کر آئی تھی اس کے بعد حاتم کے تیور کافی بگڑے ہوئے تھے۔ یقیناً اس کی کلاس لگنی تھی۔ اپنی شادی کی پہلی رات تو اس نے یہ سب نہیں سوچا تھا۔ اے سی چلنے کے باوجود بھی اس کے ماتھے پر پسینے کی ننھی ننھی بوندیں نمایاں تھیں۔

دروازہ کھلنے کے آواز پر وہ جلدی سے آنکھیں بند کیے لیٹ گئی تھی۔ جب وہ جاگ ہی نہیں رہی ہو گی تو وہ اسے ڈانٹے گا کیسے؟؟

اسے بستر پر نیم دراز دیکھ حاتم کے ماتھے پر بل پڑے تھے۔ وہ قدم قدم چلتا اس کے سرہانے کھڑا ہوا تھا۔ ہاتھ پر ہاتھ باندھے، آنکھیں سکیڑے وہ اب مسلسل اسے گھور رہا تھا۔

"یہ تمہارے بالوں پر کیا ہے؟ یہ تو مجھے کاکروچ لگتا ہے، مگر اس کا رنگ تو نیلا ہے۔ کیا نیلے رنگ کا بھی کاکروچ ہوتا ہے۔"وہ کرنٹ کھا کر اٹھی تھی۔

"کہاں ہے، کہاں پر ہے؟ نیلے رنگ کا کاکروچ، یہ تو نئی دریافت ہو گی۔"عادت سے مجبور وہ آکسائیڈ ہو کر بیٹھی تھی۔ وہ مسلسل اپنے بالوں میں ہاتھ پھیر کر دیکھ رہی تھی۔

"ادھر آؤ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ کہاں ہے کاکروچ...."اس کی چوڑیوں والی کلائی تھامے عمر نے ایک جھٹکے سے اسے کھینچ کر کھڑا کیا تھا۔

"تم نے ایسا سوچا بھی کیسے کہ میں خود تمہیں کسی اور کو سونپ...." وہ جملہ تک مکمل نہیں کر سکا تھا۔

"نین میں اپنے ہاتھوں سے تمہاری جان تو لے سکتا ہوں مگر تمہیں کسی اور کا ہوتے نہیں دیکھ سکتا۔"

"غلطی تمہاری ہے۔ تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا کہ تمہارا نام عمر نہیں حاتم ہے۔" سارا الزام اس کے سر ڈالے وہ بری الزمہ ہوئی تھی۔

"میں تمہارے لیے صرف عمر ہوں۔" حاتم کو وہ خود کب کا دفنا چکا تھا۔ یہ نام اس نے صرف عینین سے نکاح کے لیے استعمال کیا تھا۔ وہ ڈیوڈ کے نام سے نکاح نہں کر سکتا تھا۔

"حاتم اتنا اچھا نام تو ہے، عمر اتنا اچھا نام نہیں ہے۔" عینین نے آنکھیں گھماتے اسے کے سارے اپنی رائے رکھی تھی۔ وہ بس اس پر ایک خشمگیں نگاہ ڈال کر رہ گیا تھا۔ بچپن میں اسے حاتم نام پسند نہیں تھا اور اب عمر..... وہ آسانی سے راضی ہونے والوں میں سے نہیں تھی۔

"خیر اس بارے میں صبح بات کریں گے۔" اپنی شادی کی پہلی رات وہ اس سے مزید نہیں لڑ سکتا تھا۔

"تم نے مجھ سے کاکروچ کے متعلق جھوٹ کیوں بولا؟" اس نے ایک شکایتی نگاہ حاتم پر ڈالی تھی۔

"تمہیں کاکروچ عزیز ہے یا شوہر؟" وہ اچھا خاصا تپا تھا۔

"مجھے نہیں پتا اب مجھے منہ دکھائی میں کاکروچ چاہیئے وہ بھی نیلے رنگ کا..... جہاں سے مرضی لا کر دو۔" وہ ضد ہر اتر آئی تھی جبکہ حاتم کا منہ بے اختیار کھلا تھا۔ اس نے اس لمحے کو کوسا تھا جب اس نے یہ کاکروچ والی بات کی تھی۔

"نین میرا دماغ مت خراب کرو۔ اگر تم نے مجھے مزید تنگ کیا نا تو میں تمہیں سٹور میں بند کر دوں گا جو کہ سارا کا سارا کاکروچ سے بھرا ہوا ہے۔" حاتم نے اسے ڈرانا چاہا تھا۔

"ٹھیک ہے کردو۔" وہ لاپرواہی سے گویا ہوئی تھی۔ وہ لب بھینچ کر رہ گیا تھا۔ اسے اس وقت کاکروچ اپنے رقیب لگ رہے تھے۔

"نین! میرے خیال سے اس رات محبت بھری باتیں کی جاتی ہیں؟" گہری سانس خارج کیے اس نے اپنے لہجے کو حد درجہ نرم رکھا تھا۔

"ہاں تو پھر کرو نا محبت بھری باتیں، میں نے کب منع کیا ہے۔" اس نے گویا حاتم پر احسان کرتے کہا تھا۔

"تھوڑا سا شرما ہی لو۔" حاتم نے سرد آہ بھری تھی۔

"زبردستی شرماؤں؟؟" اس سوال پر حاتم کا چہرہ غصے سے سرخ پڑا تھا۔

"تم رہنے دو، میں خود ہی تمہیں شرم دلا دوں گا۔" اس کے معنی خیز لہجے پر وہ بری طرح جھنپ گئی تھی۔ جسم کا سارا خون سمٹ کر چہرے پر آیا تھا۔

"شرماتی ہوئی اچھی لگتی ہو۔" حاتم نے اس کے ہاتھ پر دباؤ ڈالے کہا تھا۔

"عمر...." نظریں جھکائے اس نے ہلکا سا احتجاج کیا تھا۔

"حکم عمر کی جان...." وہ ایک بار پھر شرما گئی تھی۔

"تم وضو کر لو، ہم نفل ادا کرتے ہیں۔" وہ جس قدر خوشی سے گویا ہوئی تھی، حاتم کا رنگ اس قدر ہی سفید پڑا تھا۔

"آج صبح میں ایک ڈرامہ دیکھ رہی تھی۔ تمہیں پتا ہے شادی کے بعد دونوں دولہا دلہن نماز پڑھتے بہت اچھے لگ رہے تھے۔ میں چاہتی ہوں کہ ہم بھی ساتھ میں نفل ادا کریں۔ اللہ کا شکر ادا کریں.... تمہیں پتا ہے ایک وقت تھا جب میں اللہ کی موجودگی کے بارے میں شبہات کا شکار تھی مگر پھر کچھ ایسے حالات پیدا ہوئے اور پھر کسی نے مجھے سمجھایا تو مجھے سمجھ آگئی۔" آنکھوں کے سامنے ایک مہربان دوست کا سایہ لہرایا تھا۔ اپنی شادی

کی پہلی رات بھی وہ اسے یاد کر رہی تھی۔اس کے عقائد اب بھی تقریبا وہی تھے۔ نماز، قرآن میں اسے کوئی خاصی دلچسپی نہیں تھی مگر اللہ کی موجودگی پر وہ یقین کر چکی تھی۔اسے حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے آخری نبی ہونے پر بھی یقین تھا۔اس نے قید میں کئی بار شہادت بھی دی تھی۔اب بھی وہ نجانے کیا کیا بول رہی تھی مگر حاتم کا دماغ تو بالکل شل تھا۔

"عمر جاؤنا، وضو کر کے آؤ۔"اس کے جھنجھوڑنے پر وہ جیسے ہوش میں آیا تھا۔

"یہ ضروری ہے، میرا مطلب نفل پڑھنا..... تم پڑھ لونا...."اس نے اپنی ترپیشانی پر ہاتھ پھیرا تھا۔

"جی نہیں! ہم ساتھ پڑھے گے۔ میں نے تو پہلے ہی وضو کر لیا تھا۔ تم بھی کر لو۔"

"میں....؟"وہ سراسیمہ رہ گیا تھا۔

"ہاں تو اور کون.....؟"کمر پر ہاتھ رکھے اس نے حاتم کو گھورا تھا۔

"اف عمر تم بھی نا! چلو میرے ساتھ....."وہ اس کا ہاتھ تھامتے اسے آگے گھسیٹی جا رہی تھی۔ وہ چپ چاپ اس کے ساتھ چل رہا تھا۔انکار کرنے کی صورت میں ہزار سوالوں کے جواب دینے پڑتے۔

"چلو کرو وضو....."واش بیسن کے پاس کھڑے ہوتے اس نے عمر کا ہاتھ چھوڑا تھا۔

حاتم نے دھڑکتے دل کے ساتھ نل کے نیچے ہاتھ کیا تھا۔پانی کی ایک تیز دھار بہنے لگی تھی۔ نل آٹو میٹک تھا۔ اب اس نے اپنے دونوں ہاتھ دھوئے تھے۔اس کے لاوے کی طرح جھلستے ہاتھوں پر یخ ٹھنڈے پانی کی پھوار پڑی تھی۔ نین کو اپنی جانب دیکھتے پا کر حاتم نے کلی پھر ناک میں ڈالا تھا۔وہ وضو کر رہا تھا۔وہ اس کے سر پر کھڑی زبردستی اس سے یہ کروا رہی تھی۔ وہ قاتل تھا، وہ سمگلر تھا، وہ دہشت گردی میں ملوث تھا.....اب اس نے ہاتھوں کے پیالے میں پانی بھرتے چہرے پر پھینکا تھا۔اس کی آنکھیں یکدم ہی جیسے کھلی تھیں۔اسے

اپنے کیے تمام گناہ یاد آئے تھے۔ بازو کہنیوں تک دھونے کے بعد اس نے مسح کیا تھا۔ ایکدم سے اسے تقریبا بارہ سال پہلے کیا گیا پیماں یاد آیا تھا جو اس نے اعلانیہ کیا تھا۔

"میں حاتم خانزادہ! آج عیسائیت کو اپناتا ہوں۔ مجھے انجیل مقدس سے عشق ہے۔" پیر دھوتے اس کے ہاتھ کانپے تھے۔ وہ دنیا کے لیے بلیک مونسٹر تھا، ڈیوڈ، ایک سفاک درندہ..... کسی کو موت تو کسی کو دردناک زندگی دینے والا.... مگر آج اس کے ہاتھ کانپے تھے، کسی کو سزا دیتے ہوئے نہیں بلکہ وضو کرتے ہوئے.....

"چلو جلدی چلو....." اس کے وضو کرتے ساتھ ہی وہ اس کا تر ہاتھ تھامتے اسے باہر لے کر گئی تھی۔

عینین نے آگے پیچھے دو جائے نماز بچھائے تھے۔ اب احتیاط سے اپنا ڈوپٹے کے اوپر سے ہی اس نے ایک بڑی سیاہ رنگ کی چادر کا حجاب کیا تھا۔ وہ سارے انتظام پہلے ہی کر چکی تھی۔

حاتم نے تر چہرے سے اپنا عکس ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے میں دیکھا تھا۔ اس نے اپنا چہرہ نہیں پونچھا تھا۔ نجانے کیوں وہ یہ نہیں کر سکا تھا۔ آئینے میں چہرے پر چمکتی ننھی ننھی بوندیں دیکھ وہ لمحے بھر کو مسمرائز ہوا تھا۔

"عمر....." عینین کی آواز پر اسے جیسے ہوش آیا تھا۔

"آؤ نا....." وہ جائے نماز پر کھڑی مسکرا کر اسے بلا رہی تھی۔

حاتم کے قدم زنجیر ہوئے تھے۔ کسی کا قتل کرنا اس کے لیے بے حد آسان تھا مگر جائے نماز پر نماز کے لیے کھڑے ہونا ایک کڑا امتحان تھا۔

من بھر کے قدم اٹھاتا وہ اس کی جانب بڑھا تھا۔ جائے نماز پر کھڑے ہوتے اس کے قدم لڑکھڑائے تھے۔ خود کو زمینی خدا سمجھنے والے کے قدم آج حقیقی مالک کے روبرو کھڑے ہوتے ساتھ ہی لڑکھڑائے تھے۔ نیت کے بعد اس نے نماز پڑھنا شروع کی تھی۔ فاتحہ پڑھتے اس کے ہونٹ کپکپائے تھے۔ رکوع میں جھکتے وہ گرتے گرتے بچا تھا۔ سجدے میں جاتے ساتھ ہی اس کا دل بس باہر آنے کو تھا۔ اس کے پورے وجود

پر لرزا طاری ہوا تھا۔دل چاہا کہ بس یہیں سب چھوڑ کر یہاں سے بھاگ جائے مگر وہ یہ نہیں کر سکتا تھا۔اس سے تھوڑا پیچھے وہ نماز پڑھ رہی تھی۔وہ جو اس کی متاع جان تھی،اس کی کل کائنات تھی۔سلام پھیرتے ساتھ ہی اس نے اٹھنے کی کوشش کی تھی مگر عینین کی آواز پر اس نے آنکھیں بند کیے گہری سانس خارج کی تھی۔

"عمر....."وہ مسکراتا ہوا اس کی جانب پلٹا تھا۔

"اب تم وہ کرو جو تمہیں کرنا چاہیئے۔"اس نے آکسائیڈ ہوتے کہا تھا۔

"کیا.....؟"حاتم نے نا سمجھی سے اس کی جانب دیکھا تھا۔

"یہ تو تمہیں پتا ہونا چاہیئے نا....."اس نے ایک خفیف نگاہ اس پر ڈالی تھی۔وہ دونوں ہی اس وقت آمنے سامنے جائے نماز پر بیٹھے تھے۔

"مجھے نہیں پتا...."اس کے لہجے میں تھکان کے ساتھ بیزاری بھی تھی۔

"مجھے فورہیڈ کس دو۔"آنکھیں جھکائے عینین نے کہہ ہی ڈالا تھا۔وہ پہلے چونکا تھا،پھر اس کی آنکھوں میں بے یقینی ابھری تھی،پھر چمک.....پھر ایک دل فریب مسکراہٹ نے اس کے لبوں کو چھوا تھا اسے ہر گز امید نہیں تھی کہ وہ اس سے شادی کی پہلی رات اس قسم کی ڈیمانڈ کرے گی۔

اپنی جگہ سے تھوڑا آگے ہوتے وہ اس کے قریب گیا تھا۔عینین نے سختی سے آنکھیں میچی تھی۔حاتم نے اس کے چہرے کو اپنے ہاتھوں کے پیالے میں بھرتے اس کے ماتھے پر بوسہ دیا تھا۔

"وعدہ کرو کہ ہمیشہ میرے ساتھ رہو گے اور مجھ سے محبت کرو گے۔"اس نے آہستگی سے کہا تھا جبکہ نگاہیں جھکی ہوئی تھیں۔

"میں اپنی زندگی کی آخری سانس تک صرف تم سے محبت کروں گا۔ تم میری عینین ہو۔ تم عمر کی آنکھیں ہو۔ آنکھوں کے بغیر دنیا تاریک نظر آتی ہے۔ میری دنیا میں سارے رنگ صرف عینین کی وجہ سے ہیں۔" اس کے دونوں ہاتھ تھامتے وہ اسے عہد و پیاں کر رہا تھا۔ دونوں اس وقت وضو میں تھے۔ دونوں ہی ایک پاک چیز پر بیٹھے تھے۔

ایک جس نے اسلام چھوڑ کر عیسائیت کو اپنایا تھا اور ایک جس کے عقائد ہی غلط تھے۔

وہ ایک وحشی درندہ تھا، سیاہی میں لپٹا ہوا اور دوسری طرف وہ سائنس کے قریب لڑکی..... جو فرشتوں، جنات وغیرہ پر یقین نہیں رکھتی تھی، وہ جسے اسلام اور قرآن میں بہت جھول لگتے تھے۔

یہ جنگ تھی، سیاہ اور سفید کی جنگ....

حق اور باطل کی جنگ.....

عیسائیت اور اسلام کی جنگ....

---

صبح سویرے وہ آئینے میں کھڑی میک اپ کر رہی تھی اور حاتم دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے اسے اپنی نظروں میں سما رہا تھا۔

"عمر پلیز گھورنا بند کرو۔" وہ جھنجلائی تھی۔

"میں تو گھوروں گا۔" اس نے ڈھٹائی سے جواب دیا تھا۔

"میں تمہاری آنکھیں نکال دوں گی۔" درحقیقت اس کی نظروں کی تپش عینین کو پریشان کر رہی تھیں۔ وہ ٹھیک سے نا تو میک اپ کر پا رہی تھی اور نا ہی بال برش....

"میری آنکھیں تو تم ہو۔" وہ اسے لاجواب کر گیا تھا۔

"حاتم تم....."

"شش! حاتم نہیں عمر....."اس کے لبوں پر انگلی رکھے حاتم نے اسے خاموش کروایا تھا۔

اس سے پہلے ان دونوں کے درمیان مزید کوئی بات ہوتی، حاتم کا فون بجا تھا۔وہ ایکسکیوز کرتا کمرے سے باہر گیا تھا۔عینین نے شکر کا کلمہ پڑھتے لبوں پر لپسٹک لگائی تھی۔ پھر اس نے اپنے بالوں کو ٹھیک سے برش کیا تھا۔

ٹھیک پانچ منٹ بعد عینین کو کسی کی گرفت کا احساس ہوا تھا۔اسے کسی نے پیچھے سے ہگ کیا تھا۔

"I love you Nain.I really love you!"

اس کا دل بری طرح دھڑکا تھا۔شرم کے مارے اس کا چہرہ گلال ہوا تھا۔

"میں بہت خوش قسمت ہوں جو تم میری زندگی میں ہو۔"اس کا رخ اپنی جانب موڑتے وہ نہایت خوشی سے گویا ہوا تھا۔

"میرے دو اہم کام کب سے نہیں ہو رہے تھے اور آج ابھی ہماری شادی کو ایک دن بھی نہیں گزرا اور دیکھو دونوں کام ہو گئے۔"اس نے محبت سے اس کی گال سہلائی تھی۔وہ مدھم سا مسکرا دی تھی۔

"تم ناشتہ کر لینا مجھے تھوڑی دیر ہو جائے گی۔"اس بات پر عینین کی مسکراہٹ سمٹی تھی۔

"تم مجھے شادی کی پہلی صبح ہی چھوڑ کر جا رہے ہو؟"عینین نے منہ بنائے احتجاج کیا تھا۔

"بے بی بہت ضروری کام ہے۔آئی پرامس جلدی آنے کی پوری کوشش کروں گا۔"وہ بری طرح جھنپ گئی تھی۔

"بہت ظالم ہو تم.....جب زبان سے مجھے روک نہیں سکی تو یوں شرما کر روکنا چاہ رہی ہو۔"حاتم نے شرارت سے اس کی ٹھوڑی پر موجود تل کو چھوا تھا۔

"جی نہیں! ایسا کچھ نہیں ہے، تم جاؤ۔"وہ گڑبڑا کر رہ گئی تھی۔

"میں جلدی آجاؤں گا۔ پھر ہم ساتھ میں بہت سارا وقت گزاریں گے۔" اس کے تل پر پورے وثوق سے لب رکھتے وہ اجلت بھرے انداز میں باہر گیا تھا۔

عینین نے شرما کر اپنے دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپایا تھا۔

---

دوپہر کے وقت سنیہا کچن میں گئی تھی۔ اس نے اب گھر کے کاموں میں ہی دل لگا لیا تھا۔ نائل کو وہ منہ تک نہیں لگاتی تھی اور نا ہی اس کا کوئی کام کرتی تھی۔ اگر وہ خود بھی اسے مخاطب کرتا تو بھی وہ کان لپیٹ لیٹی تھی۔ وہ اگر غصہ کرتا یا چیختا چلاتا تو وہ کانوں میں ہینڈ فری ڈال لیتی تھی۔ مختصر یہ کہ وہ اسے ٹف ٹائم دے رہی تھی۔

"تمہارے صاحب کو کھانے میں سب سے زیادہ کیا پسند ہے؟"

"جی وہ چائنیز شوق سے کھاتے ہیں۔" سنیہا کا منہ بے اختیار کھلا تھا۔ کس قدر جھوٹا شخص تھا وہ، جب اس نے چائنیز بنایا تھا تو اس نے کتنے آرام سے کہا تھا کہ اسے یہ پسند نہیں.....

"آج دوپہر کا کھانا میں بناؤں گی۔" سنیہا کی آنکھوں میں عجیب سی چمک تھی۔ ملازمہ نے تابعداری سے سر ہلایا تھا۔

وہ کمرے میں لیٹا ہوا تھا جب وہ مسکراتی ہوئی اس کے قریب آبیٹھی تھی۔ وہ حیرانی سے اٹھ کر بیٹھا تھا۔

"کھانا تیار ہے نائل جی! آپ آجائیں۔" لہجے میں عسل سے بھی زیادہ مٹھاس تھی۔ وہ حیران، پریشان اسے دیکھتا رہا تھا۔ کچھ دنوں سے جو رویہ سنیہا کا تھا اس کے بعد اسے اس نرمی کی توقع نہیں تھی۔

"میں جانتی ہوں کہ میرا رویہ پچھلے کچھ دنوں سے ٹھیک نہیں تھا۔ مگر اب مجھے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے۔ مجھے معاف کر دیجیں نائل جی!" سنیہا نے معصومیت سے اس کے ہاتھ پر دباؤ ڈالے کہا تھا۔

"اٹس اوکے!" چلو کسی ایک جانب سے تو اسے سکون نصیب ہوا، وہ سوچ کر مطمئن ہوا تھا۔

"چلیں آجائیں!" وہ چہکتے ہوئے اٹھی تھی۔ وہ بھی مسکرا کر اس کے ساتھ ہی اٹھا تھا۔

ڈائینگ ٹیبل پر مختلف لوازمات سجے دیکھ نائل نے سراہتی نگاہوں سے سنیہا کو دیکھا تھا۔ اسے اس کے ہاتھ کا کھانا پسند تھا مگر اس بات کا اعتراف وہ زندگی بھر نہیں کر سکتا تھا۔

چاول کا پہلا چمچ منہ میں بھرتے ہی اس کا حلق تک کڑوا ہوا تھا۔ وہ چاول کم نمک کی گھٹلی زیادہ لگ رہے تھے۔

"یہ کیا ہے سنیہا؟" نائل نے ایک کڑی نگاہ اس پر ڈالی تھی۔

"کیا ہوا پسند نہیں آئے؟" چہرے پر معصومیت سجائے اس نے استفسار کیا تھا۔

"یہ جانوروں کے کھانے کے قابل بھی نہیں ہیں۔" نائل نے چمچ پلیٹ میں پٹختے حد سے زیادہ صاف گوئی سے کام لیا تھا۔

"میں نے بہت محنت سے سب بنایا تھا۔" لمحے بھر میں اس کی آواز بھرا گئی تھی۔ پھر یہ بھرائی آواز کب ہچکیوں میں تبدیل ہوئی تھی، نائل اندازہ نہیں کر سکا تھا۔

"اس میں رونے والی کیا بات ہے؟ غلطیاں انسانوں سے ہی ہوتی ہیں۔ میں کچھ اور ٹرائے....." وہ منہ پر ہاتھ رکھے بھاگتی ہوئی اپنے کمرے کی جانب گئی تھی۔

وہ ہکا بکا وہیں بیٹھا رہا تھا۔ سنیہا سے اسے اس قدر بچکانہ حرکت کی امید نہیں تھی۔

"اتنی سی بات پر کون روتا ہے؟" وہ سخت جھنجھلایا تھا۔ بھوک تو ویسے ہی مر گئی تھی۔ گہری سانس خارج کرتے وہ اپنی جگہ سے اٹھا تھا۔ اب اس نے اپنے قدم کمرے کی جانب بڑھائے تھے۔

"ایک سیکنڈ....." اس نے اپنے بڑھتے قدموں کو وہیں روکا تھا۔

"میں اب اسے مناؤں گا؟" اس نے خود سے ہی دریافت کیا تھا۔

"یعنی میں نائل آفندی اسے مناؤں گا؟؟؟" سوال ایک بار پھر دہرایا گیا تھا۔

"ہر گز نہیں..... "اس نے اپنا ارادہ بدل دیا تھا۔ وہ تو خود نخرے دکھانے والوں میں سے تھا، اب کیسے کسی کے نخرے اٹھا سکتا تھا۔

کچھ دیر ادھر سے ادھر ٹہلنے کے بعد بالآخر اس نے اپنی انا کو مار کر کمرے کا رخ کیا تھا۔

رشتوں میں انا کی قربانی دینا ضروری ہوتا ہے۔ کبھی کسی ایک کو تو کبھی دوسرے کو جھکنا ہی پڑتا ہے۔ شوہر اور بیوی کا رشتہ نہایت خوبصورت رشتہ ہوتا ہے مگر وہ دونوں اسے بد سلوبی سے نبھائیں یا خوش اسلوبی سے، اس کا دارومدار انہیں پر ہوتا ہے۔

کمرے میں داخل ہوتے اسے چار سو چالیس والٹ کا جھٹکہ لگا تھا۔ سارے کمرے میں جگہ جگہ ٹشو پیپرز بکھرے پڑے تھے۔ پلنگ پر بیٹھی وہ اب بھی ٹشو سے اپنی آنکھوں کی نمی صاف کر رہی تھی۔ سسکیاں ابھی بھی جاری تھی۔ رونے کی وجہ سے اس کی آنکھیں اور ناک دونوں سرخ ہو گئے تھے۔

"یہ تم نے کمرے کی کیا حالت بنائی ہوئی ہے؟" سنیہا جو اس کے ساتھ کر رہی تھی وہ نائل کی سمجھ سے باہر تھا۔

"آپ کو کمرے کی فکر ہے، میری نہیں....." آنسو کی ندیاں ایک بار پھر بہنا شروع ہوئی تھیں۔

"سنیہا تمہیں کیا ہو گیا ہے؟" وہ حیران پریشان اس کے پاس بیٹھا تھا۔

"یہ سوال آپ مجھ سے نہیں خود سے کریں۔ ایک تو عمر میں بھی مجھ سے بڑے ہیں، اوپر سے شادی شدہ بھی..... رنگ بھی تھوڑا پکا ہے اور آواز تو ہے ہی بے سری..... لیکن میں نے کبھی کچھ کہا؟" وہ سانس نہیں لے سکا تھا۔ اپنی اتنی تعریف وہ بھی خود سے عشق کے دعوے کرنے والی کے منہ سے..... اسے یہ ایک بھیانک خواب ہی لگا تھا۔

"آپ جو بھی ہیں جیسے بھی ہیں، لیکن ہیں تو میرے شوہر ہی نا..... کم از کم میں کوشش تو کر رہی ہوں نا، ایک اچھی بیوی بننے کی.... آپ کو بھی تھوڑا تعاون کرنا چاہیئے۔" اب جا کر ساری صورت حال اسے سمجھ آئی تھی۔ وہ اسے زچ کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اسے کے کہے الفاظ اسی پر الٹا رہی تھی۔

"سنیہا یہ بچکانہ حرکتیں بند کرو۔" وہ کوفت کا شکار ہوا تھا۔

"آپ بہت برے ہیں نائل! میری فیلنگ کی بالکل بھی قدر نہیں ہے آپ کو....." وہ نم آواز کے ساتھ کہتی باہر گئی تھی۔

نائل نے گہری سانس ہوا میں خارج کی تھی۔

"اچھی بیوی تو میری قسمت میں ہی نہیں ہے۔" وہ سر جھٹکتا بڑبڑایا تھا۔

---

سورج اپنی پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا۔ تپتی شعاعوں کی روشنی میں منظر صاف نظر آرہا تھا۔ تین لوگ بہت بری طرح ایک شخص کو مار رہے تھے۔ وہ شخص شرٹ لیس رسی کی مدد سے اوپر لٹکا ہوا تھا۔ نیچے آگ بھڑک رہی تھی۔ وہ تینوں باری باری اس پر کوڑے برسا رہے تھے۔ کافی دیر کوڑے برسانے کے بعد انہوں نے گرم پانی کی ابلتی ہوئی تین بالٹیاں اس کے وجود پر الٹائی تھیں۔ بھیانک دردناک چیخوں کی آواز ہر طرف گونجی تھی۔ اچانک سکرین تاریک ہوئی تھی مگر نسوانی چیخیں ابھی بھی جاری تھیں۔

راکنگ چیئر پر ٹانگ پر ٹانگ جمائے وہ سپاٹ لہجے میں کافی کے سپ لے رہا تھا تبھی اسے اپنے پیروں پر کچھ محسوس ہوا تھا۔

"مجھے معاف کر دو، پلیز مجھے معاف کر دو۔ میں عینین سے بھی معافی مانگ لوں گی۔ میں اس کے قدموں میں گر کر معافی مانگوں گی، پلیز میرے ساتھ یہ مت کرنا۔" الیکس کی یہ حالت دیکھ وہ اپنے ہواس کھو بیٹھی تھی۔ اب ماہم کو اپنے انجام کی فکر ہو رہی تھی۔

"تمہیں لگتا ہے کہ میں تمہیں اس کا موقع دوں گا؟" اس نے سفاک لہجے میں کہتے ماہم کا منہ دبوچا تھا۔

"تم نے کہا تھا کہ مجھے آسان موت دو گے۔" آنسوؤں کا لاوا بہہ کر گال بھگو رہا تھا۔ اس کا پورا وجود ہی جیسے برف کی طرح سرد پڑا تھا۔

"ایک اور کام ہے اس کے بعد....." پھنکارتے ہوئے لہجے میں کہتے اس نے ماہم کو پرے دھکیلا تھا۔

"ایک سوال پوچھوں گا، اس کا جواب چاہیئے۔" شرٹ کی آستینیں درست کرتے وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ وہ فرش پر بکھری حالت میں پڑی مسلسل سسک رہی تھی۔

"جھوٹ برداشت نہیں کروں گا میں اور نا ہی اپنی بات دہراانا....." اب وہ پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے اس کے گرد چکر لگا رہ تھا۔ بھاری بوٹوں کی آواز پورے کمرے میں ایک عجیب سی دہشت برپا کر رہی تھی۔

"اس کے بعد تم مجھے مار دو گے؟" وہ ایک امید سے گویا ہوئی تھی۔

"ظاہر سی بات ہے۔" وہ اس کے عین سامنے آکر رکا تھا۔ ایک گھٹنا زمین پر ٹکائے وہ اس کے نزدیک بیٹھا تھا۔ اس کے پاس بیٹھے اس نے سرد آواز میں سوال پوچھا تھا۔ اس کا سوال سن کر وہ بالکل سن ہو گئی تھی۔

"نینا آنٹی کے ساتھ زیادتی کس نے کی تھی؟" وہ چونکی تھی۔ اس سوال کی توقع اسے ہرگز نہیں تھی۔

"مجھے نہیں....." حاتم نے اسے گلے سے دبوچ کھڑا کیا تھا۔ اب اسے پیچھے کی طرف لے جاتے اس نے اسے دیوار سے لگایا تھا۔ ماہم کا سر بہت زور سے دیوار میں لگا تھا۔ اس کے سر کے پچھلے حصے سے خون رسنے لگا تھا۔

"میں نے کہا تھا نا کہ جھوٹ برداشت نہیں کروں گا۔" اس کی گردن پر دباؤ ڈالے وہ غرایا تھا۔

"تت.... تم یقین نہیں کرو گے۔" پھولے ہوئے تنفس کے ساتھ وہ بامشکل بول پائی تھی۔

"یقین کرنا یا نا کرنا میرا کام ہے۔ تم بس سچ بتاؤ۔" حاتم نے اسے فرش پر دھکہ دیتے کہا تھا۔

سچ بولنے کے علاوہ اس کے پاس کوئی چارہ نہیں بچا تھا۔ مگر جو نام اس نے لیا تھا وہ حاتم کے پیروں تلے سے زمین کھینچ گیا تھا۔

---

جھلستے وجود کے ساتھ وہ اب بھی لٹکا ہوا تھا۔ بے سود، نیم غنودگی میں..... کھولتے ہوئے پانی کے وجود پر پڑنے کی وجہ سے اس کے جسم کی جلد موم کی طرح پگھل رہی تھی۔ نیچے آگ کے شعلے اب بھی ویسے ہی بھڑک رہے تھے۔ ان شعلوں کو بجھنے نہیں دیا جاتا تھا۔ کوئی عام انسان ہوتا تو کب کا زندگی کی جنگ ہار جاتا مگر وہاں موجود ہر شخص کی ٹریننگ بہت سخت تھی۔

"کیسا محسوس ہو رہا ہے الیکس؟" حاتم نے ایک طنز بھری نگاہ اس پر ڈالی تھی۔ الیکس نے بامشکل آنکھیں کھول کر سامنے دیکھنے کی کوشش کی تھی۔

"کچھ یاد آیا.....؟ ایک وقت تھا جب میں تمہاری طرح بے بس اور لاچار تھا اور تم ظالم....." وہ استہزایہ ہنسا تھا۔

"لیکن آج خود کو دیکھو اور مجھے دیکھو۔" وہ چل کر اس کے قریب گیا تھا۔

"تم نے مجھے تکلیف پہنچائی، میں نے برداشت کر لیا مگر تم نے میری نین کو تکلیف پہنچائی، یہ میری برداشت سے باہر ہے۔" اس کی آنکھوں میں غصہ امڈ آیا تھا۔

"بابا تمہیں بچانا چاہتے تھے مگر جب میں نے ان سے کہا کہ تم میں اور مجھ میں سے کسی ایک کو چن لیں تو انہوں نے مجھے چنا۔" اس کے لہجے سے غرور جھلکا تھا۔

"تم پچھتاؤ گے بلیک مونسٹر! پچھتاؤ گے۔ وہ تمہارا استعمال کر رہا ہے۔ تم بہت بری طرح ہارو گے۔" الیکس کے جسم سے درد کی ٹھیسیں اٹھ رہی تھی۔ جب موت اس کے اتنا قریب تھی تو اس نے سچ بولنے کا فیصلہ کر لیا تھا

"اس نے سیم کا بھی استعمال کیا تھا، وہ تمہارا بھی کر رہا ہے۔ تمہیں کیا لگتا ہے وہ اتنی آسانی سے تمہاری زندگی میں کسی لڑکی کو آنے دے گا.....؟" وہ نقاہت بھرے لہجے میں بول رہا تھا۔

"کیا وہ بلیک مونسٹر کی زندگی میں کسی ایسے شخص کو آنے دے گا جس کی وجہ سے اس کا پتھر دل موم ہونے لگے؟؟؟"

"تم مجھے بابا کے خلاف بھڑکا رہے ہو؟" حاتم نے لب بھینچے ایک کڑی نگاہ اس پر ڈالی تھی۔

"وہ تمہاری بیوی کو مار دے گا بلکہ وہ یہ خود تم سے کروائے گا جیسے اس نے سیم کو نینا کے خلاف اکسایا تھا، اسے مارنے پر مجبور کیا تھا۔" حاتم نے حیرانگی سے الیکس کی جانب دیکھا تھا۔ یہ بات اس کے لیے بالکل نئی تھی۔ اس بات کا ذکر تو سمیر نے بھی نہیں کیا تھا۔

"تم جانتے ہو اسے تم سے کیا چاہیئے؟"

"کیا.....؟" حاتم نے بھنویں سکیڑے اسے دیکھا تھا۔

"تمہاری اولاد..... تمہارا بیٹا! جو تمہارے بعد اس منصب پر بیٹھے گا۔ تمہاری بیوی کوئی عام انسان نہیں ہے اور نا ہی تم..... تمہاری اولاد بھی اتنی ہی خاص ہو گی۔"

"بکواس بند کرو۔ تم دونوں ملے ہوئے ہو۔ تم اور وہ عورت مجھے بابا کے خلاف کر رہے ہو۔ انہوں نے مجھے اتنی محبت دی ہے جتنی کبھی میرے سگے باپ نے بھی نہیں دی۔ جب جب تم لوگوں نے مجھے تکلیف پہنچائی تب تب انہوں نے مرہم رکھا تھا۔" وہ شدید مشتعل انداز میں گویا ہوا تھا۔

"تم بیوقوف ہو حاتم! تم آج بھی وہی ہو۔" الیکس عجیب انداز میں ہنسا تھا۔

"کسی نے تمہیں کوئی تکلیف نہیں پہنچائی، سوائے بدر کے..... ہم سب نے ہمیشہ وہی کیا جو ہمیں کرنے کے لیے کہا گیا۔ ابھی بھی وقت ہے سنبھل جاؤ ورنہ ایک بار پھر تمہارا خاندان برباد ہو جائے گا۔ وہ بہت آگے کی پلیننگ کر رہا ہے۔ تم ابھی تو اس کے کام کے ہو چند سالوں بعد اسے ایک نیا شخص چاہیئے ہو گا اور وہ یقینا تمہاری اولاد ہو گی۔"

"تمہیں لگتا ہے کہ تم کہو گے اور میں مان لوں گا، ایسا ہرگز نہیں ہو گا۔ تم سے اب تنگ آ گیا ہوں میں..... اس لیے آج میں تمہیں موت دیتا ہوں۔ جہنم میں جلو۔" دو انگلیوں کے اشارے سے اس نے اپنے ایک آدمی کو اشارہ کیا تھا۔ اس کے اشارہ کرتے ساتھ ہی رسی چھوڑ دی گئی تھی۔ وہ نیچے موجود بھٹی نما جگہ پر جا گرا تھا۔ آگ کے بھڑکتے شعلوں نے اسے اپنی لپیٹ میں لیا تھا۔ ہر طرف چیخوں کی صدا بلند ہوئی تھی۔ الیکس کا قصہ یہیں ختم ہوا تھا۔ چاروں میں سے ایک اپنے انجام کو پہنچا تھا۔

---

نائل اور محسن اس وقت ٹیرس پر موجود تھے۔ محسن نائل سے سخت خفا تھا جس وجہ سے وہ اس کی یہ خفگی دور کرنے یہاں آیا تھا۔

"جب گھر میں مہمان آتے ہیں تو ان سے ایک گلاس پانی ہی پوچھ لیتے ہیں۔" محسن کے مسلسل خود کو گھورنے پر وہ شدید کوفت کا شکار ہوا تھا۔

"میرے گھر میں منافقوں کے لیے ایک بوند پانی بھی نہیں ہے۔" نائل نے ایک آبرو ریز کیے اسے گھورا تھا۔

"میں نے کون سی منافقت کی ہے؟"

"میں دو منٹ فون کال سننے کیا چلا گیا تم نے تو سارا رائتہ ہی پھیلا دیا۔" اس کا بس چلتا تو نائل کے دو چار جڑ ہی دیتا مگر وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اس صورت میں وہ آگے سے دس مارے گا اور گنے گا ایک.....

"جتنے پیسے لگے ہیں تمہارے، میں دینے کو تیار ہوں۔"

"اپنے پاس رکھو اپنی کمائی....." محسن کو اس کی بات شدید زہر لگی تھی۔

"کسی بھی رد عمل سے پہلے انسان تحقیق ہی کر لیتا ہے۔ کم از کم شادی سے پہلے ایک بار بھابھی کے سارے خاندان سے مل ہی لیتے۔ یعنی مطلب حد ہے، اپنے ہی سالے کی انگلیاں توڑ دیں وہ بھی صرف اس وجہ سے کہ اس بیچارے نے اپنی بہن کا ہاتھ پکڑا تھا۔" محسن کو اس کی جلد بازی اور سوچ پر نہایت افسوس تھا۔

"وہ جو میری بیوی کو میرے خلاف بھڑکا رہا تھا اس کا کیا....؟" ڈھٹائی تھی جو اس پر آکر ختم ہوتی تھی۔ وہ ایک لمحے کے لیے بھی پشیمان نہیں ہوا تھا۔

"میری دعا ہے کہ تمہارا بہنوئی بھی تمہارے ساتھ یہی کرے۔"

"میں زندہ زمین میں ناگاڑ دوں اسے....." حاتم کے ذکر سے اس کا حلق تک کڑوا ہوا تھا۔ محسن تو اس کی بات پر عش عش ہی کر اٹھا تھا۔ یعنی سالے اور بہنوئی دونوں بن کر بھی وہ اپنی ہی اجارہ داری قائم کرنا چاہتا تھا۔ مزید کسی بھی قسم کی گفتگو سے پہلے نائل کا فون وائبریٹ ہوا تھا۔ اس نے ناگواری سے کوٹ کی جیب سے فون نکالا تھا۔

اسے کچھ تصویریں بھیجی گئی تھیں۔ تصویریں دیکھتے اس کا پارہ ساتویں آسمان پر پہنچا تھا۔

وہ حاتم اور عینین کے نکاح کی تصاویر تھیں جو یقیناً حاتم نے ہی بھیجی تھیں۔ ساتھ میں آنکھ ونگ کرنے والے ایموجی کے ساتھ ایک میسیج بھی تھا۔

"ہنی مون کے لیے کوئی اچھی سی جگہ ہی سجیسٹ کر دیں۔ آخر کار کافی تجربہ جو ہے آپ کا....." نائل کا چہرہ سرخ مرچ کی طرح لال ہوا تھا۔ وہ شخص اسے زچ کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا تھا۔

---

رات کے تقریباً گیارہ بجے کے قریب حاتم گھر لوٹا تھا۔ وہ دبے پاؤں کمرے میں داخل ہوا تھا۔ عینین گہری نیند سو رہی تھی۔ اس کو سوتا دیکھ ایک زخمی سی مسکراہٹ حاتم کے لبوں پر بکھری تھی۔

شب خوابی کا لباس پہنے وہ اپنی سائیڈ پر آکر لیٹا تھا۔ اس کی آنکھیں خمار آلود تھیں مگر نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ وہ کافی دیر اس کا روشن چہرہ تکتا رہا تھا جو کہ اندھیرے میں بھی دمک رہا تھا۔

اب وہ تھوڑا آگے کو ہوتا اس کے قریب گیا تھا۔ حاتم نے نرمی سے اس کے بالوں میں انگلیاں چلائی تھیں۔

"چاہے کچھ بھی ہو جائے، میں تمہیں خود سے کبھی دور نہیں ہونے دوں گا۔ میں نہیں جانتا جو ماہم اور الیکس نے کہا، وہ سچ ہے یا نہیں..... بس اتنا جانتا ہوں کہ میں تمہیں کبھی خود سے جدا نہیں ہونے دوں گا۔ اور اگر بات اولاد کی ہے تو مجھے بچہ نہیں چاہیئے، مجھے صرف میری نین چاہیئے۔" وہ فیصلہ کر چکا تھا۔ اس کے چہرے پر جھکتے حاتم نے پہلے عقیدت سے اس کی بند آنکھیں چومی تھیں، پھر اس کی ٹھوڑی پر لب رکھتے وہ پیچھے ہٹا تھا۔ عینین نیند میں کسمسائی تھی پھر اس کے ماتھے پر پسینے کی بوندیں نمودار ہوئی تھی۔ وہ نیند میں گہری گہری سانسیں لینے لگی تھی۔

"مجھے کھول دو، مجھے جانے دو۔ یہ زنجیریں کھول دو۔" اس کی حالت غیر ہونے لگی تھی۔

"نین، نین! کیا ہوا؟" حاتم نے اس کا گال تھپتھپایا تھا۔

وہ نیند میں پتا نہیں کیا کیا بول رہی تھی۔

"نین اٹھو....." حاتم نے اسے اٹھا کر بٹھایا تھا۔ لیمپ آن کرتے حاتم نے پانی کا گلاس اس کے لبوں سے لگایا تھا۔

"میں نے کچھ نہیں کیا۔ وہ رپورٹس میری نہیں ہیں۔ بھائی نے یقین نہیں کیا میری بات کا..... عمر! اس نے قید کیا، میرے ہاتھ پیر..... بہت درد ہوتا تھا۔ بہت اندھیرا تھا وہاں..... میں....."

"نین میری جان! تمہارا عمر تمہارے ساتھ ہے۔ کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔" اس کے چہرے کو اپنے ہاتھوں کے پیالے میں بھرتے وہ اسے یقین دلا رہا تھا۔

"دوائی لی تم نے.....؟" اس کے کچھ حد تک ریلیکس ہونے کے بعد عمر نے استفسار کیا تھا۔ نین کے نفی میں سر ہلانے پر اسے ملازمہ پر شدید غصہ آیا تھا۔ خیر اس کا بندوبست تو وہ صبح بھی کر سکتا تھا فلحال نین زیادہ اہم تھی۔

ساتھ والی دراز سے دوائی نکالتے اس نے عینین کو کھلائی تھی۔

"چلو شاباش سو جاؤ، میں یہیں ہوں تمہارے پاس....." حاتم نے اسے لٹانا چاہا تھا مگر وہ روتے ہوئے اس کے سینے سے لگی تھی۔

"تم ہمیشہ مجھ پر اعتبار کرنا، مجھے کبھی اکیلا مت چھوڑنا۔ نین عمر کے بغیر مر جائے گی۔" اس کی شرٹ کو سختی سے پکڑے وہ مسلسل سسک رہی تھی۔ بستر پر لیٹتے حاتم نے اس کا سر اپنے سینے پر رکھا تھا۔ اس کے اوپر کمبل درست کرتے حاتم نے اس کے گرد مضبوط حصار قائم کیا تھا۔

"میں اپنی نین کو مرنے نہیں دوں گا۔" وہ اسے اعتماد دے رہا تھا۔

"تمہیں پتا ہے میں بھائی سے کتنی محبت کرتی ہوں؟"اس کی شرٹ ابھی بھی وہ دبوچے ہوئی تھی جبکہ آنسو حاتم کی شرٹ پر گر رہے تھے۔

"اتنی کہ اگر سامنے کانٹے بھی بچھے ہوں اور وہ مجھ سے کہے کہ نہیں وانیہ یہ پھول ہیں تو میں آنکھوں دیکھا جھٹلا دوں۔انہیں بھی مجھ پر اعتبار کرنا چاہیئے تھا۔مجھے خود سے دور بھیج کر انہوں نے ایک بار بھی میری خبر نہیں لی۔انہوں نے بہت غلط کیا۔میری غلطی اتنی بڑی تو نہیں تھی۔صرف چند باتیں ہی تو چھپائی تھیں۔"حاتم چونکا تھا۔

"کیسی باتیں نین....؟"

"یہی کہ میں ہیکنگ کر لیتی ہوں اور چند ڈیوائسز بھی بنا لیتی ہوں۔"حاتم کی آنکھیں حیرت سے پھیلی تھیں۔اسے الیکس کی بات یاد آئی تھی۔

"تمہاری بیوی کوئی عام انسان نہیں ہے۔"

"اگر میں انہیں بتا دیتی تو وہ مجھے کبھی یہ سب نا کرنے دیتے۔اگر میں جانوروں کے زہر اور کیمیکلز کی مدد سے مختلف قسم کے زہر بنا لیتی ہوں تو اس میں کون سی بڑی بات ہے۔"عینین کا لہجہ بالکل عام سا تھا جبکہ حاتم کے سر پر جیسے چھت گری تھی۔

"تھوڑا بہت ہیپناٹائز کرنے میں کیا برائی ہے؟میں نے تو ابھی ٹھیک سے سیکھا بھی نہیں تھا۔"

"نین پلیز سو جاؤ اب....."وہ مزید کچھ نہیں سن سکتا تھا۔حاتم کو لگا شاید وہ یہ دوائی ک زیر اثر بول رہی ہے۔اس کی نین تو بالکل معصوم تھی،وہ یہ سب کیسے کر سکتی تھی؟؟؟

ملازمہ ابھی ابھی نائل کا پریس سوٹ دے کر گئی تھی۔بستر پر پڑے اس کے کپڑوں کو کچھ دیر دیکھنے کے بعد سنیہا نے ہمت کر کے اس کی شرٹ نکالی تھی۔استری کا سوئچ آن کیے اس نے اسے اچھی طرح گرم کیا تھا پھر اس نے وہ گرم استری اس کی شرٹ پر رکھی تھی۔

اسی لمحے نائل کمرے کے اندر داخل ہوا تھا۔

"یہ کیا کر رہی ہو تم؟"

"آہ! یہ تو جل گئی۔"اس نے شرٹ اٹھائے معصومیت سے اس کی جانب دیکھا تھا

"میں تو بس پریس کر رہی تھی۔"آنکھیں ٹپٹپائے وہ کافی مضطرب لگ رہی تھی۔

"جب یہ آلریڈی پریس تھی تو تمہیں یہ زحمت کرنے کی کیا ضرورت تھی؟"وہ لب بھینچ کر رہ گیا تھا۔

"اس پر سلوٹیں تھیں اس لیے میں نے سوچا کہ میں دوبارہ پریس کر دوں۔"

"تم براہ مہربانی اتنا مت سوچا کرو۔"وہ چڑ کر بولا تھا۔

"میں تو بس اچھی بیوی بننے کی کوشش کر رہی ہوں۔"سنیہا کی آواز ڈبڈبائی تھی۔نائل نے ایک خشمگیں نگاہ اس پر ڈالی تھی۔

"ایسے کیوں دیکھ رہے ہیں مجھے،اب کیا کر دیا میں نے....؟"سنیہا نے اس کے لہجے کی فل نقل اتاری تھی۔

"تم یہ سب کر کے کیا ثابت کرنا چاہتی ہو؟"نائل نے غصے سے اس کی کلائی پکڑے اسے دیوار کے ساتھ پن کیا تھا۔

"تمہیں لگتا ہے کہ تم مجھے پریشان کرنے میں کامیاب ہو جاؤ گی؟"دونوں ہاتھ دیوار پر رکھے وہ غصے سے پھنکارا تھا۔

"ہو جاؤں گی نہیں ہو گئی ہوں۔"وہ عجیب انداز میں ہنسی تھی۔

"دودھ کا گلاس زبردستی پلانا، مجھے دھکہ دینا،

دھتکارنا، میری بے عزتی کرنا، میری محبت کو دو کوڑی کا کرنا، میرے باپ کو گالی دینا، مجھے مارنا، مجھے ڈرانا، غلط القابات کہنا.....اس سب کے بعد بالکل اسی طرح سے مجھے اذیت دینا.....کچھ یاد آیا؟؟؟" اس کی آنکھوں میں آج کوئی خوف، کوئی ڈر نہیں تھا۔

"وہ سب آپ جان بوجھ کر کرتے تھے، مجھے اذیت پہنچانے کے لیے....ہیں نا؟؟" سنیہا نے اسے سائیڈ سمائل پاس کی تھی۔ وہ کچھ بول نہیں سکا تھا۔ اس کا اندازا سے لاجواب کر گیا تھا۔

"جب آپ نے مجھے جسمانی تکلیف پہنچانا چھوڑی تو آپ نے مجھے دماغی اذیت دینے کا فیصلہ کیا۔ ہیں نا....؟" اس کی خاموشی چیخ چیخ کر سنیہا کی بات کی سچائی کی گواہی دے رہی تھی۔

"میں نے تم پر ہاتھ اٹھایا، تم بھی اٹھالو۔ تمہیں دھکہ دیا، تم بھی دے دو۔ تمہیں برے القابات کہے، تم بھی کہہ دو۔ جتنی اذیت میں نے تمہیں پہنچائی ہے، تم بھی اتنی ہی پہنچالو۔ لیکن اب ختم کرو اس سب کو.....میں تھک گیا ہوں۔ تم سے لڑتے لڑتے، خود سے لڑتے لڑتے.....سنیہا میں تمہارے ساتھ ایک نئی شروعات کرنا چاہتا ہوں۔" نائل نے اس کے دونوں ہاتھ تھامے اسے یقین دلانا چاہا تھا۔

"بس کردیں، میں بھی تھک چکی ہوں یہ سب سن سن کر...." اس نے اپنے ہاتھ چھڑوائے تھے۔

"پہلے قول اقرار کرتے ہیں، معافی مانگتے ہیں پھر جب میں مان جاتی ہوں تو کچھ دنوں بعد پھر سے وہی سب....." اس کی آواز بھرا گئی تھی۔ نائل اس کی نظروں میں اپنا اعتبار کھو چکا تھا۔

"ایک آخری بار....." اس نے پھر سے کوشش کی تھی۔

"مجھے بخش دیں۔" اس کے آگے ہاتھ جوڑے وہ رو دی تھی۔

"مجھے تمہاری ضرورت ہے سنیہا! میں ماضی سے نکلنا چاہتا ہوں۔ کیا تم میری مدد نہیں کر سکتی؟" اس نے ایک امید سے اس کا دائیاں ہاتھ تھاما تھا۔

"آپ ماضی سے نہیں نکلنا چاہتے۔ آپ نے خود مجھ سے اس رات کہا کہ آپ کو سنیہا نہیں صوفی چاہیئے۔"

"میں نشے میں تھا۔" یہ احتجاج تھا۔

"نشے میں ہی تو انسان سچ بولتا ہے۔" اس کا احتجاج فورا رد کیا گیا تھا۔

"اور جو میں ہوش میں بول رہا ہوں اس کی کیا کوئی اہمیت نہیں ہے؟؟" نائل نے آگے بڑھ کر اس کے اشق چننے چاہے تھے۔ وہ منہ پھیر گئی تھی۔

"مجھے صوفی نہیں سنیہا چاہیئے۔" وہ سر جھٹکتے ہنس دی تھی۔

"کاش، کاش کہ وہ زندہ ہوتی۔ آپ دونوں ایک ساتھ ہوتے۔ کاش کہ میں آپ کی زندگی میں کبھی آئی ہی نا ہوتی۔ دوسری عورت کہلانا دنیا کا سب سے اذیت ناک کام ہے۔"

"اگر وہ اس دن نا بھی مرتی تب بھی وہ میری زندگی میں نا ہوتی۔ میں اسے خود اپنے ہاتھوں سے مار دیتا۔" سنیہا نے چونک کر نظریں اٹھائی تھیں۔ نائل کی آنکھوں میں عجیب سا تاثر تھا۔

"مجھے اس سے محبت نہیں ہے، نفرت کرتا ہوں میں اس سے.... بس سچ یہ ہے کہ میں اسے بھول نہیں پاتا۔ تم میرا ساتھ دو گی تو یہ ممکن ہو سکتا ہے۔ ماضی کو بھول جاتے ہیں سنیہا....." نائل نے اس کی گال سہلائی تھی۔ وہ سختی سے آنکھیں میچ گئی تھی۔

"آپ نے کہا تھا کہ....." آنسوؤں کو گلے کے اندر اتارتے اس نے ابھی جملہ بھی مکمل نہیں کیا کہ اسے اپنے ہونٹوں پر کسی کے ہاتھ کا لمس محسوس ہوا تھا۔

"شش......" نائل نے اس کے لبوں پر انگلی رکھے اسے خاموش کروایا تھا۔

"میں نے جو بھی کہا تھا، بھول جاؤ۔ میں ہمیشہ سچ کہوں یہ ضروری نہیں ہے۔ میری باتوں کو ہمیشہ سیریس مت لیا کرو۔ میں جھوٹ بھی بولتا ہوں اور بہت صفائی سے بولتا ہوں۔ تم بتاؤ مجھے ایک اور موقع دو گی؟"اس کے دونوں ہاتھ تھامے وہ اسے خود سے قریب کر گیا تھا۔

"یہ آخری بار ہو گا۔" وہ ہار گئی تھی۔ وہ شخص اسے موم کرنے کا فن بخوبی جانتا تھا۔

"Thank you!"

نائل نے اسے خود میں بھینچا تھا۔ اس کا مضبوط حصار پاتے وہ جیسے سب بھول گئی تھی۔

عورت ایسی ہی ہوتی ہے۔ مرد کی ذرا سی محبت اور توجہ پا کر وہ اس کیا گیا ہر ظلم، ہر ستم بھول جاتی ہے۔

"میں پوری کوشش کروں گا کہ تمہیں اب مجھ سے کوئی شکایت نا ہو لیکن تمہیں بھی کچھ چیزوں کا خیال رکھنا ہو گا۔" نائل نے آہستگی سے اس کے گرد حصار ہٹایا تھا۔

"میں تم پر کوئی پابندی نہیں لگاؤں گا سنیہا! تم جو کرنا چاہو، جہاں جانا چاہو چلی جانا مگر پلیز مجھے بتا کر جانا، مجھ سے جھوٹ مت بولنا۔" اسے شانوں سے تھامتے وہ حد درجہ نرم لہجے میں گویا ہوا تھا۔ وہ نم آنکھوں سے اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

"بس جب میں غصے میں ہوتا ہوں نا تو میرے سامنے مت آیا کرنا۔ تم چپ چاپ وہاں سے چلی جانا اور اگر میں کوئی فضول بات کر دوں تو مجھے بالکل نظرانداز کر دینا، بالکل جواب مت دینا۔" سنیہا کی آنکھوں میں شکوہ ابھرا تھا۔ یعنی وہ سدھرا ابھی بھی نہیں تھا۔

"میں یہ اس لیے کہہ رہا ہوں تا کہ بات نا بڑھ جائے۔ جب میرا غصہ اتر جائے گا تو پھر تمہاری حکمرانی....." اس کی وضاحت پر وہ نا چاہتے ہوئے بھی ہنس دی تھی۔

"ایک اور بات، کوشش کیا کرو کہ مجھ سے نظریں جھکا کر بات کرو۔ مجھے جھکی نظروں والی مشرقی بیوی زیادہ اچھی لگتی ہے۔" سنیہا کے ماتھے پر سلوٹیں پڑی تھیں اور آنکھوں میں دبا دبا سا غصہ.....

"تمہیں یہ کرنا ہوگا سنیہا ورنہ میں اپنی طرح سے تمہیں نظریں جھکانے پر مجبور کر دوں گا۔" نائل نے اسے خود سے مزید قریب کرتے اس کے ماتھے سے اپنا ماتھا مس کیا تھا۔ وہ سختی سے آنکھیں میچ گئی تھی۔ اس کا نرمی بھرا لمس وہ برداشت نہیں کر پاتی تھی۔ ابھی بھی اس کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔

"میری بس یہی ڈیمانڈز تھیں اب تم اپنی ڈیمانڈز بتاؤ۔" اس نے اس کی غیر ہوتی حالت دیکھ رحم کھاتے اسے آہستگی سے خود سے دور کیا تھا۔

"میں.....؟" وہ بوکھلا گئی تھی جبکہ نظریں جھکی ہی ہوئی تھیں۔

"ہاں تم..... تم مجھ سے کیا چاہتی ہو؟"

"میں....." وہ سوچ میں پڑی تھی۔

"آپ مجھ پر کوئی طنز نہیں کریں گے۔ کوئی الٹی سیدھی بات نہیں کریں گے، مجھے عزت دیں گے اور اچھا شوہر بننے کی بالکل بھی کوئی کوشش نہیں کریں گے۔" وہ بہت سوچ سوچ کر بول رہی تھی جبکہ اس کی آخری بات پر نائل نے باقاعدہ لب دبائے تھے۔

"تم ٹھیک کہتی ہو مجھے اچھا شوہر بننے کی ضرورت ہی نہیں ہے کیونکہ میں پہلے سے ہی اچھا شوہر ہوں۔" سنیہا نے بے یقینی سے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا تھا مگر اسے اپنی طرف دیکھتا پا کر وہ پھر نظریں جھکا گئی تھی۔

"تم واقعی میں خوش قسمت ہو، مجھ جیسا شوہر کسی اور بیوی کو نہیں ملے گا۔ تم ایک دن خود تسلیم کرو گی کہ میں کتنا اچھا ہوں لیکن سچ بتاؤں۔" نائل نے اس کی گال پر اپنے ہاتھ کی پشت پھیری تھی۔ وہ دبک کر پیچھے ہٹی تھی۔ وہ آج اس کی جان لینے کے درپے تھا۔

اسے پیچھے ہٹتا دیکھ وہ قدم بڑھا کر اس کے قریب گیا تھا۔ وہ پیچھے دیوار سے جا لگی تھی۔

"میں نہیں چاہتا کہ وہ دن کبھی آئے۔" اس کے کان کے قریب سرگوشی کرتے وہ پیچھے ہٹا تھا۔ سنیہا کی سانسیں اتھل پتھل ہوئی تھیں۔

"اب جو اچھی بیوی بننے کے چکر میں میری شرٹ جلائی ہے اس کا کیا کرنا ہے؟" ہاتھ پر ہاتھ باندھے نائل نے اسے گھوری سے نوازا تھا۔

"میں اور پریس کر دیتی ہوں۔" وہ منمنائی تھی۔

---

صبح کے وقت بادلوں کے افق پر چھا جانے کے بعد بھی سورج کی چند کرنیں چھپکے سے اب بھی زمین تک پہنچ رہی تھیں۔ کسی حسین خواب کے زیر اثر وہ گہری نیند میں تھی تبھی اسے اپنے سر کے نیچے کسی سخت چیز کا احساس ہوا تھا۔ وہ تکیہ تو ہرگز نہیں تھا۔ اس نے نیند کی حالت میں ہی اوڑھا کمبل اتارا تھا۔ بے چین ہوتے اس نے کروٹ بدلنی چاہی تھی مگر کمر کے گرد جیسے کوئی بھاری چیز بندھی ہوئی تھی جیسے اسے کسی نے رسی سے باندھا ہو۔

عینین نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھولی تھی۔ اس کا سر حاتم کے سینے پر تھا۔ اور کمر کے گرد اس کے ہاتھ کا مضبوط حصار..... عینین نے اٹھنا چاہا تھا مگر اس کے حصار کی سختی اسے اٹھنے نہیں دے رہی تھی۔

"عمر چھوڑو مجھے....." اس نے پورا زور لگا کر اسے خود سے دور کرنا چاہا تھا مگر وہ کامیاب نا ہو سکی تھی۔

"کیا ہوا نین، طبیعت تو ٹھیک ہے نا.....؟" وہ مندھی مندھی سی آنکھوں سے فوراً اٹھ کر بیٹھا تھا۔ رہائی پاتے جیسے اسے سانس آئی تھی۔

"کیا کھاتے ہو تم آخر.....؟" بھورے بالوں کو چہرے سے ہٹاتے اس نے جوڑا بنایا تھا جبکہ دو شریر لٹیں اب بھی اس کے حسین چہرے پر جھول رہی تھیں۔

"پیار....." انگڑائی لیتے حاتم نے بیڈ کراؤن سے ٹیک لگایا تھا۔

وہ جو ابھی اپنے بالوں کے ساتھ ہی الجھی تھی، اس کی بات پر غصے سے لال ہوتے چہرے کے ساتھ اس کی جانب پلٹی تھی۔

"کل پورا دن کہاں تھے؟" اچانک جھٹکہ کھا کر پلٹنے کی وجہ سے اس کے بال ایک بار پھر کھل گئے تھے۔

"تمہارے خیالوں میں....." خمار آلود لہجے میں اس نے عینین کے چہرے پر جھولتی لٹ کو اپنی انگلی میں گھمایا تھا۔

"ٹھیک ہے تو اب بھی وہیں رہو۔" اس کا ہاتھ جھٹکتی وہ تن فن کرتی بستر سے اٹھی تھی۔ کل رات جو بھی ہوا، وہ اسے یاد نہیں تھا۔

"ہائے....." حاتم نے اپنے دل کے مقام پر ہاتھ رکھا تھا۔ اس کی ہر ادا ہی قاتلانہ تھی۔

"ناراض ہو؟"

"شادی کے اگلے دن تم اپنی نئی نویلی دلہن کو چھوڑ کر باہر گھومتے پھرتے ہو اور مجھ سے پوچھ رہے ہو کہ میں ناراض ہوں؟" کیچر میں بال مقید کرتے اس نے پھولے ہوئے گالوں کے ساتھ ایک خفیف نگاہ حاتم پر ڈالی تھی۔ وہ تو دل و جاں سے اس کی اس ادا پر فدا ہوا تھا۔

"تم مار ڈالو گی مجھے....." اپنے کان کے قریب میٹھی سرگوشی سنتے عینین کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ ہوئی تھی۔ وہ اس کی پشت پر کھڑا اپنی نرم گرم سانسوں کی تپش اس کی گردن پر کسی طلسماتی خوشبو کی مانند نچھاور کر رہا تھا۔ وہ کوئی جن تھا یا کوئی اور مخلوق..... بغیر آہٹ اتنی جلدی وہ کیسے اس تک پہنچ سکتا تھا؟؟

"میں واقعی میں مار دوں گی تمہیں....." وہ اس کی جانب پلٹی تھی۔ غزالی آنکھوں غضب ڈھا رہی تھیں۔

"یہ کام صرف تم ہی کر سکتی ہو۔ نین کے علاوہ عمر کو کوئی نہیں مار سکتا۔" اس کا ملائم ہاتھ تھامتے وہ اپنے دل کے مقام پر رکھ گیا تھا۔

برکھا رت میں مینہ برسنے لگی تھی۔ گھٹائیں آسمان پر مکمل طور پر چھا گئی تھیں۔ اس حسین اور خوشگوار موسم میں دو دیوانے سر جوڑے کھڑے تھے۔ ایک منا رہا تھا تو دوسری نخرے دکھا رہی تھی۔

بجلی کے گرجنے کی آواز سے اس کے سینے پر رکھا ہاتھ ایک لمحے کے لیے کانپا تھا۔ چہرے پر اضطراب اور کرب ابھرا تھا۔

"کیا ہوا نین، سب ٹھیک تو ہے ؟" حاتم نے اس کے بدلتے تاثرات دیکھے تھے۔ شاید وہ اس آواز سے ڈرتی تھی۔

"بارش، عمر بارش ہو رہی ہے۔" اچانک ہی اس کے چہرے پر چھائے تاثراب تبدیل ہوئے تھے۔ اسے پرے دھکیلتے وہ بھاگتی ہوئی باہر گئی تھی۔

"ارے، ارے....." وہ اسے آوازیں ہی دیتا رہا تھا مگر عینین نے جیسے کان لپیٹ لیے تھے۔

وہ کمرے سے لاؤنج کا سفر طے کرتی باہر لان میں آئی تھی۔ لان کے بیچ و بیچ کھڑے ہوتے اس نے اپنے ہاتھ آسمان کی جانب پھیلائے تھے۔

وہ اس کے پیچھے باہر گیا تھا مگر تب تک وہ مکمل طور پر بھیگ چکی تھی۔

"نین.....!" حاتم نے اسے آواز دی تھی مگر وہ ہر چیز سے بے نیاز آنکھیں بند کیے گول گول گھوم رہی تھی۔

حاتم کچھ دیر اسے یوں ہی دیکھتا رہا تھا پھر مجبوراً اسے جانا ہی پڑا تھا۔

"چلو اندر چلو، بیمار ہو جاؤ گی تم۔" حاتم نے اسے ہاتھ سے پکڑ کر کھینچا تھا۔

"میں کہیں نہیں جا رہی۔" حاتم کی مداخلت اسے بالکل پسند نا آئی تھی۔

"نین! مجھے غصہ مت دلاؤ۔" وہ دونوں ہی اس وقت مکمل طور پر بھیگ چکے تھے۔

"ٹھیک ہے میں چلتی ہوں تمہارے ساتھ مگر پہلے یہ بتاؤ کہ کل پورا دن کہاں تھے۔" اس کے چہرے پر چھائی سختی دیکھ عینین محتاط ہوئی تھی۔

"کسی کا قتل کرنے میں مصروف تھا۔" حاتم نے صاف گوئی سے کام لیا تھا۔ عینین کا منہ بے اختیار کھلا تھا۔ پانی کی بوندیں اب بھی دونوں پر برابر پڑ رہی تھی۔

"میں تو بھول ہی گئی تھی کہ تم ایک آرمی آفیسر ہو۔" اپنی غلطی کا احساس ہوتے عینین نے اپنے سر پر ایک چپت لگائی تھی۔ اب کی بار حیران ہونے کی باری حاتم کی تھی۔ اس نے بے یقینی سے عینین کی جانب دیکھا تھا پھر سر کو خم دیے وہ مسکرا دیا تھا۔

"تم کچھ دنوں کی چھٹی لے لو۔" چہرے پر ازلی معصومیت تھی۔

"میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔" حاتم نے اپنا تر انگوٹھا اس کی تھوڑی پر موجود تل پر رکھا تھا۔

"ہنی مون پر بھی تو جانا ہے نا ہمیں....." اب وہ اپنے انگوٹھے سے اس کی ٹھوڑی سہلا رہا تھا۔ بارش کی صاف گرتی بوندوں میں، جہاں منظر دھندلا جائے.... وہ باآسانی اس کا گلاب کی طرح سرخ ہوتا چہرہ دیکھ سکتا تھا۔

"چلو اندر چلتے ہیں۔" اسے پرے دھکیلتی، نظریں چرائے وہ اندر کی جانب بھاگی تھی۔ اس کی بوکھلاہٹ دیکھ حاتم کا قہقہ چھوٹا تھا۔

کپڑے بدلتے وہ ٹاول سے بال رگڑ رہی تھی جب حاتم بھی چینج کیے باہر نکلا تھا۔

"اگر تمہیں زکام ہوا یا پھر تم بیمار پڑی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔" حاتم کی دھمکی پر اسکے چلتے ہاتھ رکے تھے۔ ٹاول سائیڈ پر رکھے وہ تیکھے نقوش چہرے پر سجائے بالوں کو جھٹکہ دیے پلٹی تھی۔

"آہ....!"اس کے بال سیدھا حاتم کی آنکھوں میں لگے تھے۔

"تم اندھی ہو کیا....؟"آنکھوں پر ہاتھ رکھے وہ غصے سے گویا ہوا تھا۔

"تمہیں کس نے کہا کہ پیچھے آکر کھڑے ہو جاؤ؟"دونوں ہاتھ کمر پر رکھے عینین نے سرخ پڑتی ناک کے ساتھ اسے گھورا تھا۔

"اگر مجھے تمہارے بال پسند نا ہوتے تو اب تک کاٹ چکا ہوتا۔"

"کس قدر عجیب شخص ہو تم،ان حالات میں ہیرو پتا ہے کیا کرتا ہے؟وہ آنکھ پکڑ کر بیٹھ جاتا ہے اور پھر ہیروئین اس کی آنکھ پر پھونک مارتی ہے اور پھر پیچھے ایک اچھا سا رومانٹک سا گانا چلتا ہے۔"وہ اپنی ہی دھن میں بولے چلی جا رہی تھی جب حاتم نے اس کے چہرے کے آگے چٹکی بجائے اسے ہوش دلایا تھا۔

"یہ ڈارمہ یا ناول نہیں ہے۔اور تم چپ چاپ میرے ساتھ ناشتہ کرو اور دوائی لو۔اگر تم بیمار ہوئی تو بتا رہا ہوں،میں تمہیں بہت بری سزا دوں گا۔"حاتم نے انگلی اٹھائے اسے وارننگ دی تھی۔

"اس سچوئشن میں پتا ہے کیا ہوتا ہے؟"وہ اکسائیٹڈ ہوتے اسکے تھوڑا قریب ہوئی تھی۔حاتم نے بے بسی سے آنکھیں گھمائی تھیں۔

"لڑکی کو چھینک آتی ہے اور لڑکا حد سے زیادہ پریشان ہو جاتا ہے پھر وہ اپنے ہاتھوں سے اس کے لیے.....

"اچھیی......"عینین کو چھینک آئی تھی۔

"پھر ہیرو اسے دو تھپڑ لگاتا ہے۔"اسے بازو سے پکڑتے وہ بستر تک لایا تھا۔عینین کی چھینکیں رکنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھیں۔اسے بستر پر لٹائے حاتم نے اس کے اوپر کمبل ڈالا تھا۔

"ٹرسٹ می!حقیقی زندگی میں لڑکی بیمار نہیں ہوتی۔"ٹشو سے ناک رگڑتے وہ بامشکل بول پائی تھی۔

"ہلنامت یہاں سے اب تم....." حاتم نے اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورا تھا۔انٹر کام اٹھاتے اب اس نے کمرے میں ناشتہ منگوایا تھا۔

ناشتے کے بعد اس نے نین کو نجانے کون کون سی دوائی کھلائی تھی۔وہ منہ کے مختلف زاویے بنائے بامشکل ان دوائیوں کو حلق سے اتار رہی تھی۔

"چلو اب سو جاؤ۔"

"ابھی تو اٹھی ہوں۔"

"نین مجھے غصہ مت دلاؤ۔" حاتم نے اسے سخت گھوری سے نوازا تھا۔

"شادی کے دوسرے دن تم مجھ پر غصہ کر رہے ہو۔" وہ روہانسی ہوئی تھی۔

"کتنی بڑی ڈرامے باز ہو تم...."

"تم مجھے گھمانے بھی نہیں لے کر گئے۔" عینین نے آنکھیں ٹپٹپائیں تھیں۔

"تم پہلے ٹھیک ہو جاؤ، پھر سزا کے لیے تیار رہو۔"

"کیسی سزا.....؟" عینین کی آنکھیں ایکدم ہی پھیلی تھیں۔

"فلحال آرام کرو پھر بتاتا ہوں۔" حاتم کا لہجہ معنی خیز تھا۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں۔" ٹشو سے ناک رگڑتے عینین نے اسے یقین دلانا چاہا تھا۔

"وہ تو مجھے دکھ ہی رہا ہے۔"

"ایک بات بتاؤ، کیا کچھ ایسا ہے جو تم نے مجھے نہیں بتایا؟" حاتم کو ایک دم کل رات والی بات یاد آئی تھی۔

"مطلب....؟" وہ نہیں سمجھی تھی۔

"کیا تم ہیکنگ کرنا جانتی ہو؟" عینین کا رنگ پل میں سفید پڑا تھا۔اس کے گلے میں گلٹی ابھری تھی۔

"ہاں....."وہ اسی جھوٹ کی وجہ سے نائل سے دور ہوئی تھی اب وہ حاتم کو نہیں کھونا چاہتی تھی۔اس لیے اس نے اقرار کیا تھا۔

"ہمم....."اس نے مزید کوئی سوال نہیں کیا تھا۔

"تم آرام کرو میں تھوڑی دیر تک آتا ہوں۔"

"تم پھر سے مجھے چھوڑ کر جا رہے ہو۔"

"صرف تین گھنٹے....اگر تین گھنٹے بعد میں نا آیا تو جو سزا دو گی، مجھے منظور ہے۔"عینین گہری سوچ میں ڈوبی تھی پھر اچانک اس کی آنکھوں میں چمک ابھری تھی۔

"مجھے منظور ہے۔"وہ پرجوش سی بولی بولی تھی۔

"چلو سو جاؤ اب.....!"اس کا گال تھپتھپاتے وہ اٹھا تھا۔

"ویسے تم جا کہاں رہے ہو؟"

"کسی کو کیفل کردار تک پہنچانا ہے۔"اس کی آنکھوں میں آگ کے شعلے بھڑکے تھے۔

---

"مطلب حد ہے، نجانے کیا فضول چیزیں دکھاتے رہتے ہیں۔ایکدم بکواس مووی تھی۔"وہ لوگ گھومنے پھرنے باہر آئے تھے۔نائل اسے ایک رومانٹک مووی دکھانے بھی لے کر گیا تھا۔یہ مخلصانہ مشورہ محسن کا تھا۔

وہ لوگ آدھی مووی دیکھ کر ہی واپس آگئے تھے۔اب وہ ڈرائیو کرنے کے ساتھ ساتھ مسلسل تبصرے بھی کر رہا تھا جبکہ سنیہا کے سر میں درد کی ٹھیسیں اٹھنے لگی تھیں۔

"بھلا یہ کیا بات ہوئی کہ میں تمہارے لیے چاند تارے توڑ لاؤں گا۔ بالکل غیر منطقی..... نجانے کون سی بیوقوف لڑکیاں ہوتی ہیں جو ان باتوں سے متاثر ہو جاتی ہیں۔" سنیہا منہ بسور کر رہ گئی تھی۔ ایک تو وہ خود اتنا ان رومانٹک تھا اور اوپر سے اتنی اچھی مووی میں بھی نقص نکال رہا تھا۔

لال سگنل پر اس نے گاڑی روکی تھی۔ اس کے ساتھ چلتی اور بھی بہت سی گاڑیاں رکی تھیں۔ ایک بچے نے گاڑی کا شیشہ بجایا تھا۔ نائل نے شیشہ نیچے کیے اسے کچھ پیسے پکڑائے تھے۔

"گجرے تو لے لو صاحب...." اسے واپس شیشہ اوپر کرتے دیکھ وہ بچہ بول اٹھا تھا۔

"میں گجرے نہیں پہنتا۔" سنیہا نے بے اختیار گہری سانس خارج کیے کھڑکی سے باہر کی جانب دیکھا تھا۔ یہ شخص واقعی پاگل تھا۔ وہ دل ہی دل میں اقرار کر چکی تھی۔

"میڈم کے لیے لے لو صاحب...." بچہ بھی اس کی عجیب و غریب بات پر حیران ہو گیا تھا۔

"وہ بھی نہیں پہنتی۔ اسے پھول پسند نہیں ہیں۔" سنیہا نے مڑ کر بے یقینی سے اسے دیکھا تھا۔

"جھوٹا کہیں کا....." وہ کلس کر رہ گئی تھی۔

سگنل کے ہرے ہونے پر وہ گاڑی آگے دوڑا گیا تھا۔

"گجرے بھی کوئی پہننے کی چیز ہیں۔ میں تمہیں ڈائمنڈ بریسلیٹ لے کر دوں گا۔"

"مجھے نہیں چاہیئے۔" تڑک کر جواب آیا تھا۔

"کیوں.....؟"

"اتنے پیار سے آفر کی ہے میں نے تمہیں.....؟"

"گجرے تک تو لے کر دے نہیں سکے آپ مجھے، ڈائمنڈ بریسلیٹ تو بہت دور کی بات ہے۔" وہ نا چاہتے بھی شکوہ کر بیٹھی تھی۔

"تمہیں پھول پسند ہیں؟" وہ شاکڈ ہوا تھا۔

"کسے پسند نہیں ہوتے؟"

"مجھے نہیں پسند....." وہ خاموش رہی تھی۔ نائل کو اپنی غلطی کی سنگینی کا احساس ہوا تھا۔

تھوڑا آگے جا کر اس نے گاڑی روکی تھی۔

"میں ابھی آیا۔" وہ اٹھ کر باہر گیا تھا۔ سنیہا نے بے بسی سے گاڑی کی پشت سے ٹیک لگایا تھا۔

تھوڑی دیر بعد جب وہ واپس لوٹا تھا تو اس کے ہاتھوں میں پھولوں کا ایک بکے تھا اور دو گجرے....

"روز لے کر آؤں گا تمہارے لیے....." نائل نے بکے اسے پکڑاتے کہا تھا۔ وہ سانس نہیں لے سکی تھی۔ اسے اس سب کی امید نہیں تھی۔

"میں تو تمہارے لیے گلاب کے پودا لانے والا تھا۔ وہ تو دکاندار نے مشورہ دیا کہ بکے لے جاؤ۔"

"نائل....." سنیہا نے وہ بکے کھینچ کر اس کے بازو پر مارا تھا۔

"کل پودا لے کر آؤں گا تمہارے لیے...." نائل نے اسے تپا دینے والی مسکراہٹ پاس کی تھی۔ وہ بے بسی سے ہنس دی تھی۔

---

"ایک وقت تھا جب مجھے لگتا تھا کہ لائف پارٹنر کا مسلمان ہونا ضروری نہیں ہے لیکن اب میری رائے تبدیل ہو گئی ہے۔" ہاتھ میں آئسکریم کی کون پکڑے عینین نے مسکرا کر کہا تھا۔

رات کی چاندنی میں وہ دونوں ایک پارک میں ٹہل رہے تھے۔ سارا دن انہوں نے ساتھ ہی گزارا تھا۔ حاتم نے اسے ہاتھ کا چھالا بنا کر رکھا ہوا تھا۔ عینین کو اپنی خوش قسمتی پر بے حد ناز تھا۔

"تمہارے عقائد تو کافی مختلف ہیں نا، تو تمہیں تو اس سے فرق نہیں پڑنا چاہیئے۔" عینین نے حاتم سے کچھ نہیں چھپایا تھا۔

"میں نے کہا نا پہلے فرق نہیں پڑتا تھا، لیکن اب پڑتا ہے۔" ایک ہاتھ سے بالوں کو سمیٹتے اس نے دوسرے ہاتھ سے آئسکریم کا بائیٹ لیا تھا۔

"اب ایسی کیا خاص بات ہے؟" وہ اسے کرید رہا تھا۔

"تم بتاؤ اگر میں غیر مسلم ہوتی تو کیا تم مجھے قبول کر لیتے؟" عینین نے ایک شاکی نگاہ اس پر ڈالی تھی۔ وہ خاموش ہی رہا تھا۔

"نہیں نا..... بالکل اسی طرح میں بھی یہ قبول نہیں کر سکتی۔ ہاں ٹھیک ہے اسلام میں بہت جھول ہیں۔ یہ مجھے ایک غیر منطقی دین ہے۔ اور میں منطقی باتوں پر یقین رکھتی ہوں لیکن میرے خیال سے ہر مذہب ہی غیر منطقی ہوتا ہے۔ اب قرآن کو ہی دیکھ لو، سارا قرآن غیر منطقی ہے۔ صرف معجزات.... ایسے واقعات جن پر عام انسان یقین ہی نا کر سکے۔ اور پھر فرشتے، جنات، آخرت..... یہ سب عجیب ہے۔ سائنس سے ثابت شدہ نہیں ہے۔ لیکن اگر کوئی مجھے ٹھوس ثبوت اور دلائل دے تو میں یقین کر لوں گی کیونکہ میں مسلمان ہوں۔ مجھے اللہ پر یقین ہے مگر مجھے ایسا لگتا ہے جیسے اس کتاب کے ساتھ کوئی چھیڑ چھاڑ کی گئی ہے جیسے باقی مذاہب کی کتابوں کے بارے میں سنا ہے میں نے.... ورنہ سوچنے کی بات ہے آخر اللہ تعالیٰ کیوں ایسی چیزوں اور واقعات کا ذکر کرے گا جن پر یقین کرنا ہی اتنا مشکل ہو۔" وہ مذہب کو سائنس کے ترازو میں تول رہی تھی۔ اس کی اپنی باتوں میں ہی بہت تضاد تھا۔

"مگر خداوند، میرا مطلب ہے اللہ..... وہ بھی تو غیب ہی ہے نا؟"

"میرے نزدیک اللہ ایک ڈر ہے۔ نماز پڑھو ورنہ اللہ جہنم میں ڈال دے گا۔ جھوٹ مت بولو ورنہ جہنم کی آگ میں جلو گے۔ تم نے کچھ غلط کیا ہے تبھی تو اللہ نے تمہیں سزا دی ہے وغیرہ وغیرہ۔ لیکن سچ پوچھو تو کبھی کبھی مجھے لگتا ہے کہ شاید ہمیں اللہ کا غلط تعارف کروایا گیا ہے یا پھر شاید نہیں...." وہ سر جھٹک کر ہنس دی تھی جبکہ حاتم تو بالکل دنگ رہ گیا تھا۔ اس کا مذہب ضرور اور تھا مگر کم از کم عینین جیسے عقائد نہیں تھے۔

"بغیر کسی بھی بنانے والے کے کوئی چیز نہیں بن سکتی تو یقیناً اس دنیا کو بنانے والا کوئی ہے۔ اور ہم مسلمان اسے اللہ کے نام سے جانتے ہیں۔ دوسرے مذاہب کے لوگ اسے دوسرے ناموں سے جانتے ہیں۔ اس سب سے کیا فرق پڑتا ہے؟" عینین نے لاپروائی سے کہا تھا۔

"تو پھر آپ کا لائف پارٹنر کس مذہب سے تعلق رکھتا ہے یہ ضروری نہیں ہونا چاہیئے۔" وہ کچھ دیر ٹھہر کر گویا ہوا تھا۔

"یہ اہم ہے۔ نجانے کیوں میرے لیے یہ اہم ہے۔" وہ خود ہی خود کو نہیں سمجھ پا رہی تھی۔ اس کے اپنے ہی عقائد لندن والے حادثے کے بعد ہل گئے تھے۔ اس نے تقریباً ہر رات ہی اللہ سے گڑگڑا کر اپنی رہائی کی دعا مانگی تھی۔

ان دنوں اس کا کوئی بھی ٹیلنٹ اس کے کام نہیں آیا تھا مگر یہ سب تسلیم کرنا عینین کے لیے بے حد مشکل تھا۔ ہر کسی کو ہدایت صرف ایک سانحے سے نہیں ملتی۔ بعض اوقات وقتی طور پر تو انسان راہ راست پر آ جاتا ہے مگر مصیبت ٹلتے ہی وہ پھر سے گمراہی کا راستہ چن لیتا ہے۔ یہ انسانی سرشت ہے۔

ہدایت ایک ایسی روشنی ہے جس کے حصول کے لیے قلب کے کسی گوشے میں جستجو ہونا ضروری ہے۔

رات کے تقریبا دو بجے عینین کی آنکھ کھلی تھی۔اسے شدت سے بھوک کا احساس ہوا تھا۔رات کا کھانا اس نے ٹھیک سے نہیں کھایا تھا۔کمبل اتارے وہ بستر سے اٹھنے ہی والی تھی جب اس کے ذہن میں اچانک ہی جھماکہ ہوا تھا اور لبوں پر شریر مسکراہٹ رینگ آئی تھی۔حاتم اس کے پہلو میں گہری نیند سو رہا تھا۔عینین کھسک کر اس کے قریب گئی تھی۔

جب اس کا محبوب اس کے پاس تھا تو پھر اسے خود یہ زحمت کرنے کی کیا ضرورت تھی؟؟؟

"عمر، عمر اٹھو نا....."عینین نے اسے بازو سے جھنجھوڑا تھا۔

"کیا ہوا نین؟؟"وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا تھا۔آنکھوں میں فکر کا عنصر واضح تھا۔

"مجھے بھوک لگ رہی ہے۔"عینین نے آنکھیں ٹپٹپائے معصومیت سے کہا تھا۔وہ کچھ دیر خالی نظروں سے اسے دیکھتا رہا تھا پھر اس کے کہے الفاظ پر وہ دنگ رہ گئی تھی۔

"کیا کھائے گی میری پیاری بیگم؟"آنکھیں مسلتے خمار آلود لہجے میں وہ مدھم سا مسکرایا تھا۔

سنہری آنکھوں میں بے یقینی ابھری تھی۔کوئی سوال، کوئی حیرانگی، کوئی شکوہ، کوئی تردید کچھ بھی نہیں.....وہ نم آنکھوں سے مسکرا دی تھی۔

"مجھے پاستا کھانا ہے۔"عینین نے چہکتے ہوئے اسے اپنی پسند بتائی تھی۔

"اس وقت تو کوئی ملازم یہاں نہیں ہو گا۔چلو خود بناتے ہیں پھر....."وہ بستر سے اٹھا تھا۔

"مجھے بنانا نہیں آتا۔"عینین نے منہ بنائے کہا تھا۔

"تم ساتھ کھڑی ہو جانا میں بنا لوں گا۔"حاتم نے اس کی مشکل آسان کی تھی۔

"تمہیں پاستا بنانا آتا ہے؟"عینین کو اچانک ہی خدشہ لاحق ہوا تھا۔

"نہیں....."یک لفظی جواب پر عینین کا منہ بے اختیار کھلا تھا۔ کس قدر اعتماد سے اس نے کہا تھا کہ وہ بنا لے گا جیسے وہ اس کام میں ماہر ہو۔

"تو پھر.....؟"

"یوٹیوب زندہ باد....."عینین کو اٹھنے کا اشارہ کرتے وہ منہ دھونے گیا تھا۔ عینین کی ساری بھوک ہی مر گئی تھی۔

سبزی کٹ کرتے دو بار اس کی انگلی کٹتے کٹتے بچی تھی۔ عینین کو شدت سے اپنی غلطی کا احساس ہوا تھا۔ اسے یہ فرمائش نہیں کرنی چاہیئے تھی۔

"عمر رہنے دو، میں کچھ اور کھالوں گی۔"عینین نے اپنے قدم فریج کی جانب بڑھائے تھے۔

"کچھ اور کیوں کھاؤ گی، میں بنا رہا ہوں نا...."حاتم کے لہجے میں خفگی ابھری تھی۔

"اب مجھے بھوک نہیں لگ رہی۔"س کے اناڑی پن کو دیکھتے عینین نے اسے روکنے کی ایک اور کوشش کی تھی۔

"نا لگے لیکن کھانا تو تمہیں پھر بھی پڑے گا۔"وہ بضد تھا۔

"میں ہیلپ کروں؟"

"تم پلیز خاموش رہو۔اور مجھے کھانا بنانے دو۔"

"آہ....."وہ گرم فرائی پینگ کو ہاتھ لگا کر اپنا ہاتھ جلا چکا تھا۔ عینین نے سختی سے آنکھیں میچی تھی۔ نجانے وہ کون سا لمحہ تھا جب اس نے حاتم کو اٹھانے کا فیصلہ کیا تھا۔

آدھے گھنٹے کی مشقت کے بعد حاتم نے پاستا اس کے سامنے پیش کیا تھا، جو دکھنے میں تو کافی اچھا لگ رہا تھا مگر اعمال سے تو صرف اللہ ہی واقف تھا۔

عینین نے دل کو مضبوط کرتے فورک کی مدد سے فرسٹ بائیٹ لی تھی۔

"یہ اچھا ہے۔" عینین نے ستائشی نگاہوں سے اسے یکھا تھا۔ حاتم کے چہرے پر سکون چھایا تھا۔ اس کی محنت رنگ لائی تھی۔

"تمہیں پتا ہے ایک وقت تھا جب تم مجھے سخت زہر لگتی تھی۔" حاتم نے اسے نظروں کے حصار میں رکھتے لب دبائے کہا تھا۔

"کون سا وقت....؟" عینین نے آنکھ آچکا کر اس کی جانب دیکھا تھا۔

"جب تم دو پونیاں باندھ کر آنکھیں سکیڑ کر مجھے دیکھتی تھی۔" عینین نے بے اختیار آنکھیں سکیڑی تھیں۔

"بالکل اسی طرح...." حاتم نے اس کے سامنے چٹکی بجائی تھی۔

"تم کون سا مجھے شہد لگتے ہو گے۔" وہ برا منا گئی تھی۔

"تم مرتی تھی مجھ پر...." ڈائننگ ٹیبل کے اطراف میں پڑی ایک کرسی گھسیٹتے حاتم اس پر بیٹھا تھا جبکہ عینین پہلے سے سربراہی کرسی پر براجمان تھی۔

"سراسر جھوٹ....." عینین نے بھوئیں سکیڑے پلیٹ پیچھے کھسکائی تھی۔

"یہ سچ ہے۔" وہ اسے چڑا رہا تھا۔

"اچھاااا! تو پھر یہ طوفانی محبت کب ہوئی تمہیں مجھ سے؟"

"میں خود نہیں جانتا۔ جب سب رشتے چھین گئے تو واحد ایک رشتہِ بچا میرے پاس.....اور ہر گزرتے دن کے ساتھ یہ میرے لیے خاص سے خاص ہوتا گیا۔" حاتم نے اس کا ہاتھ تھامتے کہا تھا جبکہ آنکھوں میں جذبات کا سمندر تھا۔

"تمہارے پیرینٹ کی ڈیتھ کیسے ہوئی؟"

"ایک حادثے میں....." آنکھوں کے سامنے نجانے کس کس کی میت آئی تھی۔ایک ہی دن میں سب تباہ ہوا تھا۔ہر رشتہ اس سے چھین لیا گیا تھا۔

"تمہارا کوئی بہن بھائی نہیں ہے کیا؟"

"بہن تھی مگر وہ بھی نہیں رہی۔" حاتم کے چہرے پر غم کے سائے لہرائے تھے۔

"اوہ...." عینین کو بے حد افسوس ہوا تھا۔وہ نہیں جانتی تھی کہ نائل کی پہلی بیوی ہی حاتم کی بہن تھی۔

"میں تمہیں کبھی اکیلا نہیں چھوڑوں گی۔ہمیشہ تمہارا ساتھ دوں گی۔" عینین نے نرمی سے اپنا دوسرا ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھا تھا۔وہ زخمی سا مسکرا دیا تھا۔

---

بدر پچھلے چھ ماہ سے لڑکیوں کے ذریعے خاص قسم کی منشیات کی سمگلنگ کر رہا تھا۔آج بھی لڑکیوں سے بھرا ایک ٹرک بحری جہاز کے ذریعے روانہ ہونا تھا مگر شہر کے حدود میں ہی یہ ٹرک اچانک کہیں غائب ہو گیا تھا۔بدر تو بالکل بپھر گیا تھا۔وہ تمام لڑکیاں ہی کم سن اور حسین تھیں۔کچھ کے ذریعے وہ سمگلنگ کر رہا تھا اور کچھ کو وہ آگے عربی شہزادوں کو بیچ رہا تھا تاکہ وہ ان کے بستر کی زینت بن سکیں۔

اب وہ سڑک کے پار لگے سی سی ٹی وی فوٹیج سے ٹرک کی حرکات نوٹ کر رہا تھا۔وہ کیمرہ اس ہی نے خفیہ طور پر لگوایا تھا۔

سی سی ٹی وی میں کچھ واضح سمجھ نہیں آرہا تھا سوائے اس کے کہ ہڈی میں موجود ایک شخص سڑک پر اچانک ہی کہیں سے نمودار ہوا تھا۔بدر فوراً الرٹ ہوا تھا۔کیمرے کے قریب آکر وہ شخص رکا تھا۔اس نے اب اپنی ہڈی اتاری تھی۔اوپر کی جانب چہرہ کیے اس نے ایک تیکھی مسکراہٹ چہرے پر سجائے ایک آنکھ ونگ کی تھی۔اس کے بعد منظر بالکل تاریک ہو گیا تھا۔

"نائل آفندی....."بدر کا غصے سے برا حال تھا۔یہ شخص ہر جگہ موجود ہوتا تھا۔ایک شاہین اور دوسرا نائل.....وہ ان دونوں سے تنگ تھا۔شاہین ہمیشہ چھپ کر وار کرتا تھا جبکہ نائل سامنے سے.....

"میرا اتنا بڑا نقصان کیا ہے تم نے نائل اب تم بھگتو گے۔تم نے میری لڑکیاں غائب کیں اب میں بیوی غائب کروں گا۔"اس کی آنکھوں میں طیش ابھرا تھا۔وہ نائل کو نقصان نہیں پہنچا سکتا تھا مگر اس کی بیوی کو ضرور پہنچا سکتا تھا۔

بدر نے غصے کی حالت میں کسی کو فون ملایا تھا۔

"نائل کی بیوی کو اٹھوا لو۔"حکم صادر کرتے اس نے فون میز پر پٹخا تھا۔

"اگلا نمبر تمہاری بہن کا ہو گا۔"اس نے سرخی مائل آنکھوں کے ساتھ کہا تھا۔نائل ایک آئی۔ایس۔آئی ایجینٹ تھا یہ جانتے ہوئے بھی بدر نے اسے کبھی کوئی نقصان نہیں پہنچایا تھا،وجہ آڈرز تھے جو اسے یہ کرنے نہیں دیتے تھے۔

لیکن اب اس نے ہر چیز کو پس پشت ڈال کر نائل کا قصہ تمام کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔وہ اسے آہستہ آہستہ اذیت دے کر مارنا چاہتا تھا۔

---

سنیہا ڈرائیور کے ساتھ شاپنگ کرنے مال گئی تھی۔نائل نے اسے بالکل آزاد چھوڑ دیا تھا۔وہ اس پر اب پابندیاں نہیں لگاتا تھا۔واپسی کے راستے میں ایک وین ان کی گاڑی کے آگے آر کی تھی۔

دو شخص وین سے باہر نکلے تھے۔بغیر کچھ سوچنے سمجھنے کا موقع دیے انہوں نے سیدھا ڈرائیور کے ماتھے کے بیچ و بیچ گولی ماری تھی۔گولی گاڑی کے شیشے کو چیرتے ہوئے ڈرائیور کو کسی اور دنیا میں پہنچا چکی تھی۔سنیہا کی تو چیخیں ہی نہیں رک رہی تھیں۔اس نے زندگی میں پہلی بار اتنا خوفناک منظر اتنے قریب سے دیکھا تھا۔

"اے لڑکی چلو باہر آؤ۔"ایک شخص کی گرجدار آواز سنتے وہ کانپ اٹھی تھی۔

"چلو باہر نکلو۔"گاڑی کالاک توڑے اس نے گھسیٹ کر اسے باہر نکالا تھا۔وہ مسلسل مزاحمتیں کر رہی تھی مگر سب بے سود.....

"نائل، نائل....."اپنا آپ چھڑوانے کی کوشش کرتے وہ بار بار اسے ہی پکار رہی تھی۔اسے وین میں بٹھائے وہ وین کو آگے ڈورا لے گئے تھے۔

---

وہ لوگ سنیہا کو ایک خفیہ جگہ پر لے کر گئے تھے جہاں پہلے کافی لڑکیوں کو قید کر کے رکھا ہوا تھا۔اس کی آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی تھی اور ہاتھ بھی بندھے ہوئے تھے۔ایک کمرے میں اسے پٹختے ایک شخص نے اس کی آنکھوں کی پٹی کھولی تھی۔

"میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟ پلیز مجھے چھوڑ دو۔"وہ مسلسل سسک رہی تھی۔

"تم نے نہیں لیکن تمہارے شوہر نے بہت کچھ بگاڑا ہے۔"اسے اس کمرے میں لاک کرتے وہ شخص باہر کی جانب بڑھا تھا۔

"مجھے جانے دو، پلیز مجھے جانے دو۔"وہ اپنے بندھے ہاتھوں سے ہی دروازہ کھولنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"نائل، کہاں ہیں آپ....؟"دروازے کے ساتھ لگی وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

ڈیوڈ ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی یہاں پہنچا تھا۔اسے بدر سے ضروری کام تھا۔

"بابا کہاں ہیں؟"اس نے اپنے ایک آدمی سے پوچھا تھا۔

اس آدمی نے ادب سے سر جھکائے ڈیوڈ کو بدر کا بتایا تھا۔

وہ تیز تیز قدم اٹھاتا آگے کی جانب بڑھ رہا تھا تبھی ایک کمرے کے باہر آ کر اس کے قدم رکے تھے۔ نسوانی چیخیں اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تھیں۔

"کوئی ہے، پلیز میری مدد کرو۔" کوئی بہت زور سے دروازہ پیٹ رہا تھا۔

"اندر کون ہے؟" اس نے کمرے کے باہر کھڑے گارڈ سے پوچھا تھا۔

"کوئی خاص مہمان ہے بلیک مونسٹر...." اس نے گہری سانس خارج کی تھی۔ وہ اس لفظ کا مفہوم اچھے سے سمجھتا تھا۔ یہ کمرہ واقعی خاص لوگوں کے لیے مختص تھا۔ باقی لڑکیوں کو الگ جگہ پر رکھا جاتا تھا۔

"دروازہ کھولو....." اس نے حکم صادر کیا تھا۔

"جی.....؟" گارڈ گڑبڑا گیا تھا۔

"میں نے کہا دروازہ کھولو۔" اب کی بار اس کے لہجے میں سختی در آئی تھی۔ چیخ و پکار اب بند ہو چکی تھی۔ سنیہا باآسانی باہر موجود لوگوں کی باتیں سن سکتی تھی۔

"پلیز مجھے بچاؤ۔" اب کی بار اس نے دروازہ بہت زور سے بجانا شروع کیا تھا۔ شاید اسے یہ خوش فہمی تھی کہ کوئی مسیحا اسے یہاں سے بچا لے گا۔

"بلیک مونسٹر ہمیں.... ہمیں آڈرز نہیں....." الفاظ منہ میں ہی تھے جب گولی چلنے کی آواز سے ہر طرف سکوت چھایا تھا۔

"ٹھاہ....." ڈیوڈ نے اس کے پیر پر گولی ماری تھی۔ یہ سلسلہ رکا نہیں تھا۔ ایک کے بعد دوسری، دوسری کے بعد تیسری اور تیسری کے بعد چوتھی گولی کی آواز سنتے وہ پیچھے کی طرف بھاگتی دیوار سے جا لگی تھی۔ اس کے اعصاب بالکل شل ہو گئے تھے۔ دیوار کے ساتھ لگتے وہ زمین پر بیٹھتی چلی گئی تھی۔ اپنی سسکیوں کا گلا اس نے بامشکل گھوٹا تھا۔ وہ کوئی مسیحا نہیں تھا وہ ان ہی لوگوں کی طرح ایک حیوان تھا۔

"بلیک مونسٹر کو انکار کرنے کی جرات کیسے ہوئی تمہاری؟" ڈیوڈ کا غصہ ساتویں آسمان پر پہنچا تھا۔

"کھولو دروازہ...." اب کی بار گارڈ نے فورا دروازہ کھولا تھا۔ چار گولیاں لگنے کے بعد بھی وہ بغیر کراہے اپنے قدموں پر کھڑا تھا۔ سامنے موجود شخص کسی کو کراہنے کی اجازت کہاں دیتا تھا؟؟؟

دروازے کا ہینڈل گھومنے کی آواز پر سنیہا خود میں مزید سمٹی تھی۔ اسے اپنے اطراف میں صرف خوف کے سائے لہراتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔

دروازہ کھلتے وہ اندر داخل ہوا تھا۔ ایک سرسری سی نگاہ کمرے کے ایک کونے میں دبکی بیٹھی لڑکی پر ڈال کر اس نے واپس پلٹتے دروازہ زور سے بند کیا تھا۔

"ٹیپ لگاؤ اس کے منہ پر، سر میں درد کر دیا ہے۔" حکم صادر کرتے وہ کوٹ کا بٹن بند کرتا آگے کی جانب بڑھا تھا۔

سنیہا ہاتھوں میں منہ چھپائے پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

"نائل کہاں ہیں آپ.....؟" وہ بے بسی سے اسے پکار رہی تھی۔

"بابا کون ہے یہ لڑکی؟" بدر تک پہنچتے اس نے پہلے سوال داغا تھا۔

"نا حال پوچھا نا کچھ سیدھا سوال...." بدر نے شکایتی نگاہوں سے اس کی جانب دیکھا تھا۔ اس کی شکایت پر وہ مسکرا دیا تھا۔

"مجھے بس تجسس ہو رہا ہے۔ اتنے عرصے سے وہ کمرہ خالی ہے اب اچانک کوئی خاص کیسے آ گیا؟"

"تم کچھ زیادہ دلچسپی نہیں لے رہے؟" بدر کو حیرانی ہوئی تھی۔

"ایسی بات نہیں ہے بابا، میں نے تو ایسے ہی پوچھ لیا تھا۔" وہ مدھم سا مسکرایا تھا۔

"اگر تمہیں دلچسپی ہے تو...." بدر کا لہجہ معنی خیز تھا۔اس سے اچھا اور کیا ہو سکتا تھا کہ وہ نائل کی بیوی کو حاتم کے آگے پیش کر دے۔یہ دونوں کے درمیان موجود دشمنی کو بھڑکانے کا سب سے اچھا طریقہ تھا۔

"میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتا بابا، میں نین کے علاوہ کسی کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔" حاتم فوراً خفا ہوا تھا۔

"جانتا ہوں بیٹا! مذاق کر رہا تھا۔تم کبھی ملواؤ نا اپنی نین سے۔میں بھی تو دیکھوں کہ آخر میری بہو میں ایسی کیا خاص بات ہے جو میرا بیٹا اتنا دیوانہ ہوا پھرتا ہے۔" بدر کی آنکھوں میں عجیب سی چمک تھی۔

"جی ضرور....." چند ضروری باتوں کے بعد اس نے اپنے قدم باہر کے لیے اٹھائے تھے۔

حاتم کے جانے کے تھوڑی دیر بعد بدر کو ایک کال آئی تھی۔

"کیا مسئلہ ہے؟" اس نے ناگواری سے پوچھا تھا۔

"لڑکی مرنے والی ہے۔"

"تو....؟"

"اس کی آخری سانسیں چل رہی ہیں۔" مقابل نے اپنی بات پر زور دیتے کہا تھا۔

"مر بھی جائے تو بھی بستر پر بھیج دینا۔میں ان نازک کلیوں پر اتنا پیسہ بلاوجہ نہیں لگاتا۔" اس نے طیش کی حالت میں فون کاٹ دیا تھا۔

---

نائل کسی میٹنگ سے واپسی پر گھر جا رہا تھا جب اس کا فون بجا تھا۔فون اٹھاتے ساتھ ہی اس کی رگیں تن گئی تھیں اور آنکھوں میں خون ڈور آیا تھا۔

وہ شدید اشتعال کی حالت میں گاڑی میں بیٹھا تھا۔گھر پہنچ کر اس نے اپنے کمرے کا رخ کیا تھا۔ایک ڈرار سے فون نکالے اس نے ایک نمبر ملایا تھا۔

"ہیلو کون؟؟"فون تیسری بیل پر ریسیو کر لیا گیا تھا۔

"تمہارا باپ...."نائل کا لہجہ اشتعال انگیز تھا۔

"کون بات کر رہا ہے؟"بدر الرٹ ہوا تھا۔یہ نمبر تو اس کے خاص آدمیوں کے پاس ہی تھا تو پھر یہ کون تھا جو اس سے اس لہجے میں بات کر رہا تھا؟؟؟

"بات مجھ تک تھی تو قابل برداشت تھی مگر میری بیوی کو بیچ میں لا کر تم نے ٹھیک نہیں کیا۔"نائل نے ایک ایک لفظ چبا چبا کر ادا کیا تھا۔

"نائل...."بدر کے لب مسکرائے تھے۔

"تم نے مجھ پر حملے کروائے،دھمکیاں دیں،میں نے نظر انداز کیا لیکن کوئی میری عزت پر ہاتھ ڈالے یہ میں برداشت نہیں کروں گا۔"

"کیا کر لوگے،ہاں بولو.....؟اس کے بعد میں تمہاری بہن کو اٹھواں گا۔جو کرنا ہے کر لو۔"نائل کا خون کھولنے لگا تھا۔

"آدھا گھنٹہ،صرف آدھا گھنٹہ....،آدھے گھنٹے کے اندر اندر مجھے میری بیوی میرے گھر پر چاہیئے اور ان تمام لوگوں کے کٹے ہوئے ہاتھ جنہوں نے اسے چھوا اور قید کیا،ورنہ تم نائل آفندی کا وہ روپ دیکھو گے جو آج سے پہلے کسی نے نہیں دیکھا ہو گا۔"

"اچھا کر کرو گے تم....؟"وہ استہزایہ ہنسا تھا۔

"اگلے پانچ منٹ میں سمجھ آجائے گی تمہیں...."اسے تنبیہہ کرتے نائل نے فون کاٹ دیا تھا۔

"دو ٹکے کا میجر میرا کیا اکھاڑ لے گا؟" بدر نے زبردست قہقہہ لگایا تھا۔ وہ اچھے سے جانتا تھا کہ ایکسپوز ہو جانے کے بعد وہ اپنی اہمیت کھو چکا ہے اور آئی۔ ایس۔ آئی والے اب اس کے لیے کچھ نہیں کریں گے۔ اسے اتنے عرصے سے کوئی نقصان نا پہنچانے کے آرڈرز بدر کو اوپر سے ملے تھے۔

ڈارک ورلڈ تقریبا دنیا کے ہر کونے تک پھیلی ہوئی تھی۔ وہ سب ہی ایک دوسرے سے منسلک تھے۔

نائل کو ختم کرنے پر کوئی بھی راضی نہیں تھا، وجہ شاہین تھا۔ لیکن اب بدر کا صبر جواب دے گیا تھا۔ اگر نائل اس کے معاملات میں دخل دینے سے گریز نہیں کرتا تھا تو پھر وہ کیوں پیچھے ہٹتا؟؟

ٹھیک پانچ منٹ بعد بدر کا دوسرا فون بجا تھا۔ جو کچھ اسنے سنا تھا وہ اس کے پیروں تلے زمین کھینچنے کے لیے کافی تھا۔

"ایسے کیسے ڈیل کینسل ہو گئی۔ میں پانچ کروڑ دے چکا ہوں۔ مجھے منشیات چاہیئے۔" وہ اپنی جگہ سے اٹھ بیٹھا تھا۔

"کیا مطلب پیسے واپس نہیں ملے گے؟ میں نے رقم ادا کی ہے تو مجھے منشیات چاہیئے ورنہ میری رقم واپس کرو۔" مقابل کا جواب اسے طیش دلا گیا تھا۔

"اگر اپنی سلامتی چاہتے ہو تو پیسے اور منشیات دونوں بھول جاؤ۔" فون کی سکرین تاریک ہو چکی تھی بالکل اس کے چہرے کی مانند.....

اتنے دنوں کی انتھک محنت کے بعد فرانس کے ایک مشہور گروہ کے ساتھ یہ معاہدہ طے پایا تھا۔ وہ اس خاص قسم کی منشیات کو پاکستان کی یونیورسٹیز کے سٹوڈنٹس میں عام کرنا چاہتا تھا لیکن اب اچانک ڈیل کا کینسل ہونا اس کے لیے بڑا دھچکہ تھا۔ اور تو اور وہ لوگ پیسے دینے کو بھی تیار نہیں تھے۔

ابھی وہ اسی صدمے میں تھا کہ ایک بار پھر اس کا فون بجا تھا۔ اس نے شکست خور حالت میں فون اٹھایا تھا۔

"فیکٹری میں آگ لگ گئی ؟؟"اسے اپنی سماعتوں پر یقین نہیں آیا تھا۔

"کیسے لگ گئی ؟ تم لوگ آخر....."الفاظ ابھی منہ میں ہی تھے جب جیمز کی کال آئی تھی۔ بدر نے دل کو مضبوط کرتے کال اٹھائی تھی۔

"لاہور والی حویلی پر حملہ ہو گیا ہے۔"وہ مزید نہیں سن سکتا تھا۔ بدر نے فوراً کال کاٹی تھی۔

وہ نڈھال سا کرسی پر بیٹھا تھا۔ اس کی پیشانی پسینے سے تر تھی۔

کپکپاتے ہاتھوں کے ساتھ اس نے دوسرا فون اٹھائے نائل کو کال ملائی تھی۔ وہ صوفے پر پیر پھیلائے لیٹا اس ہی کی کال کا انتظار کر رہا تھا۔

"کون ہو تم ؟"پہلے والا غرور، تمسخرانہ انداز اب کہیں غائب سا ہو گیا تھا۔

"ایک پہیلی جسے کوئی نہیں سلجھا سکتا۔ تم کوشش کر کے دیکھ لو، مزید الجھ جاؤ گے، لیکن پہلے میرا مطالبہ پورا کرو۔"

"ٹھیک ہے۔ میں تمہاری بیوی کو بھیج رہا ہوں۔ لیکن یہ سب بند کرواو۔"

"یہ تو ممکن نہیں ہے۔ اگلے آدھے گھنٹے تک یہ سب ہوتا رہے گا۔ مجھے میری بیوی مقررہ وقت پر گھر پر چاہیئے۔ اگر ایک سیکنڈ بھی اوپر ہوا تو ایسی تباہی آئے گی کہ تمہاری سات پشتیں مل کر بھی بھرپائی نہیں کر سکے گی۔"کال کٹ کر کے نائل نے فون میز پر پٹخا تھا۔

اضطراب کی حالت میں نائل نے اپنی پیشانی مسلی تھی۔ اپنے ہاتھ میں پہنی گھڑی کو دیکھ وہ مضطرب سا وہاں سے اٹھا تھا۔ ہر گزرتا منٹ اس پر بھاری تھا۔

---

ٹھیک آدھے گھنٹے بعد ایک گاڑی ان کے گھر کے باہر رکی تھی۔ نائل تیز تیز قدم اٹھاتا باہر لاؤنج کی جانب گیا تھا۔ وہ اسے دروازے سے آتی دکھائی دی تھی۔ روئی ہوئی خوفزدہ آنکھیں، سفید پڑتی رنگت، بکھرے ہوئے بال....

نائل کا دل زور سے دھڑکا تھا۔

"سنیہا....." اس کے پکارنے کی دیر تھی وہ بھاگ کر اس کے گلے لگی تھی۔

"کہاں تھے آپ....؟ میں نے کتنا پکارا آپ کو، آپ کیوں نہیں آئے؟" اسے کالر سے دبوچے وہ ہچکیاں لے لے کر رو رہی تھی۔

نائل نے آہستگی سے اس کے گرد حصار قائم کرتے اسے پر سکون کرنا چاہا تھا۔

"باقی کا رومانس کمرے میں چل کر کرتے ہیں۔ گھر میں اتنے ملازم ہیں، اچھا نہیں لگتا۔" وہ سر اٹھا کر اسے دیکھنے پر مجبور ہو گئی تھی۔ وہ شخص پاگل نہیں تھا بلکہ پاگلوں کا سردار تھا۔ کس موقع پر کیا بات کرنی ہے یہ اسے شاید کسی نے سکھایا ہی نہیں تھا۔

"اتنے پیار سے مت دیکھو مجھے پہلے ہی تم پر اتنا غصہ ہے۔ میرے کپڑے تک پریس نہیں کروائے تم نے...." وہ بے یقینی سے اسے دیکھتی رہی تھی۔

"آپ ایک نہایت خود غرض انسان ہیں۔" وہ اس وقت ٹوٹی بکھری حالت میں تھی اور وہ شخص اسے سمیٹنے کے بجائے اپنے ہی رونے روئے جا رہا تھا۔

"اور تم اس خود غرض انسان کی بیوی ہو۔" وہ اسے اپنے قریب کرتا اپنے اندر بھینچ چکا تھا۔

"تم ٹھیک ہو؟" نائل نے اس کے بال سہلاتے ہوئے نرمی سے پوچھا تھا۔

"نہیں!" اس کی گردن کے گرد بازو حمائل کرتے وہ بلک بلک کر رو دی تھی۔

"چلو اندر چلتے ہیں۔" وہ اسے اندر لے گیا تھا۔ سنیہا کی حالت واقعی ٹھیک نہیں تھی۔

"نائل وہ لوگ....."

"ایسی کی تیسی ان لوگوں کی، تم بیٹھو یہاں پر...." اسے بستر پر بٹھاتے نائل نے اسے پانی کا گلاس تھمایا تھا۔

وہ سارا پانی ایک ہی سانس میں حلق سے اتار گئی تھی۔

"نائل میں بالکل پاک ہوں۔" سنیہا کی خوفزدہ آواز سنتے نائل نے چونک کر اس کی جانب دیکھا تھا۔

"میں سچ کہہ رہی ہوں۔" اس کی آنکھوں میں خوف کے ساتھ کہیں نا کہیں مان بھی تھا جیسے وہ اس کی بات کا یقین کر لے گا۔

"تم سے جتنا پوچھا جائے نا، صرف اتنا بولا کرو۔ یہ بلاوجہ کی ٹر ٹر مجھے نہیں پسند....." اس کے لہجے میں برہمی تھی جبکہ پہلی بار اس کی یہ برہمی سنیہا کے اندر ایک سکون اتار گئی تھی۔

"چلو لیٹو یہاں پر...." خفگی نے کب نرمی کا لبادہ اوڑھا تھا، سنیہا کو خبر ہی نہیں ہوئی تھی۔

"وہ لوگ کون تھے؟"

"میرے سسرال والے....." نائل آفندی کسی بات کا سیدھا جواب کیسے دے سکتا تھا؟؟

"آپ بالکل بھی اچھے شوہر نہیں ہیں۔" وہ خفا ہوئی تھی۔

"اور تم بھی اچھی بیوی نہیں ہو۔" جواب دوبدو آیا تھا۔

"چلو ابھی لیٹو یہاں پر، تھوڑا ریلیکس ہو جاؤ پھر آرام سے لڑیں گے۔" نائل نے اسے لٹاتے ہوئے کہا تھا۔ خود وہ اس کے پاس آ بیٹھا تھا۔ اس کا ہاتھ تھامتے سنیہا نے اس کی گود میں سر رکھا تھا۔ آنسو ایک بار پھر بہنا شروع ہوئے تھے۔ اس کے بالوں میں انگلیاں چلاتے وہ اسے اپنے ہونے کا یقین دلا رہا تھا۔

وہ آنکھیں میچے کافی دیر سسکتی رہی تھی۔

"سو جاؤ عزیز من!" نائل نے اس کے بالوں پر بوسہ دیتے کہا تھا۔ سنیہا کے اندر ایک سکون سا اترا تھا۔

---

"سنیہا اب بس بھی کرو یار، تم اس وقت اپنے گھر پر ہو اپنے شوہر کے ساتھ...." سنیہا کی آنکھ تقریباً ہر دس پندرہ منٹ کے بعد کھل جاتی تھی۔ وہ اٹھ کر چیخنے چلانے لگ جاتی تھی۔ وہ نائل کو اپنے پاس سے ہلنے بھی نہیں دے رہی تھی۔

"گولی ماردی تھی۔ یہاں ماتھے پر....." سنیہا نے اپنی پیشانی چھوتے ہوئے کہا تھا۔ نائل نے بے بسی سے اسے دیکھا تھا۔

"مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے نائل، اپ پلیز کہیں مت جائیں گا۔" اس نے بچوں کی طرح سختی سے اس کا بازو پکڑا تھا۔

"میں کہیں نہیں جارہا۔ تم تھوڑی دیر سو جاؤ۔" نائل نے اسے زبردستی جوس کے ساتھ نیند کی دوائی بھی دی تھی لیکن اس کے باوجود بھی بار بار سنیہا کی نیند ٹوٹ رہی تھی۔

"مجھے نیند نہیں آرہی۔" وہ جب بھی آنکھیں بند کرتی تھی تو آنکھوں کے سامنے کبھی ڈرائیور کا چہرہ آجاتا تھا تو کبھی ان غنڈوں کا.....

"اب لوری تو سنانے سے رہا میں تمہیں۔ مجھے تو کوئی گانا بھی نہیں آتا۔ ہاں ملی نغمے آتے ہیں، سنو گی؟؟" وہ تپ کر بولا تھا۔

"آپ بس میرے پاس رہیں۔" کوئی اور موقع ہوتا تو وہ ضرور اس کی بات کا برا مناتی مگر اس وقت وہ بہت زیادہ ڈری ہوئی تھی۔

"تمہارے پاس ہی ہوں۔اب کیا سٹیمپ پیپر پر لکھ کر دوں؟" وہ خاموش رہی تھی جبکہ سوں سوں مسلسل جاری تھی۔

یہی وہ لمحہ تھا جب نائل کا صبر جواب دے گیا تھا۔اس نے ایک جھٹکے سے اس کا بازو پکڑے اسے خود سے الگ کیا تھا۔اسے بستر پر لٹاتے وہ اس پر جھکا تھا۔

"چپ چاپ سو جاؤ ورنہ سٹور میں بند کر دوں گا تمہیں۔ بالکل ویسے جیسے فارم ہاؤس پر کیا تھا۔پھر رہنا سانپوں اور بچھوں کے ساتھ...." نائل کی آنکھوں میں ہنوز سختی دیکھ وہ غصے سے کمبل تانتی کروٹ بدل گئی تھی جبکہ دبی دبی سسکیاں ابھی بھی جاری تھیں۔

"سنیہا مجھے اب تمہاری آواز نا آئے۔"

"میں نے کل ہی سٹور کی صفائی کروائی تھی وہاں ایسا کچھ بھی نہیں تھا۔" کمبل کے اندر سے ہی ڈبڈبائی آواز آئی تھی۔وہ ناچاہتے ہوئے بھی ہنس دیا تھا۔

"بے فکر رہو، تمہارے لیے لے آؤں گا۔"

"میں سو گئی ہوں۔" کمبل درست کرتے اب سنیہا نے آخری جملہ کہا تھا، پھر نیند اس پر غالب آ گئی تھی۔

نائل نے شکر کا کلمہ پڑھا تھا۔وہ اسے اپنے پاس سے اٹھنے دیتی تب ہی وہ بدر کا کوئی بندوبست کرتا۔

---

حاتم اور عینین باہر گھومنے کے لیے آئے تھے۔ برکھارت کی وجہ سے تقریباً آئے روز ہی مینہ برستی تھی۔

"عمر گاڑی رکواؤ۔" وہ تقریباً چیخ اٹھی تھی۔

"کیا ہوا نین....؟"

"وہ سامنے دیکھو، ڈھابہ ہے، چلو کچھ کھاتے ہیں۔" وہ پرجوش سی اس کے ہاتھ پر دباؤ دیے بولی تھی۔

"اگر تمہیں کچھ کھانا ہے تو کسی اچھے ریسٹورنٹ سے کھاتے ہیں نا۔"

"بھائی بھی ساری زندگی یہی کہتے رہے ہیں۔ تم سارے مرد ایک جیسے ہوتے ہو۔" وہ منہ پھلاتی رخ موڑ گئی تھی۔

"نین یہ ان ہائی جینک ہوتا ہے۔" عمر نے اسے سمجھانا چاہا تھا۔

"تمہیں مجھ سے محبت ہی نہیں ہے۔" وہ روہانسی ہوئی تھی۔

"اچھا ٹھیک ہے چلتے ہیں۔" وہ اس سے نہیں جیت سکتا تھا۔ وہ اس وقت شہر سے کافی دور تھے۔ یہ عینین کی ہی ضد تھی۔ وہ اس موسم کو انجوائے کرنا چاہتی تھی۔

بارش کے پانی میں پورا شہر ہی نہایا ہوا تھا۔ وہ سڑک کو پار کرتے دوسری جانب جا رہے تھے۔ آسمان پر اب کی بادلوں کی آنکھ مچولی جاری تھی۔ درختوں کے پتے چمکتے موتیوں کی بوندوں کی وجہ سے مزید جھک گئے تھے۔ ننھی ننھی کونپلیں کھلنے کے لیے جیسے برکھارت کی ہی منتظر تھیں۔ اطراف میں خاردار جھاڑیاں کسی ریگستان میں موجود کیکٹس کے پودے کی مانند گردن تان کر کھڑی تھیں۔

"عمر یہ سب کتنا خوبصورت ہے نا....." عینین نے ستائشی نگاہوں سے ارد گرد دیکھتے کہا تھا۔ اس کے بھورے ریشمی بال آبشار کی مانند کمر پر پھیلے ہوئے تھے۔ وہ اس وقت کریم کلر کے سوٹ میں ملبوس تھی جبکہ حاتم نے جینز کے اوپر Olive رنگ کی شرٹ پہن رکھی تھی۔

"ہمم....." وہ موبائل پر مصروف تھا۔ حاتم کا موڈ آج کچھ ٹھیک نہیں تھا۔

"تم کل تین گھنٹے کا بول کر گئے تھے۔ کہاں گئے تھے؟" عینین کو اچانک ہی یاد آیا تھا۔

"کسی سے اس کی سانسیں چھیننے مگر پھر ارادہ بدل دیا۔ آجکل مصروفیت زیادہ ہے نا، فری ہو کر کچھ کرتے ہیں۔"

"تمہاری باتیں بہت عجیب ہوتی ہیں۔"

"اب ایک سیکریٹ ایجینٹ کی باتیں عجیب نہیں ہو گی تو کیا ہوں گی؟"اس نے شرارت سے نین کی جانب دیکھا تھا۔دونوں اب چلتے چلتے ڈھابے کے کافی قریب پہنچ گئے تھے۔

"افف! یہ باتیں پبلک پلیسز پر نہیں کرتے۔ایک سپائے کبھی اپنی پہچان نہیں بتاتا۔"نین دبا دبا سا گویا ہوئی تھی اسے ڈر تھا کہ کہیں کوئی ان کی باتیں نا سن لے۔

"اور اگر بتادے تو؟"عمر نے اسے سائیڈ سمائل پاس کی تھی۔

"تو پھر وہ کچھ بھی ہو سکتا ہے لیکن ایک سپائے نہیں...."

"کچھ زیادہ ہی معلومات نہیں ہے تمہیں، کہیں تم بھی ایک سپائے تو نہیں....؟"حاتم نے اس کے گرد بازو پھیلائے مسکراتی نگاہوں سے پوچھا تھا۔

"نہیں! اگر ہوتی تو سب سے پہلے تمہیں مارتی۔"عینین نے اپنے گرد سے اس کا بازو ہٹاتے کہا تھا۔

"کیوں.....؟"حاتم نے بھویں سکیڑے اسے واپس خود سے قریب کیا تھا۔

"عمر تم یہ کیا کر رہے ہو، ہم اس وقت گھر پر نہیں ہیں۔"اس کی بڑھتی جسارتیں دیکھ وہ جھنپ گئی تھی۔

"یہ میرے سوال کا جواب نہیں ہے۔پہلے جواب دو پھر چھوڑوں گا۔"عینین نے گہری سانس خارج کرتے ارد گرد دیکھا تھا۔صد شکر کہ کوئی بھی ان کی جانب متوجہ نہیں تھا۔

"بہت سارے جرم ہیں۔سب سے پہلا جرم، تم مجھے بالکل وقت نہیں دیتے۔"

"میں اس وقت تمہارے ساتھ ہوں،اور کیا کروں؟؟"حاتم نے آہستگی سے اسے خود سے الگ کیا تھا۔

"ہر وقت تو تمہارے ہاتھ میں یہ فون ہوتا ہے۔"آنکھیں گھمائے عینین نے شکوہ کیا تھا۔

"آج کل مصروفیت تھوڑی زیادہ ہے۔ تم بیٹھو میں ابھی آتا ہوں۔" موبائل پر جیمز کا میسج دیکھ اس نے عینین سے ایسکیوز کیا تھا۔

وہ منہ بسور کر ایک ٹیبل کے گرد پڑی کرسی پر جا بیٹھی تھی۔ حاتم کے لیے فلحال اس کا کام زیادہ اہم تھا۔ عینین کو وہ بعد میں تفصیل سے منا سکتا تھا۔ کال ملائے وہ تھوڑا آگے گیا تھا لیکن سگنلز نا آنے کی وجہ سے وہ سڑک پر چل دیا تھا۔

"باجی کیا لاؤں آپ کے لیے؟"

"سب کچھ، جو بھی تمہارے پاس ہے، سب تھوڑا تھوڑا لے آؤ۔" جب حاتم کو اس کی پرواہ نہیں تھی تو وہ کیوں اس کے بارے میں سوچ کر اپنا موڈ خراب کرے۔

عینین نے مسکرا کر اپنی دائیں جانب دیکھا تھا۔ اس حسین موسم میں وہ جیسے کہیں کھو ہی گئی تھی۔

ریڈیو پر دھیما دھیما سا میوزک چلنا شروع ہوا تھا۔ پھر یہ دھن گانے کے سروں میں تبدیل ہوئی تھی۔ عینین آنکھیں بند کیے ان سروں میں جیسے کھو گئی تھی۔

"قاسائے عشق لے کے
یار کی کھوج میں نکلے
دو نین دیوانے یہ کس
موج میں ہیں نکلے"

کسی کے کندھا ہلانے پر وہ ہوش میں آئی تھی۔

"یہ آپ کے لیے....." ایک بچے نے ایک پھول کے ساتھ اسے ایک خط بھی پکڑایا تھا۔

اتنی دیر میں وہاں کام کرنے والا لڑکا اس کے لیے کھانا لے آیا تھا۔

"باجی یہ ہمارے ڈھابے کی سب سے خاص چائے ہے جو میں آپ کے لیے لے کر آیا ہوں۔"اس نے کھانے کے ساتھ چائے کا کپ بھی عینین کے سامنے رکھا تھا۔وہ مدھم سا مسکرادی تھی۔

گرم چائے کے کپ سے بھانپ نکل رہی تھی۔عینین نے تجسس سے وہ خط کھولا تھا۔نجانے اس میں کیا لکھا تھا۔

"تقسیم کے بعد سارا حسن بارڈر پار چلا گیا۔یہ تو سراسر ناانصافی ہے۔"عینین کے ماتھے پر بل پڑے تھے۔ایک لمحے کے لیے دل زور سے دھڑکا تھا۔

"احمر....."وہ فوراًاٹھ کھڑی ہوئی تھی۔وہ اس کی ہینڈ رائٹنگ اچھے سے پہچانتی تھی۔اب اس نے گھبرا کر ارد گرد دیکھا تھا۔اسے دور دور تک کوئی نظر نہیں آیا تھا۔

عینین نے ابھی ایک قدم ہی آگے بڑھایا تھا کہ اس کا پیر ٹیبل سے ٹکرایا تھا۔چائے کے چند گھونٹ کپ سے باہر چھلکے تھے۔گانے کے سر اب بھی ماحول پر اپنا اثر چھوڑ رہے تھے۔

"او صاحب او صاحب

تیری باندھی ہوں میں

او صاحب تو جیتا

جند ساری ہاری میں"

ہاتھ میں خط پکڑے وہ بھاگتی ہوئی وہاں سے گئی تھی۔ریشمی بالوں کی کچھ لٹیں اس کے چہرے پر جھول رہی تھیں۔اچانک اسے ایک کونے میں کھڑا وہ بچہ نظر آیا تھا جس نے اسے وہ خط دیا تھا۔وہ بھاگتی ہوئی اس کی جانب گئی تھی۔

"یہ....یہ کس نے دیا ہے آپ کو....؟"اس نے ہانپتے ہوئے پوچھا تھا۔

"اس نے....." بچے نے ایک سمت اشارہ کیا تھا۔ عینین نے اس کی انگلی کی سمت دیکھا تھا۔

"وہاں تو کوئی نہیں ہے۔" ویران سنسان سڑک....

"آپ...." اس سے پہلے کہ عینین مزید کچھ پوچھتی، وہ بچہ وہاں سے بھاگ گیا تھا۔ وہ اس کے پیچھے جانے ہی لگی تھی جب کسی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا۔ اس کے دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہوئی تھیں۔

" کبھی ایسا بھی ہو روبرو تم بیٹھو

ہماری آنکھوں سے ذرا خود کو دیکھو"

وہ بے اختیار پلٹی تھی۔

"نین! تم یہاں کیا کر رہی ہو؟" حاتم نے مسکرا کر استفسار کیا تھا۔

"وہ میں....." وہ گھبرا گئی تھی۔

"موسم خراب ہو رہا ہے۔ کبھی بھی بارش ہو سکتی ہے، گھر چلیں؟" عینین نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

" کھایا تو کچھ بھی نہیں تم نے، بس بل پے کروانے کا بہانہ تھا یہ...." اس کے گرد بازو حمائل کرتے وہ اسے آگے لے جا رہا تھا۔ وہ خاموش رہی تھی۔

" کبھی ایسا بھی ہو روبرو تم بیٹھو

ہمارے دل کی لگی لگے تیرے دل کو"

ہر بڑھتے قدم کے ساتھ سروں کی آواز مدھم سے مدھم ہوتی جا رہی تھی۔ کسی انجانے احساس کے تحت اس نے مڑ کر دیکھا تھا۔ اسے سڑک کنارے سیاہ ہڈی میں ایک شخص دکھا تھا۔ اس کے دیکھتے ہی وہ پلٹ گیا تھا۔

"پردہ دل پوشی، جام چاہت نوشی

میں عشق کے سر چڑھ بولوں یا اوڑھوں خاموشی

تجھ سے کیا پردہ کروں، تو میرا آئینہ

تیری دید کا خوں تو لگے، جیسے امرت پینا"

وہ آگے کی جانب چلتے مسلسل مڑ مڑ کر اسے دیکھتی رہی تھی۔اب منظر دھندلا گیا تھا۔سیاہ ہڈی میں موجود وہ شخص جا چکا تھا۔میز پر پڑی چائے اب ٹھنڈی ہو چکی تھی۔

---

وہ رات کے پہر بالکنی میں کھڑی گہری سوچ میں ڈوبی تھی۔آج جو ہوا وہ بہت عجیب تھا۔احمر کا اچانک چلے جانا پھر آج یوں آنا، وہ بھی پاکستان میں....

"کس نے کہا کہ میں پاکستانی ہوں، میں انڈین ہوں"

"اب براہ مہربانی میرا راستہ چھوڑیں اور مزید ایک مومن مرد کا ایمان خراب مت کیجیے۔"

"میرا نام احمر ہے۔"

وہ اپنے ہی خیالوں میں گم تھی جب حاتم نے پیچھے سے آکر اسے گلے لگایا تھا۔وہ بری طرح چونکی تھی۔

"جب شوہر پاس ہے تو پھر کس کے بارے میں سوچا جا رہا ہے؟" حاتم نے اس کے بالوں میں منہ چھپاتے کہا تھا۔

"کسی کے بارے میں نہیں، بس ایسے ہی....." اگر وہ اس کی سوچ پڑھ لیتا تو اس وقت وہ قبر میں ہوتی۔

"بس ایسے بھی کچھ مت سوچا کرو۔" اس نے عینین کا رخ اپنی جانب موڑا تھا۔

"ویسے میری بیوی اتنی ٹیلنٹڈ ہے تو ایک ڈیمو تو بنتا ہے نا.....ایک اکاؤنٹ تو ہیک کر کے دکھاؤ۔" حاتم نے نرمی سے اس کی گال کو چھوا تھا۔

"میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔میں سونا چاہتی ہوں۔" اس کے چہرے پر بیزاریت تھی۔

"سوجانالیکن پہلے ایک اکاؤنٹ ہیک کرلو۔پانچ منٹ کی تو بات ہے۔"

"عمر تمہارے ساتھ آخر مسئلہ کیاہے؟ تم کیوں عجیب عجیب باتیں کررہے ہو۔تم بالکل ویسے ہی سوال پوچھ رہے ہو جیسے پھوپھو پوچھتی تھیں۔"وہ صبح سے عینین کو کریدنے کی کوشش کررہا تھا جبکہ عینین کو اس کے سوالات سے شدید کوفت ہورہی تھی۔

"اچھا اچھا،ریلیکس ہوجاؤ۔تم آرام کرو۔"اس کے بگڑتے تیور دیکھ وہ محتاط ہوا تھا۔وہ منہ بناتی بستر پر جاکر لیٹی تھی۔

"شاید مجھے غلط فہمی ہوئی ہے۔احمر نہیں ہوسکتا،اور اگر ہے بھی تو میں کیوں اس کے بارے یں اتنا سوچ رہی ہوں؟"عینین نے سر جھٹکتے آنکھیں موندھی تھیں۔

---

وہ صبح کے وقت بیڈ کراون سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی جبکہ نائل آفس کے لیے تیار ہورہا تھا۔

"جانا ضروری ہے کیا؟"اس کے لہجے میں اداسی تھی۔

"تم کیا چاہتی ہو کہ ساری زندگی تمہارے پلو سے بندھا رہوں؟"سنیہا نے بے بسی سے سر پیچھے ٹکایا تھا۔وہ شخص سیدھا جواب دینا جانتا ہی نہیں تھا یا پھر یہ خاص کرم نوازی صرف اس ہی پر تھی۔

"آپ اتنے روڈ کیوں ہیں؟"ریسٹ واچ پہنتے نائل کے ہاتھ رکے تھے۔ماتھے پر تیوری چڑھائے اس نے گردن موڑ کر سنیہا کو دیکھا تھا۔

"کل سے تمہارے نخرے اٹھا رہا ہوں۔تمہیں اپنے ہاتھوں سے جوس تک پلایا اور کھانا بھی بستر پر لا کر دیا اور تم کہہ رہی ہو کہ میں روڈ ہوں؟"وہ صحیح معنوں میں خفا ہوا تھا۔

"ہاں یہ سب تو کیا تھا آپ نے لیکن سب سے اچھا مجھے تب لگا جب آپ نے مجھ سے اظہار محبت کیا تھا۔" اٹھ کر بیٹھتے وہ شرمائی تھی۔

"میں نے کب کیا اظہار محبت؟" وہ حیران ہوا تھا۔

"آپ نے مجھے 'عزیز من' کہا تھا۔"

"میں نے، کب....؟" نائل نے سوالیہ نظروں سے اس کی جانب دیکھا تھا۔

"کل آپ نے کہا تو تھا کہ 'سو جاؤ عزیز من...'" سنیہا نے اسے یاد دہانی کروائی تھی۔

"جاگتے ہوئے بھی خواب دیکھتی ہو کیا؟ میرا دماغ خراب ہے جو میں یہ کہوں گا اور وہ بھی تم سے؟" وہ تمسخرانہ ہنسا تھا۔

"آپ نے کہا تو تھا۔" وہ کنفیوز ہوئی تھی۔

"تم نے خواب دیکھا ہے بلکہ خواب میں بھی غلط ہی دیکھا ہے۔ میں نے کہا ہو گا 'بھاڑ میں جاؤ وبال جان....'" سنیہا کا منہ بے اختیار کھلا تھا۔

"بہت برے ہیں آپ...." اس نے منہ بسورے رخ موڑا تھا۔

"او کے بائے...." وہ بیگ اٹھاتا عجلت بھرے انداز میں باہر گیا تھا۔

"انہوں نے کہا تھا یا پھر نہیں کہا تھا۔" اس نے اپنے دماغ پر بھرپور زور ڈالا تھا مگر اسے ٹھیک سے یاد نہیں آ رہا تھا۔

زینے پھلانگتے وہ نیچے لاؤنج میں آیا تھا۔

"میم کو ناشتہ کرواؤ اور میڈیسن دے دینا۔ اور بالکل بھی کوئی کام نا کرنے دینا۔ اگر اس نے کوئی کام کیا نا تو پھر تم اپنی خیر منانا۔" ملازمہ کو سختی سے باور کرواتے وہ آگے بڑھا تھا۔

"اور ہاں، ایک سیکنڈ کے لیے بھی اکیلا مت چھوڑنا۔ اگر کوئی مسئلہ ہو تو مجھے فوراً کال کرنا۔" جاتے جاتے اسے پھر یاد آیا تھا۔ ملازمہ نے ادب سے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

---

رات کی تاریکی میں جب ہر طرف سکوت چھایا ہوا تھا۔ دو لوگ ایک سنسان جگہ پر ملے تھے۔ ایسی جگہ جہاں کوئی بشر تو دور کوئی جانور تک نہیں تھا۔ یہاں نا کوئی سگنلز تھے اور نا ہی کوئی ٹیکنالوجی..... یہ ملاقات بہت کم کم ہی ہوتی تھی۔

"آپ کو یہ نہیں کرنا چاہیئے تھا۔ اب سب کی توجہ شاہین سے ہٹ کر آپ پر جائے گی۔"

"تو کیا میں اپنی بیوی کو ایسے ہی چھوڑ دیتا؟" نائل برہمی سے گویا ہوا تھا۔

"کوئی اور راستہ نکال لیتے مگر اب بدر آپ کو سرچ کرے گا۔"

"کرتا رہے، کچھ ہاتھ نہیں لگے گا۔" نائل کو جیسے کوئی پرواہ ہی نہیں تھی۔

"وہ آپ کو نقصان پہنچا سکتا ہے۔"

"وہ خواب میں بھی ایسا نہیں سوچ سکتا۔ ویسے بھی اس کا بندوبست کرنے کا سوچ لیا ہے میں نے؟"

"کیا کرے گے آپ اس کے ساتھ؟" مقابل نے دلچسبی سے پوچھا تھا۔

"میں نہیں کروں گا، جو بھی کرے گا اس کا منہ بولا بیٹا بیٹا کرے گا۔ اصل کھلاڑی وہی ہے جسے پتا ہو کہ دو دشمنوں کو آخر لڑوانا کیسے ہے۔" نائل کی آنکھوں میں عجیب سی چمک تھی جبکہ اس کی بات پر مقابل نے ستائشی نگاہوں سے اس کی جانب دیکھا تھا۔

---

پچھلے دو دن سے بدر بن پانی کی مچھلی کی مانند تڑپ رہا تھا۔اس نے بھاری مقدار میں پیسہ لگا کر بہتر سے بہترین ہیکر کو ہائر کیا تھا لیکن ان سب نے جو اسے بتایا تھا وہ نا قابل یقین تھا۔اب بھی وہ سر پکڑے اپنے کمرے میں بیٹھا تھا۔

"میری انفارمیشن کے مطابق ان کا تعلق آئی۔ایس۔ائی سے ہے"

"وہ ایک ریٹائرڈ میجر ہے۔"

"اس کا تعلق تو کبھی آئی۔ایس۔آئی سے تھا ہی نہیں...."

"سن 2022 سے وہ ملیشیاء کے ایک گروہ کے لیے کام کر رہا ہے۔ائی۔ایس۔آئی سے اس کا کوئی لنک شو نہیں ہو رہا۔"

"سن 2020 سے وہ فرانس کے ایک جانے مانے گروہ کے ساتھ سمگلنگ میں ملوث ہے۔"

"پاکستان میں رہ کر وہ امریکہ کے لیے کام کرتا ہے۔یہ تمام پراپرٹی اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہے۔"بدر نے غصے سے ساتھ پڑی میز الٹ دی تھی۔

"نائل آفندی! تم آخر ہو کون؟"اب وہ کمرے کی چیزیں اٹھا اٹھا کر پٹخ رہا تھا۔

"میں اتنی بڑی غلطی کیسے کر سکتا ہوں۔میں نے شاہین کے بجائے تمہیں کیوں نہیں کھو جا، کیوں.....؟"اس نے گلدان ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے پر دے مارا تھا۔

"تم کوئی سپائے نہیں ہوں۔میں یہ کیوں نہیں سمجھ سکا؟ مجھے لگتا تھا کہ تم سامنے اس لیے ہو کیونکہ تم شاہین کو بچا سکو لیکن در حقیقت تم خود کو بچا رہے تھے۔"اب کہیں جا کر کڑیوں سے کڑیاں جڑنے لگی تھیں۔

دروازہ ناک ہونے کی آواز سے وہ چونکا تھا۔

"آؤ عارف آؤ، بتاؤ کیا پتا چلا؟" اس نے جس سے بھی پتا کروایا تھا۔ تقریباً سب کے ہی بیانات مختلف تھے۔ آخری امید عارف ہی تھا۔ وہ ایک ٹین ایجر لڑکا تھا لیکن بچپن سے ہی ان ہی لوگوں کے ساتھ رہتا تھا۔ وہ ٹیکنالوجی میں خاصی مہارت رکھتا تھا۔

"نائل ایک سپائے نہیں ہے۔ اس نے آئی۔ ایس۔ آئی تب ہی چھوڑ دی تھی جب وہ ایکسپوز ہوا تھا۔ مجھے لگتا ہے کہ وہ آئی۔ ایس۔ آئی کا نام استعمال کر کے کوئی بہت بڑی پلاننگ کر رہا ہے جو ہم لوگ سمجھ نہیں پا رہے۔"

"اور شاہین، اس کے بارے میں کیا پتا چلا؟"

"کچھ نہیں! بس اتنا کہ وہ نائل کا دوست ہے۔ اسفند نام ہے اس کا، مگر کیسا دکھتا ہے، کہاں ہے، یہ نہیں پتا۔" عارف نے بے بسی سے کہا تھا۔

"ٹھیک ہے، تم جاؤ یہاں سے...." بدر کا دماغ اس وقت کافی الجھا ہوا تھا۔ وہ کچھ دیر ٹھنڈے دماغ سے سوچنا چاہتا تھا۔

---

"میں تمہیں کبھی ایسا کچھ کرنے کے لیے نہیں کہوں گا جو تم نہیں کرنا چاہتی۔ میرے لیے میری نین اہم ہے۔" وہ بستر پر بیٹھی ہوئی تھی جبکہ حاتم گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھا اس کے دونوں ہاتھ تھامے ہوئے تھا۔

"میں بس یہ چاہتا تھا کہ ہم دونوں مل کر اس ملک کے لیے کچھ کریں۔ لیکن اگر تم نہیں کرنا چاہتی تو کوئی بات نہیں...."

"میں کروں گی۔ تم جو کہو گے میں وہ کروں گی۔" حاتم نے چونک کر اس کے سپاٹ چہرے کی جانب دیکھا تھا۔

"عمر نین کے لیے یہ سب کرے نا کرے لیکن وانیہ آفندی شاہین کے لیے یہ ضرور کرے گی۔"اس کی جانب دیکھے وہ مدھم سا مسکرائی تھی۔

"Thank you!

Thank you so much."

حاتم کی آنکھوں میں خوشی کی چمک ابھری تھی۔

مزید کسی بھی گفتگو سے پہلے اس کا فون وائبریٹ ہوا تھا۔نائل کا وائس میسیج دیکھ اس کے ماتھے پر بل پڑے تھے۔وہ عینین سے ایکسکیوز کرتا کمرے سے باہر گیا تھا۔

ماتھے پر تیوری چڑھائے اس نے ناگواری سے وائس میسج کھولا تھا۔وہ جیسے جیسے سنتا جا رہا تھا،اس کا پارہ ساتویں آسمان تک پہنچتا جا رہا تھا۔

---

وہ ابھی ابھی گھر لوٹا تھا۔کمرے میں داخل ہوتے اسے ٹاول سے بال رگڑتی اپنی شریک حیات دکھی تھی۔

"یہ کون سا وقت ہے شاور لینے کا؟"اس کی بات پر وہ پلٹی تھی۔گیلے،گھنے بال پشت پر بکھر گئے تھے۔

"شاور لینے کا کوئی وقت ہوتا ہے کیا؟"سنیہا نے الٹا استفسار کیا تھا۔

"مجھے ایسا لگتا ہے تم نے یہ جان کر کیا ہے۔مجھے قابو میں کرنا چاہتی ہو نا؟"بیگ سائیڈ پر رکھے،کوٹ کا بٹن کھولے وہ مسکرا کر اس کی جانب بڑھا تھا۔

"کیوں،ایسے قابو آجائے گے آپ؟"اس کے قریب جاتے سنیہا نے مسکرا کر اس کی گردن میں باہیں ڈالی تھیں۔

"تمہارے ارادے مجھے کچھ ٹھیک نہیں لگ رہے؟" نائل نے اس کی کمر کے گرد بازو ڈالتے اسے مزید قریب کیا تھا۔

"میرے ارادے بالکل ٹھیک ہیں۔" اس نے مسکرا کر اپنی سیاہ آنکھیں اس کی سنہری آنکھوں میں گاڑھی تھیں۔

"اچھا جی...." نائل نے دوسرے ہاتھ کی پشت سے اس کی گال سہلائی تھی۔

"آپ اب بھی کہیے گے کہ آپ کو مجھ سے محبت نہیں؟" اس کا خوشگوار موڈ دیکھ سنیہا نے موقعے پر چوکا لگایا تھا۔

"مجھے تم سے محبت....." نائل کی نگاہوں نے اس کی صراحی دار سے چہرے تک کا طواف کیا تھا پھر اس کی آنکھوں پر آکر اس کی نظریں ٹھہر گئی تھیں۔ اس کے چہرے پر موجود مسکراہٹ کہیں غائب ہوئی تھی۔ اس نے ایک جھٹکے سے سنیہا کو خود سے دور کیا تھا۔

رخ موڑے اب وہ گہری گہری سانسیں لے رہا تھا۔ وہ بالکل ہکا بقارہ گئی تھی۔

"نائل کیا ہوا؟ آپ کی طبیعت...." سنیہا نے اس کا بازو پکڑا تھا جسے وہ فوراً جھٹک گیا تھا۔

"جاؤ یہاں سے...." کوٹ اتارے اس نے حد درجہ نرم لہجے میں کہا تھا۔

"جی....؟" وہ نہیں سمجھی تھی۔

"میں نے کہا ابھی اور اسی وقت نکلو میرے کمرے سے...." اس کی دھاڑ پر وہ سہم گئی تھی۔

"نائل آپ...." اس کی آواز بھرا گی تھی۔

"تمہیں ایک بار میں کہی بات سمجھ نہیں آتی؟" وہ شدید مشتعل انداز میں گویا ہوا تھا۔

"ٹھیک ہے مت جاؤ، میں ہی چلا جاتا ہوں۔" وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر کی جانب بڑھا تھا۔

"اور دوبارہ یہ چونچلے کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں ان سے متاثر نہیں ہوتا۔" دھڑام سے دروازہ بند کرتے وہ چلا گیا تھا۔ سنیہا کی آنکھیں نمکین پانیوں سے بھر گئی تھیں۔

وہ شخص اس کی سمجھ سے باہر تھا۔ اگر وہ اسے عرش پر بٹھانا جانتا تھا تو فرش پر پٹخنا بھی جانتا تھا۔

---

حاتم شدید غصے کی حالت میں بدر کے گھر گیا تھا۔

"بابا، بابا...." وہ مسلسل چلاتا ہوا اس کے کمرے کی جانب بڑھا تھا۔

"کیا ہوا ڈیوڈ؟" اس کا اشتعال انگیز روپ دیکھ بدر پریشان ہو گیا تھا۔

"یہ سب کیا ہے بابا؟" حاتم نے سرخی مائل آنکھوں سے ریکارڈنگ پلے کی تھی۔

"کیا کرلو گے، ہاں بولو.....؟ اس کے بعد میں تمہاری بہن کو اٹھواں گا۔ جو کرنا ہے کرلو۔" ریکارڈنگ سنتے بدر کے گلے میں گلٹی ابھری تھی۔

"آپ میری نین کے بارے میں ایسا کیسے بول سکتے ہیں، بتائیں بابا؟" وہ بالکل آپے سے باہر ہوا تھا۔

"تم غلط سمجھ رہے ہو بیٹا، میں تو بس نائل کو دھمکانے کے لیے....."

"وہ خاص مہمان اس کی بیوی تھی نا؟" بدر خاموش رہا تھا۔

"آپ ایسا کیسے کر سکتے ہیں بابا، عورتوں کو درمیان میں لانے کی کیا ضرورت ہے؟" غصے سے اس کی رگیں تن گئی تھیں۔

"میں تو لڑکیوں کی سمگلنگ کے بھی خلاف ہوں۔ اور آپ اس کی بیوی اور میری بیوی کو درمیان میں لے آئے؟"

"تم اس وقت غصے میں ہو۔ ہم بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔" بدر نے اسے چھونے کی کوشش کی تھی۔

"مجھے کوئی بات نہیں کرنی، آپ اگر میرے بابا نا ہوتے نا تو میں اس حرکت پر آپ کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے چیل کوؤں کے آگے ڈال دیتا۔" بدر سانس نہیں لے سکا تھا۔اس کی قوت صلاحیت جیسے سلب ہوئی تھی۔تو کیا وہ اتنے عرصے ایک سانپ کو دودھ پلاتا رہا تھا؟؟

"بہت کام کر لیے آپ نے، آج کے بعد آپ صرف آرام کرے گے۔آپ ملائشیا جائیں گے اور اب ساری زندگی ایک گھر تک ہی محدود رہے گے۔آپ کی عمر کام کرنے کی نہیں تسبیحاں پڑھنے کی ہے۔" بدر تو اس کی بات سن بالکل ہکا بقارہ گیا تھا۔

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو ڈیوڈ؟"

"وہی جو آپ نے سنا، اج کے بعد صرف میری حکومت ہو گی، بلیک مونسٹر کی.....اپنا سامان پیک کر لیں۔" اپنی سنائے وہ چلتا بنا تھا۔

"ایک ہفتہ، صرف ایک ہفتہ...جب طلب پوری نہیں ہو گی تو تم خود آؤ گے میرے پاس، میرے قدموں میں گر کر معافی مانگو گے مجھ سے...." وہ استہزایہ ہنسا تھا۔

---

"کیا بنا رہی ہو؟" وہ کچن میں کھڑی کام کر رہی تھی جب نائل نے خوشگواریت سے اس کے کان کے قریب سرگوشی کی تھی۔

"کھانا....." یک لفظی جواب آیا تھا۔

"وہ تو مجھے بھی دکھ رہا ہے۔کھانے میں کیا خاص بنا رہی ہو؟" ہاتھ پر ہاتھ باندھے وہ مسکرا کر گویا ہوا تھا۔

"ایک بات کہوں آپ سے؟" رخ موڑے اس نے نظریں جھکائے کہا تھا۔

"ہمم...."

"آپ برا تو نہیں مانیں گے؟" اس کے لہجے میں خوف تھا۔

"یہ تو تمہاری بات پر انحصار کرتا ہے۔" سنیہا نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری تھی۔

"آپ کو پتا ہے نائل، کبھی کبھار زندگی میں کچھ ایسا ہوتا ہے جو ہم کسی سے بھی شیئر نہیں کر سکتے، یہاں تک کہ اپنے لائف پارٹنر سے بھی.... ایسے میں ہمیں کسی ایسے شخص کی ضرورت ہوتی ہے جو ہماری مدد کر سکے۔" وہ ایک ایک لفظ بہت سوچ سوچ کر اور ٹھہر ٹھہر کر بول رہی تھی۔

"تم کہنا کیا چاہتی ہو؟" ماتھے پر بل ڈالے اس نے سنیہا کی جانب دیکھا تھا۔

"میری بات کا برا مت مانیں گا مگر مجھے لگتا ہے کہ ہمیں کسی اچھے سائیکیٹرسٹ کے پاس جانا چاہیئے۔" وہ دو قدم پیچھے ہٹتی منمنائی تھی مبادا کہیں ایک چماٹ ہی نا پڑ جائے۔

"میرا نہیں خیال کہ تمہارا علاج ممکن ہے۔" نائل نے اس کی بات مذاق میں اڑائی تھی۔

"میں اپنی بات نہیں کر رہی۔" وہ دو قدم مزید پیچھے ہٹی تھی۔

"تو پھر کس کی بات کر رہی ہو؟" اب کی بار اس کے لہجے میں کچھ برہمی تھی۔

"بلاوجہ غصہ ہو جانا، پھر نارمل ہو جانا....." وہ دو کے بجائے چار قدم پیچھے ہٹی تھی۔ اس نے ہمت کر کے کہہ توڈالا تھا مگر نتائج بھگتنے کی سکت اس میں نہیں تھی۔

"تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ میں پاگل ہوں؟" نائل نے ابھی ایک قدم ہی آگے بڑھایا تھا۔ وہ گھبرا کر پیچھے سلیب سے لگی تھی۔

"نن... نہیں تو...." لڑکھڑاتی زبان کے ساتھ سنیہا نے زور و شور سے نفی میں سر ہلایا تھا۔

کچھ جلنے کی سمیل سے دونوں کا دھیان چولہے کی جانب گیا تھا۔ چولہا آف کیے نائل اس کی جانب بڑھا تھا۔ سنیہا بیچاری کی تو ہوائیاں ہی اڑ گئی تھیں۔

"میں پاگل نہیں ہوں سنیہا...."اس کے قریب جاتے نائل نے اس کے کان قریب سر گوشی کی تھی۔وہ سختی سے آنکھیں میچ گئی تھی۔

"میں صابر ہوں۔"اپنی کہے وہ چلا گیا تھا۔وہ کافی دیر خالی الذہنی کی حالت میں وہیں کھڑی رہی تھی۔ہمیشہ کی طرح آج بھی نائل کی بات اس کے سر سے گزری تھی۔

---

گارڈز کے بٹن دبانے کے بعد دروازہ کھلا تھا۔وہ زینے پھلانگتا مغرورانہ چال چلتا نیچے اترا تھا۔ہر سمت اندھیرا چھایا ہوا تھا۔دیواروں پر جگہ جگہ مشعلیں روشن تھیں۔

"میں تنگ آگیا ہوں اس سب سے،اب اس کھیل کو ختم کرنے کا وقت آگیا ہے۔تمہاری سزا پوری ہوئی اب موت کا وقت آ پہنچا ہے۔"ڈیوڈ نے زمین پر بے سود پڑے وجود کو ٹھڈا مار کر اٹھایا تھا۔

"میری بیوی کو بیوا قوف بناتے تھے۔اس سے کام نکلواتے رہے ہو۔تمہاری جرات کیسے ہوئی میری بیوی کے ساتھ یہ کرنے کی.....؟"اسے بالوں سے دبوچتے حاتم نے اسے کھڑا کیا تھا۔

اس نے اپنے ایک بندے سے پٹرول منگوایا تھا۔اس کا منہ دبوچے حاتم نے اس کے منہ کے اندر پٹرول کی بوتل انڈیلی تھی۔

پٹرول نکل نکل کر اس کے منہ سے باہر آرہا تھا۔

"میری نین کے ساتھ باتیں کرتے تھے تم؟"دو گھونسے اس کے پیٹ میں جڑتے حاتم نے اب کی بار ایک ڈبہ اٹھایا تھا۔ڈبے کے اندر چھوٹے چھوٹے بچھو دیکھ یوسف کی آنکھوں میں خوف کے سائے لہرائے تھے۔

"لو کھاؤ اسے...." اس کا منہ ایک بار پھر دبوچے حاتم نے وہ ڈبہ اس کے منہ میں الٹا تھا۔اس نے منہ اس انداز میں دبوچا ہوا تھا کہ وہ باہر نہیں تھوک سکتا تھا۔جب تک وہ بچھو اس کے حلق کے اندر نہیں اترے تھے، حاتم نے اسے نہیں چھوڑا تھا۔

وہ زمین پر گرا تڑپ تڑپ کر مر رہا تھا۔اس پر ایک تنفر بھری نگاہ ڈال کر وہ وہاں سے گیا تھا۔اسے آج کسی اور کو بھی کیفل کردار تک پہنچانا تھا۔

---

ایک پہاڑی کے قریب حاتم نے گاڑی روکی تھی۔اردگرد جنگل ہی جنگل تھا۔اس کے ساتھ والی سیٹ پر ماہم بیٹھی ہوئی تھی۔

"تم مجھے یہاں کیوں لائے ہو؟" یہ وہی جگہ تھی جہاں نینا کا ریپ ہوا تھا اور صوفی کی موت....

"تمہیں ایک آخری موقع دینے، بھاگ جاؤ، میں وعدہ کرتا ہوں کہ کبھی تمہارے پیچھے نہیں آؤں گا۔لیکن اگر تم نہیں بھاگی تو پھر میں تمہیں تاعمر زندہ رکھوں گا۔اور وہ اذیت پہنچاؤں گا کہ تمہاری روح کانپ اٹھے۔" حاتم کی آنکھوں میں آگ بھڑک رہی تھی۔

"بھاگ جاؤ۔" دروازے کا لاک کھولے حاتم نے ایک بار پھر کہا تھا۔وہ سہم کر وہیں بیٹھی رہی تھی۔

"میں نے کہا بھاگو۔" اس کی غراہٹ پر وہ ہڑبڑاہٹ میں دروازہ کھولے باہر بھاگی تھی۔

وہ بھاگتے بھاگتے کافی دور آگئی تھی۔وہ اسے بہت دور سے دیکھ رہا تھا۔یہی وہ سڑک تھی جہاں اس کی بہن خون میں لت پت وجود کے ساتھ پڑی تھی۔حاتم نے غصے سے گاڑی میں چابی گھمائی تھی۔گاڑی کو فل سپیڈ سے چلائے وہ ماہم کے پیچھے گیا تھا۔اپنے پیچھے اسے آتا دیکھ ماہم کی سپیڈ مزید تیز ہوئی تھی۔وہ جتنا تیز بھاگ سکتی تھی، اتنا تیز بھاگی تھی۔اچانک ہی اس کا پیر پھسلا تھا۔وہ سڑک کے بیچوں بیچ گری تھی۔حاتم فل سپیڈ سے

گاڑی چلائے اس کی جانب بڑھا تھا۔ موت کے خوف کے احساس سے اس کی سختی سے آنکھیں میچی تھیں۔ اس کے قریب آکر حاتم نے گاڑی کو بریک لگائی تھی۔

گاڑی کا شیشہ نیچے کیے وہ پھر غرایا تھا۔

"بھاگو ماہم، اگر میرے قہر سے بچنا ہے تو بھاگ جاؤ۔" وہ پھولے تنفس کے ساتھ بامشکل اٹھ کر بھاگی تھی۔

یہ کھیل اگلے آدھے گھنٹے تک چلتا رہا تھا۔ ایک جگہ آکر وہ تھک ہار کر سڑک پر بیٹھ گئی تھی۔ اس کی سکت اب ختم ہوئی تھی۔ اس نے روتے ہوئے ہاتھ جوڑے تھے۔ وہ اسے گھما پھرا کر واپس اسی سڑک پر لے آیا تھا۔

اس کی بے بسی سے محظوظ ہوتے وہ گاڑی سے باہر نکلا تھا۔ اب اس نے گاڑی کی چابی زمین پر پھینکی تھی۔

"زندگی یا موت.....؟" گاڑی کے ساتھ ٹیک لگائے حاتم نے پر سکون انداز میں پوچھا تھا۔

"موت...." وہ ہاتھ جوڑے سسکی تھی۔

"گاڑی کی چابی اٹھاؤ اور گاڑی میں جا کر بیٹھو۔" ماہم نے چونک کر اس کی جانب دیکھا تھا۔

"یہ وہی پہاڑی ہے نا؟ آج تم خود یہاں سے گاڑی سمیت کود و گی۔" ماہم نے روتے ہوئے نفی میں سر ہلایا تھا۔

"اٹھو...." حاتم کی دھاڑ پر وہ کانپتے وجود کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ اس نے ایک رحم طلب نگاہ اس پر ڈالی تھی جس کی ڈکشنری میں رحم نام کا لفظ ہی نہیں تھا۔

"گاڑی میں بیٹھو۔" اس کے حکم پر وہ روتے سسکتے گاڑی کی فرنٹ سیٹ پر آ بیٹھی تھی۔ اس اذیت بھری زندگی سے تو موت ہی بہتر تھی۔

"چلاؤ گاڑی،اور رکنامت....اگر تم رکی تو پھر تمہیں نجات کا موقع کبھی نہیں ملے گا۔"ماہم نے کپکپاتے ہاتھوں سے گاڑی میں چابی گھمائی تھی۔حاتم سڑک کے کنارے کھڑا ہاتھ پر ہاتھ باندھے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ایک طرف کھائی تھی

جہاں دردناک موت اس کی منتظر تھی اور دوسری طرف وہ اس کے زندگی لیے کھڑا رہا تھا، موت سے بدتر زندگی....

ماہم نے موت کو چنا تھا۔جو کچھ نینا کے ساتھ ہوا تھا وہ سب کسی فلم کی طرح اس کے سامنے چل رہا تھا۔نینا کا ریپ،اس کی آخری سانسیں اور پھر اسے گاڑی سمیت کھائی سے دھکا دے دینا.....

ایکسیلیٹر پر پاؤں رکھے اس نے گاڑی فل سپیڈ میں چلائی تھی۔اس نے آخری بار آنکھیں بند کیے اپنے تمام تر گناہ یاد کیے تھے۔گاڑی اب نیچے جا گری تھی۔آگ کے شعلے بھڑکنے لگے تھے۔آج ایک اور اپنے انجام کو پہنچا تھا۔وہ بھی نینا کی طرح بغیر کفن،بغیر قبر کے بے نام موت مری تھی۔

وہ سگریٹ سلگاتا کافی دیران بھڑکتے شعلوں کو دیکھتا رہا تھا۔پھر اپنے کالر کی نادیدہ گرد جھاڑتے آنکھوں پر گوگلز لگائے وہ واپسی کے لیے مڑا تھا۔

---

"مجھے ہمیشہ سے ہی یہ سب کرنے کا شوق تھا لیکن مجھے ڈر تھا کہ بھائی مجھے یہ نہیں کرنے دے گے بس اسی لیے میں نے یہ چھپ کر کیا۔"عینین نے سرد سانس خارج کرتے کہا تھا۔

"لیکن میں تمہارے شوق میں رکاوٹ نہیں بنوں گا۔میں اس گھر میں تمہیں ایک لیب بنوا کر دوں گا جہاں پر تم جو چاہو وہ کر سکتی ہو۔تم جو کہو گی میں تمہیں وہ لا کر دوں گا۔"حاتم نے محبت سے اس کا ہاتھ تھاما تھا۔

"تم سچ کہہ رہے ہو؟"عینین کی آنکھیں چمکی تھیں۔

"بالکل سچ، لیکن پہلے تمہیں ثابت کرنا ہو گا کہ تم میں ایسی کیا خاص بات ہے؟میرا مطلب ہے ہیکنگ تو کوئی بھی کر سکتا ہے، تمہاری ہیکنگ میں کیا خاص بات ہے؟"

"تم مجھے چیلنج کر رہے ہو؟"عینین نے آنکھیں سکیڑے اسے گھورا تھا۔

"ہاں...."حاتم نے دلچسپ نگاہوں سے اس کے پھولے چہرے کو دیکھا تھا۔

"اپنا لیپ ٹاپ دو مجھے...."عینین نے چیلنج قبول کیا تھا۔

"کیا کر رہی ہو؟"حاتم نے اسے لیپ ٹاپ لا کر دیا تھا۔اب اسے مسلسل مصروف دیکھے وہ پوچھے بغیر نا رہ سکا تھا۔

"تمہارے اکاونٹ ہیک کر رہی ہوں۔"عینین نے آنکھ ونگ کرتے کہا تھا۔

"ناممکن تم یہ نہیں...."

"ہو گیا۔"حاتم کی مسکراہٹ سمٹی تھی۔اس نے بے یقینی سے عینین کی جانب دیکھا تھا۔اس کے سارے اکاؤنٹس تو سیکیور تھے تو پھر کیسے؟؟؟

"اس شہر میں تمہارے پانچ بینک اکاؤنٹس ہیں۔اور اگر ملک کی بات کی جائے تو کل ملا کر بیس....."حاتم سانس نہیں لے سکا تھا۔اصل جھٹکا تو اسے تب لگا تھا جب عینین نے بینک کے نام کے ساتھ ساتھ اسے رقم تک بتا ڈالی تھی۔حاتم نے فون اٹھا کر ایک ایک کر کے سارے اکاؤنٹس کی رقم چیک کی تھی۔کوئی ایک فگر بھی ادھر سے ادھر نہیں ہوا تھا۔

وہ ٹھوڑی پر ہاتھ جمائے نہایت دلچسپی سے اس کی اڑی ہوئی رنگت دیکھ رہی تھی۔

"ظاہر ہے میرے ہی لیپ ٹاپ سے میرے اکاؤنٹ ہیک کرو گی تو یہ تو آسانی سے ہو جائے گا۔کسی اور کا ہیک کر کے دکھاؤ تو مانوں؟"خود کو کمپوز کرتے اس نے عینین کا اگلا امتحان لینے کا سوچا تھا۔

"تم نام بتاؤ۔" وہ پر اعتماد تھی۔ حاتم کے نام بتانے پر عینین نے ایک بار پھر انگلیاں ٹائپنگ بورڈ پر چلائی تھیں۔

"اس نام کے اس شہر میں سو سے زیادہ لوگ ہیں۔ کوئی اور نشانی یا پھر ولدیت....." حاتم نے اسے ولدیت بتائی تھی۔

"اس ولدیت کے چھ افراد ہیں۔ کچھ اور پتا ہے تمہیں؟" حاتم نے سوچتے ہوئے اسے بینک کا نام بتایا تھا۔ اگلے لمحے وہ اکاؤنٹ ہیک کر چکی تھی۔ حاتم نے ستائشی نگاہوں سے اسے دیکھا تھا۔

"اور اگر اسے پتا چل جائے کہ اکاؤنٹ ہیک ہو گیا ہے پھر؟"

"نہیں پتا چلے گا، کم سے کم تین چار مہینوں تک تو بالکل نہیں.... ہاں اگر وہ خود رقم نکلوانے آئے تو اسے پتہ چل سکتا ہے، لیکن اس کی صورت یہ ہے کہ ہم رقم نکلواتے ہیں یا پھر صرف ہیک کرتے ہیں۔"

"کوئی میسج یا پھر کوئی الرٹ؟"

"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہاں لیکن اگر کسی کو جان بوجھ کر تنگ کرنا ہو تو آپ اسے میسج بھیج سکتے ہیں لیکن وہ بعد میں ڈیلیٹ بھی ہو سکتا ہے، ساری کی ساری کال ہسٹری بھی ڈیلیٹ ہو سکتی ہے۔" حاتم نے تہے دل سے اعتراف کیا تھا کہ اس کی بیوی بہت ذہین ہے۔ اب وہ با آسانی اس کا استعمال کر سکتا تھا۔

---

وہ بستر پر چت آنکھیں بند کیے لیٹا ہوا تھا اور سنیہا بستر کے دوسری طرف لیٹے مسلسل اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

"نظر لگانے کا ارادہ ہے؟" وہ آنکھیں بند کیے ہی گویا ہوا تھا۔

"مجھ میں ایسی کیا کمی ہے جو آپ مجھ سے محبت نہیں کرتے؟" وہ سیدھا مدعے پر آئی تھی۔

"تمہاری آنکھیں، مجھے تمہاری آنکھیں نہیں پسند...." نائل نے آنکھیں کھولے اس کی جانب دیکھا تھا۔

"کیوں؟" وہ اٹھ کر بیٹھی تھی۔

"یہ بدصورت ہیں۔"سنیہالب بھینچ کر رہ گئی تھی۔

"اگر تم انہیں نکوا دو تو ہو سکتا ہے مجھے تم سے محبت ہو جائے۔"وہ سنجیدہ چہرہ لیے اس کی جانب دیکھ رہ تھا۔

"یعنی گارنٹی نہیں ہے؟"وہ اس کے سوال پر چونکا تھا۔

"اگر میں گارنٹی دوں تو....؟"یہ چیلنج تھا۔

"تو پھر میں انہیں نوچ کر پھینک دوں گی۔"وہ حد درجہ سنجیدہ تھی۔

"تمہاری دنیا سیاہ ہو جائے گی۔"وہ اسے بیان بدلنے پر مجبور کر رہا تھا۔

"آپ کی محبت کا رنگ میرے لیے کافی ہے۔"وہ پیچھے ہٹنے والوں میں سے نہیں تھی۔نائل کے چہرے پر ایک ساتھ کئی سائے لہرائے تھے۔

"اتنی محبت کرتی ہو مجھ سے؟"وہ پوچھے بغیر نا رہ سکا تھا۔

"محبت نہیں عشق.... یہ عشق بڑا عجیب ہوتا ہے، یہ محبوب کے سامنے عاشق کو خاک تو کر دیتا ہے لیکن کبھی ختم نہیں ہوتا۔"نائل خاموش رہا تھا۔بعض اوقات وہ اسے کچھ بولنے کے قابل نہیں چھوڑتی تھی۔

"کبھی کبھی مجھے بہت ڈر لگتا ہے۔"کچھ دیر کی خاموشی کے بعد نائل نے سرد آہ بھرتے کہا تھا۔

"کیسا ڈر؟"سنیہا اس کے تھوڑا قریب ہوئی تھی۔

"کہیں میں تمہیں کوئی نقصان نا پہنچا دوں، کہیں میں تمہیں جان سے نا مار دوں؟"نائل کی آنکھوں میں عجیب سی بے بسی تھی۔سنیہا کچھ لمحے اسے دیکھتی رہی تھی پھر اس نے مسکرا کر اس کے سینے پر سر رکھا تھا۔

"اگر مجھے سو زندگیاں بھی ملے گی تو میں ہر بار آپ کے ہاتھوں مرنے کو تیار ہوں۔"نائل کا دل زور سے دھڑکا تھا۔سنیہا سے اس کی تیز دھڑکنوں کا شور سنا تھا۔

"تم بیوقوف ہو۔"وہ کہے بنا نا رہ سکا تھا۔

"اور آپ سنگدل...."وہ مسکرائی تھی۔

"سنگدل نہیں ہوں میں، صبر کرنے والوں میں سے ہوں۔ تمہیں بھی ان ہی میں سے ہونا چاہیئے۔"نائل نے اس کے گرد حصار قائم کیا تھا۔

"آپ کو پتا ہے میرا دل کبھی کسی کے لیے نہیں دھڑکا لیکن جب آپ کو پہلی بار دیکھا تو میرا دل بہت زور سے دھڑکا تھا۔ نجانے کیوں آپ کے حصول کی خواہش میرے دل میں جاگی تھی۔"

"ایسا اس لیے ہوا کیونکہ تمہیں مجھ تک ہی آنا تھا۔ ہمارا جوڑا بہت پہلے ہی عرش پر بنا دیا گیا تھا۔"نائل نے آہستگی سے اس کے بالوں میں انگلیاں چلاتے کہا تھا۔ وہ پر سکون سی آنکھیں موند گئی تھی۔

---

گھر آتے ساتھ ہی حاتم کمرے کی جانب بڑھا تھا۔ نین کو وہاں نا پا کر اس کا ماتھا ٹھنکا تھا۔ اب اس نے لاؤنج، لیب یہاں تک کہ سٹڈی روم میں بھی اسے ڈھونڈھا تھا، وہاں بھی نہیں تھی۔ ماتھے پر تیوری چڑھائے وہ ٹیرس کی جانب بڑھا تھا۔

"میں تمہیں سارے گھر میں ڈھونڈھ رہا ہوں اور تم یہاں بیٹھی ہو۔"اپنا کوٹ کرسی پر رکھتے وہ اس کے پاس جھولے پر بیٹھا تھا۔ وہ ٹیرس پر گول بڑے سائز کے جھولے پر اپنا فراک پھیلائے ٹانگیں اوپر کیے بیٹھی بہت سکون سے نیک پینٹ لگا رہی تھی۔

"اٹھو یہاں سے، تم اسے توڑ دو گے۔"اس نے بہت زور سے اپنا پیر عمر کو مارا تھا۔

"نین....!"عمر نے اسے سخت گھوری سے نوازا تھا۔ اسے نین کی یہ حرکت بالکل پسند نا آئی تھی۔

"کیا نین....؟ اتنے موٹے ہو تم، میرا جھولا ٹوٹ جائے گا۔"نین نے منہ پھلائے اسے بھی گھوری سے نوازا تھا۔

"میں موٹا نہیں ہوں، اور تم نے دوبارہ اس طرح پیر چلائے نا تو میں تمہارے یہ پیر کاٹ دوں گا۔" اس کے پیروں کو اپنے ہاتھوں کی انگلیوں سے سہلاتے عمر نے سنجیدگی سے کہا تھا۔

"میں تمہارے ہاتھ کاٹ دوں گی اگر تم نے بری نگاہوں سے میرے پیروں کی طرف دیکھا بھی تو...!" اپنے پیر سمیٹتے وہ پھر سے نیل پینٹ لگانے میں مصروف ہو گئی تھی۔

"لاؤ میں لگا دیتا ہوں۔" عمر نے اس کا ہاتھ تھامتے پاس پڑی نیل پینٹ اٹھائی تھی۔ فلحال وہ اس سے لڑنے کا کوئی ارادہ

نہیں رکھتا تھا۔

"سچ سچ بتاؤ، آج سے پہلے کس کس کو نیل پینٹ لگائی ہے تم نے...؟" اس کے کام کی پرفیکشن دیکھ نین نے مشکوک انداز سے اسے گھورا تھا۔

"ٹھیک سے یاد نہیں ہے اب۔" نین نے فورا اپنا ہاتھ واپس کھینچا تھا۔

"میری جان! میں اس نیل پینٹ کی بات نہیں کر رہا۔ یہ تو میں صرف تمہیں ہی لگاؤں گا۔" اس کا ہاتھ واپس اپنی گرفت میں لیتے عمر مسکرا دیا تھا۔

"مجھے بھی وہی نیل پینٹ لگاؤ جو تم دوسروں کو لگاتے ہو۔" نین کی فرمائش پر وہ ایک لمحے کے لیے چونک گیا تھا پھر اچانک ہی وہ ہنس دیا تھا۔

اس کی مسکراہٹ ٹھہری ہوئی اور بے حد دل فریب تھی۔ ہنسنے کی وجہ سے اس کے بائیں گال میں ہلکا سا گڑھا ابھرا تھا۔ نین کو اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہوا تھا۔

"یہ ظلم میں تمہاری ننھی سی جان پر نہیں کر سکتا۔" اس کا گال تھپتھپاتے وہ وہاں سے اٹھا تھا۔

"پاؤں ابھی رہتے ہیں۔" نین نے اسے یاد دلایا تھا۔

"اس کی ضرورت نہیں ہے، تمہارے پیر ایسے ہی اچھے لگ رہے ہیں۔" وہ نیل پینٹ اٹھاتے وہاں سے گیا تھا۔

وہ بھی منہ کے زاویے بگاڑتی اس کے پیچھے چل دی تھی۔

کمرے میں آتے حاتم نے اپنا کوٹ بیڈ پر اچھالا تھا۔ بستر پر ڈھنے سے پہلے اس کی نظر ڈریسنگ ٹیبل پر پڑی اس چمکتی چیز پر پڑی تھی۔ وہ قدم آگے بڑھا گیا تھا۔

ڈریسنگ ٹیبل سے وہ لاکٹ اٹھائے حاتم نے اسے بغور دیکھا تھا۔ اس لاکٹ پر جڑے نگینے کو دیکھ اس کی آنکھوں میں اشتعال ابھرا تھا، وجہ اس نگینے پر بنا وہ عجیب طرز کا نشان تھا۔ تیر کا نشان....

"یہ میرا ہے۔" عینین نے اس کے ہاتھ سے لاکٹ جھپٹتے کہا تھا۔

"یہ.... یہ تمہارا ہے؟" وہ جیسے یقین کرنا چاہتا تھا۔

"ہاں...." نین کے اثبات میں سر ہلانے کی دیر تھی، حاتم نے غصے سے اس کا بازو دبوچا تھا۔

"یہ کس نے دیا ہے تمہیں؟" اس کی غراہٹ نے عینین پر سکتہ طاری کر دیا تھا۔ اس کا عمر اس سے اس لہجے میں بات کر سکتا تھا، یہ اس کے گمان میں بھی نہیں تھا۔

"بتاؤ یہ کہاں سے ملا تمہیں؟" اسے دونوں بازوؤں سے دبوچے وہ سرخ انگارہ آنکھوں کے ساتھ گویا ہوا تھا۔ عینین کو اس کی انگلیاں اپنے بازو میں دھستی ہوئی محسوس ہوئی تھیں۔ پل میں اس کی آنکھیں نمکین پانیوں سے بھر گئی تھیں۔

"نین میں نے کچھ پوچھا ہے؟" اس کے لہجے اور گرفت میں اب بھی وہی سختی تھی۔ اس کے قیمتی موتی بھی آج اس پتھر کو زیر نہیں کر سکے تھے۔

"وہ لندن میں، و... دوست نے دیا..." عینیں کی ہچکیاں بندھ گئی تھیں۔

"کون سی دوست، بولو کون سی دوست ....؟"اسے چھوڑے اس نے ہاتھ مار کر ڈریسنگ ٹیبل پر موجود چیزوں کو گرایا تھا۔ عینین بری طرح سہم گئ تھی۔

"بولو نین، کس کے ساتھ گھومتی پھرتی رہی ہو تم؟"وہ اس وقت بالکل آپے سے باہر ہوا تھا۔

"تمہیں اندازہ ہے تم نے کیا کیا ہے، تمہیں کچھ ہو جاتا پھر....؟ کیسی دکھتی تھی تمہاری دوست؟"وہ خاموش رہی تھی۔ وہ اسے یہ نہیں بتا سکی تھی کہ اسے یہ کسی لڑکی نے نہیں بلکہ لڑکے نے دیا تھا۔

"کچھ پوچھا ہے میں نے نین؟"اس کی دھاڑ پر عینین کا دل بس باہر آنے کو تھا۔

"وہ میری دوست کی کزن کی دوست تھی۔اس کے ہاتھ میں میں نے یہ دیکھا تو مجھے پسند آ گیا تو میں نے اس سے یہ خرید لیا۔"لرزتے وجود کے ساتھ عینین نے جھوٹ بولا تھا۔ وہ اسے سچ نہیں بتا سکتی تھی۔

"کیسی دکھتی تھی وہ؟"

"مجھے نہیں یاد...."وہ سسکی تھی۔

"نین...."حاتم نے لب بھینچے اس کی جانب دیکھا تھا۔

"مجھے سچ میں نہیں یاد...."منہ پر ہاتھ رکھے وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

"تمہیں تو میں بعد میں دیکھ لوں گا۔"لاکٹ ہاتھ میں دبوچے وہ غصے سے باہر کی جانب گیا تھا۔

وہ زمین پر بیٹھی پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

"یہ تمہارے ہاتھ میں جو بینڈ ہے نا، اس پر یہ چمکتا نگینہ بہت اچھا لگ رہا ہے۔"

"تمہیں پسند ہے تو تم اسے رکھ سکتی ہو۔"احمر نے خوشدلی سے وہ اس کی جانب بڑھایا تھا۔

"میں اس کا کیا کروں گی؟"

"تم اسے کسی لاکٹ میں ڈال کر پہن سکتی ہو۔"احمر نے اس کی مشکل آسان کی تھی۔

وہ اسے ہمیشہ پہنے رکھتی تھی مگر جب سے وہ حاتم کے پاس آئی تھی اس نے یہ اتار کر رکھ دیا تھا۔آج اتنے دنوں بعد اس نے اسے نکالا تھا اور حاتم کی نظر اس پر پڑ گئی تھی۔

"نہیں! یقیناً عمر کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔احمر غلط نہیں ہو سکتا۔" وہ نفی میں سر ہلاتی مسلسل رو رہی تھی۔

"اس نگینے میں ایسا کیا تھا جو عمر ایسے...."

"نہیں احمر میرا دوست ہے، وہ غلط نہیں ہے۔" اسے یقین تھا۔احمر کی اس کے دل میں بہت خاص جگہ تھی، وہ اس کے خلاف نا کچھ سوچنا چاہتی تھی اور نا ہی کچھ سننا....

---

وہ رات کے پہر جب کمرے میں لوٹا تھا تو عینین صوفے پر سوئی ہوئی تھی۔اسے دیکھ حاتم نے گہری سانس خارج کی تھی۔اسے آج اپنے رویے پر شرمندگی تھی۔وہ غصے میں عینین کے ساتھ زیادتی کر گیا تھا۔قدم قدم اس تک جاتے وہ ایک گھٹنا زمین پر ٹکائے اس کے قریب بیٹھا تھا۔اپنی انگلی کی مدد سے اس کے چہرے پر آئی کچھ شرارتی لٹوں کو ہٹاتے حاتم نے اس کی دونوں آنکھوں پر بوسہ دیا تھا۔

صبح نو بجے کے قریب عینین کی آنکھ کھلی تھی۔ایک عجیب، دلنشین سی خوشبو اس کے نتھنوں سے ٹکرائی تھی۔وہ آنکھیں مسلتے اٹھ کر بیٹھی تھی۔سائیڈ ٹیبل پر پھولوں کا بکے دیکھ عینین کو حیرت ہوئی تھی۔اب اس کی نظر کمرے کی جانب گئی تھی۔سارا کمرہ مختلف پھولوں سے سجا ہوا تھا۔

وہ حیرانگی آنکھوں میں سموئے بستر سے اٹھی تھی۔

"میں یہاں کیسے؟؟" اسے اچانک ہی یاد آیا تھا کہ وہ تو صوفے پر سوئی تھی۔یقیناً یہ حاتم نے ہی کیا تھا۔

اب وہ قدم قدم چلتی آگے بڑھی تھی۔ کمرے کے وسط تک پہنچے اس کے قدم رکے تھے۔ فرش پر سفید رنگ کے پھولوں سے sorry لکھا ہوا تھا۔ عینین کے ماتھے پر بل پڑے تھے اور آنکھوں میں غصہ ابھرا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ پلٹتی، حاتم نے اسے پیچھے سے اپنے حصار میں لیا تھا۔

"مجھے تم سے ایسے بات نہیں کرنی چاہیئے تھی، میں معافی مانگتا ہوں۔" اس کے کندھے پر ٹھوڑی ٹکائے حاتم نے معذرت کی تھی۔ ایک جھٹکے سے اس کے حصار سے خود کو آزاد کرواتے عینین نے اسے پرے دھکیلا تھا۔

"تم نے مجھے سمجھ کیا رکھا ہے، بلکہ تم خود کو کیا سمجھتے ہو؟" سرخی مائل آنکھوں سے وہ چیخ اٹھی تھی۔

"یہ سب کر کے تم کیا ثابت کرنا چاہتے ہو؟"

"نین میں...." حاتم نے اسے چھونا چاہا تھا۔

"بس حاتم...." اسے روکے وہ دو قدم پیچھے ہٹی تھی۔

اس کے منہ سے عمر کے بجائے حاتم سن کر وہ چونکا تھا۔

"میں ان سب سے ہرگز متاثر نہیں ہوئی۔ اور اگر تمہیں لگتا ہے کہ یہ سب دیکھ کر میں پگھل جاؤں گی اور تمہاری کی بدتمیزی بھول جاؤں گی تو تمہاری غلط فہمی ہے۔" وہ بولنے پر آئی تھی تو بولتی چلی گئی تھی۔

"نین میں...."

"اس پتھر میں ایسا کیا تھا جو تم نے اس طرح ری ایکٹ کیا تھا؟"

"کچھ خاص نہیں تھا۔ بس مجھے غلط فہمی ہو گئی تھی۔"

"غلط فہمی....؟" وہ بے یقینی سے چلا اٹھی تھی۔

"تم نے کل مجھے اتنا ہرٹ کیا اور آج تم کہہ رہے ہو غلط فہمی؟" عینین کی آواز بھرا گئی تھی۔

"نین میری جان، میں معافی مانگ رہا ہوں نا، پلیز مجھے معاف کر دو۔" حاتم نے اسے شانوں سے تھامتے کہا تھا۔

"میں نہیں کروں گی۔" اسے پرے دھکیلتی وہ کمرے سے باہر گئی تھی۔ حاتم نے سرد آہ بھری تھی۔ کوئی اور ہوتی تو کب کی پگھل جاتی مگر وہ عینین آفندی تھی، نائل آفندی کی بہن..... وہ اتنی آسانی سے ماننے والوں میں سے نہیں تھی۔

حاتم سارا دن اپنے تمام کام چھوڑ کر اس کے آگے پیچھے پھرتا رہا تھا مگر مجال ہے جو عینین نے اسے ذرا برابر بھی اہمیت دی ہو۔ حاتم نے اس کے لیے اپنے ہاتھوں سے ناشتہ بنایا تھا مگر عینین نے ساری ڈش ہی الٹ دی تھی۔ وہ اس کے لیے گجرے اور کافی سارے پھولوں کے بکے بھی لایا تھا جسے وہ اس کے منہ پر مار چکی تھی۔ حاتم نے صبر کے گھونٹ بھرتے محنت جاری رکھی تھی۔ اب دوپہر کے وقت وہ اس کے لیے ڈائمنڈ کا بریسلیٹ لایا تھا۔

"یہ تمہارے لیے....." حاتم نے محبت سے اس کا ہاتھ تھامے اسے پہنانا چاہا تھا مگر نین نے فوراً ہی اس کا ہاتھ جھٹک دیا تھا۔

"مجھے نہیں پہننا تم خود پہن لو۔"

"نین اب یہ بہت زیادہ ہو رہا ہے۔" صبر کا پیمانہ اب لبریز ہوا تھا۔

"ہاں تو تمہیں کس نے کہا کہ میرے لیے یہ سب کرو؟" وہ الٹا اس پر بھڑکی تھی۔

"اچھا تو پھر تم ہی بتا دو کہ تم کیسے راضی ہو گی؟" حاتم نے گویا ہار مانی تھی۔

"تمہیں مجھے منانے کی ضرورت نہیں ہے۔ جب میرا غصہ ختم ہو گا تو میں خود ہی مان جاؤں گی۔"

"اور تمہارا غصہ کب ختم ہو گا؟"

"ایک سال بعد....."

"تب تک تو میں مر جاؤں گا۔" حاتم نے اس کی کمر کے گرد بازو ڈالتے اسے خود سے قریب کیا تھا۔

"کوئی کسی کے لیے نہیں مرتا۔" اس کے لہجے میں اب بھی خفگی تھی مگر صد شکر کہ اس نے دور جانے کی کوشش نہیں کی تھی۔

"عمر نین کے بغیر مر جائے گا۔ تم میری زندگی ہو، میری آنکھیں ہو، میری ڈھڑکن ہو۔" حاتم نے اس کے ماتھے سے اپنا ماتھا مس کیا تھا۔

"اپنی سستی عاشقی اپنے پاس رکھو۔" اسے پرے دھکیلتی، اس کے جذبات کو پیروں تلے روند کر وہ تن فن کرتی کمرے سے باہر گئی تھی۔

"ہے نا اس فضول شخص کی بہن، اثر تو ہونا ہی تھا۔" وہ بڑبڑاتا ہوا اس کے پیچھے گیا تھا۔

---

رات کے پہر وہ بے چین سا بستر پر لیٹا ہوا تھا جبکہ اس کی متاع جان رخ موڑے سوئی ہوئی تھی اور درمیان میں تکیوں کی ایک دیوار قائم تھی جسے پار کرنے کی اسے اجازت نہیں تھی۔

حاتم نے گہری سانس خارج کیے ابھی آنکھیں بند ہی کی تھیں کہ اچانک ہی اس کے دل کے مقام پر درد سا اٹھا تھا۔ وہ عجیب سی گھٹن محسوس کر رہا تھا۔ شرٹ کے اوپری دو بٹن کھولے اس نے ایک بار پھر سونے کی کوشش کی تھی مگر بے چینی بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ اس کا سارا جسم پسینے سے شرابور ہونے لگا تھا۔ اٹھ کر بیٹھتے اس نے گہری گہری سانسیں لینا شروع کی تھیں مگر حالت مزید خراب ہونے لگی تھی۔ اس کے حلق میں کانٹے چبھنے لگے تھے۔

اس نے تر وجود کے ساتھ ہاتھ بڑھا کر گلاس اٹھایا تھا۔اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔جگ سے گلاس میں پانی انڈیلتے اس کے ہاتھ سے گلاس چھوٹ کر زمین بوس ہوا تھا۔عینین کی آنکھ فورا کھلی تھی۔

"عمر کیا ہوا؟"اس کی بگڑتی حالت دیکھ عینین فورا پریشان ہوئی تھی۔

"مجھے وہ چاہیئے۔"وہ خود پر قابو کھونے لگا تھا۔

"کیا چاہیئے؟"عینین نے نا سمجھی سے پوچھا تھا۔

"بابا، بابا کہاں ہیں؟"حاتم گہری سانسیں لیتا بستر سے اٹھا تھا۔اس سے پہلے کہ وہ قدم آگے بڑھاتا،اس کے پیر لڑکھڑائے تھے اور وہ وہیں فرش پر گرا تھا۔

"بابا کو بلاؤ۔ان سے کہو کہ مجھے انجیکشن دیں۔"بستر کے ساتھ ٹیک لگائے وہ بامشکل بول سکا تھا۔

"بابا،انجیکش....؟"اس کے گرتے ہی وہ فورا بھاگتی ہوئی اس کے پاس آئی تھی۔

"کیسا انجیکشن عمر.....؟"عینین نے اس کی گال تھپتھپاتے پوچھا تھا۔

"تم چلی جاؤ، یہاں سے چلی جاؤ۔میں تمہیں نقصان پہنچادوں گا۔"اس کی طلب جب پوری نہیں ہوتی تھی تو وہ آپے سے باہر ہو جاتا تھا۔سامنے جو کوئی بھی ہو وہ اسے نقصان پہنچا سکتا تھا۔

"عمر تم ڈر گز لیتے ہو؟"وہ ذہین تھی،اس کی حالت دیکھ وہ سمجھ گئی تھی۔

"ہاں! مجھے وہ انجیکشن چاہیئے نین، مجھے پلیز لادو۔"ہر گزرتے لمحے کے ساتھ اس کی حالت غیر ہوتی جارہی تھی۔

"عمر تم کون سی ڈرگز لیتے ہو۔مجھے نام بتاؤ؟"

"مجھے نہیں پتا، مجھے کچھ نہیں پتا...."بستر کا سہارا لیے وہ بامشکل اٹھا تھا۔

"مجھے انجیکشن چاہیئے۔"اس نے میز پر پڑی ساری چیزیں پٹخ دی تھیں۔عینین گھبرا کر پیچھے ہٹی تھی۔

"مجھے چاہیئے۔" اب وہ کمرے کی چیزیں اٹھا اٹھا کر پٹخ رہا تھا۔ عینین کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت جیسے سلب ہوئی تھی۔ یہ حالات اس کی سوچ سے برعکس تھے۔

"عمر میری بات....." وہ اس کے قریب گئی تھی مگر حاتم نے اسے دھکہ دیا تھا جس وجہ سے عینین کا سر دیوار سے جا ٹکرایا تھا۔ ضرب اتنی شدید تھی کہ ماتھے سے خون کی لکیر بہنے لگی تھی۔ عینین نے کراہتے ہوئے اپنے ماتھے پر ہاتھ رکھا تھا۔ اس کا ہاتھ پل میں خون سے بھرا تھا۔ لال رنگ دیکھ کر اس کی اپنی حالت خراب ہونے لگی تھی۔

توڑ پھوڑ ابھی بھی جاری تھی۔ وہ پاگلوں کی طرح ہر چیز ادھر ادھر پٹخ رہا تھا یہاں تک کہ وہ خود کو بھی نقصان پہنچا رہا تھا۔

حاتم نے اب دیوانہ وار اپنا فون اٹھائے بدر کو کال کی تھی مگر اس کا نمبر بند جا رہا تھا۔ اسے گئے ایک ہفتے سے زیادہ ہو گیا تھا، اور وہ اچھے سے جانتا تھا کہ حاتم اسے ضرور کال کرے گا اسی لیے اس نے اپنا فون بند رکھا تھا۔ وہ اسے اپنے پیروں میں گرتے بھیک مانگتے دیکھنا چاہتا تھا۔

حاتم کی بگڑتی حالت دیکھ وہ اپنا آپ بھولائے اس کی جانب بڑھی تھی۔

"عمر میری بات سنو، میری طرف دیکھو۔ تمہیں انجیکشن چاہیئے نا؟" اس کے گال پر ہاتھ رکھے عینین نے نرمی سے کہا تھا۔ وہ کچھ حد تک ریلیکس ہوا تھا۔

"میں تمہیں لا کر دوں گی۔" اس کے ماتھے سے خون بہہ کر گال پر گر رہا تھا مگر آج اسے صرف اپنے عمر کی پرواہ تھی۔

"تم لا کر دو گی؟"

"ہاں میں لا کر دوں گی، بلکہ میں ابھی لینے جا رہی ہوں۔"

"جلدی جاؤ نا، لے کر آؤ۔" حاتم نے اسے پیچھے کی طرف دھکیلا تھا۔

"میں تمہیں انجیکشن ایک ہی شرط پر لا کر دوں گی جب تم میری بات مانو گے۔"

"میں تمہاری ہر بات مانوں گا، لیکن پلیز مجھے وہ لا دو۔" وہ بے بسی کی انتہا پر تھا۔

"پہلے تم ریلیکس ہو کر یہاں پر بیٹھو۔" عینین نے اسے بستر پر بٹھایا تھا۔

"تم یہیں بیٹھو میں ابھی آتی ہوں۔"

"انجیکشن لینے جا رہی ہو؟"

"ہاں....." وہ بھاگ کر کچن میں گئی تھی۔ فریج سے بوتل نکالے اس نے گلاس میں پانی انڈیلا تھا۔

"یہ کھالو۔" عینین نے ہیوی ڈوز کی تین نیند کی گولیاں اسے تھمائی تھیں۔

"یہ.....؟" حاتم نے نا سمجھی سے اسے دیکھا تھا۔

"اس میں وہی نشہ ہے جو انجیکشن میں ہوتا ہے۔" حاتم نے بغیر کسی تاخیر کے گولیاں حلق سے اتاری تھیں۔

"اب سو جاؤ۔" عینین نے آہستگی سے اسکے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا

"مجھے سکون نہیں مل رہا۔" حاتم نے دونوں ہاتھوں سے سر تھامتے کہا تھا۔

"جب تک تم سو گے نہیں تب تک اثر نہیں ہو گا۔" حاتم فورا بستر پر لیٹ گیا تھا۔

"آنکھیں بند کرو اور سونے کی کوشش کرو۔" عینین اس کے پاس ہی بیٹھ گئی تھی۔ حاتم کو اس وقت کسی چیز کا ہوش نہیں تھا۔ ہوش تو عینین کو بھی نہیں تھا۔ اسے نا کوئی درد محسوس ہو رہا تھا اور نا ہی آج اسے کسی قسم کا اٹیک ہوا تھا۔

صبح آنکھ کھلتے ہی حاتم کے سر میں ایک ٹھیس سی اٹھی تھی۔اس کی دونوں کلائیوں پر پٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔رات میں اس نے صرف عینین کو ہی نہیں بلکہ خود کو بھی نقصان پہنچایا تھا۔

"گڈ مارننگ ڈئیر ہسبنڈ...." عینین مسکرا کر اس کے پاس بیٹھی تھی۔

"تم فریش ہو جاؤ، پھر ناشتہ کرتے ہیں۔" عینین نے محبت سے اس کی گال پر ہاتھ رکھتے کہا تھا۔

"تمہارے ماتھے پر کیا ہوا ہے؟" اس کے ماتھے پر بینڈ ایج لگے دیکھ وہ کرنٹ کھا کر اٹھا تھا۔

"یہ میں نے کیا؟" وہ بالکل دیوانہ ہوا تھا۔

"نہیں عمر، بس چوٹ لگ گئی۔" عینین نے نظریں چراتے کہا تھا۔

"میں نے تمہیں تکلیف پہنچائی، میں.... میں ایسا کیسے کر سکتا ہوں؟" وہ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کھو چکا تھا۔

"تم ہوش میں نہیں تھے عمر، اور ویسے بھی زیادہ گہرا زخم نہیں ہے۔" وہ اسے مطمئن کرنا چاہتی تھی جبکہ اس کے اقرار پر وہ مزید مضطرب ہوا تھا۔

"میں نے تمہیں یہ چوٹ کیسے پہنچائی ھی؟"

"عمر...."

"نین، میں نے کیسے پہنچائی تھی؟" اب کی بار اس کا لہجہ تھوڑا سخت تھا۔

"تم نے دھکہ دیا تھا۔میرا سر دیوار میں لگ گیا تھا۔"

"کون سی دیوار.....؟" اس کے اگلے سوال پر وہ چونکی تھی۔

"عمر تم..."

"نین پلیز مجھے بتا دو۔میرے سکون کے لیے یہ بے حد ضروری ہے۔" عینین نے نا سمجھی سے اشارہ کرتے اسے بتایا تھا۔

وہ فورا بستر سے اٹھا تھا۔

"عمر تم کہاں جارہے ہو؟" وہ بھی اٹھ کر اس کے پیچھے ہی گئی تھی مگر تب تک وہ تین سے چار مرتبہ اپنا سر دیوار میں مار چکا تھا۔ عینین منہ میں ہاتھ رکھے چلا اٹھی تھی۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ حاتم اس قسم کی کوئی حرکت کرے گا۔

"کس ہاتھ سے دھکہ دیا تھا؟" اس کی جانب دیکھے حاتم نے پھر استفسار کیا تھا۔ اس کے ماتھے پر خون دیکھ وہ تو جیسے سکتے میں ہی چلی گئی تھی۔

"کچھ پوچھا ہے میں نے....؟" اب کی بار وہ چلایا تھا۔

"بائیں ہاتھ سے....." وہ بغیر کچھ سوچے سمجھے بول گئی تھی۔ اپنی غلطی کا احساس اسے تب ہوا تھا جب حاتم نے ایک پنچ زور سے دیوار میں مارا تھا۔ وہ رکا نہیں تھا، وہ پہ درپہ دیوار پر پنچ مار رہا تھا۔ ایسا گمان ہوتا تھا، گویا باکسنگ لڑ رہا ہو۔

"عمر تم یہ کیا کر رہے ہو؟" وہ بھاگ کر اس کے پاس گئی تھی۔

"تمہارا اس سب سے کوئی تعلق نہیں ہے، تم دور رہو۔"

"عمر پلیز...." وہ رو دی تھی۔ اس کی آنکھوں کے اشق اسے رکنے پر مجبور کر گئے تھے۔

"نین....." حاتم نے اسے خود میں بھینچا تھا۔ وہ ضبط کھوئے بلک بلک کر رو دی تھی۔

"میں بہت ڈر گئی تھی۔ کل رات میں بہت زیادہ ڈر گئی تھی۔"

"مجھے معاف کر دو نین، مجھے معاف کر دو۔ تمہیں تکلیف پہنچانے کا میں تصور بھی نہیں کر سکتا۔" حاتم نے اسے نرمی سے خود سے الگ کیا تھا۔

"تمہارا خون بہہ رہا ہے۔"عینین نے فکر مندی سے کہا تھا جبکہ اتنے قریب سے لال رنگ دیکھ اسے چکر آنے لگے تھے۔

"آئی۔ایم۔سوری!"وہ بھاگتا ہوا ڈریسنگ ٹیبل تک گیا تھا۔حاتم نے ٹشو سے ماتھا ر گڑتے ساتھ پڑی بیڈ تیج لگائی تھی۔

"تم ٹھیک ہو نا؟"وہ اس کے فوبیا کے پیش نظر پریشان ہوا تھا۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں لیکن تم نے جو ابھی حرکت کی ہے،اس کی کیا وضاحت دو گے؟"وہ مشتعل ہوئی تھی۔

"تمہیں تکلیف پہنچانے کی اجازت میں خود کو نہیں دیتا۔تم میرا سب کچھ ہو۔میرا واحد رشتہ...."حاتم نے اسے شانوں سے تھامتے اپنی محبت کا یقین دلایا تھا۔

"تم پاگل اور سنکی ہو۔"اس نے لجالت بھری آواز میں شکوہ کیا تھا۔

"لیکن ہوں تو تمہارا...."حاتم نے اس کی گال سہلاتے محبت پاش نگاہوں سے دیکھتے کہا تھا۔

"تم مجنوں ہو۔"

"نہیں میں مجنوں نہیں عمر ہوں، مجنوں کو تو اس کی لیلہ نہیں ملی تھی، مگر عمر کے پاس تو اس کی نین ہے نا...."حاتم نے اس کی ٹھوڑی پر بوسہ دیتے کہا تھا۔

"ڈر گز کب سے لے رہے ہو؟"

"اٹھارہ سال کی عمر سے...."حاتم نے جھوٹ نہیں کہا تھا۔

"کس قسم کی ڈر گز لیتے ہو؟"

"مجھے نہیں پتہ،اگر پتہ ہوتا تو غم کس بات کا تھا۔"وہ عجیب طرز سے ہنسا تھا۔

"چھوڑ کیوں نہیں دیتے؟"

"لت لگ گئی ہے۔"

"کس نے لگوائی؟" وہ ایک کے بعد دوسرا سوال پوچھ رہی تھی۔

"ایک دوست نے، اب اس سے جھگڑا ہو گیا ہے تو وہ نہیں دے رہا۔ لیکن اب جاؤں گا اس کے پاس۔" وہ اس قدر بے بس ہو گیا تھا کہ وہ بدر سے معافی مانگنے کے لیے بھی تیار تھا۔

"اگر میں کہوں کی اس کی ضرورت نہیں پڑے گی تو؟" حاتم نے چونک کر اس کی جانب دیکھا تھا۔

"ہم کسی اچھے ڈاکٹر کے پاس جا سکتے ہیں۔"

"میں اپنی کمزوری کسی کو نہیں دے سکتا۔" اس نے بے بسی سے گہری سانس خارج کی تھی۔

"ٹھیک ہے، تو پھر میں تمہاری مدد کروں گی۔" عینین نے ایک عزم سے کہا تھا۔

"کیسے؟؟"

"مجھے زیادہ علم تو نہیں مگر میں کوشش کر سکتی ہوں۔ سب سے پہلے تمہارا بلڈ سیمپل لینا ہو گا اور پھر کچھ ادویات اور کیمیکلز بھی چاہیئے مجھے...."

"تم وہ بنا سکتی ہو؟" حاتم کے چہرے پر خوشی چھلکی تھی۔

"ہاں بنا سکتی ہوں اور بناؤں گی لیکن تمہیں نہیں دوں گی۔"

"کیوں؟" حاتم نے حیرانگی سے پوچھا تھا۔

"عمر تمہیں یہ چھوڑنا ہو گا۔ میں تمہاری لت ہٹوانے میں تو مدد کر سکتی ہوں مگر تمہاری طلب پوری کرنے میں نہیں...."

"نین میں اس کے بغیر نہیں رہ سکتا۔"

"میرے بغیر رہ سکتے ہو؟" حاتم کا دل ایک لمحے کے لیے دھڑکنا بھول گیا تھا۔

"تم اٹھارہ سال کی عمر سے ڈر گز لے رہے ہو اور ہمارے نکاح کے وقت تمہاری عمر پندرہ تھی۔ مجھ سے رشتہ پرانا ہے عمر... آج اپنی نین اور ڈر گز میں سے کسی ایک کو چن لو۔" عینین نے بھرائی آواز کے ساتھ اسکا ہاتھ تھاما تھا۔

"وعدہ کرو، تم آج کے بعد کبھی ڈر گز نہیں لو گے۔"

"نین مجھے تکلیف ہو گی۔" وہ اپنی جگہ ٹھیک تھا۔ اتنے سالوں کا نشہ ایکدم سے چھوڑنا ناممکن تھا۔

"صرف چند مہینے، اس کے بعد سب ٹھیک ہو جائے گا۔ میں اس کا توڑ ڈھونڈھ لوں گی۔ اپنی نین پر بھروسہ رکھو۔" عینین نے اپنا دوسرا ہاتھ اس کے دل کے مقام پر رکھا تھا۔

"ٹھیک ہے، میں وعدہ کرتا ہوں۔" حقیقت یہی تھی کہ وہ خود بھی یہ چھوڑنا چاہتا تھا مگر کبھی چھوڑ نہیں سکا تھا۔

"تمہارے پاس کوئی استعمال شدہ انجیکشن یا پھر سرنج ہے؟" حاتم گہری سوچ میں پڑا تھا۔ اس کے پاس تو ایسا کچھ نہیں تھا مگر یقیناً بدر کے گھر ایسا کچھ ضرور ہونا چاہیئے تھا۔

"میرے پاس نہیں ہے لیکن میں لا کر دے سکتا ہوں تمہیں...."

"ٹھیک ہے، پہلے ناشتہ کرتے ہیں پھر تم چلے جانا۔"

"مجھے کبھی بھی کسی بھی وقت کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ میں تمہیں نقصان پہنچا سکتا ہوں۔" حاتم کا خدشہ بجا تھا۔

"تمہیں کیسے قابو کرنا ہے یہ میں اچھے سے جانتی ہوں۔ جاؤ جا کر چینج کر کے آؤ۔" عینین نے اسے ہنستے ہوئے پیچھے کی جانب دھکیلا تھا۔

حاتم نے بدر کے کمرے کی اچھے سے تلاشی لی تھی۔وہاں کافی ساری سرینج موجود تھے مگر کوئی بھی استعمال شدہ نہیں تھی اور لکوڈ والی شیشی کا تو کوئی نام ونشان ہی نہیں تھا۔

حاتم تھک ہار کر بستر پر بیٹھ گیا تھا تبھی اچانک اس کی نظر ڈریسنگ ٹیبل کے پاس گری شیشی پر پڑی تھی۔وہ بھاگتا ہوا وہاں گیا تھا۔وہ آدھ کھلی ہوئی تھی اور درمیان میں ایک کریک بھی تھا مگر حاتم کے لیے وہ اس وقت کسی نعمت سے کم نہیں تھی۔

اس نے جلدی سے وہ سرینج میں بھری تھی۔وہ بے حد کم مقدار میں تھی مگر دو سے تین دن آرام سے گزر سکتے تھے۔حاتم نے آستین اوپر چڑھائے وہ انجیکشن لینا چاہا تھا مگر اچانک ہی اسے عینین کی بات یاد آئی تھی۔اس نے ایک بار اس وعدے کے بارے میں سوچا تھا اور دوسری بار اپنے سکون کے بارے میں....ایک لمحہ لگا تھا فیصلہ کرنے میں، حاتم نے انجیکشن اپنی رگوں میں اتارے خالی سرینج کوٹ کی جیب میں رکھی تھی۔

گھر جا کر اس نے وہ سرینج عینین کے حوالے کی تھی۔عینین نے حاتم کا بلڈ سیمپل بھی لیا تھا۔وہ پوری محنت سے اس کے لیے کام کر رہی تھی۔جبکہ حاتم فیصلہ کر چکا تھا کہ اگر کل تک عینین وہ ڈرگ نہ بنا سکی تو وہ بدر کے پاس جائے گا۔وہ یہ نہیں چھوڑ سکتا تھا۔یہ اس کے بس کی بات نہیں تھی۔

"تمہیں اتنی محنت کرنے کی ضرورت نہیں ہے، چلو آؤ سو جاؤ۔" وہ رات کے بارہ بجے تک لیب میں ہی تھی۔اب حاتم کو دکھ ہونے لگا تھا۔

"ہمم...." عینین نے بس اتنا ہی کہا تھا۔اس کے خون کے سیمپل سے وہ جان چکی تھی کہ حاتم نے آج ڈرگ لی ہے۔

"کچھ پتا چلا، میرا مطلب ہے تم صبح سے کام کر رہی ہو۔" اس کے گرد حصار قائم کرتے وہ اس کو ساتھ لیے کمرے کی جانب بڑھ رہا تھا۔

"کچھ خاص نہیں...."عینین نے سرسری سا جواب دیا تھا۔

"ویسے نام تو پتا چل گیا ہو گا، نہیں....؟"اگر اسے نام بھی پتہ چل جاتا تو کچھ نا کچھ کر کے کہیں نا کہیں سے حاصل کر ہی لیتا۔

"نام کیوں جاننا چاہتے ہو؟"

"ویسے ہی...."

"مجھے نہیں پتا چلا۔" حاتم کو افسوس ہوا تھا۔اگر وہ صرف نام ہی بتا دیتی تو حاتم کو بدر کے پاس نا جانا پڑتا۔

"نام کیا میں نے ڈر گزبھی بنا لیا ہے عمر، مگر تمہیں دوں گی نہیں....میں تمہاری لت چھڑوا کر رہوں گی، چاہے تم چاہو یا نا چاہو۔" وہ دل ہی دل میں عہد کر چکی تھی۔

---

صبح چار بجے ہی وہ اٹھ کر لیب چلی گئی تھی۔اب اسے اس کا توڑ بنانا تھا۔کچھ ایسا جس سے حاتم کی عادت چھوٹ جائے۔حاتم کی آنکھ صبح نو بجے کے قریب کھلی تھی۔عینین کو وہاں نا پاتے دیکھ وہ فوراً لیب گیا تھا۔توقع کے عین مطابق وہ وہاں موجود تھی۔

"نین اب بس کر دو۔میں کوئی نا کوئی حل نکال لوں گا۔"

"عمر، آئی۔ایم۔رئیلی سوری میں تمہارے لیے کچھ نہیں کر سکی۔ڈر گزوالا مادہ تو میں نے بنا لیا ہے مگر اس کا توڑ مجھ سے نہیں بن رہا۔"عینین نے بھرائی آواز میں سر جھکائے کہا تھا جبکہ اس کی بات پر حاتم کی آنکھیں چمکی تھیں۔

"تم نے سچ میں بنا لیا ہے؟"

"ہاں، مگر کیا فائدہ، توڑ تو بن نہیں رہا مجھ سے...."اس نے منہ لٹکائے کہا تھا۔

"کوئی بات نہیں نین، کم از کم تم نے کوشش تو کی اور ویسے بھی میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ میں یہ چھوڑ دوں گا۔ ڈاکٹر سے بھی بات ہو گئی ہے میری۔"

"تم سچ کہہ رہے ہو؟" عینین نے نم آنکھوں سے اس کی جانب دیکھا تھا۔

"بالکل سچ، ویسے وہ مادہ ہے کہاں؟"

"یہ سامنے ہی پڑا ہے۔ اب یہ کسی کام کا نہیں ہے۔ تم ایک کام کرو، اسے پھینک دو۔ میرے سر میں بہت درد ہو رہا ہے اور میں تھک بھی گئی ہوں۔ میں سونے جا رہی ہوں۔" عینین اپنا سر تھامتے اٹھی تھی۔

"ہاں ہاں، میں پھینک دوں گا۔ تم آرام کرو۔" اس بڑے سائز کی بھری ہوئی شیشی کو دیکھ کر حاتم کی آنکھوں میں چمک ابھری تھی۔ اس سے تقریباً چھ مہینے آرام سے گزر جانے تھے۔ اس کے بعد وہ عینین سے پھر کسی بہانے سے یہ بنوا سکتا تھا۔

عینین کے جانے کا یقین کرتے حاتم نے وہ شیشی اٹھائی تھی۔ اس کی مشکل آسان کرتے وہ کافی ساری سرنج وہیں چھوڑ گئی تھی۔

حاتم نے سرنج میں وہ مادہ بھرتے اپنی رگوں میں اتارا تھا۔ اسے اپنے اندر ایک سکون سا اترتا محسوس ہوا تھا۔

"یہ وہی ہے، ہاں یہ وہی ہے۔" وہ ہنسا تھا۔ عینین نے واقعی صحیح چیز بنائی تھی۔

"اب مجھے کسی کی ضرورت نہیں ہے۔ اب میں کسی کی غلامی نہیں کروں گا۔ اب اس دنیا پر صرف میری حکومت ہو گی، بلیک مونسٹر کی... میں اب اس سلطنت کا واحد بادشاہ ہوں، بااختیار بادشاہ...." وہ ہنسا تھا اور پھر ہنستا ہی چلا گیا تھا۔ اس شیشی میں واقعی ڈر گز ہی تھی، مگر صرف آج کے لیے... حاتم کو یقین دلانے کے لیے یہ بے حد ضروری تھا۔ مگر اس کے آگے کیا ہونا تھا، یہ صرف عینین جانتی تھی۔

---

"عمر تم کچھ دنوں کے لیے گھر پر ہی آرام کر لو نا۔"

"نہیں میری جان، مجھے ضروری کام ہے۔" حاتم کب سے اسے سمجھانا چاہ رہا تھا مگر وہ بضد تھی۔

"پلیز نا....." عینین نے گویا منت کی تھی۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں۔ تم میرے لیے فکر مند ہونا چھوڑ دو۔ ہم ڈاکٹر کے پاس بھی تو گئے تھے نا، تم اب میری فکر مت کرو۔" وہ اس کا زبردستی علاج کروا رہی تھی۔ حاتم کو اس کی ضد کے آگے گھٹنے ٹیکنے ہی پڑے تھے۔ بظاہر وہ وقت پر میڈیسنز بھی لیتا تھا مگر ڈرگز اس نے نہیں چھوڑی تھی۔

عینین نے باتوں باتوں میں اسے یہ بتا دیا تھا کہ یہ انجیکشن اسے روز لینا ہے۔ وہ عشق میں اندھا اس کی ہر اک بات پر آنکھ بند کر کے ایمان لا رہا تھا۔ کوئی اور ہوتا تو اس کی شاطر نگاہوں سے نا بچ سکتا مگر سامنے وہ بلا تھی جس نے نائل جیسے شخص کو بھی بیوقوف بنایا ہوا تھا تو پھر حاتم کیا چیز تھا؟؟

حاتم نے اس کی نظر سے وہ شیشی بچا کر اپنے لاکر میں چھپائی تھی۔ لاکر کو اس نے پاسورڈ لگا دیا تھا۔ عینین ویسے بھی اس کی چیزوں اور کاموں میں مداخلت نہیں کرتی تھی مگر شاید وہ یہ بھول گیا تھا کہ ایک معمولی سا پاسورڈ کھولنا عینین کے لیے کوئی بڑی بات نہیں تھی۔

شروع کے دو چار دن تک تو اس شیشی میں خالص ڈرگز ہی تھا مگر آہستہ آہستہ وہ ڈرگز کی مقدار کم کرتی جا رہی تھی۔ وہ یہ کام بہت چالاکی سے کر رہی تھی، س طرح کہ حاتم کو ذرا بھی محسوس نا ہو۔

اس نے ڈرگز کی مقدار کو کم کر کے اس کے نعمل بدل مادہ ڈالنا شروع کر دیا تھا مگر اس میں نشہ کچھ مقدار میں موجود تھا۔ ایکدم سے وہ اس کی یہ عادت نہیں چھڑوا سکتی تھی۔

"مگر انسان کو کبھی آرام بھی کر لینا چاہیئے۔"

"انسان آرام کرتے ہوں گے مگر میں تو ایک وحشی درندہ ہوں نا...." آنکھوں میں سیاہ رنگ کے لینز ڈالتے وہ مسکرایا تھا۔ عینین جھنجھلا گئی تھی۔ اس کی یہ فضول بات اسے کبھی پسند نہیں آتی تھی۔

"تم آنکھوں میں لینز کیوں ڈالتے ہو؟"

"کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ میری یہ پرکشش آنکھیں صرف میری بیوی دیکھے۔ اگر کوئی اور فدا ہو گیا تو کیا کروں گی تم؟" وہ اس وقت شرارت کے موڈ میں تھا۔

"اتنی پرکشش بھی نہیں ہیں۔" عینین کا حلق تک کڑوا ہوا تھا۔

"کوئی جل رہا ہے کیا؟" وہ لب دبائے گویا ہوا تھا۔

"دفع ہو...." وہ پیر پٹختی باہر گئی تھی۔

---

"کب تک ناراض رہنے کا ارادہ ہے؟" وہ بالکنی میں منہ پھلائے کھڑی تھی۔ عمر کب سے اسے منانے کی کوشش کر رہا تھا مگر آج وہ اسے معاف کرنے کا کوئی ارادہ نہیں
رکھتی تھی۔

"تمہیں میری ناراضگی سے کیا فرق پڑتا ہے؟ تم جاؤ اپنے کام کرو جا کر۔" وہ کل ساری رات گھر نہیں آیا تھا جس وجہ سے وہ سخت خفا تھی۔

"جتنا نخرہ تم مجھے دکھاتی ہو نا، اس کا ایک فیصد بھی کوئی اور دکھاتی نا تو اب تک قبر میں اتار چکا ہوتا میں اسے...!"

"یعنی تم مان رہے ہو کہ تمہاری زندگی میں میرے علاوہ کوئی ہے۔" عمر نے بے بسی سے گہری سانس خارج کی تھی۔ اب اسے لڑنے کے لیے نیا بہانہ مل چکا تھا۔

"بس بہت ہو گیا۔اب ختم کرو اس ناراضگی کو...!"اس نے نین کو کمر سے کھینچ کر خود سے قریب کیا تھا۔وہ نازک کلی کٹی ہوئی ڈور کی مانند اس کے چوڑے سینے سے آٹکرائی تھی۔

"عمر تم....!"

"شش...!"عمر نے اس کے لبوں پر انگلی رکھے سخت تاثرات سے اسے گھورا تھا۔وہ منہ بسورے سر جھکا گئی تھی۔وہ ہمیشہ ہی اس کے تمام ناز نخرے اٹھاتا تھا مگر کبھی کبھی اسے شدید غصہ آجاتا تھا اور نین سمجھدار بیویوں کی طرح اس کے بگڑتے تیور دیکھ محتاط ہو جاتی تھی۔

"ایک اچھی سی سمائل دو۔"اپنی انگلیوں کے پوروں سے اس کی ٹھوڑی کو اوپر اٹھائے عمر نے حکم صادر کیا تھا۔ اپنے ہونٹوں کو بامشکل مسکراہٹ میں ڈھالے نین نے عمر کی سیاہ آنکھوں میں دیکھا تھا۔وہ نا چاہتے ہوئے بھی ہنس دیا تھا۔

"نین تم بھی نا....!"عمر نے محبت پاش انداز میں اس کی ناک سے اپنی ناک مس کی تھی۔وہ شرماتے ہوئے اس کے سینے میں سر چھپا گئی تھی۔

"آج کے بعد تم وقت پر گھر آؤ گے۔"

"جو حکم...!"اس کا سر اپنے سینے پر سے ہٹاتے عمر نے اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لیا تھا۔

اس کی نظروں کی تپش کی تاب نالاتے نین نے اپنی سنہری آنکھیں جھکائی تھیں۔

اس کی اس ادا پر عمر کے چہرے کی مسکراہٹ مزید گہری ہوئی تھی۔

اب وہ بغور اس کے چہرے کا جائزہ لے رہا تھا۔گلابی اور سفید رنگت، سنہری جھکی ہوئی آنکھیں، گھنی سیاہ پلکیں، ستواں ناک...اب اس کی نظریں نین کی صراحی دار

گردن کا طواف کر رہی تھیں۔ عمر نے اپنی شہادت کی انگلی سے اس کی گردن کو چھوا تھا۔ نین نے مزاحمت کی تھی جس پر عمر نے اپنی گرفت مزید سخت کر لی تھی۔

"مجھے کام ہے۔" ادھر ادھر نظریں گھمائے وہ بہانہ تلاش کر رہی تھی۔

"کیا کام ہے؟" عمر اس کی بوکھلاہٹ سے محظوظ ہوا تھا۔

"وہ ابھی سوچا نہیں ہے میں نے...!" اس نے فوراً ہی زبان دانتوں تلے دبائی تھی۔ عمر دل کھول کر ہنسا تھا۔

"نین تم بھی نا...!" عمر کی نظریں ایک بار پھر اس کے چہرے کا طواف کر رہی تھیں۔

عمر کی آنکھوں نے اس کی پر شفاف پیشانی سے اس کے ستواں ناک تک کا سفر طے کیا تھا، پھر اس کی نگاہیں اس کے گلال ہوتے گالوں پر پڑی تھیں، اس کے بعد اس کے پنکھڑیوں جیسے لبوں پر... اس کے ہونٹ قدرتی طور پر گلابی تھے، اور اس کے ہونٹوں کی بناوٹ کچھ اس طرح تھی کہ نا وہ بہت زیادہ پتلے تھے اور نا ہی بہت زیادہ بھرے ہوئے... اب عمر کی نظروں نے اس کے لبوں سے اس کی ٹھوڑی تک کا سفر طے کیا تھا۔ اس کی ٹھوڑی کا تل اسے رکنے پر مجبور کر گیا تھا۔ ٹھوڑی کے درمیان گہرا سیاہ تل...

عمر نے اپنے دائیں ہاتھ کے انگوٹھے سے اسے تھوڑا سا رب کیا تھا۔ اس کا اگلا عمل وہ اچھی طرح سے جانتی تھی۔

"ع.. عمر مجھے کام...!" ابھی نین نے اپنا جملہ مکمل بھی نہیں کیا تھا کہ عمر نے پورے وثوق سے اپنے لب اس کی ٹھوڑی پر رکھے تھے۔

"یہ میرا حق ہے اور تم مجھے روک نہیں سکتی۔" عمر نے اس کے کان کے پاس میٹھی سرگوشی کی تھی۔

وہ اس کے اس تل کا دیوانہ تھا۔ وہ ویسے ہی بے انتہا حسین تھی اور اس کی ٹھوڑی کا یہ تل اسے مزید دلکش بنا دیتا تھا۔

"ویسے تم کل رات تھے کہاں...؟" وہ اسے باتوں میں الجھا کر اس کی گرفت سے رہائی پانے کا اردہ کر چکی تھی۔

"کسی کو زندگی دے رہا تھا۔" نین نے نا سمجھی سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

"تم ڈاکٹر کب سے بن گئے؟"

"میں ڈاکٹر نہیں ہوں نین، میں ایک سفاک درندہ ہوں جو لوگوں کو سزا کے طور پر زندگی دیتا ہے۔" عمر کی بات اس کے سر پر سے گزری تھیں۔ وہ ہمیشہ ہی اس قسم کی گفتگو کرتا تھا۔ شروع شروع میں وہ ناراض ہو جاتی تھی پھر وہ اس کی باتیں مذاق میں اڑا دیتی تھی مگر اب وہ جھنجھلا جاتی تھی، ان باتوں کا مطلب وہ نہیں سمجھ پاتی تھی۔

"اور انعام کے طور پر کیا دیتے ہو؟" عمر کی گرفت تھوڑی ڈھیلی پڑنے پر اس کو جیسے سانس آئی تھی۔ اگر یہ گرفت تھوڑی اور ڈھیلی ہو جائے تو وہ آرام سے بھاگ سکتی تھی۔

"موت...!" عمر کی بات پر نین کی آنکھیں بے یقینی سے پھیلی تھیں۔ گرفت کب واپس سخت ہوئی، اسے خبر ہی نہیں ہوئی تھی۔

"ایک بات پوچھوں تم سے....؟"

"ہاں پوچھو میری جان...!""" اب وہ اپنے بائیں ہاتھ سے مسلسل اس کے بالوں میں انگلیاں چلا رہا تھا۔ اس کے بال ہلکے بھورے تھے۔ کمر تک آتے گھنے مگر بھورے بال...
اس کے فیس کٹ پر یہ بال بہت سوٹ کرتے تھے۔

"تم میرے لیے سزااور انعام میں سے کیا چنو گے ؟" وہ مسکرادیا تھا۔

"تم میرا سب کچھ ہو نین ! ہمیں تاعمر ساتھ رہنا ہے، لیکن اگر تم نے مجھے دھوکہ دیا تو پھر میں تمہیں انعام دوں گا۔ میں تمہیں موت دوں گا۔ تمہیں زندگی دے کر میں تمہیں تکلیف ہرگز نہیں دوں گا، بلکہ موت دے کر میں تمہیں آزادی دوں گا۔" ایک لمحے کے لیے نین کا سانس سوکھ گیا تھا۔ اس نے بغور عمر کے چہرے کا جائزہ لیا تھا، وہاں سنجیدگی تھی، یعنی وہ مذاق نہیں کر رہا تھا۔

"اب بات مت کرنا مجھ سے....!" وہ غصے سے اسے پرے دھکیلتی وہاں سے گئی تھی۔ وہ مسکرا کر سر جھٹکتا اس کے پیچھے گیا تھا۔

---

نائل ٹیرس پر کھڑا کسی سے فون پر بات کر رہا تھا تبھی اس کی نظر ایک ٹرے میں کافی لاتی سنیہا پر پڑی تھی۔ ایک لمحے کے لیے وہ ساکت ہو گیا تھا۔ نارنجی رنگ کے ڈھیلے ڈھالے سے لباس کے اوپر اس کا وہ میسی ساجوڑا....

مگر یہ سب نائل آفندی کو متاثر نہیں کر سکا تھا، جس چیز نے اسے متاثر کیا تھا وہ اس کی ناک کی لونگ تھی۔ شاید اس نے پہلی بار پہنی تھی مگر اس پر جچ بہت رہی تھی۔

"کافی...." سنیہا نے مسکرا کر اسے کپ تھمایا تھا۔ سپاٹ چہرے کے ساتھ نائل نے کپ تھام لیا تھا۔ وہ اپنے جذبات اور احساسات کو چھپانے میں ماہر تھا۔

"ویسے مجھے آج بھی وہ دن نہیں بھولتا جب آپ نے مجھے سٹور روم میں ان سانپوں کے ساتھ اکیلا چھوڑ دیا تھا۔ بہت ظالم ہیں آپ...." اتنے عرصے سے دبا شکوہ آج وہ کر ہی گئی تھی۔

"ظالم میں نہیں تھا، ظالم وقت تھا بلکہ ہے۔" کافی کا سپ لیتے وہ عجیب طرز میں ہنسا تھا۔

"ویسے وہ سب صرف الوژن تھا، حقیقت نہیں...."

"مطلب.....؟"

"مطلب اس کمرے میں ایسا کچھ موجود نہیں تھا۔ وہ محض آنکھوں کا دھوکہ تھا۔ بھلا مجھ جیسا شریف بزنس مین کیسے اپنے گھر میں سانپ رکھ سکتا ہے؟ بس سچ یہ ہے کہ مجھے الوژنز بنانا بہت پسند ہیں۔ ایسی چیزیں، ایسے کردار جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں.... میں سامنے والے کو یقین دلاتا ہوں کہ یہی سچ ہے اور یہ کرنے کے لیے بے شک مجھے بھی ایک کردار بننا پڑے، مگر میں کرتا ہوں۔" کپ منڈیر پر رکھے وہ ایک بار ہنسا تھا۔

"مطلب وہ سب اصلی نہیں تھا؟" سنیہا کا دماغ تو وہیں اٹک گیا تھا۔

"نہیں بیوقوف، سب صرف ایک دھوکہ تھا۔"

"مگر مجھے تو سانپ اپنے وجود پر رینگتے محسوس ہوئے تھے۔" وہ ابھی بھی شاک میں تھی۔

"وہ اس لیے کیونکہ تمہارے دماغ نے اس چیز کو قبول کر لیا تھا کہ وہاں سانپ موجود ہیں۔" وہ حد درجہ مطمئن تھا۔

"آپ نے میرے دماغ کے ساتھ کھیلا؟" اس بیچاری کا منہ بے اختیار کھلا تھا۔

"دماغ ہے تمہارے پاس؟؟" نائل نے ایک شاکی نگاہ اس پر ڈالی تھی۔

"صحیح کہہ رہے ہیں، اگر دماغ ہوتا تو آپ کے ساتھ تھوڑی رہ رہی ہوتی۔" اب کی بار نائل کا چہرہ دھواں دھواں ہوا تھا۔ اسے اس جواب کی توقع نہیں تھی۔

"تو پھر کس کے ساتھ رہ رہی ہوتی؟" وہ جل کر بولا تھا۔

"تم نے میرے ساتھ ہی رہنا ہے، تو بہتر ہے انسانوں کی طرح رہو۔" اس کے جواب دینے سے پہلے ہی نائل نے درشتگی سے کہا تھا۔

"ویسے آپ الوژن بناتے کیسے ہیں، میرا مطلب ہے کس چیز سے بناتے ہیں؟"سنیہا نے دلچسپی سے پوچھا تھا۔

"پیناڈول سے، میڈیکل سٹور سے مل جائے گی۔ تم بنا لینا۔"سنیہا کی آنکھوں میں مرچیں چبھنے لگی تھیں۔

"وہ کون سا خوش نصیب لمحہ ہو گا جب آپ میری بات کا

سیدھا جواب دیں گے؟"

"تمہاری موت کا لمحہ...."کون سی ایسی بات تھی جس کا جواب نہیں تھا اس شخص کے پاس؟؟

"اچھا نا، پلیز بتائیں، کیسے بناتے ہیں آپ؟"سنیہا نے اس کا ہاتھ تھامے منت کی تھی۔

"ٹیوب لائٹ سے...."

"کون سی ٹیوب لائٹ؟"

"لندن سے بیاہ کر لایا تھا مگر میری بد قسمتی، نکلی تو جاہل نا...."

"میں پڑھی لکھی ہوں۔"سنیہا نے فوراً احتجاج کیا تھا۔

"کہتی ہو تو مان لیتا ہوں۔"نائل نے گویا اس پر احسان کیا تھا۔

"تمہیں جاننا ہے نا الوژن کیسے بنتی ہے؟"نائل کے استفسار پر سنیہا نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

"پہلے یہ جان لو کہ اصل میں یہ ہوتی کیا ہے؟"

"کیا ہوتی ہے؟"وہ پر اسرار انداز میں اس کے تھوڑا قریب ہوئی تھی۔

"دھوکہ، جھوٹ، وہ چیز جو سچ نہیں ہوتی۔ ایسا بھی تو ہو سکتا ہے نا کہ ان سانپوں کی طرح میں بھی ایک الوژن ہوں یا پھر میں نے اپنا ہم شکل یہاں بھیج دیا ہو۔ ہمارا نکاح بھی تو ایک دھوکہ ہو سکتا ہے نا....؟ایسا بھی تو ہو

سکتا ہے کہ یہ کبھی ہوا ہی نا ہو۔" سنیہا کی سانس سوکھ گئی تھی۔اس کے چہرے کا رنگ پل میں فق پڑا تھا جبکہ نائل اس کی حالت سے کافی محظوظ ہوا تھا۔

اسے اپنے اتنے قریب دیکھ نائل کے دل نے بغاوت کی تھی۔اس نے سنیہا کے مزید قریب جاتے اس کی ناک میں موجود لونگ پر اپنے لب رکھے تھے۔

اب اپنا موبائل اٹھائے وہ پھرتی سے وہاں سے گیا تھا۔وہ ہکا بقا وہیں کھڑی رہ گئی تھی۔

"ہوش میں آؤ سنیہا، یہ محض ایک الوژن ہے۔" اپنی ناک کو چھوتے وہ کسی ٹرانس کی کیفیت میں گویا ہوئی تھی۔

"یا پھر سچ ہے؟" وہ یقین نہیں کر پا رہی تھی۔

"میں پاگل ہو جاؤں گی۔" اس نے باقاعدہ اپنا سر تھاما تھا۔

---

"نین میری بات تو سنو۔"

"کچھ نہیں سننا مجھے، ایک طرف محبت کے دعوے کرتے ہو اور دوسری طرف مارنے کی باتیں کرتے ہو۔" وہ بے حد خفا تھی۔

"مذاق کر رہا تھا، تمہیں مار سکتا ہوں میں؟" حاتم نے اس کا رخ اپنی جانب کرتے کہا تھا۔اس کی آنکھوں میں جذبات کا سمندر تھا۔

"لیکن میں مار سکتی ہوں تمہیں، بلکہ ماردوں گی۔" اس کا چہرہ لال مرچ کی مانند سرخ پڑا تھا۔اس کے چہرہ پر سرخی اور آنکھوں میں لاوا دیکھ حاتم کو ہنسی آئی تھی۔آج قسمت کی خرابی، وہ ہنسی روک نہیں سکا تھا۔عینین اسے اس وقت بہت کیوٹ لگی تھی۔

"جس دن شوٹ کروں گی نا میں تم کو، اس دن ہنس کر دکھانا...." عینین نے اسے پرے دھکیلتے کہا تھا۔

"میں اس دن بھی ایسے ہی ہنسوں گا۔ اپنی نین کے ہاتھوں مرنا میرے لیے کسی اعزاز سے کم نہیں ہے۔" وہ عقیدت سے اس کے دونوں ہاتھ چوم گیا تھا۔

"دیکھے گے۔" وہ منہ کے زاویے بگاڑتی کھڑکی کے پاس جا کھڑی ہوئی تھی۔ اب سنہری چمکتی آنکھیں لان میں موجود سبزے پر جمی تھیں۔ حاتم نے گہری سانس خارج کرتے اپنے بالوں میں ہاتھ پھیرا تھا۔ وہ اچھے سے جانتا کہ اب کیا ہونا ہے۔ عینین نے نخرے دکھانے تھے اور اس نے اس کو منانا تھا۔

---

گھر کی تفصیلی صفائی کرواتے سنیہا کی نظر ایک پرانے اخبار پر پڑی تھی۔ اخبار میں موجود تصویر دیکھ وہ تو معنوں سکتے میں ہی چلی گئی تھی۔

"نائل، نائل....." جوتے پہنتے نائل کے ہاتھ رکے تھے۔ وہ کسی ضروری کام سے باہر جا رہا تھا جب سنیہا کی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تھی۔

"یہ تو آپ کا دوست ہے نا؟" سنیہا نے اخبار اس کے سامنے رکھی تھی۔

"کون....؟" نائل نے ناسمجھی سے اخبار کی جانب دیکھا تھا۔

"وہی جو اس دن مال میں ملا تھا۔"

"تمہیں بڑا یاد ہے۔" وہ اس پر بگڑا تھا۔

"آپ نیوز تو پڑھیں، کسی نے اس کی آنکھیں نکال دیں۔" وہ اضطراب کی حالت میں اس کے پاس بیٹھی تھی۔

"What....?"

وہ بالکل دنگ رہ گیا تھا۔

"جی یہ دیکھیں۔"سنیہا نے اسے اخبار تھمائی تھی۔خبر پڑھ کر نائل نے اخبار سائیڈ پر رکھی تھی۔

"یہ یقیناً اس کی بیوی نے کیا ہوگا۔دھیان نہیں دیتا ہوگا نا اس پر، بالکل جیسے تم نہیں دیتی مجھ پر...."

"آپ کبھی سیریئس بھی ہو جایا کریں۔"وہ سخت جھنجھلائی تھی۔

"تم چھوڑو اسے، ایسے ٹھرکی لوگوں کا یہی انجام ہونا چاہیئے۔تم کھانا کھا کر سو جانا، مجھے دیر ہو جائے گی۔"اخبار کو اٹھاتے وہ تیزی سے باہر گیا تھا۔سنیہا منہ بناتی پہلو بدل گئی تھی۔

لاؤنج میں آتے نائل نے اخبار ملازمہ کے منہ پر مارا تھا۔

"اس گھر میں کوئی اخبار نہیں پڑھتا، کل سے یہ اس گھر میں نا آئے۔"حکم صادر کرتے وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر گیا تھا۔

---

"کافی بہتری آئی ہے تمہارے اندر اب....."نیم اندھیرے کمرے میں وہ اس کرسی پر بندھے شخص کے گرد چکر لگا رہا تھا۔

"اب جب کہ تم ٹھیک ہو رہے ہو تو مجھے تمہارے ساتھ کیا کرنا چاہیئے؟"اس کی پشت کی جانب کھڑے ہوتے نائل نے اس کے کان کے پاس سرگوشی کی تھی۔

"تمہیں پھر سے الیکٹرک شاکس دے کر پاگل کرنا چاہیئے یا پھر اس بار کچھ نیا کریں؟"اس کا لہجہ ہر درجہ سفاک تھا۔

کرسی پر بیٹھے شخص کا چہرہ بالکل سپاٹ تھا۔ان سالوں میں نائل اسے تقریباً ہر قسم کی جسمانی اور ذہنی اذیت پہنچا چکا تھا مگر وہ اسے مرنے نہیں دیتا تھا۔وہ پہلے اسے تکلیف پہنچاتا تھا پھر اس کا علاج کرواتا تھا پھر تکلیف پہنچاتا تھا اور پھر علاج....

''کافی شاطر دماغ ہے تمہارا، کوئی نیا آئیڈیا ہی دے دو۔'' نائل نے ہاتھ میں پکڑی تار اس کی گردن کے گرد لپیٹی تھی۔

''دل چاہتا ہے، تمہیں مار دوں لیکن دماغ کہتا ہے، تم اتنی آسان موت کے حق دار نہیں ہو۔'' نائل نے تار کو پیچھے کی جانب کھینچتے کہا تھا۔ اس شخص کا دم گھٹنے لگا تھا مگر وہ اپنا دفاع تک نہیں کر پا رہا تھا۔

''میرا ابھی روز ایسے ہی دم گھٹتا ہے جب میں تمہارے بارے میں سوچتا ہوں۔'' تار ہٹاتے نائل نے کرسی کو دھکہ دیا تھا۔ وہ شخص کرسی سمیت زمین پر منہ کے بل گرا تھا۔

''تم جیسے ناسوروں کے ساتھ تو وہ کرنا چاہیئے کہ سننے والے کی روح تک کانپ اٹھے۔'' نائل نے اس کے سر پر اپنا بوٹ رکھا تھا۔ اب وہ آہستہ آہستہ زور دیتا جا رہا تھا۔ اس شخص کا سانس گھٹنے لگا تھا۔ وہ درد سے کراہ رہا تھا مگر مقابل کو اس کی تکلیف سکون دے رہی تھی۔

اب نائل نے اسے پیچھے کی طرف سے گردن سے دبوچے واپس کرسی کو ٹھیک کیا تھا۔

''ابھی مصروف ہوں میں، رات میں ملاقات ہو گی۔'' ایک تنفر بھری نگاہ اس پر ڈالتے وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر گیا تھا۔ اس شخص کے ناک اور منہ سے خون رس رہا تھا۔ درد سے کراہتے اس نے اپنے ہاتھ کو حرکت دینے کی کوشش کی تھی۔ اس کا ہاتھ حرکت کر رہا تھا۔ رسی ڈھیلی تھی، شاید کرسی کے زمین پر گرنے کی وجہ سے....

اب اس نے دروازے کی جانب دیکھا تھا جو کہ آدھ کھلا ہوا تھا۔ آنکھوں میں آزادی کی چمک ابھری تھی۔ وہ دیے جو برسوں پہلے ہی بجھ چکے تھے، آج وہ پھر روشن ہوئے تھے۔

نائل ابھی بیچ راستے میں ہی تھا جب اس کا فون بجا تھا۔

''سر وہ بھاگ گیا ہے۔'' اس کے لبوں کو مسکراہٹ نے چھوا تھا۔

''اس کے پیچھے جاؤ اور خوب ڈوراؤ اسے لیکن پکڑ نا مت، بھاگنے دینا۔'' حکم دیتے نائل نے کال کٹ کی تھی۔
''اصل کھیل تو اب شروع ہو گا۔'' مسکرا کر سر جھٹکتے اس نے موبائل ڈیش بورڈ پر پٹخا تھا۔

---

(کچھ مہینوں بعد)

زرد پتے ٹہنیوں سے ٹوٹ کر زمین پر بکھر رہے تھے۔ ہر طرف ایک عجیب سا سکوت تھا۔ گزرتا وقت دو لوگوں کے عشق کا گواہ تھا۔ ہر دن، ہر منٹ، ہر سیکنڈ بڑھتا لازوال عشق.....
سورج کی کرنیں چمکتے موتیوں کی طرح اس کے حسین، پر شفاف چہرے پر پڑ رہی تھیں۔
وہ دونوں ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے لان میں ٹہل رہے تھے۔ بھورے ریشمی بال آج بھی کمر پر پھیلے ہوئے تھے۔ ڈیپ ریڈ کلر کے ڈریس میں عینین نے ڈوپٹے کو گلے میں مفلر کی صورت میں لٹکایا ہوا تھا۔
''تمہیں لال رنگ پہن کر خود کو اذیت دینے کی ضرورت نہیں تھی۔'' حاتم نے اس وقت سیاہ ٹراؤزر کے اوپر سفید رنگ کی ٹی شرٹ پہنی ہوئی تھی۔ اس وقت وہ بالکل رف حلیے میں تھا مگر اس حلیے میں بھی وہ کسی کا بھی دل چرانے کی صلاحیت رکھتا تھا۔
''یہ لال نہیں پرپل ہے۔'' وہ فوراً بولی تھی۔
''یعنی مجھے کلر بلائنڈ نیس ہو گئی ہے۔'' حاتم نے ایک تیکھی مسکراہٹ اس کی جانب اچھالی تھی۔
''جی بالکل ایسا ہی ہے۔'' عینین نے بہت مشکل سے خود کو یقین دلایا تھا کہ یہ لال رنگ ہرگز نہیں ہے، اب حاتم اس کے کیے کرائے پر پانی پھیر رہا تھا۔
''تمہیں تکلیف ہو رہی ہے؟'' حاتم نے فکر مندی سے پوچھا تھا۔

"نہیں ہو رہی، آخری سیشن رہتا ہے پھر یہ ڈر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے گا۔" عینین نے اسے تسلی دی تھی۔

"ہاں جیسے میری نشے کی عادت چھڑوائی تم نے۔" اسے خود سے قریب کرتے حاتم نے شکوہ کیا تھا۔ اس شکوے پر وہ کھلکھلا اٹھی تھی۔

"دھوکے باز ہو تم.....!" اب کی بار حاتم نے اس کی ناک سے اپنی ناک مس کی تھی۔ ڈر گز تو دور عینین نے تو اسے اینٹی ڈر گز بھی دینا چھوڑ دی تھی۔ اس نے شیشی میں صرف پانی بھرا تھا۔ حاتم کافی عرصہ وہ استعمال کرتا رہا تھا پھر اسے کچھ کھٹکنے لگا تھا اور آخر کار اس نے ایک دن عینین کو رنگے ہاتھوں پکڑ ہی لیا تھا۔

عینین نے اس سے کھل کر بات کی تھی اور اسے پراپر علاج کے لیے منایا تھا اور وہ مان گیا تھا۔

ان چند مہینوں میں وہ نا صرف ڈر گز چھوڑ چکا تھا بلکہ اب تمام تر حکومت بھی اس ہی کی تھی۔ وہ ہر چیز پر مکمل طور پر قابض تھا۔ پہلے سے زیادہ سفاک اور ظالم شہزادہ.... انڈر ورلڈ پہلے ہی اس کے نام سے تھر تھر کانپتا تھا اب تو کوئی اس کے سامنے نگاہ اٹھانے کی بھی جرات نہیں کر سکتا تھا۔

"میری سالگرہ آنے والی ہے عمر....." عینین نے اسے یاد دہانی کروائی تھی۔

"تم دن میں دس بار یہی بات کرتی ہو۔"

"میری سالگرہ بہت خاص ہونی چاہیئے۔" یہ صبح سے پانچویں تنبیہ تھی۔

"میری نین جس دن پیدا ہوئی، وہ دن عام کیسے ہو سکتا ہے؟" حاتم نے محبت پاش نگاہوں سے اس کا جائزہ لیا تھا۔ وہ لال رنگ میں بے حد حسین لگ رہی تھی۔

"پھر بھی تم کچھ ایسا خاص کرنا جو آج سے پہلے کبھی کسی نے نا کیا ہو۔"

"جو حکم جناب...." وہ مسکرا دیا تھا۔

"ویسے تم نے میری تعریف نہیں کی۔ میرا مطلب ہے تم مجھے سرخ لباس میں دیکھنا چاہتے تھے نا؟؟"عینین نے چمکتی آنکھوں سے اس کی جانب دیکھا تھا۔

"میں تمہیں سرخ دلہن کے لباس میں دیکھنا چاہتا تھا۔ لیکن تمہاری تکلیف کی وجہ سے یہ ممکن نہیں ہوا یہاں تک کہ کمرہ بھی نہیں سجایا تھا میں نے...."حاتم نے سرد آہ بھری تھی۔

"تم چاہتے ہو میں تمہارے لیے پھر سے دلہن بنوں؟"عینین نے ایک شاکی اس پر ڈالی تھی۔

"اس میں کوئی حرج تو نہیں ہے۔"عینین گہری سوچ میں پڑی تھی۔اس نے لمحے بھر میں فیصلہ کیا تھا کہ وہ اپنی شادی کی پہلی اینیورسری پر حاتم کی یہ خواہش پوری کرے گی۔

---

سبز پودوں اور درختوں کے درمیان وہ کھڑی مسکرا کر انہیں پانی دے رہی تھی۔ یہ اس کا پسندیدہ کام تھا۔ ابھی وہ اپنا کام کر کے پلٹی ہی تھی جب اس کی نظر اپنے کھڑوس سرتاج پر پڑی تھی جو کہ لان کے ایک کونے میں کھڑا کسی سے فون پر محو گفتگو تھا۔ چہرے پر ازلی متانت تھی۔ وہ بے حد پروفیشنل انداز میں کسی سے بات کر رہا تھا۔ سنیہا نے سرد آہ بھری تھی۔ ان چند مہینوں میں نائل تو نہیں بدلا تھا مگر سنیہا اس کے رویے کی ضرور عادی ہو گئی تھی۔ ایسا نہیں تھا کہ وہ س کی پرواہ نہیں کرتا تھا مگر اس کا پرواہ کرنے کا انداز منفرد تھا۔

"کس قدر سیدھی باتیں کر رہے ہیں، بس مجھ سے بات کرتے انہیں کوئی سیدھا جواب نہیں سوجھتا۔"وہ دل ہی دل میں کڑھی تھی۔ سنیہا کی نظر اچانک ہی پائپ پر پڑی تھی۔ اس کی آنکھوں میں شرارت ابھری تھی۔ اس حرکت کے بعد اسے بہت بری طرح ڈانٹ پڑنی تھی مگر وہ پھر بھی یہ کرنا چاہتی تھی۔

نائل نے ابھی بات مکمل کر کے فون رکھا ہی تھا کہ اس کے چہرے پر چند پانی کی بوندیں گری تھیں پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ پورا بھیگ گیا تھا۔

"یہ تم کیا کر رہی ہو؟" چہرے پر ہاتھ رکھے وہ غصے سے گویا ہوا تھا مگر آج سنیہا رکی نہیں تھی۔اس نے نائل کو پورا بھگو کر ہی دم لیا تھا۔

"تم یہ ٹھیک نہیں کر رہی ہو؟" نائل کا غصہ سوا نیزے پر چڑھا تھا۔اسے ہتے سے اکھڑتا دیکھ وہ پائپ چھوڑے وہاں سے بھاگی تھی۔

"بیواقوف،سٹوپڑ...." نائل نے ایک نظر اپنے بھیگے موبائل کی جانب دیکھا تھا تو دوسری نظر اپنے وجود کی جانب....

"سنیہا....." وہ غصے سے آگ بگولا ہوتا اس کے پیچھے گیا تھا۔

"سنیہا کہاں ہو تم...؟" سرخی مائل آنکھوں سے وہ لاؤنج میں آیا تھا۔نائل نے ادھر ادھر نظریں گھمائی تھیں،وہ اسے کہیں نظر نہیں آئی تھی۔

"اگلے دس منٹ میں اگر تم کمرے میں نا آئی تو پھر تمہارے ساتھ وہ ہو گا کہ تمہاری سوچ ہے۔" بلند آواز میں کہتے وہ زینے پھلانگتا اپنے کمرے کی جانب بڑھا تھا۔

وہ جو صوفے کے پیچھے دبکی بیٹھی تھی،اس کے جانے کے بعد فوراً باہر آئی تھی۔

"کیا ضرورت تھی دیوار میں سر مارنے کی؟" سنیہا نے باقاعدہ اپنا سر پیٹا تھا۔

"اب کیا ہو گا؟" اضطراب کی حالت میں سنیہا نے اپنے ناخن کترنا شروع کیے تھے۔

"جاؤں گی تو میری خیر نہیں اور اگر نہیں جاؤں گی تو تو بالکل بھی خیر نہیں...." اس کی آنکھیں پل میں بھرا گئی تھیں۔

کچھ دیر وہاں ٹہلنے کے بعد وہ دل کو مضبوط کرتی قدم قدم چلتی کمرے کی طرف گئی تھی۔

آنسو پلکوں کا باڑ توڑ کر بار بار گال پر لڑکھ رہے تھے۔

سر جھکائے ہاتھوں کو مسلتے وہ کمرے کے اندر داخل ہوئی تھی۔ نائل کی اس کی جانب پشت تھی۔ وہ ابھی ابھی کپڑے تبدیل کر کے آیا تھا اور اب اپنی شرٹ کے بٹن بند کر رہا تھا۔ اسے دیکھ کر سنیہا کا پھوٹ پھوٹ کر رونے کا دل چاہا تھا۔ اس نے کوئی سو بار خود کو ملامت کی تھی کہ آخر یہ حرکت کی ہی کیوں؟؟

"یہ فون اٹھاؤ، اور اسے ٹھیک کرو۔" اسکی بھاری آواز پر سنیہا کی سوچوں کا تسلسل ٹوٹا تھا۔

"اگلے پانچ منٹ میں اگر یہ نہیں چلا تو تمہاری ٹانگیں توڑ دوں گا میں...." شرٹ کے بٹن بند کیے وہ اس کی جانب مڑا تھا

"میں کیسے ٹھیک کروں؟" حلق سے بامشکل آواز نکلی تھی۔

"جیسے خراب کیا ہے۔" لہجہ نہایت سرد تھا۔

"سوری!" وہ منمنائی تھی۔

"میری ڈکشنری میں ایسا کوئی لفظ نہیں ہے۔" سنیہا کی آنکھیں پھر ابلنے لگی تھیں۔

"دوبارہ نہیں کروں گی پکا!" کہتے ساتھ ہی وہ رو دی تھی۔ نائل ہکا بکا کھڑا رہ گیا تھا۔

"تم پاگل ہو، میں نے کیا کہا ہے تمہیں؟" اس کی اس بات پر وہ اور بری طرح رو دی تھی۔

"سنیہا...." نائل نے آگے بڑھ کر اسے شانوں سے تھاما تھا۔ وہ تیزی سے اس کے سینے سے لگی تھی۔

"اچھا ٹھیک ہے چپ ہو جاؤ۔" وہ اسے کچھ کیسے کہتا، وہ تو بلاوجہ ہی رو رہی تھی۔

"آپ مجھے کوئی سزا تو نہیں دیں گے نا؟" وہ ہچکیاں لے لے کر بامشکل کہہ پا رہی تھی۔

"نہیں دیتا، تم چپ تو ہو جاؤ۔" نائل نے اسے آہستگی سے خود سے دور کیا تھا۔

"پہلے وعدہ کریں۔" ڈبڈبائی آواز کے ساتھ سنیہا نے اس کے آگے ہاتھ پھیلایا تھا۔

"ٹھیک ہے، وعدہ کرتا ہوں لیکن تم رونا تو بند کرو۔" وہ نرم پڑا تھا۔

"اوکے!" سنیہا نے آنسو پینے کی کوشش کی تھی مگر آنسو تھمنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔

"سنیہا تم چھوٹی بچی نہیں ہو۔" اسے یاد کروانا نائل نے اپنا فرض سمجھا تھا۔

"یہ نہیں رک رہے۔" وہ روتی ہی چلی جا رہی تھی۔

"پانی لا دیں پلیز!"

"بیٹھو یہاں پر۔" وہ ناگواری سے کہتا باہر گیا تھا۔

اس کے جانے کا یقین کرتے سنیہا نے اپنے آنسو پونچھے تھے۔ ایکدم ہی وہ ہنس دی تھی۔

"صحیح وقت پر اتنے سارے آنسو دینے کے لیے شکریہ اللہ پاک!" سنیہا نے ہاتھ اٹھا کے اللہ کا شکر ادا کیا تھا۔

"غلطی خود کی اور مہرانی کے نخرے بھی میں ہی اٹھاؤں۔" منہ میں بڑبڑاتا ہوا پانی کا گلاس تھامے وہ کچن سے باہر آیا تھا۔

"لو پکڑو۔" نائل نے اس پر احسان کرتے گلاس پکڑایا تھا۔ سنیہا نے سوں سوں کرتے پانی حلق سے اتارا تھا۔

"میرے سر میں درد ہو رہا ہے۔"

"بچوں کی طرح بلک بلک کر روگی تو سر درد تو کرے گا ہی... سو جاؤ تھوڑی دیر۔" موبائل اٹھاتے وہ غصے سے باہر کی جانب بڑھا تھا۔

"اتنا مہنگا فون خراب کر دیا میرا...." باہر جاتے وہ مسلسل منہ میں کچھ نا کچھ بڑبڑا رہا تھا۔ اس کی بڑبڑاہٹ سنتے سنیہا نے بامشکل ہنسی ضبط کی تھی۔ زندگی میں پہلی بار وہ اسے بیوقوف بنانے میں کامیاب ٹھہری تھی۔ سچ کہتے ہیں عورت کے آنسو اس کا سب سے بڑا ہتھیار ہوتے ہیں۔ بس اسے یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ انہیں کہاں اور کیسے استعمال کرنا ہے۔

---

"مجھے لگتا ہے تمہیں کچھ بڑا کرنے کے بارے میں سوچنا چاہیئے۔" وہ دونوں بستر پر لیٹے ہوئے تھے۔ حاتم اس کے بالوں میں مسلسل انگلیاں چلا رہا تھا۔

"مطلب....؟" عینین نے نا سمجھی سے اس کی جانب دیکھا تھا۔

"مطلب اگر تم یہ چھوٹی موٹی چیزیں بنا سکتی ہو تو کچھ بڑا بھی تو کر سکتی ہو نا...."

"یہ سب میں شوقیہ طور پر کرتی رہی ہوں اور اب تمہارے لیے جتنا ہو سکتا ہے، اتنا کرتی ہو، اس بارے میں میں نے کبھی سیریس ہو کر نہیں سوچا۔"

"مگر میں نے سوچا ہے۔ اگر تمہاری مہارتوں کو تھوڑا نکھارا جائے تو تم یقینا کچھ بڑا ر سکتی ہو۔" حاتم بہت دور کی سوچ رہا تھا۔ وہ اس سے کئی کام نکلوانا چاہتا تھا۔ ایسا نہیں تھا کہ اس کے پاس ہیکرز یا انویٹرز موجود نہیں تھے، مگر عینین میں اسے خاص دکھتا تھا۔ وہ ہر نئی چیز کو بہت جلدی پک کر لیتی تھی اور سب سے اہم بات اس نے نا تو کبھی کوئی سوال پوچھا تھا اور نا ہی کوئی ریسرچ کی تھی۔ وہ آنکھ بند کر کے حاتم کی ہر بات مان لیتی تھی۔ اکاؤنٹ ہیک کر کے فوراہی سارا ڈیٹا وہ ڈیلیٹ کر دیتی تھی۔ اس کا اندھا اعتبار کبھی کبھی حاتم کو شرمندہ کر دیتا تھا۔

"کیا اس وقت یہ سب باتیں کرنا ضروری ہے؟" وہ ہمیشہ ہی اس قسم کی باتوں سے جھنجھلا جاتی تھی۔

"تو پھر تم ہی بتا دو کہ کیا باتیں کریں؟" حاتم شرارت سے اس کے مزید قریب ہوا تھا۔

"اپنا موبائل دو۔" وہ پہلے چونکا تھا پھر اس نے مسکرا کر عینین کو اپنا موبائل تھمایا تھا۔

"میری کوئی گرل فرینڈ نہیں ہے۔"

"مجھے پتا ہے۔" عینین نے ماتھے پر بل ڈالے حاتم کو گھوری سے نوازا تھا وہ جوابا مدھم سا مسکرایا تھا۔ عینین نے اب کی بار اپنا سر اس کے سینے پر رکھا تھا۔ وہ بغور اس کی ہر حرکت نوٹ کر رہا تھا۔

"یہ کیا کر رہی ہو تم...؟"اس کے سینے پر سر رکھے وہ مسلسل اس کے موبائل پر مصروف تھی۔

"میری سالگرہ آنے والی ہے۔"اس نے ڈیٹ کے ساتھ ریمائنڈر بھی سیٹ کیا تھا۔

"میں جانتا ہوں۔"اس کی کمر کے گرد بازو حمائل کرتے اس نے نین کو خود سے مزید قریب کیا تھا۔

"تم بھول جاؤ گے۔"موبائل اس کی جانب بڑھائے اس نے پر اعتماد لہجے میں کہا تھا۔

"اپنی نین کی سالگرہ میں کیسے بھول سکتا ہوں؟"اپنے سینے پر سے اس کا سر ہٹائے اس نے بہت محبت سے اس کا سر تکیے پر رکھا تھا۔اب وہ فرصت سے اس کے چہرے کو حفظ کر رہا تھا۔

"نا بھی بھولو تب بھی کوئی نا کوئی کام یاد آ جائے گا تمہیں۔"اس نے آنکھیں گھمائے شکوہ کیا تھا۔

"ٹھیک ہے تو پھر میں وعدہ کرتا ہوں، تمہاری سالگرہ کا سارا دن ہم ساتھ گزاریں گے۔اور میں اس دن کو تمہارے لیے یادگار بنا دوں گا۔ تم چاہ کر بھی کبھی نہیں بھول پاؤ گی۔"

عمر نے جذبات سے چور انداز میں اس کے ماتھے پر اپنی محبت کی مہر ثبت کی تھی۔

اس کا نرم گرم لمس محسوس کرتے نین شرما گئی تھی۔

"ویسے تم اتنی ذہین ہو تو تمہیں نمبرز کیوں نہیں یاد رہتے؟"یہ چیز حاتم کو ہمیشہ ہی کھٹکھتی تھی۔

"پتا نہیں مگر ویسے ہی بھول جاتے ہیں۔ لیکن یاد رکھنے کی ضرورت بھی نہیں ہے، تمہارا نمبر موبائل میں سیو ہے اور کسی کا نمبر یاد رکھنے کی ضرورت ہی نہیں...."وہ عجیب طرز سے ہنسی تھی۔

حاتم اسے یہ یقین دلانے میں کامیاب ٹھہرا تھا کہ نائل کو اس کی کوئی پرواہ نہیں ہے اور وہ اس کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔

---

کل عینین کی سالگرہ تھی اور حاتم اسے اکیلا چھوڑ کر نجانے کہاں چلا گیا تھا۔اس کی طبیعت بھی پچھلے کچھ دنوں سے کافی بوجھل تھی۔ابھی بھی وہ صبح تقریبا دس بجے کے قریب اٹھی تھی۔ہلکا پھلکا ناشتہ کرنے کے بعد وہ پھر سو گئی تھی۔ تقریبا بارہ بجے اس کا جی گھبرانے لگا تھا۔وہ ایک عجیب سی بے سکونی محسوس کر رہی تھی۔اس بے سکونی کو دور کرنے کے لیے وہ بالکنی میں گئی تھی۔ وہاں کچھ دیر ٹہلنے کے بعد وہ کمرے سے باہر آئی تھی۔ادھر ادھر گھومتے ڈرائنگ روم کے باہر اس کے قدم رکے تھے،وجہ اندر سے کچھ مردانہ آوازوں کا آنا تھا۔

شاید گھر پر کوئی مہمان آیا تھا مگر اصل حیرت کی بات یہ تھی کہ آج سے پہلے حاتم کا کوئی مہمان گھر نہیں آیا تھا۔

"اگلا حملہ کب کرنا ہے؟" کسی کی بھاری آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تھی۔

"کچھ دن بعد پلین کرتے ہیں کوئی بلاسٹ۔ مگر خیال رہے کہ یہ مصیبت شاہین درمیان میں نا آئے۔" حاتم کی سرد آواز سنتے عینین کے قدموں تلے جیسے زمین کھسکی تھی۔

"ویسے ماننا پڑے گا آپ صحیح اس نائل کی بیوقوف بہن کو استعمال کر رہے ہیں۔"

"واقعی میں نہایت بیوقوف ہے۔" اس کے تمسخر آمیز لہجے پر عینین کی آنکھ سے آنسو ٹوٹ کر گال پر گرا تھا۔

"چرچ کب جانا ہے۔پادری آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔"

"بس کچھ دنوں تک چکر لگاؤں گا۔وہ کیا ہے نا میری بیوی کے سامنے مجھے مسلمان بننے کی ایکٹنگ کرنی پڑتی ہے۔" وہ دونوں قہقہ لگا کر ہنس دیے تھے۔ عینین کو ایسا محسوس ہوا یہ وہ اس پر ہنس رہے تھے۔اس کا عمر، اس پر جان چھڑکنے والا کیسے اس کے ساتھ اتنا بڑا دھوکہ کر سکتا تھا؟؟

منہ پر ہاتھ رکھے وہ بھاگتی ہوئی اپنے کمرے کی جانب گئی تھی۔

کمرے میں آتے ہی اس کی سانس اکھڑنے لگی تھی۔یہ سب اس کے لیے ایک زبردست دھچکہ تھا جسے اس کا دل اور دماغ دونوں ہی قبول نہیں کر پا رہے تھے۔

"وہ مجھ پر ہنس رہا تھا، مجھ پر...."عینین کے دل میں شدید درد اٹھا تھا۔

"عمر نے مجھے دھوکہ دیا۔"وہ شکست خوردہ حالت میں فرش پر بیٹھی تھی۔

"اس نے مجھ سے جھوٹ بولا۔"عینین نے پاگلوں کی طرح اپنے بال نوچے تھے۔

"محبت کے دعوے، وہ خوبصورت وعدے صرف جھوٹ..."

"کتنی بڑی بیوقوف ہو تم عینین، کتنی بڑی بیوقوف..."عینین نے اپنے منہ پر تھپڑ برسائے تھے۔

"وہ شاہین نہیں ہے، نہیں ہے۔"اس کی ہچکیاں بندھ گئی تھی۔

"وہ دہشت گردی میں ملوث ہے، وہ غیر مسلم ہے۔"اس کا سارا اعتبار آج چکنا چور ہوا تھا۔محبت لفظ سے جیسے آج یقین اٹھا تھا۔وہ اسے بیچ سمندر میں لا کر اکیلا چھوڑ گیا تھا۔

"بھائی، مجھے بھائی کے پاس جانا ہے۔"تھوڑا ہوش آتے وہ اٹھ کر بیٹھی تھی۔

"میرا فون، میرا فون کہاں ہے؟"اس نے ادھر ادھر متلاشی نگاہوں سے دیکھا تھا۔

"میرے پاس تو فون ہی نہیں ہے۔"حاتم نے اسے فون لے کر دیا تھا مگر کچھ دن پہلے ہی وہ خراب ہو گیا تھا۔نیا فون لے کر دینے کی حاتم نے ضرورت محسوس نہیں کی تھی اور عینین نے بھی اس سے کوئی تقاضہ نہیں کیا تھا۔

"لین لائن سے کال کرتی ہوں۔"

"نہیں ابھی تو عمر بھی گھر پر ہے اور ملازم بھی آس پاس ہی ہیں۔مجھے ابھی کال نہیں کرنی چاہیئے۔"عینین نے اپنے بڑھتے قدم وہیں روک لیے تھے۔

دروازہ لاک کیے اسنے خود کو پر سکون کرنے کی کوشش کی تھی مگر در حقیقت وہ بے حد خوفزدہ تھی۔

آہستہ آہستہ دن ڈھلتا جارہا تھا مگر حاتم کمرے میں نہیں آیا تھا۔وہ باہر سے ہی کسی کام سے چلا گیا تھا۔

عینین نے لاکھ شکر ادا کیا تھا کہ وہ نہیں آیا ورنہ نجانے وہ کیا کر گزرتی۔

رات کے پہر وہ دبے پاؤں زینے اترتی لاؤنج میں آئی تھی۔اب اس نے کپکپاتے ہاتھوں سے نمبر ڈائل کرنا شروع کیا تھا۔بہت یاد کرنے پر بھی اسے نائل کا نمبر یاد نہیں آرہا تھا۔

"اب میں کیا کروں؟" لمحے میں اس کی آنکھیں بھیگ گئی تھیں۔وہ یہاں سے اکیلے نہیں جاسکتی تھی۔باہر بہت زیادہ سکیورٹی تھی اور ویسے بھی وہ ہمیشہ حاتم کے ساتھ ہی جاتی تھی۔

ذہن پر بہت زور ڈالنے کے بعد بھی اسے کسی کا نمبر یاد نہیں آیا تھا۔نا کسی دوست ،اور نا ہی کسی عزیز کا....

"یہ میں کہاں پھنس گئی؟"صوفے پر ڈھتے وہ مسلسل سسک رہی تھی۔

اچانک ہی دماغ میں جھماکہ ہوا تھا۔ذہن کے پردوں پر کسی کا چہرہ لہرایا تھا۔

"یہ نمبر خاص تمہارے لیے ہے۔تم کبھی بھی مجھے کال کر سکتی ہو۔"

"اوکے میں سیو کر لیتی ہوں۔"عینین نے اپنا موبائل اٹھائے کہا تھا۔

"سیو نہیں یاد کرنا ہے۔"

"یہ ناممکن ہے۔"وہ ہنس دی تھی۔

"اس ناممکن کو میں آج ممکن بنا کر رہوں گا۔ایک خاص تیکنیک سے میں تمہیں یہ یاد کروا کر رہوں گا۔"مقابل چیلنجنگ انداز میں گویا ہوا تھا۔

"احمر...."عینین کے لب پھڑ پھڑائے تھے۔

بغیر ایک لمحہ بھی ضائع کیے اس نے احمر کا نمبر ڈائل کیا تھا۔پہلی ہی بیل پر کال ریسیو کر لی گئی تھی۔

"احمر....." وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

---

عصر کے وقت تقریباً مطلع صاف تھا۔افق سے بادل اب چھٹ چکے تھے۔ برسات کی وجہ سے درخت زمرد رنگ کے دکھائی دے رہے تھے۔ ہیرے کی طرح جگمگاتی پانی کی لڑیاں
گھاس پر بکھر گئی تھی۔

وہ مغرور چال چلتا اس صاف شفاف میدان سے گزر رہا تھا۔اس کے پیچھے دو اور لوگ تھے۔ جو جھکے ہوئے سر کے ساتھ نہایت تابعداری سے اس کے قدموں کی پیروی کر رہے تھے۔اس کے ساتھ قدم ملا کر چلنے کی نا تو کسی میں جرات تھی اور نا ہی وہ کسی کو اپنے ساتھ چلنے کی اجازت دیتا تھا۔

تھوڑا آگے جا کر اس کے قدم رکے تھے۔ پیچھے موجود ایک شخص نے فوراً گھاس پر جھکتے بٹن دبایا تھا۔ راستہ کھل چکا تھا۔اب دوسرے نے فوراً بھاگتے ہوئے راستے سے سارے
کانٹے اور جھاڑیاں ہٹائی تھیں۔ آنکھوں پر سے گوگلز ہٹائے وہ تیزی سے اس تہ خانے کے اندر داخل ہوا تھا،اس بات کی پرواہ کیے بغیر کہ وہ اپنے بوٹوں سے اپنے گارڈ کا ہاتھ بری طرح مسل چکا ہے۔اب وہ تنی ہوئی گردن کے ساتھ زینے پھلانگتا نیچے اتر رہا تھا۔ دو دونوں شخص بھی فوراً اس کے پیچھے گئے تھے۔ان کی ٹریننگ اس قدر سخت تھی کہ وہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر درد محسوس نہیں کرتے تھے۔اور وہ مغرور شہزادہ اپنے سامنے کسی کو کراہنے کی اجازت کہاں دیتا تھا۔

دن کا وقت ہونے کے باوجود بھی اس تہ خانے میں رات کا منظر تھا۔ ہر طرف تاریکی اور سناٹا چھایا ہوا تھا۔ سیڑیوں سے راہداری کے راستے میں بیش قیمتی کالین بچھا ہوا تھا۔ راہداری کو مشعلوں سے روشن کیا گیا تھا۔ دیواروں پر

مختلف اور قدیم طرز کے نقوش بنے ہوئے تھے۔یہ جگہ قدیم اور کافی پرانی تھی۔یہ سارا علاقہ ان کے زیر استعمال تھا۔یہاں ان لوگوں کے علاوہ کسی شخص کا آنا ناممکن تھا۔اس میدان میں قدم رکھنا فرشتہ اجل کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔

یہاں خفیہ جگہ صدیوں پرانی تھی۔وقت کے ساتھ ساتھ یہاں کافی تبدیلیاں کی گئی تھیں مگر آج بھی یہ جگہ ان کے کالے کارناموں کا اڈا تھی۔

اس تہ خانے میں بہت لوگوں کی سسکیاں اور آہیں دفن تھیں۔

کوٹ کا بٹن کھولتے وہ شاہانہ چال چلتے راہداری سے گزر رہا تھا۔کالے رنگ کے پینٹ کوٹ میں ملبوس، سفید رنگ کی شرٹ کے اوپر کالے رنگ کی ٹائی لگائے وہ کسی سلطنت

کا شہزادہ لگ رہا تھا۔تیکھے نقوش، کھڑی ناک، سیاہ مگر سرد مہر آنکھیں، کسرتی جسامت...

وہ کسی کو بھی چت کرنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔

راہداری میں اس کے گارڈ ہاتھ باندھے، نظریں جھکائے کھڑے تھے۔یہ ادب تھا یا خوف... لیکن یہ ان کا معمول تھا۔وہ جب بھی یہاں آتا تھا تو ہر دل ہی کانپ اٹھتا تھا کیونکہ اسکی سفاکی اور بے رحمی سے سب ہی اچھی طرح واقف تھے۔

تھوڑا آگے جاتے اس کے قدم رکے تھے۔اس کے جوتوں کی چھاپ رکتے ساتھ ہی ہر دل لرز گیا تھا۔اس کا اس طرح یوں رکنا کسی قیامت سے کم نہیں تھا۔اس نے وہی کھڑے سر کو ہلکی سی جنبش دیے اپنے پیچھے موجود شخص کو اشارہ کیا تھا، جس پر اس شخص نے فوراً گن نکال کر لوڈ کیے نہایت ادب سے اس مغرور شہزادے کے سامنے پیش کی تھی۔گن کے لوڈ ہونے کی آواز ہر طرف گونجی تھی۔وہاں موجود سب افراد نے اپنے قدم فرش پر مضبوط کر لیے تھے۔اب کسی کے ساتھ کچھ بھی ہو سکتا تھا۔

سامنے دیکھتے اس نے ہاتھ میں گن پکڑے سائیڈ پر کھڑے ایک گارڈ کے پاؤں پر ماری تھی۔

"ٹھاہ...!" گولی کی آواز سے ایک خوف وہراس کی کیفیت پیدا ہوئی تھی۔اس نے نشانہ اس گارڈ کی طرف دیکھے بغیر لیا تھا۔وہ اس کام میں ماہر تھا۔بغیر دیکھے بھی وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اسے کسے اور کہاں گولی مارنی ہے۔

راہداری میں ایک بار پھر قدموں کی آواز گونجی تھی۔وہ قدم قدم چلتا اس گارڈ کے بالکل سامنے آرکا تھا۔

اس گارڈ کے پیر سے خون فوارے کی طرح چھوٹ کر زمین پر گر رہا تھا مگر اس سب کے باوجود بھی وہ سر جھکائے نہایت ادب سے کھڑا تھا۔اس کے چہرے پر درد کا کوئی

تاثر نہیں تھا۔

دو منٹ اپنے گارڈ کے پاس کھڑے ہونے کے بعد اس نے اپنے بوٹ کو بہت زور سے اس کے بوٹ کے اوپر رکھا تھا۔خون اس بار اپنے پورے پریشر سے بہہ کر باہر فرش پر گر رہا تھا۔

"آج کے بعد جب میرے ادب میں کھڑے ہو تو دونوں پیر برابر رکھنا...." اس کے کان کے پاس سرد سرگوشی کرتے وہ تیزی سے آگے بڑھا تھا۔اس کے گزرنے تک وہاں خاموشی چھائی ہوئی تھی، قبرستان جیسی خاموشی...

اس بات کا یقین کرتے کہ وہ وہاں سے جا چکا ہے، سب کی ہی جان میں جان آئی تھی۔

وہ گارڈ درد سے کراہتا ہوا فرش پر بیٹھ گیا تھا۔اس سفاک شہزادے کے سامنے کراہنے کا مطلب صرف موت تھا، دردناک موت...

ان میں سے کسی کو بھی موت کا خوف نہیں تھا مگر جس انداز سے وہ موت دیتا تھا، سب ہی اس شیطان سے پناہ مانگتے تھے۔

ایک کمرے کے باہر رکتے ہی ایک شخص دوڑتا ہوا اس تک آیا تھا۔نہایت احترام سے اس کے پیروں سے جوتے اتارے اس

نے نئے جوتوں کا ایک سیٹ سامنے رکھا تھا جسے اس نے ناگواری سے پہنا تھا۔جوتے پہننے کا کام وہ خود ہی کرتا تھا۔

"سر!"اس سے پہلے کہ پیچھے موجود گارڈز اس کے لیے کمرے کا دروازہ کھولتے،ایک شخص اندر سے دروازہ کھولتے باہر آیا تھا۔اپنے سامنے اپنے مالک کو دیکھ اس نے سر جھکائے ادب سے اس کی خدمت میں سلام پیش کیا تھا۔

"کیا بتایا اس نے...؟"بھاری گھمبیر آواز تہ خانے کی درودیوار سے ٹکرائی تھی۔

"کک...کچھ نہیں...!"ماتھے پر شکنیں ابھری تھیں۔آنکھیں قہر برسانے لگی تھیں۔

"تم یہ کہہ رہے ہو کہ وہ کل رات سے یہاں پر موجود ہے اور اس نے ابھی تک زبان نہیں کھولی؟"وہی سرد اور سفاک لہجہ...

"ہم!ہم نے بہت ٹارچر کیا مگر...!"اٹکی سانس کو بحال کرتے ابھی جارج نے جملہ مکمل بھی نہیں کیا تھا کہ بلیک مونسٹر نے اسے گردن سے دبوچے اس کا سر دیوار

میں دے مارا تھا۔

"کیا فائدہ تم جیسے نکموں کی فوج کا،جب ایک شخص کی زبان ہی نہیں کھلوا سکتے....؟"وہ اب پہ در پہ اس کا سر دیوار میں مار رہا تھا۔اس شخص کا ماتھا،ہونٹ اور ناک خون نم خون ہو چکے تھے مگر دوسری طرف سفاکی کی انتہا تھا۔رحم نام کا لفظ تو اس شخص کی ڈکشنری میں ہی نہیں تھا۔

تقریباً سات منٹ کے بعد بلیک مونسٹر نے اسے چھوڑا تھا۔ وہ آدھ مری سی حالت میں زمین پر ڈھے گیا تھا۔ ظالم شہزادے

نے اپنا بوٹ بہت زور سے اس کے چہرے پر رکھا تھا۔ وہ تڑپتا، سسکتا اسے خود سے دور کرنے کی کوشش کر رہا تھا مگر بلیک مونسٹر کے آگے ساری مزاحمتیں بے کار تھیں۔

اس شخص کی آخری سانس لینے کے بعد اس نے اپنے بوٹ سے اسے ٹھوکر مار کر پرے دھکیلا تھا۔

"آخر کب تک اپنے ہی لوگوں کو اس طرح سزا دیتے رہو گے؟" جیمز جو ابھی وہاں پہنچا تھا، اپنے سامنے اس قدر اہم بندے کو مردہ دیکھ اس نے افسوس سے کہا تھا۔

"میں نے سزا نہیں آزادی دی ہے۔ اگر سزا دینی ہوتی تو اسے زندہ رکھتا۔" نفرت سے اس کی لاش کو ٹھڈا مارتے وہ آگے بڑھا تھا۔

"نئے جوتے لے کر آؤ۔" ایک آدمی کو کہتے جیمز نفی میں سر ہلاتے بلیک مونسٹر کے پیچھے گیا تھا۔ وہ باقی سب کی نسبت اس اکھڑ مزاج شخص سے کافی قریب تھا جس وجہ سے وہ اس سے کھل کر بات کرنے کی جسارت کر سکتا تھا مگر اس کا انحصار بھی بلیک مونسٹر کے موڈ پر تھا۔ وہ کبھی اسے عرش پر بٹھا دیتا تھا تو کبھی فرش پر لا پٹختا تھا۔

"میرے خیال سے وہ شاہین ہی ہے۔" اس کے پیچھے چلتے جیمز نے اپنے خیالات کا اظہار کیا تھا۔

"شاہین اتنا بے وقوف نہیں ہے کہ میرے گھر تک ہی پہنچ جائے۔" بلیک مونسٹر نے اس کی بات ہوا میں اڑائی تھی۔

"ہو سکتا ہے یہ اس کی کوئی چال ہو یا پھر یہ سب اس نے یہاں تک پہنچنے کے لیے کیا ہو۔" ایک دیوار پر سے پینٹنگ ہٹائے جیمز نے بٹن دبایا تھا۔ دیوار دو حصوں میں تقسیم ہو گئی تھی۔

"اگر ایسا ہے تو پھر اس نے خود پر اور ائی۔ایس۔ائی والوں پر بہت بڑا ظلم کیا ہے۔" بلیک مونسٹر نے تمسخرانہ ہنستے ہوئے قدم آگے بڑھائے تھے۔ دونوں کے درمیان وقتاً فوقتاً کوئی نا کوئی بات ہوتی رہی تھی۔ یہاں سے جیل تک کا سفر کافی لمبا تھا۔ یہ تہ خانہ جتنا قدیم تھا اتنا ہی بڑا اور پیچیدہ تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے یہ ایک بھول بھلیا ہو۔ ہر دروازے کے پیچھے ایک اور راستہ، ہر راستے کے آگے ایک نیا سفر... یہاں پر ایک الگ دنیا قائم تھی، ظلم اور جبر کی دنیا... اس دنیا کا مالک ایک ظالم اور مغرور شہزادہ تھا۔ سب اسے بلیک مونسٹر کے نام سے جانتے تھے۔

تھوڑا آگے جاتے اس کا فون وائبریٹ ہوا تھا۔

جیب سے فون نکالے اس نے سکرین کی جانب دیکھا تھا۔ اس کے لب مسکراہٹ میں ڈھلے تھے۔ جیمز نے بغور اس کے چہرے کا جائزہ لیا تھا۔ وہاں کوئی غصہ، کوئی سرد مہری
نہیں تھی۔

"میم کی کال ہے؟" وہ اس کی ذاتی زندگی میں دخل نہیں دیتا تھا اور نا ہی بلیک مونسٹر اسے اس بات کی اجازت دیتا تھا مگر اس بار نجانے کیوں وہ خاموش نہیں رہ سکا تھا۔

موبائل کی سکرین سے نظر ہٹائے اس نے اپنے بائیں ہاتھ کی طرف دیکھا تھا۔ جیمز کی سانس وہی رک گئی تھی۔ اس
کی پیشانی لمحے بھر میں پسینے سے تر ہوئی تھی۔

"نہیں! صرف ایک ریمائینڈر تھا۔ آج اس کی سالگرہ ہے نا....!"

مسکرا کر ایک بار پھر موبائل کی سکرین کو محبت پاش نگاہوں سے دیکھتے اس نے فون واپس کوٹ کی جیب میں رکھا تھا۔

"پھر تو آپ کو اس وقت ان کے پاس ہونا چاہیئے۔" جیمز کے کندھوں سے جیسے بوجھ اترا تھا۔ صد شکر کہ اس مغرور شخص نے برا نہیں منایا تھا ورنہ ابھی تک وہ اس کا سر دیوار پہ مار چکا ہوتا۔

وہ خاموشی سے آگے بڑھ گیا تھا یعنی جیمز کے سوال کی اس کی نظر میں کوئی وقعت نہیں تھی۔ جیمز نے بھی کوئی اور سوال پوچھنے کی غلطی ہرگز نہیں کی تھی۔

اپنی جان جہاں کا ناراض اور پھولا ہوا چہرہ یاد کرتے اس کے لب ایک بار پھر مسکرائے تھے۔ آج کا سارا دن انہیں ساتھ گزارنا تھا لیکن مصروفیت کے باعث ایسا ممکن نہیں ہو سکا تھا۔ مگر آج رات وہ ایک یادگار رات بنانا چاہتا تھا جس کا سارا انتظام وہ پہلے ہی کر چکا تھا۔

"یہ کیا کر رہی ہو تم...؟" اس کے سینے پر سر رکھے وہ مسلسل اس کے موبائل پر مصروف تھی۔

"میری سالگرہ آنے والی ہے۔" اس نے ڈیٹ کے ساتھ ریمائینڈر بھی سیٹ کیا تھا۔

"میں جانتا ہوں۔" اس کی کمر کے گرد بازو حمائل کرتے اس نے نین کو خود سے مزید قریب کیا تھا۔

"تم بھول جاؤ گے۔" موبائل اس کی جانب بڑھائے اس نے پر اعتماد لہجے میں کہا تھا۔

"اپنی نین کی سالگرہ میں کیسے بھول سکتا ہوں؟" اپنے سینے پر سے اس کا سر ہٹائے اس نے بہت محبت سے اس کا سر تکیے پر رکھا تھا۔ اب وہ فرصت سے اس کے چہرے کو حفظ کر رہا تھا۔

"نا بھی بھولو تب بھی کوئی نا کوئی کام یاد آجائے گا تمہیں۔" اس نے آنکھیں گھمائے شکوہ کیا تھا۔

"ٹھیک ہے تو پھر میں وعدہ کرتا ہوں، تمہاری سالگرہ کا سارا دن ہم ساتھ گزاریں گے۔ اور میں اس دن کو تمہارے لیے یادگار بنا دوں گا۔ تم چاہ کر بھی کبھی نہیں بھول پاؤ گی۔"

عمر نے جذبات سے چور انداز میں اس کے ماتھے پر اپنی محبت کی مہر ثبت کی تھی۔

اس کا نرم گرم لمس محسوس کرتے نین شرما گئی تھی۔

جیل کے سامنے پہنچتے جیمز نے لا کر کھولا تھا۔بلیک مونسٹر نے ایک طائرانہ نظر اس خالی جیل پر ڈالی تھی۔

"اجازت ہے...؟"جیمز نے سر جھکائے اجازت طلب کی تھی۔اس مغرور شہزادے نے سر کو ہلکا سا خم دیے اسے اجازت دے دی تھی۔

جیمز نے کچھ دیر ٹٹولنے کے بعد ایک جلتی مشعل کو الٹا کیا تھا۔ایک مخصوص جگہ پر اپنا انگوٹھا لگائے جیمز تھوڑا پیچھے ہٹا تھا۔دیوار ایک بار پھر دو حصوں میں تقسیم ہوئی تھی۔بلیک مونسٹر کے اندر داخل ہونے کے بعد جیمز بھی اندر داخل ہوا تھا۔

کرسی پر نیم بیہوشی کی حالت میں پڑے شخص کو دیکھ وہ نخوہت سے ہنسا تھا۔

پاس پڑی کرسی کو گھسیستے وہ اس کے سامنے آ کر بیٹھا تھا۔اس بند کمرے میں بہت سے ہتھیار پڑے تھے۔وہاں بھی بہت سے گارڈز ہاتھ باندھے کھڑے تھے۔

اس نے ہاتھ کے اشارے سے ایک گارڈ کو اپنے پاس بلایا تھا۔تابعداری کا مظاہرہ کرتے گارڈ نے پاس پڑا پانی کا گلاس اس

نیم بیہوش شخص کے منہ پر الٹا دیا تھا۔یخ ٹھنڈے پانی کے منہ پر پڑتے ہی اس نے جھٹ سے آنکھیں کھولی تھیں۔

"زیادہ وقت نہیں ہے میرے پاس۔بس چند سوالوں کے جواب چاہیئے۔"اس شخص نے سوجھی آنکھوں سے بامشکل سامنے بیٹھے شخص کو پہچاننے کی کوشش کی تھی۔

اسے کل رات سے اتنا ٹارچر کیا گیا تھا کہ وہ اب ایک انگلی ہلانے کی سکت بھی نہیں رکھتا تھا۔

"دو منٹ ہیں تمہارے پاس۔۔۔سب کچھ اگل دو۔وعدہ کرتا ہوں انعام کے طور پر تمہیں موت دے دوں گا۔"ٹانگ پر ٹانگ جمائے اس نے اجلت سے اپنے ہاتھ میں موجود ریسٹ واچ

کی طرف دیکھا تھا۔

"میں۔۔۔میں بس۔۔۔بس ایک سٹوڈنٹ ہوں۔مجھے کک۔۔۔کچھ نہیں پتا۔" گلے سے پھنسی پھنسی سی آواز نکلی تھی۔وہ

اس کی بات پر دھیان دیے بغیر مسلسل گھڑی کی چلتی سوئیوں کو دیکھ رہا تھا۔اسے اب اس کی زبان سے کوئی سروکار نا تھا اسے اب بس اپنے دیے گئے وقت کے گزرنے کا انتظار تھا۔

ٹھیک دو منٹ بعد اس نے ایک بار پھر اپنے گارڈ کو اشارہ کیا تھا۔گارڈ نے اپنے مالک کا حکم بجالاتے اس شخص کا ہاتھ ٹیبل پر رکھا تھا۔ٹیبل کے ایک طرف وہ شخص تھا تو دوسری طرف بلیک مونسٹر۔۔۔

"چلو ایک کھیل کھیلتے ہیں۔" اپنے کوٹ کی اندرونی جیب سے ایک تیز دھار چاقو نکالتے اس نے مسکرا کر کہا تھا۔سامنے بیٹھے شخص کی سانس سوکھ گئی تھی۔اس نے حرکت کرنے کی کوشش کی تھی مگر اس کے جسم نے اس کا ساتھ نا دیا تھا۔

"فکر مت کرو میں اس کھیل میں ماہر ہوں۔" اس شخص کی آنکھوں میں خوف دیکھ کر وہ اچھا خاصا محظوظ ہوا تھا۔

اب وہ بہت آہستگی سے اس کے ہاتھ کی انگلیوں کے درمیان سے چاقو گزار رہا تھا۔آہستہ آہستہ اس کے ہاتھوں کی رفتار

تیز ہوتی جا رہی تھی۔اس شخص نے بے بسی سے آنکھوں ہی آنکھوں میں التجا کی تھی۔بلیک مونسٹر نے ایک تیکھی

مسکراہٹ اس کی جانب اچھالے ایکدم ہی چاقو پوری قوت سے اس کے ہاتھ میں کھبو دیا تھا۔چاقو اس کے ہاتھ سے سفر کرتا میز سے آر پار ہوا تھا۔

"آہ....."ایک دردناک چیخ تہ خانے میں گونجی تھی۔

اس مغرور شہزادے نے ایک بار پھر اشارہ کیا تھا۔اس کا اشارہ سمجھتے اس گارڈ نے اس کے سامنے ایک شیشی لا کر رکھی تھی۔کرسی پر بیٹھا شخص اس کی اگلی کاروائی

سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔اس ظالم شخص کی مسکراہٹ اسے بہت کچھ سمجھا رہی تھی۔وہ ہنستا نہیں تھا،اس کے چہرے پر ہمیشہ سنجیدگی ہی ہوتی تھی مگر جب سے نین اس کی زندگی میں آئی تھی اس کی زندگی

کافی حد تک تبدیل ہو چکی تھی۔

"ویسے یہ میرے اصولوں کے خلاف ہے لیکن پھر بھی تمہیں آخری موقع دیتا ہوں۔"اس نے شیشی کا ڈھکن ہٹائے قہر برساتی آنکھوں سے کہا تھا۔

"نام کیا ہے تمہارا؟"اس کے ہاتھ کی سب سے چھوٹی انگلی کے ناخن پر تھوڑا سا تیزاب ڈالتے سنجیدگی سے پوچھا گیا تھا۔ایک بار پھر چیخیں گونجی تھیں۔دردناک چیخیں.....

اس شخص کا ہاتھ بہت بری طرح میز میں پیوست تھا۔وہ ہاتھ نہیں ہلا سکتا تھا۔

"میرے گھر کیا کرنے آئے تھے؟"اس کی دوسری انگلی کے ناخن پر تھوڑا سا تیزاب ڈالتے اگلا سوال کیا گیا تھا۔جیمز ایک سائیڈ پر کھڑا اس شخص کی قسمت پر افسوس کر

رہا تھا۔اگر وہ پہلے منہ کھول دیتا تو پھر بھی سکون کی موت نصیب ہوتی مگر اب....اب اسے موت نہیں زندگی ملنے والی تھی،بلیک مونسٹر کی دی ہوئی زندگی....موت سے بھی بدتر زندگی....

"کس کے لیے کام کرتے ہو؟"اس کے چیخنے چلانے کی پرواہ کیے بغیر مغرور شہزادے نے اس کے تیسرے ناخن کو نشانہ بنایا تھا۔

"آئی۔ایس۔آئی کے لیے...؟" چوتھی انگلی کے ناخن کو جھلسایا گیا تھا۔ تیزاب گرنے کی وجہ سے اس کا ناخن موم کی طرح پگھل کر گر رہا تھا۔

"یا پھر را کے لیے...؟" آخری انگلی پر تیزاب گراتے بلیک مونسٹر نے آخری سوال کیا تھا۔ وہ درد سے چیختا چلاتا ہوش وحواس سے بیگانہ ہو چکا تھا۔

"تین گھنٹے بعد اس کے دوسرے ہاتھ کے ساتھ بھی یہی کھیل کھیلنا۔" جیمز کو آڈر دیے وہ وہاں سے اٹھا تھا۔

"دھیان رہے کہ اس وقت یہ پورے ہوش وحواس میں ہو۔" جیمز نے ادب سے سر جھکایا تھا۔

---

وہاں سے باہر نکلتے اب اس کا رخ انچارج روم کی طرف تھا۔ وہاں ان کے سارے کالے کارناموں کا ریکارڈ درج تھا۔ سارے اکاؤنٹس کو وہیں سے ہینڈل کیا جاتا تھا۔

موبائل کے ایک بار پھر وائبریٹ ہونے پر اس کے قدم رکے تھے۔

"یہ لڑکی بھی نا....!" اب کی بار اس نے موبائل سے سارے ریمائنڈرز ہٹائے تھے۔

نین نے نجانے کتنے ریمائنڈرز سیٹ کیے تھے۔ وہ ہرگز نہیں چاہتی تھی کہ عمر اس کی سالگرہ بھولے۔

"میں تمہیں سارے گھر میں ڈھونڈھ رہا ہوں اور تم یہاں بیٹھی ہو۔" اپنا کوٹ کرسی پر رکھتے وہ اس کے پاس جھولے پر بیٹھا تھا۔ وہ ٹیرس پر گول بڑے سائز کے جھولے پر اپنا فراک پھیلائے ٹانگیں اوپر کیے بیٹھی بہت سکون سے نیک پینٹ لگا رہی تھی۔

"اٹھو یہاں سے، تم اسے توڑ دو گے۔" اس نے بہت زور سے اپنا پیر عمر کو مارا تھا۔

"نین....!" عمر نے اسے سخت گھوری سے نوازا تھا۔ اسے نین کی یہ حرکت بالکل پسند نا آئی تھی۔

"کیا نین.... ؟ اتنے موٹے ہو تم، میرا جھولا ٹوٹ جائے گا۔" نین نے منہ پھلائے اسے بھی گھوری سے نوازا تھا۔

"میں موٹا نہیں ہوں، اور تم نے دوبارہ اس طرح پیر چلائے نا تو میں تمہارے یہ پیر کاٹ دوں گا۔" اس کے پیروں کو اپنے ہاتھوں کی انگلیوں سے سہلاتے عمر نے سنجیدگی سے کہا تھا۔

"میں تمہارے ہاتھ کاٹ دوں گی اگر تم نے بری نگاہوں سے میرے پیروں کی طرف دیکھا بھی تو...!" اپنے پیر سمیٹتے وہ پھر سے نیل پینٹ لگانے میں مصروف ہو گئی تھی۔

"لاو میں لگا دیتا ہوں۔" عمر نے اس کا ہاتھ تھامتے پاس پڑی نیل پینٹ اٹھائی تھی۔ فلحال وہ اس سے لڑنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا تھا۔

"سچ سچ بتاؤ، آج سے پہلے کس کس کو نیل پینٹ لگائی ہے تم نے...؟" اس کے کام کی پرفیکشن دیکھ نین نے مشکوک انداز سے اسے گھورا تھا۔

"ٹھیک سے یاد نہیں ہے اب۔" نین نے فوراً اپنا ہاتھ واپس کھینچا تھا۔

"میری جان! میں اس نیل پینٹ کی بات نہیں کر رہا۔ یہ تو میں صرف تمہیں ہی لگاؤں گا۔" اس کا ہاتھ واپس اپنی گرفت میں لیتے عمر مسکرا دیا تھا۔

"مجھے بھی وہی نیل پینٹ لگاؤ جو تم دوسروں کو لگاتے ہو۔" نین کی فرمائش پر وہ ایک لمحے کے لیے چونک گیا تھا پھر اچانک ہی وہ ہنس دیا تھا۔

اس کی مسکراہٹ ٹھہری ہوئی اور بے حد دل فریب تھی۔ ہنسنے کی وجہ سے اس کے بائیں گال میں ہلکا سا گڑھا ابھرا تھا۔ نین کو اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہوا تھا۔

"یہ ظلم میں تمہاری ننھی سی جان پر نہیں کر سکتا۔" اس کا گال تھپتھپاتے وہ وہاں سے اٹھا تھا۔

"پاؤں ابھی رہتے ہیں۔" نین نے اسے یاد دلایا تھا۔

"اس کی ضرورت نہیں ہے، تمہارے پیر ایسے ہی اچھے لگ رہے ہیں۔" وہ نیل پینٹ اٹھاتے وہاں سے گیا تھا۔

سر جھٹکتے اپنے چہرے پر واپس وہی سختی لائے وہ ناب گھمائے کمرے کے اندر داخل ہوئی تھی۔

وہاں موجود سب لوگ ہی ادب سے کھڑے ہوئے تھے۔

"کیا پتا چلا...؟" وہی سختی، وہی سرد مہری...

"سر کالز کا سارا ڈیٹا میں کل ہی نکال چکی تھی مگر کچھ کنفیوژن تھی بس اسی وجہ سے آپ کو نہیں بتایا۔" کرسی سے اٹھتے ماریہ نے نظریں جھکائے ادب سے کہا تھا۔

اس کمرے میں فائلز کا انبار لگا ہوا تھا۔ ہر طرف کمپیوٹرز اور مختلف ڈیوائسز رکھی گئی تھیں، وہ لوگ یہی سب آپریٹ کرتے تھے۔

"کیسی کنفوژن...؟" اس کے ماتھے پر شکنیں ابھری تھیں۔

"بلیک مونسٹر وہ....!" اپنے ہاتھوں کی کپکپاہٹ پر قابو پانے کی ناکام کوشش کرتے ماریہ نے انہیں سختی سے مس کیا تھا۔

"کیا وہ....؟" اب کی بار وہ دھاڑا تھا۔ سب کے دل ہی کانپ اٹھے تھے۔

"وہ... آخ... آخری کال آپ... آپ کے گھر سے کی گئی تھی۔"

سختی سے آنکھیں میچے ماریہ نے کہہ ہی ڈالا تھا۔

"کیا بکواس کر رہی ہو تم....؟" پاس پڑی کرسی کو پٹختے وہ غرایا تھا۔

جیمز کو ابھی ابھی باہر عارف نے ساری صورت حال سے آگاہ کیا تھا۔ وہ بھاگتا ہوا انچارج روم کی طرف بڑھا تھا مگر

اس نے آنے میں دیر کر دی تھی۔

"یہ سچ ہے۔" ماریہ منمنائی تھی۔

"اگر یہ جھوٹ ہوا تو اپنے انجام سے تم اچھی طرح واقف ہو۔" اس کے لہجے میں ہنوز سختی تھی۔

اسی انجام کے خوف سے وہ کل سے ایک ہزار بار فون ریکارڈ چیک کر چکی تھی۔ وہ اپنے کام میں بہت ماہر تھی مگر جس حقیقت کا انکشاف اس پر ہوا تھا اس کا یقین کرنا

بے حد مشکل تھا۔

"کون ہے وہ....؟ کس ملازم میں اتنی ہمت ہے کہ میرے ساتھ غداری کرے؟" ماریہ کا دل بس باہر آنے کو تھا۔ جو انکشاف اس پر ہوا تھا، وہ سامنے کھڑے درندے کو بتانا بے حد مشکل تھا، مگر اسے بتانا ضروری بھی تھا۔

"کال آپ... آپ کے گھر کے لین لائن سے کی گئی ہے۔" اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ماریہ اس بار بہت آہستگی سے منمنائی تھی۔

"کون ہے وہ....؟ بولو کون ہے وہ....؟" جیمز نے نفی میں سر ہلاتے ماریہ کو کچھ بھی کہنے سے روکا تھا۔

"بولو کون ہے وہ....؟" اس دھاڑ پر تو جیمز بھی سہم گیا تھا۔

"کوئی لڑکی ہے۔" اس کی آواز بھرا گئی تھی۔ اتنی سخت ٹریننگ کے باوجود بھی آج ماریہ کو اپنے انجام سے ڈر لگ رہا تھا۔ وہ چاہ کر بھی وہ نام نہیں لے پا رہی تھی۔

"نام تو ہو گا نا...؟ بتاؤ کیا نام ہے اس کا...؟" اس کے صبر کا پیمانہ اب لبریز ہو چکا تھا۔

اگر ماریہ اس کے قریبی ساتھیوں میں سے نا ہوتی تو اب تک وہ اسے گولیوں سے بھون چکا ہوتا۔

"ن... نین...!" ماریہ کی زبان کھولنے کی دیر تھی، بلیک مونسٹر نے اسے گلے سے دبوچ دیوار سے لگایا تھا۔

"کس کا نام لیا ہے تم نے.... ہاں....؟" وہ بالکل آپے سے باہر ہو گیا تھا۔ ماریہ کو اپنی سانس رکتی محسوس ہوئی تھی۔

"ماریہ سچ کہہ رہی ہے بلیک مونسٹر....!" عارف کی آواز پر اس کے ہاتھوں کی گرفت ایک لمحے کے لیے ڈھیلی پڑی تھی۔

"ہمارے پاس ریکاڈنگ بھی ہے۔"

"کہاں ہے وہ ریکاڈنگ....؟" ماریہ کو پرے دھکیلتے وہ تیزی سے عارف کی جانب بڑھا تھا۔

عارف نے خاموشی سے آگے بڑھ کر کمپیوٹر پر ریکارڈنگ آن کی تھی۔ نسوانی آواز سنتے وہ ساکت ہو گیا تھا۔ ٹھیک دو منٹ بعد عارف نے ریکاڈنگ بند کی تھی۔

اب سب کی نظریں ہی اس ظالم اور سفاک شہزادے پر تھی جو کہ بالکل خاموش کھڑا تھا۔

اچانک ہی اپنی مٹھیوں کو بھینچے وہ تیزی سے باہر گیا تھا۔ اس کی رگیں تنی ہوئی تھیں، آنکھیں آگ برسا رہی تھیں۔ وہاں موجود سب افراد ہی اس معصوم، فرشتہ صفت لڑکی کے انجام پر افسردہ تھے۔

---

وہ بے مقصد بجانے کتنے گھنٹے سڑکوں پر گاڑی ڈرائیو کرتا رہا تھا۔ ایک جگہ آکر اس نے گاڑی روکی تھی۔ گاڑی کی پشت سے ٹیک لگائے اس کی آنکھ سے ایک آنسو گرا تھا۔ کوئی اسے اس بے بسی کی حالت میں دیکھتا تو کبھی

یقین نا کرتا کہ وہ ہی بلیک مونسٹر ہے، مگر سچ یہی تھا کہ اس کے عشق نے اسے دھوکہ دیا تھا۔ نین نے اسے دھوکہ دیا تھا۔

وہ غدار تھی۔ آج وہ ٹوٹ چکا تھا۔ اس کی زندگی نے اسے توڑ دیا تھا۔

"کب تک ناراض رہنے کا ارادہ ہے؟" وہ بالکنی میں منہ پھولائے کھڑی تھی۔ عمر کب سے اسے منانے کی کوشش کر رہا تھا مگر آج وہ اسے معاف کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی تھی۔

"تمہیں میری ناراضگی سے کیا فرق پڑتا ہے؟ تم جاؤ اپنے کام کرو جا کر۔" وہ کل ساری رات گھر نہیں آیا تھا جس وجہ سے وہ سخت خفا تھی۔

"جتنا نخرہ تم مجھے دکھاتی ہو نا، اس کا ایک فیصد بھی کوئی اور دکھاتی نا تو اب تک قبر میں اتار چکا ہوتا میں اسے...!"

"یعنی تم مان رہے ہو کہ تمہاری زندگی میں میرے علاوہ کوئی ہے۔" عمر نے بے بسی سے گہری سانس خارج کی تھی۔ اب اسے لڑنے کے لیے نیا بہانہ مل چکا تھا۔

"بس بہت ہو گیا۔ اب ختم کرو اس ناراضگی کو...!" اس نے نین کو کمر سے کھینچ کر خود سے قریب کیا تھا۔ وہ نازک کلی کٹی ہوئی ڈور کی مانند اس کے چوڑے سینے سے آ ٹکرائی تھی۔

"عمر تم.....!"

"شش...!" عمر نے اس کے لبوں پر انگلی رکھے سخت تاثرات سے اسے گھورا تھا۔ وہ منہ بسورے سر جھکا گئی تھی۔ وہ ہمیشہ ہی اس کے تمام ناز نخرے اٹھاتا تھا مگر کبھی کبھی اسے شدید غصہ آ جاتا تھا اور نین سمجھدار بیویوں کی طرح اس کے بگڑتے تیور دیکھ محتاط ہو جاتی تھی۔

"ایک اچھی سی سمائل دو۔" اپنی انگلیوں کے پوروں سے اس کی ٹھوڑی کو اوپر اٹھائے عمر نے حکم صادر کیا تھا۔

اپنے ہونٹوں کو بامشکل مسکراہٹ میں ڈھالے نین نے عمر کی سیاہ آنکھوں میں دیکھا تھا۔ وہ ناچاہتے ہوئے بھی ہنس دیا تھا۔

"نین تم بھی نا.....!" عمر نے محبت پاش انداز میں اس کی ناک سے اپنی ناک مس کی تھی۔ وہ شرماتے ہوئے اس کے سینے میں سر چھپا گئی تھی۔

"آج کے بعد تم وقت پر گھر آؤ گے۔"

"جو حکم...!" اس کا سر اپنے سینے پر سے ہٹاتے عمر نے اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لیا تھا۔

اس کی نظروں کی تپش کی تاب نالاتے نین نے اپنی سنہری آنکھیں جھکائی تھیں۔

اس کی اس ادا پر عمر کے چہرے کی مسکراہٹ مزید گہری ہوئی تھی۔

اب وہ بغور اس کے چہرے کا جائزہ لے رہا تھا۔ گلابی اور سفید رنگت، سنہری جھکی ہوئی آنکھیں، گھنی سیاہ پلکیں، ستواں ناک...اب اس کی نظریں نین کی صراحی دار

گردن کا طواف کر رہی تھیں۔ عمر نے اپنی شہادت کی انگلی سے اس کی گردن کو چھوا تھا۔ نین نے مزاحمت کی تھی جس پر عمر نے اپنی گرفت مزید سخت کر لی تھی۔

"مجھے کام ہے۔" ادھر ادھر نظریں گھمائے وہ بہانہ تلاش کر رہی تھی۔

"کیا کام ہے؟" عمر اس کی بوکھلاہٹ سے محظوظ ہوا تھا۔

"وہ ابھی سوچا نہیں ہے میں نے۔۔۔!" اس نے فوراً ہی زبان دانتوں تلے دبائی تھی۔ عمر دل کھول کر ہنسا تھا۔

"نین تم بھی نا...!" عمر کی نظریں ایک بار پھر اس کے چہرے کا طواف کر رہی تھیں۔

عمر کی آنکھوں نے اس کی پر شفاف پیشانی سے اس کے ستواناک تک کا سفر طے کیا تھا، پھر اس کی نگاہیں اس کے گلال ہوتے گالوں پر پڑی تھیں، اس کے بعد اس کے پنکھڑیوں جیسے لبوں پر... اس کے ہونٹ قدرتی طور پر گلابی تھے، اور اس کے ہونٹوں کی بناوٹ کچھ اس طرح تھی کہ نا وہ بہت زیادہ پتلے تھے اور نا ہی بہت زیادہ بھرے ہوئے... اب عمر کی نظروں نے اس کے لبوں سے اس کی ٹھوڑی تک کا سفر طے کیا تھا۔ اس کی ٹھوڑی کا تل اسے رکنے پر مجبور کر گیا تھا۔ ٹھوڑی کے درمیان گہرا سیاہ تل...

عمر نے اپنے دائیں ہاتھ کے انگوٹھے سے اسے تھوڑا سا رب کیا تھا۔ اس کا اگلا عمل وہ اچھی طرح سے جانتی تھی۔

"ع.. عمر مجھے کام...!" ابھی نین نے اپنا جملہ مکمل بھی نہیں کیا تھا کہ عمر نے پورے وثوق سے اپنے لب اس کی ٹھوڑی پر رکھے تھے۔

"یہ میرا حق ہے اور تم مجھے روک نہیں سکتی۔" عمر نے اس کے کان کے پاس میٹھی سرگوشی کی تھی۔

وہ اس کے اس تل کا دیوانہ تھا۔ وہ ویسے ہی بے انتہا حسین تھی اور اس کی ٹھوڑی کا یہ تل اسے مزید دلکش بنا دیتا تھا۔

"ویسے تم کل رات تھے کہاں...؟" وہ اسے باتوں میں الجھا کر اس کی گرفت سے رہائی پانے کا اردہ کر چکی تھی۔

"کسی کو زندگی دے رہا تھا۔" نین نے ناسمجھی سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

"تم ڈاکٹر کب سے بن گئے؟"

"میں ڈاکٹر نہیں ہوں نین، میں ایک سفاک درندہ ہوں جو لوگوں کو سزا کے طور پر زندگی دیتا ہے۔" عمر کی بات اس کے سر پر سے گزری تھیں۔ وہ ہمیشہ ہی اس قسم کی گفتگو کرتا تھا۔ شروع شروع میں وہ ناراض ہو جاتی تھی پھر وہ اس کی باتیں مذاق میں اڑا دیتی تھی مگر اب وہ جھنجھلا جاتی تھی، ان باتوں کا مطلب وہ نہیں سمجھ پاتی تھی۔

"اور انعام کے طور پر کیا دیتے ہو؟" عمر کی گرفت تھوڑی ڈھیلی پڑنے پر اس کو جیسے سانس آئی تھی۔ اگر یہ گرفت تھوڑی اور ڈھیلی ہو جائے تو وہ آرام سے بھاگ سکتی تھی۔

"موت...!" عمر کی بات پر نین کی آنکھیں بے یقینی سے پھیلی تھیں۔ گرفت کب واپس سخت ہوئی، اسے خبر ہی نہیں ہوئی تھی۔

"ایک بات پوچھوں تم سے....؟"

"ہاں پوچھو میری جان...!" "اب وہ اپنے بائیں ہاتھ سے مسلسل اس کے بالوں میں انگلیاں چلا رہا تھا۔ اس کے بال ہلکے بھورے تھے۔ کمر تک آتے گھنے مگر بھورے بال...
اس کے فیس کٹ پر یہ بال بہت سوٹ کرتے تھے۔

"تم میرے لیے سزا اور انعام میں سے کیا چنو گے؟" وہ مسکرا دیا تھا۔

"تم میرا سب کچھ ہو نین! ہمیں تا عمر ساتھ رہنا ہے، لیکن اگر تم نے مجھے دھوکہ دیا تو پھر میں تمہیں انعام دوں گا۔ میں تمہیں موت دوں گا۔ تمہیں زندگی دے کر میں تمہیں تکلیف ہر گز نہیں دوں گا، بلکہ موت دے کر میں تمہیں آزادی دوں گا۔" ایک لمحے کے لیے نین کا سانس سوکھ

گیا تھا۔اس نے بغور عمر کے چہرے کا جائزہ لیا تھا، وہاں سنجیدگی تھی، یعنی وہ مذاق نہیں کر رہا تھا۔

"اب بات مت کرنا مجھ سے....!" وہ غصے سے اسے پرے دھکیلتی وہاں سے گئی تھی۔وہ مسکرا کر سر جھٹکتا اس کے پیچھے گیا تھا۔

"نین...!" وہ اپنی پوری قوت سے چلایا تھا۔

"یہ تم نے ٹھیک نہیں کیا۔" اس کی آنکھیں یکدم ہی سرخ ہوئی تھیں۔

کچھ دیر گہری سانسیں لینے کے بعد اس نے اپنا فون اٹھایا تھا۔

"نین کو تیار کرو، بالکل نئی نویلی دلہن کی طرح...!" فون پر حکم صادر کرتے اس نے فون ڈیش بورڈ پر پٹخا تھا۔

---

تقریباً نو بجے کے قریب وہ گھر کے اندر داخل ہوا تھا۔کار سے باہر نکلتے وہ غصے سے آگے بڑھا تھا۔یہ اس کی حویلی تھی،
یہاں اس کی مرضی کے بغیر ایک پتا بھی نہیں ہل سکتا تھا اور ایک شخص کا اس طرح اس کی حویلی کے اندر داخل
ہونا اس کی برداشت سے باہر تھا۔اصل چیز جو وہ برداشت نہیں کر پا رہا تھا وہ اپنی بیوی کا اس شخص کو یہاں پہنچنے کی رسائی دینا تھا۔

وہ لاؤنج میں داخل ہوتا زینے پھلانگتا اوپر اپنے کمرے کی جانب گیا تھا۔اس کے چہرے پر بلا کی سختی تھی۔

کمرے میں داخل ہوتے وہ سختی جیسے غائب ہو گئی تھی۔سارا کمرہ پھولوں سے سجا ہوا تھا۔یہ سب اس نے ہی کروایا تھا۔سرخ عروسی لباس میں وہ سجی سنوری بستر پر بیٹھی تھی۔اسے اندر داخل ہوتے دیکھ وہ اضطراب کی

حالت میں اپنے کام دار جوڑے کو سنبھالتی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔عمر پلکیں جھپکانا بھول گیا تھا۔اس کے
بے تحاشہ
حسن کے آگے وہ جیسے سب بھول گیا تھا۔

"عمر یہ سب کیوں...؟"اس سے پہلے کہ وہ اپنی سریلی آواز میں کچھ کہتی،اس تک پہنچتے عمر نے اسے بازو سے
پکڑ
کر اپنی جانب کھینچا تھا۔

"نین...!"اس کے خوبصورت سراپے کو دیکھتے وہ مدہوش ہوا تھا۔

"کتنی حسین لگ رہی ہو نا تم...؟اتنی خوبصورت تو تم شادی کی پہلی رات بھی نہیں لگی۔"عمر نے اس کے
ناک میں پہنی نتھ کو چھوتے کہا تھا۔

"میری طبیعت بہت خراب ہے عمر،بہت زیادہ...میں سونا چاہتی ہوں۔"وہ یوں اس طرح تیار نہیں ہونا
چاہتی تھی مگر اس گھر کے ملازم صرف اس سفاک شخص کی
سنتے تھے۔اس کے حکم کے آگے نین کی تمام مزاحمتوں کی کوئی وقعت نہیں تھی۔

"کیا ہوا ہے میری نین کو...؟"اسے خود سے مزید قریب کرتے عمر نے اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لیا تھا۔

"میرے سر میں درد ہے اور شاید بخار بھی...!"وہ اس سے دور ہوئی تھی،عمر نے بھی اسے خود سے دور
جانے دیا تھا۔

"ڈاکٹر کے پاس چلیں؟؟"عمر نے اسے شانوں سے تھامتے کہا تھا۔

"میں بس سونا چاہتی ہوں۔"وہ ایک بار پھر اس سے دور ہوئی تھی۔

"میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ تم گہری نیند سو جاؤ۔"عمر نے اس کے کان کے پاس سرد سرگوشی کی تھی۔

"ویسے آج ناراض نہیں ہوئی تم مجھ سے...؟"

"ناراض... کس بات پر...؟"

"میں کل رات گھر نہیں آیا اور ہم نے تمہاری سالگرہ بھی نہیں منائی۔"

"اس میں ناراض ہونے والی کون سی بات ہے۔ یقیناً تم مصروف ہو گے۔" نین نے بات ہوا میں اڑائی تھی۔

"میں چینج کر کے آتی ہوں۔" اس شخص کی قربت میں اس کا دم گھٹ رہا تھا۔ جو انکشاف اس پر ہو چکا تھا، اس کے بعد عمر کا لمس اسے جلتے کوئلے جتنی تکلیف دے رہا تھا۔

"ابھی نہیں...!" اسے کلائی سے تھامے عمر نے اسے روکا تھا۔

"میں نے کہا نا کہ میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ میں سونا چاہتی ہوں۔" نین نے اس کا ہاتھ فوراً ہی جھٹک دیا تھا۔ اسے اب بس کسی بھی طرح اس ظالم اور سفاک شخص کے چنگل سے نکلنا تھا۔

"میں نے کب انکار کیا۔ میں تو بس یہ کہہ رہا ہوں کہ مجھے تھوڑی دیر کے لیے تمہیں آنکھوں میں بسانے دو۔ کچھ اس طرح سے کہ میں تمہیں کبھی بھول نا سکوں۔" اس نے بے بسی سے گہری سانس خارج کی تھی۔

"ویسے تم پوچھو گی نہیں کہ میں کل رات کہاں تھا؟ چلو چھوڑو میں خود ہی بتا دیتا ہوں۔ کل رات ہمارے گھر کوئی گھس آیا تھا۔" نین کے چہرے کا رنگ ایک لمحے میں فق پڑا تھا۔

"تم جانتی ہو نین! میں نے اس کے ساتھ کیا کیا...؟" عمر بغور اس کے چہرے کی اڑی ہوئی رنگت کو دیکھ رہا تھا۔

"میں نے اسے سزا دی، میں نے اسے زندگی دی۔ وہ زندہ ہے، مگر اس کی زندگی موت سے بھی بدتر ہے۔" نین کی آنکھوں سے گرم پانی ابلنا شروع ہوا تھا۔

"لیکن حیرت کی بات ہے، آخر وہ اندر آیا کیسے...؟" عمر نے ایک بار پھر اس کے کان کے پاس سرگوشی کی تھی۔ نین کی سانس وہی رک گئی تھی۔ اس نے سختی سے آنکھیں میچی تھیں، وہ اسے دھوکہ نہیں دے سکتی تھی۔ وہ حد سے زیادہ چالاک تھا۔

"ایک لڑکی نے کال کر کے اسے بلایا تھا۔ اس کی آواز ہو بہو تمہارے جیسی تھی۔" عمر نے سختی سے اس کی کلائی دبوچ کہا تھا۔ سارے گھر میں جگہ جگہ وائس ریکارڈرز لگے ہوئے تھے۔ نین اس بات سے انجان تھی۔ اور اس نے سب سے بڑی بے وقوفی لین لائن سے کال کر کے کی تھی۔

"کیوں نین...؟ کیوں...؟ کہاں کمی رہ گئی تھی مجھ سے؟ ایسا بھی کون سا ستم ڈھا دیا میں نے تم پر، جو تم مدد کے لیے ایک غیر کو بلا رہی ہو؟" اس کی آنکھوں میں لال خراشیں واضح تھیں۔

"چھوڑو مجھے...!" وہ تکلیف سے کراہ اٹھی تھی۔

"تمہیں تو نمبر زیاد نہیں رہتے پھر اس کا نمبر کیسے یاد رہ گیا؟" کلائی میں موجود چوڑیاں ٹوٹنے کی وجہ سے اس کے دونوں ہاتھوں سے خون رس رہا تھا، مگر عمر کو آج کسی چیز کی کوئی پرواہ نہیں تھی۔

"اپنے گھر سے کسی کو فون کر لیتی، معاف کر دیتا تمہیں... مگر ایک انجان شخص کو کیوں لے کر آئی تم ہمارے درمیان...؟"

"وہ بے قصور ہے، اسے چھوڑ دو۔" نین نے گویا ہار مانی تھی۔ اب جب سامنے آ ہی چکا تھا تو پھر مزید جھوٹ بولنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔

"میں نے اسے بلایا تھا۔ جو سزا دینی ہے مجھے دو، اسے چھوڑ دو۔" عمر نے ایک جھٹکے سے اسے بستر پر دھکہ دیا تھا۔

"تم میری محبت کے قابل ہی نہیں ہو نین...! تم آخر کیسے مجھے دھوکہ دے سکتی ہو؟ آخر کیسے کسی غیر کو مجھ پر ترجیح دے سکتی ہو؟ اور کیوں مدد کے لیے پکار رہی تھی اسے... بولو نین! کیوں جانا چاہتی ہو یہاں سے...؟" وہ غرایا تھا۔ غصے کی وجہ سے اس کی ماتھے کی نسیں پھول گئی تھیں۔

"کیونکہ دم گھٹتا ہے میرا یہاں پر، نہیں رہنا اب تمہارے ساتھ...!" وہ ایکدم غصے سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ عمر ششدر رہ گیا تھا۔

"میں دھوکہ باز نہیں ہوں، تم دھوکہ باز ہو۔ وہ تو صرف میرا دوست ہے جسے مدد کے لیے بلایا تھا میں نے... اور وہ بیچارا میرے لیے یہاں تک آ گیا۔ اسے چھوڑ دو، وہ بے قصور ہے۔" نین نے بے بسی سے التجا کی تھی۔

"کون سا دھوکہ دیا ہے میں نے تمہیں؟" اس کی باقی تمام باتوں کو نظرانداز کرتے عمر نے اپنے مطلب کی بات پوچھی تھی۔ جو شخص ایک بار اس کے شکنجے میں پھنس گیا، وہ اسے کیسے چھوڑ سکتا تھا؟

"شہادت دو...!" نین کے لب آہستگی سے ہلے تھے۔

"کیا...؟" عمر نہیں سمجھ سکا تھا۔

"شہادت دو کہ تم مسلمان ہو۔" نین کی اس بات پر عمر کے پیر منجمند ہو گئے تھے۔

"بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔" وہ معاملے کی سنگینی کو اچھی طرح سمجھ چکا تھا۔

"اب کوئی بات نہیں ہو گی۔ اب تم صرف شہادت دو گے۔ عمر شہادت دو..." وہ اپنی پوری قوت سے چلائی تھی۔ اس کا پورا وجود ہانپ رہا تھا۔

"یہ کس قسم کا بچکانہ سوال ہے؟ تم سے کس نے یہ سب کہا ہے؟"

"یہ سب اہم نہیں ہے، تم بس شہادت دو۔" سب کچھ اپنے کانوں سے سننے کے باوجود بھی اس نے ایک آس سے کہا تھا۔

"نین میں...!"

"عمر شہادت دو۔" وہ اپنی پوری قوت سے چلائی تھی۔

"کہو۔۔۔

اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ"

"کہو..." میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالی کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔"

"عمر گواہی دو۔" مسلسل چیخنے چلانے کی وجہ سے اس کا سارا وجود ہانپ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے تر تھیں، اور لب کپکپا رہے تھے۔

"نہیں دوں گا میں گواہی...!" وہ نجانے کتنی دیر سے صبر کا دامن تھامے کھڑا تھا۔ اب اس کا صبر جواب دے گیا تھا۔

"نین! ہم بیٹھ کر بات کر لیتے ہیں۔" عمر نے گہری سانس خارج کرتے خود کو ریلیکس کیا تھا۔

"تم گواہی نہیں دو گے؟؟" اس نے سرخی مائل آنکھیوں سے عمر کی طرف دیکھا تھا۔

"میں خدا کو مانتا ہوں۔" دنیا کو اپنی ٹھوکر پر رکھنے والا مرد آج اپنے عشق کے آگے خود کو بے حد بے بس محسوس کر رہا تھا۔

"اور حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو...؟"

"نین میں مسلمان ہوں اور تم پلیز بھول جاؤ سب کچھ... جو تم نے کیا میں بھی بھول جاتا ہوں۔ اتنی حسین رات ہے، ہم کیوں اسے برباد کر رہے ہیں؟" اس نے ابھی ایک قدم ہی آگے بڑھایا تھا کہ نین نے اسے ہاتھ کے اشارے سے وہی رکنے کا کہا تھا۔

"اگر مسلمان ہو تو گواہی دے کر بات ختم کرو۔" وہ اپنی بات پر مصر تھی۔

"میں نے تمہارے لیے اپنا سب کچھ چھوڑ دیا عمر! اپنا گھر، گھر والے، سب کچھ... واپسی کے سارے در خود پر بند کر دیے۔ اپنوں کو تکلیف دی، یہاں تک کہ وہاں کوئی اب میرا نام
بھی نہیں سننا چاہتا۔ عمر پلیز گواہی دے دو۔ میری ساری زندگی کا انحصار تمہاری ایک گواہی پر ہے۔" وہ ہچکیوں سمیت روتی ہوئی بستر پر بیٹھی تھی۔

"نین میری جان! میری بات سنو۔" عمر اس کے قریب گئے زمین پر گھٹنوں کے بل بیٹھا تھا۔

"آخر تم گواہی کیوں نہیں دیتے؟" وہ چیختے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"نہیں دوں گا میں گواہی، نہیں دوں گا۔ نہیں ہوں میں مسلمان..." کھڑے ہوتے ساتھ ہی وہ بھی چیخا تھا۔ نین کے قدم لڑکھڑائے تھے۔ اسے اپنے جسم سے جان نکلتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔

"تم مجھ سے محبت کرتی ہو اور میں تم سے...! مذہب ہمارے درمیان کہاں سے آگیا؟" عمر نے اسے چھونے کی کوشش کی تھی۔ وہ نفی میں سر ہلاتی پیچھے ہٹی تھی۔

وہ یہ سب پہلے ہی اپنے کانوں سے سن چکی تھی مگر اسے اس بات پر یقین نہیں تھا۔ لیکن اب اس کی یہ خوش فہمی بھی دور ہو چکی تھی۔

"اتنا بڑا دھوکہ... کیوں...؟ کیوں عمر...؟" اس کے گلے سے پھنسی پھنسی سی آواز نکلی تھی۔

"میں نے تمہیں دھوکہ نہیں دیا نین! سچ تو یہ ہے کہ مذہب کو لے کر ہمارے درمیان کبھی کوئی بات ہی نہیں ہوئی۔ تم نے مجھ سے کبھی اس حوالے سے کچھ پوچھا ہی نہیں...!" نین نے بے یقینی سے اس سفاک شخص کی طرف

دیکھا تھا۔ کتنی آسانی سے وہ خود کو ہر چیز سے بری الزمہ کر چکا تھا۔

"کیوں...؟ کیوں کھیلا تم نے میری زندگی کے ساتھ...؟ کیوں میرے احساسات اور جذبات کا مذاق اڑایا...؟ آخر کیوں چھوا تم نے مجھے...؟ جب تم مسلمان نہیں تھے تو کیوں آئے میرے قریب...؟" وہ ایکدم ہی بپھری ہوئی شیرنی کی طرح اس پر جھپٹی تھی۔ اب وہ اس کا گریبان پکڑے اس سے سوال کر رہی تھی۔

"Shut up...Just shut up...!"

شدید طیش کی حالت میں عمر نے اسے بستر پر دھکہ دیا تھا۔ وہ دنیا کو اپنی ٹھوکر پر رکھنے والا مرد کیسے کسی عورت کا اپنا گریبان پکڑنا برداشت کر سکتا تھا؟ چاہے وہ عورت اس کی نین ہی کیوں نا ہو۔

"کیا مسلمان، مسلمان ہی رٹ لگائی ہوئی ہے تم نے... تمہارے خیال سے تم مسلمان ہو؟" عمر نے حقارت سے اس کی جانب دیکھے کہا تھا۔

"جس قسم کی ڈریسنگ تم کرتی ہو۔ کیا مسلمان ایسی ڈریسنگ کرتے ہیں؟" وہ استہزایہ ہنسا تھا۔

"میں نے تو تمہیں کبھی کوئی نماز پڑھتے نہیں دیکھا۔ میں نے تمہیں کبھی قرآن پڑھتے نہیں دیکھا۔ بڑے عجیب ہوتے ہو تم مسلمان... صرف چند ہی چیزوں میں تم لوگوں کو اسلام یاد آتا ہے۔ اگر مسلمان ایسے ہوتے ہیں نا، تو مجھے فخر ہے کہ میں یسوع مسیح کا پیروکار ہوں۔" وہ نہایت سرد اور سفاک انداز میں اسے آئینہ دکھا رہا تھا۔ نین کی آنکھوں سے جیسے تمام دھند اب چھٹنے لگی تھی۔

"میں نے کیا ہے پیدائش سے مکاشفہ تک کا سفر... کیا تم نے کیا ہے الحمد سے والناس تک کا سفر...؟" عمر نے ایک تیکھی مسکراہٹ اس کی جانب اچھالی تھی۔

وہ ایک لمحے کے لیے سن ہو گئی تھی۔

"نہیں کیا نا...؟" نین کی خاموشی سے وہ محظوظ ہوا تھا۔

"پھر تم کیسے کہہ سکتی ہو کہ تم مسلمان ہو؟" نین نے سختی سے آنکھیں میچی تھیں۔

"جاؤ پہلے جا کر اپنا سفر مکمل کرو پھر بات کرنا مجھ سے...!" اس کی دھاڑ پر وہ بری طرح سہم گئی تھی۔

وہ کچھ دیر اپنی کنپٹی سہلاتے اپنے غصے کی شدت کو کم کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"نین میری جان...!" تھوڑی دیر بعد خود کو ریلیکس کرتے وہ اس کے پاس بستر پر آ بیٹھا تھا۔ وہ بت بنے نظریں جھکائے مسلسل اشق بہا رہی تھی۔

"اتنا تو میں جانتا ہوں کہ اہل کتاب سے نکاح کیا جا سکتا ہے۔ تم نے کچھ غلط نہیں کیا۔ ہم نے کچھ غلط نہیں کیا۔ ہم نے اسلامی طریقے سے نکاح کیا ہے۔" عمر نے آہستگی سے اس کا ہاتھ تھامتے کہا تھا۔ نین کا ہاتھ جلتے انگارے کی طرح گرم تھا، ایسے جیسے اس کا سارا وجود جھلس گیا ہو۔

"نین...!" عمر نے اس کے قریب ہوتے اس کے دائیں گال پر ہاتھ رکھا تھا۔ وہ کرنٹ کھا کر پیچھے ہٹی تھی۔

"تم دہشت گردی میں ملوث ہو؟" اس کے لب آہستگی سے ہلے تھے۔ عمر کی آنکھوں میں بے یقینی ابھری تھی۔ وہ کیا کیا جان چکی تھی۔

"تم نے... تم نے مجھ سے وہ سارے اکاؤنٹس ہیک کروائے اور وہ سارے پروجیکٹس جو میں نے تمہارے کہنے پر کیے، تم نے اس سب کو اس ملک کے خلاف استعمال کیا؟" اس نے روندھی سی آواز میں پوچھا تھا۔

"نین تم...!"

"میں نے تمہارے کہنے پر نجانے کیا کچھ نہیں کیا اور تم نے مجھے اور اس ملک کو دھوکہ دیا۔" وہ ہچکیوں سمیت رو دی تھی۔

"تم نے جو بھی کیا، اپنی مرضی سے کیا۔" کیا کچھ نہیں ٹوٹا تھا نین کے اندر... عمر نے انکار نہیں کیا تھا۔ کوئی جھوٹی تسلی، کوئی صفائی، کچھ بھی نہیں...

"میں نے وہ سب اس ملک کے لیے کیا تھا۔" وہ چیختی ہوئی بستر سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"میں نے وہ سب ائی۔ ایس۔ آئی کے لیے کیا تھا۔ مجھے لگا تھا کہ تم ایک ائی۔ ایس۔ ائی ایجینٹ ہو۔ مجھے لگا تھا کہ تم...!"

"رک کیوں گئی؟ جملہ مکمل کرو۔ تمہیں کیا لگا تھا؟" عمر بھی اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"بولو نین... ! کیا لگا تھا تمہیں... ؟" عمر نے اسے شانوں سے تھامتے جھنجھوڑا تھا۔

"مجھے تم سے نفرت محسوس ہو رہی ہے۔ مجھے تمہارا لمس تکلیف دے رہا ہے۔" وہ آزادی حاصل کرنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔

"تم صرف میری ہو نین! خبردار جو دوبارہ کبھی مجھ سے نفرت کا اظہار کیا تو... !" عمر نے اسے بالوں سے دبوچے خود سے مزید قریب کیا تھا۔

"چھوڑو مجھے... !" وہ درد سے کراہ اٹھی تھی۔

"مجھے تم سے محبت نہیں ہے، مجھے نہیں ہے۔ میں تمہارے ساتھ صرف اس لیے تھی کیونکہ مجھے لگا تھا کہ تم... !" وہ کہتے کہتے ایک بار پھر رکی تھی۔

"کہ میں کیا... ہاں! تمہیں کیا لگا تھا نین؟" اس کا منہ دبوچے عمر نے نہایت سفاکی سے پوچھا تھا۔

"مجھے لگا تھا کہ تم... تم شاہ... شاہین ہو۔" نین نے ابھی جملہ ادا ہی کیا تھا کہ عمر نے غصے سے آگ بگولہ ہوتے اسے ایک بار پھر بستر پر دھکہ دیا تھا۔

"شاہین... شاہین... شاہین! عذاب بنادی ہے اس شخص نے میری زندگی۔ آخر یہ کیوں ہر جگہ آجاتا ہے؟ آخر یہ کیوں ہمیشہ میری خوشیاں برباد کردیتا ہے؟" عمر نے پاس پڑی میز پر پڑے سامان کو نیچے گرایا تھا۔

"تمہیں پتا ہے نین!" وہ ایک بار پھر اس کے قریب گھٹنوں کے بل بیٹھا تھا، وہ ڈری سہمی اس شخص کی جنونیت دیکھ رہی تھی۔

"ابھی کچھ دنوں پہلے میں نے ایک سکول میں بم پلانٹ کروایا تھا۔" نین کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں۔

"مگر اس شاہین نے میرے سارے کھیل کو برباد کردیا۔ سوچو نین! کتنا مزا آتا نا، اگ وہ بم بلاسٹ ہوجاتا تو...!" اس کا ہاتھ تھامتے وہ دیوانوں کی طرح اسے اپنی کارستانی بتا رہا تھا۔

"ہر طرف چیخ وپکار، خون، چھوٹے چھوٹے بچوں کی لاشیں...!" وہ ہنسا تھا اور پھر ہنستا ہی چلا گیا۔

"یہ سب مجھے بہت سکون دیتا ہے، بہت زیادہ... اب جب تم سب جان ہی چکی ہو تو میں تم سے کچھ نہیں چھپاؤں گا۔ آخر کار ہمیں تاعمر ساتھ رہنا ہے۔"

"میں تمہارے ساتھ ایک لمحہ بھی نہیں رہوں گی۔" نین نے اس کا گریبان پکڑا تھا۔

"تمہیں لگتا ہے کہ تم بچ جاؤ گے؟ شاہین تمہیں نہیں چھوڑے گا۔" عمر کی آنکھیں ایک بار پھر آگ برسانے لگی تھیں۔

"اس کا نام مت لو۔" وہ اس کے ضبط کو آزما رہی تھی۔

"کیوں...؟ ڈرتے ہو اس سے...؟" نین نے ایک تیکھی مسکراہٹ اس کی جانب اچھالی تھی۔

"بلیک مونسٹر کسی سے نہیں ڈرتا۔" سرخی مائل آنکھوں سے وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"میں تمہیں برباد کر دوں گی۔ میں ساری دنیا کے سامنے تمہیں ایکسپوز کروں گی۔" اپنا لہنگا سنبھالتی وہ اس کے قریب گئی تھی۔

عمر نے سرتاپیر اس کے حسین سراپے کو دیکھا تھا۔ اگلے ہی لمحے اس کے لبوں کو دلفریب مسکراہٹ نے چھوا تھا۔

"کیسے کرو گی تم یہ...؟"

"تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میں کیا ہوں۔ تم مجھے ہزار دروازوں میں بھی قید کر کے رکھو گے نا! میں تب بھی تمہیں برباد کر سکتی ہوں۔ میرے پاس طاقت ہے اور تم جانتے ہو کہ میری طاقت کیا ہے۔" وہ استہزائیہ ہنسی تھی۔

"ہمم! تم ٹھیک کہہ رہی ہو، بالکل ٹھیک...!" عمر نے اپنی پیشانی چھوتے کہا تھا۔

"لیکن اس کا بھی ایک حل ہے میرے پاس...!" عمر نے نین کو سائیڈ سمائل پاس کی تھی۔

"تم مجھے برباد کر سکتی ہو لیکن...!" اس نے سانس لینے کا وقفہ لیا تھا۔

"اگر تم زندہ ہی نا رہو تو...!" نین نے بے یقینی سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

"تم بے حد حسین ہو نین! اتنی حسین کہ میں ایک، دو سال مزید تمہارے ساتھ گزار سکتا تھا مگر اب...!" عمر نے گہری سانس خارج کیے اپنے کوٹ کی جیب سے گن نکالی تھی۔ نین کا سانس وہی رک گیا تھا۔

"ایک ہفتے سے زیادہ برداشت نہیں کرتا میں کسی بھی لڑکی کو، تم خوش قسمت ہو نین! جو تمہیں اتنے مہینوں تک میرا ساتھ اور میری قربت نصیب ہوئی۔" نین کا دماغ
بالکل ماؤف ہو چکا تھا۔

کتنی آسانی سے وہ شخص اس کی ذات کے پرخچے اڑا گیا تھا۔ایک لمحے میں وہ اسے بے مول کر گیا تھا۔

"تم مجھے نہیں مار سکتے۔" اسے یقین تھا، اعتماد تھا، وہ اسے نہیں مار سکتا تھا۔

"تمہاری غلط فہمی ہے۔" عمر نے گن لوڈ کیے اس کے دل کے مقام کا نشانہ باندھا تھا۔ نین نے بے یقینی سے نفی میں سر ہلایا تھا۔

"چلو شاباش! کلمہ پڑھ لو۔" وہ ہچکیوں سمیت رو دی تھی۔

"تم مجھ سے محبت کرتے ہو۔" یہ آخری کوشش تھی، آخری امید...

"بے انتہا... مگر کیا کروں نین! تم میرے لیے اب صرف ایک خطرہ ہو۔" اس کا انداز ایسا تھا جیسے وہ بے حد مجبور ہو۔

"چلو اب وقت ضائع مت کرو جلدی سے کلمہ پڑھ لو۔ اتنا برا نہیں ہوں میں، کہ تمہیں کلمہ بھی نہ پڑھنے دوں۔"

"تم... مجھے... مجھے نہیں مار سکتے۔" وہ ہچکیوں کے درمیان بامشکل بول سکی تھی۔ یہ مان تھا، اس شخص پر، اس پاک رشتے پر...

"میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے نین! جلدی سے شہادت دو۔" عمر نے اجلت بھرے انداز میں ہاتھ میں پہنی ریسٹ واچ کی طرف دیکھا تھا۔

"نین جلدی... کلمہ پڑھو...!" اب کی بار عمر کا لہجہ تھوڑا سخت تھا۔

"تمہیں سمجھ نہیں آ رہی کہ میں کیا کہہ رہا ہوں؟ شہادت دو...!" اس دھاڑ پر وہ سہم گئی تھی۔

"یہ کہانی یہاں ختم نہیں ہو گی عمر! تمہیں ہر چیز کا حساب دینا ہو گا۔" نین نے بے دردی سے اپنے آنسو پونچھے تھے۔

"نین شہادت دو...!" تھوڑی دیر پہلے جو الفاظ وہ دہرا رہی تھی، اب ٹھیک وہی الفاظ عمر دہرا رہا تھا۔

"اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ" نین نے آنکھیں بند کیے کپکپاتے لبوں سے کلمہ پڑھا تھا۔

عمر نے ٹریگر پر ہاتھ رکھا تھا۔ ایک لمحے کے لیے اس کا ہاتھ کانپا تھا۔ اس سفاک شخص کا... جو بغیر دیکھے بھی اچھی طرح جانتا تھا کہ اسے کہاں اور کیسے مارنا ہے۔

اس کے ذہن میں وہ تمام لمحات گھومنے لگے تھے، جو اس نے اور نین نے ساتھ گزارے تھے۔ وہ کچھ دیر آنکھیں میچے کھڑی رہی تھی، پھر اس نے آہستگی سے اپنی آنکھیں کھولی تھیں۔ وہ نظریں جھکائے کھڑا تھا۔ گن اس کے ہاتھ میں تھی مگر اب اس کا رخ نین کی جانب نہیں تھا۔ وہ مسلسل گہری گہری سانسیں لے رہا تھا۔

"مجھے پتا تھا تم یہ نہیں کر سکتے۔" وہ مدھم سا مسکرائی تھی۔ عمر نے سرخی مائل آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

"تم بہت حسین لگ رہی ہو نین! اس قدر حسن پر منہ دکھائی تو بنتی ہے نا...!" عمر کی آنکھ سے ایک آنسو گرا تھا۔

"میں تمہیں منہ دکھائی میں موت دوں گا۔" اسے بغیر کچھ سوچنے سمجھنے کا موقع دیے عمر نے ایک بار پھر اس پر گن تانی تھی۔

"الوداع نین...!" اس نے ٹریگر پر ہاتھ رکھے گولی چلادی تھی۔

"ٹھاہ...!" وہ آنکھوں میں بے یقینی کا تاثر لیے بے جان ہوتے وجود کے ساتھ زمین بوس ہوئی تھی۔

اس سرد اور وحشت زدہ رات نے سب کچھ برباد کر دیا تھا۔آج ایک عاشق کے ہاتھوں ایک محبوب فنا ہوا تھا۔سیاہ رات کی چاندنی اس دردناک انجام کی گواہ تھی۔

کمرے میں بچھی ہوئی سفید رنگ کی قالین سرخ ہو چکی تھی۔وہ تڑپتے، سسکتے آنکھیں موند گئی تھی۔ہر طرف خون ہی خون تھا۔وہ قدم قدم چلتا نین کے قریب آیا تھا۔اس کے

بے سود وجود کے قریب وہ ایک گھٹنا زمین پر ٹکائے بیٹھا تھا۔اس نے اسے چھونے کے لیے ہاتھ آگے بڑھایا تھا مگر اسے چھونے کی سکت اب اس میں نہیں تھی۔

عمر نے سختی سے آنکھیں میچی تھیں۔اس کی آنکھ سے ایک آنسو گر کر نین کے خون میں جذب ہوا تھا۔اس کی آنکھ کا پانی نین کے وجود سے بہتے خون کے آگے بے مول

ہو چکا تھا۔

"نین...!"وہ پوری قوت سے چلایا تھا۔آج سوگ کی رات تھی، عشق کے فنا ہونے کے سوگ کی...

---

"تم اس کمرے کی روز کیوں صفائی کرتی ہو؟"آج آسمان آبر آلود تھا اور موسم کی بڑھتی خنکی کی وجہ سے سنیہا نے شال اوڑھی ہوئی تھی۔

"صاحب جی کا حکم ہے یہ...."اس کی بات کے جواب میں ملازمہ نے مسکرا کر جواب دیا تھا۔

"تمہارے صاحب جی کیا بہت پیار کرتے ہیں اپنی بہن سے؟"وہ نجانے کتنی بار تمام ملازموں سے عینین کے متعلق سن چکی تھی۔اب اسے اس سے ملنے کا بے حد اشتیاق تھا۔

"وہ جان چھڑکتے ہیں وانیہ میڈم پر،ان کو ایک کھروچ بھی آئے ناتو صاحب جی ایسے تڑپتے ہیں جیسے درد انہیں ہورہا ہو۔"سنیہا ہمیشہ ہی ایسے جملے سن کر حیرت زدہ ہو جاتی تھی۔اس کے بھائیوں نے کبھی اسے اس قسم کی محبت نہیں دی تھی۔

"ویسے وہ یہاں کیوں نہیں رہتی؟"

"مجھے نہیں پتا، لیکن آپ شکر کریں کہ یہاں نہیں رہتی۔"

"کیا مطلب؟؟"سنیہا کے ماتھے پر بل پڑے تھے۔

"مطلب یہ کہ اگر وہ یہاں ہوتیں تو پھر آپ یہاں نا ہوتیں۔"بستر کی چادر بدلتے ملازمہ نے عجیب انداز میں کہا تھا۔

"میں سمجھی نہیں؟"

"مطلب یہ میڈم جی،وہ کچھ عجیب ہیں، بہت پر اسرار...ان کا دل صاف نہیں ہے۔مجھے یہاں کام کرتے پانچ سال ہو گئے ہیں میں انہیں اچھے سے جانتی ہوں۔صاحب جی غصے کے تیز ضرور ہیں مگر دل کے صاف ہیں مگر وانیہ میڈم تو سمجھ سے ہی باہر ہیں۔کبھی اتنی اچھی ہو جاتی ہیں کہ پوچھو ہی مت اور کبھی اتنی بے رحم کہ یقین ہی نا آئے۔بس اللہ ہی انہیں ہدایت دے۔"ملازمہ نے بے بسی سے گہری سانس خارج کی تھی۔

"تمہیں یہاں کام کرتے پانچ سال ہو گئے ہیں پھر بھی تم ان ہی کی برائی کر رہی ہو جن کا کھاتی ہو؟"سنیہا کو یہ بات ناگوار گزری تھی۔بے شک وہ براہ راست عینین سے نہیں ملی تھی مگر تھی تو وہ نائل کی بہن نا...وہ نائل کی بہن کے خلاف کچھ نہیں سننا چاہتی تھی۔

"معاف کیجیے گا میڈم مگر آپ بہت بھولی ہیں۔آپ کو اندازہ نہیں ہے کہ آپ کی اکلوتی نند آپ کے سارے سسرالی رشتوں کی کمی پوری کر سکتی ہے۔"

''ہو گئی ناصفائی، اب جاؤ یہاں سے.... ''سنیہا کو اس ملازمہ پر شدید غصہ آیا تھا۔ اگر نائل اس قسم کی گفتگو سن لیتا تو ملازمہ کے ساتھ اس کی بھی کلاس لگنی تھی۔

گہری سانس خارج کرتے سنیہا نے سارے کمرے کا تفصیلی جائزہ لیا تھا۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ وہاں وانیہ کی کوئی تصویر نہیں تھی۔

اب اس نے آگے بڑھ کر الماری کھولی تھی۔ کچھ چیزیں الٹ پلٹ کر دیکھنے کے بعد اسے ایک تصویر ملی تھی۔ نائل کسی لڑکی کے ساتھ کھڑا تھا۔ وہ یقیناً وانیہ ہی تھی۔

سنیہا مبہوط انداز میں اس تصویر کو دیکھ رہی تھی۔ اسے وانیہ بے حد حسین لگی تھی۔ نائل اور اس کی آنکھیں ایک جیسی تھیں، دلکش سنہری آنکھیں....

اس کے دل سے وانیہ کے لیے ہمیشہ کی طرح دعا ہی نکلی تھی۔ وہ نائل کے لیے خاص تھی تو پھر اس کے لیے بھی تھی۔ وہ اچھی طرح نائل کی اپنی بہن کے لیے محبت کی شدت کو جانتی تھی۔ وانیہ کی تکلیف وہ برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ مختصر یہ کہ وہ اس کے لیے دنیا تک تباہ کر سکتا تھا۔

---

رات بہت تاریک اور ڈراؤنی تھی۔ ہر ایک سیکنڈ ایک گھنٹہ، اور ہر گھنٹہ ایک دن کے برابر معلوم ہوتا تھا مگر وقت پھر بھی گزر گیا تھا۔ تارے دن میں روشنی میں کہیں دور جا سوئے تھے۔ ابھرتے سورج نے تاریکی کو اجالے میں بدل دیا تھا مگر دن کا یہ اجالا کسی کی تاریک زندگی کو نہیں بدل سکا تھا۔ پردوں کے پٹ گرائے کوئی اندھیر کمرے میں بستر سے ٹیک لگائے شکست خور حالت میں فرش پر بیٹھا تھا۔ چہرے پر صدیوں کی تھکان تھی۔ انکھیں سرخ مگر ساکت تھیں۔ گزری ایک رات نے اسے لاغر اور بے بس کر دیا تھا۔

وہ ٹھیک اسی جگہ بیٹھا تھا جہاں نین گری تھی، جہاں اس کا قیمتی خون گرا تھا۔ حاتم نے کپکپاتے ہاتھوں سے اس جگہ کو چھوا تھا، وہاں اب خون نہیں تھا مگر اسے محسوس ہو رہا تھا۔

"نین....!" اس کے لب پھڑ پھڑائے تھے پھر وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دیا تھا۔ ماضی کی یاد کسی جھروکے کی طرح اس کے ذہن سے ٹکرائی تھی۔

"عمر تم مجھے چھوڑ کر جا رہے ہو؟" آٹھ سالہ عینین نے ڈبڈبائی آواز سے پوچھا تھا۔

"ڈیڈ چاہتے ہیں میں ہائیر سٹڈیز کے لیے باہر جاؤں۔ لیکن تم فکر مت کرو، میں واپس آؤں گا۔" حاتم نے اسے یقین دلایا تھا۔

"کب....؟" آنسو چھلکنے کے لیے تیار تھے۔

"کچھ سالوں بعد، جب میں پڑھ لکھ کر ایک کامیاب شخص بن جاؤں گا۔" وہ خود بھی اپنوں سے دور جانے پر اداس تھا مگر اپنے باپ کے فیصلے کے آگے اس کی ایک نا چلتی تھی۔

"تب تک میں کیا کروں گی؟" نازک پلکوں کی باڑ توڑے آنسو گالوں پر لڑھکنا شروع ہو چکے تھے۔

"تب تک تم بھی پڑھ لکھ کر بڑی ہو جاؤں گی۔"

"مجھے نہیں پڑھنا..." اب وہ سسک سسک کر رو رہی تھی۔

"میں کہوں گا تب بھی نہیں...؟" حاتم کو اس کے لیے بہت برا لگ رہا تھا۔ اس عمر میں وہ عینین کے لیے محبت کے جذبات نا سہی مگر دوستی کے جذبات ضرور رکھتا تھا۔ وہ اس کے لیے خاص تھی۔

"تھوڑا سا پڑھ لوں گی۔" آنکھیں رگڑتے اس نے جس معصومیت سے کہا تھا، حاتم کے لیے قہقہ ضبط کرنا اتنا ہی مشکل ہو گیا تھا۔

"تھوڑا سا نہیں تمہیں زیادہ سا پڑھنا ہے۔"

"اوکے، پڑھ لوں گی۔" اس نے بہت برے دل سے حامی بھری تھی۔

"تم میری دوست ہو نین، اور میں تمہیں ہمیشہ یاد رکھوں گا۔ کیا تم بھی اپنے عمر کو یاد رکھو گی؟" حاتم نے ایک آس سے پوچھا تھا۔

"نین عمر کو کبھی نہیں بھول سکتی۔" اس کا لہجہ پر اعتماد تھا۔

"اچھا، اور نین کس کی ہے؟" عمر نے لب دبائے پوچھا تھا۔

"صرف عمر کی..." وہ کسی روبورٹ کی مانند بولی تھی۔

"اور عمر کس کا ہے؟" حاتم نے اگلا سوال پوچھا تھا۔

"صرف نین کا..." یہ چیز حاتم نے ہی اسے رٹوائی تھی۔ اس نے یہ سب مذاق مذاق میں کیا تھا مگر اندر ہی اندر وہ کہیں نا کہیں اس ڈیڑھ فٹ کی ٹڈی کو بہت اونچا مقام دے چکا تھا۔

ماضی کو یاد کرتے حاتم نے سرد آہ بھری تھی۔

"تم نائل کو کال کر لیتی، میں سمجھ جاتا مگر تم نے کیسے ایک غیر کو مدد کے لیے بلایا؟" حاتم نے اپنے دونوں ہاتھوں سے سر تھامتے کہا تھا۔

اب اس نے اپنے دونوں ہاتھوں کو سامنے لاتے الٹ پلٹ کر دیکھا تھا۔ سرخی مائل آنکھوں سے وہ اپنی جگہ سے اٹھا تھا۔

ایک ڈرار سے گن نکالے حاتم نے غصے سے اس میں گولیاں ڈالی تھیں۔ اب اس نے ایک ہاتھ میں گن پکڑے دوسرے ہاتھ کی ہتھیلی پر رکھی تھی۔ یہی وہ ہاتھ تھا جس سے اس نے عینین کو گولی ماری تھی۔ ٹریگر پر ہاتھ جمائے حاتم نے گولی چلائی تھی۔ ماریہ جو نیچے لاؤنج میں بیٹھی تھی، گولی کی آواز سنتے وہ بھاگ کر اوپر آئی تھی۔

"ڈیوڈ..." وہ چیختی ہوئی اس کی جانب بڑھی تھی مگر تب تک حاتم نے دوسری گولی چلا دی تھی۔اس کی آنکھیں بنجر تھیں۔ان میں درد کا کوئی تاثر نہیں تھا۔

"یہ تم کیا کر رہے ہو بلیک مونسٹر؟" ماریہ نے اس کے ہاتھ سے گن چھیننا چاہی تھی مگر حاتم تو جیسے ہوش ہی کھو بیٹھا تھا۔

"ایک ہفتے سے زیادہ برداشت نہیں کرتا میں کسی بھی لڑکی کو، تم خوش قسمت ہو نین! جو تمہیں اتنے مہینوں تک میرا ساتھ اور میری قربت نصیب ہوئی۔" حاتم نے تیسری گولی چلائی تھی۔ماریہ مسلسل چیخ چلا رہی تھی مگر حاتم رکا نہیں تھا۔

"میں تمہیں منہ دکھائی میں موت دوں گا۔"

"چلو شاباش! کلمہ پڑھ لو۔" چھ کی چھ گولیاں ہاتھ میں اتار کر اس نے گن فرش پر پھینکی تھی۔آنکھیں اب بھی بے تاثر تھیں۔

"یہ تم نے کیا کیا ڈیوڈ، اگر تکلیف ہی پہنچانی تھی تو مجھے پہنچا دیتے۔یوں خود کو کیوں....؟" اس کی تکلیف پر وہ تڑپ اٹھی تھی۔

"اسے کسی تیسرے کو درمیان میں نہیں لانا چاہیئے۔" وہ آہستگی سے گویا ہوا تھا۔اگر کوئی اور وقت ہوتا تو وہ ماریہ کو اپنے اتنے قریب تو دور کمرے میں بھی نا آنے دیتا۔

ماریہ کو یہاں بدر نے بھیجا تھا۔حاتم اس سے ناراض تھا مگر باقی سب اس سے کنٹیکٹ میں تھے۔وہ دور رہ کر بھی ہر چیز سے واقف تھا۔اب جب کہ حاتم بالکل ٹوٹ چکا تھا تو بدر کو ماریہ کا خیال آیا تھا۔اسنے ماریہ کو اسے اپنی طرف مائل کرنے کو کہا تھا اور وہ تو اس ہی تاک میں تھی۔

"بالکل اسے ایسا نہیں کرنا چاہیئے تھا۔" ماریہ نے اس کے ہاتھ سے گولیاں نکالتے کہا تھا۔ دو گولیاں اس کے ہاتھ میں پیوست ہوئی تھیں اور باقی چار چھو کر گزری تھیں۔

"میں نے اس سے عشق کیا تھا۔" وہ بوجھل قدموں سے بستر پر آکر بیٹھا تھا۔

"تم نے غلط کیا۔" اس کے ہاتھ پر پٹی باندھتے ماریہ نے احتیاط سے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھاما تھا۔

"تم ٹھیک کہتی ہو، میں نے واقعی میں غلط کیا۔ بھول گیا تھا کہ وہ آخر ہے تو نائل کی ہی بہن نا..." اچانک ہی اس کی آنکھوں میں لہو اترا تھا۔

"لیکن میری بیوی بھی تو تھی۔" وہ اس وقت بے بسی کی انتہا پر تھا۔

"بھول جاؤ اسے..." ماریہ نے آہستگی سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا۔

"میں ہوں نا..." وہ اس کے مزید قریب ہوئی تھی۔ اچانک ہی اس کا ہاتھ جھٹکتے وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"اس کمرے سے اسکی ساری چیزیں نکلوا دو۔ جب میں واپس آؤں تو مجھے کچھ بھی نہ دکھے۔" گاڑی کی چابی اٹھائے وہ باہر کی جانب بڑھا تھا۔

"آپ جا کہاں رہے ہیں؟" حاتم کے بڑھتے قدم رکے تھے، ساتھ ہی ساتھ ماریہ کے دل کی دھڑکنیں بھی... اسے پیچھے سے آواز دینے کا انجام وہ اچھے سے جانتی تھی۔

"قبرستان...." جواب دیے وہ تیزی سے باہر نکلا تھا۔

ماریہ کو حیرت کا شدید جھٹکا لگا تھا۔ برا منانے یا سزا دینے کے بجائے حاتم نے اسے جواب دیا تھا۔ اس کے لب مسکراہٹ میں ڈھلے تھے۔ وہ مدہوشی کے عالم میں بستر پر ڈھے گئی تھی۔ سرخ گلاب کی پتیاں اب بھی بستر پر بکھری ہوئی تھیں۔ ایک پتی کو ہاتھ میں اٹھاتے ماریہ نے اس کی خوشبو اپنے اندر اتاری تھی۔

"یہ سیج بہت جلد میری ہوگی۔" وہ مسحور کن انداز میں ہنسی تھی۔

وہ خالی نظروں سے بہت دیر قبر کو دیکھتا رہا تھا۔ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی اس نے قبر پر تازہ گلاب کے پھول چڑھائے تھے۔کافی دیر وہاں بیٹھنے کے بعد بغیر کسی تاثر کے وہ وہاں سے اٹھا تھا۔

گاڑی میں بیٹھتے سب سے پہلے اس نے بدر کو کال ملائی تھی۔

"مجھے آپ کی ضرورت ہے بابا۔میں بہت جلد آپ کو لینے آرہا ہوں۔"فون رکھنے کے بعد حاتم نے قہر برساتی نگاہوں سے گاڑی سٹارٹ کی تھی۔اب اسے احمر کو انجام تک پہنچانا تھا۔

"کون ہو تم؟"اس کے منہ پر پانی کا گلاس پھینکتے وہ سامنے کرسی پر براجمان ہوا تھا۔

"صرف ایک سٹوڈنٹ ہوں۔مجھے چھوڑ دو۔میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟"وہ نقاہت زدہ لہجے میں بامشکل بول پا رہا تھا۔

"یہ تم بھی جانتے ہو اور میں بھی کہ تم جھوٹ بول رہے ہو۔ایک عام سا سٹوڈنٹ اتنا ظلم برداشت نہیں کر سکتا۔"

"میں سچ بول رہا ہوں، میرا یقین کرو۔"اس کی آنکھیں سوجھی ہوئی تھیں اور ہونٹ پھٹے ہوئے تھے۔

"میرے گھر کیسے پہنچے؟"

"راس...راستہ بھٹک گیا تھا۔"حاتم کے لبوں پر طنزیہ مسکراہٹ ابھری تھی۔اپنی جگہ سے اٹھتے حاتم اس کے قریب گیا تھا۔

"یعنی تم اتنی آسانی سے نہیں مانو گے؟"حاتم نے اس کی ایک انگلی کے ناخن کو ہاتھ سے مسلا تھا۔وہ کراہ اٹھا تھا۔اس کی انگلی کے ناخن پہلے ہی تقریباً پگھل چکے تھے۔

"تمہاری وجہ سے میں نے اپنی بیوی کو مار دیا، اپنی نین کی جان لے لی میں نے..." احمر نے چونک کر اس کی جانب دیکھا تھا۔

"کیا ہوا، تمہاری ہوائیاں کیوں اڑ گئیں؟" اس کا زرد پڑتا چہرہ دیکھ حاتم محظوظ ہوا تھا۔

"تم اپنی بیوی کو مارو یا پھر کسی کو بھی، میرا کسی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ بس مجھے جانے دو۔" وہ غصہ ضبط کرتا گویا ہوا تھا۔

"تم تو ایک دم سے بہادر ہو گئے۔ کہاں گیا تمہاری آنکھوں کا وہ خوف؟" وہ دو وندیش تھا۔

"دیکھو مجھے چھوڑ دو۔" احمر نے فوراً نظریں چرائی تھیں۔

"کیا نام ہے تمہارا؟" حاتم نے محظوظ ہوتے پوچھا تھا۔

"احمر..." جواب ہمیشہ کی طرح وہی تھا۔

"تم مجھے پکے کھلاڑی لگتے ہو۔ تم جان بوجھ کر یہاں آئے ہو اور جان بوجھ کر پکڑے گئے ہو۔ مجھے پورا یقین ہے۔" حاتم واپس اپنی کرسی پر ٹانگ پر ٹانگ جمائے بیٹھا تھا۔

"تم اس تہ خانے تک آنا چاہتے تھے، ہیں نا؟" حاتم نے تیکھی مسکراہٹ کے ساتھ کہا تھا۔

"مجھ تک پہنچنا چاہتے تھے تم، بلیک مونسٹر کو دیکھنا چاہتے تھے لیکن ایک بات بھول گئے تم، ایک بار جو بلیک مونسٹر کو دیکھ لیتا ہے وہ پھر زندہ نہیں رہتا۔" حاتم نے ٹیبل پر زور سے ہاتھ مارا تھا۔

"نہایت بزدل ہو تم، مجھ تک پہنچنے کے لیے میری بیوی کا سہارا لیا۔"

"میں تمہاری بیوی کو نہیں جانتا۔"

"تمہارے ساتھ بات کرنے کا میرا کوئی موڈ نہیں ہے۔ میں تو تمہیں مارنے آیا تھا لیکن اب ارادہ بدل دیا۔ دیکھنا چاہتا ہوں کہ تم کیا کر سکتے ہو؟" حاتم نے سلگتی نگاہوں سے اس کی جانب دیکھا تھا۔ احمر بھی اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

ہسپتال کے بند کمرے میں وہ نجانے کتنی دیر بے سود پڑی رہی تھی۔ صبح کے تقریباً دس بجے اسے ہوش آیا تھا۔ پلکوں کا بوجھ جیسے بڑھ گیا تھا۔ اسے آنکھیں کھولنے میں دشواری محسوس ہو رہی تھی۔ آنکھیں کھولتے اس کی نظر چھت پر پڑی تھی۔ اسے ہر چیز تاریک نظر آ رہی تھی۔ آنکھوں کی بصارت ٹھیک ہونے میں کچھ وقت لگا تھا۔ کچھ غیر شناسا آوازیں سنتے اس نے حرکت کرنے کی کوشش کی تھی مگر اس کا جسم حرکت سے انکاری تھا۔ ایک ہاتھ میں ڈرپ تو دوسرے ہاتھ پر پلاسٹر چڑھا ہوا تھا۔ اس نے لاغر حالت میں واپس آنکھیں بند کر لی تھی مگر آوازیں اب بھی برابر سنائی دے رہی تھیں۔

"کمزور بہت ہے مگر ٹھیک ہو جائے گی۔ پریگنینسی کو ابھی زیادہ وقت نہیں ہوا، اسی وجہ سے کم نقصان ہوا ہے۔" ڈاکٹر اور نرس آپس میں بات کر رہے تھے۔ عینین کے ہاتھوں میں حرکت ہوئی تھی۔ اس نے بہت مشکل سے اپنا ہاتھ اٹھایا تھا۔ کپکپاتے ہاتھوں سے اس نے اپنا ہاتھ پیٹ پر رکھا تھا۔

"میں پریگینینٹ..." وہ بس اتنا ہی بول پائی تھی۔

باہر نائل اور محسن اضطراب کی حالت میں بیٹھے تھے۔ انہیں رات سے صبح ہو گئی تھی مگر عینین کو ہوش نہیں آیا تھا۔

"آپ کی بہن کو ہوش آ گیا ہے۔" نرس کے بتانے کی دیر تھی، وہ بھاگ کر اندر گیا تھا۔

"وانیہ میرا بچہ!" نائل تڑپ کر اس کی جانب بڑھا تھا۔

"میری جان زیادہ درد تو نہیں ہو رہا؟" نائل نے اس کے سر پر بوسہ دیتے فکر مندی سے پوچھا تھا۔

"بھائی!" اتنے عرصے بعد نائل کو سامنے دیکھ اسے شدت سے رونا آیا تھا۔

"نہیں میری جان، ایسے مت رو۔" نائل نے فوراً اس کے آنسو پونچھے تھے۔ وہ بستر پر چت لیٹی ہوئی تھی۔ کمزوری کے باعث وہ اٹھ نہیں پا رہی تھی۔

"میں نافرمان ہوں نا، جو لڑکیاں نافرمان ہوتی ہیں، ان کے ساتھ ایسا ہی ہوتا ہے۔" اس نے سسکتے ہوئے اپنا ہاتھ اٹھانے کی کوشش کی تھی۔

"نہیں میری گڑیا ایسا مت کہو۔" احتیاط سے اس کا ہاتھ تھامتے وہ لبوں سے لگا گیا تھا۔ اس کے ہاتھ میں اب بھی ڈرپ لگی ہوئی تھی۔

"اس نے میرے ساتھ ایسا کیوں کیا بھائی، وہ تو مجھے موت دینے والا تھا نا تو پھر زندگی کیوں دی؟" وہ سسکی تھی۔

"اس نے .... اس نے مجھ پر گولی چلائی بھائی۔ سینے پر نہیں کندھے پر..." وہ بلک بلک کر رو دی تھی۔

"وہ تو کہتا تھا کہ میری آنکھ میں ایک آنسو بھی نہیں دیکھ سکتا پھر اس نے کیسے مجھ پر گولی چلا دی؟"

"بس میرا بچہ، ایسے مت رو۔ میں اس سے ہر چیز کا حساب لوں گا۔ میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔" اس کے بال سہلاتے نائل نے اسے تسلی دینا چاہی تھی۔

"جھوٹا ہے وہ، فریبی... آپ کو پتا ہے بھائی، اس نے میرا استعمال کیا۔" رونے کی وجہ سے اس کی سانس اکھڑنے لگی تھی۔

"وانیہ..." نائل فوراً گھبرا گیا تھا۔

"مجھے یہ زندگی اور یہ بچہ نہیں.. نہیں چاہیئے بھائی!" اسے سانس لینے میں دشواری ہو رہی تھی۔

"ڈاکٹر، ڈاکٹر..." اسکی بگڑتی حالت کے پیش نظر نائل نے چلا کر ڈاکٹر کو آواز دی تھی۔

ڈاکٹر کے آنے کے بعد عینین کا معائنہ کیا گیا تھا۔اس کا بی پی شوٹ کر گیا تھا جس وجہ سے اس کی حالت خراب ہوئی تھی۔ڈاکٹر نے نائل کو فلحال اس سے کسی بھی قسم کی ایسی گفتگو سے پرہیز برتنے کا کہا تھا، جس سے اس کے دماغ پر زور پڑے۔

"چھوڑوں گا نہیں میں اسے..." وہ کوریڈور میں کب سے ادھر سے ادھر چکر لگا رہا تھا جبکہ دوسری طرف محسن کرسی پر بیٹھا اسے افسوس سے دیکھ رہا تھا۔

"نائل ریلیکس ہو جاؤ۔" محسن نے وہیں بیٹھے بیٹھے نہایت دھیمے لہجے میں کہا تھا۔نائل کے پاس جا کر اسے تسلی دینے کی غلطی اس نے ہرگز نہیں کی تھی۔

"وہ آخر سمجھتا کیا ہے خود کو؟اسی دن کے لیے منع کیا تھا میں نے، مگر وانیہ نے میری سنی ہی نہیں۔مجھے پتا تھا کہ وہ اسے توڑ دے گا۔" نائل کا غصہ سوا نیزے پر تھا۔

"وہ سب تو ٹھیک ہے مگر مجھے ایک بات سمجھ نہیں آئی کہ آخر حاتم نے وانیہ پر گولی کیوں چلائی؟" محسن کو یہ بات شروع سے ہی کھٹک رہی تھی۔وہ اور نائل رات کے وقت ساتھ ہی تھے جب ہسپتال سے نائل کو کال پر وانیہ کی خبر دی گئی تھی۔

"اس میں سمجھ نا آنے والی کون سی بات ہے۔وہ شخص ہے ہی گھٹیا۔اندھا کر دیا ہے اسے طاقت کے نشے نے..." تنفر سے سر جھٹکتے وہ محسن کے پاس آ بیٹھا تھا۔

ہسپتال میں مسلسل مریضوں کی آمد و رفت لگی ہوئی تھی مگر وہ حصہ پر سکون تھا۔نائل کو اپنی بہن کا سکون بے حد عزیز تھا۔

"ہم دونوں ہی حاتم کی وانیہ کے لیے دیوانگی کو اچھی طرح سے جانتے ہیں۔اگر اس نے اتنا بڑا قدم اٹھایا ہے تو یقیناً اس کے پیچھے بہت بڑی وجہ ہو گی۔"

"میری بہن ہسپتال کے بستر پر پڑی ہے اور تم اس بے شرم انسان کی سائیڈ لے رہے ہو؟" نائل نے خونخوار نگاہوں سے اسے گھورا تھا۔

"نہیں سائیڈ نہیں لے رہا میں تو بس یہ کہہ رہا ہوں کہ..." وہ اٹھ کر اس سے کوئی دس قدم دور کھڑا ہوا تھا مبادا کہیں سر ہی نا پھاڑ دے۔

"کہ...؟" نائل نے دانت کچلاتے پوچھا تھا۔

"کہ وہ تو ہے ہی گھٹیا ترین انسان بلکہ ڈیش ڈیش ڈیش ڈیش..." موقع پر بیان بدل کر محسن نے اپنے ہاتھ پیر بچا لیے تھے۔

"میں اسے چھوڑوں گا نہیں..."

"بلکل مت چھوڑنا..." اب وہ اچھے دوستوں کی طرح اس کی ہاں میں ہاں ملا رہا تھا۔

"میں اس کے سینے میں چھ کی چھ گولیاں اتاروں گا۔" وہ طیش کی حالت میں اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"تم پاگل ہو گئے ہو کیا؟" اسے آگے بڑھتے دیکھ محسن نے اسے روکا تھا۔

"میرے راستے میں مت آؤ محسن، اسے ہر چیز کا حساب دینا ہوگا۔"

"ابھی وانیہ کو تمہاری ضرورت ہے۔ تم کسی اور دن حساب لے لینا۔" محسن نے اسے ریلیکس کرنا چاہا تھا۔

"زندہ نہیں چھوڑوں گا میں اسے..." اس کے سر پر اس وقت خون سوار تھا۔

"بالکل بھی مت چھوڑنا..." اس کے رک جانے پر محسن نے شکر کا کلمہ پڑھا تھا۔

عینین کی کچھ حالت سنبھلنے پر وہ ساشا کو اس کے پاس چھوڑ کر گھر گیا تھا۔ سنیہا نے نجانے اسے کتنی کالز کی تھیں مگر نائل کو کسی چیز کا ہوش نہیں تھا۔ اپنی بہن کے آگے اسے کبھی کچھ نہیں دکھتا تھا۔

"کہاں تھے آپ نائل، میں کتنا فکر مند تھی، آپ کو اندازہ بھی ہے؟" اس کے کمرے میں آتے ہی وہ پھٹ پڑی تھی۔ سنیہا کی جان رات سے ہی سولی پر ٹنگی ہوئی تھی۔ نائل پہلے بھی کئی دفعہ گھر سے باہر رہتا تھا مگر وہ اسے ایک میسج ضرور کر دیتا تھا لیکن آج وہ عینین کی پریشانی میں سب بھول گیا تھا۔

"بیٹھو یہاں پر..." نائل نے اسے شانوں سے تھامے پر سکون کرنا چاہا تھا۔

"مجھے نہیں بیٹھنا، مجھے پہلے جواب دیں کہ آپ کہاں تھے؟" اس کے ہاتھ جھٹکتی وہ چلا اٹھی تھی۔

"اپنی بہن کے پاس تھا میں۔ وہ ہسپتال میں ہیں۔" سنیہا بالکل سن ہو گئی تھی۔

"ان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"

"آپ کی بہن تو لندن میں تھی نا؟"

"وہ واپس آگئی ہیں۔" گہری سانس خارج کرتے نائل بستر پر بیٹھا تھا۔

"آئی۔ایم سوری! وہ ٹھیک تو ہے نا؟" اس کے قریب بیٹھتے سنیہا نے نرمی سے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا تھا۔

"کتنی محبت کرتی ہو مجھ سے؟" اس کا ہاتھ اپنی گرفت میں لیتے نائل نے اس کی آنکھوں میں دیکھا تھا۔

"کیا مجھے اب بھی بتانے کی ضرورت ہے؟" وہ الٹا سوال کر رہی تھی۔ نائل کا اس موقع پر یہ سوال اسے تھوڑا عجیب لگا تھا۔

"مجھے تمہاری مدد چاہیئے۔" اس نے نظریں چراتے کہا تھا۔

"میں ہر طرح سے آپ کا ساتھ دوں گی۔ اگر آپ کی بہن کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے تو ہم ہسپتال چلتے ہیں نا۔ آپ بے فکر رہیں میں اس کا بہت خیال رکھوں گی۔" سنیہا نے اسے یقین دلاتے کہا تھا۔

"وانیہ اس وقت ذہنی انتشار کا شکار ہے۔ڈاکٹر نے کہا ہے کہ میں انہیں ہر ذہنی اذیت سے دور رکھوں۔سنیہا تمہیں جانا ہو گا۔"اس نے بالآخر کہہ ہی دیا تھا۔

وہ بالکل دنگ رہ گئی تھی۔

"تو کیا وہ اسے ذہنی اذیت کہہ رہا تھا؟؟"

"دیکھو سنیہا! صرف کچھ دنوں کے لیے تمہیں واپس فارم ہاؤس جانا ہو گا۔وانیہ تمہیں یہاں دیکھے گی تو مجھ سے سوال کرے گی اور میرے پاس کوئی جواب نہیں ہو گا۔میں نے اتنی مشکل سے ان کا بھروسہ واپس جیتا ہے، میں انہیں پھر سے کھونا نہیں چاہتا۔صرف چند دن، میں وعدہ کرتا ہوں جیسے حالات ٹھیک ہوں گے، میں تمہیں واپس لے آؤں گا۔میرا نہیں خیال کہ میرے نکاح والی بات ان کے ذہن میں ہے۔تم سمجھ رہی ہو نا؟؟"اس کی جانب مڑے نائل نے بہت مان سے کہا تھا۔

وہ کچھ دیر اسے دیکھتی رہی تھی پھر بغیر کچھ کہے وہ بستر سے اٹھی تھی۔

"سنیہا...؟"نائل بھی اسے پکارتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"پیکنگ کر رہی ہوں، چھوڑ آئیں گا۔"گلے کے اندر آنسو اتارتے وہ بامشکل بول پائی تھی۔

"Thank you

Thank you soo much."

نائل نے خوش ہوتے اس کے دونوں ہاتھ تھامے تھے۔

"مجھے پتا تھا کہ تم مجھے ضرور سمجھو گی۔"اس کی گال تھپتھاتے وہ چینج کرنے گیا تھا۔

---

"کاش کبھی آپ نے بھی مجھے سمجھنے کی کوشش کی ہوتی۔"آنکھوں میں آئی نمی کو اندر اتارتے وہ الماری کی جانب بڑھی تھی۔

شام کے وقت ماریہ نے حاتم سے قریبی پارک چلنے کا کہا تھا تا کہ وہ کچھ بہتر محسوس کر سکے۔ خلاف توقع حاتم نے انکار نہیں کیا تھا۔

اس نے بنجر آنکھیں سامنے درخت کی ٹہنیوں پر ٹکائی ہوئی تھیں۔ پارک کے ایک طرف کچھ بچے کھیل رہے تھے اور دوسری طرف کچھ لوگ واک کر رہے تھے۔

ماریہ ایک طرف کھڑی گہری نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اس نے زندگی میں پہلی بار اسے عام لوگوں کے حلیے میں دیکھا تھا۔ وہ اس رف سے حلیے میں بھی اسے بہت دلکش لگ رہا تھا۔

اپنے جوتوں سے کسی چیز کے ٹکرانے کے احساس سے حاتم کی سوچوں کا تسلسل ٹوٹا تھا۔

"انکل بال دینا۔" ایک چھوٹی سی بچی نے تھوڑے فاصلے پر کھڑے ہوتے کہا تھا۔ حاتم نے ناگواری سے رخ موڑ لیا تھا۔

"بال پاس کرونا..." کمر پر ہاتھ رکھے اس بچی نے ایک بار پھر کہا تھا۔

"خود لے لو۔" وہ سرد لہجے میں گویا ہوا تھا۔

وہ بچی کچھ دیر اسے گھورتی رہی تھی پھر چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتے وہ اس تک آئی تھی۔ فٹ بال بھاری ہونے کی وجہ سے اس سے اٹھائی نہیں جا رہی تھی۔

"انکل یہ اٹھا دونا..." اس نے آنکھیں ٹپٹپائے گویا منت کی تھی۔

"کیوں، تمہارے ہاتھ نہیں ہیں؟" وہ ازلی بے رخی سے بولا تھا۔

"تمیز سے بات کرو میری بہن سے، ورنہ جان سے مار دوں گا میں تمہیں..." ایک اور بچہ جو کہ اس بچی کا تقریباً ہم عمر ہی تھا، ایکدم سے اپنی بہن کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔

حاتم اس کی بات سن کر بالکل دنگ رہ گیا تھا۔

"چلو یہاں سے..." ایک ہاتھ سے بامشکل بال اٹھائے اس نے دوسرے ہاتھ سے اپنی بہن کا ہاتھ تھاما تھا۔

"کتنی دفعہ سمجھایا ہے، ادھر ادھر نا جایا کرو۔ ایک جگہ سکون سے نہیں بیٹھ سکتی تم..." قدم قدم اس کے ساتھ چلتے وہ مسلسل اسے جھڑک رہا تھا۔

حاتم کی نظروں نے بہت دور تک ان کی پیروی کی تھی پھر وہ سر جھٹک کر ہنس دیا تھا۔ ماریہ جو خاموشی سے کھڑی اسے دیکھ رہی تھی، اس کے گال میں موجود گڑھے کو ابھرتا دیکھ ایکدم ہی اس کا دل ڈوبا تھا۔ اس نے اپنی پوری زندگی میں اس سے حسین منظر نہیں دیکھا تھا۔

وہ دھڑکتے دل کے ساتھ بینچ کے دوسرے سرے پر آ بیٹھی تھی۔ حاتم نے پھر سے اپنی نگاہیں ہوا کے زور سے رقص کرتی ان ٹہنیوں پر جمائی تھیں مگر اس بار اس کا ذہن کہیں بہت پیچھے گیا تھا۔ ماضی کا ایک پنہ کھل کر اس کی آنکھوں کے سامنے آیا تھا۔

"چوبیس گھنٹے ان کتابوں میں سر دیے بیٹھی رہتی ہو۔ کبھی کچھ اور بھی کر لیا کرو۔" صوفی کو پڑھتے دیکھ وہ اکتا کر گویا ہوا تھا۔

"مجھے ڈاکٹر بننا ہے، اور ڈاکٹر بننے کے لیے پڑھنا پڑتا ہے۔ تمہاری طرح آوارہ نہیں پھرنا مجھے۔" تڑک کر جواب آیا تھا۔

"مجھے آوارہ کہا تم نے؟" وہ بھڑک اٹھا تھا۔

"ہاں کہا۔" وہ بیان بدلنے پر آمادہ نہیں تھی۔

"بڑا بھائی ہوں میں تمہارا..."

"صرف دو منٹ بڑے ہو۔"

"بڑا تو ہوں نا..."

"بڑے بھائی بہنوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ان سے محبت کرتے ہیں۔نائل جی کو ہی دیکھ لو۔"اس نے فورا دانتوں تلے زبان دبائی تھی۔

"نائل جی..."اب اسے صوفی کو چڑانے کا موقع مل گیا تھا۔صوفی نے خود ہی اسے یہ موقع دیا تھا۔

"ویسے نائل جی کی ایک بہن بھی ہے جس کے لیے تحفہ خریدنا ہے مجھے۔تھوڑے سے پیسے دے دو یار!"اسے اگر صوفی سے کام نا ہوتا تو یقینا اسے بہت تنگ کرتا۔

"تم اپنی بہن سے پیسے لے کر اپنی بیوی کو تحفہ دو گے؟"وہ صدمے میں چلی گئی تھی۔

"نہیں ہیں نا میرے پاس،ڈیڈ کے ساتھ ویسے معاملات ٹھیک نہیں چل رہے اور مام بھی ناراض ہیں۔اب صرف تم ہی بچی ہو۔"حاتم اس کے پاس صوفے پر آبیٹھا تھا۔

"اگر تم نے مانو کو کوئی تحفہ دینا تھا تو سیونگ کرنی چاہیئے تھی نا...؟"کتاب سائیڈ پر رکھے صوفی نے اپنا رخ اس کی جانب موڑا تھا۔

"میں کیوں سیونگ کرتا،تم کس لیے ہو؟"ڈھٹائی کی انتہا تھی۔

"شرم نہیں آتی تمہیں؟"صوفی کو افسوس ہوا تھا۔

"نہیں آتی۔"کیا شان بے نیازی تھی۔

"کتنے پیسے چاہیئے؟"

"بس پانچ،چھ ہزار..."حاتم نے سرسری سے انداز میں کہا تھا۔

"اتنے پیسوں کا کیا کرو گے تم؟"

"ایک لاکٹ بنوانا ہے جس میں عمر اور نین لکھا ہو گا۔" حاتم نے اسے خوشی سے آگاہ کیا تھا۔

"عمر دیکھی ہے تم نے اپنی اور اس کی..." صوفی نے اسے شرم دلانا چاہی تھی۔

"ارے نائل بھائی آپ یہاں...." حاتم کے کہنے کی دیر تھی صوفی کرنٹ کھا کر صوفے سے اچھلی تھی۔ سر پر اوڑھا ڈوپٹا اس نے مزید کس لیا تھا۔

اب اس نے بوکھلائی نظروں سے ادھر ادھر دیکھا تھا۔ حاتم کے قہقہے پر اسے ساری کہانی سمجھ آئی تھی۔

"تم نے دیکھی ہے اپنی عمر؟" پیٹ پر ہاتھ رکھے وہ ہنستا ہی چلا جا رہا تھا۔

"ایک روپیہ نہیں دوں گی میں تمہیں..." غصے سے سرخ پڑتے چہرے کے ساتھ وہ بھاگتی ہوئی کمرے میں گئی تھی۔

"آپ کو بچے پسند ہیں؟" ماریہ کی آواز اسے ماضی سے کھینچ کر حال میں لائی تھی۔

"ہاں بہت..." وہ لاشعوری طور پر بول گیا تھا۔

"میں نے ہمیشہ سے سوچ رکھا تھا کہ اگر میری بیٹی ہوئی تو میں اس کا نام صوفی رکھوں گا۔" وہ اس وقت محو غم دوش تھا۔ اسے خبر نا تھی کہ وہ کس کے سامنے کیا بول رہا ہے۔

"آپ کی یہ خواہش ضرور پوری ہو گی۔" ماریہ مدھم سا مسکرائی تھی۔ حاتم پھر سے سوچوں میں گم ہو گیا تھا۔

"میں آپ کی یہ خواہش پوری کروں گی۔ بس ایک بار شادی ہو جائے۔" وہ دل ہی دل میں گویا ہوئی تھی۔

اس کے راستے کا کانٹا خود بخود ہی ہٹ گیا تھا اور تو اور اب حاتم کے دل میں بھی نین کا وہ مقام نہیں رہا تھا۔

---

ماریہ کو سارے راستے صاف نظر آ رہے تھے۔

---

عینین کو گھر آئے کچھ دن گزر گئے تھے۔ وہ ہر وقت کہیں کھوئی رہتی تھی۔ نائل اس پر پوری توجہ دے رہا تھا مگر اس کی ذہنی حالت ٹھیک نہیں ہو رہی تھی۔ وہ آدھی رات کو اٹھ کر چیخنے چلانے لگ جاتی تھی۔ حاتم اس کے ذہن سے نہیں نکلتا تھا۔ اس کی حالت کے پیش نظر نائل نے عائزہ کو گھر بلایا تھا تاکہ عینین تھوڑا بہتر محسوس کر سکے۔

"اتنا سب کچھ ہو گیا وانیہ اور تم نے مجھے بتانا بھی ضروری نہیں سمجھا۔ میں نے تمہیں بہت ڈھونڈا مگر تم مجھے نہیں ملی۔ میں پولیس سٹیشن بھی جانے والی تھی پھر مجھے تمہارے نمبر سے میسج آیا کہ تم جہاں بھی ہو ٹھیک ہو اور نائل بھائی سے بھی بات ہوئی تھی میری۔ انہوں نے بھی یہی کہا۔"

"ٹھیک نہیں ہوں میں۔ توڑ دیا ہے اس نے مجھے، برباد کر دیا۔" وہ رو دی تھی۔

"میں نے اس کے ساتھ وفا کی، عشق کیا اور بدلے میں اس نے مجھے کیا دیا؟ وہ کہتا ہے کہ اس کی زندگی میں اور بھی لڑکیاں ہیں۔ میرے ساتھ صرف میری خوبصورتی کی وجہ سے تھا۔ اس نے مجھے گولی ماری۔ وہ کیسے کر سکتا ہے میرے ساتھ یہ؟" وہ ہاتھوں میں منہ چھپائے رو رہی تھی۔ عائزہ کو اس کے لیے بے حد دکھ ہوا تھا۔

"اور میں اس بچے کا کیا کروں؟"

"اسے پتا ہے کہ تم ماں بننے والی ہو؟"

"نہیں..." آنسو پونچھتے عینین نے نفی میں سر ہلایا تھا۔

"تو پھر بتاؤ اسے، بات کرو اس سے۔ پوچھو اس سے کہ اس نے یہ سب کیوں کیا؟"

"مگر میں..."

"وانیہ جب تک تم بات نہیں کرو گی، مسئلہ حل نہیں ہو گا۔اب تم اکیلی نہیں ہو۔سوال تمہاری اولاد کا ہے۔مائیں تو اپنی اولاد کے لیے نجانے کیا کچھ نہیں کر گزرتیں، تم ایک بار بات تو کرو اس سے..." عائزہ کی بات سن کر وہ گہری سوچ میں ڈوبی تھی۔اسے واقعی عمر سے بات کرنی چاہیئے تھی۔

عائزہ کے جانے کے بعد وہ کافی دیر سوچتی رہی تھی پھر اس نے بالآخر دھڑکتے دل سے حاتم کو کال ملائی تھی۔فون اسے نائل لے کر دے چکا تھا اور حاتم کا نمبر ہیک کرنا اس کے کے لیے بڑی بات نہیں تھی۔

وہ اکیلی ہوتی تو کبھی اسے کال کرنے کا سوچتی بھی نہیں مگر اب اس کے ساتھ اس کی اولاد تھی۔

دوسری بیل پر کال ریسیو کر لی گئی تھی۔

"ہیلو..." نقاہت سے بھری مردانہ آواز سن کر عینین کے دل کو کچھ ہوا تھا۔آواز سے وہ کافی تھکا تھکا لگ رہا تھا۔

"کون...؟" حاتم نے آنکھیں بند کیے ایک بار پھر پوچھا تھا۔

اتنے دنوں بعد آج جا کر کہیں ٹھیک سے اس کی آنکھ لگی تھی۔اب بھی وہ نیم غنودگی میں بول رہا تھا۔

عینین نے بولنے کے لیے لب کھولے تھے مگر زبان نے اس کا ساتھ نا دیا تھا۔اس کے گلے میں جیسے گرہیں بندھی تھیں۔بلاشعور اس کی زبان سے سسکی نکلی تھی۔

"نین...!" دل میں گویا ہوتے وہ کرنٹ کھا کر اٹھا تھا۔

"کیسی ہو تم، کہاں ہو، کس حال میں ہو؟" وہ یہ سب پوچھنا چاہتا تھا مگر ساتھ تو اس کی زبان نے بھی نہیں دیا تھا۔

"جب بات نہیں کرنی تو کال کیوں کرتے ہو؟" خود کو مضبوط کرتے وہ انجان بنا تھا۔

"عمر..." وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔اسے اس طرح روتا سن کر حاتم کا دل جیسے مٹھی میں بند ہوا تھا۔

"کون بات کر رہا ہے؟" اس کی سنگدلی پر عینین کے آنسو تھمے تھے۔

"میں نین..." اس نے دل پر پتھر رکھ کر خود سے عشق کے دعوے کرنے والے کو اپنا تعارف کروایا تھا۔

"کون نین...؟" حاتم کی آنکھ سے ایک آنسو ٹوٹ کر گرا تھا مگر لہجے میں ذرا برابر لرزش نہیں تھی۔

وہ ایک لمحے کے لیے سکتے میں چلی گئی تھی۔

"عمر تم یہ سب کیوں کہہ رہے ہو؟" وہ بے بسی سے چیخ اٹھی تھی۔

"کیوں فون کیا ہے؟" اس کا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا مگر زبان لڑکھڑانے سے عاری تھی۔

"تمھیں یاد نہیں آتی میری؟"

"ہر لمحہ، ہر پل، تم میری روح میں بستی ہو۔" وہ یہ کہنا چاہتا تھا مگر نہیں کہہ پایا تھا۔

"نہیں آتی۔ خوش ہوں میں اپنی زندگی میں بہت، اتنی حسین لڑکیاں ہیں میری زندگی میں کہ تم بالکل یاد نہیں آتی۔" وہ اپنے الفاظ سے اس کا سینہ چھلنی کر رہا تھا۔

"تم تو عشق کے دعویدار تھے؟" وہ سسکی تھی۔

"میں نے یہ دعوے کس کس سے کیے ہیں، مجھے اب یاد بھی نہیں ہے۔"

"میں ان لڑکیوں جیسی نہیں ہوں۔ بیوی ہوں تمہاری... کیوں کی تم نے میری زندگی برباد؟" وہ غم و غصے سے چلائی تھی۔

"کیونکہ مجھے نائل سے بدلہ لینا تھا، بس اسی لیے... اب تمہیں اس طرح دیکھ کر وہ تڑپے گا اور سکون میرے دل کو ملے گا۔" وہ عجیب طرز سے ہنسا تھا۔ عینین کو کمرے کی چھت خود پر گرتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔

"تم جھوٹ بول رہے ہو۔ مجھے پتا ہے تم مجھ سے محبت کرتے ہو۔ مجھے نہیں پتا کہ تم یہ سب کیوں بول رہے ہو۔ عمر پلیز میرے ساتھ یہ مت کرو۔ میں سب کچھ بھولنے کو تیار ہوں۔ تمہارے بغیر نہیں رہ سکتی۔ مجھے تنہا

مت چھوڑو۔ پلیز سب چھوڑ دو۔ ہم کہیں دور چلتے ہیں، ان تمام لوگوں سے بہت دور... پلیز تم یہ سب چھوڑ دو۔ کیا تم میرے لیے اپنا مذہب نہیں تبدیل کر سکتے؟" دل کے ہاتھوں مجبور ہوتے وہ وہ منت پر اتر آئی تھی۔

"یہ کام تم کیوں نہیں کر لیتی؟ تم بھی تو کر سکتی ہو نا میرے لیے اپنا مذہب تبدیل؟؟" عینین بالکل سن ہو گئی تھی۔ وہ آج پتھر کا مجسمہ بنا ہوا تھا۔

"چلو ایک ڈیل کرتے ہیں۔ میں تمہارے لیے سب چھوڑ دوں گا۔ ہم کہیں دور چلے جائیں گے مگر تمہیں میرے لیے پیدائش سے مکاشفہ کا سفر طے کرنا ہو گا۔ بولو کرو گی؟" عینن نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ وہ کوئی جواب نہیں دے پائے گی۔

"اب مجھے فون تب ہی کرنا جب تم یہ سفر طے کر چکی ہو۔" وہ فون کاٹ چکا تھا۔ وہ بے یقینی سے فون کی تاریک سکرین کو گھورتی رہی تھی۔ یقین کرنا بے حد مشکل تھا کہ یہ اس کا عمر ہی تھا۔ اس نے ایک بار بھی یہ نہیں پوچھا تھا کہ وہ کیسی ہے۔ اسے گولی مار کر وہ اسے ہسپتال میں بے یارو مددگار چھوڑ گیا تھا۔ اور وہ اپنے کیے پر ذرا برابر پشیمان نہیں تھا۔

فون کاٹتے ساتھ ہی وہ رو دیا تھا، بچوں کی طرح بلک بلک کر... "آئی۔ ایم سوری نین! پلیز مجھے معاف کر دو لیکن میرے پاس اور کوئی راستہ نہیں ہے۔ مجھے احساس ہو گیا ہے کہ ہم ایک دوسرے کے لیے نہیں بنے۔ ہمارے راستے جدا ہیں۔ میں زندگی کے جس موڑ پر ہوں وہاں تمہاری حفاظت نہیں کر سکتا۔ اگر کل مجھے کچھ ہو گیا تو تمہارے ساتھ نجانے کیا ہو، بہتر ہے کہ تم مجھ سے دور رہو۔" حاتم نے جان بوجھ کر مذہب تبدیل کرنے والی بات کی تھی۔ وہ اچھے سے جانتا تھا کہ عینین ایسا کبھی نہیں کرے گی۔ یہ بس اسے خود سے بدگمان کرنے کی ایک کوشش تھی۔

نائل نے محسن اور ساشا کو ڈنر پر انوائیٹ کیا تھا۔وہ چاہتا تھا کہ عینین اس ٹراما سے باہر نکل آئے۔

"میرا بچہ کیوں نہیں کچھ کھا رہا؟"نائل نے اس کی پلیٹ میں چاول ڈالتے کہا تھا۔

"میرا دل نہیں چاہ رہا۔" وہ کچھ ہی دنوں میں بہت کمزور ہو گئی تھی۔آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے اس کی بے خوابی کی بھرپور عکاسی کر رہے تھے۔

"ہاں بھائی آپ کا دل تو کسی کا آکاؤنٹ ہیک کرنے کا کر رہا ہو گا۔" محسن نے شرارت سے لب دبائے کہا تھا جس پر نائل اور ساشا دونوں نے ہی اسے گھوری سے نوازا تھا۔

"آف ایک تو بیویوں کی یہ گھوریاں..." وہ آج فل موڈ میں تھا جبکہ اس کی بات پر اچانک ہی عینین کو کچھ یاد آیا تھا۔

"بھائی آپ نے تو نکاح کر لیا تھا نا،آپ کی بیوی کہاں ہے؟"نائل کو زبردست کھانسی آئی تھی۔

"وہ اپنے میکے گئی ہے۔اس کے ڈیڈ کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے۔ایک دو مہینے وہیں رہے گی۔"اس نے نہایت محتاط انداز میں جواب دیا تھا جس پر ساشا اور محسن دونوں نے پہلے نائل اور پھر ایک دوسرے کو دیکھا تھا۔

"اچھا سہی..."عینین مطمئن ہو گئی تھی۔اسے فلحال کسی چیز میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

"میں اس جھوٹ کی وجہ جان سکتا ہوں؟"ڈنر کے بعد ساشا عینین کے ساتھ لاؤنج میں بیٹھی باتیں کر رہی تھی جبکہ نائل اور محسن باہر باہر لاؤنج میں بیٹھے تھے۔

"کون سا جھوٹ؟"کافی کا سپ لیتے نائل لاپروائی سے گویا ہوا تھا۔

"وانیہ سے کیوں کہا کہ بھابھی اپنے میکے گئی ہیں؟"

"میری مرضی..."وہ شان بے نیازی سے گویا ہوا تھا۔

"نائل مجھے سچ سچ بتاؤ کہ تمہارے دماغ میں کیا کھچڑی پک رہی ہے؟" محسن نے ایک آنکھ آچکا کر پوچھا تھا۔

"کوئی کھچڑی نہیں پک رہی۔" کپ میز پر رکھتے اس نے ازلی بے نیازی سے کہا تھا۔

"ٹھیک ہے میں پھر وانیہ کو جا کر بتا دیتا ہوں کہ بھابھی میکے نہیں بلکہ فارم ہاؤس گئی ہیں۔اور ایڈریس بھی دے دیتا ہوں، پھر خود جواب دیتے پھرنا۔" وہ ابھی اپنی جگہ سے اٹھا ہی تھا کہ نائل کی غصیلی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تھی۔

"بیٹھو واپس..." منہ کے زاویے بگاڑتے اس نے محسن کو بیٹھنے کا کہا تھا۔وہ مسکرا کر واپس ٹانگ پر ٹانگ جمائے بیٹھا تھا۔

"میں اچھے سے جانتا ہوں کہ وانیہ تمہاری بات پر کبھی یقین نہیں کرے گی اور یہ بھی کہ تم کبھی بھی اپنی زبان نہیں کھولو گے۔میں بھی تمہارے بچوں کو یتیم نہیں کرنا چاہتا۔" نائل نے ایک تیکھی مسکراہٹ اس کی جانب اچھالی تھی۔اس کی دھمکی پر محسن بری طرح کرہا تھا۔

"لیکن پھر بھی بتا رہا ہوں۔" احسان جتانا اس نے بے حد ضروری سمجھا تھا۔

"تم نے سن رکھا ہوگا کہ ایک میان میں کبھی دو تلواریں نہیں رہ سکتیں بالکل اسی طرح ایک جگہ پر آگ اور پانی بھی نہیں رہ سکتے۔"

"آگ کون ہے اور پانی کون؟" محسن نے وضاحت چاہی تھی۔

"وانیہ میری بہن ہے اور بہت معصوم ہے لیکن وہ سنیہا کو برداشت کرلے گی،اس بات کی کوئی گرینٹی نہیں ہے۔میں کوئی بدمزگی نہیں چاہتا۔"

"تم اپنی بہن کو آگ بول رہے ہو؟" محسن کو خوشگوار حیرت ہوئی تھی۔

"میری بہن نہایت معصوم ہے۔بس کبھی کبھی انہیں غصہ آجاتا ہے۔سنیہا جھیل نہیں سکے گی۔"وانیہ کی شان میں وہ کچھ غلط نہیں سن سکتا تھا۔

"تمہاری منطق نہایت غیر منطقی ہے۔جب بھابھی تمہیں جھیل سکتی ہیں تو وانیہ کو بھی جھیل ہی لے گی۔"محسن نے شرارت سے کہا تھا۔

"یہ کپ منہ پہ دے ماروں گا میں تمہارے..."نائل کا چہرہ غصے سے سرخ پڑا تھا۔

"مجھے لگتا ہے تم کچھ زیادہ ہی سوچ رہے ہو۔یہ اتنا بڑا مسئلہ نہیں ہے۔تم بھابھی کو لے آؤ واپس۔وہ بہت زیادہ انڈرسٹینڈنگ ہے۔وہ یہاں ہوں گی تو تمہیں وانیہ کی بھی فکر نہیں ہو گی۔"محسن نے اسے سمجھانا چاہا تھا۔

"مجھے فلحال کوئی رسک نہیں لینا۔میں نہیں چاہتا کہ وانیہ کو لگے کہ میرا دھیان بٹ گیا ہے۔جب تک وہ بالکل نارمل نہیں ہو جاتیں، کم از کم تب تک..."وہ اپنی بات پر مصر تھا۔

"مرضی ہے تمہاری لیکن اس سب میں بھابھی کو اگنور مت کرنا۔ویسے ملوایا نہیں تم نے کبھی بھابھی سے،اس دن بھی لان میں سرسری سا دیکھا تھا میں نے انہیں۔چہرہ بھی نہیں دیکھ پایا ٹھیک سے..."

"تم اپنی بیوی کو دیکھو بس..."نائل کے دوٹوک انداز پر محسن کا قہقہہ چھوٹا تھا۔

"کافی پوزیسو ہو تم..."

"Shut up!"

نائل نے فوراً اسے شٹ اپ کال دی تھی جواباً وہ سر جھٹکتا مسکرا دیا تھا۔

ساشااور محسن کے جانے کے بعد نائل وانیہ کے کمرے میں گیا تھا۔اسے کمرے میں ناپا کر وہ وہیں بستر پر بیٹھا تھا۔وانیہ کا فون بجنے کی آواز سے نائل اس جانب متوجہ ہوا تھا۔اس نے فون اٹھا کر سر سری سی نگاہ اس پر دوڑائی تھی۔عائزہ کا میسیج دیکھ اس نے فون واپس رکھنا چاہا تھا پھر کسی احساس کے تحت اس نے کال ہسٹری چیک کی تھی۔حاتم کا نمبر دیکھ اس کی آنکھیں سرخ پڑی تھیں۔

"یعنی میرا شک بالکل درست تھا۔"نائل نے زور سے موبائل بستر پر پٹخا تھا۔

اسی وقت وانیہ شب خوابی کا لباس پہنے اس تک آئی تھی۔

"آپ ابھی تک اس سے رابطے میں ہیں؟"وہ غصے سے کھڑا ہوا تھا۔

"صرف ایک بار کال کی تھی۔"وہ مدھم آواز میں گویا ہوئی تھی۔

"کیوں، آخر ضرورت ہی کیا تھی؟"نائل کا پارہ سوا نیزے پر چڑھا تھا۔وہ وانیہ کے لیے نجانے کیا کچھ کر رہا تھا اور وہ ابھی بھی حاتم سے رابطے میں تھی۔

"اس نے گولی تک ماردی آپ کو،اکیلا چھوڑ دیا اس نے آپ کو۔اگر آپ کو کچھ ہو جاتا تو پھر؟؟"

"تو پھر کیا کرتی میں، بتائیں کیا کرتی؟"وہ بھی بے بسی سے چلا اٹھی تھی۔

"میں ماں بننے والی ہوں بھائی، کل جب دنیا والے مجھ سے اس بچے کے بارے میں سوال کریں گے تو میں کیا جواب دوں گی۔کیا بتاؤں گی کہ کون ہے اس کا باپ؟"نائل بالکل لاجواب ہو گیا تھا۔

"بات صرف میری ہوتی تو شاید مڑ کر دیکھتی بھی نا مگر میں اب اکیلی نہیں ہوں۔"وہ شکست خوردہ حالت میں بستر پر بیٹھی تھی۔نائل اسے دیکھتا ہی رہ گیا تھا۔اس کی چھوٹی سی گڑیا کب اتنی بڑی ہوئی تھی اسے خبر ہی نہیں ہوئی تھی۔

گہری سانس خارج کرتے وہ قدم قدم چلتا اس کے پاس آ بیٹھا تھا۔

"آپ نے بچپن سے لے کر آج تک بہت غلطیاں کی ہیں اور میں نے ہمیشہ آپ کی غلطیوں کو کور کیا ہے۔ میں آج بھی یہ کروں گا بلکہ آئیندہ بھی کروں گا۔ آپ کو کسی کو کوئی جواب دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں ہوں سب کے سوالات کے جواب دینے کے لیے..." نائل نے اس کے دونوں ہاتھ تھامتے کہا تھا۔

"بھائی وہ بہت برا ہے۔" عینین نے روتے ہوئے نائل کے کندھے پر سر ٹکایا تھا۔

"میں اس کا وہ حشر کروں گا کہ ساری زندگی یاد رکھے گا۔ آپ بالکل فکر نا کریں۔" نائل نے اس کے سر پر بوسہ دیتے کہا تھا۔ ایک مضبوط حصار پاتے وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

"آپ نے اسے اپنی پریگنینسی کی خبر دی؟"عینین کے کچھ حد تک ریلیکس ہونے پر نائل نے پوچھا تھا۔

"نہیں...!"اس کے کندھے سے سر ہٹاتے وہ بھرائی آواز میں گویا ہوئی تھی۔نائل کی سانس میں سانس آئی تھی۔

"بہت اچھا کیا۔اسے بتانے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔آپ مجھ سے وعدہ کریں کہ آپ اسے یہ نہیں بتائے گی۔"نائل نے اس کا ہاتھ تھامتے کہا تھا۔

"مگر بھائی میں..."

"میری جان آپ کو اپنے بچے کے لیے کسی سے بھیک مانگنے کی ضرورت نہیں ہے۔وہ شخص اس قابل نہیں ہے کہ اتنی بڑی ذمہداری اٹھا کر سکے اور اگر اس نے آپ سے بچہ چھین لیا پھر؟"وہ جان کر اسے ڈرا رہا تھا۔حاتم تک اگر یہ خبر پہنچ جاتی تو وہ عینین کو واپس لے جانے میں ایک سیکنڈ نا لگاتا۔

"میں اپنا بچہ کسی کو نہیں دوں گی۔"وہ فوراً گھبرا گئی تھی۔

"تو پھر وعدہ کریں اسے نہیں بتائے گی۔"

"وعدہ کرتی ہوں۔"نائل کے چہرے پر ڈھیروں سکون چھایا تھا۔

"مجھے کسی ضروری کام سے باہر جانا ہے۔صبح آؤں گا۔آپ آرام کیجیں اور اگر کوئی بھی مسئلہ ہو تو فوراً مجھے کال کر لیجیں گا۔"عینین نے مدھم سی مسکراہٹ کے ساتھ اثبات میں سر ہلایا تھا۔

نائل کے جانے کے بعد وہ نجانے کتنی دیر کروٹ بدلتے سونے کی کوشش کر رہی تھی مگر نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔

"ویسے اگر میں مذہب تبدیل کر لوں تو؟"اچانک ہی اس کے ذہن میں خیال آیا تھا۔

"نہیں، نہیں یہ میں کیا سوچ رہی ہوں۔"وانیہ نے فوراً خود کو ڈپٹا تھا۔

"اس میں کوئی حرج تو نہیں ہے۔اسلام میں تو ویسے بھی بہت جھول ہیں۔اللہ کو تو مانتی ہوں نا میں... عیسائیت میں بھی تو اللہ کو مانا جاتا ہے نا تو پھر اس مذہب کو اپنانے میں کوئی حرج تو نہیں..."بستر پر اٹھ کر بیٹھتے عینین نے اپنا موبائل اٹھایا تھا۔ڈھڑکتے دل کے ساتھ اس نے پلے سٹور پر بائبل ٹائپ کیا تھا۔اسے ڈاؤنلوڈ کرتے ایک لمحے کے لیے اس کے ہاتھ کپکپائے تھے مگر اس نے یہ کیا تھا۔ایک چھپے ہوئے فولڈر میں اس نے بہت محتاط انداز میں بائبل کی کتاب کو چھپایا تھا۔وہ نہیں چاہتی تھی کہ نائل کی نظر پڑ جائے۔اس نے ڈاؤنلوڈ تو کر لی تھی مگر کھولنے کی ہمت اس میں نہیں تھی۔گہری سانس خارج کرتے اس نے موبائل آف کیے سائیڈ پر رکھا تھا۔کچھ دیر بیٹھنے کے بعد وہ واپس بستر پر لیٹ گئی تھی۔

---

گھر سے سیدھا وہ فارم ہاؤس گیا تھا۔کمرے میں داخل ہوتے ہی وہ بستر پر آلیٹا تھا۔سنیہا دوسری جانب گہری نیند میں سو رہی تھی۔

وہ کچھ دیر اسے دیکھتا رہا تھا پھر اس نے بے چینی سے پہلو بدلا تھا۔

"اتنے سکون سے سو رہی ہے۔"بڑبڑاتے ہوئے وہ اٹھ کر بیٹھا تھا۔

کچھ دیر اسے گھورنے کے بعد نائل کے لب مسکرائے تھے۔سائیڈ میز سے پانی کا گلاس اٹھائے اس نے زمین پر پٹخ دیا تھا۔گلاس ٹوٹنے کی آواز سے سنیہا فوراً ہڑبڑا کر اٹھی تھی۔

"آپ یہاں...؟"اسے شدید حیرت ہوئی تھی۔عینین کے آنے کے بعد وہ ایک بار بھی اس کے پاس رہنے نہیں آیا تھا بس کبھی کبھار دن کے وقت کچھ وقت کے لیے آجایا کرتا تھا۔

"نیند خراب کر دی میں نے تمہاری،ہاتھ سے گر گیا تھا گلاس۔"اس نے اس انداز میں کہا تھا جیسے اپنی بیگم کی آنکھ کھلنے کا اسے نہایت افسوس ہو۔

"کوئی بات نہیں میں صاف کرلیتی ہوں۔" بالوں کا جوڑا بنائے وہ بستر سے اٹھی تھی۔

"کھانا کھایا آپ نے؟" یہ روٹین کے الفاظ تھے جو وہ اس سے ضرور کہتی تھی۔

"نہیں..." وہ جھوٹ بول رہا تھا۔

"اچھا میں کھانا لگاتی ہوں۔ آپ نے تو چینج بھی نہیں کیا۔"

"تم نے کپڑے نکال کر ہی نہیں دیے۔"

"اچھا رکیں میں نکال دیتی ہوں۔" وہ کہتے ساتھ ہی الماری کی جانب بڑھی تھی۔ وہ سر جھٹکتا مسکرادیا تھا۔ سنیہا کا اس طرح اسے اہمیت دینا اسے بہت اچھا لگتا تھا۔

"کافی بناؤں آپ کے لیے؟" کھانا پھروستے سنیہا نے پوچھا تھا۔

"بنادو۔" آج اس نے کسی چیز سے انکار نہیں کیا تھا۔

"کافی ٹھیک بنائی ہے تم نے۔" سنیہا کے لبوں پر مدھم سی مسکراہٹ ابھری تھی۔ وہ سیدھے منہ تعریف کرنا جانتا ہی نہیں تھا۔

"تم یہ کیا کر رہی ہو؟" اسے واپس بستر پر لیٹتے دیکھ نائل کو شاک لگا تھا۔

"سو رہی ہوں۔ آپ کو کوئی کام ہے کیا؟"

"بغیر کام کے تم جاگ نہیں سکتی کیا؟" وہ کہہ رہا تھا۔

"بلاوجہ کس لیے جاگوں؟" وہ سمجھ نہیں سکی تھی۔

"میرے لیے..." سنیہا نے بے یقینی سے اس کی جانب دیکھا تھا۔

"میرا مطلب ہے ہم باتیں کر سکتے ہیں۔ تم ویسے بھی اتنے دن اکیلی رہی ہو تو بور ہوتی رہی ہو گی۔ تمہارا دل چاہ رہا ہو گا نا مجھ سے باتیں کرنے کا... دیکھو شرمانے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں شوہر ہوں تمہارا، تم مجھ سے

بلا جھجک کچھ بھی کہہ سکتی ہو۔"سنیہا نے آنکھیں گھمائے گہری سانس خارج کی تھی۔وہ کبھی سیدھی بات نہیں کر سکتا تھا۔

"وانیہ کی طبیعت کیسی ہے اب؟"سنیہا نے بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے پوچھا تھا۔اب نیند تو ویسے بھی آنکھوں سے دور تھی۔

"ٹھیک ہے۔کل سے یونیورسٹی جانا شروع کرے گی تو مزید بہتر ہو جائے گی۔"

"ویسے اسے ہوا کیا تھا؟"

"کافی عرصہ دور رہی ہیں نا بس اسی وجہ سے ڈپریشن کا شکار ہیں۔"

"آپ فکر نا کریں ٹھیک ہو جائے گی۔"سنیہا نے مسکرا کر اسے تسلی دی تھی جواباً وہ بھی مسکرا دیا تھا۔

"ویسے تم کیا کرتی رہی اتنے دن؟"

"کچھ خاص نہیں..."وہ شکوے ویسے بھی بہت کم کرتی تھی۔اب تو اس نے بالکل ہی چھوڑ دیے تھے۔جب نائل کو خود سے احساس نہیں تھا تو پھر احساس دلانے کا فائدہ ہی کیا تھا؟؟

"ادھر آؤ۔"نائل کے بلانے پر وہ ایک لمحے کے لیے ٹھٹکی تھی۔پھر کچھ لمحے مضطرب رہنے کے بعد وہ اس کے قریب جا کر بیٹھی تھی۔

"کبھی کبھی مجھے لگتا ہے کہ میں تھوڑا سا خوش قسمت ہوں جو تم میری بیوی ہو۔"اس کا ہاتھ تھامتے نائل نے نرمی سے کہا تھا۔سنیہا کے دل نے بے اختیار بیٹ مس کی تھی۔وہ ایسی ہی تھی،ایک خوشگوار بات پر اپنا تمام تر غم بھلا دینے والی...

"شکریہ مجھے سمجھنے کے لیے..."نائل نے اپنے ہاتھ کی پشت سے اس کی گال سہلائی تھی۔وہ بری طرح جھنپ گئی تھی۔

"ہماری شادی کوایک سال سے زیادہ ہو گیا ہے۔اب نئ نویلی دلہنوں کی طرح بات بات پر شرمانا چھوڑ دو۔"لب دبائے اب وہ اسے چھیڑ رہا تھا۔

"میں نہیں شرما رہی۔"سنیہا نے ہڑبڑا کر پیچھے ہٹنے کی کوشش کی تھی مگر نائل کی گرفت کافی سخت تھی۔وہ اپنا ہاتھ نہیں چھڑوا سکی تھی۔

"ویسے تم نے تو خوب آرام کیا ہو گا نہیں؟"وہ اپنا سر اس کی گود میں رکھ گیا تھا۔

"ہمم بہت زیادہ..."سنیہا نے اپنا نرم ملائم ہاتھ اس کی پیشانی پر رکھتے کہا تھا۔اب وہ آہستگی سے اس کا سر دبا رہی تھی۔ساری تھکان نائل کے کہے چند جملوں نے اتار دی تھی۔اب وہ بالکل ہشاش بشاش تھی۔

"تم نے تو شکر ادا کیا ہو گا کہ میں تمہارے سر پر مسلط نہیں تھا؟"اب وہ باقاعدہ اسے گھور رہا تھا۔

"بہت بہت زیادہ..."وہ بھی شرارت کے موڈ میں تھی۔

"سنیہا..."اٹھ کر بیٹھتے نائل نے غصے سے اسے پکارا تھا۔وہ ہنس دی تھی پھر ہنستی ہی چلی گئی تھی۔

"تمہیں میری قدر ہی نہیں ہے۔"اب وہ واپس اپنی جگہ آ کر لیٹا تھا۔

"قدر ہے بلکہ بہت زیادہ ہے لیکن میں ایک بات سوچ رہی تھی۔"ہنسی ضبط کرتے اس نے آنکھیں ٹپٹپائے نائل کی جانب دیکھا تھا۔نائل نے سوالیہ نظروں سے اس کی جانب دیکھا تھا۔

"ابھی تو صرف ایک سال گزرا ہے۔ساری زندگی کیسے برداشت کروں گی میں آپ کو؟"اس کی بات پر نائل کرنٹ کھا کر اٹھا تھا۔

"کیا کہا تم نے؟"غصے سے اس کا چہرہ سرخ پڑا تھا۔

"وہی جو آپ نے سنا۔"اب وہ جان کر اسے چڑا رہی تھی۔

"دس سیکنڈ کے اندر اندر اپنا بیان بدل لو ورنہ آج تمہاری خیر نہیں ہے۔" اب وہ اسے دھمکی دے رہا تھا جبکہ یہ دھمکی کم اور حقیقت زیادہ تھی۔

"کہو کہ میں بہت خوش قسمت ہوں جو مجھے نائل جیسا شوہر ملا ہے اور اگر مجھے دس زندگیاں بھی ملیں تو میں نائل ہی کا انتخاب کروں گی۔"

"استغفر اللہ!" بے اختیار اس کی زبان پھسلی تھی۔

"اب تم بچ جاؤ مجھ سے..." اسے بغیر کچھ سوچنے سمجھنے کا موقع دیے نائل نے اسے بستر پر دھکا دیا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ اپنی مضبوط گرفت میں پکڑے وہ اس ہی کے ڈوپٹے سے اس کے ہاتھ باندھ چکا تھا۔

"یہ آپ کیا کر رہے ہیں نائل؟" سنیہا کی آنکھوں میں خوف ابھرا تھا۔

"تمہیں تمہاری خوش قسمتی کا احساس دلا رہا ہوں۔" ایک تیکھی مسکراہٹ اس کی جانب اچھالے وہ بستر سے اٹھا تھا۔ الماری سے دو اور ڈوپٹے نکالے وہ مسکراتا ہوا اس کی جانب بڑھ رہا تھا۔

"نائل پلیز..." اس کے جملہ مکمل کرنے سے پہلے ہی نائل نے اس کے منہ کے گرد ڈوپٹا باندھا تھا۔

وہ مسلسل مزاحمتیں کرتی نفی میں سر ہلا رہی تھی۔

اس کا منہ باندھنے کے بعد اب نائل نے اس کے پیر باندھے تھے۔

"گڈ نائٹ!" اس کا گال تھپتھپاتے نائل اپنی سائیڈ پر لیٹ گیا تھا۔ وہ بیچاری اپنی قسمت پر ماتم کرنے کے سوا اور کر بھی کیا سکتی تھی۔

نائل نے جان بوجھ کر ڈوپٹے ڈھیلے باندھے تھے۔ وہ آدھے یا ایک گھنٹے کی مزاحمت کے بعد خود کو آزاد کروا سکتی تھی۔ یہ بس اسے تنگ کرنے کا ایک طریقہ تھا۔ اب اسے اچھی اور گہری نیند آنی تھی۔

دن کے وقت وہ یونیورسٹی جانے سے پہلے بک شاپ پر گئی تھی۔

"کیا آپ کے پاس انجیل مقدس کی کتاب ہے؟" خشک لبوں پر زبان پھیرتے عینین نے بامشکل کہا تھا۔ اس نے موبائل سے زیادہ کتاب خریدنا بہتر سمجھا تھا۔

"جی ہے۔" چند ثانیوں بعد دکاندار نے کتاب لا کر اس کے سامنے رکھی تھی۔ وہ اسے اٹھانے کی ہمت نہیں کر پا رہی تھی مگر اسے یہ کرنا پڑا تھا۔ اس کتاب کا وزن اسے من بھر کا لگا تھا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے کتاب مضبوطی سے تھامی تھی مبادا کہیں گر ہی نا جائے۔

اپنے بیگ میں کتاب کو اچھے سے چھپائے وہ دل کی دھڑکن پر قابو پاتے وہاں سے گئی تھی۔

یونیورسٹی جا کر وہ بار بار بیگ کو ہاتھ لگائے دیکھ رہی تھی۔ دل میں عجیب سی بے چینی تھی۔

"وانیہ میں بہت خوش ہوں کہ تم واپس آگئی۔" عائزہ خوشگواریت سے اس سے ملی تھی۔ وہ بھی رسما سا مسکرا دی تھی۔

"چلو آؤ لیکچر لینے چلتے ہیں۔"

"مگر تم تو مجھ سے ایک سمیسٹر آگے ہو نا؟" وانیہ نے حیرت سے پوچھا تھا۔ اس نے تو کب کی پڑھائی چھوڑ دی تھی۔ لندن میں بھی وہ چند دن بامشکل پڑھ سکی تھی۔ نائل نے اس کا سمیسٹر فریز کروا دیا تھا، اب اس نے دوبارہ پڑھائی شروع کی تھی۔

"دوست کے لیے اتنا تو کر ہی سکتی ہوں نا؟" وہ الٹا خفا ہوئی تھی۔ وانیہ کو اس وقت اس پر بے انتہا پیار آیا تھا۔ مخلص دوست بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتے ہیں۔

وانیہ نے بے دلی سے لیکچر لیا تھا۔ اس کا دھیان بار بار بھٹک رہا تھا۔

"تم ٹھیک ہو نا؟" لیکچر کے بعد عائزہ نے سوال کیا تھا۔

"ہاں ٹھیک ہوں۔" اس نے سرسری سا جواب دیا تھا۔

"عائزہ میں مذہب تبدیل کرنے کے بارے میں سوچ رہی ہوں۔" عائزہ چلتے چلتے رکی تھی۔ وانیہ نے اس پر معنوں بم گرایا تھا۔

"تم ہوش میں ہو؟" وہ بے یقینی سے چلا اٹھی تھی۔

"پہلے ریسرچ کروں گی۔ اگر یہ دین بھی غیر منطقی ہوا تو قبول نہیں کروں گی۔" حاتم کو چھوڑ کر وہ اب خود عیسائیت میں دلچسبی لے رہی تھی۔

"وانیہ تم پاگل ہو گئی ہو۔ میں نائل بھائی سے بات کرتی ہوں۔"

"تم ایسا کچھ نہیں کرو گی۔ میں نے کہا نا کہ ابھی میں صرف سوچ رہی ہو۔ ویسے بھی اسلام میں بہت جھول ہیں۔ یہ عجیب اور غیر منطقی ہے... شاید مسیحت ایسی نا ہو۔ اس میں کچھ تو ہو گا نا کہ لوگ اسلام کو چھوڑ کر مسیحت اپنا لیتے ہیں، پھر وہ اس پر فخر بھی محسوس کرتے ہیں۔ میں جاننا چاہتی ہوں کہ اس دین میں ایسا کیا خاص ہے۔ میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ پیدائش سے مکاشفہ کے سفر کا کیا مطلب ہے۔" حاتم نے اسلام کو چھوڑ کر مسیحت کو اپنایا تھا۔ عینین کو اب اس مذہب کو لے کر تجسس ہو رہا تھا۔

"تم ایک نہایت پاگل اور بیوقوف عورت ہو۔ خوش قسمت ہوتے ہیں وہ لوگ، جنہیں اسلام جیسا مکمل دین ورثہ میں ملتا ہے اور تم اسے چھوڑ رہی ہو۔ در حقیقت تم نہیں بلکہ یہ تمہیں چھوڑ رہا ہے۔ اللہ نے تمہیں چھوڑ دیا ہے وانیہ... اب اندھوں کی بھٹکتی پھر و ادھر ادھر۔ اور مجھ سے کسی قسم کا رابطہ مت رکھنا تم..." وہ شدید غصے سے آگے بڑھی تھی۔ عینین نے اسے روکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ کبھی اپنی بات دوسروں کو نہیں سمجھا پاتی تھی۔ کوئی بھی اسے نہیں سمجھ سکتا تھا۔

صبح آٹھ بجے کے قریب نائل کی آنکھ کھلی تھی۔سنیہا کو بستر پر نا پا کر اس کے لبوں کو دلفریب مسکراہٹ نے چھوا تھا۔ چینج کرنے کے بعد وہ نیچے گیا تھا۔

سنیہا کچن میں مصروف تھی۔نائل چپ چاپ ڈائننگ ٹیبل پر آ بیٹھا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ ہاتھ میں پلیٹ پکڑے کرسی پر بیٹھی تھی۔اب اپنے کپ میں چائے نکالے وہ مزے سے ناشتہ کر رہی تھی۔اس سب میں اس نے نائل کو بالکل نظرانداز کر دیا تھا۔

"سنیہا میرا ناشتہ کہاں ہے؟" صبر کے گھونٹ بھرتے نائل نے تحمل سے پوچھا تھا۔سینڈوچ کا بائیٹ لیتے اس نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

"سنیہا میں کچھ پوچھ رہا ہوں؟" نائل نے دانت کچلاتے پوچھا تھا۔

"سامنے کچن ہے۔خود جا کر بنا لیں۔ملازمہ نہیں ہوں میں آپ کی..." پلیٹ سائیڈ پر کھسکائے وہ منہ بنائے وہاں سے اٹھی تھی۔وہ کچھ دیر شاک کی کیفیت میں وہیں بیٹھا رہا تھا۔

"زیادہ پر نہیں نکل آئے تمہارے؟" زور سے میز پر ہاتھ مارے وہ اس کے پیچھے گیا تھا۔

"ہاں نکل آئے ہیں، پھر کیا کریں گے آپ؟" وہ بھی اسی کے انداز میں گویا ہوئی تھی۔

"کترنے آتے ہیں مجھے..."

"ہاں تو باندھ دیں نا ہاتھ پیر، مگر اس بار رسی سے باندھیں گا۔" وہ لاشعوری طور پر بول گئی تھی۔

"اچھا آئیڈیا ہے۔" اس کا ہاتھ پکڑے اب وہ اسے گھسیٹتے ہوئے زینے چڑھ رہا تھا۔

"نائل چھوڑیں مجھے..." وہ بالکل ہکا بقا رہ گئی تھی۔

"اب باندھوں گا نا تو پورا دن کھولنے والا کوئی نہیں ہو گا۔" اسے بستر پر دھکہ دیے وہ سرخ آنکھوں سے اس پر جھکا تھا۔

"نائل پلیز نہیں..."اس کی آنکھیں پل میں بھر اگئی تھیں۔

"ٹھیک ہے تو پھر اقرار کرو کہ تمہارا شوہر دنیا کا بیسٹ شوہر ہے اور تم کتنی خوش ہو میرے ساتھ؟"اس کی آنکھوں میں شرارت تھی مگر سنیہا اس کے تاثرات جانچنے سے عاری تھی۔

"آپ بہت اچھے ہیں۔"اس نے روتے ہوئے کہا تھا۔

"خوشی سے کہو۔"وہ اسے اتنی آسانی سے بخشنے کے موڈ میں نہیں تھا۔

"آپ بہت اچھے ہیں۔"اب کی بار اس نے ہونٹوں کو بامشکل مسکراہٹ میں ڈھالے کہا تھا۔

"اور...؟"اس کی آنکھوں سے موتی چنتے وہ اس کے قریب بیٹھا تھا۔

"میں خوش ہوں آپ کے ساتھ...."وہ منہ بنائے بولی تھی۔

"اور...؟"

"اور آپ دنیا کے بیسٹ ہسبنڈ ہیں۔"

"اور...؟"بیڈ کراون سے ٹیک لگائے دونوں ہاتھ سر کے پیچھے رکھے وہ اسے مزید تعریف کرنے کا کہہ رہا تھا۔

"اور میں ہی بری ہوں۔آپ بہت اچھے ہیں۔"وہ غصے سے کہتی پیر پٹختی وہاں سے گئی تھی۔

"زندگی میں پہلی بار سچ بولا ہے تم نے..."پیچھے سے ہانک لگانا وہ نا بھولا تھا۔

---

گھر آتے ساتھ ہی وہ کمرے میں بند ہوئی تھی۔اپنا لیپ ٹاپ، موبائل اور انجیل مقدس اٹھائے وہ بستر پر آبیٹھی تھی۔اس مذہب کے بارے میں جاننے کا اشتیاق بڑھتا چلا جارہا تھا۔دین اسلام اسے آسانی سے میسر تھا اسی

وجہ سے اس نے قرآن مجید کے بجائے انجیل مقدس کو فوقیت دی۔انسانی فطرت ہے کہ جو چیز آسانی سے میسر ہو، ہم اس کی قدر نہیں کرتے۔اس کے چھین جانے پر ہمیں اس کی اہمیت کا احساس ہوتا ہے۔

اب وہ لیپ ٹاپ پر مسلسل مسیحت کے متعلق سرچ کر رہی تھی۔

"مسیحی کون ہوتا ہے؟"اس کے لیے پہلے یہ جاننا ضروری تھا۔

"مسیحی وہ شخص ہوتا ہے جو ابراہیمی، توحیدی اور یسوع مسیح کی زندگی اور تعلیمات پر مبنی مذہب کی پیروی کرتا ہے۔ مسیحی تثلیث کے عقیدے پر عمل کرتے ہیں مگر بعض فرقے اس کو نہیں مانتے۔"

"تثلیث، یہ تثلیث کیا ہوتا ہے؟"عینین کی زبان نے جیسے ہی جملہ ادا کیا تھا، ہاتھوں نے فوراً ٹائپ کیا تھا۔

"تثلیث کو انگریزی میں Ternity کہتے ہیں جس کا مطلب ہے"ایک میں تین"یا"تین میں ایک"۔ مسیحی خدا کو ایک ہی مانتے میں مگر ایک میں تین ہستیوں کو شامل کرتے ہیں۔ جن تین ہستیوں کو اس ایک میں شامل کیا جاتا ہے وہ اس طرح ہیں۔

خدا باپ (خدا)، خدا بیٹا (یسوع مسیح)، خدائے روح"وہ جیسے پڑھتی جا رہی تھی اس کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی جا رہی تھیں۔

"یہ کس قسم کا عقیدہ ہے؟ بنانے والا تو ایک ہے۔"اس نے جھنجھلا کر لیپ ٹاپ سائیڈ پر رکھا تھا۔پہلے ہی قدم پر اسے عجیب سی بے زاریت محسوس ہوئی تھی۔

"اس سے اچھے تو مسلمان ہوتے ہیں، جو بھی ہو کم از کم ایک معبود کو تو مانتے ہیں۔"وہ لاشعوری طور پر بول گئی تھی۔

"ریلیکس وانیہ! اتنی جلدی بدگمان مت ہو۔یقیناً اس مذہب میں کچھ خاص ہے تب ہی تو..."وہ آگے بول نہیں سکی تھی۔اس ہرجائی کا نام بھی لبوں پر لانا تکلیف دہ تھا۔

لیپ ٹاپ اور موبائل آف کیے اس نے انجیل مقدس کو الماری کے ایک کونے میں بہت احتیاط سے چھپادیا تھا۔

اب گہری سانس خارج کیے وہ بستر پر آلیٹی تھی۔اس کی طبیعت ویسے ہی ٹھیک نہیں رہتی تھی لہذا نیند کچھ ہی لمحوں میں اس پر غالب آئی تھی۔

---

دوپہر کے وقت وہ ڈرائیور کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ کر گئی تھی۔

"میم کہاں جانا ہے؟" وہ تیسری بار پوچھ رہا تھا۔

"قریبی گرجاگھر کی طرف لے چلو۔اصل میں میری دوست عیسائی ہے اور اس کا گھر وہیں قریب ہے تو اس لیے ہم وہاں مل رہے ہیں۔" اسے اپنے ڈرائیور کو وضاحت دینے کی ضرورت نہیں تھی مگر اس نے پھر بھی دی تھی۔دل اندر سے بے حد بے چین تھا مگر وہ پھر بھی مسیحت کی جانب قدم بڑھاتی جارہی تھی۔

چرچ کے باہر گاڑی رکتے وہ باہر آئی تھی۔یہ ایک چھوٹا سا گرجاگھر تھا۔چند سیڑھیاں چل کر اسے اندر جانا تھا۔پہلی سیڑھی پر قدم رکھتے ہی وہ ڈگمگائی تھی۔

"اللہ..." زبان سے خود بخود ہی ادا ہوا تھا۔ایک لمحے کے لیے اس کا دل چاہا کہ یہیں سے واپس لوٹ جائے مگر وہ واپس نہیں پلٹی تھی۔وہ من بھر کے قدم اٹھاتی اندر گئی تھی۔

اندر کا سارا فرش ماربل کا تھا۔کلیسا میں کرسیاں ترتیب سے رکھی ہوئی تھیں۔یہ سب مسیحی لوگوں کے لیے تھا۔

آگے جاتے ایک بہت بڑی سائز کی صلیب بنی ہوئی تھی۔ارد گرد بڑے بڑے گلدان پڑے ہوئے تھے جو کہ پھولوں سے سجے ہوئے تھے۔اس وقت گرجاگھر بالکل خالی تھا۔

وہ ننگے پیر اندر داخل ہوئی تھی۔ایک کرسی پر بیٹھتے اس نے گہری گہری سانسیں لیناشروع کی تھیں۔نجانے کیوں مگر آنکھوں سے آنسو رواں ہوئے تھے۔اپنے ہاتھوں سے بے دردی سے آنسو رگڑتے وہ بھاگتی ہوئی باہر گئی تھی۔

---

"تم بہت بہادر ہو سنیہا!"وہ اس کے کپڑے پریس کررہی تھی اور وہ آج صبح سے ہی اس کے سرپر مسلط تھا۔

"وہ کیسے؟"

"اگر کل کو مجھے کچھ ہو گیا تو مجھے یقین ہے کہ تم سب سنبھال لو گی۔"

"اور آپ کو کیا ہو گا؟"سنیہا نے بات ہوا میں اڑائی تھی۔

"مر بھی تو سکتا ہوں نا میں،تم بیوہ بھی تو..."ابھی نائل نے جملہ مکمل بھی نہیں کیا تھا کہ سنیہا نے اس کے لبوں پر اپنا ملائم ہاتھ رکھ دیا تھا۔

"فضول باتیں مت کریں۔"لہجے میں اس کی آواز بھرائی تھی اور آنکھوں سے موتی گرنا شروع ہوئے تھے۔

"میں مذاق کر رہا ہوں،رو تو مت اب..."اس کا ہاتھ ہٹاتے وہ حیرانگی سے گویا ہوا تھا۔اس قدر شدید رد عمل کی اسے بالکل توقع نہیں تھی۔

"بہت گھٹیا مذاق ہے۔اپ ہمیشہ مجھے تکلیف پہنچاتے ہیں۔محبت نا سہی کم از کم احساس ہی کر لیا کریں۔"وہ ہچکیوں سمیت شکوے بھی کر رہی تھی۔

"اچھا ٹھیک ہے،اب چپ ہو جاؤ۔"نائل نے اسے خود سے لگاتے کہا تھا۔

"میں آپ کے بغیر ایک پل بھی نہیں رہ سکتی۔"سنیہا نے بہت مضبوطی سے اس کی شرٹ جکڑی تھی،جیسے وہ کہیں چلا نا جائے۔

"ویسے اگر سوچو تو اچھا آپشن ہے یہ۔ جان چھوٹ جائے گی مجھ سے..."اب کی بار اس نے شرارت سے کہا تھا۔

"مجھے نہیں چھڑوانی جان۔ میں ایسے ہی ٹھیک ہوں۔"سنیہا کے آنسو اب بھی نائل کی شرٹ بھگو رہے تھے۔

"اتنی محبت مت کرو کہ بعد میں مشکل ہو جائے۔"

"کیسی مشکل؟"سنیہا نے سر اٹھا کر سرخ آنکھوں سے اس کی جانب دیکھا تھا۔

"کل نفرت بھی تو ہو سکتی ہے نا مجھ سے؟"اس کے آنسو صاف کرتے نائل نے اس کے چہرے کو ہاتھوں کے پیالے میں بھرا تھا۔

"یہ ناممکن ہے۔ میں آپ سے نفرت کر ہی نہیں سکتی۔"اس کے لہجے میں سمندر کی گہرائی سے زیادہ مان تھا۔

"یہ وقت بتائے گا۔"وہ عجیب طرز سے ہنسا تھا۔

"میں آج میں رہتی ہوں، کل کی پرواہ نہیں ہے مجھے..."

"لیکن مجھے ہے۔ میں بہت جلد اس سفر کا اختتام چاہتا ہوں لیکن کبھی کبھی ڈر بھی لگتا ہے کہ کہیں اختتام میری سوچ سے برعکس نا ہو۔"

"ہم انسان ہیں نائل، مستقبل کے بارے میں قیاس آرائی کرنا ہمیں زیب نہیں دیتا۔ مجھے نہیں پتا آپ کس سفر کی بات کر رہے ہیں مگر مجھے اللہ پر بھروسہ ہے۔ اس کے فیصلے ہمارے گماں سے ہٹ کر اور نہایت درست ہوتے ہیں۔ تو آپ کسی چیز کی فکر مت کریں۔"وہ ہر چیز سے بے خبر ہو کر بھی اس کی ڈھارس بن جاتی تھی۔ وہ ایک اچھی شریک حیات تھی۔ ہمیشہ اپنے شوہر کا ساتھ دینے والی...

"ویسے تم بھی مر سکتی ہو اور پھر مجھے چھبیسویں شادی کا پرمیٹ مل جائے گا۔" سنیہا کے گرد حصار مزید تنگ کرتے وہ لب دبائے گویا ہوا تھا۔ پہلے پہل اس کی آنکھوں میں حیرت ابھری تھی، پھر غصہ... پھر اس نے نائل کو پرے دھکیلا چاہا تھا مگر اس کی گرفت مضبوط تھی۔

"چھبیسویں شادی کا کیا مطلب ہے؟" جلن کے مارے سنیہا کا چہرہ سرخ پڑا تھا۔ نائل کو لال رنگ کبھی اتنا اچھا نہیں لگا تھا جتنا آج لگ رہا تھا۔

"مطلب یہ ہے کہ پچیس مرتبہ دلہا بن چکا ہوں میں..." اب کی بار اس نے بالکل سیریس انداز میں کہا تھا۔

"اسلام میں چار شادیاں جائز ہیں نا؟" وہ صدمے میں چلی گئی تھی۔

"مطلب چار تو کر سکتا ہوں نا میں؟؟"

"ہاں..."

"نہیں..." لاشعوری میں اقرار کرتے اس نے فوراً شعوری طور پر انکار کیا تھا۔

"پہلے تم نے ہاں کہا تھا۔" وہ اسے پریشان کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا تھا۔ شاید اسے پریشان کرنا نائل کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔

"میں نے پھر نا بھی کہا ہے۔" وہ زچ ہو رہی تھی۔

"لیکن پہلے ہاں کہا تھا۔ اب بیوی خود ڈھونڈو گی میرے لیے یا پھر یہ کام بھی مجھے ہی کرنا ہو گا۔" نائل نے گھیرا مزید تنگ کیا تھا۔

"میرے علاوہ کوئی نہیں جھیل سکتا آپ کو..." اس کے سینے پر ہاتھ رکھے سنیہا نے اسے پرے دھکیلنے کی ایک اور کوشش کی تھی۔

"ویسے پوائنٹ ہے۔" وہ اس کی بات سے متفق تھا۔

"اللہ تعالیٰ کو علم تھا نا کہ اس کھڑ دماغ شخص کو صرف سنیہا ہی سنبھال سکتی ہے اس لیے انہوں نے مجھے چنا۔" وہ مغرورانہ لہجے میں گویا ہوئی تھی۔

"کھڑ دماغ کسے کہا؟" آنکھوں کی پتلیاں سکیڑے نائل نے اس کی دونوں کلائیاں اس کی کمر کے گرد زور سے پن کی تھیں۔

"میرا مطلب ہے کہ اچھے اور شریف..." درد کی شدت کو محسوس کرتے سنیہا نے فورا بیان بدلا تھا۔

"شاباش..." اسے رہائی بخشتے وہ دور ہٹا تھا جبکہ وہ بیچاری تو اپنی نازک کلائیوں کو ہی دیکھ رہی تھی۔

"کڑوا کریلا..." منہ بناتے وہ بڑبڑائی تھی۔

"کیا کہا تم نے...؟" ابھی نائل نے الفاظ ادا ہی کیے تھے کہ وہ بھاگ کر کمرے سے باہر گئی تھی۔ مزید کوئی جھوٹی تعریف یا تشدد سہنے کا اس کا ارادہ نہیں تھا۔ وہ سر جھٹک کر ہنس دیا تھا۔

---

رات کے تقریبا دس بجے اس نے ہمت کر کے ایک بار پھر انجیل مقدس کھولی تھی۔

عہد نامہ قدیم میں پہلی کتاب کا نام پڑھتے وہ ٹھٹکی تھی۔

"پیدائش...." عینین کے لب ہلے تھے۔ اب اس نے جلدی سے اوراق پلٹتے انجیل مقدس کے آخری صفحے کھولے تھے۔

"مکاشفہ..." عہد نامہ جدید کی آخری کتاب کا نام مکاشفہ تھا۔ عینین نے گہری سانس خارج کی تھی۔ وہ انجیل ہی کی بات کر رہا تھا۔

انجیل مقدس جسے بائبل بھی کہا جاتا ہے دو عہد ناموں پر مشتمل ہے۔ "عہد نامہ قدیم اور عہد نامہ جدید...."

"یعنی تم چاہتے ہو کہ تمہارا ساتھ پانے کے لیے میں انجیل مقدس کا سفر طے کروں؟" وہ بے بسی سے آنکھیں میچ گئی تھی۔

"میں یہ کیوں کروں، آخر کیوں؟" اس نے کتاب کو نہایت احترام سے میز پر رکھا تھا۔

"تم نے مجھے دھوکہ دیا۔ تم نے جھوٹ بولا۔ تم نے میرا استعمال کیا۔ تم دوسری عورتوں کے ساتھ انوالو ہو۔ تم نے اپنا مذہب تبدیل کیا اور اب تم چاہتے ہو کہ میں تمہارے لیے اپنا دین چھوڑ دوں؟ نہیں عمر، میں یہ نہیں کروں گی۔ اب میں یہ نہیں کروں گی۔" سرخ آنکھوں کے ساتھ اس آنکھوں میں آئی نمی صاف کی تھی۔

"تم نے مجھے ایک گولی ماری تھی اب میں تمہیں چھ ماروں گی۔ میں تم سے انتقام لوں گی۔ اور جہاں تک بات ہے مذہب تبدیل کرنے کی... تو اگر میں نے یہ کیا تو تمہارے لیے نہیں بلکہ اپنے لیے کروں گی۔" وہ عہد کرتی بستر سے اٹھی تھی۔ ایک ڈائری اور پینسل اٹھائے وہ واپس بستر پر آبیٹھی تھی۔ بالوں کو جوڑے میں مقید کیے وہ ڈائری پر جھکی تھی۔ تقریباً آدھے گھنٹے تک وہ پینسل صفحے پر گھسیٹتی رہی تھی۔ کام مکمل ہونے کے بعد اس نے ایک نظر ڈائری کے صفحے پر ڈالی تھی۔ عینین کے لبوں پر مسکراہٹ رینگ آئی تھی۔ اس نے حاتم کے گھر کے ایک ایک کونے کا خاکہ بنایا تھا۔

"میں تمہیں برباد کر دوں گی حاتم خانزادہ عرف بلیک مونسٹر..." نجانے کیسے آنکھوں پر سے محبت کی پٹی ہٹ ہی گئی تھی۔ اب آنکھوں میں صرف انتقام کے شعلے بھڑک رہے تھے۔

---

"کیا میں اندر آسکتی ہوں؟" نائل کے کمرے کا دروازہ ناک کیے وہ مسکرا کر پوچھ رہی تھی۔

"میری جان..." اسے اس ہشاش بشاش موڈ میں دیکھ کر نائل کو شدید حیرت ہوئی تھی۔

"پلیز آئیں نا..." نائل کے کہنے پر وہ آکر اس کے گلے لگی تھی۔

"آج میرا بچہ تو بہت خوش لگ رہا ہے۔" نائل نے عقیدت سے اس کے سر پر بوسہ دیا تھا۔

"کیوں مجھے خوش نہیں رہنا چاہیئے؟" اس سے الگ ہوتے، دونوں ہاتھ کمر پر رکھتے عینین نے نائل کو گھورا تھا۔

"اللہ میری گڑیا کو ہمیشہ خوش رکھے۔" نائل کو آج اس پر ٹوٹ کر پیار آیا تھا۔

"بات کرنی تھی آپ سے، فری ہیں آپ؟"

"آپ کے لیے ہمیشہ..." عینین کے گرد حصار قائم کرتے نائل نے اسے بستر پر بٹھایا تھا۔

"بھائی میں نے سوچ لیا ہے کہ اب نہیں روؤں گی میں... بلکہ اب اسے رولانے کا وقت ہے۔ میں اب واقعی میں اس ملک کے لیے کچھ کرنا چاہتی ہوں۔ ہم پولیس کی مدد لے سکتے ہیں۔ میرے پاس اس کے خلاف کچھ ثبوت ہیں اور یہ اس کے گھر کا نقشہ ہے۔ شاید اس سے کچھ مدد مل جائے۔" اس نے ڈائری نائل کے سامنے رکھی تھی۔

"وانیہ آپ کو یہ سب کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں ہوں نا، میں دیکھ لوں گا سب..."

"بھائی آپ ایک عام انسان ہیں اور وہ بہت زیادہ خطرناک ہے۔ آپ اسکا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔" نائل نے بامشکل امڈتے قہقہے کو روکا تھا۔ اس کی بہن واقعی بے حد معصوم تھی۔

"میرا بچہ، آپ کے بھائی کسی سے کم نہیں ہیں۔ آپ اس وقت اپنی پڑھائی اور صحت پر دھیان دیں، باقی سب مجھ پر چھوڑ دیں۔" اس کی گال کھینچتے نائل نے مسکرا کر کہا تھا۔

"مگر بھائی..."

"مگر اگر کچھ نہیں میری جان، ڈاکٹر نے آپ کو سٹریس لینے سے منع کیا ہے نا، آپ بس ریلیکس رہیں۔"

"کیا آپ کو اس بچے سے نفرت محسوس نہیں ہوتی؟" وہ آج اس بات کو زبان پر لے ہی آئی تھی۔

"آپ نے ایسا سوچا بھی کیوں؟" وہ الٹا ناراض ہوا تھا۔

"یہ حاتم کی اولاد ہے۔"

"یہ میری وانیہ کی اولاد ہے اور میرے لیے خاص ہے۔" وہ رو دی تھی۔

"مجھے معاف کر دیں بھائی، میں نے ہمیشہ آپ کا دل دکھایا ہے۔ کبھی آپ کی کوئی بات نہیں مانی اور آپ نے ہمیشہ میرا ساتھ دیا۔" اس کی آنکھوں میں شرمندگی تھی۔

"مجھے آپ سے کوئی شکایت نہیں ہے۔ میں تو بس آپ کو خوش دیکھنا چاہتا ہوں۔" نائل اسے آج زندگی کی طرف لوٹتے دیکھ بے حد خوش تھا۔ عینین میں اس کی جان بستی تھی۔ وہ اسے ہمیشہ ایسے ہی مسکراتا ہوا دیکھنا چاہتا تھا۔

"میری خواہش ہے کہ میری اولاد بالکل آپ جیسی ہو۔" عینین کی بات پر نائل کی مسکراہٹ سمٹی تھی۔

"ایسی خواہش مت کریں کہ بعد میں پچھتانا پڑ جائے۔ میں ہرگز نہیں چاہتا کہ آپ کا بچہ ایک فیصد بھی میرے جیسا ہو۔ جو کچھ میرے ماں باپ نے برداشت کیا ہے، اللہ نا کرے کہ وہ آپ کو کرنا پڑے۔" اس نے ہمیشہ ہی اپنے والدین کو ناکوں چنے چبوائے تھے۔ نینا کو وہ پھر بھی بخش دیتا تھا مگر مصطفی کو اس نے اچھا خاصا زچ کیا تھا اور اس بات کا اقرار وہ بلا جھجک کرتا تھا۔

"بھائی آپ ایسا کیوں کہہ رہے ہیں؟ آپ بہت اچھے ہیں۔" کسی اور کے منہ سے تو دور وہ نائل کے منہ سے بھی اس کی برائی نہیں سن سکتی تھی۔

"وہ تو مجھے پتا ہے بس لوگ میری اچھائی کو سمجھ نہیں سکتے۔" نائل کے چہرے پر افسردگی چھائی تھی۔ واقعی میں اس کی اچھائی کسی کی بھی سمجھ سے باہر تھی۔

"بھابھی کب آئے گی بھائی؟" اس بات پر نائل نے نظریں چرائی تھیں۔

"میں نے بتایا تو تھا کہ وہ اپنے میکے گئی ہوئی ہے۔"

"وہ سب تو ٹھیک ہے بھائی مگر ہے کون، نام کیا ہے اور کس فیملی سے تعلق ہے؟ کہیں کسی فرنگن کو تو نہیں بیاہ لائے؟" اس کے خدشے پر وہ ہنس دیا تھا۔

"ایسا کچھ نہیں ہے۔ رہائش لندن کی ہے مگر فیملی کا تعلق پاکستان ہی سے ہے۔ سنیہا نام ہے۔"

"نکاح کی تصویریں دکھائے۔"

"تصویریں؟" وہ گڑ بڑا گیا تھا۔

"ہاں تصویریں..."

"وہ تو نہیں ہیں میرے پاس، مطلب تھیں مگر ڈیلیٹ ہوں گئی۔" اب وہ عینین کو یہ نہیں بتا سکتا تھا کہ تصویریں بنانے کی تو نوبت ہی نہیں آئی تھی۔ نکاح ہی اتنے انوکھے طرز سے ہوا تھا۔

"بھائی حد کرتے ہیں آپ..." وہ خفا ہوئی تھی۔

"شادی کے بعد کی تو تصاویر ہوں گی آپ کے پاس؟" نائل نے پیشانی مسلتے نفی میں سر ہلایا تھا۔ اس نے سنیہا کے ساتھ کبھی کوئی تصویر بنائی ہی نہیں تھی۔

"یہ کیسی لو میرج ہوئی؟" عینین کو نائل پر شدید غصہ آیا تھا۔

"نمبر دیں میں خود ہی ویڈیو کال کر لوں گی۔"

"اس کی کیا ضرورت ہے؟" وہ فوراً بولا تھا۔

"آپ نے شادی کر لی اور مجھے کیا یہ جاننے کا بھی حق نہیں کہ وہ کیسی دکھتی ہے؟" اس کے بگڑتے تیور دیکھ نائل نے فوراً اپنا موبائل نکالا تھا۔

"ایک منٹ شاید تصویر ہے میرے پاس ایک..." ساری گیلری کھنگالنے کے بعد بالآخر اس نے ایک تصویر ڈھونڈھ کر عینین کے سامنے کی تھی۔

"ہمم، دکھنے میں ٹھیک ٹھاک ہے۔ آپ کو اس سے بہتر مل سکتی تھی۔" اپنی بہن کے تبصرے پر وہ بدقت مسکرایا تھا۔

"اپنی بیوی سے کہیں کہ جلد از جلد سسرال پہنچے۔ نند ملنے کے لیے بے تاب ہے۔" وہ کہہ کر وہاں سے اٹھی تھی۔ نائل نے سر ہلانے پر ہی اتفاق کیا تھا۔

---

"عائزہ میری بات تو سنو..."

"نہیں سننا مجھے کچھ بھی..." وانیہ کب سے اس کے پیچھے چل رہی تھی مگر وہ اس کی بات سننے کو تیار ہی نہیں تھی۔

"یار ایسا تو مت کرو میرے ساتھ..." وانیہ بے بسی سے بولی تھی۔

"تم جو کر رہی ہو اس کا کیا؟ تم مذہب چھوڑ رہی ہو وانیہ..." عائزہ نے اسے یاد دلانا ضروری سمجھا تھا۔ اس وقت وہ دونوں چلتے چلتے اپنے ڈیپارٹمنٹ کے ہال کے قریب پہنچ گئے تھے۔

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے، ہم دوست ہیں اور دوستی میں مذہب اہمیت نہیں رکھتا۔ اگر میں اسلام کو چھوڑ کر مسیحت اپنا بھی لوں تو یہ بڑی بات نہیں ہے۔"

"السلام علیکم!" عائزہ کے جواب دینے سے پہلے ہی کسی کی آواز سے وہ دونوں متوجہ ہوئی تھیں۔ سیاہ رنگ کے عبایہ میں ملبوس وہ لڑکی چل کر ان تک آئی تھی۔

"وعلیکم السلام!" عائزہ نے مسکرا کر جواب دیا مگر آنکھوں میں حیرت اب بھی تھی۔

"شاید آپ لوگوں نے مجھے پہچانا نہیں، ہم پہلے بھی مل چکے ہیں۔ میرا نام آمنہ ہے۔ کافی عرصہ پہلے اسی جگہ پر لیکچر کے بعد ہماری ملاقات ہوئی تھی۔"

"جی جی مجھے یاد آگیا۔" ذہن پر تھوڑا زور ڈالنے کے بعد بالآخر عائزہ کو یاد آہی گیا تھا۔ یہ وہی لڑکی تھی جس سے وانیہ نے اللہ کی موجودگی کے بارے میں سوال کیا تھا۔

"کوئی مسئلہ ہے کیا؟"

"نہیں ہمیں کوئی مسئلہ نہیں ہے اور تم براہ مہربانی ہمارے معاملے میں ٹانگ نا اڑاؤ۔" وانیہ بولنے پر آئی تھی تو تمام تر لحاظ بھول بیٹھی تھی۔

"وانیہ..." عائزہ نے اسے گھورا تھا مگر اس پر اثر کہاں ہوا تھا۔

"میں معذرت خواہ ہوں مگر میں آپ کی باتیں سن چکی ہوں۔"

"اس لیے آپ اپنا رہنمائی کا لیکچر دینے آگئی یہاں..." اس حالت میں اسے بہت موڈ سوئیگز ہوتے تھے۔ جو لحاظ وہ پہلے کرتی تھی، اب وہ بھی کرنا چھوڑ دیے تھے۔

"آپ غلط سمجھ رہی ہیں۔"

"میں مسیحت اپناؤں یا اسلام... یہ میری مرضی ہے۔ میں عاقل اور بالغ ہوں۔ اپنا اچھا برا سمجھتی ہوں۔ مجھے کون سا مذہب چننا ہے اور کون سا نہیں یہ میرا فیصلہ ہے۔ اور ابھی تو میں ریسرچ کر رہی ہوں، اگر حق لگا تو ہی یہ مذہب چنوں گی۔" وہ سرخ پڑتے چہرے کے ساتھ ایک ہی سانس میں بول گئی تھی۔

"میں بھی تو یہی کہنے آئی تھی کہ آپ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہو۔ آپ کو انہیں سمجھنا چاہیئے۔" وانیہ کو چھوڑ وہ عائزہ کی جانب متوجہ ہوئی تھی۔ اس بات پر دونوں ہی دنگ رہ گئی تھیں۔

"اگر آپ اپنا مذہب تبدیل کرنا چاہتی ہیں تو یہ بالکل بھی غلط نہیں ہے۔ آپ کو اس کا حق ہے۔" وانیہ کی آنکھوں میں عجیب سی چمک ابھری تھی۔ اسے شاید پہلی بار اپنا حمایتی ملا تھا۔

"اگر آپ چاہے تو میں آپ کی مدد کر سکتی ہوں۔" وہ اسے کھلے دل سے دعوت دے رہی تھی۔

"یہاں پر سب ہی پاگل ہیں۔"افسوس سے نفی میں سر ہلاتے عائزہ پیر پٹختی وہاں سے گئی تھی۔

"بیٹھ کر بات کریں؟"

"کیوں نہیں..."وہ بالکل ہلکی پھلکی ہوئی تھی۔اسے اب آمنہ اتنی بری نہیں لگی تھی۔وہ دونوں چل کر یک بار پھر اسی جگہ آئے تھے جہاں وہ کئی مہینے پہلے بھی آ چکے تھے۔

"تمہیں دیکھ کر لگا نہیں تھا کہ تم مجھے سمجھو گی۔"وہ اب کافی فرینک انداز میں گویا ہوئی تھی۔

"انسان کو کبھی بھی اس کے حلیے سے جج نہیں کرنا چاہیئے وانیہ، تم جس مذہب کو چننا چاہتی ہو تم چن لو مگر پہلے ایک سوال کا جواب دو۔"وانیہ کے ماتھے پر بل پڑے تھے۔

"یہ سب تم کسی کی محبت پانے کے لیے کر رہی ہو نا؟"اس کے لیے یہ پتا لگانا زیادہ مشکل نہیں تھا۔دین سے غافل، اپر کلاس سے تعلق رکھنے والی کافی لڑکیاں یہ قدم اٹھاتی تھیں۔

وہ ایک لمحے کے لیے ساکت ہوئی تھی پھر اس نے نظریں چرائی تھیں۔آمنہ کو اس کی خاموشی سے اپنا جواب مل گیا تھا۔

"میرے خیال سے تمہیں یہ فیصلہ کسی کے لیے نہیں بلکہ اپنے لیے کرنا چاہیئے۔"

"اول تو یہ میرا ذاتی فیصلہ ہے اور دوم میں یہ اب اس کے لیے نہیں بلکہ اپنے لیے کرنا چاہتی ہوں۔مجھے اب واقعی حق کی تلاش ہے۔"

"تم بائبل کو حق سمجھتی ہو؟"

"نہیں میں بس اسے پڑھنا چاہتی ہوں۔ہو سکتا ہے کہ وہ حق نا ہو۔اس کے بعد اور مذاہب کی کتابیں پڑھ لوں گی۔"آمنہ نے افسوس سے گہری سانس خارج کی تھی۔یعنی وہ ہر مذہب کی کتاب پڑھنے کو تیار تھی، سوائے قرآن کے...

"اسلام کیوں چھوڑنا چاہتی ہو؟"

"کیونکہ اس میں بہت جھول ہیں۔ خاص طور پر قرآن میں، نہایت غیر منطقی کتاب ہے۔" وہ اپنی جگہ سے تھوڑا آگے ہوتے جیسے آمنہ کو یقین دلانا چاہتی تھی۔

"تم نے قرآن پڑھا ہے؟"

"نہیں مگر مجھے پتا ہے۔"

"یہ تو بالکل غیر منطقی بات ہے۔ کل اگر کوئی تم سے اس مذہب کو چھوڑنے کی وجہ پوچھے تو کم از کم تمہارے پاس کوئی ٹھوس سبب ہونا چاہیئے۔"

"مطلب...؟" وانیہ نے سوالیہ نظروں سے اس کی جانب دیکھا تھا۔ کمرے میں موجود مدھم روشنی اس کی سنہری آنکھوں میں منعکس ہو رہی تھی۔

"مطلب یہ کہ میرے خیال سے تمہیں قرآن پڑھنا چاہیئے۔ ترجمے اور تفسیر کے ساتھ، غور و فکر کرنا چاہیئے تا کہ تمہارے پاس اس مذہب کو چھوڑنے کی ٹھوس وجوہات ہوں۔" وانیہ گہری سوچ میں ڈوبی تھی۔

"تم بائبل پڑھو مگر اس سے پہلے قرآن پڑھو۔ اس میں غلطیاں ڈھونڈھنا چاہتی ہو تو ڈھونڈو۔ اگر مل جائے تو چھوڑ دینا اور اگر نا ملے تو اسے تھام لینا..." وہ ایسے کئی لوگوں کو پہلے بھی ہینڈل کر چکی تھی۔ وہ لوگوں کی سائیکی کے مطابق انہیں ڈیل کرتی تھی۔ وانیہ کی سائیکی بھی وہ سمجھ گئی تھی۔

"کیا سوچ رہی ہو وانیہ، کیا تمہیں لگتا ہے کہ تم کوئی غلطی نہیں ڈھونڈھ سکو گی؟" اب کی بار وہ چیلنجنگ انداز میں گویا ہوئی تھی۔

"میں اتنی ذہین ہوں کہ ایک کیا ہزار غلطیاں نکال سکتی ہوں۔" اس کے لہجے میں غرور چھلکا تھا۔

"چلو یہ تو وقت بتائے گا۔" اب وہ جان بوجھ کر اسے ضد دلا رہی تھی۔

"میں وانیہ آفندی ہوں، کوئی عام لڑکی نہیں... ایک ہفتہ، صرف ایک ہفتہ... اتنی غلطیاں نکال کر تمہارے سامنے رکھوں گی کہ تم نظریں بھی نہیں ملا سکو گی۔" اپنا بیگ اٹھائے وہ غصے سے باہر کی جانب بڑھی تھی۔

آمنہ سر جھٹک کر مسکرا دی تھی۔

ہدایت ہر کسی کو پلیٹ میں سجی ہوئی نہیں ملتی۔ کچھ لوگوں کو آسانی سے مل جاتی ہے تو کچھ کو بہت مشکل حالات سے گزرنے کے بعد... لیکن ملتی انہیں ہی ہے جن کے دل میں کہیں نا کہیں اسے پانے کی جستجو ہو۔ وہ خاص لوگ جنہیں اللہ چن لیتا ہے اور ان پر اپنے قرب کے دروازے کھول دیتا ہے۔

---

اب وہ ایک بار پھر بک شاپ پر گئی تھی مگر اب انجیل مقدس کے بجائے اس نے ترجمے والا قرآن پاک خریدا تھا۔ کمرے میں آتے ساتھ ہی اس نے قرآن کو احتیاط سے ایک اونچی شیلف میں رکھ دیا تھا۔ اس کتاب کا بوجھ انجیل مقدس سے کئی زیادہ تھا۔ وہ اسے کھول نہیں پا رہی تھی۔

اب وہ پچھلے آدھے گھنٹے سے ادھر سے ادھر چکر لگا رہی تھی۔

"ایک بار کھولنے میں کیا حرج ہے۔" اس نے ہمت کرتے قرآن پاک کو اٹھایا تھا۔ اس کے ہاتھ ایک لمحے کے لیے کپکپاتے تھے۔ اسے ایسا لگا تھا جیسے کسی نے اس کے دونوں ہاتھوں میں پہاڑ جتنا وزن رکھ دیا ہو۔ ڈھڑکتے دل کے ساتھ وہ صوفے پر آ بیٹھی تھی۔ اب اس نے پہلا صفحہ کھولا تھا۔

"سورۃ فاتحہ..." اس کے لب ہلے تھے۔

"فاتحہ مطلب...؟" فوراً موبائل اٹھائے وانیہ نے سرچ کیا تھا۔

"اردو میں فاتح کا مطلب جیتنے والا ہے۔ یعنی ایسا شخص جو فتح حاصل کر لے۔ یہاں پر فاتحہ کیوں لکھا ہے؟" وہ کشمکش کا شکار ہوئی تھی۔

"کیا قرآن کی پہلی سورۃ کا مطلب جیت ہے؟"

"نہیں مجھے نہیں لگتا..."اس نے ایک بار پھر فون اٹھا کر سرچ کیا تھا۔ تقریباً پندرہ منٹ مختلف ویب سائٹس کھنگالنے کے بعد اسے اپنے مطلب کی بات مل ہی گئی تھی۔

وانیہ نے بھاگ کر اپنی ڈائری اور پین اٹھایا تھا۔

"عربی میں فاتحہ کا مطلب آغاز اور افتتاح ہے۔ مطلب قرآن پاک کا آغاز اس سورۃ سے ہوا ہے۔"ڈائری پر پہلا نقطہ لکھ کر اس نے ڈائری سائیڈ پر رکھی تھی۔

اب اس نے ایک بار پھر قرآن پاک کھولا تھا۔

"بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

ترجمہ:

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا، نہایت مہربان ہے۔"

وانیہ ٹھٹکی تھی۔

"ایک ساتھ تین نام..."اس نے پین کو دانتوں تلے دبایا تھا۔

"اللہ، الرحمان اور الرحیم..."اسے اچھے سے یاد تھا کہ اس نے کہیں بہت پہلے اسماء حسنیٰ ضرور پڑھے تھے۔

"اللہ کا کیا مطلب ہے؟"ذہن میں پہلا سوال اٹھا تھا۔ یہ آغاز تھا، سوالات کا...

اس نے ایک بار پھر سرچ کیا تھا۔ اب وہ ڈائری اٹھائے پھر کچھ الفاظ گھسیٹ رہی تھی۔

"حقیقی معبود..."اس نے بڑبڑاتے ہوئے لکھا تھا۔

"یعنی اللہ عزوجل اس ذات کو کہا جاتا ہے جو حقیقی معبود ہے جو تمام مخلوق پر عبادت وبندگی کا حق رکھتا ہے۔" وہ اس کام میں اتنی مگن تھی کہ بھول ہی بیٹھی تھی کہ وہ قرآن سمجھنے نہیں بلکہ اس میں غلطیاں ڈھونڈھنے بیٹھی ہے۔

اس کتاب کی خوبصورتی ہی یہی ہے جو ایک بار اسے کھول لے اور سیکھنے کی چاہ کے ساتھ اسے سمجھے تو یہ کتاب پھر اس شخص پر کھلتی ہی چلی جاتی ہے۔ درحقیقت قرآن ایک سمندر ہے جس میں جو انسان جتنا گہرا غوطہ لگائے گا اتنا ہی استفادہ حاصل کرے گا۔

---

وہ صرف "اللہ" کے نام کی ہی اتنی گہرائی میں تحقیق کر چکی تھی کہ اس کا دماغ پھٹنے لگا تھا۔ اس نے نہایت بیزاریت سے قرآن واپس رکھ دیا تھا۔ قرآن پاک واپس رکھنے کے بعد اس نے کافی کا بڑا مگ پیا تھا۔ آج کے دن وہ اس کتاب کو دوبارہ ہرگز نہیں کھولنا چاہتی تھی۔ سات دن کا چیلنج اس نے قبول تو کر لیا تھا مگر ایک دن میں وہ ایک نام کی گہرائی جان کر ہی تھک گئی تھی۔ اسے قرآن ایک بوجھ لگا تھا۔

ابھی وہ تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد نائل کے کمرے میں گئی تھی۔ ارادہ اس کے ساتھ کہیں باہر جانے کا تھا۔ اسے کمرے میں نا پا کر وہ واپس مڑی ہی تھی کہ موبائل کی بیپ کی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی تھی۔

وانیہ نے آگے بڑھ کر موبائل اٹھایا تھا۔ سنیہا کا نام جگمگاتے دیکھ اس نے نائل کو آواز دینے کے لیے لب کھولے تھے مگر پھر اچانک ہی دماغ میں زبردست آئیڈیا آیا تھا اور لبوں پر شریر مسکراہٹ....

اسے وہ وقت یاد آیا تھا جب اس نے نائل کو کال کی تھی اور سنیہا نے ریسیو کی تھی اور اسے نجانے کیا کیا سنائی تھی۔

"ہیلو..." وانیہ نے آواز تبدیل کر کے نہایت میٹھے لہجے میں بولا تھا۔

"کون...؟"رات کے تقریبا دس بجے نائل کے فون سے کسی لڑکی کی چاشنی بھری آواز سن کر سنیہا کا دل زور سے دھڑکا تھا۔

"یہ تو آپ بتائیں نا کہ آپ کون ہیں اور اتنی رات کو کیوں ڈسٹرب کیا ہے؟"وانیہ نے لب دبائے بامشکل امڈتے قہقہے کو روکا تھا۔

"یہ... یہ نائل کا نمبر ہے نا؟"اس کی زبان لڑکھڑائی تھی۔

"جی جی یہ میرے ہسبنڈ کا ہی نمبر ہے اور اب دوبارہ یوں آفس کے کام کے لیے فون نا کیا کریں۔ہم ڈسٹرب ہو جاتے ہیں۔"

"ہسبنڈ....؟"اس بیچاری کے پیروں تلے تو معنوں زمین کھسکی تھی۔

"ہاں نا،لو میرج ہوئی تھی ہماری... جان چھڑکتے ہیں مجھ پر اور پتا ہے پیار سے کیا بلاتے ہیں مجھے؟ خیر میں خود ہی بتا دیتی ہوں۔وہ نا پیار سے مجھے میری جان اور میرا بچہ کہتے ہیں۔کتنا رومانٹک ہے نا...؟مطلب انگلش میں تو لوگ بے بی بولتے ہیں مگر اردو میں میرا بچہ کتنا اچھا لگتا ہے نا...؟"سنیہا شکست خور حالت میں بستر پر گری تھی۔آنکھوں میں بے یقینی کے ساتھ آنسو بھی امڈ آئے تھے۔

"تم... تم صوفی ہو؟"اس نے کپکپاتے لبوں سے پوچھا تھا۔

"ہاں صوفی ہی ہوں۔"سنیہا کے ہاتھ سے فون چھوٹ کر گرا تھا۔وہ ہاتھوں میں چہرہ چھپائے پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

"تھوڑا زیادہ ہو گیا مگر خیر کوئی نہیں۔بھائی اب آپ اپنی خیر منائے۔"سنیہا کا نمبر اپنے موبائل میں سیو کرتے وانیہ نے نائل کے فون سے نا صرف کال ہسٹری ڈیلیٹ کی تھی بلکہ سنیہا کا نمبر بھی بلاک کر دیا تھا۔

دونوں کی زندگی میں آگ لگائے اب وہ پر سکون سے انداز میں اپنے کمرے کی جانب بڑھی تھی۔اس کے جانے کے تھوڑی دیر بعد نائل کمرے میں داخل ہوا تھا۔وہ سٹڈی روم میں کافی دیر کام کرتا رہا تھا اب وہ سونا چاہتا تھا۔لیمپ آف کیے آنے والے طوفان سے بے خبر اس نے آنکھیں موندی تھیں۔

---

آج اتوار کے روز وانیہ صبح دیر سے اٹھی تھی۔سورج کی کرنیں سیدھا اس کی کھڑکی سے کمرے کے اندر داخل ہوئی تھیں۔انگڑائی لیتے وہ مسکرا کر اٹھی تھی۔دماغ کے پردے پر کل رات کا منظر لہرایا تھا۔بیڈ کراون سے ٹیک لگاتے اس نے اپنا فون اٹھایا تھا۔سنیہا کا نمبر ڈائل کرتے وہ ایک بار پھر مسکرادی تھی۔وہ جو ساری رات روتی رہی تھی، فون کے بجنے کی آواز سے ہوش میں آئی تھی۔غیر شناسہ نمبر دیکھ کر اس نے کال کاٹ دی تھی مگر تیسری بیل پر اسے مجبوراً فون اٹھانا ہی پڑا تھا۔

"ہیلو کون؟"اس کی آواز سے صاف ظاہر تھا کہ وہ کس قدر رنجیدہ ہے۔

"ہائے! میں وانیہ بات کر رہی ہوں۔"

"کون...؟"وہ اس وقت سوچنے سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتی تھی۔

"آپ کی نند..."

"وانیہ...؟"سنیہا کو حیرت ہوئی تھی۔

"بھائی کے موبائل سے آپ کا نمبر لیا تھا۔وہ اصل میں یہ کنفرم کرنا تھا کہ آپ سچ میں میری بھابھی ہیں نا؟"دائیں ہاتھ کی انگلی میں ایک جھولتی لٹ کو گھمائے وہ مسرور کن لہجے میں گویا ہوئی تھی۔

"مطلب...؟"ساری رات رونے کی وجہ سے اس کی آواز بیٹھی ہوئی تھی اور آنکھیں شب بیداری کی وجہ سے سرخ تھیں۔

"مطلب یہ کہ بھائی کی اتنی گرل فرینڈز ہیں تو بس میں کنفرم کرنا چاہ رہی تھی کہ آپ..." سنیہا سانس نہیں لے سکی تھی۔ نجانے کون کون سا انکشاف اس پر ہونا باقی تھا۔

"کتنی گرل فرینڈز ہیں تمہارے بھائی کی؟" اس کی بھرائی آواز سنتے ایک لمحے کے لیے وانیہ کو دکھ ہوا تھا مگر پھر بھی وہ پیچھے نہیں ہٹی تھی۔

"کبھی گنی نہیں میں نے..." وہ لاپرواہی سے گویا ہوئی تھی۔

سنیہا کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ کہیں ڈوب کر مر جائے۔ کتنی آسانی سے وہ شخص اسے بیوقوف بنا تا رہا تھا۔

"ویسے آپ تو لندن میں نہیں تھیں۔ نمبر تو پاکستان کا ہی شو ہو رہا ہے؟" سنیہا نے سختی سے آنکھیں میچی تھیں۔ اپنی بیوی سے تو کیا وہ تو اپنی بہن سے بھی جھوٹ بولتا رہا تھا۔

"یہ سوال تم اپنے بھائی سے پوچھنا..." کہتے ساتھ ہی اس نے کھٹاک سے فون بند کیا تھا۔ دوسری جانب وانیہ کا قہقہہ چھوٹا تھا۔

"بھائی آپ کو تو اب بھابھی ہی پوچھے گی۔" وہ اپنے کارنامے کے نتائج سوچ کر ہی مسکرا دی تھی۔

---

آفس سے فری ہونے کے بعد وہ فارم ہاؤس کے لیے روانہ ہوا تھا۔ گھر، آفس، کام اور فارم ہاؤس... نائل بالکل گھوم کر رہ گیا تھا۔ گاڑی ڈرائیو کرتے اس کے لبوں کو مسکراہٹ نے چھوا تھا۔ ہر کام اسے خود ہی ہینڈل کرنا ہوتا تھا سوائے سنیہا کے... یہ سچ تھا کہ وہ اس کے لیے باعث سکون ثابت ہوئی تھی۔ وہ اچھے سے جانتا تھا کہ اگلے چند گھنٹے نہایت اس کے لیے پرسکون گزرنے تھے اور سنیہا کے لیے مشکل... اسے پریشان کر کے وہ اچھا محسوس کرتا تھا۔

"یار کپڑے تو نکال دو۔" کمرے میں آتے ہی بستر پر ڈھتے نائل نے اپنا سر پکڑے کہا تھا۔

"پھر ایک زبردست سی کافی بنا دینا، سر میں شدید درد ہے۔" وہ پلنگ پر ہی بیٹھی ہوئی تھی جب وہ اس کے قریب آ کر لیٹا تھا۔

"جوتے اتار دوں پہلے؟" نائل کو دیکھنے سے اس نے گریز ہی کیا تھا۔ لہجہ کاٹ دار تھا مگر نائل نے محسوس نہیں کیا تھا۔

"آج سے پہلے کبھی اتروائے ہیں میں نے؟" مسکرا کر اس کا ہاتھ تھامتے وہ لبوں سے لگا گیا تھا۔ اگر اس وقت وہ غصے میں نا ہوتی تو یقیناً اس کی اس حرکت پر جھنپ جاتی۔

"میں اپنی خوشی سے کہہ رہی ہوں؟" اس کا لہجہ اب بالکل سپاٹ تھا۔ افسوس کہ نائل نے اس کے بگڑے تاثرات آج نوٹ نہیں کیے تھے۔

"اس کی ضرورت نہیں ہے۔ بس کپڑے نکال دو۔" وہ نہایت نرمی سے گویا ہوا تھا۔

"جیسا آپ کہیں۔" وہ ایک تیکھی مسکراہٹ کے ساتھ بستر سے اٹھی تھی۔ الماری سے کپڑے نکالے اس نے غصے سے نائل کے منہ پر دے مارے تھے۔ وہ ہکا بکا اٹھ کر بیٹھا تھا۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے؟" پل میں اس کا پارہ ہائی ہوا تھا۔

"بدتمیزی تو نہیں ہے، محبت ہے۔ جو میں نے کی آپ سے اور آپ نے کی اس ڈائن صوفی سے..." وہ چلا اٹھی تھی۔ نائل کا دماغ بالکل سن ہوا تھا۔ اتنے عرصے بعد پھر وہ اسے درمیان میں لے آئی تھی۔

"کیا کہہ رہی ہو؟" نائل کی سمجھ میں اس وقت کچھ نہیں آ رہا تھا۔

"جب وہ آپ کی زندگی میں تھی تو مجھ سے کیوں شادی کی؟"

"تمہیں ہو کیا گیا ہے؟ کتنی دفعہ سمجھایا ہے کہ اس کا ذکر مت کیا کرو۔" وہ بھی غصے سے بستر سے اٹھا تھا۔

"کیوں نا کروں، آپ مجھے چھوڑ کر اس کے ساتھ رہتے ہیں۔ مجھے دھوکہ دیتے ہیں۔ کیوں نائل کیوں؟" روتے روتے اس کی ہچکیاں بندھ گئی تھیں۔

"سنیہا تم آخر کہنا کیا چاہتی ہو؟" وہ بالکل شاکڈ تھا۔

"یہی کہ مجھے ایک ہی بار مار دیں۔ روز روز مارنے سے اچھا ہے، ایک ہی بار جان لے لیں میری..."

"سنیہا..." نائل نے آگے بڑھ کر اسے چھوا تھا۔

"ہاتھ مت لگائیں مجھے..." اس کا ہاتھ جھٹک کر وہ پیچھے ہٹی تھی۔

"پیار سے اسے میری جان، میرا بچہ بلاتے ہیں۔ بات ہوئی ہے میری صوفی سے آپ کے نمبر پر، سب پتا چل گیا ہے مجھے..." ہاتھوں میں منہ چھپائے وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

"صوفی سے...؟" وہ حیران و پریشاں رہ گیا تھا۔

"یہ ناممکن ہے۔ تمہارے کنیکشن کیا جنت تک ہیں؟" نائل نے اپنی پیشانی مسلتے بے بسی سے اس کی جانب دیکھا تھا۔ وہ نا تو خود چپ ہو رہی تھی اور نا ہی اسے خود کو چھونے دے رہی تھی۔

"وہ زندہ ہے۔ آپ نے جھوٹ بولا مجھ سے... میری خود بات ہوئی ہے اس سے..." وہ اپنے گال رگڑتی ایک بار پھر چلائی تھی۔

"کب ہوئی تمہاری بات...؟"

"کل رات کو..." اب جا کر کہیں نائل کو سب سمجھ آنے لگا تھا۔

"وانیہ..." وہ میری جان اور بچہ کہہ کر تو اسے ہی بلاتا تھا۔

پل میں اس کا چہرہ سرخ پڑا تھا۔ اسے وانیہ سے اس حرکت کی امید نہیں تھی۔

"میں آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گی نائل!" وہ روتے ہوئے دروازے کی جانب بڑھی تھی۔

"سنیہا میری بات سنو۔ میں تمہیں سب سمجھاتا ہوں۔" نائل بھی چل کر اس کی جانب گیا تھا۔

"میں کچھ نہیں سننا چاہتی۔ آپ پلیز چلے جائیں یہاں سے ورنہ میں خود کو نقصان پہنچا لوں گی۔" اس کا دماغ اتنا بڑا صدمہ برداشت نہیں کر پا رہا تھا۔

"سنیہا دیکھو ایک دفعہ تحمل سے میری بات سن لو پھر بے شک غصہ کر لینا۔" وہ چل کر اس کے مزید قریب گیا تھا۔ وہ دروازے کے دہانے پر کھڑی تھی۔

"مجھے کچھ نہیں سننا۔" اس نے نائل کو اپنی پوری قوت سے دھکیلا تھا۔ وہ دو قدم دور ہوا تھا۔ اسے ہوش تب آیا تھا جب اس کے منہ پر دروازہ بند ہو چکا تھا۔ وہ اسے دو قدم ہی پیچھے دھکیل سکی تھی لیکن وہ دو قدم کمرے سے باہر کے تھے۔ اب وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے بند دروازے کو دیکھ رہا تھا۔

"میرے منہ پر دروازہ بن کر دیا۔" اس کی آنکھوں میں بے یقینی کا سمندر تھا۔

"یعنی مجھے، نائل آفندی کو کمرے سے نکال دیا۔ تم بہت بری بیوی ہو سنیہا..." سنیہا اس کے ساتھ ایسا سلوک کرے گی یہ اس نے سوچا بھی نہیں تھا۔ وہ یہاں سکون کے لیے آیا تھا اور آج سکون نے پھولوں کے ساتھ اس کا استقبال کیا تھا۔

لاؤنج میں کچھ دیر ٹہلنے کے بعد اس نے شدید غصے کی حالت میں وانیہ کو کال ملائی تھی۔ اس کا نمبر بند جا رہا تھا۔ نائل کو مزید طیش آیا تھا۔

---

"سنیہا میرا یقین کرو ایسا کچھ نہیں ہے۔" کافی دیر منتیں کرنے کے بعد وہ بالآخر دروازہ کھلوانے میں کامیاب ہو ہی گیا تھا۔ اور وہ اسے وضاحتیں پیش کر رہا تھا مگر وہ تو آج کچھ بھی سننے کی روادار نہیں تھی۔

"جو نام تم مجھے بتا رہی ہو ان ناموں سے تو میں نے کبھی کسی لڑکی کو نہیں بلایا۔ میں ایک میچور شخص ہوں سنیہا، کوئی ٹین ایجر نہیں... یہ سب وانیہ کی کارستانی ہے۔" نائل نے لب بھینچے ایک بار پھر اسے کال ملائی تھی۔ اس بار دوسری ہی بیل پر کال ریسیو کر لی گئی تھی۔

"کہاں تھیں آپ؟" اس نے فون کو سپیکر پر رکھا تھا۔

"یونیورسٹی تھی۔ پتا نہیں کیسے فون بند ہو گیا۔ آپ کی کالز آئی تھیں، خیریت؟" وانیہ کی آواز سنتے سنیہا بھی فون کی جانب متوجہ ہوئی تھی البتہ چہرہ اب بھی آنسوؤں سے تر تھا۔

"کل رات آپ نے میرے فون سے سنیہا کی کال ریسیو کی تھی؟" وانیہ بالکل سن ہو گئی تھی۔

"ہاں یا نہ؟" اب کی بار اس کا لہجہ سخت تھا۔

"ہاں کی تھی مگر..."

"شرم نہیں آئی آپ کو یہ سب کرتے ہوئے، ایسی تربیت تو نہیں کی میں نے آپ کی... آپ نے ان سے کیوں کہا کہ آپ صوفی ہیں اور صوفی کے بارے میں کیا جانتی ہیں آپ؟" اس کا لہجہ سخت سے سخت ہوتا جا رہا تھا۔

"بھائی میں نے بس مذاق کیا تھا۔" وانیہ کی آواز بھرا گئی تھی۔

"یہ نہایت گھٹیا مذاق ہے۔ ابھی اور اسی وقت سنیہا کو کال کریں اور اس سے معافی مانگے۔" اپنی کہہ کر نائل نے فوراً کال کاٹ دی تھی۔ دوسری طرف وانیہ بالکل دنگ رہ گئی تھی۔ اس نے غصے سے اپنا فون دیوار پر پٹخا تھا۔

"معافی مانگتی ہے میری جوتی..." غصے سے اس کا تنفس بری طرح پھول گیا تھا۔

"اب یقین آیا تمہیں؟" اب تو پوں کا رخ سنیہا کی جانب تھا۔

وہ خاموشی سے نظریں جھکائے لب کتر رہی تھی۔

"شک میں بھی کر سکتا ہوں۔یقین کرو اگر میں نے ایسا کیا تو تم سے برداشت نہیں ہو گا۔"اس کے قریب بیٹھے وہ حد درجہ نرم لہجے میں گویا ہوا تھا۔سنیہا کو کبیر والا واقعہ یاد آیا تھا۔وہ صحیح کہہ رہا تھا،وہ یہ برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

"میں یہ تمہیں آخری بار بتا رہا ہوں کہ میری زندگی میں تمہارے سوا اور کوئی نہیں ہے۔جو تھا وہ ماضی تھا۔اور اگر پھر بھی تمہیں کبھی بھی مجھ سے کوئی بھی مسئلہ ہوتا ہے تو اس طرح تماشہ لگانے کے بجائے مجھ سے آرام سے بیٹھ کر بات کرنا... میں تم سے جھوٹ نہیں بولوں گا،کم از کم اس معاملے میں..."اس کے لہجے میں کوئی سختی نہیں تھی اور نا ہی کوئی ناراضگی...وہ بس اسے سمجھا رہا تھا۔

"سوری!"وہ مدھم آواز میں سر جھکائے گویا ہوئی تھی۔

"تمہارا حق ہے مجھ پر مگر پلیز شک مت کیا کرو۔"اس نے آہستگی سے اس کا ہاتھ تھامتے کہا تھا۔

"آپ کو وانیہ سے ایسے بات نہیں کرنی چاہیئے تھی۔"نائل نے بے یقینی سے اس کی جانب دیکھا تھا۔

"اس نے جو کیا اس کے بعد بھی...؟"

"وہ بہن ہے آپ کی،آپ کو ایسے بات نہیں کرنی چاہیئے تھی۔"

"عجیب عورت ہو تم... یہ حرکت بالکل غلط تھی۔اور مجھے اپنے کہے پر بالکل پچھتاوا نہیں ہے۔"یہ چھوٹے چھوٹے مذاق ازدواجی زندگی کو برباد کرنے کے لیے کافی ہوتے ہیں۔اگر شوہر اور بیوی کے درمیان کوئی مسئلہ ہو جائے تو عقلمندی یہی ہے کہ بیٹھ کر ایک دوسرے کے شک و شبہات دور کر دیے جائے۔

"اب کھانے کو کچھ ملے گا یا پھر گالیوں سے ہی پیٹ بھرنا پڑے گا۔"اس کے سارے موڈ کا بیڑا غرق ہو گیا تھا جس وجہ سے اب وہ چڑچڑا ہو رہا تھا۔

"میں نے آپ کو کب گالیاں دیں؟"

"تو دے دو۔"

"مجھے نہیں آتی۔" سنیہا نے معصومیت سے اس کی جانب دیکھا تھا۔

"کہتی ہو تو سکھا دیتا ہوں۔" وہ تپ کر بولا تھا۔

"استغفر اللہ!" وہ منہ بناتے بستر سے اٹھی تھی۔ گہری سانس خارج کرتے وہ ایک بار پھر بستر پر ڈھے گیا تھا۔

---

"کس قدر چالاک عورت ہے۔ میرے بھائی کو میرے خلاف کر دیا۔ چھوڑوں گی نہیں میں اسے..." وہ پچھلے آدھے گھنٹے سے اپنے کمرے میں ادھر سے ادھر چکر لگا رہی تھی۔ اس آدھے گھنٹے میں وہ سنیہا سے اچھا خاصا بدگمان ہو چکی تھی۔

فون کی بیل کی آواز پر اس نے چونک کر کارپیٹ پر گرے فون کی جانب دیکھا تھا۔ وہ چل کر وہاں گئی تھی۔ جھک کر فون اٹھاتے اس کی آنکھوں میں خون چھلکنے لگا تھا۔

"اب بھی کوئی کسر رہتی ہے جو فون کیا ہے؟" سنیہا کے کچھ بولنے سے پہلے ہی وہ پھٹ پڑی تھی۔

"وانیہ میں..." اس نے تو ہمدردی میں فون کیا تھا مگر اس کے کٹیلے انداز پر وہ دنگ رہ گئی تھی۔

"میری سوچ سے زیادہ چالاک ہیں آپ، مجھے لگا تھا شاید ہم دوست بن سکتے ہیں مگر نہیں... آپ نے تو روایتی بھابھی بننا تھا نا..." وہ عجیب طرز سے ہنسی تھی۔

"میں نے آپ سے صرف مذاق کیا تھا۔ بعد میں اپنی غلطی کا احساس ہوا مجھے، اور میں نے معافی بھی مانگی آپ سے، پھر بھی آپ نے بھائی کو سب بتا دیا۔"

"میں کچھ سمجھی نہیں؟" سنیہا کا دماغ بالکل ماؤف ہوا تھا۔ اسے تو ایسا کچھ بھی یاد نہیں تھا۔

"وائس میسج کیا تو تھا میں نے آپ کو، اس کے باوجود بھی آپ نے بھائی کو میرے خلاف بھڑکایا۔"

"وائس میسج؟" سنیہا کو اچانک ہی یاد آیا تھا کہ صبح وانیہ کا میسج آیا تھا مگر بیٹری لو ہونے کی وجہ سے وہ سن نہیں سکی تھی۔

"وانیہ میں نے نہیں سنا تھا۔ آئی۔ ایم۔ رئیلی سوری!" اسے اب شدید افسوس ہو رہا تھا۔ وہ تو یہ ہرگز نہیں چاہتی تھی کہ نائل اور اس کی بہن کے درمیان کوئی کلیش ہو۔

"جھوٹ مت بولے، آپ نے وائس نوٹ سین کیا تھا۔" وانیہ نے جھنجھلا کر کال کاٹی تھی۔ سنیہا ہیلو ہیلو ہی کرتی رہ گئی تھی۔ اس نے سین کیا تھا مگر وہ پڑھ نہیں سکی تھی۔

"آہ..." بستر پر بیٹھتے وانیہ نے اپنا پیٹ پکڑا تھا۔ وہ شدید درد محسوس کر رہی تھی۔

"یہ درد ختم کیوں نہیں ہوتا۔" پچھلے کچھ دنوں سے وہ پیٹ میں درد محسوس کر رہی تھی۔ وانیہ نے اس طرف زیادہ توجہ نہیں دی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ شاید پریگنینسی میں ایسا ہی ہوتا ہے۔

---

مشعلوں کی روشنی میں کمرہ اب بھی روشن تھا مگر پھر بھی اس جگہ میں کچھ عجیب تھا۔ ایک عجیب سی وحشت اور خوف... یہاں ہزاروں لوگوں کی سانسیں چھینی گئی تھیں۔ انہیں بے دردی سے موت کے گھاٹ اتارا گیا تھا۔ اب بھی وہ ایک شخص کو اذیت ناک موت دینے والا تھا مگر اس سے پہلے اس کی زبان کھلوانا زیادہ ضروری تھا۔

"کیا نام ہے تمہارا؟" سگریٹ کا کش لیتے حاتم نے دلچسپی سے پوچھا تھا۔

"احمر..." جواب ہمیشہ کی طرح آج بھی وہی تھا۔ حاتم سر کو خم دیے ہنس دیا تھا۔

"میں تمہیں ٹارچر کر کر کے تھک گیا ہوں۔ کیا تم مار کھا کھا کر نہیں تھکے؟" وہ خاموش رہا تھا۔ ان چند دنوں میں کون سا ایسا ستم تھا جو اس نے احمر پر نہیں ڈھایا تھا مگر وہ پھر بھی اپنے بیان پر قائم تھا۔

"دیکھو جلدی سے سچ اگل دو تا کہ میں تمہیں موت دے سکوں۔"

"جو سچ تھا وہ میں بتا چکا ہوں۔" اس کی آنکھیں اب بھی آدھ بند تھیں۔

"ٹھیک ہے تو پھر میں تمہیں ویسے ہی مار دیتا ہوں جیسے میں نے اپنی نین کو مارا تھا۔"

"میں کسی نین کو نہیں جانتا۔" وہ بے بسی سے چلایا تھا۔

"وانیہ کو تو جانتے ہو نا؟" آدھ کھلی آنکھیں اب پوری کھلی تھیں۔

"جانتے ہو میں نے کیا کیا اس کے ساتھ؟" اب کی بار احمر نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔

"میں نے اسے کئی دن بھوکا پیاسا رکھا، بہت ٹارچر کیا، بہت زیادہ..." احمر نے سرخ آنکھوں سے مٹھیاں بھینچی تھیں۔

"پھر زندہ دفن کر دیا۔" اس کے ہاتھوں کی نسیں پھولتی جا رہی تھیں۔

"وہ رو رہی تھی، چلا رہی تھی۔"

"جان سے مار دوں گا میں تمہیں..." ایک ہی پل میں خود کو رسیوں سے آزاد کرواتے وہ حاتم پر جھپٹا تھا۔

اس کے آدمیوں نے آگے بڑھ کر اسے روکنا چاہا تھا مگر حاتم نے انہیں ہاتھ کے اشارے سے روک دیا تھا۔

"اتنے دنوں سے بندھے ظلم و ستم سہہ رہے ہو اور اب ایکدم سے خود کو آزاد کروا لیا۔" وہ متاثر ہوا تھا

"وانیہ کہاں ہے؟" حاتم کا گریبان اب بھی احمر کے ہاتھ میں تھا۔

"ایک شوہر سے اس کی بیوی کے بارے میں پوچھ رہے ہو؟" اس کے ہاتھ کو گھماتے حاتم نے اسے پرے دھکیلا تھا۔

"مجھ سے میری بیوی کے بارے میں پوچھ رہے ہو۔" حاتم نے اسے گردن سے دبوچے اس کا سر میز پر پٹخا تھا۔ ضرب اتنی شدید تھی کہ میز کے دو ٹکڑے ہو گئے تھے۔ احمر کے ماتھے سے خون رسنے لگا تھا۔

"وہ میرا عشق ہے، میرا جنون ہے۔" اب کی بار احمر نے اس کی گرفت سے خود کو آزاد کرواتے ایک گھونسہ اس کے پیٹ میں مارا تھا۔

"تمہاری ہمت کیسے ہوئی میری بیوی کے بارے میں اس قسم کی بات کرنے کی..." حاتم تو آپے سے باہر ہی ہو گیا تھا۔

دونوں ہی ایک دوسرے کو بری طرح مار رہے تھے۔ کوئی اور ہوتا تو بلیک مونسٹر کی ایک ہی ضرب میں چت ہو جاتا مگر وہ مضبوط اعصاب کا مالک تھا۔ اس قدر ٹارچر ہونے کے بعد بھی وہ ہر وار کا جواب دے رہا تھا۔

"وانیہ کہاں ہے؟"

"وہیں جہاں اسے ہونا چاہیئے۔ مار دیا میں نے اسے..." حاتم نے اپنے آدمیوں سے کہہ کر اسے دوبارہ کرسی پر بندھوایا تھا مگر اس بار اسے زنجیروں سے جکڑا گیا تھا۔

"جھوٹ بول رہے ہو تم، اگر وہ زندہ نہ ہوتی تو تم بھی زندہ نہ ہوتے۔ نائل مار دیتا تمہیں..." وہ کسی صورت قابو نہیں آ رہا تھا۔ اتنے دنوں کی خاموشی آج وانیہ کے متعلق سنی گئی بات سے ختم ہوئی تھی۔

"یعنی نائل کو بھی جانتے ہو۔" حاتم استہزایہ ہنسا تھا۔

"سچ سچ بتاؤ کون ہو تم؟"

"شاہین ہو نا...؟" حاتم نے اس کا منہ دبوچے پوچھا تھا۔

"بتاؤ..." اس کی ناک پر مکہ مارے وہ دھاڑا تھا۔ احمر کا سارا چہرہ ہی خونم خون ہو چکا تھا۔

اس کی دھاڑ پر جواباً وہ ہنسا تھا اور پھر ہنستا ہی چلا گیا تھا۔ حاتم کو وہ ایک لمحے کے لیے پاگل لگا تھا۔

"شاہین...اور وہ بھی میں..." اس کمرے میں اب اس کے قہقہوں کی آوازیں گونج رہی تھیں۔اس کمرے کی درودیوار گواہ تھی کہ وہ پہلا شخص تھا جو اس جگہ، اس حال میں اس طرح ہنس رہا تھا۔

حاتم کو اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ واقعی کوئی عام شخص نہیں ہے اور وہ یقیناً ضرورت سے زیادہ ہی جانتا ہے۔

"ماردو مجھے..." کچھ دیر بعد وہ حاتم کی آنکھوں میں دیکھتے گویا ہوا تھا۔آنکھوں میں موجود وہ مصنوعی خوف کہیں غائب ہی ہو گیا تھا۔

"نا ماروں تو...؟"

"تو پھر میں تمہیں ماردوں گا۔" لہجہ پُر اعتماد تھا۔

"تم اس وقت میرے رحم و کرم پر ہو۔" حاتم نے اسے یاد دلانا ضروری سمجھا تھا۔

"ہم سب اللہ کے رحم و کرم پر ہیں۔ کل کیا ہو گا کسے معلوم...اس لیے آج ہی ماردو ورنہ..." وہ اس ہی کی قید میں اسے ہی دھمکا رہا تھا۔

"نام کیا ہے تمہارا؟" حاتم نے ایک بار پھر پوچھا تھا۔

"احمر..." وہ مسکرا کر گویا ہوا تھا۔

"کہاں رہتے ہو؟" تحمل کا مظاہرہ کرتے اس نے اگلا سوال پوچھا تھا۔

"انڈیا، کلکتہ..." حاتم اس کی کرسی کو ٹھڈا مارتے غصے سے باہر آیا تھا۔

---

"الرحمان کا مطلب عام رحمت اور الرحیم کا مطلب خاص رحمت...." وہ پھر سے کاغذ پر کچھ الفاظ گھسیٹ رہی تھی۔

"عام رحمت جو سب پر ہو خواہ وہ جو بھی ہو۔ مثلاً ہوا، پانی، روشنی وغیرہ سب کے لیے... اور خاص رحمت مثلاً ایمان، بنوت وغیرہ... بعض مفسرین کے مطابق خاص رحمت اللہ قیامت کے دن اپنے خاص بندوں پر کرے گا۔" وہ ایک بار پھر کھو سی گئی تھی۔ اب اس کے پاس اس کتاب میں غلطیاں ڈھونڈھنے کے لیے چھ دن بچے تھے۔

اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ ریسرچ کرتی اس کے پیٹ میں شدید درد اٹھا تھا۔ وانیہ کا جی گھبرانے لگا تھا۔ اپنے منہ پر ہاتھ رکھے وہ واش روم کی جانب بھاگی تھی۔ اسے ابکائی آئی تھی مگر اصل حیرت تو اسے تب ہوئی تھی جب اس نے اپنے ہاتھ پر خون لگا دیکھا تھا۔ اس نے دیوار پر لگے آئینے میں اپنا عکس دیکھا تھا۔ اس کی ناک اور منہ سے خون بہہ رہا تھا۔

"آہ..." پیٹ میں ایک بار پھر ناقابل برداشت درد اٹھا تھا۔ وہ کراہتے ہوئے وہیں واش بیسن کے پاس بیٹھتی چلی گئی تھی۔

"یہ مجھے کیا ہو رہا ہے؟" درد کی شدت بڑھتی ہی جا رہی تھی۔

وہ تقریباً پندرہ منٹ وہیں بیٹھی کراہتی رہی تھی پھر بامشکل دیوار کا سہارا لے کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ منہ پر کچھ پانی کے چھینٹے ڈالنے کے بعد وہ ٹاول سے منہ پونچھتے بوجھل قدموں سے باہر گئی تھی۔

"کہیں مجھے کوئی بیماری تو نہیں؟" پیٹ پر ہاتھ رکھے وہ بستر پر بیٹھی تھی۔

"نہیں نہیں! میں وانیہ آفندی ہوں۔ کوئی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ مجھے کچھ نہیں ہو سکتا۔ یہ شاید پریگنینسی کی وجہ سے ہے۔" خود کو تسلی دیتے وہ بستر پر چت لیتی تھی۔ گہری گہری سانسیں لیتے وہ کب نیند کی وادیوں میں کھوئی تھی، اسے خبر نہ ہوئی تھی۔

---

"سنیہا ایک بات پوچھوں تم سے؟" وہ بستر پر لیٹا ہوا تھا اور سنیہا بھی اس کے سینے پر سر رکھے اس کے قریب ہی لیٹی تھی بلکہ یہ کہنا زیادہ درست تھا کہ نائل نے زبردستی اسے لٹایا تھا۔ اب وہ اسے اٹھنے نہیں دے رہا تھا۔

"جی پوچھیں..." اس نے اتنی زور سے اس کی کمر کے گرد حصار قائم کیا تھا کہ سنیہا کو درد محسوس ہونے لگا تھا۔ وہ اچھے سے جانتی تھی کہ یہ کچھ دیر پہلے کیے گئے سلوک کا بدلہ تھا مگر بقول نائل کے وہ اسے اپنا قیمتی وقت دے رہا تھا۔

"محبت کرتی ہو نا مجھ سے...؟"

"نہیں...!" اس کا دم اب گھٹنے لگا تھا۔ عجیب پاگل شخص تھا وہ، جو اسے ہمیشہ ہی تکلیف پہنچاتا تھا۔

"سوچ لو۔" نائل نے دوسرے ہاتھ سے اس کے بالوں کو ذرا سا کھینچا تھا۔

"آہ..." وہ آنکھیں میچے کراہی تھی۔

"نائل پلیز چھوڑ دیں۔" یہ منت تھی۔

"پیار کر رہا ہوں تمہیں، وقت دے رہا ہوں۔ تمہیں تو خوش ہونا چاہیئے۔"

"آپ پلیز پیار نا کریں مجھے، بس چھوڑ دیں۔" وہ بے بسی سے گویا ہوئی تھی۔ وہ تو اسے سر اٹھانے بھی نہیں دے رہا تھا۔

"جیسی تمہاری مرضی..." نائل نے اسے آہستگی سے خود سے جدا کیا تھا۔ رہائی ملتے ہی اس نے گہری گہری سانسیں لیتے خود کو نارمل کیا تھا۔ اب اس نے بے یقینی سے نائل کی جانب دیکھا تھا جو کہ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے مسکرا کر اس کو دیکھ رہا تھا۔

سنیہا تھوڑا پیچھے کی جانب کھسکی تھی۔ اپنے سرتاج کی یہ مسکراہٹ اسے کسی خطرے سے پہلے کی خاموشی ہی لگی تھی۔

"پاس آؤ..." نائل نے ہاتھ بڑھا کر اسے اپنے پاس بیٹھنے کا کہا تھا۔ وہ دبک کر مزید پیچھے ہٹی تھی۔

"اب تو پیار سے بلا رہا ہوں۔" سنیہا نے زور و شور سے نفی میں سر ہلایا تھا۔

"آجاؤ نا میری جان..." اس کے اسطرح بلانے پر سنیہا کا دل بس باہر آنے کو تھا۔ جسم کا سارا خون سمٹ کر چہرے پر آیا تھا۔

"کیا ہوا تم نہیں چاہتی کہ میں ایسے ناموں سے بلاؤں؟" وہ ازلی سنجیدگی سے گویا ہوا تھا۔

"نائل اب بس کر دیں پلیز!" وہ صحیح معنوں میں تنگ آئی تھی۔

"اوکے ٹھیک ہے۔ ادھر آؤ۔" گہری سانس خارج کرتے وہ اٹھ کر بیٹھا تھا اور اس نے ساتھ ہی سنیہا کو بھی ہاتھ پکڑ کے اپنے پاس بٹھایا تھا۔

"محبت ہمیشہ آزمائش مانگتی ہے۔ مجھے کچھ دنوں میں ایک ضروری کام سے باہر جانا ہے۔ واپسی کا کچھ نہیں کہہ سکتے۔ تم سے ایک درخواست ہے۔" نائل نے اس کا ہاتھ تھامتے نرمی سے سہلایا تھا۔

"میں تم سے جو بھی کہوں گا تم بغیر کسی سوال کے میری بات مانو گی اور چاہے کچھ بھی ہو جائے، ساری باتوں پر عمل کرو گی۔" سنیہا کی آنکھوں میں تشویش ابھری تھی۔ نجانے وہ اس قسم کی گفتگو کیوں کر رہا تھا۔

"مانو گی نا؟" اس کے ہاتھ پر دباؤ دینے پر سنیہا نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

وہ اب کہتا گیا تھا اور وہ دم سادھے چپ چاپ سنتی گئی تھی۔

"تم سمجھ گئی ہو نا؟" اپنی بات کے اختتام پر نائل نے سوالیہ آبرو آچکا کر اسے دیکھا تھا۔ سنیہا نے ایک بار پھر اثبات میں سر ہلایا تھا جبکہ اس کی آنکھوں میں سوالات کا سمندر تھا مگر وہ ایک بھی سوال زبان پر نا لائی تھی۔

"اب اس سب کو کسی تعویز کی طرح گھول کر پی لو۔"

"مگر اس سب کی وجہ..."

"جاننا ضروری نہیں ہے تمہارے لیے۔ بس جتنا کہا ہے اتنا کرو۔" اس کے ڈپٹنے پر وہ منہ بسور کر خاموش ہو گئی تھی۔

---

"اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۞" پہلی ہی آیت پر وہ ٹھٹکی تھی۔

"الحمد..." وہ زیر لب بڑبڑائی تھی۔ اب اس نے تیزی سے قرآن کے اوراق الٹتے آخر صفحہ کھولا تھا۔

"والناس..." آخری لفظ پڑھتے وانیہ کا دل زور سے دھڑکا تھا۔

"الحمد سے والناس..." اس کے لب ایک بار پھر ہلے تھے۔

"میں نے کیا ہے پیدائش سے مکاشفہ تک کا سفر... کیا تم نے کیا ہے الحمد سے والناس تک کا سفر...؟"

"نہیں کیا نا...؟"

"پھر تم کیسے کہہ سکتی ہو کہ تم مسلمان ہو؟"

"جاؤ پہلے جا کر اپنا سفر مکمل کرو پھر بات کرنا مجھ سے...!" اسے حاتم کی باتیں یاد آئی تھیں۔ وہ قرآن کی بات کر رہا تھا۔

ایکدم سے اسے کوئی اور بھی یاد آیا تھا۔ کسی کی کہی بات اس کے ذہن کے نقشے پر آج پھر سے ابھری تھی۔

"الحمد کا مطلب پتا ہے تمہیں؟" وہ ہاتھ میں کیمرہ پکڑے مختلف اینگلز سے قدرت کے مناظر کو مقید کر رہا تھا۔

"حمد مطلب تعریف نا...؟" اس کے ساتھ چلتے وانیہ نے سوچ کر کہا تھا۔ درختوں کے زرد پتے ان کے قدموں میں بچھے ہوئے تھے۔ ان پتوں پر قدم رکھتے وہ دونوں ایک دوسرے کے سنگ آگے بڑھ رہے تھے۔

"ہاں حمد مطلب تعریف مگر الحمد کا معنی صرف تعریف نہیں ہے کیونکہ یہاں ہم کسی انسان کا نہیں بلکہ اللہ کا ذکر کر رہے ہیں۔" کیمرے میں ایک اور خوبصورت منظر قید کرتے احمر نے مسکرا کر وانیہ کی جانب دیکھا تھا۔

"میں سمجھی نہیں...؟" اسے ان چیزوں میں کہاں دلچسپی تھی۔ وہ تو بس احمر کو سننا چاہتی تھی۔ اس کا لہجہ عسل سے زیادہ شیریں اور محسور کن تھا۔

"حمد کا معنی کسی نیک صفت کی تعریف کرنا۔ مدح کا معنی ہر قسم کی تعریف... ہم کہہ سکتے ہیں کہ مدح کا معنی عام اور حمد کا معنی خاص ہے۔ ایک تیسری چیز بھی ہوتی ہے جسے شکر کہتے ہیں۔ شکر کا معنی پتا ہے تمہیں؟" اب وہ سیڑھیاں چل کر اوپر جارہے تھے۔ وہاں نہایت خوبصورت اور لمبے زینے تھے۔ ان پر بھی پتے بکھرے پڑے تھے۔ یہ منظر آنکھوں کو بے حد دلکش لگ رہا تھا۔ یہاں سے اوپر پل تھا اور نیچے پانی بہتا تھا۔

"تم بتادو۔" اپنا گھیرے دار فراک سنبھالتے وہ پھولے تنفس سے آگے بڑھ رہی تھی جب اچانک ہی اس کا پیر پھسلا تھا۔ احمر نے فوراً اسے سہارا دیا تھا۔ اس سب میں اس کا کیمرہ نیچے گر گیا تھا۔

"تمہارا کیمرہ ٹوٹ گیا۔" وانیہ کو صدمہ پہنچا تھا۔

"کوئی بات نہیں، اگر تمہیں چوٹ لگ جاتی تو میرا دل نا صرف ٹوٹتا بلکہ پھٹ جاتا۔" وہ کچھ دیر بے یقینی سے اسے دیکھتی رہی تھی پھر وہ کھلکھلا اٹھی تھی۔

"انڈین ہو، بولی وڈ مو ویز نا دیکھی ہوں یہ تو نا ممکن ہے۔" وہ اس کی بات مذاق میں اڑاتی آگے بڑھی تھی۔ احمر نے جھک کر اپنا کیمرہ اٹھایا تھا۔ وہ بری طرح ٹوٹ چکا تھا۔ اسے شدید افسوس ہوا تھا مگر اگر وانیہ گر جاتی تو اسے زیادہ دکھ ہوتا۔

"شکر کا معنی بتارہے تھے تم؟" وہ اس کانچ کے بنے پل پر بہت احتیاط سے قدم بڑھا رہی تھی۔ نیچے پانی کی لہریں ٹھاٹھیں مار رہی تھیں۔ ایسا گمان ہوتا تھا جیسے جذبات کا ایک سمندر بہہ رہا ہو۔

"شکر کے معنی محدود ہیں۔ شکر صرف انعام و احسان کے مقابلے میں تعریف کو کہتے ہیں۔" اپنا ٹوٹا کیمرہ جوڑنے کی کوشش کیے وہ اس کے پیچھے چل رہا تھا۔

"یہ ساری فلاسفی تو ٹھیک ہے مگر تم نے الحمد کا مطلب نہیں بتایا۔" وہ اب اس کی جانب پلٹی تھی۔ بھور بل کھاتی زلفوں کی چند لٹوں نے اس کے چہرے کو چھوا تھا۔

اس کے سوال پر وہ سر کو خم دیے ہلکا سا مسکرایا تھا۔

"الحمد پر الف اور لام استغراق ہیں جس کا معنی یہ ہوا تمام تر حمد و ثناء صرف اللہ ہی کے لیے ہے۔" وانیہ نے منہ بنائے اسے دیکھا تھا۔ اس کے پلے کچھ بھی نہیں پڑا تھا۔

"تم آخر قرآن کیوں نہیں پڑھتی؟" اس نے افسوس سے سرد آہ بھری تھی۔

"اگر قرآن میں یہ سب فلاسفی لکھی ہے تو پھر مجھے تو معاف ہی کرو۔" اس نے کندھے آچکا کر ہاتھ کھڑے کیے تھے۔

"چلو آسان لفظوں میں بتاتا ہوں تمہیں... مجھے تصاویر کھینچنے کا شوق ہے۔ اگر کوئی پرندہ مجھے خوبصورت لگے گا تو میں اس کی تصویر کھینچوں گا، کیوں؟" اس نے سوالیہ آبرو ریز کرتے سوال پوچھا تھا۔

"سیدھی سی بات ہے کیونکہ وہ تمہیں خوبصورت لگا۔" وہ اب اس کی جانب دیکھے مسلسل پیچھے کی جانب قدم اٹھا رہی تھی۔

"جب کوئی چیز دل کو اچھی لگتی ہے تو ہم کیا کرتے ہیں؟" قدم بڑھاتے اس نے اگلا سوال پوچھا تھا۔ وہ سیدھا چلتا آگے بڑھ رہا تھا جبکہ وانیہ اس سے تھوڑا آگے اسی کی جانب رخ کیے الٹا چل رہی تھی۔

"ہم اس کی تعریف کرتے ہیں۔" احمر کے لبوں کی مسکراہٹ گہری ہوئی تھی۔

"مجھے کوئی پرندہ خوبصورت لگے گا تو میں اس کی تعریف کروں گا لیکن کیا مجھے اس سے یہ نہیں کہنا چاہیئے کہ تمہارا شکریہ اتنا خوبصورت ہونے کے لیے؟" وانیہ کے ماتھے پر سلوٹیں پڑی تھی۔

"ایسا کون کہتا ہے؟" اس نے منہ بنائے نیچے پانی میں پڑتی سنہری روشنی کو دیکھتے کہا تھا۔

"صحیح کہہ رہی ہو، ہم یا تو کسی کی تعریف کرتے ہیں یا پھر ہم اس کے کسی احسان کے بدلے میں شکر کرتے ہیں مگر یہاں بات کسی انسان یا جاندار کی نہیں ہو رہی، یہاں بات رب العالمین کی ہو رہی ہے۔ تمام جہانوں کی رحمت و ثناء صرف اسی کے لیے ہے۔" احمر کی بات کے اختتام پر وانیہ کے قدم رکے تھے اور چہرے پر کچھ اطمینان بکھرا تھا۔ اب اسے سمجھ آ گئی تھی۔

"قرآن پڑھا کرو وانیہ، میں چاہتا ہوں تم یہ کرو۔" احمر کی بات یاد کرتے اس کی آنکھیں بھیگ گئی تھیں۔

"مجھے معاف کر دو احمر، تم میرے بہت اچھے دوست تھے۔ مجھے تمہیں نہیں بلانا چاہیئے تھا اور تمہیں نہیں آنا چاہیئے تھا۔" وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

"یہ واحد چیز ہے جس کہ لیے میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی عمر... باقی سب شاید میں معاف کر دوں مگر احمر کی موت نہیں..." اسے ایک بار پھر درد کا احساس ہوا تھا۔ اس نے قرآن پاک ایک طرف رکھ دیا تھا۔ وہ کچھ دیر بعد اسے کھولنے کا ارادہ رکھتی تھی۔ دن گزرتے جا رہے تھے اور وہ ابھی ایک بھی غلطی نہیں ڈھونڈھ سکی تھی۔ اس نے یہ کوشش ہی نہیں تھی۔ ایک ہی بار میں پورا قرآن پڑھ کر اس میں غلطیوں کا فتویٰ دینے کے بجائے وہ ایک ایک لفظ پر بہت گہرائی میں غور و فکر کر رہی تھی۔ یہ سب وہ اس لیے کر رہی تھی تاکہ کل جب وہ کسی کے سامنے قرآن کی غلطیاں لے کر جائے تو اس کے پاس کم از کم اتنے دلائل ہوں کہ کوئی اسے راضی نا کر سکے۔

کچھ دیر آرام کرنے کے بعد اس نے دوبارہ قرآن پاک کھولا تھا۔

"اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝"

اس نے پھر سے وہ آیت پڑھی تھی۔ اب کی بار اس نے ساتھ ترجمہ بھی پڑھا تھا۔

ترجمہ:

سب تعریف اللہ کے لیے ہے جو سارے جہانوں کا پالنے والا ہے۔

"جہانوں... جہانوں کا کیا مطلب ہوا؟" وہ بری طرح ٹھٹکی تھی۔ الحمد کا مطلب تو اسے احمر نے سمجھایا تھا مگر اب آگے کی مسافتیں اسے تنہا ہی طے کرنے تھی۔

"دنیا تو ایک ہی ہے تو پھر یہاں العلمین کیوں لکھا ہے؟ یہاں تو عالم لکھا ہونا چاہیئے۔" قرآن کی پہلی ہی آیت اسے سوچنے پر مجبور کر گئی تھی۔

اب اس نے اس چیز پر سرچ کرنا شروع کیا تھا۔ سرچ کرتے کرتے چار گھنٹے گزر گئے تھے مگر کوئی بھی جواب اسے تسلی بخش نہیں لگا تھا۔

"کس قدر عجیب کتاب ہے۔ یعنی عالم کی جگہ سیدھا عالمین... یہ تو کہیں سے بھی کلام الٰہی نہیں لگتی۔" قرآن پاک بند کیے اس نے واپس اوپر ایک شیلف میں رکھا تھا۔

"اس کتاب میں کوئی ربط ہی نہیں ہے۔ میں کیوں اس پر اپنا وقت ضائع کروں؟ یہ عجیب اور غیر منطقی ہے۔" وہ اب خود کو مختلف جھوٹ بول کر بہلا رہی تھی۔ درحقیقت اس کی محدود ذہانت اس عظیم کتاب کی وسعت نہیں جان پا رہی تھی جس وجہ سے اب وہ خود کے بجائے قرآن پاک کو غلط کہہ رہی تھی۔

---

"کیوں خود پر ظلم کر رہے ہو؟ چپ چاپ سچ اگل دو اور اس قید سے بلکہ اس زندگی سے ہی رہائی پالو۔" وہ ایک بار پھر احمر سے ملنے آیا تھا۔ حاتم نے اپنی طرف سے اس کے بارے میں ساری انفارمیشن نکالی تھی مگر کوئی تسلی بخش چیز اسے نہیں مل سکی تھی۔ اب ایک ہی حل تھا کہ وہ خود اپنی زبان کھول دے جو کہ وہ کسی قیمت پر نہیں کھول رہا تھا۔

"جو سچ تھا بتا چکا ہوں۔ اب مجھے مار کر قصہ ختم کرو۔" وہ اسے اس انداز میں کہہ رہا تھا جیسے خود کو مارنے کی نہیں بلکہ کافی پیلے کی آفر دے رہا ہو۔

"آئی۔ایس۔آئی ایجینٹ ہو؟" حاتم نے اسے بالوں سے دبوچتے پوچھا تھا۔ وہ خاموش ہی رہا تھا۔

"یا پھر را؟" اب کی بار وہ ہنس دیا تھا۔

"خود کو بلیک مونسٹر کہتے ہو مگر پھر بھی کیا بے بسی ہے، ایک قید میں موجود شخص سے اس کی شناخت کی بھیک مانگ رہے ہو۔" حاتم نے غصے سے اس کے منہ پر مکا جڑا تھا۔

"کھولو اسے..." سرد آواز میں حکم دیتے وہ پیچھے ہٹا تھا۔ ایک آدمی نے فوراً اسے ان زنجیروں سے آزاد کروایا تھا۔ وہ اب بھی لاغر وجود کے ساتھ کرسی پر پڑا ہوا تھا۔ صبح سے اس کے جسم کے ہر حصے پر اتنا تشدد کیا گیا تھا کہ وہ ایک انگلی تک ہلانے کی سکت بھی نہیں رکھتا تھا۔

"مار کیوں نہیں دیتے مجھے... اپنے رقیب کے ہاتھوں مرنے کا مزا ہی کچھ اور ہے۔ تمہیں بھی اپنے رقیب کو مار کر سکون ملے گا۔" وہ اسے جان بوجھ کر طیش دلا رہا تھا۔

"بکواس بند کرو اپنی۔ تم میرے رقیب نہیں ہو بلکہ تم کچھ بھی نہیں ہو کیونکہ نین نے ہمیشہ میری محبت کا دم بھرا ہے۔ وہ بچپن سے میری ہے۔" اس کا منہ دبوچے وہ غرایا تھا۔ وہ ویسے ہی غصے کا تیز تھا اور نین کے معاملے میں اس کا غصہ اور بڑھ جاتا تھا۔

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟ معاملہ تو دل کا ہے نا، وانیہ کا دل جس طرح سے میرے لیے دھڑکتا ہے تمہارے لیے ڈھڑک ہی نہیں سکتا۔" حاتم کا صبر یہیں جواب دے گیا تھا۔ اس نے پاس پڑا بڑے سائز کا پھتا اٹھا کر زور سے اس کے چہرے پر مارا تھا۔ اس پھٹے پر نوکیلے کیل لگے ہوئے تھے جو کہ اس کے چہرے پر جگہ جگہ پیوست

ہو گئے تھے۔اب وہ پھٹہ اس کیلوں کی وجہ سے اس کے چہرے کے ساتھ ہی چپک گیا تھا۔اس کے ہونٹ اور جبڑے کو چیرتے وہ کیل منہ کے اندر تک گئے تھے۔وہ موقع پر ہی بیہوش ہو گیا تھا۔

"اسے مار دو۔میں مزید اسے برداشت نہیں کر سکتا۔"ایک ہتک آمیز نگاہ اس پر ڈالتے وہ سر کو جھٹکا دیے باہر نکلا تھا۔

"ماریہ اور جوتے منگواو، یہ گندے ہو چکے ہیں۔"وہ راہداری سے تیزی سے گزر رہا تھا اور ماریہ اس سے دو قدم پیچھے سر جھکائے چل رہی تھی۔

"آپ نے صبح سے کچھ نہیں کھایا۔کھانا لگوادوں آپ کے لیے؟"حاتم کے بڑھتے قدم رکے تھے۔ایڑیوں کے بل وہ واپس گھوما تھا۔

"اپنی اوقات میں رہو لڑکی، میری بیوی بننے کی کوشش مت کرو۔تم نین کی جوتی کے برابر بھی نہیں ہو اور نا ہی تم میں اتنی سکت ہے کہ مجھے جھیل سکو۔"نہایت سفاک لہجے میں اس کے خوابوں کو بھسم کرتے وہ آگے بڑھا تھا۔

ماریہ جیسے منہ کے بل گری تھی۔حاتم نے اسے اس کی اوقات دکھادی تھی۔

"کہا تھا نا کہ اتنے اونچے خواب مت دیکھو۔"جیمز نے ایک تیکھی مسکراہٹ کے ساتھ اس کے زخموں پر نمک چھڑکا تھا۔

"مگر ڈیوڈ تو اس سے نفرت کرتا ہے نا؟"

"یہ محبت اتنی آسانی سے ختم نہیں ہوتی۔آج نہیں تو کل یہ ہونا ہی تھا۔"

"کاش کہ ڈیوڈ اس کے بازو میں گولی مارنے کے بجائے اس کے سینے میں گولی اتار دیتا۔جان چھوٹتی اس مصیبت سے..."ماریہ کی آنکھوں میں جلن کی چنگاریاں بھڑک رہی تھیں۔

"میں کچھ دیر کے لیے باہر جا رہی ہوں۔ تم سنبھال لینا۔" پلٹتے ساتھ ہی اس نے کہا تھا۔

"مگر جا کہاں رہی ہو؟"

"نین سے ملنے، دیکھنے جا رہی ہوں کہ آخر اس میں ایسی کیا خاص بات ہے جو وہ بلیک مونسٹر کے ذہن سے نہیں نکلتی۔" جیمز نے اسے آواز دی تھی مگر وہ نہیں رکی تھی۔

---

"عائزہ اب بس بھی کر دو۔ اتنی بڑی بات نہیں ہے جتنا بڑا تم تماشہ لگا رہی ہو۔" عائزہ کا یہ رویہ عینین کی برداشت سے اب باہر ہو چکا تھا۔ آج یونیورسٹی میں اس نے عائزہ سے دو ٹوک بات کرنے کا فیصلہ کر ہی لیا تھا۔ وہ لوگ اس وقت گراؤنڈ میں موجود تھے۔ ماریہ تھوڑا دور بینچ پر بیٹھی اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ بظاہر وہ کتاب پڑھ رہی تھی مگر اس کے کان انہی کی طرف تھے۔

"وانیہ میں تم سے بحث نہیں کرنا چاہتی۔" عائزہ نے ابھی ایک قدم ہی آگے بڑھایا تھا کہ وانیہ نے فوراً اس کا راستہ روکا تھا۔

"تم میرے ساتھ یہ نہیں کر سکتی عائزہ، میں وانیہ آفندی ہوں۔ مجھے کوئی نظر انداز نہیں کر سکتا۔ کوئی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔"

"سوائے اللہ کے... اس وقت سے ڈرو جب وہ تمہیں منہ کے بل گرائے گا اور تمہارا یہ مذہب چھوڑنے کا بھوت ایک لمحے میں اتر جائے گا۔" اس بات پر ماریہ ٹھٹھکی تھی۔

"مجھے کوئی منہ کے بل نہیں گرا سکتا۔ میں ہر طرح سے مکمل ہوں۔ دیکھو مجھے، آخر کس چیز کی کمی ہے مجھ میں... خوبصورت ہوں، ذہین ہوں اور امیر بھی... میں لازوال ہوں۔" اس کے لہجے میں غرور تھا۔

"ہر خوبصورتی اور ہر ذہانت کو ایک دن زوال آنا ہی ہے۔ ابھی بھی وقت ہے وانیہ، سدھر جاؤ ورنہ بہت پچھتاؤ گی۔" عائزہ کو اس کے لیے بے حد افسوس تھا۔

"میں کبھی نہیں پچھتاؤ گی۔ اور چلو فرض کر لیتے ہیں کہ میں غلط ہوں تو پھر تم اپنے اللہ سے کہو نا کہ مجھ پر کوئی عذاب بھیجے یا پھر کوئی آزمائش..." وہ طنزاً ہنسی تھی۔

"مجھے یا میرے عقائد کو کوئی نہیں بدل سکتا۔ ایک ہزار ٹھوکریں بھی لگے گی نا تو بھی میں اپنی بات پر قائم رہوں گی۔ میں اپنی زبان سے نہیں پھروں گی۔" وہ مسلسل اپنی زبان سے زہر اگل رہی تھی۔ وہ وہی بات کر رہی تھی جو نجانے کتنی قوموں نے کی تھی اور جب اپنے گناہوں کے پیش نظر ان پر عذاب الٰہی نازل ہوتا تھا تو وہ سب کے سب ہی اپنے عقائد کے ساتھ غرق ہو جاتے تھے۔

"اللہ تمہیں ہدایت دے۔" وہ اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہہ سکتی تھی۔ اپنا بیگ اٹھائے وہ اب تیزی سے آگے بڑھی تھی۔ اس بار وانیہ نے اسے روکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

عائزہ پر مٹی ڈالتے وہ ابھی مڑی ہی تھی کہ سامنے سے آتے لڑکے کے ساتھ اس کا ٹکراؤ ہوا تھا۔

"آنکھیں ہیں یا بٹن...؟" وہ تو فوراً آپے سے باہر ہوئی تھی۔

"معاف کر دو وانیہ! میں ویسے ہی بہت پریشان ہوں۔" وہ اس ہی کا کلاس فیلو تھا اور وانیہ کی فطرت سے اچھی طرح واقف تھا اس لیے اس نے بحث نہیں کی تھی۔

"تمہیں اب کون سی پریشانی ہو گئی؟" وانیہ نے سوالیہ آبرو ریز کرتے غصے سے پوچھا تھا۔

"پیپر ہے آج اور میرے ہاتھ پر صبح ہی چوٹ لگ گئی۔ اب کیسے دوں پیپر؟"

"اوہ ہاں آج تو پیپر ہے مگر میں تو نہیں دینے والی اور تم ایک بات بتاؤ چوٹ تمہارے بائیں ہاتھ پر لگی ہے دائیں پر نہیں..." وانیہ نے اسے یاد دلانا ضروری سمجھا تھا۔

"میڈم میں بائیں ہاتھ سے ہی لکھتا ہوں۔"اس بات پر وانیہ ٹھٹھکی تھی پھر ذہن کے پردے پر کسی کا سایہ لہرایا تھا۔

"پہلی فرصت میں نکلو یہاں سے، مجھے تم سے نفرت محسوس ہو رہی ہے بلکہ مجھے ہر اس شخص سے نفرت ہے جاؤ بائیں ہاتھ سے لکھتے ہیں۔ تم سب دوغلے اور بے وفا ہوتے ہو۔ وہ بھی تھا اور یقینا تم بھی ہو گے۔"وہ غصے سے چیخی تھی۔

"تم ہو ہی پاگل...."اس کی عقل پر ماتم کرتے وہ آگے بڑھ گیا تھا۔

---

"کہاں رہ گئی تھی؟ میں کب سے تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔ کیا کہا تم نے اس لڑکی سے..."ماریہ کے گھر میں داخل ہوتے ہی جیمز نے فکر مندی سے پوچھا تھا۔ وہ ڈبلیکیٹ چابی سے پہلے ہی اندر آچکا تھا۔

"کچھ نہیں کہا۔"وہ نڈھال سی صوفے پر آبیٹھی تھی۔ اس کے چہرے پر زمانوں کی تھکن تھی۔

"کیا مطلب؟"اس کی یہ حالت دیکھ کر جیمز کو تشویش ہوئی تھی۔

"دیکھنے گئی تھی کہ آخر اس میں ایسا کیا خاص ہے جو وہ ڈیوڈ کے ذہن سے نکلتی ہی نہیں مگر..."ماریہ کی آنکھ سے ایک آنسو ٹوٹ کر گرا تھا۔

"مگر کیا...؟"جیمز اس کے پاس آکر بیٹھا تھا جبکہ آنکھوں میں ابھی بھی پریشانی کا عنصر واضح تھا۔

"مگر میں خود کو ہار آئی، میں سب ہار آئی۔"وہ بلک بلک کر رو دی تھی۔

"ماریہ...."جیمز بالکل بوکھلا گیا تھا۔

"غلط شخص کو دل دے دیا۔ اس لڑکی میں کچھ خاص نہیں ہے۔ وہ ایک معمولی اور بے ضرر سی لڑکی ہے۔ خاص اس کو چاہنے والا ہے۔"وہ ایک بار پھر رو دی تھی۔

"جیمز مجھے کچھ دیر کے لیے اکیلا چھوڑ دو پلیز!" وہ شکست خور حالت میں چل کر کمرے کی جانب گئی تھی۔ جیمز نے اسے نہیں روکا تھا۔اس کے خیال میں وہ شاید عینین کی کسی بات پر اس طرح دل برداشتہ ہوئی ہو گی۔

---

وہ صبح سے سوئنگ پول کے آس پاس ٹہل رہی تھی۔

"میڈم آپ آج یونیورسٹی نہیں جائے گی؟" ملازمہ نے سر جھکائے نہایت ادب سے پوچھا تھا۔

"نہیں میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ تم ناشتہ لگادو۔" اس کی طبیعت واقعی میں ٹھیک نہیں تھی مگر یونیورسٹی جانے کی اصل وجہ یہ نہیں تھی۔اس نے سات دنوں کے اندر اندر قرآن میں غلطیاں ڈھونڈھنے کا چیلنج قبول کیا تھا اور آج سات دنوں بعد وہ ایک آیت کا مطلب تک نہیں سمجھ سکی تھی۔

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ۙ﴿۱﴾

اسے اب ڈر تھا کہ کہیں اچانک وہ لڑکی اس کے سامنے نا آجائے اور اس سے قرآن کی غلطیوں کے متعلق استفسار نا کرنے لگ جائے۔

"بھائی...." ابھی وہ سوچوں میں ہی گم تھی کہ اس کی نظر نائل پر پڑی تھی۔ وہ باہر جا رہا تھا۔اسے دیکھ کر وہ تقریباً بھاگتی ہوئی اس کی جانب گئی تھی۔

"وانیہ دھیان سے چلیں۔" نائل نے اسے فوراً جھڑکا تھا۔ وہ اپنا بالکل خیال نہیں رکھتی تھی، نا وہ دھیان سے چلتی تھی اور نا ہی وہ وقت پر کھانا کھاتی تھی۔

"مجھے کچھ نہیں ہو گا بھائی، اور نا ہی میرے بچے کو..." وہ پر اعتماد لہجے میں گویا ہوئی تھی۔

"پھر بھی دھیان رکھا کریں۔" وہ اعجلت بھرے انداز میں گھڑی کی جانب دیکھتا گویا ہوا تھا۔

"آپ ناراض ہیں مجھ سے ؟"اس کا بازو پکڑے وہ منمنائی تھی۔کافی دنوں سے نائل کا رویہ اس کے ساتھ نہایت سرد تھا۔

"ناراض نہیں ہوں بس مان ٹوٹا ہے۔بہت مان تھا مجھے آپ پر مگر آپ نے معافی نا مانگ کر میرا مان توڑ دیا۔"

"بھابھی نے کچھ کہا ہے آپ سے ؟"

"وانیہ اپنے دماغ سے یہ خناس نکال دیں۔وہ ایسی نہیں ہے۔وہ رشتوں کے تقدس کو بہت اچھی طرح سمجھتی ہے۔وانیہ وہ بہت اچھی ہے اور مجھے یقین ہے کہ وہ آپ کو اتنا ہی چاہے گی جتنا میں آپ کو چاہتا ہوں۔"نائل نے اسے خود سے لگاتے سمجھانا چاہا تھا۔وانیہ منہ کے زاویے بگاڑتی خاموش ہی رہی تھی۔

"انہیں یہاں لے آئے نا..."آنکھوں میں عجیب سی چمک کے ساتھ وہ چہکی تھی۔اگر سنیہا یہاں آجاتی تو وہ اس سے بھرپور انتقام لے سکتی تھی۔

"لے آؤں گا۔"نائل نے مسکرا کر اس کا گال تھپتھپایا تھا۔

"آپ اب ناراض تو نہیں ہیں نا مجھ سے ؟"

"نہیں میرا بچہ..."نائل نے محبت سے اس کے سر پر بوسہ دیا تھا۔

"جلدی آجاؤں گا۔پھر ڈاکٹر کے پاس چلے گے۔"

"اس کی ضرورت نہیں ہے۔میں بالکل ٹھیک..."ابھی اس نے جملہ مکمل بھی نہیں کیا تھا کہ اچانک ہی اس کے آنکھوں کے آگے اندھیرا چھانے لگا تھا۔

"وانیہ آپ ٹھیک ہیں؟"اس کے لڑکھڑاتے قدموں کو دیکھ وہ پریشان ہوا تھا۔

"آہ..."اپنا پیٹ پکڑتے وہ زمین پر بیٹھتی چلی گئی تھی۔

"وانیہ کیا ہوا؟" نائل نے جھکتے ساتھ اس کی گال تھتھپاتے پوچھا تھا۔ وہ پسینے سے شرابور وجود کے ساتھ ہوش وہواس سے بیگانہ ہو گئی تھی۔

---

وہ اسے فوراً ہسپتال لے کر آیا تھا۔ وانیہ کا اندر چیک اپ چل رہا تھا جبکہ باہر نائل اضطراب کی حالت میں کھڑا تھا۔

"کیا ہوا انہیں؟" ڈاکٹر کے آتے ہی اس نے فکر مندی سے دریافت کیا تھا۔

"ان کا آپ کے ساتھ کیا رشتہ ہے؟"

"وہ میری بہن ہیں۔"

"آپ پلیز ان کے ہسبنڈ کو بلا لیجیں۔ ان کی کنڈیشن کافی کریٹیکل ہے۔"

"مگر انہیں ہوا کیا ہے؟"

"دیکھیں ہمیں ابارشن کرنا ہو گا ورنہ آپ کی سسٹر کی زندگی کو خطرہ ہے۔ آپ ان کے ہسبنڈ کو بلا لیجیں تاکہ ہم آگے کا پروسیس جلد از جلد شروع کر سکے۔"

"وہ نہیں آسکتے۔ وہ ملک سے باہر ہیں۔ دیکھیں ڈاکٹر جو بھی مسئلہ ہے آپ مجھ سے ڈسکس کر سکتی ہیں۔ یہ میری بہن کی زندگی کا سوال ہے۔" وانیہ کی اچانک بگڑتی حالت دیکھ وہ بے حد پریشان ہو گیا تھا اور اب یہ انکشاف نائل کی جان لینے کے در پر تھا۔

"آپ آئیں میرے ساتھ..." وہ فوراً ڈاکٹر کے پیچھے گیا تھا۔

"دیکھیں مسٹر نائل پہلے تو آپ مجھے یہ بتائے گے کہ آخر وہ کیا لیتی رہی ہیں۔" ڈاکٹر نے نہایت پروفیشنل انداز میں پوچھا تھا۔

"مطلب...؟"

"ان کی باڈی میں ری ایکشن ہو گیا ہے۔ ہمیں ان کی باڈی میں کچھ پوئزن، کیمیکلز اور ڈرگز کے عناصر ملے ہیں۔"

"What...?"

نائل تو تقریباً اپنی جگہ سے اچھلا تھا۔

"یا تو وہ یہ سب خود لیتی رہی ہیں یا پھر انہیں کسی نے دیا ہے۔ آپ ایک عزت دار اور کافی جانی مانی شخصیت ہیں اسی لیے میں سیدھا آپ سے پوچھ رہی ہوں ورنہ یہ کیس اتنا سیدھا نہیں ہے۔"

"وانیہ...." نائل نے بے اختیار پسینے سے تر پیشانی کو چھوا تھا۔ اس وقت اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ وانیہ کے منہ پر دو تھپڑ ہی جڑ دے۔

"اب آپ ہی بتائیں اس صورت حال میں ہم بچے کو کیسے بچا سکتے ہیں؟"

"ٹھیک ہے آپ کو جو ٹھیک لگتا ہے آپ وہ کریئے۔"

"مسٹر نائل ان کے ہسبنڈ کا یہاں ہونا ضروری ہے۔"

"وہ یہاں نہیں آ سکتے۔ وانیہ کی سیپریشن ہو چکی ہے اور وہ اس بچے سے لاتعلقی کا اعلان کر چکا ہے۔"

"اوہ اچھا!"

"آج یہ کروانا ضروری ہے یا پھر کچھ وقت مل سکتا ہے۔" وہ وانیہ کا اپنے بچے سے لگاؤ سے اچھے طرح واقف تھا۔ اس لیے اسے کچھ وقت چاہیئے تھا تاکہ وہ اسے سمجھا سکے۔ اس طرح اچانک اگر یہ سب ہوتا تو وہ کبھی قبول نا کر پاتی۔

"نہیں فوری طور پر ضروری نہیں ہے۔ ہم ایک دو ہفتے ڈیلے کر سکتے ہیں مگر کوشش کیجیے گا کہ جلد از جلد کروا لیں۔"

"کیا ابارشن کے علاوہ کوئی اور راستہ نہیں ہے۔ میرا مطلب ہے کوئی میڈ نسز یا کوئی علاج... میں وانیہ کو باہر لے جاؤں گا۔"

"اس حالت میں کچھ نہیں ہو سکتا۔ اور اگر ابارشن نا کروایا گیا تو آپ کی بہن کو نہایت تکلیف کا سامنا کرنا پڑے گا اور چلیے فرض کر لیں کہ بے بی ہو بھی جاتا ہے تو وہ ابنارمل ہو گا۔ جسمانی اور ذہنی اعتبار دونوں سے..." کرسی کے ساتھ ٹیک لگاتے نائل نے گہری سانس خارج کی تھی۔ اسے وانیہ پر غصہ بھی آیا تھا اور ترس بھی... وہ جانتا تھا کہ اس نے یہ سب جان بوجھ کر لیا ہو گا مگر وہ اس بات سے لاعلم تھی کہ اپنی بے وقوفی میں وہ اپنا کتنا بڑا نقصان کر لے گی۔

"وانیہ میرا بچہ اب رونا بند کرو۔" وہ ہسپتال کے بستر پر لیٹی مسلسل سسک رہی تھی۔

"یہ اتنی بڑی بات نہیں ہے۔" نائل نے اسے سمجھانا چاہا تھا۔

"بھائی آپ مجھے میرے بچے کو قتل کرنے کا کہہ رہے ہیں اور چاہتے ہیں کہ میں خاموش رہوں؟" وہ نائل پر چیخی تھی۔

"یہ میری اولاد ہے۔ مجھے بہت عزیز ہے۔ میں یہ کبھی نہیں کروں گی۔"

"میری جان! ہم ایسا کچھ نہیں کر رہے، چلیں ہم گھر چلتے ہیں۔" نائل نے اسے بستر سے اٹھاتے کہا تھا۔

"بھائی میں یہ نہیں کروں گی۔" اس کا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا۔

"ہاں ٹھیک ہے میری جان!" نائل نے اسے سہارا دیے کھڑا کیا تھا۔ اسی وقت دروازے سے ڈاکٹر اندر داخل ہوئی تھی۔

"ڈاکٹر مجھے بتائیں کیا کوئی اور راستہ نہیں ہے۔ آپ جو کہے گی میں کرنے کو تیار ہوں۔ جتنے پیسے کہے گی میں دینے کو تیار ہوں۔ مگر میرے بچے کو بچالیں۔" وہ تیزی سے ڈاکٹر کی جانب بڑھی تھی۔ اب وہ رو رو کر منت کر رہی تھی۔

"مس وانیہ آپ پلیز ریلیکس ہو جائیں۔ ہم آپ کی مرضی کے بغیر کچھ نہیں کرے گے۔" ڈاکٹر نے وانیہ کو تسلی دیتے کہا تھا۔

"مجھے یہ بچہ چاہیئے۔ میں اسے نہیں کھونا چاہتی۔ میں بالکل ریلیکس ہوں اور آپ کی ساری باتیں سنو گی اور عمل بھی کروں گی۔ آپ مجھے سب کچھ سچ سچ بتائیں، کیا میرا بچہ ابنارمل ہو گا؟" اس نے ڈھڑکتے دل کے ساتھ پوچھا تھا۔

"جی ایسا ہی ہو گا۔" ڈاکٹر نے صاف گوئی سے کام لیا تھا۔ یہ کرنے کے لیے اسے نائل نے ہی کہا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ وانیہ ذہنی طور پر اس سب کے لیے تیار ہو جائے۔

"کوئی بات نہیں میں پال لوں گی۔" سیکنڈ کے ہزاروں حصے میں اس نے فیصلہ کیا تھا۔ ڈاکٹر اور نائل نے چونک کر ایک دوسرے کی جانب دیکھا تھا۔

"آپ سمجھ نہیں رہیں، آپ ان نو مہینوں کس قدر اذیت سے گزرے گی آپ کو بالکل اندازہ نہیں ہے۔" یہ اسے راضی کرنے کی ایک اور کوشش تھی۔

"ہر ماں اپنی اولاد کے لیے تکلیف برداشت کرتی ہے، میں بھی کرلوں گی۔" وہ اب بھی اپنے موقف پر ڈٹی ہوئی تھی۔

"لیکن اس چیز کی کوئی گارنٹی نہیں ہے کہ آپ کا بچہ اس دنیا میں آئے گا یا نہیں... ایک فیصد بھی گارنٹی نہیں ہے۔" نائل اسے خود یہ سب بتاتا تو وہ کبھی یقین نا کرتی مگر ڈاکٹر کی بات زیادہ اثرانداز تھی اس لیے وہ اس بارے میں پہلے ہی بات کر چکا تھا۔

ڈاکٹر کی بات سن کر اس کی نم آنکھیں ایکدم ہی سرخ ہوئی تھیں۔ اپنی حالت کی پرواہ کیے بغیر وہ کسی شیرنی کی طرح ڈاکٹر پر جھپٹی تھی۔

"تم ہوتی کون ہو یہ کہنے والی؟ تم یہ دو کوڑی کی ڈگری لے کر کیا ثابت کرنا چاہتی ہو؟" وانیہ کا بس چلتا تو اسے جان سے ہی مار دیتی۔ اگر نائل اسے بروقت قابو نا کرتا تو وہ یقیناً ڈاکٹر کو بھاری نقصان پہنچا چکی ہوتی۔

"تم اللہ نہیں ہو۔ تم رب العالمین نہیں ہو۔ سمجھی تم..." وہ اپنے ہواس بالکل کھو بیٹھی تھی۔

"کیسے کہہ سکتی ہو کہ ایک فیصد بھی چانس نہیں ہے۔ یہ میرا بچہ ہے اور میں ہرگز اسے قتل نہیں کروں گی۔" نائل نے بامشکل اسے پکڑا ہوا تھا۔ وہ مسلسل اسے ریلیکس کرنے کی کوشش کر رہا تھا مگر وہ آپے سے باہر ہی ہوتی جا رہی تھی۔

ڈاکٹر تو فوراً جان بچا کر باہر آئی تھی۔ نائل نے اسے مختلف بہلاوے دے کر سنبھال لیا تھا۔

---

"میرا جانا بہت ضروری ہے محسن لیکن میں وانیہ کو اس حالت میں چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔" وہ اس وقت خود کو بے حد بے بس محسوس کر رہا تھا۔ جس کیس پر وہ اتنے عرصے سے کام کر رہا تھا اس کا اختتام قریب تھا اسی لیے اب اس کا جانا بہت ضروری تھا۔

"پھر کیا سوچا ہے تم نے؟"

"کیا تم ساشا کو کچھ دنوں کے لیے میرے گھر نہیں چھوڑ سکتے؟" نائل نے نہایت مان سے پوچھا تھا۔

"ٹھیک ہے لیکن اس سے بہترین حل موجود ہے تمہارے پاس..." محسن نے عجیب نظروں سے اسے گھورا تھا۔

"یار بس ساشا کو چھوڑ دو ادھر، میں پوری کوشش کروں گا جلدی آنے کی..."

"ٹھیک ہے۔" محسن کو اس کا سنیہا سے یہ اجتناب بالکل ہضم نہیں ہو رہا تھا لہذا اس نے کہہ ہی دیا تھا۔

"تم آخر بھابھی کو وانیہ کے پاس کیوں نہیں چھوڑ دیتے؟"

"اگر تم ساشا کو یہاں نہیں چھوڑنا چاہتے تو صاف صاف بتا دو، میں کوئی حل ڈھونڈھ لوں گا۔"

"ایسی بات نہیں ہے نائل! تم غلط سمجھ رہے ہو۔" محسن نے گڑبڑا کر فوراوضاحت دی تھی۔

"میں بس یہ کہہ رہا ہوں کہ وہ وانیہ کا خیال زیادہ اچھے سے رکھ سکے گی۔"

"میں جانتا ہوں لیکن میں وانیہ کو بھی جانتا ہوں۔اس حالت میں اسے میں کسی قسم کا سٹریس نہیں دینا چاہ رہا۔میں نہیں چاہتا کہ اسے لگے کہ میں اسے سنیہا کے رحم و کرم پر چھوڑ گیا ہوں۔بلاوجہ جھگڑا اور فساد ہو گا اور وانیہ کی صحت کے لیے یہ ٹھیک نہیں ہے۔" نائل نے بہت سوچ سوچ کر الفاظ ادا کیے تھے۔

"جھگڑا ہو گا بھی تو صرف دو دن کے لیے پھر آہستہ آہستہ سب نارمل ہو جائے گا۔" محسن نے اسے سمجھانے کی ایک آخری کوشش کی تھی۔

"تمہاری سوچ ہے۔وانیہ سنیہا کا سر پھاڑے گی اور سنیہا میرا... مجھے یقین ہے۔بہتر ہے کہ نند بھابھی الگ الگ ہی رہے۔"

"تمہیں سمجھانا بیکار ہے۔" اب کی بار محسن نے باقاعدہ ہاتھ کھڑے کیے تھے۔وہ ایک سنکی شخص تھا اور محسن تو کیا اسے کوئی بھی نہیں سمجھا سکتا تھا۔جو وہ سوچ لیتا تھا پھر وہ کسی بھی حال میں وہ کر کے ہی دم لیتا ہے۔

وہ رات کے پہر اندھیرے میں گم صُم بیٹھی سامنے دیوار پر لگی وال کلاک کو گھور رہی تھی۔ ہر گزرتا منٹ اس پر بھاری تھا۔ گھڑی کی سوئیاں تو مسلسل چل رہی تھیں مگر اس کا برا وقت تو جیسے رک ہی گیا تھا۔

اپنے پیٹ پر ہاتھ رکھتے اس کی آنکھیں ایک بار پھر برسنے لگی تھیں۔

"یہ میں نے کیا کر دیا، یہ میں نے کیوں کیا؟" وہ بے بسی سے چیخی تھی۔

"کیوں کیا میں نے یہ؟" وانیہ نے اپنے منہ پر زبردست تھپڑ مارا تھا۔

"کیوں...؟" اب وہ پے در پے اپنی دونوں گالوں پر تھپڑ برسا رہی تھی۔

"اپنی ضد، اپنی انا اور اپنی بیوقوفی میں آکر میں نے یہ کیا کر دیا؟" اپنے بال نوچتے وہ بری طرح رو رہی تھی۔

"میرا بچہ میری وجہ سے معذوری کی زندگی گزارے گا۔ کیوں کیا میں نے یہ؟" وہ سسک سسک کر رو رہی تھی۔

ساشا اپنے بچوں کے ساتھ کچھ دنوں کے لیے نائل کے گھر آگئی تھی۔ نائل کا جانا بے حد ضروری تھا اور نہ وہ وانیہ کو اس حال میں چھوڑ کر کبھی نا جاتا۔ وانیہ نے بھی اس کے جانے پر کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔

وہ مسلسل اپنی قسمت پر ماتم کر رہی تھی جب فون کی بیل کی بیپ پر وہ ٹھٹھکی تھی۔ رات کے تقریباً بارہ بجے اسے آخر کون کال کر سکتا تھا؟؟

وانیہ نے آنسو صاف کرتے فون اٹھایا تھا۔ سنیہا کی کال دیکھ اسے شدید حیرت ہوئی تھی۔ اگر وہ رات کے اس پہر کال نا کرتی تو شاید وانیہ کبھی بھی اس کی کال اٹینڈ نا کرتی۔

"ہیلو وانیہ کیسی ہو؟" سنیہا نے ہشاش بشاش لہجے میں پوچھا تھا۔

"ٹھیک ہوں۔" اس نے بھرائی آواز میں جواب دیا تھا۔

"سوری میں نے اتنی رات کو تمہیں پریشان کر دیا مگر وہ کیا ہے نا مجھے نیند نہیں آرہی تھی بس اس لیے میں نے سوچا کہ کیوں نا میں اپنی دوست کو فون کر لوں۔"سنیہا چلتے چلتے کمرے کی کھڑکی کے پاس آئی تھی۔چاند کی جانب دیکھے اس نے مسکرا کر کہا تھا۔

"دوست...؟"وہ ٹھٹھکی تھی۔ایک تو سنیہا کا اتنی دیر سے کال کرنا اور اوپر سے اس قدر دوستانہ رویہ....وہ سمجھ نہیں سکی تھی۔

"ہاں دوست... کیا مجھ سے دوستی کرو گی؟"

"مجھے نیند آرہی ہے۔"وہ اس وقت کسی سے بھی بات نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"دوستی کا پہلا تقاضا ہوتا ہے کہ دوست سے کبھی جھوٹ نہیں بولتے۔"

"آپ نے بھائی کو میرے خلاف کیوں بھڑکایا؟"اسے شکوہ کرنے کا موقع سنیہا نے خود فراہم کیا تھا۔

"میں نے ایسا کچھ نہیں کیا وانیہ...نائل تمہارے بھائی ہیں اور ان پر تمہارا حق ہے۔میرا یقین کرو میں نے سچ میں کوئی میسج نہیں دیکھا تھا اور نا ہی ان سے تمہارے متعلق کوئی بات کی۔وہ تو بس ایکشن کا ایک ری ایکشن تھا۔"سنیہا نے اپنے لہجے کو نہایت دھیما رکھا تھا۔

"اب کیوں فون کیا ہے؟"وہ اب بھی اکھڑے اکھڑے لہجے میں ہی بول رہی تھی۔

"میں بہت اکیلی ہوں۔میں نے کبھی کوئی دوست نہیں بنائی۔کیا تم پلیز مجھ سے دوستی کرو گی؟"

"میں اس بارے میں سوچ سکتی ہوں۔"اس کی بات پر سنیہا کے لبوں کو دلفریب مسکراہٹ نے چھوا تھا۔

"میں تمہاری مشکور ہوں۔ویسے تم رو رہی تھی کیا؟"

"نہیں میں کیوں روؤں گی؟"وہ فوراً گڑبڑا گئی تھی۔

"کیا میں تم سے اپنے دل کی بات شیئر کر سکتی ہوں۔میرا مطلب اپنی پریشانیاں اور مسائل؟"

"ہمم...."اس نے بس اتنا ہی کہا تھا۔

سنیہا کچھ دیر اس سے ادھر ادھر کی باتیں کرتی تھی اور وانیہ بس ہاں یا نا میں ہی جواب دے رہی تھی۔

"اب تمہاری باری، تم بتاؤ کیوں رو رہی تھی؟"وہ اسے خود سے بولنے پر اکسا رہی تھی۔

"رو نہیں رہی تھی میں..."

"ڈاکٹر نے کیا کہا ہے؟"وانیہ کے ماتھے پر بل پڑے تھے۔تو کیا نائل اسے سب بتا چکا تھا؟؟

"پلیز مجھ سے کچھ مت چھپانا۔نائل نے مجھے کچھ نہیں بتایا۔میں اس وقت لاہور میں ہوں اپنے فادر کے ساتھ۔نائل بس کچھ دیر کے لیے کسی ضروری کام کے سلسلے میں آئے تھے۔میں نے انہیں کسی سے فون پر تمہارے متعلق بات کرتے سن لیا تھا۔میں چاہتی ہوں کہ تم خود مجھے ساری باتیں بتاؤ جو بھی تمہارے دل میں ہے۔ہم بہت سی باتیں بھائی سے نہیں کہہ سکتے مگر بھابھی کو تو بتا سکتے ہیں نا...."در حقیقت وہ ایک سمجھدار عورت تھی۔اسے پتا تھا کہ اسے وانیہ کو کیسے سنبھالنا ہے۔

"میرا بچہ..."آنکھوں کے بند اب ٹوٹ چکے تھے۔اب کی بار وہ کھل کر روئی تھی۔سنیہا نے اسے رونے دیا تھا۔

"ڈاکٹر کہتے ہیں کہ میرا بچہ معذور ہو گا۔"وہ ہچکیوں کے درمیان بامشکل بول پائی تھی۔

"کوئی امید نہیں ہے۔ایک فیصد بھی نہیں..."وہ تمام تر امیدیں ہار گئی تھی۔

"ایسا تو ڈاکٹر کہتے ہیں نا، مگر اللہ تو ہر چیز پر قادر ہے۔تم یقین رکھو اور دعا کرو۔"

"دعا....؟"آنسو ایک لمحے کے لیے تھم گئے تھے۔آنکھوں میں اضطراب ابھرا تھا۔

"ہاں دعا...کوئی معجزہ بھی تو ہو سکتا ہے نا.."وہ اسے دلاسہ دے رہی تھی۔وانیہ چپ چاپ اس کی ہر بات سنتی گئی تھی۔وہ اپنے الفاظ سے اس کے زخموں پر مرہم رکھ رہی تھی۔

کچھ دیر باتیں کرنے کے بعد سنیہا نے اسے سونے کی تاکید کی تھی۔وانیہ کو اس سے بات کر کے اچھا محسوس ہوا تھا۔سنیہا اب اسے اچھی لگنے لگی تھی۔

فون رکھ کر ابھی وہ بستر پر بیٹھی ہی تھی کہ وائبریٹ ہونے کی آواز پر اس نے چونک کر واپس فون اٹھایا تھا۔

"بات ہوئی وانیہ سے؟"نائل کا میسج سکرین پر جگمگا رہا تھا۔

"جی ہوئی۔"سنیہا نے فوراً ٹائپ کیا تھا۔

"پھر کیا بنا؟"

"سب بہت اچھا رہا۔"سنیہا کے جواب دینے کے بعد کچھ دیر سکرین تاریک رہی تھی پھر ایک ساتھ ہی اس کے دو میسیج آئے تھے۔انہیں دیکھ کر سنیہا کا سانس رک گیا تھا۔

"شکریہ مجھے سمجھنے کے لیے..."

"I like you"

وہ کچھ دیر بے یقینی سے سکرین کو گھورتی رہی تھی پھر اس کے اگلے میسیج پر سنیہا کی رکی سانس بحال ہوئی تھی اور ساتھ ہی ساتھ اسے یقین بھی آ گیا کہ وہ اپنے سرتاج سے ہی بات کر رہی ہے۔

"موبائل خراب ہے میرا...پتا نہیں کیا کیا ٹائپ ہو جاتا ہے۔تم سیریس مت لینا کسی چیز کو..."گہری سانس خارج کرتے اس نے سر جھٹکتے موبائل سائیڈ پر رکھا تھا۔جو بھی تھا اسے اب اس کی عادت ہو گئی تھی۔جب ساری زندگی اسی شخص کے ساتھ گزارنی تھی تو پھر عادت ڈالنا ہی بہتر تھا۔

---

"وانیہ تم حوصلہ رکھو،سب ٹھیک ہو جائے گا۔"عائزہ صبح صبح ہی وانیہ کے گھر آئی تھی۔اسے نائل نے جیسے ہی وانیہ کی حالت کے بارے میں بتایا تھا وہ سب کچھ بھولا کر اس کے پاس آ گئی تھی۔

"عائزہ معجزہ کیا ہوتا ہے؟"عائزہ کے ہزار دلاسوں کے بعد اس کے لبوں نے یہ سوال ادا کیا تھا۔

بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے وہ نظریں جھکائے مسلسل لب کتر رہی تھی۔ چہرہ یر قان زدہ تھا اور آنکھیں صدیوں سے تھکی ہوئی...

"معجزہ...؟" عائزہ نے نا سمجھی سے اس کی جانب دیکھا تھا۔

"ہاں معجزہ..." وانیہ نے اپنی بنجر سنہری آنکھیں اٹھائی تھیں۔

"معجزہ مطلب کچھ ایسا جو انسانی عقل کو بالکل دنگ کر دے۔ مطلب کچھ ایسا جسے ہماری عقل تسلیم نا کر سکے۔"

"مطلب غیر منطقی چیزیں جن کا منطقی طور پر کوئی وجود نا ہو۔" وانیہ کے لب آہستگی سے ہلے تھے۔

"ہاں کہہ سکتے ہیں۔" وہ اپنی سوچ کے مطابق جواب دے رہی تھی لہذا عائزہ نے اس کی تردید نہیں کی تھی۔

"فرشتے، جنات، آخرت یہ سب بھی تو غیر منطقی چیزیں ہیں نا؟"

"وانیہ یہ سب غیب ہے جس پر مسلمان ایمان رکھتے ہیں۔ تم نہیں رکھتی وہ الگ بات ہے۔"

"بھابھی کہتی ہیں کہ میں دعا کرو، کوئی معجزہ ہو سکتا ہے۔ تم بتاؤ میں کیسے دعا کروں؟ میں تو غیب پر یقین ہی نہیں رکھتی تو پھر معجزات پر کیسے؟" اس کی آواز بھرا گئی تھی۔

"مجھے سمجھ نہیں آرہی کہ میں کیا کروں۔ سچ بتاؤں تو میں نے ہمیشہ ان چیزوں کو غیر منطقی جانا ہے مگر جب بھابھی نے کل رات مجھے امید دلائی تو میرا دل کیا کہ میں معجزے پر یقین رکھوں۔" انسان خود کو بہت بڑی چیز سمجھتا ہے مگر جب کسی آزمائش سے دوچار ہوتا ہے تو پھر اسے اللہ یاد آہی جاتا ہے۔

"بحیثیت مسلمان ہم معجزات پر یقین رکھتے ہیں۔ تمہیں پتا ہے سب سے بڑا معجزہ کیا ہے؟" وانیہ نے نفی میں سر ہلایا تھا۔

"قرآن پاک... قرآن بہت بڑا معجزہ ہے۔" وانیہ ٹھٹھکی تھی۔اس کی آنکھوں میں ایک ساتھ ہی ڈھیروں سوال اٹھے تھے۔

"قرآن معجزہ کیسے ہو سکتا ہے؟ ابھی تم نے کہا نا کہ معجزہ وہ ہوتا ہے جو انسانی عقل کو دنگ کر دے۔" وہ استہزایہ ہنسی تھی۔

"تم قرآن پڑھو وانیہ، میں تمہارے لیے دعا کروں گی کہ یہ معجزہ تمہاری عقل کو دنگ کر دے اور تمہیں راہ راست پر لے آئے۔جب تمہیں قرآن کے معجزہ ہونا پر یقین آجائے گا پھر تم اللہ سے اپنی اولاد کی زندگی کے معجزے کو مانگنے میں ایک سیکنڈ نہیں لگاؤ گی۔تم پہلے بھی تو کبھی کبھی دعا کرتی تھی نا...آج ایک بار پھر دعا کرو کہ اللہ تمہیں اپنی بھیجی گئی کتاب پر غور و فکر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔"

"مگر قرآن میں تو بہت غلطیاں ہیں۔اس کی پہلی آیت میں ہی کوئی ربط نہیں ہے۔"

"جس نیت سے پڑھو گی، قرآن پاک کو ویسا ہی پاؤ گی۔قرآن کی آیات میں غلطیاں نہیں ہے دراصل تمہاری سوچ محدود ہے۔اپنے دماغ کے کھلنے کی دعا کرو۔مجھے یقین ہے تم ہدایت پالو گی۔" عائزہ نے مسکرا کر نرمی سے اس کے ہاتھ پر دباؤ دیا تھا۔وہ خاموش رہی تھی، بالکل خاموش....

عائزہ کے جانے کے بعد وہ کچھ دیر خالی الذہنی کی کیفیت میں دیوار کو تکتی رہی تھی پھر اس نے اپنے دونوں کو اٹھایا تھا۔اب وہ مسلسل اپنے ہاتھوں کو الٹ پلٹ کر دیکھ رہی تھی۔پھر بالآخر اس نے دونوں ہاتھوں کو ایک ساتھ جوڑا تھا۔اچانک ہی پورے وجود میں ایک کرنٹ سا دوڑ گیا تھا۔وانیہ کے لب ہلے تھے۔

"مجھے نہیں پتا کیا سچ ہے اور کیا جھوٹ... مگر میں پھر بھی دعا کرتی ہوں۔" وہ سانس لینے کو رکی تھی۔

"میں دعا کرتی ہوں کہ اس کتاب کو سمجھنے کے لیے میرا ذہن کھول دے۔یہ میں اس لیے نہیں کہہ رہی کہ مجھے اپنے بچے کی زندگی چاہیئے بلکہ اس لیے کہہ رہی ہوں کیونکہ سب اندھادندھ اس کتاب کی پیروی کرتے

ہیں اور اسلام اور قرآن کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں سننا چاہتے۔ میں اپنا بچہ تو کسی قیمت پر ضائع نہیں کرواں گی چاہے وہ معذور ہو یا پھر اس کے ساتھ میں بھی مر جاؤں۔ ہاں مجھے لگتا ہے میں مر جاؤں گی لیکن مرنے سے پہلے میں سچ جاننا چاہتی ہوں۔ میں جاننا چاہتی ہوں کہ یہ کتاب حق ہے یا پھر کوئی اور کتاب... یا پھر کچھ بھی حق نہیں ہے۔ اس لڑکی نے کہا تھا کہ شروعات قرآن سے کرو تو پھر ٹھیک ہے میں آج پوری نیت سے شروعات کرتی ہوں۔" اس نے اپنے اٹھے ہاتھ چہرے پر پھیرے تھے۔ پھر دھڑکتے دل کے ساتھ وہ وضو کرنے گئی تھی۔

وضو کے بعد اس نے ڈوپٹہ اوڑھے قرآن پاک اٹھایا تھا۔ یہ اہتمام اس نے پہلی بار کیا تھا۔

اب وہ بغیر رکے قرآن پاک کی سورتیں ترجمے کے ساتھ پڑھتی جا رہی تھی۔ کچھ باتیں اسے سمجھ آرہی تھیں تو کچھ اس کے سر پر سے گزر رہی تھیں۔ جو آیات وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی، وہ ان کے پوائنٹس بناتی جا رہی تھی۔ سورۃ الأنبیاء کی ایک آیت پر آکر وہ ٹھٹھکی تھی۔

"ترجمہ:

اور کیا جن لوگوں نے کفر کیا یہ نہیں دیکھا کہ سارے آسمان اور زمین آپس میں ملے ہوئے تھے تو ہم نے انھیں پھاڑ کر الگ کیا اور ہم نے پانی سے ہر زندہ چیز بنائی، تو کیا یہ لوگ ایمان نہیں لاتے۔"

(سورۃ نمبر 21 الأنبیاء، آیت نمبر 30)

"بگ بینگ تھیوری..." اس کے لب حیرت سے ہلے تھے۔ وانیہ نے فوراً پاس پڑا لیپ ٹاپ اٹھایا تھا۔ اب وہ بگ بینگ تھیوری سرچ کر رہی تھی۔

"بگ بینگ تھیوری کو تقریباً ساری دنیا ہی تسلیم کرتی ہے۔

بگ بینگ تھیوری بتاتی ہے کہ کائنات صرف ایک نقطہ کے طور پر شروع ہوئی، پھر پھیلی اور پھیلی اور اتنی ہی بڑی ہوگئی جتنی کہ یہ ابھی ہے،اور یہ ابھی تک پھیلی ہوئی ہے۔" سائنس کی قرآن کے ساتھ یہ مماثلت اسے کافی حیران کن لگی تھی۔

" جارج لیماٹرے نے 1920 میں یہ تھیوری پیش کی تھی مگر اس کتاب کو تو 1400 سال سے بھی زیادہ عرصہ ہو چکا ہے۔" اس کے لیے یہ بات تشویش کن تھی۔

(نوٹ: بحیثیت مسلمان ہم قرآن پاک کی ہر ایک آیت پر ایمان رکھتے ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن پاک کو سائنس کی جسٹیفیکیشن کی ضرورت نہیں مگر غور و فکر کرنے میں کوئی حرج بھی نہیں... بس نیت اپنے ایمان کو مزید پختہ کرنے کی ہونی چاہیئے۔)

گہری سانس خارج کرتے وہ آگے پڑھتی گئی تھی۔ تقریباً دس منٹ بعد وہ پھر ٹھٹھکی تھی۔ اسے سورۃ الأنبیاء کی ایک اور آیت نے ٹھٹھکنے پر مجبور کیا تھا۔

"ترجمہ:

جس دن ہم آسمان کو کاتب کے کتابوں کو لپیٹنے کی طرح لپیٹ دیں گے۔ جس طرح ہم نے پہلی پیدائش کی ابتدا کی (اسی طرح) ہم اسے لوٹائیں گے۔ یہ ہمارے ذمے وعدہ ہے، یقیناً ہم ہمیشہ (پورا) کرنے والے ہیں۔"

(سورۃ نمبر 21 الأنبیاء، آیت نمبر 104)

"یہ تو... یہ تو بگ کرنچ تھیوری( Big Crunch theory) ہے" اس کے ماتھے پر پسینے کی ننھی بوندیں ابھرنے لگی تھی۔

"بگ بینگ تھیوری میں کائنات کی ابتدا اور اس تھیوری میں کائنات کا واپس سمٹ کر ایک نقطے میں تبدیل ہو جانا ہے۔" اس نے گہری سانس خارج کرتے قرآن پاک کو بند کیا تھا۔ یہ انکشافات اس کے لیے بہت حیران

کن تھے۔ ایسا اس لیے تھا کیونکہ اس نے آج سے پہلے کبھی قرآن کو پڑھا ہی نہیں تھا اور اگر کبھی کوئی حصہ پڑھا بھی تھا تو غور و فکر نہیں کیا تھا۔

یہ قدیم کتاب اس پر کون کون سے راز کھولنے والی تھی یہ تو وقت نے طے کرنا تھا

---

"مجھے وانیہ کی بہت فکر ہو رہی ہے۔ میں انہیں اکیلا نہیں چھوڑ سکتا۔" وہ دو دن بعد ہی واپس آگیا تھا، وجہ وانیہ تھی لیکن اسے پھر جانا تھا۔

"نائل تم پریشان مت ہو۔ میں وانیہ کا خیال رکھ رہی ہوں اور وہ پہلے سے کافی بہتر ہے۔" ساشا نے اسے یقین دلاتے کہا تھا۔

"اسے ابارشن کے لیے راضی کرو۔ میں جلد از جلد اس مصیبت سے جان چھڑوانا چاہتا ہوں۔"

"نائل وہ بھانجا ہے تمہارا۔" ساشا کو اس کی بات سخت ناگوار گزری تھی۔

"میری بہن سے زیادہ اہم میرے لیے کچھ نہیں ہے۔ وہ بچہ ابھی اس دنیا میں نہیں آیا مگر وانیہ... میں ان کی بے جاضد کی وجہ سے انہیں نہیں کھو سکتا۔ مجھے کہتی ہیں کہ معجزے پر یقین رکھوں۔ مطلب حد ہے۔" وہ چاہتا تھا کہ جلد از جلد وانیہ کی جان خطرے سے باہر ہو جائے تاکہ وہ باآسانی جا سکے۔

"ہاں آجکل وہ ہر وقت ہاتھ میں قرآن پکڑے بیٹھی رہتی ہے۔" ساشا نے بھی یہ نوٹ کیا تھا۔

"وہی تو نجانے کیا چل رہا ہے ان کے دماغ میں..." نائل نے اپنی دو انگلیوں سے پیشانی مسلتے کہا تھا۔

"تم فکر مت کرو۔ میں سمجھالوں گی اسے..."

"ہمم....!" پیشانی مسلتے نائل نے صوفے کی پشت سے سر ٹکا دیا تھا۔

---

وہ کچن میں کام کر رہی تھی جب اسے اپنے پیچھے کسی کے ہونے کا احساس ہوا تھا۔ وہ بے اختیار پلٹی تھی۔

"آپ..." نائل کو دیکھ کر سنیہا کی رکی سانس بحال ہوئی تھی۔

"ہاں میں..." وہ عجیب طرز سے ہنسا تھا۔

"یوں اچانک...؟"

"کیوں نہیں آسکتا؟" سوالیہ آبرو ریز کرتے وہ اس کے مزید قریب ہوا تھا۔

"میرا وہ مطلب نہیں تھا۔" وہ پیچھے کی جانب قدم بڑھاتے سلیب سے ٹکرائی تھی۔ نائل کے انداز اسے آج کچھ ٹھیک نہیں لگ رہے تھے

"تو پھر کیا مطلب تھا؟"

"آپ چینج کر لیں میں کھانا لگا دیتی ہوں۔"

"ضرورت نہیں ہے اس کی... بس ایک سوال کا جواب دو۔" سنیہا نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی سنہری آنکھوں میں دیکھا تھا۔

"تم دھوکہ تو نہیں دے رہی نا مجھے؟ اپنی معصومیت کے جال میں پھنسا تو نہیں رہی نا مجھے....؟" نائل کے چہرے کے تاثرات بہت سخت تھے۔

"آپ یہ کیا کہہ رہے ہیں؟" وہ ایک لمحے کے لیے بوکھلا گئی تھی۔

"کچھ غلط تو نہیں کہہ رہا۔ مجھے ایسا لگتا ہے تم مجھے پکا دھوکہ دو گی۔" لہجے میں سختی کے ساتھ متانت بھی تھی۔

"میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتی۔ اور آپ کو پتا نہیں کیا ہو جاتا ہے۔ اچھے خاصے گئے تھے یہاں سے اور اب..." رم جھم شروع ہو چکی تھی۔

"اچھا اب رو تو نہیں... میں مذاق کر رہا تھا۔" نائل نے مسکراتے ہوئے فوراً اسے خود سے لگایا تھا۔

"یہ مذاق تھا؟" آنکھوں میں بے یقینی کا تاثر لیے سنیہا نے اپنی سیاہ آنکھیں پھیلائی تھیں۔

نائل نے فوراً اسے خود سے دور دھکیلا تھا۔ لبوں کی مسکراہٹ کہیں غائب ہوئی تھی۔ اس طرح دھکیلنے کی وجہ سے وہ زور سے کچن کاؤنٹر میں جا لگی تھی۔

"ہزار دفعہ سمجھایا ہے کہ نظریں مت ملایا کرو مجھ سے..." وہ سرد لہجے میں کہتا تیزی سے باہر گیا تھا۔

وہ کافی دیر کمرے میں اس کا انتظار کرتا رہا تھا مگر وہ نہیں آئی تھی۔ آخر کار تھک ہار کر وہ خود ہی اسے ڈھونڈنے باہر گیا تھا۔

"تم یہاں کیا کر رہی ہو؟" اسے سٹڈی روم میں بیٹھا دیکھ نائل بھی اس کے پاس آ بیٹھا تھا۔

"کچھ نہیں..." وہ نظریں جھکائے پھیکا سا مسکرائی تھی۔

"میں انتظار کر رہا تھا تمہارا...!"

"آپ نے تو کہا تھا کہ جب آپ غصے میں ہوں تو میں دور رہا کروں آپ سے..." ایک ہاتھ کی انگلیوں سے دوسرے ہاتھ کی پشت مسلتے وہ حد درجہ نرم لہجے میں گویا ہوئی تھی۔

"کبھی کبھی مجھے تمہارے لیے افسوس ہوتا ہے۔ تم یہ سب ڈیزرو نہیں کرتی مگر میں کیا کروں سنیہا... میں سچ میں پوری کوشش کرتا ہوں مگر پتا نہیں مجھے کیا ہو جاتا ہے۔" نائل نے اس کا دائیں ہاتھ تھامتے اس کی انگلیوں میں اپنی انگلیاں پھسائی تھیں۔

"کوئی بات نہیں..." اس نے نائل کے کندھے پر سر ٹکائے میٹھے لہجے میں کہا تھا۔

"تمہاری ایگو ہرٹ نہیں ہوتی؟" اس کے گرد حصار قائم کرتے وہ استفسار کر رہا تھا۔

"نہیں! میں ایک بیوی ہوں اور بیوی ایک دن میں کئی بار اپنی عزت نفس اپنے پیروں تلے کچل دیتی ہے۔ آپ یہ سب چھوڑے، یہ بتائیں کہ اس طرح اچانک کیوں آ گئے، سب خیریت ہے نا؟"

"ہاں سب ٹھیک ہے۔ تم یہ بتاؤ تم وانیہ سے کیا کہتی رہی ہو؟"

"مطلب...؟" سنیہا کے ماتھے پر شکنیں ابھری تھیں مگر اس نے نگاہیں نہیں اٹھائی تھیں۔

"میں نے تمہیں اسے سمجھانے کا کہا تھا کہ وہ آپریٹ کے لیے تیار ہو جائے لیکن تم نے تو اسے نئی امید ہی دلا دی۔"

"امید پر دنیا قائم ہے اور اگر میں خود اچھی امید رکھ سکتی ہوں تو دوسروں کو کیوں نا دلاؤں؟"

"اور کون سی امید رکھتی ہو تم؟"

"وہ میں آپ کو نہیں بتا سکتی۔ میرے اور میرے اللہ کے درمیان کی بات ہے۔"

"بڑی دوستی نہیں ہو گئی آجکل اللہ سے؟" اس کی بدلتی روٹین کو بہت اچھے سے نوٹ کر رہا تھا۔ سنیہا نے نا صرف نماز پڑھنی شروع کی تھی بلکہ وہ کبھی کبھی قرآن بھی پڑھ لیتی تھی۔

"آپ کو کوئی مسئلہ ہے؟" سر اٹھاتے اس نے نروٹھے لہجے میں کہا تھا۔

"میری شکایت تو نہیں کرتی؟" بازو صوفے پر پھیلاتے نائل نے آنکھیں سکیڑی تھیں۔

"میں یہ خواب میں بھی نہیں کر سکتی۔" اس کی بات پر نائل مسکرا دیا تھا۔ اسے یقین تھا کہ وہ سچ کہہ رہی ہے۔

"گھر میں بیٹھی بیٹھی بور ہو جاتی ہوں تو موبائل چلا لیتی ہوں۔ ایک دن ایسے ہی نظر سے اسلام کے حوالے سے ایک وڈیو گزری تو مجھے دلچسپی ہوئی اور میں نے پھر لیکچرز لینا شروع کیے۔ اب آنلائن ایک کورس بھی جوائن کیا ہے اور مجھے لگتا ہے کہ میری زندگی بدل رہی ہے۔ ایسا لگتا ہے میں نے اپنی ساری زندگی ضائع کی لیکن کوئی بات نہیں، میں اب مزید وقت ضائع نہیں کروں گی۔"

"Good!"

نائل نے اسے سراہا تھا۔ جواباً وہ مسکرا دی تھی۔

"ایک بات پوچھوں؟" وہ تھوڑا ہچکچائی تھی۔

"ہمم..."

"میری آنکھیں آپ کو کیوں پسند نہیں ہیں؟"

"بس یہ مجھے کسی کی یاد دلاتے ہیں۔ کسی ایسے کی جس سے میں شدید نفرت کرتا ہوں۔" نائل نے آنکھیں بند کیے صوفے کی پشت سے ٹیک لگایا تھا۔

"اس میں میرا کیا قصور ہے؟"

"یہی سوال میں کئی بار خود سے کرتا ہوں کہ آخر میرا کیا قصور تھا مگر کبھی تسلی بخش جواب نہیں ملا۔ تم بھی خود سے کر کے دیکھ لو شاید تمہیں جواب مل جائے۔"

"میں خود سے کیوں سوال کروں؟ میں تو آپ سے پوچھوں گی نا..."

"میرے پاس جواب نہیں ہے۔" نائل نے آنکھیں کھولے اس کی طرف دیکھا تھا۔ اس کی آنکھیں سرخ تھیں۔ سنیہا کچھ دیر بے بس نگاہوں سے اسے دیکھتی رہی تھی پھر اس کے مزید قریب ہوتے سنیہا نے اس کے سینے پر ہاتھ رکھا تھا۔ وہ واضح طور پر اس کی دھڑکنوں کو محسوس کر پا رہی تھی۔

"اتنا وقت گزر گیا ہے اب تو مجھ پر اعتبار کر لیں۔ اگر آپ کو کوئی پریشانی ہے تو مجھ سے شیئر کریں۔ میں آپ کی بیوی ہوں، میں آپ کو سمجھوں گی۔ ہو سکتا ہے کہ میں آپ کی کوئی مدد کر سکوں۔"

"تم بس میرے لیے دعا کیا کرو۔" اس کا اپنے سینے پر رکھا ہوا ہاتھ تھامتے وہ ایک بار پھر آنکھیں موندے گیا تھا۔ شاید وہ اس کے لمس سے سکون حاصل کرنا چاہتا تھا۔

"میرے ہاتھ کبھی دعا کے لیے اٹھے ہوں اور آپ کو بھول جاؤں، ایسا ممکن نہیں ہے۔" وہ پر اعتماد تھی اور اس کا اعتماد بجا تھا۔

"کیا دعا کرتی ہو میرے لیے؟" اس کے چہرے پر اب کافی اطمینان تھا۔ وہ عورت ساتھ نبھانے والوں میں سے تھی۔ وہ کبھی اسے اکیلا چھوڑ ہی نہیں سکتی تھی۔

"بہت ساری دعائیں ہیں اور آپ کو نہیں بتانے والی میں..." سنیہا نے اب اپنا سر اس کے دل کے مقام پر رکھا تھا۔ نائل کی دھڑکنیں تو نارمل تھیں مگر اس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا تھا۔ اس کے پاس ہونے کا احساس جتنا سکون دہ تھا، اس کی قربت اتنی ہی جان لیوا تھی۔

"کوئی ایک ہی بتا دو۔" چھت کو گھورتے اس نے مدھم سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا تھا۔

"یہی کہ آپ کی زندگی میں ہمیشہ سکون رہے۔" آنکھیں بند کیے سنیہا نے نیم غنودگی کا کہا تھا۔ اس کے سینے پر سر رکھتے ہی اس پر نیند غالب آنے لگی تھی۔

"تمہاری دعا قبول نہیں ہوئی ابھی تک..."

"مطلب...؟" نینداس پر غالب آتی جا رہی تھی۔

"مطلب تم تو ابھی تک میری زندگی میں ہو اور مجھے یقین ہے کہ آگے بھی میری جان نہیں چھوڑو گی۔" بند پڑتی آنکھیں ایکدم ہی کھلی تھیں۔ وہ کرنٹ کھا کر اس سے دور ہوئی تھی۔

"میں دعا کروں گی کہ آپ کو یہ سکون کبھی نصیب نا ہو۔" اس کے سینے پر ایک زبردست مکا جڑتے وہ غصے سے وہاں سے اٹھی تھی۔

"اب کیا کر دیا میں نے؟" سینے پر ہاتھ رکھے وہ ازلی معصومیت سے بولا تھا۔

"پتا نہیں آخر لوگ مجھ جیسے اچھے انسان کی قدر کیوں نہیں کرتے؟" سرد آہ بھرتے وہ صوفے سے اٹھا تھا۔ ان دونوں کی گفتگو جتنی مرضی سیریس اور رومانٹک ہو اس کا اختتام ہمیشہ یہی ہوتا تھا۔

---

رات کے پہر سوئمنگ پول کے پاس کھڑے وہ سوچوں میں گم تھا۔اس نے اس نایاب طرز کے پل کو دیکھا تھا جو خصوصا نین کے لیے ہی بنایا گیا تھا۔اس نے اپنے بائیں ہاتھ کی دو انگلیوں میں سگریٹ دبائی ہوئی تھی۔ سگریت جلتے جلتے اس کی انگلیوں پر نشان چھوڑ رہی تھی مگر وہ ہر درد سے بے نیاز اپنے محبوب کے خیالوں میں گم تھا۔وہ اسے خود سے دور تو کر چکا تھا مگر اس کے حواسوں پر ہمیشہ وہی چھائی ہوتی تھی۔

ابھی وہ محو غم دوش ہی تھا کہ فون کی بیپ نے اس کے خیالوں میں ارتعاش پیدا کیا تھا۔

"ہاں بولو جیمز؟"فون اٹھاتے وہ تھکان سے بھرپور آواز میں گویا ہوا تھا۔

"بلیک مونسٹر سب ختم ہو گیا،سب برباد ہو گیا۔"جیمز کی آواز سنتے حاتم چونکا تھا۔

"کیا ہوا؟"

"تہہ خانے میں آگ لگ گئی۔سب جل گیا، جتنے لوگ اندر موجود تھے سب ختم ہو گئے۔"حاتم کی آنکھیں حیرت سے پھیلی تھیں۔یہ دھچکہ واقعی بہت بڑا تھا۔

"کیا بکواس کر رہے ہو؟"وہ پوری قوت سے دھاڑا تھا۔

"میں سچ کہہ رہا ہوں۔پتا نہیں کیسے شارٹ سرکٹ ہو گیا اور..."جیمز نے ابھی جملہ مکمل بھی نہیں کیا تھا کہ حاتم نے فورا کال کاٹ دی تھی۔غصے سے سگریٹ کو ہتھیلی میں دباتے وہ تیزی سے اپنے کمرے کی جانب بڑھا تھا۔

کپڑے تبدیل کرنے کے بعد حاتم نے گاڑی کی چابی اٹھائی تھی۔شدید طیش کی حالت میں وہ گاڑی کسی میزائل کی سپیڈ سے اڑا لے گیا تھا۔

"یہ سب کیسے ہوا؟"حاتم نے سب سے پہلے جیمز کا گریبان پکڑا تھا۔وہ لوگ اس وقت بدر کے گھر پر موجود تھے۔ان کا اصل ٹھکانہ بالکل نست و نابود ہو چکا تھا۔

"مجھے نہیں پتابلیک مونسٹر۔"جیمز خود شاک کی کیفیت میں تھا۔

"اتنے سالوں کی محنت آخر ایسے کیسے برباد ہو سکتی ہے؟ ہمارا سارا ڈیٹا تھا وہاں پر..." حاتم بالکل پاگل ہو گیا تھا۔

"سب برباد ہو گیا۔"بدر کی حالت بھی کچھ مختلف نا تھی۔وہ جگہ ان کے کالے کارناموں کا مرکز تھی اور آج وہ ہی تباہ ہو چکی تھی۔

اس کمرے میں کل ملا کر چار لوگ تھے جن میں سے تین تو بالکل بوکھلائے ہوئے تھے مگر چوتھا شخص بالکل پرسکون بیٹھا تھا۔ایسے جیسے اسے کوئی غم ہی نا ہو۔

وہ ماریہ تھی جو ایک کونے میں رکھی کرسی پر بالکل خاموش بیٹھی تھی۔

"کتنے لوگ تھے اندر؟"

"تقریباً پچیس...اور سب ہی اہم تھے۔"جیمز کے جواب دیتے ہی حاتم نے ایک زبردست تھپڑ اس کے منہ پر مارا تھا۔

"دفع ہو جاؤ یہاں سے اور جا کر پتا لگاؤ کہ یہ کس کا کام ہے؟ میں مان ہی نہیں سکتا کہ یہ صرف ایک حادثہ تھا۔پتا لگاؤ کہ آخر کون ہے غدار..."جیمز کو پرے دھکیلے وہ غرایا تھا۔

"عارف کہاں ہے؟"بدر کو اچانک ہی عارف کا خیال آیا تھا۔

"وہ بھی مر گیا۔"ماریہ پہلی بار گویا ہوئی تھی۔

"یا اللہ...!"بدر نے باقاعدہ اپنے بال نوچے تھے۔

"یہ سب کون کر سکتا ہے؟"حاتم نے اپنی پوری فوج دوڑا دی تھی مگر اب تک کچھ بھی معلوم نہیں ہو سکا تھا۔

"شاید یہ شاہین نے کیا ہو؟"جیمز نے دروازے تک پہنچتے منمنا کر کہا تھا۔

"شاہین کا کام کیسے ہو سکتا ہے؟ وہ اندر کیسے..." وہ کہتے کہتے رکا تھا۔ دماغ میں اچانک ہی جھماکہ ہوا تھا۔

"وہ... وہ لڑکا... وہ مرا یا نہیں...؟"

"کون سا لڑکا؟" بدر نے اس کی جانب دیکھے شکست خور حالت میں پوچھا تھا۔

"وہی جو خود کو احمر کہتا تھا۔"

"جیمز پتا کرو کہ اس کی لاش ہے یا نہیں... وہ مرا ہے یا نہیں..."

"ظاہر ہے وہ مر گیا ہو گا۔" ماریہ فوراً اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"قیاس آرائیوں کا نہیں کہا میں نے..." حاتم نے فوراً اسے ڈپٹا تھا۔

"جیمز تم باقی معاملات دیکھو، میں پتا لگاتی ہوں کہ وہ مرا ہے یا نہیں..." اس نے پہلی بار دلچسپی لی تھی۔

"اگر تو وہ بچ گیا ہے تو پھر وہی شاہین ہے اور یہ آگ اس ہی نے لگائی ہے۔" حاتم کی آنکھوں میں لال چنگاریاں بھڑک رہی تھیں۔

"اس کی ضرورت نہیں ہے، ابھی پتا چل جائے گا کہ شاہین کون ہے۔" بدر کی آواز پر وہ تینوں ہی چونکے تھے۔

"میں نے عارف کو خفیہ طور پر ایک مشن دیا تھا، شاہین کو ڈھونڈھنے کا مشن... ہم نے مل کر ایک جال بنا تھا اور ہماری چال کامیاب ہوئی۔ عارف نے مجھے شام میں ہی کال کر کے بتایا تھا کہ وہ سب جان گیا ہے اور مجھ سے ملنا چاہتا ہے۔"

"کیا...؟" حاتم کو شدید دھچکہ پہنچا تھا۔

"آپ میرے علم میں لائے بغیر یہ کیسے کر سکتے ہیں بابا؟" وہ فوراً بھڑک اٹھا تھا۔

"ڈیوڈ ایک تو تم فوراً جذباتی ہو جاتے ہو۔ اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ شاہین کو کیسے ڈھونڈا جائے۔ اہم بات یہ ہے کہ ہم اسے کھوج چکے ہیں۔"

"اچھا! اور کون ہے شاہین؟" وہ طنزاً بولا تھا۔ اس طرح اس سے چھپ کر کام کرنا اسے کچھ ہضم نہیں ہوا تھا۔

"میں نہیں جانتا مگر عارف جانتا تھا۔"

"اب عارف ہمیں کیسے بتائے گا؟" وہ استہزائیہ ہنسا رہا۔

"اس نے ایک فائل بنائی تھی۔"

"اور وہ فائل کہاں ہے؟"

"تہہ خانے میں تھی۔" حاتم نے صبر کے گھونٹ بھرتے گہری سانس خارج کی تھی۔

"بابا جب عارف مر گیا، وہ فائل جل گئی تو پھر اس مصیبت شاہین تک کیسے پہنچے گے؟" اب کی بار اس کی آواز قدرے اونچی تھی۔

"میں نے اسے فائل کی ایک کاپی رکھنے کا کہا تھا۔ وہ یقیناً اس کے گھر پر ہو گی۔" اس بات پر ماریہ ٹھٹھکی تھی۔

"ٹھیک ہے میں جا کر دیکھتا ہوں۔" حاتم نے ابھی ایک قدم ہی آگے بڑھایا تھا کہ بدر کی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تھی۔

"میں ساتھ چلوں گا۔"

"آپ جا کر کیا کریں گے بابا؟" وہ شدید جھنجھلایا تھا۔

"میں جانتا ہوں کہ اس نے فائل کہاں رکھی ہو گی۔"

"ٹھیک ہے تو پھر آپ ہی چلے جائیں، میں نہیں جا رہا۔" اس نے فوراً ہاتھ کھڑے کیے تھے۔

"تمہیں آخر ہو کیا گیا ہے ڈیوڈ؟"

"میں شدید شاک میں ہوں۔مجھے سمجھ نہیں آرہا کہ آپ مجھ سے چھپ کر بھی کچھ کر سکتے ہیں؟"اس نے ناراضگی کا اظہار کیا تھا۔

"تم نے بھی تو مجھے اتنا عرصہ ایک گھر تک محدود رکھا اور اس لڑکی کے چکر میں مجھے کھڑی کھوٹی سنائی، جب میں نے سب برداشت کیا تو اب تم اتنی چھوٹی سی بات تو برداشت کر سکتے ہو نا؟"

"ٹھیک ہے، ایک کام کرتے ہیں سب ساتھ چلتے ہیں لیکن اگر آج بھی اس چالاک شخص کا پتا نا چلا تو میں اس عارف کے بچے کو قبر سے نکال کر ماروں گا۔" تنفر سے سر جھٹکتے وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا کمرے سے باہر گیا تھا۔اس کے جانے کے بعد بدر، ماریہ اور جیمز بھی پیچھے چل دیے تھے۔

"میرا نہیں خیال کہ وہاں کوئی فائل ہو گی۔" وہاں پہنچتے ماریہ نے فورا کہا تھا۔

"تم اپنی زبان بند رکھو لڑکی..." بدر نے درشتگی سے اسے ٹوکا تھا۔

تھوڑی سی محنت کے بعد وہ لوگ فائل ڈھونڈنے میں کامیاب ٹھہرے تھے۔

"اسے پڑھو لڑکی..." بدر نے اسے حکم صادر کیا تھا۔

"مگر یہ تو خالی ہے۔" کورے کاغذ کو دیکھتے ماریہ پزل ہوئی تھی۔

"دماغ خراب مت کرو لڑکی، چپ چاپ پڑھو اسے..." بدر کا دل آج ماریہ کو قتل کرنے کا چاہا تھا۔وہ فائل ایک مخصوص روشنی میں ہی پڑھی جاتی تھی۔

کمرے میں نیلی بتی جلاتے ماریہ نے اسے پڑھنا شروع کیا تھا۔

"یہ مجھ سے نہیں پڑھی جا رہی۔" خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے وہ ڈرتے ڈرتے گویا ہوئی تھی۔نیلی بتی میں بھی اس فائل کو صرف وہی پڑھ سکتا تھا جسے وہ کوڈ لینگوئج آتی ہو۔

"تم کسی کام کی نہیں ہو لڑکی..." بدر نے اس کے ہاتھ سے فائل جھپٹتے اسے غصے سے گھورا تھا۔

"میں خود ہی پتا لگا لوں گا۔" وہ کسی کو کال ملاتے باہر نکلا تھا۔

جیمز بھی اس پر ایک افسوس بھری نگاہ ڈال کر باہر چلا گیا تھا۔ماریہ کی دماغی حالت آجکل کچھ ٹھیک نہیں تھی۔اور وہ کام میں بالکل دلچسپی نہیں لیتی تھی۔

حاتم ایک سائیڈ پر کھڑا اس کی ہر حرکت اور چہرے کے بدلتے تاثرات کو جانچ رہا تھا۔اسے بھی وہ کچھ مشکوک لگی تھی۔

"تمہاری طبیعت ٹھیک ہے؟" اس کے اس طرح خود کو مخاطب کرنے پر وہ بری طرح چونکی تھی۔اور اصل چونکا دینے والی چیز اس کا ماریہ کی طبیعت پوچھنا تھا۔وہ تو بغیر لحاظ کیے اس پر گولیاں چلا دیتا تھا اور کبھی مڑ کر حال پوچھنا بھی گوارا نہیں کرتا تھا تو پھر آج.....

"جی..." وہ نظریں چرا کر گویا ہوئی تھی۔حاتم نے سر تا پیر اس کا جائزہ لیا تھا۔اچانک ہی اس کی نظر اس کے ہاتھ کے انگوٹھے پر گئی تھی جہاں تھوڑی سی کالک لگی ہوئی تھی۔

"اپنا خیال رکھا کرو ماریہ... زندگی بہت قیمتی ہوتی ہے اور میں نمک حرامی معاف نہیں کرتا۔" وہ یہ کہہ کر رکا نہیں تھا۔

وہاں سے وہ سیدھا گھر آئی تھی جبکہ جیمز اس حادثے کی وجہ جاننے کی کوشش میں لگا ہوا تھا اور بدر اور حاتم اس فائل کو سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے۔

گھر آتے ساتھ ہی اس نے فون نکالے کسی کا نمبر ڈائل کیا تھا۔

"مجھے ایک جلی ہوئی لاش چاہیئے۔" ماریہ نے کسی کو ہدایات دیتے فوراً کال کاٹی تھی۔

"مجھے ایسا لگتا ہے جیسے کچھ مسنگ ہے۔جو جیسا دکھتا ہے ویسا ہے نہیں..."ٹیرس پر موجود کرسی پر بیٹھتے وہ مضطرب انداز میں گویا ہوا تھا۔

"تم کہنا کیا چاہتے ہو؟"بسکٹ کو دانتوں سے کترتے محسن نے اب چائے کا کپ اٹھایا تھا۔

"شاہین...مجھے ایسا لگتا ہے کہ جس شاہین کو میں جانتا ہوں وہ دراصل شاہین نہیں ہے۔"محسن کو چائے پیتے اچھوتا لگا تھا۔

"تم جانتے ہو شاہین کون ہے؟"آنکھیں حیرت سے پھیلائے وہ الرٹ ہو کر بیٹھا تھا۔

"شاید...مجھے کچھ گڑبڑ لگتی ہے۔اگر سوچا جائے تو ہر کیس کے بارے میں اسے پتا ہوتا ہے۔اتنے سالوں میں کتنے ایسے کیسز ہیں جو ہم حل نہیں کر سکے یا پھر کتنی دیر سے کیے مگر وہ ہر کیس منٹوں میں حل کر لیتا ہے۔"

"تم اس سے جیلس ہو؟"

"بات جیلیسی کی نہیں ہے،بات کچھ اور ہے۔میں جانتا ہوں کہ وہ شاہین ہے مگر درحقیقت شاہین ایک اچھا شخص ہے یا نہیں...اس پر شبہات ہیں۔مجھے لگتا ہے کہ شاید وہ جان بوجھ کر مسائل کھڑے کرتا ہے اور پھر انہیں حل کر کے ہیرو بن جاتا ہے۔مجھے لگتا ہے کہ وہ اس ملک کے ساتھ وفادار نہیں ہے۔"

"اور تمہیں اچانک سے یہ خیال کیسے آیا؟"

"میں اتنے عرصے سے اس چوتھے شخص کو پکڑنے کی کوشش کر رہا ہوں جو کہ روپوش ہے۔اس کے دوست کو اتنے عرصے اپنی قید میں رکھا مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا۔آخر میں کیوں اس کیس سے آگے نہیں بڑھ پا رہا؟"نائل نے بے بسی سے گہری سانس خارج کی تھی۔

"کیونکہ تمہیں اس سے آگے بڑھنے نہیں دیا جا رہا۔تمہیں الجھایا جا رہا ہے۔"محسن کی بات پر نائل نے زور سے ٹیبل پر ہاتھ مار کر اس کی بات کی تائید کی تھی۔

"یا تو شاہین دھوکے باز ہے یا پھر...؟" نائل خاموش ہوا تھا۔

"یا پھر...؟" محسن نے اسے جملہ مکمل کرنے کے لیے کہا تھا۔

"یا پھر شاہین اور چیف دونوں..." محسن ایک لمحے کے لیے سانس نہیں لے سکا تھا۔اس نے حیرت سے نائل کی جانب دیکھا تھا جو کی اپنی پیشانی مسلتے اب مختلف کڑیاں جوڑ رہا تھا۔

---

"وانیہ کہاں جا رہی ہو؟" اسے صبح صبح اتنا تیار دیکھ ساشا نے استفسار کیا تھا۔

"ضروری کام ہے۔ جلد واپس آ جاؤں گی۔" وہ تقریباً بھاگتی ہوئی باہر گئی تھی۔ساشا نے اسے روکنا چاہا تھا مگر وہ کسی کی سنتی ہی کہاں تھی۔

اپنے ڈیپارٹمنٹ پہنچتے وہ فوراً ہال کی جانب گئی تھی۔ہال میں آج پھر حسب معمول لیکچر چل رہا تھا۔وہ لیکچر کے اختتام تک باہر کھڑی انتظار کرتی رہی تھی۔آمنہ کے باہر آتے وہ بھاگ کر اس کی طرف گئی تھی۔

"وانیہ تم یہاں؟"

"بات کرنی تھی۔" اس نے ہانپتے وجود کے ساتھ کہا تھا۔

"سب خیریت ہے؟" وہ پریشان ہو گئی تھی۔

"نہیں کچھ بھی خیریت نہیں ہے۔ تم پلیز چلو میرے ساتھ۔" اسے کچھ بھی سمجھنے کا موقع دیے بغیر وہ اسے اندر ہال میں لے گئی تھی۔

ہال تقریباً خالی ہو چکا تھا۔وہ پیچھے کی جانب ترتیب میں رکھی کرسیوں کی لائن میں جا بیٹھی تھی۔اس نے اپنے ساتھ والی کرسی پر آمنہ کو بٹھایا تھا۔

"بہت زیادہ بلنڈرز ہیں اس میں..." وہ آمنہ کو سانس لینے کا موقع بھی نہیں دے رہی تھی۔

"ہوا کیا ہے؟" آمنہ نے نا سمجھی سے اس کی جانب دیکھا تھا۔

"سورۃ العلق میں لکھا ہے کہ....

ترجمہ:

"ہر گز نہیں، یقیناً اگر وہ باز نہ آیا تو ہم ضرور اسے پیشانی کے بالوں کے ساتھ گھسیٹیں گے۔"

(سورۃ نمبر 96 العلق، آیت نمبر 15)

"اور اس کے علاوہ اگلی آیت میں لکھا ہے کہ....

ترجمہ:

"پیشانی کے ان بالوں کے ساتھ جو جھوٹے ہیں، خطا کار ہیں۔"

(سورۃ نمبر 96 العلق، آیت نمبر 16)

وانیہ نے دونوں آیات کا ترجمہ پڑھا تھا۔

"اس سورۃ میں ابو جہل کے بارے میں بات ہو رہی ہے کہ اسے پیشانی کے بالوں سے گھسیٹا جائے گا۔ وہ بال جو جھوٹے ہیں۔ تمہیں پتا ہے میں نے اس پر ایک ڈاکومینٹری پڑھی ہے جس میں مسلم سائنس دان بڑے فخر سے بتاتا ہے کہ یہ چیز سائنس سے ثابت ہوتی ہے۔ ہمارے دماغ کے ایک حصے کو فرنٹل لوب کہتے ہیں یہ حصہ پیشانی کے بالکل پیچھے ہوتا ہے اور یہ بہت سی صلاحیتوں پر قابو پانے کے لیے ذمہ دار ہے، بشمول آپ کے سوچنے کا طریقہ، آپ کیسے حرکت کرتے ہیں اور آپ چیزوں کو کیسے یاد کرتے ہیں۔ اور تحقیق سے ثابت ہوتا

ہے کہ یہ حصہ جھوٹ بولنے کی صلاحیت کا ذمہ دار ہوتا ہے۔" وانیہ سانس لینے کو رکی تھی جبکہ آمنہ کے لبوں کو مسکراہٹ نے چھوا تھا۔ اسے اچھا لگا تھا وانیہ کا اس طرح تحقیق کرنا...

"تو اس میں اتنا پریشان ہونے والی کیا بات ہے؟" لبوں کی مسکراہٹ اب بھی برقرار تھی۔

"عربی میں سر کے اگلے حصے کو ناصیہ کہا جاتا ہے اور زبانیہ عرب پولیس کے سپاہی کو کہتے ہیں مطلب یعنی افسر کی کسی ناراضگی کے سبب سپاہی کسی کو دھکے دے کر نکال دے۔ مگر یہاں پر جہنم کے فرشتے مراد ہیں جو دھکے دے کر نکال دیں گے۔"

"میں سمجھ گئی ہوں مگر تمہارا سوال کیا ہے؟"

"دیکھو میں تو ان سب چیزوں پر یقین نہیں رکھتی مگر باقی مسلمانوں تو رکھتے ہیں نا....؟ مجھ جیسا کوئی شخص آ کر سوال پوچھتا ہے تو یہ لوگ برا بھلا کہتے ہیں، یہاں تک کہ فتوے بھی لگا دیتے ہیں۔ میں نے جب سے سرچ کرنا شروع کیا ہے ایک عجیب سے تعجب نے مجھے آگھیرا ہے۔"

"کیسا تعجب؟؟" آمنہ کے ماتھے پر ایک ساتھ کئی سلوٹیں در آئی تھیں۔

"مسلمان کہتے ہیں کہ قرآن کا لکھا ہر لفظ سچ ہے تو پھر یہ اس پر غور و فکر کیوں نہیں کرتے؟ یہ بات جب قرآن میں لکھی ہوئی ہے کہ ابو جہل کو پیشانی کے ان بالوں سے پکڑا جائے گا جو جھوٹے ہیں تو پھر یہ فرنٹل لوب کا کنسیپٹ کیوں کسی غیر مسلم نے دیا، میرا مطلب کسی مسلمان نے اس بارے میں کیوں نہیں سوچا؟" وانیہ کی بات پر آمنہ کے لبوں کی مسکراہٹ مزید گہری ہوئی تھی۔

"ایسا اس لیے ہے کیونکہ آج کل مسلمانوں نے اس کتاب کو بہت معتبر کر دیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ کتاب معتبر ہے مگر اس کا ہر گز یہ مطلب نہیں کہ ہم اسے پڑھ اور سمجھ نہیں سکتے۔ ہم میں سے کتنے لوگ

ہیں جو اس کتاب کو وقت دیتے ہیں؟ اور کتنے لوگ ہیں جو ترجمہ اور تفسیر پڑھتے ہیں؟؟" وہ بہت میٹھا بولتی تھی۔ وانیہ دم سادھے اسے ہی سن رہی تھی۔

"عربی ہماری زبان نہیں ہے وانیہ، تو پھر ہمیں قرآن کیسے سمجھ آسکتا ہے؟؟ آج کل تو سوشل میڈیا کا دور ہے، ہر کسی کے ہاتھ میں موبائل ہوتا ہے۔ اگر ہم تفسیر نہیں بھی خرید سکتے تو کم از کم موبائل میں تو پڑھ سکتے ہیں نا... لیکن ہم یہ نہیں کرتے کیونکہ قرآن ہمیں بہت بورنگ لگتا ہے۔ تم بتاؤ ٹھیک کہہ رہی ہوں نا میں؟"

"ایسا نہیں ہے۔ میرا مطلب ہے یہ ایک دلچسپ کتاب ہے۔"

"کیا چند دن پہلے تم یہ کہہ سکتی تھی؟" وہ لاجواب ہو گئی تھی۔ چند دن پہلے تک اس کے خیالات بہت مختلف تھے۔

"قرآن ایک دلچسپ کتاب ہے اور اسے مزید دلچسپ ہم بناتے ہیں۔ یہ ہماری نیت پر انحصار کرتا ہے کہ ہم اسے کیسے اور کیوں پڑھ رہے ہیں۔ آج اگر کوئی بھی غیر مسلم کسی مسلمان سے یہ پوچھ لے کہ قرآن کی فلاح سورۃ میں کیا حکم ہے تو کوئی نہیں بتا سکے گا کیونکہ ہمیں لگتا ہے یہ صرف علماء کا کام ہے۔ ہاں ٹھیک ہے ہم اپنے مسائل علماء کے پاس لے کر جا سکتے ہیں مگر کم از کم قرآن کو خود سے سمجھ تو سکتے ہی نا.... اس کا آسان حل یہ ہے کہ پورے دن میں صرف دس سے پندرہ منٹ اس کتاب کو دے دو۔ بے شک آپ دن میں جتنی مرتبہ ثواب کی نیت سے کلام الٰہی پڑھو مگر اس وقت عربی کو چھوڑ کر ترجمے اور تفسیر پر فوکس کرو۔ ایک ڈائری یا رجسٹر لو، جس میں ہر سورۃ کے اہم نقاط لکھو اور پھر اسے کچھ نئے طرز سے سمجھنے کی کوشش کرو۔ یہ کتاب آسان ہے مگر ان کے لیے جو اسے سمجھنا چاہے۔" اپنی بات کے اختتام پر آمنہ نے گہری سانس خارج کی تھی۔

"قرآن پاک ہدایت کی کتاب اور اس سے ہدایت پانے کے لیے اسے سمجھنا بہت ضروری ہے۔ لیکن افسوس آج کل مسلمان اسے سمجھنے کی زحمت نہیں کرتے۔ اگر کوئی ہم سے یہ پوچھ لے قرآن کی سورتوں کے نام ہی

بتادو تو ہم وہ بھی نہیں بتا سکتے کیونکہ ہم نے اس کتاب کو کبھی وقت دیا ہی نہیں... ہمارے نزدیک اس کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ دوسری طرف غیر مسلم جو کہ اس کتاب کو نہیں مانتے مگر اس پر غور و فکر ضرور کرتے ہیں، اسی وجہ سے وہ آج ہم سے بہت آگے ہیں اور ہم اسلام میں اپنی مرضی کی چند چیزیں تھام کر بہت پیچھے..."

"شاید تم ٹھیک کہتی ہو مگر اس سب سے میرا کیا تعلق...؟ میں تو مانتی ہی نہیں ان چیزوں کو..." وہ ازلی بے نیازی سے گویا ہوئی تھی۔

"اب بھی نہیں مانتی؟" آمنہ نے آنکھوں میں حیرانگی کا تاثر لیے اسے دیکھا تھا۔

"کیسے مان سکتی ہوں، میں تو ہمیشہ سے انکار کرتی آئی ہوں؟"

"زندگی بار بار موقع فراہم نہیں کرتی۔ تم پہلے کیا کرتی رہی ہو یہ اہم نہیں ہے۔ اہم یہ ہے کہ تم اب کیا کرتی ہو... اس سے پہلے کہ وقت ہاتھ سے ریت کی مانند پھسل جائے، کلمہ پڑھ لو وانیہ..." اس کی بات پر وانیہ کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ ہوئی تھی۔ اس نے بے یقینی سے آمنہ کو دیکھا تھا۔

"تم کہنا چاہتی ہو کہ میں کافر ہوں؟" وہ غصے سے بھڑکتی کھڑی ہوئی تھی۔

"ایک بار ٹھنڈے دماغ سے میری بات سن لو۔ دیکھو بہت ساری چیزیں ہم غیر ارادی طور پر کہہ دیتے ہیں، جیسے تم نے کہا تھا کہ تم اللہ کی ذات کے بارے میں شبہات کا شکار تھی۔ مسلمان ہونے کے لیے کلمے کی دونوں شرائط پر عمل کرنا ضروری ہے۔ اللہ کو ماننا اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو آخری نبی تسلیم کرنا.... پھر تمہیں تو ارکان اسلام پر بھی شبہات تھے۔ فرشتوں اور آخرت پر بھی تو ایمان نہیں تھا نا تمہیں..."

"مجھے اب بھی نہیں ہے۔ یہاں آکر میں نے اپنا وقت ضائع کیا۔" وہ افسوس سے سر جھٹکتے آگے بڑھی تھی جب آمنہ کے کہے الفاظ نے ایک لمحے کے لیے اس کے قدم زنجیر کیے تھے۔

"تمہیں ان سب چیزوں پر یقین ہے وانیہ، بس تم اقرار کرنے سے ڈرتی ہو۔ میں تمہارے لیے دعا گو رہوں گی۔" آنکھیں میچے وہ سرخ چہرے کے ساتھ باہر گئی تھی۔

---

کمرے میں آتے ساتھ ہی وہ کافی دیر خاموش بستر پر بیٹھی رہی تھی۔

"ہاں میں ڈرتی ہوں۔ مجھے ڈر لگتا ہے، اس کتاب کو تھامنے سے ڈر لگتا ہے مجھے..." وہ خود سے کلام کر رہی تھی۔

"مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہا، کچھ بھی نہیں..." وہ سر پکڑے رو دی تھی۔

"کیا میں اندر آسکتا ہوں؟" نائل کے دروازہ ناک کرنے پر وہ فوراً آنسو صاف کرتے سیدھی ہوئی تھی۔

"جی بھائی..." وہ مسکرا کر بولی تھی۔

"کیا کر رہی تھی میری گڑیا؟"

"کچھ نہیں، بس ایسے ہی..." وہ اس شخص سے آنکھوں کی نمی چھپانے کی کوشش کر رہی تھی جو اس کے اندر تک سے واقف تھا۔

"یہ بالوں کا کیا حشر کیا ہوا ہے؟"

"ٹھیک تو ہیں۔" وانیہ نے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا تھا۔

"کہاں ٹھیک ہیں؟ آپ کو بال بنانے ہی نہیں آتے۔ آئیں میں بنا دوں۔" نائل نے اسے بستر سے اٹھاتے کہا تھا۔

"یہ ٹھیک ہیں۔" وہ احتجاجاً گویا ہوئی تھی۔

"بہت برے لگ رہے ہیں۔" وہ پیچھے ہٹنے والوں میں سے نہیں تھا۔

اسے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بٹھاتے اب وہ اس کے بال برش کر رہا تھا۔ وانیہ نے کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔

"بچپن میں دو پونیاں بناتا تھا میں آپ کی..." نائل کی بات پر وہ مدھم سا مسکرائی تھی۔

"ایک دفعہ مام نے آپ کی چوٹی بنائی اور آپ بھاگ کر میری پاس آئیں کہ مجھے تو دو پونیاں ہی بنوانی ہیں اور وہ بھی مجھ سے..."

"اتنی پرانی بات مجھے یاد نہیں ہے۔" وہ اب کی بار دل کھول کر ہنسی تھی۔

"کالج کے سالانہ فنکشن سے لے کر یونیورسٹی کے پہلے دن تک میں نے آپ کے بال بنائے ہیں۔ وہ کون سا ڈیزائن کہتی تھی آپ...؟"

"آگے سے فرنچ اور پیچھے سے کھلے بال..." وانیہ نے کھلکھلا کر اسے بتایا تھا۔

"ہاں بالکل وہی..." وہ اس کا دھیان بھٹکانے می کامیاب ٹھہرا تھا۔

"اور جاگنگ کرتے جوتے کے تسمے بھی ہمیشہ آپ نے ہی باندھے ہیں۔ میں آپ سے کہتی بھی تھی کہ میں کر لوں گی مگر آپ یہ کہہ کر منع کر دیتے تھے کہ 'میں کس لیے ہوں پھر؟"

"ہاں تو اس میں غلط کیا ہے؟" اس کے سر پر بوسہ دیتے وہ پیچھے ہٹا تھا۔

"اب بالکل ٹھیک لگ رہے ہیں۔" نائل نے اسے اب سہارا دے کر بہت نرمی سے اٹھایا تھا۔

"بھائی میں بالکل ٹھیک ہوں۔" وانیہ نے اسے یقین دلانا چاہا تھا۔

"مجھے پتا ہے۔" اسے بستر پر بٹھاتے وہ خود گھٹنوں کے بل فرش پر بیٹھا تھا۔

"وانیہ آپ کو کیا ضرورت تھی وہ سب چیزیں لینے کی؟" یہ شکوہ اب کہیں جا کر وہ زبان پر لایا تھا۔

"بھائی ٹرسٹ می! میں نے بہت کم مقدار میں سب لیا تھا اور پوری ریسرچ کے بعد... اس سب سے مجھے نقصان نہیں پہنچ سکتا تھا مگر میرا بچہ..." وہ رو دی تھی۔

"مجھے نہیں پتا تھا کہ یہ... "روتے روتے اب ہچکیاں بندھ چکی تھیں۔

"آپ کا کیس میں نے امریکہ کے ایک سپیشلیسٹس کے پاس بھیجا تھا مگر وانیہ وہ بھی یہی کہہ رہے ہیں۔ پلیز جان بات مان جائیں۔ میں آپ کو تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا۔"اس کا ہاتھ تھامے وہ منت کر رہا تھا۔

"میں ہر تکلیف برداشت کرنے کے لیے تیار ہوں۔"

"اولاد کی معذوری ایک کڑا امتحان ہوتا ہے۔" وہ اسے سمجھا رہا تھا۔

"میں اس امتحان سے گزرنے کے لیے تیار ہوں۔"آنسو پونچھتے وہ عزم سے گویا ہوئی تھی۔

"ایک بار پھر سوچ لیں؟"وہ اس وقت خود کو بہت بے بس محسوس کر رہا تھا۔

"بھائی آپ میری فکر مت کریں۔ میں اب بہت مضبوط ہو چکی ہوں۔"وانیہ نے اس کے ہاتھ پر اپنا دوسرا ہاتھ رکھتے اسے دلاسہ دیا تھا۔نائل اثبات میں سر ہلا کر خاموش ہو گیا تھا۔

اس کی تفصیلی طور پر بیرون ملک ڈاکٹر سے بات ہو چکی تھی۔وانیہ بالکل ٹھیک کہہ رہی تھی،اس نے بہت پہلے ہی یہ سب لینا چھوڑ دیا تھا اور بچت کچھ اسطرح سے بھی ہوئی تھی کہ اس کے جسم میں ریزیسٹینس پاور زیادہ تھی مگر اس کا بچہ دماغی اور جسمانی لحاظ سے معذور ہی ہونا تھا جس وجہ سے وہ فکر مند تھا۔وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کی بہن ایک معذور بچے کو پالنے میں اپنی ساری زندگی وقف کر دے۔

"ٹھیک ہے لیکن پھر اب آپ بالکل نہیں روئیں گی اور اپنا بہت خیال رکھے گی۔"وانیہ نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلایا تھا۔

---

"کافی پلا دو یار..."بستر پر ڈھتے نائل نے حکم صادر کیا تھا۔

"یہاں کیا صرف کافی پینے آتے ہیں؟" کافی کا مگ اس کی جانب بڑھاتے سنیہا نے شکوہ کناں نگاہوں سے اس کی جانب دیکھا تھا۔ اس کی آمد سے پہلے ہی وہ کافی بنا چکی تھی۔

"نہیں گرینٹی پینے اور کھانا کھانے بھی آتا ہوں۔" اٹھ کر بیٹھتے اس نے مگ تھاما تھا۔ اس کے جواب پر وہ ہنس دی تھی۔

"ہنس کیوں رہی ہو؟" نائل نے ایک آچکا کر اس کی جانب دیکھا تھا۔

"مجھے ایسے ہی کسی جواب کی توقع تھی۔" سیدھے جواب کی امید رکھنا وہ چھوڑ چکی تھی۔

"ایک تو نا تم میری بالکل قدر نہیں کرتی۔ وانیہ بالکل ٹھیک کہتی ہیں تم نا تو کوئی اتنی حسین ہو اور نا ہی ذہین... مجھے تم سے بہتر مل سکتی تھی۔"

"وانیہ نے ایسا کہا؟" سنیہا کو شدید دھچکا پہنچا تھا۔

"وہ تو یہ بھی کہہ رہی تھیں کہ تمہاری تو قسمت ہی کھل گئی جو مجھ جیسا شریف، ایماندار، ہینڈسم اور امیر بزنس مین تمہیں ملا ہے۔"

"کچھ رہ تو نہیں گیا۔ میرے خیال سے فلحال اتنا کافی ہے۔"

وہ چہرے پر سنجیدگی سجائے عام سے لہجے میں بولا تھا جبکہ اس کی بات پر سنیہا کا چہرہ دھواں دھواں ہوا تھا۔

"اللہ کرے... اللہ کرے آپ کا بھانجا ہو اور وہ بالکل آپ پر جائے تاکہ آپ کو اور آپ کی بہن کو لگ پتا جائے۔" اس وقت اسے جو سمجھ آیا تھا وہ بول گئی تھی۔

"کیا کہا تم نے؟" وہ تو فوراً الرٹ ہو کر اٹھا تھا۔

"تم نے میری بہن کو بددعا دی۔" مگ میز پر پٹختے نائل غصے سے اس کی جانب بڑھا تھا۔ سنیہا تو اس کے الفاظ پر ہی شاک تھی، یعنی وہ مان رہا تھا کہ اس جیسی اولاد کسی مصیبت سے کم نہیں...

"جاؤاب میں تمہیں دعادیتاہوں کہ تمہارا بچہ بالکل میرے جیسا ہوتا کہ تمہیں صحیح معنوں میں لگ پتا جائے۔ بلکہ ایک کیوں پورے دس... تم سنبھالو گی ناتو تمہیں..." اس کی زبان کو یکدم بریک لگی تھی۔ اس کی بات پر جہاں سنیہا سرخ پڑی تھی وہیں اپنی بات پر غور کرتے نائل کو ہارٹ اٹیک آتے آتے بچا تھا۔ سنیہا تو شرم سے گلال ہوتے فوراوہاں سے رفو چکر ہوئی تھی جبکہ نائل صدمے کی حالت میں بالکل سن کھڑا تھا۔

"میں نے آمین نہیں کہا۔" وہ اب خود کو دلاسہ دے رہا تھا۔

"ایک نہیں پورے دس... وہ بھی میرے جیسے..." نائل نے فورا جھرجھری لی تھی۔

"میں نے آمین نہیں کہا تھا۔" وہ ایک بار پھر خود کو تسلی دے رہا تھا۔

"یہ سب اس عورت کی وجہ سے ہو رہا ہے، جب سے میری زندگی میں آئی ہے، پتا نہیں زبان سے کیا کیا نکل جاتا ہے۔ سنیہا تم بہت بری بیوی ہو۔" وہ بڑبڑاتے ہوئے واپس بستر پر بیٹھا تھا۔ اس صدمے سے نکلنے کے لیے اسے کچھ وقت درکار تھا۔

---

حاتم کب سے بن پانی کی مچھلی جیسے تڑپتا ادھر ادھر چکر لگا رہا تھا۔ بدر اسے بتائے بغیر نجانے کہاں چلا گیا تھا اور تو اور فائل بھی اس ہی کے پاس تھی۔

"یہ آپ نے ٹھیک نہیں بابا۔ کیا مجھے یہ جاننے کا حق نہیں کہ اس فائل میں کس کا نام ہے؟" جیمز اور ماریہ ایک کونے میں سر جھکائے کھڑے تھے۔ اس سے پہلے وہ مزید کچھ کہتا دروازہ کھلنے کی آواز سے سب اس جانب متوجہ ہوئے تھے۔ عین اسی وقت حاتم کا فون وائبریٹ ہوا تھا۔ اس نے فورا موبائل اٹھائے میسج دیکھا تھا۔ میسج دیکھتے ایک لمحے کے لیے اس کی رنگت فق پڑی تھی مگر اگلے لمحے وہ خود کو کمپوز کر چکا تھا۔

"پتا چل گیا ہے کہ شاہین کون ہے؟" بدر کی آواز پر سب کے کان کھڑے ہوئے تھے۔اس نے فائل پاس پڑی میز پر پٹخی تھی۔

"احمر... وہی یے، میرا مطلب تھا۔"

"کیا...؟" حاتم نے آگے بڑھ کر فائل کھولی تھی۔وہاں اس ہی کا نام تھا۔

"اس کا مطلب شاہین مر گیا۔" حاتم کی آنکھوں میں بے یقینی تھی۔

"بالکل ایسا ہی ہے۔ایک لاش کے پاس سے انگوٹھی ملی ہے نا،وہ اس ہی کی تھی۔" بدر کے چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ تھی جبکہ حاتم اب بھی اضطراب کا شکار تھا۔

"اس بات پر تو پارٹی بنتی ہے۔" حاتم کا کندھا تھپتھاتے وہ باہر گیا تھا۔جیمز بھی خوش ہوتے اس کے پیچھے گیا تھا۔ماریہ نے بھی قدم آگے بڑھائے تھے مگر کسی کی نظروں کی تپش نے اسے اس جانب دیکھنے پر مجبور کر دیا تھا۔حاتم لو برساتی نگاہوں سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔اس کی آنکھوں میں سوال تھے۔وہ نظریں چرائے فوراً باہر نکلی تھی۔

رات کے تقریباً گیارہ بجے ماریہ کے فلیٹ کی گھنٹی بجی تھی۔وہ ناگواری سے دروازہ کھولنے کے لیے اٹھی تھی۔آخر رات کے اس پہر کون آسکتا تھا؟

اس نے ہینڈل گھما کر دروازہ کھولا تھا۔حاتم کو اپنے سامنے دیکھتے اس کی تو سانس ہی سوکھ گئی تھی۔

"اندر نہیں بلاؤ گی؟" تیکھی مسکراہٹ چہرے پر سجائے وہ اندر داخل ہوا تھا۔

"یہاں سے گزر رہا تھا تو سوچا تمہارے ہاتھ کی چائے ہی پیتا جاؤں۔" لاؤنج میں موجود صوفے پر شاہانہ انداز میں بیٹھتے اس نے میز پر نا صرف پیر پھیلائے تھے بلکہ اپنے کوٹ کی جیب سے گن نکال کر بھی سامنے رکھی تھی۔

"چائے پلانے کا کہا ہے میں نے... یا پھر زہر پلانے کا ارادہ ہے؟" وہ عجیب نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"زہر...؟" پسینے سے تر وجود کے ساتھ وہ بڑائی تھی پھر اچانک ہی وہ بھاگتی ہوئی اپنے کمرے کی جانب گئی تھی۔

"ماریہ..." حاتم بھی اس کے پیچھے بھاگا تھا۔

"ماریہ دروازہ کھولو۔" خود کو کمرے میں بند کرتے اب وہ ادھر ادھر کی کچھ ٹٹول رہی تھی۔

"میں کہہ رہا ہوں دروازہ کھولو..." حاتم نے دروازے کو دھکہ دیتے کہا تھا۔

آخرکار ماریہ ایک ڈرار میں مطلوبہ چیز مل ہی گئی تھی۔

اس سے پہلے کہ وہ زہر کی بوتل کو منہ لگاتی، حاتم نے ایک ہی جرست میں اسے دور پھینکا تھا۔

"اتنی آسانی سے کیسے مر سکتی ہو تم؟" اسے بازو سے دبوچے وہ باہر لاؤنج میں لے گیا تھا۔

"اب زبان تم خود کھولو گی یا میں اپنے طریقے سے کھلواں؟" اسے صوفے پر دھکہ دیتے وہ غرایا تھا۔ اس کی غراہٹ اسے رونے پر مجبور کر گئی تھی۔ ماریہ نے ہار مان لی تھی۔ وہ اس شخص سے کچھ نہیں چھپا سکتی تھی۔

"بولنا شروع کرو...." ساتھ والے صوفے پر ٹانگ پر ٹانگ چڑھائے بیٹھتے حاتم نے حکم دیا تھا۔

"آپ کو یاد ہے جب میں پہلی دفعہ یہاں آئی تھی۔ میرا نشئی باپ مجھے جوے میں ہار گیا تھا اور مجھے ایک شخص کے حوالے کر دیا گیا۔ میں خوبصورت تھی اور بدرسر کو ان چھوئی اور جوان لڑکی چاہیئے تھی۔ اس شخص نے مجھے یہاں بیچ دیا۔ یہاں آکر مجھے علم ہوا کہ مجھے ہر روز کسی نا کسی کے بستر کی زینت بننا ہے اور جب میری خوبصورتی ماند پڑنے لگے گی تو میرے جسم سے منشیات فروشی کی جائے گی۔ میں بہت ڈر گئی تھی۔ میں نے اللہ سے رو رو کر دعائیں کی تھیں کہ اس دنیا میں اتنے لوگ ہیں۔ ان میں سے کسی ایک کو میرے لیے وسیلہ بنا کر

بھیج دے اور اللہ نے میرے لیے آپ کو بھیجا۔" وہ سسکی تھی۔حاتم آنکھیں گھمائے بیزاری سے اس کی باتیں سن رہا تھا۔کم از کم اسے یہ سب نہیں سننا تھا۔

"جب پہلی بار آپ کو دیکھا تو آپ کے قدموں میں گر کر بھیک مانگی تھی میں نے...آپ کو نجانے کیسے مجھ پر رحم آگیا۔آپ نے مجھ سے کہا تھا کہ یہاں ایک ہاتھ دو اور ایک ہاتھ لو والا معاملہ چلتا ہے۔اگر عزت بچانی ہے تو اس کے بدلے کچھ نا کچھ کرنا ہوگا۔کوئی نا کوئی مہارت ہونا ضروری ہے تب میں نے آپ سے کہا تھا کہ میں تھوڑی بہت ہیکنگ کرنا جانتی ہو اور آپ نے الیکس سے میرے لیے جھوٹ بولا تھا کہ میں اس کام میں ماہر ہو اور مجھے اچھے سے یاد ہے، آپ نے مجھ سے کہا تھا کہ دو دن کے اندر اندر اگر میں سب کام سیکھ جاتی ہوں تو ٹھیک ورنہ اپنی عزت گنوانی پڑے گی۔" وہ ہچکیاں لے لے کر رو رہی تھی۔

"ماریہ تمہیں کیا میں ایموشنل فول لگتا ہوں؟ یہ سب بکواس نہیں سننا مجھے..." اپنی جگہ سے آگے ہوتے وہ دھاڑا تھا۔

"اس دن سے آپ نے مجھے خرید لیا تھا۔اتنے سال میں نے صرف آپ ہی کی غلامی تھی۔آپ کی طرف سے ملنے والا ہر حکم میرے لیے بجالانا فرض تھا لیکن ایک غلطی ہوگئی مجھ سے..." وہ آج اسے سب بتانا چاہتی تھی۔حاتم کی کوئی دھاڑ آج اسے خاموش نہیں کروا سکی تھی۔

"دل دے بیٹھی آپ کو..." چہرے میں منہ چھپائے وہ اب بلک رہی تھی۔

حاتم اب بھی غصے سے اسے دیکھ رہا تھا۔ماریہ کے اظہار کی اس کی نظر میں کوئی وقعت نہیں تھی۔

"لیکن میں نے نمک حرامی نہیں کی۔میں یہ کر ہی نہیں سکتی۔" وہ اٹھ کر اس کے قدموں میں بیٹھی تھی۔

"مجھے معاف کر دیں بلیک مونسٹر مگر میرے پاس اور کوئی راستہ نہیں ہے۔" اس نے ہاتھ میں پہنی ہوئی انگوٹھی کھولتے ایک دم ہی منہ میں کچھ ڈالا تھا۔

کمرے میں زہر کی شیشی اٹھانے کے بعد ماریہ نے یہ انگوٹھی بھی پہن لی تھی۔اگر وہ اس زہر سے بچ جاتی تو دوسرا زہر اسے کی موت کا سبب بنتا۔

"ماریہ..." حاتم چلاتا ہوا اس کے قریب فرش پر بیٹھا تھا مگر تب وہ زہر اپنے اندر اتار چکی تھی۔

"ماریہ آنکھیں کھولو۔"اس کی گال تھپکتے وہ اب بھی چلا رہا تھا۔

"مجھے بتاؤ ماریہ کہ وہ زندہ ہے نا نہیں... میرے لیے یہ جاننا بہت ضروری ہے۔وہ مجھے بلیک مونسٹر کے روپ میں دیکھ چکا ہے۔ماریہ مجھے بتاؤ..."وہ مسلسل اسے ہوش دلانے کی کوشش کر رہا تھا مگر وہ بے سود فرش پر گری ہوئی تھی۔

اس کے ہونٹوں سے جھاگ نکلتے دیکھ حاتم نے سختی سے آنکھیں میچی تھیں۔

"Shit!"

کھڑے ہوتے اس نے شدید طیش کی حالت میں صوفے کو ٹھڈا مارا تھا۔

---

رات کے پہر وہ ایک بار پھر قرآن پاک کھولے بستر پر بیٹھی تھی۔صبح سے اس کی طبیعت بہت خراب تھی مگر اس نے جان بوجھ کر کسی کو نہیں بتایا تھا۔اب جب وہ کچھ بہتر محسوس کر رہی تھی تو اس نے قرآن پاک پڑھنا شروع کیا تھا۔آج کسی قسم کی ریسرچ کرنے کی اس میں سکت نہیں تھی۔وہ بس بے مقصد کبھی صفحے الٹنے لگتی تو کبھی کہیں سے پڑھنا شروع کر دیتی۔یہ کتاب اب اسے پہلے سے کافی دلچسپ لگنے لگی تھی مگر مکمل طور پر ایمان لانا اس کے لیے بے حد مشکل تھا۔

ایک جگہ ایک آیت اسے رکنے پر مجبور کر گئی تھی۔

ترجمہ:

"اور جان لو کہ تمھارے مال اور تمھاری اولاد ایک آزمائش کے سوا کچھ نہیں اور یہ کہ اللہ، اسی کے پاس بہت بڑا اجر ہے۔"

(سورۃ نمبر 8 الأنفال، آیت نمبر 28)

وہ گہری سوچ میں ڈوبی تھی پھر ایکدم ہی اس کی آنکھیں برسنے لگی تھیں۔ یہ آیت اس کے حالات کو بیان کر رہی تھی۔ بے شک وہ پاک ذات سب کو آزماتی ہے۔ کسی کو کچھ دے کر تو کسی سے کچھ لے کر....

وانیہ کو بھی آزمایا گیا تھا... اس کی اولاد اس کے لیے سب سے بڑی آزمائش تھی۔

قرآن پاک کو واپس رکھے وہ کافی دیر سوچتی رہی تھی۔ اچانک بجنے والی بیپ نے اس کی سوچ میں ارتعاش پیدا کیا تھا۔

سنیہا کی کال دیکھ کر اس نے مسکرا کر ریسیو کی تھی۔

"کیسی ہو؟"

"ٹھیک ہوں، آپ سنائیں؟" وہ رونا ایکدم ہی بھول گئی تھی۔ چہرے کی اداسی خوشی میں تبدیل ہوئی تھی۔

"میں ٹھیک نہیں ہوں۔" سنیہا نے شرارت سے کہا تھا۔

"خیریت...؟"

"اپنے بھائی سے میری برائیاں کرتی ہو؟" وہ اب جان کر اسے چھیڑ رہی تھی۔

"میں نے ایسا کب کیا؟" وانیہ کے ماتھے پر شکنیں در آئی تھیں۔

"وہ پہلے ہی زمین پر نہیں رہتے، تم نے انہیں یہ کہہ کر مزید خوش کر دیا ہے کہ 'میں خوش قسمت ہوں جو میری شادی ان سے ہوئی۔" اس کی بات پر وانیہ کھلکھلا اٹھی تھی۔

"تو اس میں غلط کیا ہے۔ آپ واقعی بہت خوش قسمت ہیں۔ میرے بھائی بہت اچھے ہیں، دنیا کے بیسٹ انسان... بلکہ اب تو میری بھی خواہش ہے کہ کاش میرا شوہر بھی بھائی جیسا ہوتا۔" اس نے سرد آہ بھرتے کہا تھا۔

"اللہ نا کرے۔" وہ چاہ کر بھی یہ الفاظ زبان پر نہیں لا سکی تھی۔

"علیحدگی کیسے ہوئی تمہاری؟" چند لمحے خاموشی کا توقف ہوا پھر سنیہا نے خود ہی اگلا سوال پوچھا تھا۔

"کیا وہ ہاتھ اٹھاتا تھا تم پر؟" اس نے اپنا پہلا خدشہ ظاہر کیا تھا۔

"نہیں! وہ ایسا کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا اور اگر سوچتا تو میں ہاتھ نا توڑ دیتی اس کے..." وانیہ نے مغرورانہ انداز میں کہا تھا۔ اسے یقین تھا کہ حاتم ایسا کبھی سوچ بھی نہیں سکتا۔

"پھر تذلیل کرتا تھا تمہاری؟"

"نہیں بھابھی!"

"پھر طنز کرتا تھا تم پر...؟"

"نہیں..."

"پھر یقیناً میکے نہیں آنے دیتا ہوگا؟"

"ایسا کچھ نہیں ہے۔ میں اپنی مرضی سے نہیں آتی تھی۔"

"پھر تو یقیناً اس کی زندگی میں تمہارے علاوہ کوئی ہوگا؟"

"نہیں، ہرگز نہیں..." وانیہ اب اس کے سوالوں سے جھنجھلا رہی تھی۔ حاتم نے اعتراف تو کیا تھا کہ اس کی زندگی میں ہزاروں لڑکیاں ہیں لیکن وانیہ کو یقین تھا کہ جب تک وہ اس کی زندگی میں تھی تب تک ایسا کچھ نہیں تھا۔

"تو پھر اسے چھوڑا کیوں ؟"

"میں نے نہیں چھوڑا، اس نے چھوڑ دیا۔" اس کی آنکھوں میں نمی در تھی۔

"کیوں ؟"

"اس کا اور میرا مذہب مختلف تھا۔ اس نے مجھ سے جھوٹ بولا کہ وہ مسلمان ہے جب مجھے پتا لگا تو بے یار و مدد گار چھوڑ آیا تھا مجھے ہسپتال کے بستر پر..." اس بات پر سنیہا بالکل لاجواب ہو گئی تھی۔

"تو کیا نائل نے شادی سے پہلے تحقیق نہیں کی تھی ؟"

"جو قسمت میں لکھا ہوتا ہے وہ ہو ہی جاتا ہے۔" اسے سنیہا کی اس معاملے سے بے خبری کا پہلے ہی اندازہ تھا۔

"صرف علیحدگی یا پھر طلاق ؟"

"طلاق ہو چکی ہے۔" وہ اپنی طرف سے اس سے مکمل طور پر دستبردار ہو چکی تھی۔ حاتم کے لیے اس کے دل میں موجود نفرت کا پودا تناور درخت کا روپ اختیار کر چکا تھا۔

"اوہ...!" سنیہا کو صحیح معنوں میں افسوس ہوا تھا۔

"پھر میں تمہارے لیے دعا کروں گی کہ اللہ تمہارا نصیب اچھا کرے اور تمہیں ایک نیک اور صالح ساتھی سے نوازے۔"

"نہیں بھابھی! میں اب شادی نہیں کروں گی۔ آپ بس میری اولاد کے لیے دعا کیجیے گا کہ اگر بیٹی ہو تو اسے بالکل بھائی جیسا شوہر ملے اور اگر بیٹا ہو تو بالکل بھائی جیسا ہو۔ بھائی بہت اچھے ہیں۔ انہوں نے ہمیشہ نا صرف مجھے سنبھالا بلکہ میرا ساتھ بھی دیا ہے۔" اس کے لہجے میں فخر تھا۔

"وانیہ میں تمہارے اور تمہاری اولاد کے اچھے نصیب کی دعا کروں گی۔اور تم خود بھی دعا کرنا۔لڑکیوں کو اپنے اچھے نصیب کی دعا کرنی چاہیئے۔اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔"سنیہا نے بہت محتاط الفاظ کا چناؤ کیا تھا۔

نائل کا رویہ بے شک اب اس کے ساتھ قدرے بہتر تھا مگر وہ پھر بھی ہر گز نہیں چاہتی تھی کہ وانیہ یا اس کی اولاد کبھی بھی وہ سب سہے جو اس نے کبھی سہا تھا۔

ہمارے معاشرے میں بہت سی لڑکیاں بڑے فخر سے یہ دعا مانگتی ہیں کہ ہمارا شوہر بالکل ہمارے باپ یا بھائی جیسا ہو۔یہ سراسر غلط ہے۔آپ کے والد یا آپ کے بھائی یقیناً آپ کے لیے آئیڈیل ہو گے مگر کیا وہ ایک اچھے شوہر ہیں یہ صرف ان کی بیوی ہی بتا سکتی ہیں۔وہ آپ کے لیے جتنے بھی جتن کر لیں، جلتی دھوپ میں ننگے پیر گھومے... یہ سب ایک باپ اپنی بیٹی کے لیے کر رہا ہو گا،ایک شوہر اپنی بیوی کے لیے نہیں....

کسی کے والد کتنے اچھے ہیں یہ اسے اپنی والدہ سے پوچھنا چاہیئے۔اگر والدہ بخوشی یہ کہہ دیں کہ "میں چاہتی ہوں کہ میرا داماد بالکل میرے شوہر جیسا ہو" پھر آپ یہ دعا مانگ سکتے ہیں مگر بہتر یہی ہے کہ صرف اپنے اچھے نصیب کی دعا مانگی جائے۔

"ٹھیک ہے بھابھی، مجھے اب نیند آرہی ہے۔میں آپ سے صبح بات کروں گی۔"الوداعیہ کلمات کے بعد وانیہ نے فون رکھ دیا تھا۔

---

وہ آج کئی مہینوں بعد گھر لوٹا تھا۔گھر کے اندر داخل ہوتے ہی ایک خوشگواریت اس کے چہرے پر چھائی تھی۔سورج کی چمکتی کرنیں اس کی سنہری آنکھوں کو مزید دلکش بنا رہی تھیں۔لاؤنج کے اندر داخل ہوتے وہ

دبے پاؤں آگے بڑھ رہا تھا۔ اس کا ارادہ اپنی ماں کو سرپرائز دینے کا تھا۔ نہایت خاموشی سے وہ اپنی ماں کے کمرے کی جانب بڑھا تھا۔

اندر سے آتی آوازوں نے اس کے قدم دروازے پر ہی منجمند کر دیے تھے۔

"مصطفی! آپ کو ہو کیا گیا ہے آخر...؟ پہلے عبداللہ کا نکاح صوفی سے کروا دیا اور اس کی غیر موجودگی میں مانو کا نکاح حاتم سے... اور اب آپ مجھ سے ایسے بات کر رہے ہیں جیسے میں آپ کی بیوی نہیں کوئی غیر ہوں۔" نائل کو شدید جھٹکہ لگا تھا۔

"مانو کا نکاح...؟" اس کی آواز پر مصطفی اور نینا دونوں نے چونک کر دروازے کی جانب دیکھا تھا۔

"مام یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟" وہ بے یقینی سے اپنی ماں کی جانب بڑھا تھا۔

"عبداللہ..." نینا کا تو معنوں سانس ہی سوکھ گیا تھا۔

"مام کیا یہ سچ ہے؟"

"ارے بیٹا! تم نے تو ہمیں سرپرائز ہی کر دیا۔ آؤ بیٹھو۔" مصطفی نے نہایت ہلکے پھلکے انداز میں بات سنبھالنے کی کوشش کی تھی۔

"ڈیڈ یہ سچ ہے یا نہیں؟" اب کی بار وہ چلایا تھا۔

"نائل تم میری بات سنو۔" مصطفی نے ایک اور کوشش کی تھی۔

"ہاں یا نا...؟" وہ کسی قسم کی وضاحت سننے کا روادار نا تھا۔ اسے بس اپنے سوال کا جواب چاہیئے تھا۔

"ہاں لیکن تم..."

"آپ ایسا کیسے کر سکتے ہیں ڈیڈ؟" وہ بے بسی سے چلایا تھا۔

"مانو صرف آٹھ سال کی ہے۔ نکاح کا مطلب بھی نہیں پتا اسے..."

"یہ نکاح مانو کی مرضی سے ہوا ہے۔" مصطفی نے ایک کمزور دلیل پیش کی تھی۔

"اس کی مرضی...؟ آٹھ سال کی بچی کی کیا مرضی ہو سکتی ہے؟" اسے تو مصطفی کی دماغی حالت پر شبہ ہوا تھا۔

"یہ آپ نے ٹھیک نہیں کیا ڈیڈ..." وہ نفی میں سر ہلاتا پیچھے کی جانب قدم اٹھا رہا تھا۔

"بالکل ٹھیک نہیں کیا۔" پلٹتے ساتھ ہی وہ تیزی سے باہر گیا تھا۔ آنکھوں میں اب شعلے بھڑکنے لگے تھے۔ ا شعلوں کی زد میں اب حاتم کو آنا تھا۔

"حاتم، حاتم...." اس ہی کے گھر میں، اس ہی کے لاؤنج میں کھڑا وہ غصے سے اسے پکار رہا تھا۔

اس کی چیخ وپکار سنتے سب گھر والے لاؤنج میں جمع ہوئے تھے۔ ہارون اس وقت گھر پر موجود نہیں تھا۔

حاتم کو دیکھتے ساتھ ہی وہ غصے سے آگ بگولہ ہوتے اس پر جھپٹا تھا۔

"تمہیں کیا لگا تھا کہ تم یہ سب کر کے بچ جاؤ گے؟" نائل نے اسے بالوں سے پکڑتے اس کے منہ پر زبردست تھپڑ رسید کیا تھا۔ شہلا اور صوفی دونوں ہی بالکل دنگ رہ گئی تھیں۔

"ہمت کیسے ہوئی میری بہن سے نکاح کرنے کی...؟" وہ بغیر کسی لحاظ کے اسے بری طرح پیٹ رہا تھا۔ سیلف ڈیفینس کا موقع تو دور وہ تو اسے سانس بھی نہیں لینے دے رہا تھا۔

"نائل جی پلیز چھوڑ دیں۔ یہ آپ کیا...." صوفی نے بھرائی آواز کے ساتھ ابھی جملہ مکمل بھی نہیں کیا تھا کہ نائل نے سختی سے اسے بازو سے دبوچا تھا۔

"تم تو چپ ہی رہو۔ کس قدر دوغلی اور منافق ہو تم.... اتنا سب ہو گیا اور تم نے مجھے بتانا تک ضروری نہیں سمجھا۔ آخر کیوں بتاتی، تم بھی تو ساتھ ہی ملوث تھی نا..." نائل کی انگلیاں صوفی کو اپنے بازو میں دھستی ہوئی محسوس ہوئی تھیں۔

"میری بہن سے دور رہیں۔" لڑکھڑاتے قدموں سے اس تک پہنچتے حاتم نے پوری قوت سے نائل کو پرے دکھیلا تھا۔

اس کی اس حرکت پر وہ تو تلملا ہی اٹھا تھا۔

"تمہاری بہن بعد میں پہلے یہ میری بیوی ہے۔اور دوبارہ یہ جرات مت کرنا۔" حاتم ایک بار پھر اس کے ہاتھ لگ گیا تھا۔

"بیٹا تمہیں اللہ کا واسطہ ہے میرے بیٹے کو چھوڑ دو۔یہ بے قصور ہے۔" شہلا نے بھی اس کی منت کی تھی مگر نائل کے کان پر جوں تک نا رینگی تھی۔

"تم نے آخر نکاح کے پیپرز پر سائن کیے کیسے؟" اس کے منہ پر پنچ مارتے وہ پھر آپے سے باہر ہوا تھا۔

حاتم کا سر بالکل گھوم پر رہ گیا تھا۔خود کو بچانے کے لیے وہ مزاحمتیں ضرور کر رہا تھا مگر اس نے جواباً نائل پر ہاتھ نہیں اٹھایا تھا۔

"بے شرم انسان! شرم نہیں آئی میری بہن پر بری نظر رکھتے ہوئے....." وہ اس پر تابڑ توڑ حملے کر رہا تھا۔

"مجھے بھائی بولتے ہو اور میری ہی بہن پر نظر رکھتے ہو۔" اس کی شرٹ کا کالر پکڑے نائل نے اس کے پیٹ میں زبردست گھونسہ مارا تھا۔

شہلا اور صوفی دونوں ہی اس کی منتیں کر رہی تھیں مگر نائل کے سر پر تو جیسے خون سوار تھا۔شہلا کو اپنے بیٹے کو بچانے کے لیے گارڈز کو بلانا پڑا تھا۔وہ بہت مشکل سے قابو میں آیا تھا۔

"ایک بات یاد رکھنا چھوڑوں گا نہیں میں تمہیں۔" دھمکی دیتا وہ باہر گیا تھا۔

اس کے جانے کے بعد شہلا اور صوفی دونوں ہی بھاگتے ہوئے حاتم کی طرف آئے تھے۔وہ نڈھال سا فرش پر بیٹھ گیا تھا۔اس کے ہونٹ اور ناک سے خون رس رہا تھا۔

کہاں وہ دبلا پتلا لڑکا اور کہاں نائل جیسا طاقتور آئی۔ایس۔آئی آفیسر....نائل چاہتا تو ایک ہی جرست میں اسے اوپر پہنچا سکتا تھا مگر اس کا ارادہ حاتم کو جان سے مارنے کا نہیں تھا۔

---

کالج کے باہر کھڑی وہ گاڑی کا انتظار کر رہی تھی جب اچانک ہی ایک کالے رنگ کی گاڑی اس کے سامنے آر کی تھی۔

"بیٹھو..."اس تک پہنچتے نائل نے سرد لہجے میں کہا تھا۔

"میں ڈرائیور کا ویٹ..."جملہ مکمل ہونے سے پہلے ہی وہ اسے گھسیٹ کر گاڑی میں بٹھا چکا تھا۔

"آپ مجھے کہاں لے کر جا رہے ہیں؟"گاڑی انجانے رستے پر گامزن دیکھ صوفی نے گھبرا کر پوچھا تھا مگر نائل نے جواب دینا ضروری نہیں سمجھا تھا۔

ایک ہوٹل کے باہر گاڑی روکتے نائل نے اسے باہر نکلنے کو کہا تھا۔وہ ڈری سہمی اس کے پیچھے چل رہی تھی۔

"مجھ... مجھ گھر جانا ہے۔"وہ منمنائی تھی۔

"اگر تم نہیں چاہتی کہ میں تمہیں مار کر تمہاری لاش کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے کہیں پھینک دوں تو چپ رہو۔"اب کی بار وہ خاموش ہو گئی تھی مگر آنسو اب بھی مسلسل بہہ رہے تھے۔

"ہم یہاں کیوں..."کچھ لمحوں کے توقف کے بعد وہ بہت ہمت کر گویا ہوئی تھی مگر گلے میں اٹکے آنسوؤں نے اسے جملہ مکمل کرنے نہیں دیا تھا۔

"کسی سے ملوانا ہے تمہیں..."سرسری سے انداز میں جواب دیتے وہ ریسیپشن کی جانب بڑھا تھا۔کچھ دیر بات چیت کے بعد وہ صوفی کی جانب بڑھا تھا۔

"چلو..."تحکمانہ انداز میں کہتے وہ تیزی سے آگے بڑھ رہا تھا جبکہ وہ مجرموں کی طرح سر جھکائے اس کے پیچھے چل رہی تھی۔

کمرے میں پہنچتے نائل نے کھٹاک سے دروازہ بند کیا تھا جبکہ صوفی متلاشی نگاہوں سے ارد گرد دیکھ رہی تھی۔

"یہاں پر تو کوئی نہیں ہے۔آپ نے کس سے ملوانا تھا مجھے...؟"

"اتنی معصوم مت بنو جتنی تم ہو نہیں..."وہ عجیب طرز سے ہنسا تھا۔

"میں سمجھی نہیں....؟"

"میں سمجھا دیتا ہوں۔"نائل نے اس کے حجاب پر لگی پن اتارتے کہا تھا۔

صوفی دبک کر پیچھے ہٹی تھی۔

"میری معصوم بہن کے ساتھ جو ظلم ہوا ہے، تم اس میں برابر کی شریک ہو اور سزا کی حقدار بھی..."وہ سفاکیت سے اس کا حجاب نوچ کر پھینک چکا تھا۔

صوفی کا دل دھڑکنا بھول گیا تھا۔

"یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟"وہ بالکل بوکھلا گئی تھی۔اس کے سامنے بغیر حجاب کے آنے کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔

"جب مانو کا نکاح حاتم سے طے پایا تھا تو تم نے مجھے اطلاع کیوں نہیں دی؟"اسے شانوں سے تھامتے وہ غرایا تھا۔

"یہ بڑوں کا فیصلہ تھا اور مجھے لگا کہ آپ کو پتا ہو گا۔"گلے سے پھنسی پھنسی سی آواز نکلی تھی۔

"تمہیں لگتا ہے کہ میں یقین کر لوں گا؟"

"مجھے گھر جانا ہے۔پلیز مجھے گھر چھوڑ دیں۔"وہ اپنے ہواس کھوتی جا رہی تھی۔

"اگر گھر ہی جانا تھا تو میرے ساتھ یہاں کیوں آئی؟"

"آپ مجھے کسی سے ملوانا..."

"اوہ پلیز! بند کرو یہ ڈرامہ... کوئی اتنا بے وقوف نہیں ہوتا صوفی، تم بھی نہیں ہو۔" نائل نے اس کی کان کو لو کو چھونا چاہا تھا مگر وہ پھر دبک کر پیچھے دیوار سے جا لگی تھی۔

"میں نے کچھ نہیں کیا۔ پلیز مجھے اس غلطی کی سزا مت دیں جو میں نے کی ہی نہیں... پلیز مجھے گھر چھوڑ دیں ورنہ میں مر جاؤں گی۔" وہ روتے ہوئے زمین پر بیٹھتی چلی گئی تھی۔

"چلو پھر دیکھتے ہیں کہ تم مرتی ہو کہ نہیں..." اسے بازو سے دبوچ نائل نے اسے اپنے مقابل کھڑا کیا ت "نائل جی پلیز! میرے ساتھ یہ مت کریں۔" وہ ہاتھ جوڑے سسکی تھی۔

"میں نے آپ پر اعتبار کیا تھا۔ آپ پلیز مجھے مت توڑیں۔ آپ کو لگتا ہے کہ میں قصوروار ہوں تو کوئی اور سزا دے دیں مگر پلیز...." وہ ہچکیاں لے لے کر رو رہی تھی۔

نائل کی گرفت ایکدم ہی ڈھیلی پڑی تھی۔ اس کی گرفت ڈھیلی پڑتے ہی وہ بے جان وجود کے ساتھ زمین پر بیٹھتی چلی گئی تھی۔

"اٹھو یہ پہنو..." نائل نے حجاب اس کی جانب پھینکتے ہوئے کہا تھا۔ صوفی نے بے یقینی سے نگاہیں اٹھائی تھیں پھر اس نے جلدی سے حجاب باندھا تھا۔

"تم حاتم کو راضی کرو گی کہ وہ مانو کو طلاق دے۔ اور یہ کام جلد از جلد ہو جانا چاہیئے۔" اسے ایک بار پھر اپنے مقابل کھڑے کرتے نائل غرایا تھا جبکہ اس کی بات پر وہ بالکل سن ہو گئی تھی۔

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟"

"وہی جو تم سن رہی ہو۔ اور یہ بات ہمارے درمیان رہنی چاہیئے۔"

"مگر...!"

"صوفی میں تمہارا وہ حشر کر سکتا ہوں کہ تمہاری سوچ ہے۔ بہتر یہی ہے کہ چپ چاپ وہی کرو جو کرنے کے لیے کہا جائے۔" اسے پیچھے کی طرف دھکیلتے وہ تیز تیز قدم اٹھاتا باہر گیا تھا۔

"اب ساتھ چلنا ہے کہ نہیں..." اس کی دھاڑ پر وہ گرتے پڑتے، بھاگتی ہوئی باہر آئی تھی۔

"تم میرے ساتھ نہیں تھی۔" گاڑی ڈرائیو کرتے نائل نے پہلی بار کچھ کہا تھا ورنہ گاڑی میں صرف صوفی کی سسکیوں کی آواز گونج رہی تھی۔

"یہاں پر جو بھی ہوا وہ تم کسی کو نہیں بتاؤ گی۔"

"مگر میں گھر ہر کیا کیوں گی؟ اتنی دیر..."

"جو مرضی کہو یہ میرا مسئلہ نہیں ہے۔" اس کی بات درشتگی سے کاٹتے نائل نے گاڑی کی سپیڈ مزید بڑھا دی تھی۔ وہ ایک بار پھر نظریں جھکائے آنسو بہا رہی تھی لیکن اس کی آنکھوں سے گرتے موتی اس سنگدل کے دل کو موم نہیں کر سکے تھے۔

---

رات کے تقریباً نو بجے وہ گھر لوٹا تھا۔ تھکن سے اس کا پورا وجود چور ہو رہا تھا۔ اب تو بھوک نے بھی ستانا شروع کر دیا تھا۔

"مام پلیز کھانا لگا دیں۔" ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھتے ساتھ ہی اس نے کچن میں موجود اپنی ماں سے کہا تھا۔

"کہاں تھے تم؟" نینا کا پارہ آسمان کو چھو رہا تھا۔

"کچھ اندازہ ہے تمہیں میری پریشانی کا؟ صبح سے کالز پہ کالز کر رہی ہو اور تم نے ایک کال اٹینڈ کرنے کی بھی زحمت نہیں کی۔"

"اب کیا کر دیا میں نے؟" وہ چڑ کر بولا تھا۔

"میں دوپہر سے ہسپتال میں ہوں اور تم؟"

"ہسپتال میں... آپ ٹھیک تو ہیں؟" وہ فکر مند ہوتا اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"میں ٹھیک ہوں۔"

"تو پھر ڈیڈ، مانو..." وہ اپنے خدشات ظاہر کر رہا تھا۔

"وہ بھی بالکل ٹھیک ہیں۔"

"تو پھر آپ ہسپتال کیوں گئی تھیں؟"

"صوفی... اس کی حالت بہت خراب ہے۔ شدید قسم کا مائگرین اٹیک ہوا ہے اسے..." نائل کے دل کو کچھ ہوا تھا۔

"کیا، کیسے...؟"

"دوپہر کے وقت کالج سے آنے کے فوراً بعد ہی بے ہوش ہو گئی تھی۔ ہسپتال لے جانے پر پتا چلا کہ اس کی حالت بہت کریٹیکل ہے۔" نینا نے افسوس سے کہا تھا۔

نائل کو اپنی غلطی کا شدت سے افسوس ہوا تھا۔ اپنی پیشانی پر ہاتھ پھیرتے وہ بھاگتا ہوا باہر گیا تھا۔ نینا نے اسے آواز دی تھی مگر نائل کے دماغ پر اس وقت صوفی سوار تھی۔

گاڑی کو فراٹے کے ساتھ اڑاتے وہ قریبی ہسپتال گیا تھا۔ وہاں سے اس نے مصطفی کو کال کی تھی۔ صوفی کے کمرے کا پوچھتے وہ تیز تیز قدم اٹھاتا وہاں گیا تھا۔

باہر شہلا، حاتم اور ہارون کھڑے تھے۔

"صوفی کیسی ہے؟" نائل نے فکر مندی کی حالت میں ہارون سے پوچھا تھا۔

"ٹھیک ہے۔" ہارون نے سرسری سے انداز میں تقریباً جواب اس کے منہ پر دے مارا تھا۔ جو وہ حاتم کے ساتھ کل کر چکا تھا اس کے بعد نائل سے اسے نفرت سی محسوس ہو رہی تھی۔

ہارون کے الفاظ اس کے لیے کسی مرہم سے کم ثابت نہیں ہوئے تھے۔

"وہ ہوش میں ہے؟"

"نہیں! اور ویسے بھی ابھی ڈاکٹرز نے ملنے سے منع کیا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" اثبات میں سر ہلاتے وہ دھڑلے سے کمرے کے اندر داخل ہوا تھا۔ ہارون ہکا بکا کھڑا رہ گیا تھا۔ اجازت لینا تو دور اس نے تو بتانا بھی ضروری نہیں سمجھا تھا۔ ہارون کو وہ اس وقت نہایت بے شرم لگا تھا جس نے اپنے ساس سسر کی موجودگی تک کی کوئی پرواہ نہیں کی تھی۔

اسے دوائیوں کے زیر اثر گہری نیند میں سوتا دیکھ نائل کے چہرے پر ڈھیروں سکون چھایا تھا۔ جس تیزی سے وہ آیا تھا، اسی تیزی سے اب وہ واپس پلٹا تھا۔

"کیا ہوا تھا صوفی کو؟" باہر آتے ہی وہ اس لہجے میں ہارون سے دریافت کر رہا تھا جیسے اس سب کا ذمہ دار وہی ہو۔

"کالج سے واپسی پر طبیعت خراب ہو گئی تھی۔" ہارون تو اس کے انداز پر عش عش ہی کر اٹھا تھا۔ یعنی وہ اپنی ہی بیٹی کے حوالے سے نائل کو جوابدہ تھا۔

"کچھ بتایا صوفی نے؟"

"جب ہوش میں آئے گی تب بتا دے گی۔" ہارون کو اپنا آپ بہت کم تر محسوس ہو رہا تھا۔ نائل ایسے سوال جواب کر رہا تھا جیسے وہ ہارون کا باپ ہو۔

"ٹھیک ہے، آپ لوگ چاہے تو جا سکتے ہیں۔ میں ہوں یہاں..." کرسی پر ٹانگ پر ٹانگ چڑھائے بیٹھتے اس نے اپنا فیصلہ سنایا تھا۔ انداز ایسا تھا جیسے کہنا چاہ رہا ہو "دفع ہو جائیں یہاں سے..."

حاتم اور ہارون دونوں کا ہی چہرہ سرخ پڑا تھا۔ ابھی تو رخصتی بھی نہیں ہوئی تھی اور نائل نے حق جمانا شروع کر دیا تھا۔ نجانے رخصتی کے بعد وہ کیا کرتا؟؟؟

"اور جناب کہتے ہیں کہ میری بہن سے دور رہو، اس سے نکاح کرنے کی ہمت کیسے ہوئی... اور خود میری بہن پر ایسے ملکیت جمار ہے ہیں جیسے ہم سب تو غیر ہوں۔" اسے گھورتے حاتم دل ہی دل میں بڑبڑایا تھا۔ زبان سے کہنے کی غلطی اس نے ہر گز نہیں کی تھی۔ ابھی تو کل کے زخم بھی تازہ تھے، اور مار وہ برداشت نہیں کر سکتا تھا۔

"بیٹا آپ گھر جا کر آرام کیجیں۔ ہم سب بھی جا رہے ہیں۔ رات کو صوفی کے پاس شہلا رکے گی۔" ہارون نے ضبط کا مظاہرہ کرتے نہایت نرم لہجے میں کہا تھا۔

"ہاں تو آنٹی کو بھی ساتھ لے جائیں نا... میں ہوں یہاں پر..." اس نے چٹکیوں میں مسئلہ حل کر دیا تھا۔ اس بے باکی پر تمام اہل خانہ نے صبر کے گھونٹ بھرے تھے۔

"بیٹا یہاں پر صرف ایک ہی شخص رک سکتا ہے اور صوفی کو اس وقت شہلا کی ضرورت ہے۔ آپ صبح جلدی آ جائیں گا۔" یہاں آ کر ہارون کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوا تھا۔ اب اگر نائل کوئی بھی بکواس کرتا تو ہارون اسے تھپڑ رسید کرنے کا پورا ارادہ رکھتا تھا۔

وہ کچھ دیر سوچتا رہا تھا پھر اس نے جو جواب دیا تھا اس پر سب نے ہی شکر کا کلمہ پڑھا تھا۔

"اوکے!" وہ اٹھتے ہوئے باہر گیا تھا۔

تھوڑی ہی دیر میں ہارون اور حاتم بھی گھر کے لیے نکل گئے تھے۔حاتم شہلا کے ساتھ رکنا چاہتا تھا مگر اس کی حالت کے پیش نظر شہلا نے اسے گھر بھیج دیا تھا۔

ہارون اور حاتم گاڑی میں آکر بیٹھے تھے۔ہارون کے گاڑی سٹارٹ کرتے ساتھ ہی حاتم نے گاڑی کا شیشہ کھولے سیٹ کی پشت سے ٹیک لگایا تھا تب ہی سامنے کے منظر نے اسے چونکنے پر مجبور کر دیا تھا۔

سڑک کے پار، ایک درخت کے سائے میں گاڑی سے ٹیک لگائے نائل کھڑا چائے پی رہا تھا۔وہ چائے کی ایک سپ لیتے ساتھ ہی منہ کے مختلف زاویے بناتا تھا۔ناچاہتے ہوئے بھی حاتم کو ہنسی آئی تھی۔وہ کافی اور گرینٹی پینے والا شخص تھا، اسے کہاں چائے پسند تھی... مگر وہ پھر بھی پی رہا تھا۔شاید اس وقت اسے یہی ملی تھی۔جس قدر اطمینان اور سکون سے وہ کھڑا تھا، صاف ظاہر تھا کہ وہ ساری رات یہیں گزارنے والا تھا۔

حاتم نے سر جھٹکتے شیشہ واپس اوپر کیا تھا۔

---

صبح کے دس بجے کے قریب نائل ہسپتال آیا تھا۔اس کے ہاتھ میں پھولوں کا بکے تھا۔آج بھی وہ بغیر کسی سے اجازت لیے اندر کمرے میں داخل ہوا تھا۔باہر کھڑے مصطفی نے باقاعدہ اپنا سر پیٹا تھا۔ان کی یہ اولاد ہمیشہ انہیں شرمندہ کرتی تھی۔

"مجھے صوفی سے بات کرنی ہے۔" اندر جاتے ساتھ ہی اس نے حکم صادر کیا تھا۔شہلا افسوس بھری سانس خارج کرتے باہر گئی تھی جبکہ نائل کو دیکھ کر صوفی کی آنکھوں میں خوف کے سایے لہرانے لگے تھے۔

"میں نے کسی کو کچھ نہیں بتایا۔" وہ بھرائی آواز کے ساتھ تھوڑا پیچھے ہوئی تھی۔

"پتا ہے مجھے...." پھولوں کا بکے اس کی جھولی میں رکھتے وہ عام انداز میں گویا ہوا تھا۔ صوفی نے واقعی کسی کو کچھ نہیں بتایا تھا۔ اس نے بس اتنا کہا تھا کہ ڈرائیور کے تھوڑا لیٹ آنے کی وجہ سے وہ اپنی دوست کے ساتھ گھر آگئی تھی اور ایگزیمز کی ٹینشن کی وجہ سے وہ بیہوش ہوگئی تھی۔

"یہ تمہارے لیے لایا ہوں۔" نائل نے سر کھجاتے کہا تھا۔ وہ اپنے کیے پر شرمندہ تھا مگر معذرت کے لیے مناسب الفاظ ڈھونڈھنا سب سے کڑا مرحلہ تھا۔

وہ گلابی رنگ کا حجاب باندھے بستر پر دبکی بیٹھی تھی۔ ٹانگوں پر کمبل پھیلایا ہوا تھا جبکہ رنگت بالکل زرد تھی۔

"وہ کل میرا دماغ تھوڑا خراب ہو گیا تھا۔" بالآخر اس نے اپنی طرف سے مناسب الفاظ ڈھونڈھ لیے تھے۔ صوفی خاموش نظریں جھکائے لب کتر رہی تھی۔

وہ حقیقتاً اس سے بے حد خفا تھی لیکن اب اس کے اس جملے کے بعد اسے امید تھی کہ وہ اس سے اچھے الفاظ میں معذرت کرے گا اور شاید کچھ محبت بھرے الفاظ بول کر اس کے زخموں پر مرہم بھی رکھ دے۔

"چوڑیاں نہیں پہنی تم نے؟" اس کے اگلے جملے پر صوفی کا سر صحیح معنوں میں چکرایا تھا، یعنی وہ ہسپتال کے بستر پر لیٹی چوڑیاں پہنے؟؟

"حجاب اچھا لگ رہا ہے۔" ادھر ادھر نظریں گھمائے نائل نے ایک اور بے تکی بات کی تھی۔

"تم بھی اچھی لگ رہی ہو۔" صوفی نے بے یقینی سے اس کی جانب دیکھا تھا۔ ہسپتال کے بستر پر، زرد رنگت کے ساتھ وہ اسے اچھی لگ رہی تھی؟؟؟

سختی سے آنکھیں میچے اب صوفی نے گہری سانس خارج کی تھی۔

"تھوڑی بہادر بنو، ہر بات دل پہ لینے والی نہیں ہوتی۔" وہ خود نہیں سمجھ پا رہا تھا کہ آخر وہ کیا اور کیوں کہہ رہا ہے۔

"آپ میرے شوہر ضرور ہیں مگر پلیز ایسا دوبارہ مت کیجیے گا، ورنہ میں مر جاؤں گی۔" نائل سے تو اچھی توقع رکھنا بیکار تھا لہذا اس نے خود ہی کہہ ڈالا تھا۔

"اتنی سی بات پر کوئی نہیں مرتا۔"

"صوفی کسی بھی بات پر مر سکتی ہے۔" بکے سائیڈ پر رکھے وہ نہایت آہستگی سے گویا ہوئی تھی۔

"سوچ لو، اگر تم مر گئی تو دوسری شادی کر لوں گا میں..." نائل نے اس کے چہرے کو فل فوکس میں لیتے کہا تھا۔ صوفی کے چہرے پر یک بعد دیگرے رنگ در آئے تھے۔ پہلے بے یقینی، پھر غصہ، پھر بے بسی....

"تو کر لیں۔ جب میں مر جاؤں گی تو مجھے کیا فرق پڑے گا کہ آپ دوسری شادی کریں یا تیسری... فرق تو آپ کو پڑے گا۔ ہر کوئی صوفی نہیں ہو سکتا اور پھر آج سے میں ہر نماز میں دعا کروں گی کہ آپ میرے مرنے کے بعد بھی کسی کے نا ہوں میں آپ کے ذہن سے کبھی نا نکلوں۔" وہ بھرائی آواز کے ساتھ بولتی ہی چلی گئی تھی۔ رقابت داری کا احساس ہر عمر میں ہر لڑکی کے لیے برداشت کرنا مشکل ہوتا ہے۔

"اچھا بس کر دو۔ میں کون سا سچ میں کر رہا ہوں۔" اس کا یہ روپ دیکھ کر نائل اچھا خاصا محظوظ ہوا تھا۔

"وعدہ....؟" اس کی آنکھوں میں خوف تھا، جیسے نائل یہ واقعی نا کر لے۔

"وعدہ....!" وہ مسکرا کر گویا ہوا تھا۔

"اچھا ایک منٹ..." جیب سے پین نکالتے نائل نے اپنے ہاتھ کی ہتھیلی پر کچھ لکھا تھا پھر وہ قدم بڑھا کر صوفی کی طرف گیا تھا۔

"یہ پڑھو...!" اس نے اپنی ہتھیلی اس کے سامنے کی تھی۔

"سوری...!" صوفی نے لکھا ہوا لفظ پڑھا تھا۔

"اٹس۔ اوکے!" وہ کہہ کر رکا نہیں تھا۔

صوفی کئی لمحے ششدر بیٹھی رہی تھی۔جو ہوا اسے سمجھنے کے لیے اسے وقت لگا تھا۔

"یا اللہ!" گہری سانس خارج کرتے اس نے افسوس سے نفی میں سر ہلایا تھا۔

وہ نائل آفندی تھا، کوئی عام انسان نہیں...اس کا ہر انداز ہی نرالا تھا۔اپنی غلطی ہونے کے باوجود بھی اس نے اپنی بیوی سے ہی معافی منگوائی تھی اور پھر اٹس اوکے کہہ کر اس پر احسان کرنا وہ بالکل نہیں بھولا تھا۔

---

"دیکھو اب جب تمہارا نکاح مانو سے ہو ہی گیا ہے تو پھر اسے قبول کرنے کے علاوہ کوئی اور آپشن نہیں ہے لیکن تمہیں اپنے آپ کو ثابت کرنا ہوگا۔" نائل ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے اسے لیکچر دے رہا تھا اور حاتم گاڑی کی فرنٹ سیٹ پر بیٹھا خاموشی سے اس کا لیکچر سن رہا تھا۔اس کے علاوہ کوئی دوسرا آپشن نہیں تھا۔

"میرے ایک سوال کا جواب دو...اگر تم کسی سے ٹکرا جاؤ اور وہ شخص تمہیں کھری کھوٹی سنائے تو تم کیا کرو گے؟"

"میں اس سے معذرت کروں گا۔"

"غلط بالکل غلط...تم پہلے ہی ٹیسٹ میں بری طرح فیل ہو چکے ہو۔" نائل کو اس کی ذہانت پر افسوس ہوا تھا۔

"تمہیں آگے سے اس شخص کے منہ پر دو تھپڑ جڑنے ہیں۔آخر اس کی ہمت کیسے ہوئی اتنا سب سنانے کی...." حاتم کو بیٹھے بیٹھے ہی زبردست چکر آئے تھے۔

"بہت محنت کرنی ہوگی مجھے تم پر... تمہیں کم از کم سیلف ڈیفینس تو آنا چاہیئے۔" نائل نے اسے بہت اہم بات سمجھائی تھی۔

"کیا یہ سب سیکھنا ضروری ہے؟" وہ بے چارگی سے گویا ہوا تھا۔

"بالکل ضروری ہے، جب تم اپنی حفاظت نہیں کر سکو گے تو میری معصوم بہن کی کیسے کرو گے؟"

"اور دوبارہ میری بات کو بیچ میں کاٹنے کی جرات مت کرنا۔" حاتم نے اس لمحے کو ہی کوسا تھا جب اس نے نکاح کے کاغذات پر سائن کیے تھے۔

ایک وہ ڈیڑھ فٹ کی ٹڈی کم تھی جو اس کا بھائی بھی میدان میں کود پڑا تھا۔

"چلو باہر نکلو، آج تمہارا فٹنس ٹیسٹ ہے۔" سیٹ بیلٹ اتارتے وہ باہر نکلا تھا۔ حاتم کو بھی ناچار باہر آنا ہی پڑا تھا۔

وہ حیرانگی سے اس عجیب سی جگہ کو دیکھ رہا تھا۔ مرکزی ہال میں پہنچ کر اس کی سانس معنوں سوکھ گئی تھی اور آنکھیں بس باہر آنے کو تھیں۔

اس کی آنکھوں کے سامنے باکسنگ رنگ تھی۔ حاتم نے کلمہ پڑھ لیا تھا کیونکہ یہاں سے تو اس کی لاش ہی جانی تھی۔

"ان سے تمہارا مقابلہ ہے۔" ایک کسرتی جسامت رکھنے والے شخص کو اپنے سامنے دیکھ حاتم کے گلے میں گلٹی ابھری تھی۔

"نائل بھائی مجھے باکسنگ نہیں آتی۔" اس کے تو پسینے چھوٹنے لگے تھے۔

"سیکھو گے تو آجائے گی۔"

"نائل بھائی میری صحت دیکھیں، میری عمر دیکھیں۔ کچھ تو رحم کریں۔" وہ منت پر اتر آیا تھا۔

"اگر اس عمر میں نکاح کے پیپرز سائن کر سکتے ہو تو یہ بھی کر سکتے ہو۔" حاتم کو اب کہیں جا کر اس سب کی وجہ سمجھ آئی تھی۔

"زبردستی کروایا گیا تھا نکاح، میں نے مرضی سے نہیں کیا۔" وہ بس رو دینے کو تھا۔

"اب زبردستی رنگ میں بھی اتر جاؤ۔" وہ اپنے فیصلے پر اڑا ہوا تھا۔

"ویسے بھی ہارون انکل نے مجھ سے خود کہا ہے کہ تمہیں زیادہ وقت اپنے ساتھ رکھا کروں جو سرگیاں میں کرتا ہوں، تمہیں بھی وہی کرواں۔ یہ میری سب سے پسندیدہ سرگرمی ہے۔" چہرے پر ہمیشہ کی طرح بلا کی سنجیدگی تھی۔ کہیں سے بھی یہ نہیں لگ رہا تھا کہ وہ مذاق کر رہا ہے۔

"میں نہیں جاؤں گا۔" حاتم نے نفی میں سر ہلاتے کہا تھا۔

"جائے گا تو تمہارا باپ بھی..." نائل بڑبڑایا تھا۔ حاتم اس کی بڑبڑاہٹ نہیں سن سکا تھا۔

"اب یا تو تم اس سے باکسنگ لڑو گے یا پھر مجھ سے... مرضی تمہاری ہے۔" نائل نے اسے نہایت آسان اور سادہ حل پیش کیا تھا۔

روہانسی صورت بنائے حاتم نے ایک نظر اس باکسر کو دیکھا تھا تو دوسری نظر نائل کو....

آنکھیں سختی سے میچے اس نے پاس پڑے گلوز اٹھائے تھے۔ آیت الکرسی کا ورد کرتے وہ بالآخر رنگ میں کودا تھا۔

"تین چار پنچ مارنا اور وہ بھی ذرا خیال سے.... یہ ہڈیوں کا ڈھانچہ اتنا ہی برداشت کر سکتا ہے۔" اس شخص کے قریب آتے نائل نے سرگوشی کی تھی جس پر اس شخص نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

"یا اللہ! گواہ رہنا... ان ظالموں کو نست و نابود کرنا۔ میرے ساتھ جو ظلم ہو رہے ہیں نا، ان کا حساب لینے کے لیے کسی کو ضرور بھیجنا، کوئی ایسا جو اس سنکی شخص کا دماغ ٹھکانے لگا دے۔" دعا کرتے ساتھ ہی لڑائی کا آغاز ہوا تھا۔ دو چار پنچ کیا وہ تو پہلے ہی پنچ میں زمین بوس ہو گیا تھا۔

نائل نے افسوس سے نفی میں سر ہلایا تھا۔

"سب کچھ مجھے ہی سکھانا پڑے گا۔" اس نے خود کو تسلی دیتے کہا تھا۔

"ماریہ مر گئی اور عارف بھی۔۔۔اب ہمارے پاس کوئی نہیں بچا۔"بدر کو نہایت افسوس تھا۔

درختوں کے درمیان لگے کیمرے سے ماریہ مجرم قرار پائی تھی۔اسے پتا تھا کہ وہ پکڑی جائے گی اور پکڑے جانے کی صورت میں اسے اتنا ٹارچر کیا جائے گا کہ وہ سچ بولنے پر مجبور ہو جائے اسی لیے اس نے زہر کھانے کو ترجیح دی تھی۔

"ماریہ کیا سچ میں مر گئی؟"جیمز کے لیے یقین کرنا بے حد مشکل تھا۔ماریہ اس کے لیے بہت خاص تھی۔وہ یقین ہی نہیں کر پا رہا تھا کہ وہ غدار تھی۔

"ہمم۔۔۔۔!"

"اب کوئی نیا شخص ڈھونڈھنا پڑے گا جو سارے سسٹم کو سنبھال لے۔"بدر گہری سوچ میں ڈوبا تھا۔

"اتنے سارے تو لوگ ہیں، کسی کو بھی یہ سونپ دو۔"

"نہیں جیمز! کوئی نیا شخص اس سب کو سمجھنے میں بہت وقت لے گا۔اور ویسے بھی مجھے اب کسی پر اعتبار نہیں۔۔۔۔"

"پھر کیا کریں؟"

"فلحال تو کوئی ایسا شخص ڈھونڈھنا ہو گا جو ہمارا پچھلا سارا ڈیٹا ریکور کر سکے۔"

"ایسا شخص کہاں ملے گا؟"

"نائل کی بہن۔۔۔وہ کس دن کام آئے گی؟"بدر کی آنکھوں میں عجیب سی چمک ابھری تھی۔

"لیکن بلیک مونسٹر۔۔۔

"اسے خبر نہیں ہو گی۔ہم صرف چند گھنٹوں کے لیے اسے اٹھوائے گے اور اپنا کام نکلوا کر اسے مار دے گے۔"

"لیکن..."

"لیکن ویکن کچھ نہیں! اتنے سالوں کی محنت میں ایسے رائیگاں نہیں جانے دے سکتا۔ ویسے بھی مجھے نینا کی بیٹی سے ملنے کی شدید خواہش ہے۔" وہ خباثت سے ہنسا تھا۔ جیمز نے آنکھیں میچے نفی میں سر ہلایا تھا۔ وہ ڈیوڈ کو بیٹا کہتا تھا اور اس ہی کی بیوی پر بری نگاہ رکھے ہوئے تھا۔

---

سورج کی کرنوں کے زمین پر پڑتے ہی ہر طرف روشنی ہو گئی تھی۔ تقریباً ہر جاندار ہی حرکت میں آ گیا تھا۔ سڑک پر گاڑیوں کی نقل و حمل آہستہ آہستہ تیز ہوتی جا رہی تھی۔

ایک گاڑی میں گم صُم بیٹھی وہ ہر گزرتی چیز کو دیکھ رہی تھی۔ ہر گاڑی، ہر بائیک یہاں تک کہ ہر درخت جو کہ پیچھے کی جانب جا رہا تھا یا پھر شاید وہ آگے بڑھ رہی تھی... جو بھی تھا، اسے آج کسی چیز میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

گھر سے وہ دوستوں کے ساتھ گھومنے پھرنے کا کہہ کر نکلی تھی اور یہ کہ وہ شام سے پہلے واپس نہیں آئے گی مگر ارادہ آج چرچ اور مسجد جانے کا تھا۔

اس نے چرچ میں جا کر پادری سے بات کی تھی اور یہ بھی کہ وہ مذہب تبدیل کرنے کے بارے میں سوچتی تھی۔ پادری اور راہبہ نے اسے بہت اچھی طرح اپنے مذہب کے بارے میں راہنمائی فراہم کی تھی لیکن اصل مایوسی اسے مسجد جا کر ہوئی تھی جہاں کوئی بھی بات کرنے سے پہلے ہی ایک شخص نے اسے بے حد بے عزت کیا تھا۔ وہ چست لباس میں، بغیر ڈوپٹے کے کیسے مسجد آ سکتی ہے؟؟

وانیہ کا دل بالکل کھٹا ہو گیا تھا۔

اپنی آنکھ سے آنسو پونچھتے وانیہ نے آنکھیں بند کی تھیں جبکہ شیشہ کھلا ہونے کی وجہ سے ہوا کے جھونکے اس کے بالوں کے ساتھ مسلسل اٹھکیلیاں کر رہے تھے۔

"آخر کیوں یہ دین دار مسلمان ہمیں ہتک کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں، آخر کیوں یہ ہم پر فتوے لگانے سے پہلے ایک لمحے کے لیے بھی نہیں سوچتے؟" ڈھیر سارے آنسو گلے کے اندر اتارتے وانیہ نے گہری سانس خارج کی تھی۔

"ٹھیک ہے مجھے ایسے نہیں جانا چاہیئے تھا مگر وہ پیار سے بھی تو سمجھا سکتے تھے نا؟" وہ دل ہی دل میں خود سے مخاطب تھی۔

"اسلام مذہب برا نہیں ہے مگر اس کے پیروکار بہت سنگدل ہیں۔ جہاں تک میں اسلام کو سمجھی ہوں، یہ تو امن کا دین ہے تو پھر آج کل کیوں مسلمان طیش میں رہتے ہیں؟ کیوں کسی کو سکون سے جینے نہیں دیتے؟" وہ سچ میں بہت زیادہ دل برداشتہ ہوئی تھی۔

آج کل نجانے مسلمانوں کو کیا ہو گیا ہے۔ اگر اسلام ایک پر امن مذہب ہے تو مسلمان کیوں پر سکون انداز میں بات نہیں کرتے؟؟ اگر سوشل میڈیا کی بات کی جائے تو وہاں پر ڈانس گانے کو تو پرموٹ کیا جاتا ہے مگر اگر کوئی خاتون حجاب کے ساتھ سوشل میڈیا پر آئے گی تو ہم اسے یہ بتانا اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ پردہ پورے بدن کا ہوتا ہے اور اگر کوئی برقعہ پہن کر آجائے تو ہم اسے یہ ضرور کہے گے کہ پردہ تو آواز کا بھی ہوتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ گالیاں اور برے القابات کہہ کر دوسرے کی دل آزاری ضروری کرے گے۔

ہدایت ہر کسی کو پلیٹ میں سجی ہوئی نہیں ملتی۔ ہر کوئی ہدایت کے مختلف مراحل سے گزرتا ہے۔ اگر ان لوگوں کو حجاب لینے یا برقعہ پہننے کی ہدایت مل گئی ہے آگے بھی مل جائے گی۔

کسی پر بھی تنقید کرنے یا برا بھلا کہنے سے پہلے یہ ضرور سوچ لینا چاہیئے کہ کہیں جس چیز کو لے کر آپ دوسروں کو باتیں سنا رہے ہیں، کل وہ آپ سے ہی نا چھن جائے۔ پردے کے ساتھ سوشل میڈیا پر آنا کوئی پسندیدہ عمل نہیں ہے مگر اگر کوئی خاتون پردے کے ساتھ سوشل میڈیا پر آ ہی جاتی ہے تو کسی کو بھی یہ حق نہیں کہ وہ گالم گلوچ پر اتر آئے یا سخت الفاظ استعمال کرے۔ یہ ہر گز بھی تبلیغ نہیں ہے۔

بیچ راستے میں گاڑی خراب ہونے کی وجہ سے وانیہ کو ہوش آیا تھا۔

"کیا ہوا؟؟" اس نے آنکھیں کھولے ڈرائیور سے پوچھا تھا۔

"سامنے دو گاڑیوں نے راستہ بلاک کیا ہوا ہے، میں جا کر دیکھتا ہوں۔ آپ یہیں بیٹھی رہیں گا بی بی جی..." ڈرائیور نے ابھی قدم باہر ہی رکھا تھا کہ اچانک فائرنگ شروع ہو گئی تھی۔ ایک ساتھ سینے میں تین گولیاں لگنے کی وجہ سے وہ موقع پر ہی ہلاک ہو گیا تھا۔

وانیہ کی چیخیں تو تھمنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھیں۔ وہ ویسے ہی ذہنی اضطراب کا شکار تھی اور اوپر سے اس کی پریگنینسی نے اسے بالکل بے بس کر دیا تھا۔

گاڑی کا لاک توڑنے کے بعد وہ اسے زبردستی گھسیٹتے ہوئے اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ وہ مزاحمتیں کرتی رہی تھی مگر اس کی ایک بھی مزاحمت کارآمد ثابت نہ ہو پائی تھی۔

---

آفس سے سیدھا وہ فارم ہاؤس گیا تھا۔ اس کا موڈ آج بے حد خوشگوار تھا، وجہ موصول ہونے والی فون کال تھی جس نے اسے ایک نئی زندگی بخشی تھی۔

کمرے میں داخل ہوتے ساتھ ہی اس کی نظر بستر پر لیٹی سنیہا پر پڑی تھی۔ وہ گہری نیند میں سو رہی تھی۔ نائل اچھے سے جانتا تھا کہ وہ اس وقت آدھے گھنٹے کا کے لیے سوتی ہے۔

کچھ دیر اسے خالی نظروں سے تکنے کے بعد وہ کپڑے تبدیل کرنے چینجگ روم میں گیا تھا۔ چینج کرنے کے بعد وہ قدم قدم چلتا سنیہا کے سرہانے کھڑا ہوا تھا۔ وہ دائیں جانب کروٹ لیے اب بھی نیند کے آغوش میں تھی۔ نائل نے اپنا فون بستر کے بیچ و بیچ رکھ دیا تھا اور ساتھ ہی ساتھ اپنا کوٹ بھی بستر کی دوسری جانب اچھالا تھا۔

اب اس پر ایک ترس بھری نگاہ ڈالتے وہ تیزی سے کمرے سے باہر نکلا تھا۔ سیڑھیاں پھلانگتے اب اس کا رخ کچن کی جانب تھا۔

سامنے سلیب پر چولہے کے ساتھ ایک خوبصورت طرز کا باکس بنا ہوا تھا جس میں مسالہ جات کے ڈبے رکھے گئے تھے۔ عین اس کی سیدھ میں کوکنگ آئل کی بوتل رکھی ہوئی تھی۔ نائل نے ہاتھ بڑھا کر وہ بوتل اٹھائی تھی۔ لبوں پر ایک تیکھی مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی اور آنکھوں میں عجیب سی چمک.... پھر یہ چمک جلتے شعلوں میں تبدیل ہوئی تھی۔ اب اس کی آنکھیں بالکل سرخ تھیں اور لبوں کی مسکراہٹ بھی غائب ہو چکی تھی۔ اب چہرے پر صرف غصہ تھا۔

بوتل پر ہاتھ کی گرفت مضبوط کرتے ساتھ ہی وہ پھرتی سے لاؤنج میں آیا تھا۔ زینوں کے بالکل سامنے کھڑے ہوتے ایک لمحے کے لیے وہ رکا تھا۔

ملازموں کو تو وہ صبح ہی چھٹی دے چکا تھا۔ اس وقت فارم ہاؤس پر صرف دو لوگ موجود تھے۔ ایک وہ خود اور دوسری سنیہا....

"I am sorry!"

گہری سانس خارج کرنے کے بعد نائل نے بوتل کا ڈھکن کھولا تھا۔ پہلے زینے پر تیل گرانے کے بعد اس نے اوپر جاتے تقریباً ہر زینے پر ہی تھوڑا تھوڑا تیل گرایا تھا۔

ایک سائیڈ سے نیچے اترتے نائل نے بوتل واپس کچن میں جا کر رکھی تھی۔

اپنی ریسٹ واچ میں ٹائم دیکھتے وہ اب گھر سے باہر گیا تھا۔اگلے آدھے گھنٹے میں سنیہا نے اٹھ جانا تھا۔نائل کا کوٹ اور موبائل دیکھ کر وہ یقیناً اسے ڈھونڈتے نیچے ضرور آتی اور نائل اچھے سے جانتا تھا کہ وہ کس قدر بے دھیانی میں سیڑھیاں اترتی ہے۔

گاڑی میں بیٹھتے ساتھ ہی وہ گاڑی کو فراٹے کے ساتھ آگے بڑھا لے گیا تھا۔

---

ان لوگوں میں سے ایک نے وانیہ کو ایک اندھیرے بند کمرے میں لا پٹخا تھا۔وہ اوندھے منہ فرش پر جا گری تھی۔دروازہ لاک کیے وہ شخص وہاں سے چلا گیا تھا جبکہ اس طرح پیٹ کے بل گرنے کی وجہ سے وانیہ کو شدید تکلیف ہوئی تھی۔

"آہ...!" پیٹ پر ہاتھ رکھے وہ چلانے لگی تھی مگر اس کی یہاں سننے والا کوئی نہیں تھا۔

کسی ضروری کام کی وجہ سے بدر وہاں عین وقت پر نہیں پہنچ سکتا تھا۔اسے وہاں پہنچنے میں چند گھنٹے لگنے تھے اور تب تک اس نے وانیہ کو قید رکھنے کا حکم دیا تھا۔

"آہ....!" وہ پیٹ پر ہاتھ رکھے مسلسل کراہ رہی تھی۔

"میرا بچہ...!" ہر گزرتے لمحے کے ساتھ تکلیف کی شدت بڑھتی جا رہی تھی۔وہ تو اٹھ کر بیٹھنے تک کی سکت نہیں رکھتی تھی۔

"میرا بچہ مر جائے گا، پلیز مجھے جانے دو۔"

"مجھے چھوڑ دو پلیز... مجھے ڈاکٹر کے پاس جانا ہے۔" چہرہ پل میں پسینے سے تر ہوا تھا۔وہ پلٹنے کی کوشش کر رہی تھی مگر جسم میں جیسے جان ہی نہیں تھی۔

"پانی.... پانی...." وانیہ کی سانس اکھڑنے لگی تھی۔اس کا وجود بے جان ہوتا جا رہا تھا۔

"اللہ...!" چلاتے ہوئے اس نے فرش پر زور سے ہاتھ مارا تھا۔

"یا اللہ! میری مدد کر..." ہاتھ سے زمین پر زور دیتے بالآخر وہ پلٹنے میں کامیاب ہو گئی تھی۔پیٹ پر ہاتھ رکھے وہ اب بھی کراہ رہی تھی۔

"یا اللہ..." چھت کو گھورتے اس کی زبان نے یہ الفاظ ادا کیے تھے۔آنکھوں سے مسلسل آنسو بہتے گال پر لڑھک رہے تھے۔

اسے آج شدت سے اللہ یاد آیا تھا۔خوشی میں نا سہی انسان کو تکلیف میں وہ ضرور یاد آتا ہے۔

"زندگی بار بار موقع فراہم نہیں کرتی۔ تم پہلے کیا کرتی رہی ہو یہ اہم نہیں ہے۔اہم یہ ہے کہ تم اب کیا کرتی ہو...اس سے پہلے کہ وقت ہاتھ سے ریت کی مانند پھسل جائے، کلمہ پڑھ لو وانیہ..." وانیہ کے کانوں میں آمنہ کے کہے الفاظ گردش کرنے لگے تھے۔

"میں نے کیا ہے پیدائش سے مکاشفہ تک کا سفر... کیا تم نے کیا ہے الحمد سے والناس تک کا سفر...؟"

"نہیں کیا نا...؟"

"پھر تم کیسے کہہ سکتی ہو کہ تم مسلمان ہو؟"

"جاؤ پہلے جا کر اپنا سفر مکمل کرو پھر بات کرنا مجھ سے...!" وانیہ گہری گہری سانسیں لینے لگی تھی۔

"مومن عورتیں پردہ کرتی ہیں۔اپنی زینت کسی نامحرم پر عیاں نہیں کرتیں۔وہ نماز پڑھتی ہیں اور اپنے دین پر کبھی کمپرومائز نہیں کرتیں۔" اسے اب اپنی ٹانگیں بے جان ہوتی محسوس ہوئی تھیں۔

"تم آخر قرآن کیوں نہیں پڑھتی؟"

"قرآن پڑھا کرو وانیہ، میں چاہتا ہوں تم یہ کرو۔" اس کا سارا وجود ہی شل پڑ گیا تھا۔ ایسے جیسے جانکنی کا وقت ہو۔

"مجھے تیری ذات پر... کوئی شبہ نہیں ہے۔" وانیہ کے لب پھڑ پھڑا نے تھے۔

"پہلے بھی نہیں تھا بس ایک ضد تھی جو میں نے باندھ لی تھی۔" اس کی زبان کے علاوہ جسم کے سارے اعضاء بے جان ہو گئے تھے۔ شاید زبان کا حرکت میں ہونا اس کے لیے اعتراف کا آخری موقع تھا۔ اسے اتنی مہلت دی جا رہی تھی کہ وہ اقرار کر سکے۔

"میں اسلام کے ہر رکن کو تسلیم کرتی ہو۔ جب اللہ پر یقین ہے تو پھر اس کی بنائی ہر چیز پر یقین ہے۔ میں اپنے گناہوں کی معافی مانگتی ہوں۔" اس کے گلے میں کانٹے چبھنے لگے تھے۔ زبان نے ساتھ دینا چھوڑ دیا تھا۔

"اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔"

یہ آخری الفاظ تھے جو اس کی زبان نے ادا کیے تھے۔ اس کے بعد اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھایا تھا۔ اس کی دنیا تاریک ہو چکی تھی۔

---

ٹھیک آدھے گھنٹے کے بعد سنیہا کی آنکھ کھلی تھی۔ مندھی مندھی سی آنکھوں کے ساتھ وہ اٹھ کر بیٹھی تھی۔ نائل کا فون اور کوٹ دیکھ کر اس کی آنکھیں پوری کھل گئی تھیں۔

"نائل....!" لبوں پر مدھم سی مسکراہٹ کے ساتھ سنیہا نے اس کا کوٹ اٹھایا تھا۔ اب اس نے چور نگاہیں پورے کمرے میں ڈورائی تھیں۔ اس بات کا یقین کرتے کہ وہ یہاں نہیں ہے، سنیہا نے اس کے کوٹ کی خوشبو اپنے اندر اتاری تھی۔ اسے اپنے اندر ایک سکون سا اترتا محسوس ہوا تھا۔

کوٹ ایک طرف رکھنے کے بعد وہ بستر سے اٹھی تھی۔اس نے بالکنی میں جا کر بھی دیکھا تھا مگر وہ وہاں بھی نہیں تھا۔

بالوں کا ڈھیلا سا جوڑا بنانے کے بعد وہ واش روم گئی تھی۔پانی کے چند چھینٹے منہ پر پڑتے ہی اسے تروتازگی کا احساس ہوا تھا۔

تولیے سے منہ صاف کرنے کے بعد سنیہا نے اپنے کمرے سے باہر قدم بڑھائے تھے۔وہ پہلے پہل ٹیرس پر گئی تھی مگر وہ وہاں بھی نہیں تھا۔

"سٹڈی روم میں ہوں گے۔"سوچتے ساتھ ہی سنیہا نے اپنی رفتار تیز کرلی تھی۔چلتے چلتے وہ زینوں تک آئی تھی۔اب اس نے بے دھیانی میں پہلے زینے پر قدم رکھا تھا۔سیڑھیوں پر تیل گرے ہونے کی وجہ سے اس کا پیر پھسلا تھا۔

"آہ.....!"فارم ہاؤس کی دیواروں سے اس کی ہولناک چیخ کی آواز ٹکرائی تھی۔

دوسرے ہی زینے پر اسے کسی نے بازو سے پکڑ کر اپنی جانب کھینچا تھا۔

"نائل...!"اس کی تو جیسے جان میں جان آئی تھی۔

"سنیہا...!"اسے ایک جھٹکے سے خود سے مزید قریب کرتے وہ اسے اپنے اندر بھینچ چکا تھا۔

جو کچھ بھی ہوا وہ سنیہا کی سمجھ سے بالکل باہر تھا۔ایک تو اس کا اسطرح پھسلنا اور پھر نائل کا اسے بچانا اور اب اتنی سختی سے اسے خود میں بھینچنا....

"تم ٹھیک ہو؟"اس کے کندھے پر سر رکھے وہ آنکھیں بند کیے استفسار کر رہا تھا جبکہ سنیہا نے آج پہلی بار اس کی دھڑکنوں کا بے ہنگم شور سنا تھا۔

"ہمم...!"اسے اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس ہوا تھا مگر اس کے باوجود بھی اس نے نائل سے دور جانے کی کوئی کوشش نہیں کی تھی۔

"اندھی ہو، نظر نہیں آرہا کہ سیڑھیوں پر تیل گرا ہوا ہے؟"اسے خود سے الگ کرتے وہ اس پر بھڑکا تھا۔

"وہ میں...!"

"اگر یہاں سے گرتی تو کچھ نا بچتا تمہارا....!"وہ شدید برہم ہوا تھا۔

"سوری...!"وہ نظریں جھکائے منمنائی تھی۔

"میں یہ صاف..."

"رہنے دو، میں کواٹر سے بلاتا ہوں کسی ملازم کو...!"پیشانی مسلتے اس نے اپنا غصہ کم کرنے کی کوشش کی تھی۔

"خیال رکھا کرو اپنا...یہ دنیا اعتبار کے قابل نہیں ہے۔"

"مجھے دنیا سے کیا غرض، آپ ہیں نا میرے لیے...!"ہاتھوں کو مسلتے وہ شرمائی تھی۔

"سب سے بڑا خطرہ میں ہی تو ہوں۔"سنیہا نے نظریں اٹھا کر اس کی جانب دیکھا تھا۔نائل کی آنکھوں میں کچھ تھا مگر سنیہا نہیں سمجھ سکی تھی۔وہ سمجھ ہی نہیں سکتی تھی۔جب تک نائل خود نا چاہے، کوئی اسے سمجھ نہیں سکتا تھا۔

"آپ بہت عجیب باتیں کرتے ہیں۔"منہ پھلائے اس نے شکوہ کیا تھا۔

"جاؤ جا کر ریڈی ہو جاؤ، کہیں باہر چلتے ہیں۔"سنیہا نے چمکتی آنکھوں سے اسے دیکھا تھا۔وہ اسے باہر بہت کم کم لے کر جاتا تھا۔

"نظریں نیچے...!"نائل کے سختی سے باور کروانے پر وہ فورا نظریں جھکاتی کمرے کی جانب گئی تھی۔

اس کے جانے کا یقین کرتے نائل نے گہری سانس خارج کی تھی۔اب اپنے دونوں ہاتھ گرل پر مضبوطی سے رکھنے کے بعد اس نے سختی سے آنکھیں میچی تھیں۔

"میں اسے نقصان کیوں نہیں پہنچا سکا؟" دل سے ایک آواز آئی تھی۔

"I love her."

اس بار جواب زبان نے دیا تھا۔

"I still love her."

لبوں نے ایک بار پھر حرکت کی تھی۔

"کیا مصیبت ہے؟" وہ سخت جھنجھلایا تھا۔

"تم میرے لیے عذاب بنتی جا رہی ہو۔ تم ایسے میرے ہواسوں پر نہیں چھا سکتی سنیہا!" وہ اس وقت خود کو بہت بے بس محسوس کر رہا تھا۔

سر کو جھٹکتے وہ غصے سے پہلے زینے پر چڑھا تھا۔اس کا پیر بری طرح سے پھسلا تھا۔اگر وہ ساتھ لگی گرل کا سہارا نا لیتا تو یقیناً گر جاتا۔

"لعنت ہو...." اس نے خود کو ہی ملامت کی تھی۔اپنے کھودے گڑھے میں وہ خود ہی گرتے گرتے بچا تھا۔ ایک سائیڈ سے احتیاط سے چلتے اب وہ نیچے اتر رہا تھا۔ملازمہ کو بلا کر اس نے فوراً ہی ساری سیڑھیاں صاف کروائی تھیں اور ساتھ ہی ساتھ اچھی خاصی کلاس بھی لی تھی۔آخر کار یہ ملازمہ کی ہی تو لاپروائی تھی۔

کافی دیر تک وہ لاؤنج میں بے چینی کی حالت میں ادھر سے ادھر چکر لگا رہا تھا۔اس کا چہرہ غصے سے سرخ تھا۔نائل کو اپنے کیے پر شدید پچھتاوا تھا۔سنیہا بے قصور تھی پھر بھی وہ اسے سزا دینا چاہتا تھا۔

ہیل کی ٹک ٹک کی آواز سے وہ نظریں اٹھانے پر مجبور ہو گیا تھا۔

وہ سادہ مگر نفیس سے سوٹ میں زینے اترتی نیچے آرہی تھی۔

ہرے رنگ کے سوٹ پر سنہرے رنگ کا کام ہوا ہوا تھا۔دائیں کندھے پر اس نے ڈوپٹہ پھیلایا ہوا تھا جبکہ سر پر سنہرے رنگ کا سٹولر تھا۔

نائل کا سانس معنوں رک گیا تھا۔

"چلیں؟؟"سنیہا کی آواز سے وہ جیسے ہوش میں آیا تھا۔وہ کب نیچے آئی تھی،اسے خبر تک نہیں ہوئی تھی۔

اسے اس حلیے میں دیکھ نائل کا میٹر فوراشاٹ ہوا تھا۔

"کیا ہے یہ سب؟"اس کا بازو دبوچے وہ غرایا تھا۔

"تم آخر کرنا کیا چاہتی ہو؟"وہ بالکل آپے سے باہر ہوتا جارہا تھا۔

"نائل چھوڑیں مجھے،مجھے درد ہو رہا ہے۔"آنکھوں کی رم جھم شروع ہو چکی تھی۔

"تم مجھے اذیت پہنچانا چاہتی ہو؟"نائل نے اب کی بار اس کا منہ دبوچا تھا۔

"میں ایسا کیوں..."درد کی شدت کی وجہ سے اس سے الفاظ ادا نہیں ہو پا رہے تھے۔

"اتارو اسے..."

"اتارو اس حجاب کو...!"نائل نے کھینچ کر اس کا حجاب نوچا تھا۔

"کیا بننے کی کوشش کر رہی ہو تم؟"اسے پیچھے کی جانب دھکیلے وہ دھاڑا تھا۔

سنیہا فرش پر گرتے گرتے بچی تھی۔

"تم مجھے آخر کیوں کچھ نہیں بھولنے دیتی؟میں جب بھی آگے بڑھنے کی کوشش کرتا ہوں تم..."غصے سے نائل نے اپنی مٹھیاں بھینچی تھیں۔

اس بار چہرہ صرف اس کا سرخ نہیں ہوا تھا بلکہ سنیہا کی بھی آنکھوں میں بھی چنگاریاں جلنے لگی تھیں۔

"صوفی کی یاد آرہی ہے؟" وہ بغیر کسی خوف کے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے گویا ہوئی تھی۔

"اس ہی کی یاد آرہی ہے نا؟" اب وہ چل کر اس کے بالکل قریب گئی تھیں۔

"حجاب میں نے اپنی مرضی سے لیا ہے اور میں آگے بھی لوں گی۔ بتایا تھا ناآپ کو کہ ایک کورس کر رہی ہوں۔ میں نے یہ آپ کو متاثر کرنے یا اذیت دینے کے لیے نہیں پہنا۔" وہ بولنے پر آئی تھی تو بولتی چلی گئی تھی۔

"تم دوبارہ نہیں پہنو گی۔"

"ایک نہیں ایک ہزار بار پہنوں گی۔ آپ کے ساتھ آخر مسئلہ ہے؟" آج وہ بھی ضد پر اڑ گئی تھی۔

برداشت کی ایک حد ہوتی ہے اور زندگی میں ایک ایسا وقت ضرور آتا ہے جب وہ برداشت ختم ہو جاتی ہے۔ پھر انسان کے اندر موجود غموں کا وہ لاوا پھٹ جاتا ہے... اس سے فرق نہیں پڑتا کہ یہ لاوا کسی چھوٹی سی بات پر پھٹتا ہے یا پھر بڑی بات پر...

"مسئلہ میرے ساتھ نہیں تمہارے ساتھ ہے۔ بار بار اپنی اوقات بھول جاتی ہو۔ بھول جاتی ہو کہ میں نے تمہیں...."

"پورے دس کڑور میں خریدا تھا۔" سنیہا نے اس کا جملہ مکمل کیا تھا۔

"ساری زندگی.... ساری زندگی میں مرد کی محبت کے لیے ترستی رہی۔ میرے باپ نے کبھی مجھے سینے سے نہیں لگایا۔ ہمیشہ مجھے دیکھ کر منہ پھیر الیا۔ میرے بھائیوں نے بھی ہمیشہ مجھ سے دوری ہی برتی، جیسے میں کوئی اچھوت ہوں۔ بیرون ملک رہتے ہوئے بھی میری زندگی بہت تنگ اور محدود تھی۔ ہر چیز سہی... آپ سے شادی ہوئی تو شوہر کے روپ میں ایک وحشی کا سامنا کرنا پڑا، میں نے پھر بھی اپنی پوری کوشش کی۔" ہچکیاں اب بندھ چکی تھیں۔ وہ بری طرح رو رہی تھی جبکہ وہ دم سادھے اسے سن رہا تھا۔

سنیہا نے کبھی اس کے سامنے اپنی محرومیوں کا رونا نہیں رویا تھا۔اس نے ہمیشہ صبر کیا تھا اور نائل کا ہر اچھے اور برے وقت میں ساتھ دیا تھا۔

"آخر آپ کیسے... کیسے میرا حجاب اتار کر پھینک سکتے ہیں؟"

"جو میرے ساتھ کرتے ہیں یقیناً یہی سب صوفی کے ساتھ بھی کرتے ہوں گے، تبھی تو وہ مر گئی۔"سنیہا نے بے دردی سے اپنے آنسو پونچھے تھے۔

"بکواس بند کرو اپنی..."نائل نے فوراً اسے ڈپٹا تھا۔

"میں کیوں چپ رہوں، میں ہی کیوں ہمیشہ سب برداشت کروں؟"آج نا تو اس نے صبر کرنا تھا اور نا ہی خاموش رہنا تھا۔

"حقیقت تو یہ ہے مسٹر نائل کہ نا تو آپ صوفی کو ڈیزرو کرتے ہیں اور نا ہی سنیہا کو، بلکہ آپ تو اس قابل ہی نہیں ہیں کہ کوئی بھی لڑکی آپ کے ساتھ رہے۔آپ ایک سائیکو پیشنٹ ہیں۔ذہنی مریض ہیں آپ..."

"سنیہا...!"نائل کا ہاتھ اٹھا تھا مگر ہوا میں ہی اس نے اپنا ہاتھ روک لیا تھا۔

"رک کیوں گئے؟ماریں نا..."سرخ آنکھوں کے ساتھ وہ بے خوفی سے اس کے مزید نزدیک گئی تھی۔نائل اس کے اس اعتماد پر دنگ رہ گیا تھا۔

"میں نے ہمیشہ آپ سے محبت کی ہے لیکن اب بس....اپنی اس محبت کو آج میں اپنے ہی پیروں تلے روندھتی ہوں۔یہ روز روز کی تذلیل اب میری برداشت سے باہر ہے۔میں سنیہا حمید آج نائل آفندی سے لاتعلقی کا اعلان کرتی ہوں۔مجھے طلاق چاہیئے۔"ابھی وہ اس کے باغیانہ انداز کے دھچکے سے ہی باہر نہیں نکلا تھا کہ اس کے اس مطالبے نے نائل کے قدموں تلے سے زمین ہی کھینچ دی تھی۔

"تمہارا دماغ ٹھیک ہے؟"سنہری آنکھوں نے بے یقینی سے سیاہ آنکھوں میں دیکھا تھا۔

"آپ کے ساتھ رہ رہی ہوں تو کیسے دماغ ٹھیک رہ سکتا ہے؟"وہ عجیب طرز سے ہنسی تھی۔

"اگر طلاق دے دوں تو کہاں جاؤ گی؟" تحمل کا مظاہرہ کرتے نائل نے آہستگی سے پوچھا تھا۔

"اپنے گھر واپس...."آج سنگدلی کی انتہا تھی۔

آج اس کے لہجے میں چٹانوں جیسی سختی تھی۔ وہ اپنا گھر تک توڑنے کو تیار تھی۔ایک عورت کے صبر کو اتنا نہیں آزمانا چاہیئے کہ وہ بالکل ہی ٹوٹ جائے۔اور اگر وہ ٹوٹتی ہے نا تو پھر ہر ڈر، ہر خوف کو بالائے طاق رکھ کے وہ ہر چیز کو بھی برباد کر دیتی ہے۔

"اپنے گھر والوں کی تذلیل برداشت کر سکتی ہو، اپنے شوہر کی نہیں؟"

"انہوں نے کبھی میری تذلیل نہیں کی، کم از کم ایسے نہیں جیسے آپ کرتے ہیں۔"

"اب کیا چاہتی ہو؟"

"طلاق... نہیں تو خلا لے لوں گی۔"آنکھوں سے آنسو بہہ کر گالوں کو بھگو رہے تھے مگر زبان میں ذرا برابر لرزش نا آئی تھی۔ وہ اس وقت شدید غصے میں تھی، اس حالت میں وہ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت بالکل کھو بیٹھی تھی۔

"نا تو میں طلاق دوں گا اور نا ہی تم خلا لو گی۔"

"مجھے نہیں رہنا آپ کے ساتھ..."

"میں کچھ دنوں کے لیے چلا جاتا ہوں۔ جب تمہارا دماغ درست ہو گا تب آ جاؤں گا۔"نائل کو اندازہ ہو گیا تھا کہ سنیہا اس وقت شدید غصے میں ہے اور وہ اس وقت اس پر حاوی نہیں ہو سکتا ورنہ معاملات مزید بگڑ سکتے تھے۔

"کچھ دنوں کے لیے نہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چلے جائیں یہاں سے، ویسے بھی یہ گھر میرا ہے۔" نائل کو آج دھچکے پہ دھچکہ لگ رہا تھا۔

یہ فارم ہاؤس وہ بہت پہلے ہی سنیہا کے نام کر چکا تھا جس کا آج اسے شدید افسوس ہوا تھا۔

"ٹھیک ہے میں چلا جاتا ہوں اور کبھی لوٹ کر نہیں آؤں گا اب..." نائل نے قدم پیچھے کی جانب اٹھائے تھے۔ وہ رخ موڑے آج بے حسی کی انتہا پر تھی۔

"تمہیں پتا ہے اگر مجھے یقین ہوتا کہ تم کسی اور مقام پر محفوظ رہ سکتی ہو تو کب کا تمہیں چھوڑ چکا ہوتا یا پھر شاید کبھی اپنی زندگی میں شامل ہی نا کرتا مگر کیا کروں... مجبور ہوں" وہ سانس لینے کو رکا تھا۔ بظاہر وہ اسے سن رہی تھی مگر چہرے پر بلا کی سختی تھی۔

"مجھے کوئی دماغی مسئلہ نہیں ہے سنیہا! بس کبھی کبھی صبر جواب دے جاتا ہے۔ جان بوجھ کر نہیں کرتا میں یہ سب، بس ہو جاتا ہے۔ جانتا ہوں کہ تم بے قصور ہو لیکن میرا بھی کوئی قصور نہیں ہے۔" اب وہ اپنے قدم پیچھے کی جانب اٹھاتا جا رہا تھا۔ سنیہا نے کوئی رد عمل ظاہر نہیں کیا تھا۔ وہ آج کسی صورت کمزور نہیں پڑنا چاہتی تھی۔

"اس دن سے ڈر لگتا ہے جب تم سب جان جاؤ گی۔ شاید تب تمہیں سب سمجھ آ جائے۔ شاید اس دن تم مجھ سے تو کیا خود سے بھی نظریں نا ملا پاؤ۔" ایک تلخ مسکراہٹ ہونٹوں پر سجائے نائل نے سر جھٹکا تھا۔

"شاید ہم ایک ساتھ رہ ہی نہیں سکتے۔ بہتر ہے کہ میں چلا جاؤں۔ اب جب تک تم نہیں چاہو گی میں واپس نہیں آؤں گا۔" اب کی بار وہ پلٹا تھا۔ جوتوں کی چھاپ میں یکدم ہی تیزی آئی تھی۔ وہ اس کی پشت کو تکتی رہی تھی پر رکنا تو دور نائل نے پلٹ کر بھی نہیں دیکھا تھا۔

اس کے جانے کے بعد وہ بے جان ہوتی ٹانگوں کے ساتھ زمین پر بیٹھتی ہی چلی گئی تھی۔

گلے میں اٹکا آنسوؤں کا ریلہ اب باہر آیا تھا۔ سنیہا نے انہیں بہنے دیا تھا۔ وہ اچھے سے جانتی تھی کہ وہ اپنے قول وقرار کا پکا تھا۔ اگر اس نے کہا تھا کہ وہ اب کبھی نہیں آئے گا تو پھر وہ کبھی نہیں آئے گا۔

"میں اس بار پیچھے نہیں ہٹوں گی۔ اس بار میں محبت کو نہیں عزت نفس کو ترجیح دوں گی۔ میں ساری زندگی آپ کے بغیر رہ لوں گی مگر اس بار میں نہیں جھکوں گی اور نا ہی معاف کروں گی۔" اس نے عہد کیا تھا۔ اور وہ اپنے عہد پر قائم رہنے کا پورا ارادہ رکھتی تھی۔

---

بند اندھیرے کمرے کے فرش پر وہ بے سود گری ہوئی تھی۔ ہر چیز سے بیگانہ وہ جیسے گہری نیند سوگئی تھی۔ اچانک ہی کمرے کا دروازہ کھلا تھا پھر کسی کے بھاری بوٹوں کی چھاپ کی آواز ہر طرف گونجی تھی۔ کوئی شخص قدم قدم چلتا اس تک آیا تھا۔ اس کے قریب بیٹھتے وہ شخص اب اپنا ہاتھ اس کی ناک کے پاس لے گیا تھا۔ مدھم مدھم سی سانسوں کی تپش کو محسوس کرتے اس کے چہرے پر ڈھیروں اطمینان چھایا تھا۔

اب ایک لمحہ بھی مزید ضائع کیے بغیر اس نے وانیہ کو اٹھایا تھا۔ یکدم ہی پیروں میں تیزی آئی تھی۔ دروازے سے باہر نکلتے وہ لاشوں کے درمیان سے گزرتا ہوا اسے باہر لے کر جا رہا تھا۔

وہ لاشیں اس ہی نے بچھائی تھیں۔ یہ کام اس اکیلے نے تقریبا سات سے آٹھ منٹ میں کیا تھا۔ اب وہ مسلسل تیز تیز قدم اٹھاتا وانیہ کو اپنی گاڑی کی جانب لے گیا تھا۔ پچھلی طرف کا دروازہ کھولتے اس نے وانیہ کو لٹایا تھا۔ اب وہ بھاگتے ہوئے ڈرائیونگ سیٹ کی جانب آیا تھا۔

گاڑی میں چابی گھمانے کے بعد وہ مزائل کی سپیڈ سے گاڑی کو اڑا لے گیا تھا۔

"اس کا علاج کرو۔ اسے کچھ نہیں ہونا چاہیئے۔" بھاری گھمبیر آواز میں پریشانی کا عنصر تھا۔

وہ اسے کسی ہسپتال نہیں لے کر گیا تھا بلکہ ایک بوسیدہ نما جھونپڑی میں لے کر آیا تھا۔ وہاں ایک بوڑھی عورت تنہا رہتی تھی۔

وہ ایک کمرے پر محیط چھوٹی سی جھونپڑی تھی جس کے وسط میں ایک چارپائی پڑی تھی۔ اس نے وانیہ کو وہیں لٹایا تھا۔ دیواروں پر جگہ جگہ مشعلیں روشن تھیں۔ کمرے کے ایک طرف شیلفیں بنی ہوئی تھیں جہاں مختلف قسم کی جڑیں بوٹیاں رکھی گئی تھیں۔ شیلف کی سیدھ میں لکڑی کی پرانی سی میز پڑی تھی جس پر ایک عدد گھڑا رکھا ہوا تھا۔ وہ بوڑھی عورت زمین پر بیٹھی کسی جڑی بوٹی کو پیس رہی تھی جب وہ وانیہ کو اٹھائے اندر داخل ہوا تھا۔

"کون ہے یہ؟" بوڑھی عورت نے مشکوک انداز میں سامنے کھڑے شخص کو گھورا تھا۔

"جو بھی ہے، اسے ٹھیک کرو۔" وہ برہم ہوا تھا۔

"لگتا ہے کوئی بہت خاص ہے۔" گھٹنوں پر ہاتھ رکھے وہ اپنی لاٹھی کی مدد سے وانیہ کی جانب آئی تھی۔ اب اس نے وانیہ کا معائنہ کرنا شروع کیا تھا جبکہ وہ ہاتھ پر ہاتھ باندھے اضطراب کی حالت میں کھڑا تھا۔

"کیا تعلق ہے تمہارا اس سے؟" وانیہ کا مکمل طور پر معائنہ کرنے کے بعد بوڑھی عورت نے ماتھے پر بل ڈالے پوچھا تھا۔

"کوئی تعلق نہیں ہے۔ اجنبی ہے، بس مدد کی ہے میں نے..." اس بات پر وہ بوڑھی عورت دل کھول کر ہنسی تھی۔

"اجنبیوں کے لیے آنکھوں میں اتنی پریشانی...؟" وہ واضح طور پر اس کا مذاق اڑا رہی تھی۔

"باہر جاؤ تم..."

"کیوں....؟" وہ چڑا تھا۔

"تمہاری اجنبی ماں بننے والی ہے۔اسے تب ہی دیکھوں گی جب تم باہر جاؤ گے۔" اس بات پر مقابل شل ہو گیا تھا۔اس کے قدموں تلے معنوں زمین ہی نکل گئی تھی۔

"کیا...؟" دھچکہ شدید تھا۔

"تو کیا تم نہیں جانتے؟" بوڑھی عورت اب بھی عجیب نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"تم غلط سمجھ رہی ہو۔نا تو یہ میری کوئی محبوبہ ہے اور نا ہی یہ بچہ میرا ہے۔میں نے بس اس کی مدد کی ہے۔" وہ کہتے ساتھ ہی باہر چلا گیا تھا۔

"جھوٹا، ٹھرکی کہیں کا...!" وہ عورت منہ میں بڑبڑائی تھی۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد وہ بوڑھی عورت باہر آئی تھی۔

"معجزہ ہی لگتا ہے، لڑکی کی جو حالت ہے اس کے بعد بھی بچہ بالکل سلامت ہے۔" اس شخص کا حلق تک کڑوا ہوا تھا۔کم از کم اسے یہ الفاظ اچھے نہیں لگے تھے۔

"تمہیں خوشی نہیں ہوئی؟" وہ اب اس کے چہرے کے تاثرات جانچنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"کہا نا یہ بچہ میرا نہیں ہے۔" وہ سرد مہری سے گویا ہوا تھا۔

"تو پھر کس کا ہے؟"

"اس کا جس سے مجھے شدید نفرت ہے۔جو میرا دشمن ہے" آنکھوں میں لال خراشوں کے ساتھ شعلے بھی بھڑکے تھے۔

"اس کی جگہ اگر تم کہتی کہ بچہ مر گیا تو مجھے زیادہ خوشی ہوتی۔"

"تو معاملہ عشق کا لگتا ہے۔" وہ عورت محظوظ ہوئی تھی۔

"لڑکی کیسی ہے؟" اس نے جان بوجھ کر موضوع تبدیل کیا تھا۔

"ٹھیک ہے۔چند گھنٹوں بعد ہوش آجائے گا پھر لے جانا ساتھ..."

"میں کیوں لے کر جاؤں اسے ساتھ...؟جب اس کے شوہر اور بھائی کو اس کی پرواہ نہیں تو میں کیوں کروں؟"اب کی بار وہ سفاکیت سے گویا ہوا تھا۔اصل غصہ اسے وانیہ کی پریگنینسی کا سن کر آیا تھا۔

"تو پھر اس کے شوہر یا بھائی کو اطلاع کر دو کہ آ کر لے جائیں اسے ساتھ...!"

"میں کسی کو کوئی اطلاع نہیں دینے والا... خود ڈھونڈھ لے گئے۔"وہ سر جھٹکتا لمبے لمبے ڈگ بھرتے وہاں سے گیا تھا۔

"بچے کو کچھ کیسے ہو سکتا تھا؟آخر ہے نا اس ڈھیٹ کی اولاد....!"دائیں پیر سے مٹی اڑاتے اس نے زوردار پنچ درخت پر مارا تھا۔

---

"آہ....!"پیٹ پر ہاتھ رکھے وہ کراہی تھی۔

"پانی...!"بند آنکھوں کے ساتھ اس نے پانی مانگا تھا۔

"رو کو لاتی ہوں۔"مٹی کے بنے ہوئے گلاس میں گھڑے سے پانی انڈیلتے وہ لاٹھی کی مدد سے چلتی وانیہ کے پاس آئی تھی۔اس نے اب وانیہ کو سہارا دے کر بیٹھایا تھا۔

"لو پی لو۔"وہ گلاس اس کے لبوں کے قریب لے گئی تھی۔وانیہ نے ایک ہی سانس میں پانی اپنے اندر اتارا تھا۔یہ پانی اسے اس وقت آب کوثر سے کم نہیں لگا تھا۔

"میں کہاں ہوں،آپ کون؟"اسے اب آہستہ آہستہ ہوش آتا جا رہا تھا۔

"پریشان مت ہو،تم محفوظ ہو۔"اس عورت نے مسکرا کر اسے دلاسہ دیا تھا۔

"میرا بچہ،میرا بچہ....!"پیٹ پر ہاتھ رکھے وہ دیوانہ وار چیخ رہی تھی۔

"وہ بھی ٹھیک ہے۔" اس بات پر وانیہ کی آنکھیں برسنے لگی تھیں۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔ اس کی دعا قبول ہوئی تھی۔ اس نے زندگی میں پہلی بار اللہ کو سچے دل سے پکارا تھا اور اس کی سن لی گئی تھی۔

انسان جتنے مرضی گناہ کر لے مگر توبہ کا در کبھی بند نہیں ہوتا۔ بڑے سے بڑے گناہ کی بھی معافی مل ہی جاتی ہے کیونکہ معافی دینے والا کوئی انسان نہیں بلکہ رب العالمین ہے۔ جو رحیم اور رحمان ہے، جو کبھی کسی کو خالی ہاتھ نہیں لوٹاتا۔ اس کے ہر کام میں حکمت ہوتی ہے جو ہم جیسے ناقص عقل انسان نہیں سمجھ سکتے۔

"مجھ... مجھے نماز پڑھنی ہے۔" اس نے یہ نہیں پوچھا تھا کہ وہ یہاں کیسے پہنچی اور نا ہی یہ کہ اسے یہاں کون لایا۔ وانیہ کو اس وقت اس سب سے غرض ہی نہیں تھی۔ اسے بس اس نئی زندگی کا شکر ادا کرنا تھا۔

"یہ نماز کا وقت نہیں ہے"

"مجھے نفل ادا کرنے ہیں۔"

"تمہاری حالت ایسی نہیں ہے کہ تم نماز ادا کر سکو۔"

"میں کر لوں گی۔" وہ بضد تھی۔

"ٹھیک ہے تو پھر بیٹھ کر پڑھ لو، میں وضو کروا دیتی ہوں۔" وانیہ نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

"ہر بار صرف صوفی... نجانے کیا عذاب ہے میرے لیے، اچھا خاصا ٹھیک ہوتے ہیں پھر ایکدم سے...!" وہ غصے کی حالت میں کمرے میں ادھر سے ادھر ٹہل رہی تھی۔

"کل کہے گے کہ صوفی نماز پڑھتی ہے تو تم مت پڑھو۔ صوفی کو یہ ڈش پسند ہے تو تم مت کھاؤ۔ مرنے کے بعد بھی میری زندگی سے نہیں نکلی چڑیل..." اس کا بس نہیں چل تھا کہ صوفی کو قبر سے نکال کر اس کا گلہ ہی دبا دے۔

"اگر وہ حجاب پہن سکتی ہے تو میں کیوں نہیں...؟" آنکھوں کا بند ایک بار پھر ٹوٹا تھا۔ پلکوں نے پانی کا بوجھ گالوں پر بہنے دیا تھا۔

"بس اب بہت ہو گیا۔ مجھے نہیں رہنا یہاں پر...!" بے دردی سے گال رگڑتے سنیہا نے اپنا رخ الماری کی جانب موڑا تھا۔

"کہیں بھی چلی جاؤں گی مگر یہاں نہیں رہنا۔" وہ غصے سے ایک سٹول اٹھائے اس پر چڑھی تھی۔ آنکھیں بار بار دھندلا رہی تھیں مگر وہ بار بار ہاتھوں کی مدد سے آنسو رگڑتے یہ دھندلا پن کم کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"نہیں رہنا تو نہیں رہنا۔" اب سنیہا نے اپنا بیگ اتارا تھا۔

اب وہ الماری کھولے مسلسل اس میں اپنے کپڑے پٹخ رہی تھا۔ اپنا تمام تر سامان ڈالے اب اس نے بیگ بند کرنے کی کوشش کی تھی مگر اس سے بند نہیں ہو پا رہا تھا۔ سامان زیادہ تھا اور بیگ اس کی نسبت چھوٹا تھا۔ سنیہا کی نظر اب بھورے رنگ کے اس بیگ پر پڑی تھی جو کہ نائل کا تھا۔

"ساری زندگی میرا دماغ کھاتے آئے ہیں، میں کم از کم بیگ تو استعمال کر ہی سکتی ہوں۔" نائل اسے بہت کم ہی اپنی چیزوں کو ہاتھ لگانے دیتا تھا۔ اس کے کپڑے تو وہ پھر بھی کبھی کبھار پریس کر دیتی تھی مگر اپنی فائلز اور دوسری چیزوں کو وہ ہاتھ نہیں لگانے دیتا تھا۔ سنیہا نے بھی اس میں کبھی کوئی دلچسپی نہیں لی تھی۔

ایک بار پھر سٹول پر چڑھتے اس نے نائل کا بیگ اتارا تھا، جو نجانے کب سے وہاں ایسے ہی پڑا تھا۔

بیڈ پر بیگ رکھنے کے بعد سنیہا نے زیپ کھولی تھی۔ اس بیگ میں نائل کا کچھ سامان پڑا ہوا تھا۔

سنیہا نے طیش میں آکر اس کا سارا سامان اٹھا کر فرش پر پٹخ دیا تھا۔ چھن سے کسی چیز کے ٹوٹنے کی آواز نے اسے اپنی جانب متوجہ کیا تھا۔ ایک پرفیوم کی بوتل کے ٹکڑے زمین پر جگہ جگہ بکھرے پڑے تھے۔ مردانہ

پرفیوم کی خوشبو ہر سوں پھیل گئی تھی۔نائل یہی پرفیوم استعمال کرتا تھا۔اس کی خوشبو اپنے آس پاس محسوس کرتے سنیہا کا پارہ ایک بار پھر ہائی ہوا تھا۔

وہ آج اسے یاد نہیں کرنا چاہتی تھی۔اپنے دماغ سے ہر چیز کو جھٹکنے کے بعد سنیہا نے اب باری باری اپنے سارے سوٹ بیگ میں ڈالنا شروع کیے تھے۔وہ یہ سب بہت پھرتی سے کر رہی تھی جیسے اس کی ٹرین چھوٹنے والی ہو۔

"رہیں اب میرے بغیر....!" پھولے تنفس کے ساتھ اس نے بیگ بند کیا تھا۔اب اپنی سانسیں درست کرنے کے لیے وہ کچھ دیر کے لیے بستر پر بیٹھ گئی تھی۔

اس کے پاؤں کے نیچے کسی چیز کے آنے کی وجہ سے سنیہا نے فوراً فرش پر دیکھا تھا۔

دوائیوں کے چند پتے اس کے پیروں کے پاس گرے ہوئے تھے۔یہ نائل کے سامان میں موجود تھے۔اس نے فوراً وہ پتے اپنے ہاتھ میں اٹھائے تھے۔

"یہ کس چیز کی دوائیاں ہیں؟"اس نے اب باری باری پتے الٹ کر دیکھے تھے۔

"کیا یہ نائل کی ہیں؟"اس خیال کے تحت اس نے فوراً موبائل اٹھائے دوائیوں کے نام گوگل کیے تھے۔

"یہ تو antidepressants medicines ہیں۔"وہ اب گہری سوچ میں پڑی تھی۔

"نائل یہ کیوں لیتے ہیں؟"وہ یقیناً یہ دوائیاں لیتا تھا تبھی ہی تو وہ پتے آدھ خالی تھے۔

وہ اب فوراً اپنی جگہ سے اٹھی تھی۔اس نے اب نائل کا سامان گھنگالنا شروع کیا تھا۔اس کے ایک کوٹ کی جیب میں سنیہا کو کچھ محسوس ہوا تھا۔اس نے ہاتھ اندر ڈال کر اس چیز کو باہر نکالا تھا۔

"آہ....!"اپنی آنکھوں کے سامنے گن دیکھ کر اس کی چیخ نکلی تھی۔

آج اگر وہ یہ بیگ نا کھولتی تو اسے کبھی بھی یہ سب پتا نا چلتا۔کچھ دیر شاک کی کیفیت میں رہنے کے بعد اس نے ایک باہر پھر ٹٹولنا شروع کیا تھا۔

اب اسے اس کی دوسری جیب سے ایک لفافہ ملا تھا۔سنیہا نے حیرت سے وہ لفافہ الٹ پلٹ کر دیکھا تھا۔دیکھنے میں وہ کوئی رپورٹس لگتی تھیں۔لفافے کو کھولنے کے بعد اس میں سے کافی ساری رپورٹس نکلی تھیں جو کہ ایک دوسرے کے ساتھ اٹیچ تھیں۔سنیہا کے دماغ نے تو کام کرنا ہی چھوڑ دیا تھا۔وہ رپورٹس تو اسے سمجھ نہیں آرہی تھیں مگر آخری رپوٹ کے ساتھ ایک چٹ تھی جس میں ڈاکٹر کی ہینڈ رائیٹنگ میں کچھ لکھا ہوا تھا۔

“DID Disorder”

اس کی زبان نے یہ الفاظ ادا کیے تھے۔

"یہ کیا ہے؟"اسے حیرت ہوئی تھی۔

اچانک دماغ میں کسی جھماکے کے تحت اس نے اپنا فون اٹھائے ایک نمبر ڈائل کیا تھا۔

لندن میں اس کی ایک دوست سائیکیرٹیسٹ تھی۔سنیہا نے اسے ہی کال ملائی تھی جو کہ دوسری ہی بیل پر ریسیو کرلی گئی تھی۔

رسمی سی علیک سلیک کے بعد سنیہا نے اس سے اس بارے میں پوچھا تھااور ساتھ ہی ساتھ رپورٹس بھی سینڈ کی تھیں۔اس کی دوست نے اسے کچھ وقت انتظار کرنے کا کہا تھا۔

وہ کافی دیر اضطراب کی حالت میں ادھر سے ادھر چکر کاٹتی رہی تھی۔تمام تر غصے کی جگہ اب پریشانی نے لے لی تھی۔اگر نائل کو کچھ ہو جاتا تو وہ ویسے ہی مر جاتی۔

تقریبا آدھے گھنٹے بعد سنیہا کا فون بجا تھا۔اس نے فورا کال ریسیو کی تھی۔

"کس چیز کی رپورٹس ہیں یہ؟"اس کے لہجے میں تشویش کا عنصر تھا۔وہ اپنی دوست سے انگریزی میں پوچھ رہی تھی۔

"یہ Dissociative identity disorder (DID) کے مریض کی رپورٹس ہیں۔"اس کی دوست نے اپنی زبان میں جواب دیا تھا۔

"مطلب...؟"وہ نہیں سمجھی تھی۔

"یہ ایک دماغی مرض ہے۔"سنیہا کا دل دھک سے رہ گیا تھا۔

"اس کا کوئی ایک ٹیسٹ نہیں ہوتا۔ڈاکٹرز اسے مختلف ٹیسٹ اور علامات سے جانچتے ہیں۔"

"کیا تم مجھے آسان لفظوں میں سمجھا سکتی ہو؟"

"مختصر یہ کہ یہ ایک دماغی مرض ہے جس میں مریض مختلف کرداروں کے ساتھ زندگی گزارتا ہے۔یعنی کبھی وہ خود کو کون سا کردار تصور کرتا ہے تو کبھی کون سا...اور بعض اوقات اسے یہ یاد بھی نہیں رہتا کہ وہ مختلف کردار نبھاتا ہے۔"سنیہا نے آنکھیں میچے فون پر گرفت مضبوط کی تھی۔کم از کم اس نے نائل میں ایسی کوئی چیز نہیں دیکھی تھی۔

"اور کیا کیا علامات ہوتی ہیں؟"زبان کی لرزش پر قابو پاتے اس نے اگلا سوال پوچھا تھا۔

"مختلف لوگوں میں مختلف علامات ہوتی ہیں۔بلاوجہ، بغیر کسی بات کے غصہ ہو جانا، چیخنا چلانا، جسے ہم پینک اٹیکس بھی کہہ سکتے ہیں۔کنفیوژن، عجیب باتیں کرنا، آوازوں کا بدل بدل کر بات کرنا، ڈیپریشن اور کچھ لوگوں کو تو خودکشی کے خیالات بھی آتے ہیں۔"سنیہا کی آنکھیں کب بھیگی تھیں، اسے خبر ہی نہیں ہوئی تھی۔

اس کی آنکھوں اور دماغ پر جو دھندلا پن تھا، وہ ہٹتا جا رہا تھا۔اسے اب سب سمجھ آنے لگا تھا۔

"اس کا کوئی علاج نہیں ہے کیا؟" اس نے بھرائی آواز میں استفسار کیا تھا۔

"نہیں... ! اس کی کوئی دوائی اور علاج نہیں ہے۔ ہاں بہت سے لوگ اینٹی ریپریسڈ میڈیسنز لیتے ہیں اور بہتر یہی ہے کہ کسی سائیکیٹریسٹ سے رجوع کیا جائے۔ ایسے مریض جب تک کھل کر بات نہیں کرے گے تب تک اس کا حل نہیں نکل سکتا۔"

"یہ مرض ہوتا کیوں ہے، میرا مطلب کیسے؟"

"کوئی بھی وجہ ہو سکتی ہے۔ شاید ماضی کا کوئی دردناک واقعہ یا پھر بچپن کی کوئی یاد... !"

"ویسے تم یہ سب کیوں پوچھ رہی ہو؟" سنیہا نے کال کاٹ دی تھی۔ بے یقینی کا ایک سمندر تھا اس کی آنکھوں میں...

"جان بوجھ کر نہیں کرتا میں یہ سب، بس ہو جاتا ہے۔ جانتا ہوں کہ تم بے قصور ہو لیکن میرا ابھی کوئی قصور نہیں ہے۔" نائل کی بات یاد کرتے وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔ ساری گھتیاں اب سلجھ گئی تھیں۔ وہ اپنے ماضی سے نہیں نکل پا رہا تھا یا پھر نکلنا ہی نہیں چاہتا تھا۔ ماضی کے متعلق کوئی بھی بات اسے طیش دلا دیتی تھی۔ اس کی ہر بے تکی بات آج اسے سمجھ آنے لگی تھی۔ "آپ کو مجھ پر اعتبار کرنا چاہیئے تھا۔ ایک بار تو بتا دیتے۔" اسے نائل کے لیے افسوس بھی تھا اور اس پر شدید غصہ بھی.... وہ ان عورتوں میں سے نہیں تھی جو شوہر کی کسی بیماری کا سن کر اسے چھوڑ کر چلی جائیں۔ وہ ساتھ نبھانے والوں میں سے تھی۔

"میں یہاں کیسے آئی؟" نماز پڑھنے کے بعد وانیہ نے اس بوڑھی عورت سے دریافت کیا تھا۔

"میرا بیٹا تمہیں یہاں لایا ہے۔ اسے تم راستے میں بیہوش پڑی ملی تھی۔"

"مگر میں تو... !" وہ خاموش ہو گئی تھی۔ وہ اس بوڑھی عورت کو اپنے اغوا ہونے کا نہیں بتا سکتی تھی۔

"آپ کا بیٹا کہاں ہے؟"

"وہ تو کام پر چلا گیا۔اب ایک ہفتے بعد ہی آئے گا۔"

"آپ میری طرف سے ان کا شکریہ ادا کر دیجیں گا۔انہوں نے مجھ پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔میں اس کا بدلہ نہیں چکا سکتی۔" وہ تہے دل سے مشکور تھی۔

"کہہ دوں گی اسے...!" بوڑھی عورت ہنسی تھی۔

"مجھے گھر جانا ہے۔کیا آپ کے پاس کوئی فون ہو گا؟"

"ہاں ہے۔" وہ عورت چل کر شیلف کے پاس گئی تھی پھر اس نے فون وانیہ کو لا کر دیا تھا۔وہ ایک چھوٹا سا کی۔پیڈ موبائل تھا۔اس بوڑھی عورت کے پاس کوئی فون نہیں تھا۔اسے یہ فون تھوڑی دیر پہلے اپنی جھونپڑی کے باہر پڑا ملا تھا۔یقیناً اسے وہی رکھ کر گیا تھا۔

وانیہ نے فوراً نائل کا نمبر ڈائل کیا تھا۔اس نے اب نمبر زیادر ہتے تھے۔تیسری بیل پر کال ریسیو کر لی گئی تھی۔

وہ اضطراب کی حالت میں سٹڈی روم میں صوفے کی پشت سے ٹیک لگائے مسلسل سوچوں میں گم تھا جب فون کے بجنے کی آواز سے اس کی سوچوں کا یہ تسلسل ٹوٹا تھا۔وانیہ نے بھرائی آواز میں اسے مدد کے لیے بلایا تھا۔نائل تو بالکل دیوانہ ہوتا اس کے بتائے ایڈریس کے لیے روانہ ہوا تھا۔

"بس چپ ہو جاؤ میری جان! سب ٹھیک ہے۔" وانیہ جب سے گھر آئی تھی۔اس کا رو رو کر برا حال تھا۔

"بھائی میں بہت زیادہ ڈر گئی تھی۔"

"آئی۔ایم۔سوری میرا بچہ! جب بھی آپ مصیبت میں ہوتی ہیں، پتا نہیں میں آپ کے پاس کیوں نہیں ہوتا۔" اس کے سر پر بوسہ دیے وہ اسے اب دلاسہ دے رہا تھا۔

"مجھے سمجھ نہیں آتا کہ آخر میں نے کسی کا کیا بگاڑا ہے؟" وہ بستر پر کمبل اوڑھے لیٹی ہوئی تھی جبکہ نائل اس کے سرہانے بیٹھا تھا۔

"آپ کو پتا ہے وہ لوگ کون تھے ؟" وانیہ نے نفی میں سر ہلایا تھا۔

"میری جان یاد کرنے کی کوشش کریں، کچھ تو یاد ہو گا آپ کو؟"

"بھائی مجھے کچھ نہیں پتا..." وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

"اچھا چلیں چپ ہو جائیں۔اس حالت میں زیادہ سٹریس لینا ٹھیک نہیں ہے آپ کے لیے...!"

"بھائی آپ پولیس کی مدد لیں۔پتا لگوائیں آخر کون لوگ تھے؟ پہلے مجھے اغوا کیا اور پھر چھوڑ دیا۔" نائل اس بات پر ٹھٹھکا تھا۔

"مطلب؟"

"بھائی مجھے سڑک کنارے بیہوش چھوڑ گئے وہ لوگ...اگر میرے بچے کو کچھ ہو جاتا پھر؟" وہ ایک بار پھر رو دی تھی۔

نائل گہری سوچ میں ڈوبا تھا۔کوئی ایسے کیسے کسی کو اغوا کرنے کے بعد چھوڑ سکتا ہے؟؟ یقیناً ماجرا کچھ اور تھا۔

"بھائی! وہ لوگ کسی جیمز کا ذکر کر رہے تھے۔" اس کے دماغ میں اچانک ہی جھماکہ ہوا تھا۔

"یہ نام شاید پہلے بھی کہیں سنا ہے میں نے...!" وانیہ نے دماغ پر زور ڈالتے کہا تھا۔

"آپ سٹریس نا لیں، بس آرام کریں۔آج کے بعد کوئی آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔یہ میرا وعدہ ہے آپ سے..." اسے کچھ کھلا پلا کر نائل نے اسے سونے کی تاکید کی تھی۔وانیہ کی طبیعت ویسے ہی ٹھیک نہیں تھی اسی لیے نیند فوراً ہی اس پر غالب آئی تھی۔

جیمز...!" نائل کی آنکھوں میں لہو اترا تھا۔

وہ ساری رات بے خوابی کی حالت میں رہی تھی۔ صبح بھی وہ کافی دیر سے کمرے سے باہر آئی تھی۔ملازمہ کے ناشتے کے لیے بلانے پر بھی سنیہا نے صاف انکار کر دیا تھا۔

اب جب اسے بھوک کا احساس ہوا تھا تو اس نے کمرے سے نکل کر کچن کا رخ کیا تھا۔

کچن میں نائل کو کھڑا دیکھ وہ ٹھٹھکی تھی۔ وہ ایپرن پہنے بہت مہارت سے کھانا بنا رہا تھا۔ سنیہا منہ کھولے کھڑی اسے دیکھتی رہ گئی تھی۔ اس نے کہا تھا کہ وہ اب کبھی نہیں آئے گا، اس کے باوجود بھی وہ اس کے سامنے تھا۔ سنیہا نے بار بار تیزی سے آنکھیں جھپکے خود کو یقین دلانا چاہا تھا۔ اسے اندیشہ تھا کہ وہ ابھی بھی شاید سو رہی ہے۔

"منہ بند کرو، مکھی چلی جائے گی۔" اس کی گھمبیر آواز کانوں میں پڑتے جیسے سنیہا کو ہوش آیا تھا۔

"اب تم نے تو ناشتہ بنا کر دینا نہیں تھا مجھے، میں نے سوچا خود ہی بنا لوں۔" وہ بہت ہلکے پھلکے انداز میں گویا ہوا تھا جیسے ان کے درمیان سب نارمل ہو۔

"میرے نا ہونے کا صحیح فائدہ اٹھایا تم نے... خوب نیند پوری کی۔" نائل نے اسے مصنوعی گھوری سے نوازا تھا۔ وہ ہکا بکا کھڑی اسے دیکھ رہی تھی۔

"تو کیا انہیں کچھ یاد نہیں؟" سنیہا کے دل سے آواز آئی تھی۔

"ٹھیک ہے تم نے مجھے گھر سے نکال دیا تھا مگر میں بہت ڈھیٹ ہوں، واپس آ گیا۔ رہ نہیں سکا تمہارے بغیر...!" ہاتھ جھاڑتے وہ چل کر اس کے قریب آیا تھا۔ لہجے میں بے حد مٹھاس تھی۔

"تو سب یاد ہے انہیں...!" زبان سے کوئی بھی لفظ ادا کرنا آج جیسے اس کے لیے گناہ تھا۔

"میرے بغیر نہیں رہ سکے یا مجھ ذلیل کیے بغیر نہیں رہ سکے؟" یہ شکوہ تھا اور بالکل بجا تھا۔

"میں نے تمہیں کب ذلیل کیا، یا کیا تھا؟" وہ کچھ دیر سوچتا رہا تھا پھر اچانک ہی وہ ہنس دیا تھا۔ سنیہا کو آج اس پر غصہ نہیں آیا تھا اور نا ہی یہ طنز لگا تھا۔ وہ بغور اس کے چہرے کے تاثرات جانچ رہی تھی۔ وہ اسے کنفیوژ لگا تھا۔

"چلو آؤ ناشتہ کرتے ہیں۔" نائل نے اس کا ہاتھ تھامتے بہت نرمی سے کہا تھا۔

"میں کر چکی ہوں۔" اس کا ہاتھ جھٹکتی وہ دو قدم پیچھے ہٹی تھی۔

“Multiple personalities

تو نہیں ہیں؟" وہ اب بھی خود ہی سے ہم کلام تھی۔

"سب سے بڑی علامت یہی تو ہے۔ میں نے آج تک ایسا کچھ نہیں دیکھا۔" وہ خود کو اب مختلف دلاسے دے رہی تھی کہ شاید نائل کو یہ مرض نا ہو۔

"تم کیا مجھ سے معافی منگوانا چاہتی ہو؟" نائل کے ایک بار پھر پوچھنے پر وہ ہوش میں آئی تھی۔

"میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے، مجھے نیند آرہی ہے۔" اسے اب عجیب سی وحشت ہونے لگی تھی۔

"تم خوبصورت ہو، میں تمہاری خوبصورتی خراب کرنا چاہتا تھا۔" سنیہا کے ماتھے پر بل پڑے تھے۔ وہ کس بات کے جواب میں کیا کہہ رہا تھا؟؟؟

"مطلب...؟" وہ بھی اب جاننا چاہتی تھی۔

"مطلب...!" نائل نے ایپرن اتار کر سلیب پر رکھا تھا۔ اب وہ سنیہا کو خود سے قریب کر گیا تھا۔ اس نے کوئی مزاحمت نہیں کی تھی۔ وہ بس اسے سننا چاہتی تھی۔

"مطلب یہ کہ میں چاہتا تھا کہ تمہیں یہاں چوٹ آئے۔" نائل نے پہلے اس کے ماتھے پر ہاتھ رکھا تھا پھر وہ اپنی دو انگلیاں اس کے ہونٹوں تک لے گیا تھا۔

"مگر میں کر نہیں سکا۔ پتا نہیں کیوں؟" وہ ایک بار پھر ہنسا تھا۔

"آپ کیوں چاہتے تھے کہ مجھے چوٹ آئے؟"

"اب ہر بات تھوڑی بتاؤں گا تمہیں..." نائل نے بہت آہستگی سے اسے خود سے الگ کیا تھا۔

"سنیہا! بھول جاؤ سب... بس پتا نہیں مجھے کیا ہو جاتا ہے۔ تم سمجھو نا مجھے، دوبارہ ایسا نہیں کروں گا میں پکا...!" اس کا ہاتھ تھامے وہ ایک بار پھر صلح صفائی کی کوشش کر رہا تھا۔ یہ الفاظ سنیہا نجانے کتنی دفعہ سن چکی تھی مگر وہ کبھی سمجھ نہیں سکی تھی۔ لیکن آج اسے سب سمجھ آ رہا تھا۔

"ایک شرط پر...!" آنکھوں کی نمی چھپاتے اس نے خود کو مضبوط ظاہر کیا تھا۔

"کیسی شرط....؟"

"وقت آنے پر بتاؤں گی۔"

"یعنی تم نے معاف کیا مجھے...؟" نائل کی آنکھوں میں چمک ابھری تھی۔

"کچھ ایسا ہی سمجھ لیں۔" وہ مدھم سا مسکرائی تھی۔

"شکر ہے، ورنہ مجھے تو لگا تھا کہ اس بار تم اتنی آسانی سے نہیں مانو گی۔" وہ واقعی حیران تھا۔

"معاف تو ہرگز نہیں کیا میں نے آپ کو، بس ایک بار آپ مکمل طور پر صحت یاب ہو جائیں، پھر گن گن کر بدلے نا لیے نا تو میرا نام بھی سنیہا نہیں...!" وہ عہد کر چکی تھی۔

نائل نے اس کے ساتھ جو بھی زیادتیاں کی تھیں، اس کے بعد بھی وہ اسے اس کے مشکل وقت میں اکیلا چھوڑ کر نہیں گئی تھی۔ وہ صابر اور وفا شعار بیویوں میں سے تھی۔

رات کے آخری پہر جب ہر پرندہ اپنے اپنے گھونسلوں میں دبکا سو رہا تھا۔ جب ہر ذی روح نیند کے مزے لوٹ رہی تھی۔ جب ہر بادشاہ کا در بند ہو چکا تھا... وہ جائے نماز پر سجدے میں گری حقیقی بادشاہ کے آگے گڑگڑا رہی تھی۔ یہ وہ واحد در تھا جو کبھی بند نہیں ہوتا تھا۔ اسے سجدے میں جانے کی وجہ سے تکلیف ضرور ہوئی تھی مگر اندر کا غبار نکالنا ضروری تھا۔ ہر گناہ کی معافی طلب کرنا ضروری تھی۔

انسان تنہائی میں جو بات اللہ پاک سے کر سکتا ہے وہ کسی کی موجودگی میں نہیں کر سکتا۔

"مجھے ہمیشہ سے یقین تھا، میرا دل جانتا تھا کہ آپ ہیں مگر دماغ تسلیم نہیں کر رہا تھا، زبان اقرار سے انکاری تھی۔ آپ کی اتاری گئی کتاب بہت خوبصورت ہے، بہت دلچسپ.... الحمد سے والناس کا بہت خوبصورت ہے۔ میں شکر گزار ہوں جو مجھے اس قابل سمجھا گیا کہ میں اس کتاب کو سمجھ سکوں۔" ایک انسان کی سب سے بڑی پستی کسی کے سامنے جھک کر گڑگڑانا ہے.... وہ بھی اس وقت پستی کی انتہا پر تھی مگر جس کے آگے وہ گڑگڑا رہی تھی، اس کے آگے ہی اسے جھکنا تھا کیونکہ اسی نے انسان کی سننی تھی۔ اسے اس عظیم الشان کتاب کو سمجھنے کی توفیق دے دی گئی تھی۔ یہ توفیق ہر کسی کو نہیں ملتی۔ وہ رب العزت ہے... وہ چاہے تو ایک بھٹکے ہوئے، گناہوں کے دلدل میں پھنسے ہوئے شخص کو اپنے کلام کو سمجھنے کی استطاعت بخش دے اور چاہے تو ماتھے پر محراب سجانے والوں سے یہ توفیق چھین دے۔ معاملہ دل کا ہے... کس دل میں حقیقی چاہ ہے اور کس دل میں میل.... وہ بخوبی واقف ہے۔

"جب مجھے عمر کے غیر مسلم ہونے کا علم ہوا تو اسی لیے مجھے تکلیف ہوئی کیونکہ میں اندر ہی اندر کہیں نا کہیں دل سے مسلمان تھی۔ جب اس نے کہا کہ آپ کو مانتا ہے تو میرے دل میں اگلا سوال یہی اٹھا تھا... کہ کیا وہ آپ کے محبوب (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بھی مانتا ہے... اس کے انکار نے مجھے بہت تکلیف پہنچائی، بہت زیادہ... مگر میں نادان پھر بھی نا سمجھ سکی۔" وانیہ نے سجدے سے سر اٹھا کر اب ہاتھ اٹھائے تھے۔ اس کا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا۔

"میں پھر بھی عیسائیت کو اپنانے نکل پڑی۔" وانیہ نے سختی سے آنکھیں میچی تھیں۔

سفید رنگ کے ڈھیلے ڈھالے لباس میں وہ جائے نماز پر بیٹھی اللہ تعالیٰ سے گفتگو کر رہی تھی۔

اس نے ایک سیاہ رنگ کی بڑی سی چادر کو سر کے گرد لپیٹا ہوا تھا جو کہ اس کے پیٹ تک آتی تھی۔

"بلاشبہ یہ ہدایت آپ کا ہی احسان ہے۔" وانیہ نے اب اپنی چادر کی جھولی بنائے اللہ کے آگے پھیلائی تھی۔

"میں آج آپ سے معجزے کی بھیک مانگتی ہوں۔میں سمجھ گئی ہوں کہ قرآن پاک میں معجزوں کا ذکر ایسے ہی نہیں کیا گیا... یہ معجزے بعض اوقات سبق ہیں تو بعض دفعہ امید....اے مشرق و مغرب کے رب،اے عالمین کے رب،اے حضرت زکریا(علیہ السلام) کو بڑھاپے میں اولاد کی بشارت دینے والے رب،اے حضرت یونس(علیہ السلام) کو مچھلی کے پیٹ میں زندہ رکھنے والے رب،اے حضرت یوسف(علیہ السلام) کو بچانے والے رب.... میں آج گنہگار،خطاکار سی بندی اپنی اولاد کے لیے معجزہ مانگتی ہوں۔میری اولاد کو معذوری سے محفوظ رکھ میرے مالک.... میرے گناہوں کی سزا اسے مت دیں۔قرآن پاک میں لکھا ہے کہ کوئی کسی کے گناہوں کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔میری اولاد کو نیک صالح بنانا۔وہ میرے جیسی نا ہو۔میں آپ سے معجزے کی درخواست کرتی ہوں۔مجھے آپ پر پورا یقین ہے۔مجھے اپنے اللہ پر پورا بھروسہ ہے۔" پورے کمرے میں اس کی سسکیوں کی آواز گونج رہی تھی۔وہ اپنے رب کے آگے سسک رہی تھی،اپنی اولاد کی سلامتی کے لیے بھیک مانگ رہی تھی۔

"میں آج آپ سے کسی کا ساتھ نہیں مانگتی۔مجھے عمر نہیں چاہیئے،مجھے شاہین بھی نہیں چاہیئے...میں آج صبر بھی نہیں مانگتی۔میں آج اللہ سے اللہ کو مانگتی ہوں۔میں آج اپنا آپ اللہ کے سپرد کرتی ہوں۔" کافی دیر گڑگڑانے کے بعد وہ پیٹ پر ہاتھ رکھے بامشکل اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔اسے اس حالت میں بہت تکلیف ہوتی تھی مگر وہ اپنی اولاد کے لیے ہر تکلیف برداشت کر لیتی تھی۔

"نائل آپ کے ساتھ بچپن میں کچھ ہوا تھا کیا؟" وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑا ریسٹ واچ پہن رہا تھا جب سنیہا کی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تھی۔

"مطلب؟؟ نائل نے گردن موڑ کر اسے دیکھا تھا۔

"مطلب بچپن کا کوئی خوفناک واقعہ... کبھی سکول میں یا گھر پر... میرا مطلب ہے کہ کبھی کسی ٹیچر نے بچپن میں آپ کو ڈرایا ہو یا پھر گھر کے کسی ملازم نے....؟" وہ بہت سوچ سوچ کر الفاظ ادا کر رہی تھی۔

"ایسا کچھ.....!" وہ سوچ میں پڑ گیا تھا۔

"ہاں یاد آیا۔" چٹکی بجاتے اس کے چہرے پر مسکراہٹ رینگ آئی تھی۔

"کیا...؟" وہ فوراً الرٹ ہوئی تھی۔

"ایک دفعہ نا ایک ٹیچر نے مجھے ڈانٹا تھا حالانکہ میری کوئی غلطی بھی نہیں تھی پھر میرا پارا چڑھ گیا۔ میں نے ایگزامز کے قریب ان کے مضمون کا پیپر چرا کر لیک کر دیا۔ بیچاری کو سکول سے ہی نکال دیا۔" وہ بہت مزے سے اپنی کارستانی سنا رہا تھا جبکہ بیچاری سنیہا کا تو منہ ہی کھل گیا تھا۔

"اس کے علاوہ کچھ... مطلب کسی نے آپ کے ساتھ کچھ غلط کیا ہو؟" اس نے صبر کا دامن تھامے رکھا تھا۔

"ہاں! ایک دفعہ وانیہ نے ساتھ والے گھر کا شیشہ توڑ دیا تھا پھر اس گھر کے ایک شخص نے وانیہ کو خوب ڈانٹا۔ یہ سب میں نے دیکھ لیا اور پھر میں نے اس کا بازو توڑ دیا۔ اس کے بعد ڈیڈ سے بہت ڈانٹ پڑی تھی۔ ڈیڈ نے نا کبھی مجھے سمجھا ہی نہیں... بلاوجہ ہی غصہ کرتے رہتے تھے حالانکہ میں نے تو کبھی کچھ غلط کیا ہی نہیں...!" نائل نے شدید افسوس سے کہا تھا جس پر سنیہا نے بامشکل خود کو کچھ بھی غلط کہنے سے روکا تھا۔

"نائل...!" اب کی بار وہ اس قدر شیریں لہجے میں گویا ہوئی تھی کہ نائل خود ٹھٹھک گیا تھا۔

"دیکھیں! میرا مطلب ہے کہ آپ کے ساتھ کبھی کچھ برا ہوا ہو؟"

"ابھی تمہیں میں نے اپنی دو دکھ بھری داستانیں سنائی تو ہیں۔" اس نے سنیہا کی عقل پر ماتم کرتے کہا تھا۔

"دیکھیں، جب میں چھوٹی تھی نا تو ایک دفعہ میرے بھائیوں نے مجھے ڈرانے کے لیے اندھیرے کمرے میں بند کر دیا تھا۔ اور وہ ڈر میرے ذہن میں اس طرح بیٹھ گیا ہے کہ آج بھی میں بھول نہیں سکی۔ کیا آپ کے

ساتھ ایسا کوئی بھی واقعہ کبھی ہوا؟"سنیہا نے بہت سوچ سوچ کر ایک کہانی نائل کو سنائی تھی کہ شاید اب وہ اسے کوئی سیدھی بات بتادے۔

آہ سنیہا کے معصوم خیالات.....

"کتنے سال کی تھی تم اس وقت؟"اس کے الٹا سوال کرنے پر وہ گڑ بڑائی تھی۔

"آٹھ، نو سال...!"

"آٹھ یا پھر نو...؟"

"نو....!"سنیہا نے اعتماد سے بولا تھا۔

"کس بھائی نے بند کیا تھا، بڑے یا چھوٹے نے؟"نائل کی تفتیش سے وہ بالکل گھبرا گئی تھی۔

"بڑے بھائی نے...."ویسے تو سنیہا ہی سب سے بڑی تھی مگر پھر بھی وہ اپنے سے دو سال چھوٹے بھائی کو بڑے بھائی کا ہی درجہ دیتی تھی۔

"تمہیں کیسے پتا؟ تم تو کمرے کے اندر تھی، کیا معلوم چھوٹے نے بند کیا ہو؟"سنیہا کو سارا گھر ہی گھومتا ہوا نظر آیا تھا۔اس نے اس وقت کو ہی کوسا تھا جب اس نے نائل سے سوال پوچھا تھا۔

"مجھ سے سوچ سمجھ کر جھوٹ بولا کرو۔"

"میں نے جھوٹ نہیں بولا۔"خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے وہ خود پر اعتماد دکھنے کی بھرپور کوشش کر رہی تھی۔

"تم نے صاف جھوٹ بولا ہے کیونکہ تمہیں اندھیرے سے بالکل بھی ڈر نہیں لگتا۔"وہ لاجواب ہو گئی تھی۔

اس نے رشک کی نگاہوں سے نائل کو دیکھا تھا۔اس قدر ذہین شخص آخر کیسے کسی دماغی مرض میں مبتلا ہو سکتا تھا؟؟؟

"ویسے آپ کہاں جارہے ہیں؟" پاؤں پر کلہاڑی مارنا کوئی سنیہا سے سیکھے۔

"فلحال تو کسی کو دردناک موت دینی ہے، اس کے بعد رات میں ایک لڑکی سے نکاح کرنا ہے اور اسے مارنا ہے، پھر اس کے بعد ڈرگز کو سمگل کرنا ہے۔ بہت کام ہیں آج تو...!" اپنا موبائل اٹھائے نائل نے اسے سارے دن کا پلین بتایا تھا۔ وہ سانس نہیں لے سکی تھی۔ ٹانگوں سے جیسے جان ختم ہوئی تھی۔

"انتظار مت کرنا، شاید آج نا آؤں۔ اور اگر فری ہو بھی گیا تو وانیہ کے پاس جاؤں گا۔" اس کا گال تھپتھاتے وہ کب باہر گیا تھا سنیہا کو علم ہی نہیں ہوا تھا۔

اس نے پہلے کبھی نائل کی باتوں کو سیریس نہیں لیا تھا مگر آج اسے خوف آرہا تھا۔

"میرا شوہر قاتل نہیں ہو سکتا؟" وہ صدمے کی حالت میں بستر پر بیٹھی تھی۔ "ان کا مرض تو بڑھتا ہی جارہا ہے، اب کیا کروں میں؟" آنکھوں میں موجود نمکین پانی اب گالوں پر لڑکھنا شروع ہو گیا تھا۔

"میرے پاس آج کرنے لیے ہزاروں کام ہیں، بہتر یہی ہے منہ کھول دو جیمز...!" کل سے وہ اس کی وہ درگت بنا چکا تھا کہ کوئی دیکھ لے تو اسے پہچانے بھی نا.... مگر مجال تھی جو جیمز نے اپنی زبان کھولی ہو۔

"میری بہن کے ساتھ تمہاری کیا دشمنی ہے؟"

"کوئی دشمنی نہیں ہے۔"

"تو پھر اغوا کیوں کیا؟"

"یہ میرا حکم نہیں تھا۔"

"تو پھر کس کا تھا؟" نائل نے اسے بالوں سے دبوچے اس کا سر اوپر اٹھایا تھا۔

"بدر کا....!" اب کی بار وہ خاموش نہیں رہا تھا۔ بدر سے ویسے بھی اس کے کچھ حساب کتاب باقی تھے۔

"ڈیوڈ کا بھی تو ہو سکتا ہے؟"

"وہ اس بارے میں کچھ نہیں جانتا۔" جیمز حاتم کے خلاف کچھ بھی بولنے کی جرات نہیں کر سکتا تھا۔

"بدر سے تو میں حساب لے ہی لوں گا فلحال تو تم منہ کھولو گے۔"

"میں نے بتا تو دیا تمہیں سب، اب مار دو مجھے...!"

"تمہیں مارنا ہوتا تو بارہ سال پہلے مار دیتا۔" اس بات پر جیمز نے حیرت سے اسے دیکھا تھا۔

"ایسے نا دیکھو۔ میں نائل آفندی ہوں، کوئی عام شخص نہیں... اپنی ماں کے قاتلوں سے بے خبر نہیں ہوں۔ شروع سے تین لوگوں کا علم تھا مجھے، مگر چوتھے کا علم نہیں تھا۔ میں اس ایک عورت کو گھر سے باہر ڈھونڈھتا رہا اور وہ میرے گھر میں تھی۔" وہ عجیب طرز سے ہنسا تھا۔

"الیکس اور ماہم کو کب اور کیسے مارنا تھا یہ میں اچھے سے جانتا تھا مگر تمہارے اس بیوا قوف بلیک مونسٹر نے انہیں ختم کر کے میرا بہت بڑا نقصان کر دیا۔ خیر اس کا حساب تو وہ دے گا۔"

"تم جانتے ہو کہ وہ شخص کون...!"

"شروع سے جانتا ہوں۔ پہلے پہل اس کی موت کی خبر ملی مگر مجھے یقین نہیں تھا۔ میں نے اسے ڈھونڈھنا شروع کیا مگر وہ ماسٹر مائنڈ تھا۔" وہ ایک بار پھر ہنسا تھا۔

"لیکن میں بھی نائل آفندی ہوں... آج بارہ سال بعد وہ میری قید میں پڑا تل تل مر رہا ہے۔" نائل کی آنکھوں میں آفتاب جتنی تپش تھی، جیمز کو اپنا وجود جھلستا ہوا محسوس ہوا تھا۔

"اب تم مجھے بتاؤ گے کہ وہ ڈیوائس کہاں ہے؟" نائل نے اس کے کان کے پاس سرد سرگوشی کی تھی۔

"کون سی ڈیوائس؟" وہ بوکھلا گیا تھا۔

"وہی ڈیوائس جس کی وجہ سے میں نے تم لوگوں کو نہیں مارا۔ وہ پانچ ڈیوائسز.... جو کہ تم سب کے پاس ہیں۔ ان میں سے ایک میرے پاس ہے باقی کی چار کا پتہ تم بتاؤ گے۔"

"میرے پاس ایسی کوئی چیز نہیں ہے۔"

"میں چاہتا تو بہت پہلے تم سب سے وہ ڈیوائس حاصل کر کے تم لوگوں کو مار دیتا مگر بات صرف ڈیوائسز کی نہیں تھی، مجھے تم لوگوں کے سارے کالے کارناموں کے ریکارڈز چاہیئے تھے جو کہ میں حاصل کر چکا ہوں... اب بس ڈیوائسز چاہیئے۔" جیمز کے گلے میں گلٹی ابھری تھی۔ نائل کس قدر خطرناک تھا، اس بات کا اندازہ اسے آج ہوا تھا۔

"تمہاری ڈیوائس کہاں ہے؟" اس کے قریب آتے نائل سپاٹ چہرے کے ساتھ اس پر جھکا تھا۔

"میں کچھ نہیں جانتا۔" وہ اپنے موقف پہ ڈٹا ہوا تھا۔

"اپنی جان کی نا سہی اپنی بیٹی کی ہی پرواہ کر لو۔" جیمز کے چہرے پر ایک ساتھ کئی سائے لہرائے تھے۔

"بیٹی....؟" وہ فق رنگت کے ساتھ بولا تھا۔

"سات سال پہلے ملیشیاء میں تمہارے ایک عورت کے ساتھ ناجائز تعلقات تھے۔ اس کے ساتھ تمہاری ایک بیٹی بھی ہے جو تمہیں بے حد عزیز ہے۔" نائل اس کے بدلتے تاثرات سے بے حد محظوظ ہو رہا تھا۔

"تمہاری بیٹی اس وقت میرے قبضے میں ہے۔" نائل نے اپنا فون اس کے سامنے کیا تھا جس کی سکرین پر ننھی بچی کی تصویر جگمگا رہی تھی۔

"میری بیٹی....!" جیمز چیخا تھا۔

"میری ماں کے ساتھ جو ہوا تم اس میں ملوث تھے۔ سوچو اب میں تمہاری بیٹی کے ساتھ کیا کروں گا؟" جیمز نے روتے ہوئے نفی میں سر ہلایا تھا۔

"تین چار درندوں کو چھوڑ دوں اس پر....!"

"چپ ہو جاؤ، تمہیں خداوند کا واسطہ ہے چپ ہو جاؤ۔"

وہ اس وقت خود کو بہت بے بس محسوس کر رہا تھا۔اس نے اپنی اولاد کو بہت چھپا کر رکھا ہوا تھا۔اس بارے میں بدر بھی نہیں جانتا تھا۔وہ لوگ انڈر ورلڈ سے تعلق رکھتے تھے، ذرا سی بھی اونچ نیچ پر ان کے پورے خاندان کو نست و نابود کر دیا جاتا تھا۔

"جب خود پر گزرتی ہے تو ایسے ہی تکلیف ہوتی ہے۔میری تمہاری بیٹی سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔مجھے بس ڈیوائسز کا بتا دو۔"

"بتاتا ہوں....!"اس نے ہار مانی تھی۔

"میرے پاس صرف ایک ڈیوائس ہے۔باقیوں کا مجھے نہیں پتا۔میں نا تو اس ڈیوائس کا کوڈ جانتا ہوں اور نا ہی یہ جانتا ہوں کہ اس کے اندر کیا ہے....ڈیوائس کی کاپیز بدر نے ہم چاروں کو بہت پہلے دی تھی۔سب میں ایک ہی ڈیٹا ہے مگر کوڈز مختلف ہیں۔اصل ڈیوائس خود بدر کے پاس ہے۔میں تمہیں اپنی ڈیوائس دے دوں گا مگر پلیز میری بیٹی کو کچھ مت کرنا...!"

"بتاؤ کہاں ہے ڈیوائس....؟"

"پہلے وعدہ کرو اسے کوئی نقصان نہیں پہنچاؤ گے۔"

"ہاں ہاں ٹھیک ہے۔"نائل نے جیسے سر سے بلا ٹالی تھی۔جیمز نے اسے ساری لوکیشن اور ڈیوائس کی جگہ بتا دی تھی۔نائل کے لبوں کو فاتحانہ مسکراہٹ نے چھوا تھا۔

"اب جب تم نے سب بتا ہی دیا ہے تو پھر تمہاری سانسیں میرے کسی کام کی نہیں....!"نائل نے اس کی کرسی کو ایک ٹھڈا مارا تھا۔جیمز کے ہاتھ پیر رسیوں میں جکڑے ہوئے تھے۔

"آزادی مبارک ہو....!"وہ سر کو خم دیے تھوڑا آگے گیا تھا۔واپسی پر اس کے ہاتھ میں ایک ڈرل مشین تھی۔

جیمز کی سانس جیسے سوکھ گئی تھی۔

"میری ماں کے ساتھ جو کیا اس کا حساب بھگتو.....!"

نائل نے دیوار پر لگا سوئچ آن کیا تھا۔

"نہیں، نہیں.....!" جیمز گھبرا کر مسلسل نفی میں سر ہلا رہا تھا جبکہ نائل آج احتساب کا پورا ارادہ رکھتا تھا۔

ڈرل مشین کو اس کے قریب لے جاتے وہ اب گنگنا رہا تھا۔

"مت کرو، پلیز مت کرو.....!" جیمز نے حرکت کرنے کی کوشش کی تھی مگر سب بے سود.....

نائل ڈرل مشین کو اس کے بالوں کے قریب لے گیا تھا۔اس کے سر کے بیچوں بیچ نائل نے ڈرل مشین رکھی تھی۔

اگلے چند لمحوں میں جیمز کی چیخیں آسمانوں کو چھو رہی تھیں۔اس کے سر کے چیتھڑے اڑ گئے تھے۔

اپنا کام مکمل کیے نائل نے مشین آف کی تھی۔

اب ہاتھ جھاڑتا وہ باہر گیا تھا۔

گاڑی میں بیٹھنے سے پہلے ہی اس کا فون وائبریٹ ہوا تھا۔

"کیا ہے؟" اس نے ناگواری سے سنیہا کی کال ریسیو کی تھی۔

"نائل آپ کہاں ہیں؟" وہ نجانے کب سے اسے کال ملا رہی تھی مگر وہ ریسیو ہی نہیں کر رہا تھا۔ "مصروف ہوں، بس ابھی ابھی کسی کے سر میں ڈرل مشین سے سوراخ کیا ہے۔اب آگے بھی بہت کام ہیں۔ڈسٹرب مت کرنا۔" نائل نے کہہ کر فوراً کال کاٹی تھی۔سنیہا تو صدمے سے بس بیہوش ہونے کے قریب تھی۔

"اب کیا کروں میں؟" مسلسل روتے ہوئے سنیہا نے بے بسی سے اپنا سر پکڑا تھا۔

"اگر انہوں نے سچ میں کسی کا قتل کر دیا پھر؟" روتے روتے اس کی ہچکیاں بندھ گئی تھیں۔

"انہیں روکنا ہوگا، مگر کیسے؟"سنیہا نے کچھ دیر سوچنے کے بعد فوراً وانیہ کو کال ملائی تھی۔

"وانیہ.....!"اس کی کال ریسیو کرنے کی دیر تھی، سنیہا بری طرح رو دی تھی۔

"کیا ہوا بھابھی؟"وانیہ نے فکرمندی سے پوچھا تھا۔

"وہ.....!"سنیہا نے الف سے ے تک اسے ساری داستان سنا دی تھی۔

"آپ کا دماغ تو ٹھیک ہے نا؟"غم و غصے کی حالت میں وہ چیخ اٹھی تھی۔

"آپ بھائی کے بارے میں ایسے کیسے بول سکتی ہیں؟"

سنیہا کو اس ردعمل کی بالکل توقع نہیں تھی۔

"میرے بھائی کو کوئی دماغی مرض نہیں ہے۔ہاں! اگر آپ یہ کہتی کہ بھائی نے کسی کو دماغی مریض بنا دیا تو میں پھر بھی یقین کر لیتی۔ آپ کو یقیناً کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ پلیز بھائی سے ایسی کوئی بات مت کیجیے گا ورنہ انہیں برا لگے گا۔"اپنی سنا کر وانیہ نے کال کاٹ دی تھی جبکہ دوسری جانب بیچاری سنیہا منہ کھولے شاک کی کیفیت میں کھڑی تھی۔

وانیہ نے تو اس کی کسی بات پر یقین نہیں کیا تھا لہٰذا اب اس نے ساشا کو فون کیا تھا۔

سنیہا نے بغیر کسی لگی لپٹی کے سارا قصہ اس کے گوش گزار کر دیا تھا۔

"تمہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہو گی سنیہا!"ساشا نے قدرے تحمل سے اس کی ساری بات سنی تھی۔

"مجھے کوئی غلط فہمی نہیں ہوئی۔ آپ پلیز انہیں روک لیجیے، اس سے پہلے کہ وہ کوئی سنگین قدم اٹھا لیں۔"وہ بلک بلک کر رو رہی تھی۔

"اچھا، اچھا ٹھیک ہے۔ میں نائل سے بات کرتی ہوں۔ تم پلیز ریلیکس ہو جاؤ۔"اسے مختلف دلاسے دینے کے بعد ساشا نے کال کاٹ دی تھی۔اس کے دلاسوں سے سنیہا کو کچھ ڈھارس ہوئی تھی۔

نائل ڈرائیونگ کر رہا تھا جب محسن کی کال نے اس کی توجہ اپنی جانب مبذول کی تھی۔

"ہاں بولو محسن؟"

"فورا میرے گھر پہنچو۔"

"اس وقت مصروف ہوں میں....!"

"نائل تم ابھی کے ابھی میرے گھر پہنچو۔" اب کی بار محسن کی آواز میں سختی تھی۔

"خیریت؟" نائل کے ماتھے پر بل پڑے تھے۔

"تم آؤ گے تو بات ہو گی۔" نائل کو صحیح معنوں میں تشویش ہوئی تھی۔ نجانے ایسی کون سی بات تھی جو وہ اسے اتنی جلدی میں بلا رہا تھا۔

"بولو، کیا بات ہے؟" لاؤنج میں داخل ہوتے وہ صوفے پر بیٹھا تھا۔

"یہ تو تم بتاؤ کہ تم نے آخر ہم سے کیوں سچ چھپایا؟" وہ دونوں بڑے سائز کے صوفے پر اس کے سامنے بیٹھے مسلسل اسے گھور رہے تھے۔

"کون سا سچ؟" وہ جھنجھلا کر بولا تھا۔ محسن کے اسطرح بلانے کی وجہ سے اس کے کاموں میں کافی تاخیر ہو رہی تھی۔

"یہی کہ تمہیں DID ہے۔" ساشا سید ھا مدعے پر آئی تھی۔

"مطلب؟؟" نائل نے نا سمجھی سے اسکی طرف دیکھا تھا۔

"Multiple Personalities disorder."

سپاٹ چہرے کے ساتھ اب کی بار محسن نے روشنی ڈالی تھی۔

"کیا...؟" وہ تقریباً اپنی جگہ سے اچھلا تھا۔

"نیند میں ہو کیا دونوں؟" نائل نے شاک کی کیفیت میں انہیں گھورا تھا۔

"جھوٹ مت بولنا نائل! ہم سچ جان چکے ہیں۔ تمہیں ہم پر اعتبار کرنا چاہیئے تھا۔" محسن کے لہجے میں افسوس اور ترس دونوں تھے۔

"کیا بول رہے ہو یار؟" نائل کو ان کی دماغی حالت پر شبہ ہوا تھا۔

"تمہیں کس نے کہا کہ مجھے ایسا کوئی مرض ہے؟"

"جس نے بھی کہا یہ اہم نہیں ہے۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ تمہارے ارد گرد موجود لوگ تمہاری وجہ سے کس قدر پریشان رہتے ہیں؟"

"سنیہا نے تم سے یہ کہا ہے؟" بلاشبہ وہ دور اندیش تھا۔

"یہ اہم نہیں ہے۔"

"وہ ایسا کیسے کہہ سکتی ہے؟" نائل کو شدید افسوس ہوا تھا۔ ان کے درمیان جو بھی تھا، کم از کم اسے کسی تیسرے کو درمیان میں نہیں لانا چاہیئے تھا۔

"اسے تمہاری پرواہ ہے۔ اب بھی وہ تمہارے لیے رو رہی تھی۔" ساشا نے موقع کی نزاکت کو سمجھتے نائل کو سمجھانا چاہا تھا۔

"تم لوگوں کو کب لگا کہ میں مختلف کردار نبھاتا ہوں؟"

"شاہین....!" اب کی بار محسن بولا تھا۔

"مجھے لگتا ہے وہ بھی تمہارا تخلیقی کردار ہے۔"

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔" نائل اچھا خاصا زچ ہوا تھا۔

"تم لوگوں نے بلا وجہ میرا وقت ضائع کیا، مجھے کوئی دماغی مرض نہیں ہے۔" ہاتھ کھڑے کرتے نائل نے حتمی فیصلہ سنایا تھا مگر محسن اور ساشا اب بھی اسے ایسے ہی گھور رہے تھے۔

"ایسے مت دیکھو مجھے، میں سچ میں کوئی ذہنی مریض نہیں ہوں۔" ان دونوں نے اب بھی اسے گھورنا نہیں چھوڑا تھا۔

"کیا میں تم لوگوں کو پاگل لگتا ہوں؟" وہ بے بسی سے بولا تھا۔

"ہاں...!" ساشا اور محسن دونوں نے یک زبان کہا تھا۔

"میں تمہیں کس اینگل سے پاگل لگتا ہوں؟" وہ شدید صدمے سے دوچار ہوا تھا۔

"ہر اینگل سے....!" اس بار بھی جواب یک زبان آیا تھا۔

"میرا یقین کرو میں پاگل نہیں ہوں۔" نائل کو اپنا آپ بہت حقیر محسوس ہوا تھا۔ اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ وہ اپنے دوستوں کو اپنے پاگل نا ہونے کی صفائی دے گا۔

"ہر پاگل یہی کہتا ہے۔" ساشا کے جواب نے اسے طیش دلا دیا تھا۔ "تم آج بچ جاؤ مجھ سے سنیہا....!" وہ غصے سے لب بھینچے کھڑا ہوا تھا۔ ایک سیکنڈ مزید ضائع کیے بغیر وہ پھرتی سے باہر کی جانب گیا تھا۔ ساشا اور محسن اسے آواز دیتے رہے تھے مگر اس نے کسی کی سننی ہی کب تھی۔

"سنیہا....!" وہ غصے سے چیختا ہوا کمرے میں داخل ہوا تھا۔

"نائل....!" اسے دیکھتے ساتھ ہی وہ لپک کے اس کے گلے لگی تھی۔

"کیا بکواس کی ہے تم نے ساشا اور محسن سے؟" اسے خود سے دور دھکیلتے وہ غرایا تھا

"وہ میں....!"

"تمہیں میں پاگل دکھتا ہوں؟" طیش کی حالت میں اس نے سنیہا کو بازو سے دبوچا تھا۔

"نائل آپ پلیز ریلیکس ہو جائے۔"سنیہا نے بھرائی آواز کے ساتھ اسے ریلیکس ہونے کا کہا تھا۔

"مجھے DID disorder ہے؟"وہ آپے سے باہر ہوتا جا رہا تھا۔

"نہیں...!"وہ ڈر کے مارے بولی تھی۔

"تو پھر تم نے یہ بکواس کیوں کی؟"

"کیوں سب کے سامنے میرا تماشہ بنایا؟"اس کی غراہٹ پر سنیہا کا دل کانپ اٹھا تھا۔

"آپ اینٹی ڈپریسنٹ میڈیسنز لیتے ہیں۔"وہی جانتی تھی کہ آخر اس نے حلق سے آواز نکالی کیسے تھی۔

"تو....؟"نائل کے چہرے پر اب بھی وہی غضب تھا۔

"مجھے لگا کہ...!"

"تم جیسی مصیبت میرے گلے پڑے گی تو ڈپریشن تو ہو گا نا...اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ تم مجھے ذہنی مریض ہی بنا دو۔"اسے ساشا اور محسن کے سامنے جس شرمندگی کا سامنا کرنا پڑا تھا، وہ بھولنا نا ممکن تھا۔

"رپورٹس دیکھی تھیں میں نے؟"خود کو مضبوط کرتے سنیہا نے اگلی بات کہی تھی۔

"کون سی رپورٹس؟"ایک جھٹکے سے اس کا بازو چھوڑتے نائل نے لب بھینچے پوچھا تھا۔

وہ مرے مرے قدموں کے ساتھ الماری کی جانب گئی تھی۔وہاں سے رپورٹس نکالے اس نے کپکپاتے ہاتھوں سے نائل کی طرف بڑھائی تھیں۔

اس کے ہاتھ سے رپورٹس کو جھپٹتے وہ اب پڑھ رہا تھا۔

"بیوقوف عورت یہ رپورٹس میری....!"وہ کہتے کہتے رکا تھا۔دماغ میں اچانک ہی جھماکہ ہوا تھا اور ساتھ ہی ساتھ آنکھوں میں چمک ابھری تھی۔

"میری ہی ہیں۔" نائل کی بات پر سنیہا نے چونک کر اسے دیکھا تھا۔ وہ اتنی جلدی مان جائے گا، یہ اس نے سوچا نہیں تھا مگر شاید رپورٹس کے سامنے ہونے کی وجہ سے اب انکار کا کوئی جواز نہیں بنتا تھا۔

"اگر تمہیں علم ہو ہی گیا تھا تو مجھ سے بات کرتی، یوں ساری دنیا کے سامنے مجھے کیوں بے عزت کیا؟" اب کی بار اس کا لہجہ قدرے نرم تھا۔

"میں ڈر گئی تھی، مجھے لگا کہ آپ کہیں کسی کا قتل نا کر دیں۔" نظریں جھکائے وہ منمنائی تھی۔

"فکر نا کرو، اگر کبھی قتل کرنا ہوا تو سب سے پہلے تمہارا کروں گا۔" وہ جل کر بولا تھا۔

"تمہیں کسی اور کو یہ نہیں بتانا چاہیئے تھا۔" اس کے لہجے میں خفگی در آئی تھی۔

"آئی۔ ایم۔ سوری!" وہ واقعی شرمندہ تھی۔

وہ ان بیویوں میں سے نہیں تھی جو شوہر کی خامیوں اور بیماریوں کا تذکرہ باہر والوں سے کریں۔ اگر سنیہا کو واقعی یہ خوف نا ہوتا کہ نائل کسی کو نقصان پہنچا دے گا تو وہ کبھی بھی یہ بات اپنی زبان پر نا لاتی۔

"اب تم تھوڑی دیر تک خود ساشا اور محسن کو کال کر کے بتاؤ گی کہ مجھے ایسا کوئی مرض نہیں ہے۔" سنیہا نے فوراً اچھے بچوں کی طرح اثبات میں سر ہلایا تھا۔

"ایک گلاس ٹھنڈا پانی پلاؤ۔" حکم صادر کرتے وہ بستر پر چت لیٹا تھا۔

"جی...!" حکم کی تعمیل کرتے وہ فوراً بھاگتی ہوئی کمرے سے باہر گئی تھی۔

اس کے جانے کا یقین کرتے نائل نے اپنا موبائل اٹھایا تھا۔

"DID disorder symptoms"

گوگل کھولے اس نے اب سرچ کیا تھا۔

"نائل ! پانی...." سنیہا نے میز پر ٹرے رکھتے اسے گلاس تھمایا تھا۔ نائل نے نہایت سنجیدگی سے اس کے ہاتھ سے گلاس تھاما تھا۔

"نائل آپ فکر مت کریں۔ میں ہر حال میں آپ کا ساتھ دوں گی اور آپ کو کبھی اکیلا نہیں چھوڑوں گی۔" اس کے ہاتھ پر دباؤ ڈالے سنیہا نے آنکھوں کی نمی چھپانا چاہی تھی۔

"ہمم....!" اس نے بس ہنکارا ہی بھرا تھا۔

"میری غلطی ہے، مجھے یہ سب کسی کو نہیں بتانا چاہیئے تھا۔" اس کے چہرے پر پریشانی تھی۔

"مگر آپ کو بھی مجھ پر اعتبار کرنا چاہیئے تھا۔" وہ اب بھی سنجیدہ چہرے کے ساتھ اسے دیکھ رہا تھا

"نائل آپ سن رہے ہیں نا؟"

"سن ہی رہا ہوں۔" وہ بڑبڑایا تھا۔

"نائل آپ ٹھیک تو ہیں نا؟" اس کے لہجے میں واضح طور پر تشویش تھی۔

"میں تو ٹھیک ہوں مگر میرا دماغ ٹھیک نہیں ہے۔ بہتر یہی ہے کہ اپنی فلاسفی بند کرو اور نو دو گیارہ ہو جاؤ۔" اس کے صبر کا پیمانہ اب لبریز ہوا تھا۔

"نائل....!"

"سنیہا تمہاری وجہ سے میرا اتنیسواں نکاح نہیں ہو پایا، لڑکی چھوڑ گئی مجھے.... میرا دماغ بہت شاٹ ہے۔ چلی جاؤ یہاں سے....!" چہرے پر سنجیدگی سجائے نائل نے کھا جانے والی نظروں سے اسے گھورا تھا۔

وہ بیچاری ہکا بکا اس کا چہرہ ہی تکتی رہ گئی تھی۔

"جاؤ بھی....!" وہ برہمی سے گویا ہوا تھا۔

"آپ فکر مت کریں، سب ٹھیک ہو جائے گا۔ آپ آرام کریں۔" بھرائی آواز میں کہتے وہ بستر سے اٹھی تھی۔

"جاؤ گی تو آرام کروں گا نا....!" اتنی محنت کے بعد بالآخر اس کے ہاتھ آج رات کچھ ثبوت لگنے تھے مگر پہلے محسن کے گھر جانے اور پھر فارم ہاؤس آنے کی وجہ سے وہ اس لڑکی کے پاس نہیں پہنچ سکا تھا، جس وجہ سے وہ نائل پر بے وفائی کا الزام لگا کر اسے چھوڑ چکی تھی۔

اب نا تو وہ اس کی کال اٹھا رہی تھی اور نا ہی میسیجز کا جواب دے رہی تھی۔

اس کی حالت کے پیش نظر سنیہا نے فلحال اسے اکیلا چھوڑ دیا تھا تا کہ وہ آرام کر سکے۔

"اب تم میری وہ شخصیات دیکھو گی کہ تمہارے ہوش ٹھکانے آ جائے گے۔" وہ غصے سے بڑبڑایا تھا۔

کمرے سے نکل کر وہ سیدھا ٹیرس پر آئی تھی۔

"ان کی حالت تو بالکل بھی ٹھیک نہیں ہے۔ انہیں ڈاکٹر کے پاس لے کر جانا ہوگا مگر یہ مانیں گے ہی نہیں..." وہ اضطراب کی حالت میں ادھر سے ادھر چکر لگا رہی تھی۔

"اب کیا کروں؟" تنفس بری طرح پھول چکا تھا۔ ماتھے پر پسینے کی بوندیں ابھرنا شروع ہوئی تھیں۔ اس کے دماغ پر اس وقت صرف نائل سوار تھا۔ وہ ہمیشہ ہی اس کے دماغ پر سوار رہتا تھا مگر اس خبر کے بعد سنیہا کے دماغ کو نائل کے خیالات نے بری طرح جکڑ لیا تھا۔

"جو بھی ہو، منا لوں گی میں....!" یہ دلاسہ تھا جو اس نے خود کو دیا تھا۔

"جتنی بھی باتیں سنائے گے میں سن لوں گی مگر انہیں ڈاکٹر کے پاس تو لے کر ہی جاؤ گی۔" پختہ عزم کے ساتھ اس نے باقاعدہ اپنا کندھا تھپتھپایا تھا۔

حاتم اور بدر ایک حملے کے بارے میں بات چیت کر رہے تھے جب گھنٹی کی آواز پر دونوں ہی متوجہ ہوئے تھے۔

"میں دیکھتا ہوں۔" حاتم اٹھ کر دروازے کی جانب بڑھا تھا۔

دروازہ کھولتے ہی اس کی پیشانی پر بل نمودار ہوئے تھے کیونکہ باہر کوئی نہیں تھا۔

حاتم کی نظر اب نیچے پڑے ایک ڈبے پر گئی تھی۔اس نے ہاتھ بڑھا کر وہ ڈبہ اٹھایا تھا۔

"کون ہے حاتم؟" بدر کی آواز پر وہ پلٹا تھا۔

"یہ کیا ہے؟" اس کے ہاتھ میں ڈبہ دیکھ بدر کو تجسس ہوا تھا۔

"آپ نے کچھ منگوایا تھا کیا بابا؟" دروازہ بند کرتے وہ اندر کی جانب مڑا تھا۔

"نہیں تو....!"

"کھولو اسے...!" بدر کے کہنے پر حاتم نے وہ ڈبہ نیچے زمین پر رکھا تھا۔اس کی پیکنگ بہت نفیس اور خوبصورت تھی۔ایسے جیسے کسی نے کوئی بہت نایاب تحفہ بھیجا ہو۔

ایک گھٹنا زمین پر ٹکائے حاتم نے کٹر کی مدد سے اس ڈبے کی پیکنگ کھولی تھی۔

"یا اللہ....!" ڈبہ کھلنے کی دیر تھی، بدر کے منہ سے خود بخود الفاظ ادا ہوئے تھے۔

ڈبے کے اندر دو کٹے ہوئے ہاتھ تھے اور ساتھ ہی ایک عدد انگوٹھی، وائلٹ اور موبائل بھی تھا۔چند لمحے شاک کی کیفیت میں رہنے کے بعد حاتم نے وہ سامان اٹھایا تھا۔

"جیمز....!" انگوٹھی کو ہاتھ میں پکڑے اس نے سختی سے آنکھیں میچی تھی۔

"سب برباد ہو گیا، سب ختم ہو گیا۔ایک ایک کر کے سب چلے گئے۔" خوف کے مارے بدر اپنے ہوا س کھوتا جا رہا تھا۔

"نائل نے جیمز کو مار دیا۔" اسے اب ٹھنڈے پسینے آنے لگے تھے۔

"نائل نے....؟" حاتم نے نا سمجھی سے بدر کی جانب دیکھا تھا۔

"وہ ایسا کیوں کرے گا؟"

"وہ....!"

"مجھے نہیں پتا، بس کچھ دنوں سے وہ دھمکیاں دے رہا تھا۔" بدر نے بہت سنبھل کر جواب دیا تھا۔ وانیہ کی کڈنیپنگ کی بات وہ اسے نہیں بتا سکتا تھا۔ اس کے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی وانیہ غائب ہو چکی تھی اور اپنے آدمیوں کی لاشیں دیکھ کر وہ سمجھ گیا تھا کہ یہ نائل کا کام ہے۔ اسے حیرت ہوئی تھی کہ آخر نائل نے کیوں کوئی رد عمل ظاہر نہیں کیا مگر آج جیمز کے کٹے ہوئے ہاتھ دیکھ کر اسے اپنے کیے پر شدید پچھتاوا ہوا تھا۔ اپنا ڈیٹا ریکور کروانے کے چکر میں وہ یہ بھول گیا تھا کہ نائل کتنی پہنچی ہوئی چیز ہے۔

"یہ کیا ہے؟" جیمز کے وائلٹ میں حاتم کو کچھ سفید ساد کھا تھا جو کہ آدھا باہر اور آدھا وائلٹ کے اندر تھا۔ حاتم نے ہاتھ بڑھا کر وہ خط باہر نکالا تھا۔

"روز تمہیں اس کے جسم کا ایک ٹکڑا بھیجوں گا تاکہ تمہیں اندازہ ہو کہ نائل آفندی کی بہن پر نظر رکھنے کا کیا انجام ہوتا ہے اور ہاں... وہ ڈیوائس تو میں تم سے حاصل کر کے ہی رہوں گا۔ اس جنگ کا اختتام اب بہت قریب ہے۔" وہ جیسے جیسے پڑھتا جا رہا تھا ویسے ویسے اس کا چہرہ سرخ ہوتا جا رہا تھا۔

"یہ سب کیا ہے بابا؟" سرخ پڑتے چہرے کے ساتھ وہ دھاڑا تھا۔

"کیا...؟" بدر نے نا سمجھی سے اس کے ہاتھ سے خط لیا تھا۔ خط پڑھتے ساتھ ہی اس کا چہرہ فق پڑا تھا۔

"آپ نے کیا کیا نین کے ساتھ، میری نین کے ساتھ کیا کیا آپ نے؟" غصے کی وجہ سے اس کے ماتھے کی نسیں پھولتی جا رہی تھیں۔

"نائل نے نین کا ذکر کیوں کیا، بتائیں بابا؟" اس دھاڑ پر تو بدر بھی سہم گیا تھا۔

"میں نے کچھ نہیں کیا بیٹا! وہ بکواس کر رہا ہے۔ تمہیں مجھ سے جدا کرنا چاہتا ہے، بس اسی لیے....!" ایک لمحے کے لیے وہ واقعی گڑ بڑا گیا تھا۔

"کس ڈیوائس کی بات کر رہا ہے وہ....؟ آخر مجھے کیوں کچھ نہیں پتا؟" چلاتے ہوئے اس نے نیچے پڑے ڈبے کو زور سے ٹھڈا مارا تھا، جو انہیں تھوڑی دیر پہلے موصول ہوا تھا۔

"ڈیوڈ تم ریلیکس ہو کر میری بات سنو۔"

"مجھے کچھ نہیں سننا، بس اتنا بتائیں کہ آپ نے نین کے ساتھ کیا کیا؟"

"میں سچ کہہ رہا ہوں، میں نے اس کے ساتھ کچھ بھی نہیں کیا۔ نائل بس ہمارے درمیان پھوٹ ڈلوانا چاہتا ہے۔"

"وہ ایسا کیوں کرے گا؟"

"کیونکہ وہ تمہاری جگہ لینا چاہتا ہے۔"

"اس کا تعلق آئی۔ ایس۔ آئی سے ہے، انڈر ورلڈ سے نہیں..." حاتم کی آنکھیں اب بھی سرخ تھیں۔

محبت کچھ دنوں کے لیے سو تو سکتی ہے مگر وہ کبھی مرتی نہیں....

"یہی تو ہماری سب سے بڑی غلطی ہے۔ وہ کوئی ایجینٹ نہیں ہے ڈیوڈ! وہ بس ہمیں بیوقوف بنا رہا ہے۔ جب میں نے اس کی بیوی کو اغوا کیا تھا تو مجھے تب ہی اندازہ ہو گیا تھا۔ اس کی رسائی بہت دور تک ہے۔ ملیشیاء، فرانس، اٹلی اور پتا نہیں کہاں کہاں.... وہ جو اتنے مزے سے ہمارے درمیان گھومتا پھرتا ہے، وہ صرف اس لیے کیونکہ اس کی حفاظت کرنے والے بہت ہیں۔ کوئی اس کے خاندان کو نقصان نہیں پہنچا

سکتا۔ڈیوڈ وہ ہم سے زیادہ خطرناک ہے۔وہ سمگلر ہے، قاتل ہے اور پتا نہیں کیا کیا....''بدر نے اسے یقین دلانا چاہا تھا۔

''بابا بس کر دیں، مجھے اس سب سے کوئی غرض نہیں...مجھے بس اتنا بتائیں کہ نائل نے نین کا ذکر کیوں کیا؟''حاتم کا دماغ بس نین پر ہی اڑ گیا تھا۔

''میں نے بس اسے اس کی بہن کے حوالے سے دھمکی دی تھی۔''

''بابا یہ آخری دفعہ ہے۔دوبارہ آپ کسی بھی عورت کو درمیان میں نہیں لائے گے۔''حاتم نے ہاتھ اٹھا کر بدر کو دھمکی دی تھی۔بدر واقعی ششدر رہ گیا تھا۔

حاتم کے دل میں دوبارہ جذبات امڈتے دیکھ وہ صحیح معنوں میں گھبرا گیا تھا۔حاتم کے علاوہ اب اس کے پاس کوئی سہارا نہیں بچا تھا۔وہ اسے کھو نہیں سکتا تھا۔

''ڈیوڈ میرے بیٹے! تم جیسا کہو گے میں ویسا ہی کروں گا۔آؤ بیٹھو یہاں پر....''بدر اسے صوفے تک لے گیا تھا۔

''میں نے کتنی دفعہ کہا ہے کہ اتنا غصہ مت کیا کرو۔میں باپ ہوں تمہارا، وہی باپ جس نے تمہیں پالا ہے۔اگر میں نا ہوتا تو اب تک یہ لوگ تمہارے اعضاء بیچ کر تمہیں کسی کچرے کے ڈھیر میں پھینک چکے ہوتے۔''اپنے میٹھے لہجے سے اب وہ اسے قابو میں کرنا چاہ رہا تھا۔اس پر احسان جتا رہا تھا۔

اس کی بات پر حاتم کا غصہ کم ہوتا جا رہا تھا۔

''تم بیٹھو یہاں پر، میں تمہارے لیے فریش جوس لے کر آتا ہوں۔''بدر اٹھ کر کچن میں چلا گیا تھا جبکہ حاتم کے دماغ پر اب بھی نین ہی سوار تھی۔وہ اس سے رابطہ کرنے کا سوچ رہا تھا۔

"یہ لو۔" بدر نے اسے جوس پیش کیا تھا۔ وہ بغیر کچھ سوچے سمجھے ایک ہی سانس میں پورا گلاس حلق سے اتار چکا تھا۔

"اب اچھا محسوس کر رہے ہو نا؟" حاتم نے صوفے کی پشت سے ٹیک لگاتے اثبات میں سر ہلایا تھا۔ بدر کے لبوں کو شیطانی مسکراہٹ نے چھوا تھا۔

"ایک بار نشہ چھوڑ سکتے ہو تو کیا میں دوبارہ تمہیں نہیں دے سکتا؟ ڈیوڈ تم میری برسوں کی کمائی ہو، تمہیں تو میں کہیں نہیں جانے دوں گا۔ اگر بالفرض کل تمہیں سچ پتا چل بھی جاتا ہے تب بھی تم مجھے اور اس سیاہ دنیا کا چھوڑ نہیں سکو گے۔" گہری مسکراہٹ کے ساتھ وہ دل ہی دل میں گویا ہوا تھا۔

---

بہت منتیں کرنے کے بعد بالآخر سنیہا نے نائل کو سائیکیٹریسٹ کے پاس جانے کے لیے راضی کر ہی لیا تھا۔ یہ اس کا ذاتی خیال تھا۔

"آپ پلیز ڈاکٹر کو کھل کر سب بتائیں گا۔" اسے ماہر نفسیات کے پاس اکیلا چھوڑ کر وہ باہر چلی گئی تھی۔

اب اس بند کمرے میں صرف دو لوگ تھے، ایک لیڈی ڈاکٹر اور دوسرا نائل.... جو کرسی پر ٹانگ پر ٹانگ جمائے بہت شاہانہ انداز میں بیٹھا تھا۔

یہاں آنے کا فیصلہ بذات خود اس کا اپنا تھا۔

"جی مسٹر نائل! آپ مجھے کچھ بتانا چاہتے ہیں؟"

"جی ڈاکٹر! میں تو بہت کچھ بتانا چاہتا ہوں۔ کیا آپ سن لیں گی؟" اس کا انداز نہایت دوستانہ تھا۔

"جی بالکل! آپ کو جو بھی بات کرنی ہے، پلیز کھل کر کیجیں۔"

"اب آپ نے کہہ دیا ہے تو پھر ٹھیک ہے۔" کندھے اچکائے نائل نے گہری سانس خارج کی تھی۔

"میں کل سے بہت زیادہ دکھی ہوں۔ شادی ہونے والی تھی میری... مگر میری بیوی نے ایسا ہونے نہیں دیا۔"

"آپ دوسری شادی کرنا چاہتے ہیں؟" ڈاکٹر کے ماتھے پر بل پڑے تھے۔

"دوسری نہیں انتیسویں...." نائل نے جس قدر عام انداز میں بتایا تھا، ڈاکٹر کے کانوں سے تو معنوں دھواں ہی نکلا تھا۔

"خیر کوئی بات نہیں، کوئی اور حل نکال ہی لوں گا میں..."

"آپ کو شادیاں کرنے کا شوق کب سے ہے؟" خود کو نارمل کرتے ڈاکٹر نے اگلا سوال پوچھا تھا۔

"بچپن سے.... پہلا نکاح آٹھ سال کی عمر میں کیا، پھر اسے مار دیا۔ پھر دوسرا نو سال کی عمر میں....اسے بھی مار دیا اور اب تک صرف یہی بچی ہے جو باہر بیٹھی ہے۔" وہ نہایت عام لہجے میں کہتا ڈاکٹر کے چھکے چھڑا گیا تھا۔

"یعنی آپ کو لگتا ہے کہ آپ بچپن سے شادیاں کر رہے ہیں؟"

" لگنے کی کیا بات ہے، ظاہر ہے میں کر رہا ہوں۔"

"ہمم! اس کے علاوہ کچھ اور بتانا چاہتے ہیں آپ؟"

"ہاں! بچے بہت کیوٹ ہوتے ہیں۔ میں نے آج تک کبھی کسی بچے کو نہیں مارا۔ آپ کا بیٹا بہت سویٹ ہے۔" مزید وقت ضائع کرنے کا اس کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ وہ یہاں بیٹھا اب بور ہونے لگا تھا۔ یہ سچ تھا کہ اسے صرف سنیہا کو تنگ کرنے میں مزا آتا تھا۔

"آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟" ڈاکٹر فورا مشتعل ہوئی تھی۔

آنکھیں گھماتے اب وہ اپنی جگہ سے اٹھا تھا۔

اب اپنے کوٹ کی جیب سے اس نے نوٹوں کی ایک گڈی نکالے سامنے میز پر رکھی تھی۔

"یہ آپ...." دوسری چیز جو اس نے جیب سے نکالی تھی، اسے دیکھ کر ڈاکٹر کی زبان جیسے تالو سے چپک گئی تھی۔

"کوئی ایک چن لو۔" ڈاکٹر نے خوفزدہ نظروں سے سامنے پڑی گن کی جانب دیکھا تھا۔

"اگر میری بات مانو گی تو ہر مہینے اتنے پیسے ملے گے کہ تمہاری زندگی سنور جائے گی اور اگر انکار کیا تو...!" وہ گن اٹھائے سپاٹ چہرے کے ساتھ اس کی جانب بڑھا تھا۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے؟ میں گارڈ..." نائل نے گن اس کی کنپٹی پر رکھی تھی۔ ڈاکٹر کے منہ میں الفاظ کہیں دب سے گئے تھے۔

"شوہر مر چکا ہے۔ دو چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ سسرال والے ویسے ہی لاتعلقی کا اعلان کر چکے ہیں۔ میکے میں کوئی ہے نہیں.... کیوں بلاوجہ خود پر اور اپنے بچوں پر ظلم کر رہی ہو؟"

"کیا چاہتے ہو؟" تھوک نگلتے ڈاکٹر نے بامشکل کہا تھا۔

"Good girl!"

نائل نے گن واپس اپنی جیب میں رکھی تھی۔

"میری بیوی سے وہی کہو گی جو میں تم سے کہنے کے لیے کہوں گا."

"میں انہیں بتادوں گی کہ آپ کو DID Disorder...."

"ہے، مجھے ہے۔" نائل کے الفاظ سے وہ دنگ رہ گئی تھی۔

اتنا تو وہ سمجھ ہی چکی تھی کہ اسے کوئی دماغی مرض نہیں ہے۔

"اور وہ سب بھی جو میں کہنے کے لیے کہوں گا۔" لہجہ ہمیشہ کی طرح سنجیدہ تھا۔ یہ سنجیدگی اس کی ذات کا حصہ تھی۔

(چند ماہ بعد)

وہ آپریشن تھیٹر کے باہر اضطراب کی حالت میں چکر لگا رہا تھا۔ محسن اور ساشا اس کے ساتھ تھے۔

اتنا خوف نائل نے آج سے پہلے کبھی محسوس نہیں کیا تھا، جتنا وہ آج کر رہا تھا۔ وانیہ اس کی زندگی تھی۔ اسے اتنی تکلیف میں دیکھ کر وہ بن پانی کی مچھلی کی طرح تڑپ رہا تھا۔

ڈاکٹر کے باہر آتے ہی وہ فوراً الرٹ ہوا تھا۔

"مبارک ہو، بیٹا ہوا ہے۔"

"میری بہن، میری بہن کیسی ہے؟"

"وہ بھی بالکل ٹھیک ہیں۔" نائل کے چہرے پر سکون سا چھایا تھا۔ اس نے فوراً اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا تھا۔

"بچہ ٹھیک ہے نا، وہ معذور تو نہیں؟" اگر بچے کو کچھ ہو جاتا تو وانیہ کو سنبھالنا مشکل تھا۔

"جی جی بالکل ٹھیک ہے۔" ڈاکٹر نے مسکرا کر نہایت پروفیشنل انداز میں اسے آگاہ کیا تھا۔ تبھی نرس ایک ننھے ڈھانپے ہوئے وجود کو لے کر باہر آئی تھی۔

نائل نے فوراً آگے بڑھ کر اسے تھاما تھا۔ اس کے چہرے پر خود بخود ہی مسکراہٹ در آئی تھی۔

"He is so cu...."

الفاظ ابھی منہ میں تھے کہ اچانک ہی کانوں کو چیرنے والا باجا بجا تھا۔

"یہ رو کیوں رہا ہے؟" جہاں نائل کا دماغ ماؤف ہوا تھا وہیں سپیکر مزید اونچا ہوتا جا رہا تھا۔

"لاؤ اسے مجھے دو۔" ساشا نے اس کے ہاتھ سے اس بچے کو لیتے ہوئے کہا تھا۔ اب وہ اسے لے کر آگے جا رہی تھی۔

"یہ میرے بیٹے کو کہاں لے کر جا رہی ہے؟" وہ حیران پریشان رہ گیا تھا۔

"تمہارے بیٹے کا حلیہ درست کرنے جا رہی ہے۔" محسن نے مسکرا کر اس کی معلومات میں اضافہ کیا تھا۔ نائل کی جان میں جان آئی تھی۔

"یہ رو کیوں رہا تھا؟" اس کے اس قدر معصومانہ سوال پر محسن کا قہقہہ چھوٹا تھا۔

"اس کی مرضی....!" محسن نے لب دبائے کندھے اچکائے تھے۔

"یقیناً ڈاکٹر نے کچھ کیا ہو گا ورنہ وہ تو بہت معصوم ہے۔"

"اللہ کرے کہ وہ بالکل تمہاری طرح معصوم ہو۔" محسن نے دل سے دعا دی تھی۔

"آمین!" وہ غیر دانستہ طور پر بول گیا تھا۔

"کیا...؟ استغفر اللہ!" نائل نے فون جھر جھری لی تھی۔

وانیہ کو وارڈ میں شفٹ کر دیا گیا تھا مگر ابھی اسے ہوش نہیں آیا تھا۔ ساشا بچے کو لے کر جیسے واپس آئی تھی، نائل نے فوراً اس کے ہاتھ سے بچہ جھپٹا تھا جیسے وہ اسے لے کر بھاگ ہی نا جائے۔

اس کے کان میں آذان بھی نائل نے ہی دی تھی اور اسے گھٹی بھی نائل نے ہی دی تھی۔

اب وہ اسے لے کر ایسے بیٹھا تھا جیسے کوئی اس سے چھین نا لے۔

"یار یہ آنکھیں کیوں نہیں کھول رہا؟" یہ سوال وہ پندرہ بار پوچھ چکا تھا۔

"یہ بالکل نارمل ہے نائل! میری ڈاکٹر سے بات ہو چکی ہے۔ تھوڑی دیر میں کھول لے گا۔" ساشا اسے صفائیاں دے دے کر اب تھک چکی تھی۔

"آپ آنکھیں کیوں نہیں کھول رہے ہو؟ ایک بار آنکھیں کھول دو نا...." باقی سب پر مٹی ڈالتے اب وہ سیدھا اس ننھے وجود سے مخاطب تھا۔

نائل کے کہنے کی دیر تھی کہ اس ننھے وجود کی ننھی سی پیشانی پر دو بل نمودار ہوئے تھے۔اب وہ آڑھے تر چھے منہ بنا رہا تھا۔نائل کا تو باقاعدہ منہ کھل گیا تھا۔

"مجھے نخرے دکھا رہے ہو، یعنی مجھے نائل آفندی کو؟"نائل نے بھی اسے گھورنا شروع کیا تھا۔اس کی اپنی پیشانی پر بھی ہمیشہ دو بل نمودار رہتے تھے۔

"چپ چاپ آنکھیں کھولو....."یہ حکم تھا جو اسے بہت مہنگا پڑا تھا۔سائرن ایک بار پھر بجا تھا اور پورے زور و شور سے بجا تھا مگر صاحب زادے نے آنکھیں پھر بھی نہیں کھولیں تھیں۔

"نائل تم اسے ڈرا رہے ہو۔"ساشا نے برہمی سے بچہ اس کے ہاتھ سے لیا تھا۔

"میں کوئی جن ہوں جو اسے ڈرا رہا ہوں؟اور اس نے کون سا آنکھیں کھولی ہیں جو مجھے دیکھ کر ڈر رہا ہے؟"نائل نے برا سا منہ بنایا تھا۔

"دیکھو آنکھیں کھول دیں اس نے....!"ساشا کی گود میں آتے نا صرف وہ خاموش ہوا تھا بلکہ اس نے اپنی ننھی آنکھیں بھی تھوڑی سی کھول دیں تھیں۔

"دکھاؤ مجھے....!"نائل کے کھڑے ہونے کی دیر تھی کہ آنکھیں پھر بند ہو چکی تھیں۔

"یہ سراسر زیادتی ہے۔"وہ جل بھن گیا تھا۔

"وہ تمہیں نہیں دیکھنا چاہتا۔"ساشا نے اسے مزید تپایا تھا۔

"ہاں تو میں کون سا دیکھنا چاہتا ہوں۔"نائل نے لاپروائی سے کندھے اچکائے تھے۔

"وانیہ کو ابھی تک ہوش کیوں نہیں آیا؟"کافی وقت گزر چکی تھی،نائل کو اب تشویش ہونے لگی تھی۔

ابھی وہ ڈاکٹر کے پاس جانے کا سوچ ہی رہا تھا کہ نرس نے اسے وانیہ کے ہوش میں آنے کی اطلاع دی تھی۔

وہ بھاگتا ہوا اندر داخل ہوا تھا۔

"وانیہ....!" نائل نے آگے بڑھ کر اس کے سر پر بوسہ دیا تھا۔ اس کا رنگ پہلے سے کافی زرد تھا۔ وہ بستر پر چت لیٹی ہوئی تھی۔ آنکھیں ابھی آدھ ہی کھلی تھیں۔

"میری جان آپ ٹھیک تو ہیں؟"

"بھائی میرا بچہ....!" اس نے ادھر ادھر نظریں ڈوراتے کہا تھا۔

"میرا بچہ کہاں ہے؟" الفاظ بہت مشکل سے ادا ہو پا رہے تھے۔ عین اسی وقت ڈاکٹر بھی کمرے میں داخل ہوئی تھی۔

"میرا بچہ زندہ تو ہے نا؟ وہ معذور تو نہیں....؟" اب کی بار اس نے ڈاکٹر کی جانب دیکھ کر پوچھا تھا۔

"یہ سوال میں آپ سے کیوں کر رہی ہوں؟ میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی تھی، میں نے اس کے آگے اپنا مقدمہ پیش کیا تھا۔ مجھے یقین ہے، میرا بچہ بالکل ٹھیک ہو گا۔"

"آپ کا یقین بالکل درست ہے۔ آپ کا بے بی بالکل ٹھیک ہے بلکہ نارمل بچوں سے زیادہ صحت مند ہے۔ یہ ایک معجزہ ہی لگتا ہے۔" وانیہ نم آنکھوں سے مسکرا دی تھی۔ اس کی دعائیں رد نہیں ہوئی تھیں۔ اس نے راتوں کو گڑ گڑا گڑ گڑا کر تہجد میں رو رو کر دعائیں مانگی تھیں۔ اور جس سے مانگی تھی، اس ہی نے قبول کرنی تھی۔

"اور جب سے پیدا ہوا ہے تب سے سارے ہسپتال کو سر پر اٹھایا ہوا ہے۔" نائل نے گفتگو میں اپنا حصہ ڈالنا ضروری سمجھا تھا۔

"میرا بچہ کہاں ہے؟"

"یہاں پر ہے۔" ساشا مسکرا کر اندر داخل ہوئی تھی۔ اب اس نے بچے کو وانیہ کے قریب لٹایا تھا۔ اپنی اولاد کی خوشبو محسوس کرتے وہ خوشی سے رو دی تھی۔

"میرا بچہ.....!"اس نے لیٹے لیٹے ہی اسے چھوا تھا۔تب ہی اس ننھی جان نے ایک بار پھر اپنی آنکھیں کھولی تھیں۔اس کی آنکھیں سنہری تھیں۔

نائل کے پور پور میں جیسے سکون اترا تھا۔وہ یہی تو دیکھنا چاہتا تھا کہ آخر اس کی آنکھوں کا رنگ کیسا ہے؟

"وانیہ دیکھو،اس کی آنکھیں بالکل تمہارے جیسی ہیں۔"ساشا نے مسکرا کر اس ننھی جان کا گال چھوا تھا۔وانیہ کا معمولی سا چیک اپ کرنے کے بعد ڈاکٹر باہر چلی گئی تھی۔

"جی نہیں! یہ میرے جیسی ہیں۔"نائل فوراً میدان میں کودا تھا۔اگر وانیہ کی آنکھیں سنہری تھیں تو نائل کی بھی تو تھیں۔وہ اپنی جگہ بالکل درست تھا۔

---

اسے آج ہسپتال سے ڈسچارج ہوئے دوسرا دن تھا۔نیم اندھیرے کمرے میں سامنے دیوار پر لگی وال کلاک کو دیکھتے وہ گہری سوچ میں ڈوبی تھی۔اس کا بیٹا اس کے قریب گہری نیند میں سو رہا تھا جبکہ وانیہ کی آنکھوں سے نیند کوسوں دور تھی۔

ذہن کے پردے پر کسی کے کہے الفاظ اجاگر ہوئے تھے۔

"عمر نین کے بغیر مر جائے گا۔تم میری زندگی ہو،میری آنکھیں ہو،میری ڈھڑکن ہو۔"

"میں تمہیں سرخ دلہن کے لباس میں دیکھنا چاہتا تھا۔"

"تم بہت حسین لگ رہی ہو نین! اس قدر حسن پر منہ دکھائی تو بنتی ہے نا...!"

"الوداع نین...!"گولی چلنے کی آواز وانیہ کے کانوں میں گونجی تھی۔آنکھ سے ایک آنسو پھسل کر گال پر گرا تھا۔

"جب جب مجھے تمہاری ضرورت ہوتی ہے، تم میرے پاس نہیں ہوتے۔ کیا جواب دوں گی میں دنیا والوں کو، جب وہ مجھ سے اس بچے کے باپ کے بارے میں پوچھے گے؟" لبوں سے ایک سسکی نکل کر کمرے کی در و دیوار میں کہیں قید ہو گئی تھی۔

"میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی عمر، کبھی نہیں....!" وہ رو دی تھی۔

"میں اپنے بچے پر تمہارا سایہ بھی نہیں پڑنے دوں گی۔" اس نے جھک کر اپنے لخت جگر کی پیشانی پر بوسہ دیا تھا۔ وہ نیند میں ہلکا سا کسمسایا تھا۔

"جتنے زخم تم نے میری روح کو دیے ہیں، ان سب کا حساب اب تم سے میرا اللہ لے گا۔ میری دعا ہے کہ اسی دنیا میں تمہیں تمہارے اعمال کی سزا ملے۔" آنکھیں بند کیے وانیہ نے گہری سانس خارج کی تھی۔

"کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟" نائل نے مسکرا کر دروازہ ناک کیا تھا۔

"جی بھائی....!" وانیہ نے فوراً اپنے آنسو پونچھے تھے۔

"کیا کر رہی ہے میری گڑیا؟" وہ اس کے پاس آکر بستر پر بیٹھا تھا۔

"اب تو ایسے مت بلایا کریں۔ میں بھی اب صاحب اولاد ہوں۔" بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے وہ ذرا سا اٹھی تھی۔ جبکہ وجود پر اب بھی کمبل اوڑھا ہوا تھا۔

"تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟ میرے لیے آپ ابھی چھوٹی ہی ہیں۔" نائل نے اسے مصنوعی خفگی سے گھورا تھا اور ساتھ ہی ساتھ ایک چور نگاہ اس ننھی مصیبت پر بھی ڈالی تھی جس نے وانیہ اور نائل کی نیندیں حرام کر رکھی تھیں۔

"آپ نے اس کا کوئی نام نہیں رکھا؟" وانیہ کے کہنے پر وہ چونکا تھا۔

"میں نام رکھوں؟"

"میں چاہتی ہوں کہ میرے بیٹے کا نام آپ رکھیں۔"

"سوچ لیں؟" یہ چیلنج تھا۔

"اس میں سوچنے والی کیا بات ہے، مجھے یقین ہے آپ جو بھی نام رکھے گے، وہ یقیناً بہت اچھا ہو گا۔" وانیہ مدھم سا مسکرائی تھی۔

"ٹھیک ہے۔" نائل بھی جواباً مسکرا دیا تھا۔

"آپ نے کوئی نام سوچا ہے؟" وہ اب پر جوش ہوئے پوچھ رہی تھی۔

"سوچا تو ہے۔" نائل نے دونوں ہاتھ بڑھا کر اس ننھے وجود کو اپنے ہاتھوں میں اٹھایا تھا۔

"کیا...؟"

"حازم....!" نائل کے لبوں نے جیسے نام ادا کیا تھا۔ وانیہ کے چہرے کا رنگ فوراً فق پڑا تھا۔

"بھائی...." وہ بے یقینی سے چیخی تھی۔

"یہ ایک صحابی کا نام ہے جس کے معنی سمجھدار اور دور اندیش ہے۔" وہ اس بچے کی جانب دیکھے گہرا مسکرایا تھا۔

"آپ سوچ رہی ہوں گی کہ میں نے یہ نام کیوں رکھا؟" اب کی بار اس نے وانیہ کی جانب دیکھا تھا جس کی آنکھوں میں نمی کے ساتھ ساتھ کرب بھی تھا۔

"یہ حاتم کی پرچھائی ہے۔ اس حاتم کی جو صاف دل اور نرم مزاج تھا۔ مجھے یقین ہے کہ آپ اس کی بہت اچھی تربیت کرے گی۔ یہ کبھی غلط راہ کا انتخاب نہیں کرے گا۔ ہم حاتم کو تو کھو چکے ہیں مگر ہم حازم کو نہیں کھوئے گے۔" نائل نے اس کی پھولی ہوئی گال پر بوسہ دیا تھا۔ حازم نے نیند میں برا سا منہ بنا کر رخ پھیرا تھا۔ اسے نائل کا لمس پسند نہیں آیا تھا۔

"وہ بے شک اب ایک جانور بن چکا ہے مگر وہ پہلے ایسا نہیں تھا۔حاتم نے غلط راہ چنی اور وہ یقیناً اس کا حساب دے گا مگر حازم کی پرورش آپ کریں گی اور بہت اچھی کرے گئیں۔ہم اس سے اس کے باپ کی پہچان نہیں چھین سکتے۔اگر ایسا کیا تو یہ غلط ہو گا۔آپ ہمیشہ اس کی نظر میں حاتم کا اچھا امیج بنائیں گا۔"

"اور اگر کل اس نے اپنے باپ کے متعلق سوال کیا کہ وہ کہاں ہے تو میں کیا جواب دوں گی؟" وانیہ نے اپنا خدشہ ظاہر کیا تھا۔وہ دنیا والوں سے تو ڈری ہوئی تھی مگر اصل خوف اسے اس بات کا تھا کہ کہیں اس کی اولاد اس نے سوال جواب نا کرنے لگ جائے۔وہ اپنے بیٹے کو اپنے مقابل کھڑے ہوتے نہیں دیکھ سکتی تھی۔

"آپ کہہ دیجیں گا کہ وہ اس دنیا میں نہیں...!" وانیہ نے سختی سے آنکھیں میچی تھیں۔

زندگی اسے کہاں سے کہاں لے آئی تھی۔

"اگر اسے پتا چل گیا کہ اس کا ایک بیٹا ہے اور اگر میرے بیٹے کو پتا چل گیا کہ اس کا باپ زندہ ہے پھر؟" آنسوؤں کا گولہ اپنے اندر اتارتے وہ سر جھکائے گویا ہوئی تھی۔

"آپ اس کی فکر چھوڑ دیں۔ابھی آپ تھوڑی دیر آرام کیجیں۔اسے میں سنبھال لوں گا۔آپ رات بھر نہیں سوئیں۔"

"یہ آپ کو تنگ کرے گا۔"

"نہیں کرے گا۔اگر کرے گا تو دے جاؤں گا اسے۔" حازم کو اٹھائے وہ باہر کی جانب بڑھا تھا۔

"اگر آپ چاہیں تو اس کا نام تبدیل کر سکتی ہیں۔" دروازے کے پاس جا کر وہ رکا تھا۔

"اس کی ضرورت نہیں...مجھے یہ نام پسند ہے۔" وانیہ کہہ کر بستر پر لیٹ گئی تھی۔وہ واقعی میں بہت تھکی ہوئی تھی،اس لیے نیند فوراً ہی اس پر غالب آئی تھی۔

نائل حازم کو گود میں اٹھائے لاؤنج سے ہوتا ہوا باہر لان کی جانب گیا تھا۔

"اسے کہاں لے کر جا رہے ہو؟" محسن اسی وقت گھر کے اندر داخل ہوا تھا۔ نائل کے ہاتھ میں بچہ دیکھ کر وہ پریشان ہو گیا تھا۔

"سنیہا سے ملوانے... ساتھ آؤ میرے۔" اس نے محسن کو ساتھ چلنے کا کہا تھا۔

"نام نہیں رکھا ابھی تک؟" نائل ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا تھا اور محسن فرنٹ سیٹ پر حازم کو گود میں اٹھائے بیٹھا تھا۔

"رکھ لیا ہے۔" گاڑی میں چابی گھماتے وہ سنجیدگی سے گویا ہوا تھا۔

"کیا....؟"

"حازم....!" نائل نے گاڑی سٹارٹ کر دی تھی جبکہ محسن حیران پریشان اسے دیکھتا ہی رہ گیا تھا۔

"تم کرنا کیا چاہتے ہو؟" کچھ دیر بعد وہ بے یقینی سے چیخ اٹھا تھا۔

"شاید مداوا....!" وہ بے بسی سے ہنسا تھا۔

"نائل...!" محسن نے افسوس سے اسے پکارا تھا۔

"میں شاید دنیا کا پہلا بھائی ہوں جو اپنی ہی بہن کو بیوہ کرنے جا رہا ہوں۔" سٹیرنگ پر مضبوطی سے ہاتھ جمائے ایک لمحے کے لیے اس کی آواز کپکپائی تھی۔

"مجھے وہ ڈیوائس حاصل کرنی ہے، وہ آخری ڈیوائس جو بدر کے پاس ہے۔ ان چند مہینوں میں، میں ان کے پر کاٹ چکا ہوں، اب بس مارنا باقی ہے۔" اس کی آنکھیں سرخ پڑی تھیں۔

"میں نے اسے یہ نام اس لیے دیا ہے تا کہ وانیہ کو زیادہ افسوس نا ہو۔ وہ اس سے اتنی محبت کرے کہ اسے حاتم یاد بھی نا رہے۔ اس کی موت کے بعد، وانیہ کو بالکل دکھ نا ہو۔ وہ بالکل نا ٹوٹے۔" محسن اب بھی اسے افسوس بھری نگاہ سے دیکھ رہا تھا۔

"حاتم کو میں نے بہت سمجھایا، اسے بہت مواقع دیے لیکن اب بس.... وہ انسان نہیں رہا، وہ ایک وحشی درندہ بن چکا ہے اور درندوں کو ختم کیا جاتا ہے۔" محسن نے اس کی آواز میں نمی محسوس کی تھی۔

"میں تمہارا دکھ سمجھ سکتا ہوں۔" محسن نے اب ایک ترس بھری نگاہ اس ننھے وجود پر ڈالی تھی جو کہ بہت جلد یتیم ہونے والا تھا۔

"اس کے مرنے کے بعد میں وانیہ کی شادی کر دوں گا۔" وہ پہلے سے ہی سب سوچ چکا تھا۔

"کس سے...؟"

"کسی سے بھی...." نائل اس وقت خود کنفیوژ تھا۔

"وہ مان جائے گی؟"

"ماننا پڑے گا۔ اپنی من مانی کر کے دیکھ چکی ہیں وہ، اب میری بات ماننی ہو گی۔" نائل کو چھوڑ کر وانیہ نے حاتم پر بھروسہ کیا تھا جس کے نتائج وہ بھگت چکی تھی۔ اب نائل کو یقین تھا کہ وہ اس کا کہا نہیں ٹالے گی۔

---

"سنیہا، سنیہا!" فارم ہاؤس پہنچ کر اب وہ مسلسل اسے آوازیں لگا رہا تھا۔

"کیا ہوا؟" وہ بھاگتے ہوئے اس کے پاس پہنچی تھی۔

"یہ دیکھو، تم سے ملنے کون آیا ہے؟"

"یہ وانیہ کا بیٹا ہے؟" خوشی کے مارے وہ اچھلی تھی۔

نائل نے مسکرا کر بچہ اس کی گود میں دیا تھا۔

"سبحان اللہ!" سنیہا نے باری باری اس کے دونوں گال چومے تھے۔ وہ نا صرف مسکرایا تھا بلکہ اب اس نے اپنی ننھی آنکھیں بھی کھولی تھیں۔

"میرا بے بی...!"سنیہا کو اس پر ٹوٹ کر پیار آیا تھا جبکہ اب کی بار وہ کھلکھلا اٹھا تھا۔سنیہا کا لمس اسے بہت سکون دے رہا تھا۔

"نائل یہ کتنا پیارا ہے نا،یہ بالکل میرے جیسا ہے۔"سنیہا نے جہاں جذبات میں آ کر کہہ ڈالا تھا وہیں نائل کے چہرے کی مسکراہٹ غائب ہوئی تھی۔

"ادھر دو مجھے....!"نائل نے فوراً اس کے ہاتھ سے حازم کو جھپٹا تھا۔

"پہلے کم امیدوار ہیں جو تم بھی میدان میں کود پڑی ہو؟"اس نے سنیہا کو سخت گھوری سے نوازا تھا۔

حازم کے نین نقش پر بہت تبصرے کیے جا چکے تھے۔وانیہ کیا،ساشا اور محسن نے بھی اسے خود سے مماثلت دے دی تھی اور نائل صاحب کو یہ بات بالکل ہضم نہیں ہوئی تھی۔بقول نائل کے،حازم صرف اس پر گیا تھا حالانکہ یہ ایک فیصد بھی سچ نہیں تھا۔

حازم کے نین نقش حاتم پر گئے تھے،بس آنکھوں کا رنگ وانیہ جیسا تھا۔

"میرا مطلب ہے کہ یہ میری طرح سویٹ اور نرم مزاج ہے۔"سنیہا نے منہ بنائے صفائی پیش کی تھی۔

"ہٹو سامنے سے،بڑی آئی تم سویٹ..."سر جھٹکتے وہ آگے بڑھا تھا جبکہ سنیہا منہ بنا کر ہی رہ گئی تھی۔

نائل نے ابھی چار قدم بھی مشکل سے اٹھائے تھے کہ حازم کا سپیکر ایک بار پھر بجا تھا۔

"اوئے چپ کر....!"ساری مروت اور لحاظ بھلائے نائل نے بہت بری طرح اسے ڈپٹا تھا۔حازم تو حازم سنیہا بھی سہم گئی تھی۔

اب حازم نے ڈبڈبائی آنکھوں سے پہلے نائل کو گھورا تھا پھر اس نے ایک بار پھر رونا شروع کیا تھا۔اب کی بار سپیکر پہلے سے زیادہ اونچا تھا۔

"نائل کیا کرتے ہیں آپ؟"سنیہا بیچاری کا تو بس دل ہی باہر آنے کو تھا۔

حازم کو اس سے لیتے اب وہ مسلسل اسے چپ کروانے کی کوشش کر رہی تھی۔ اور سونے پہ سہاگہ وہ تقریبا تیس سیکنڈ کے اندر اندر خاموش ہو گیا تھا۔

"آپ کو شرم آنی چاہیئے نائل!" ایک خفگی بھری نظر نائل پر ڈالے وہ اب مسلسل حازم کو تھپک رہی تھی۔

"ڈرامے باز کہیں کا....!" نائل تو ہتھے سے ہی اکھڑ گیا تھا۔

"بیٹا اب بچ جاؤ مجھ سے....!" انگلی اٹھائے اس نے حازم کو وارننگ دی تھی۔ جواباً حازم نے ماتھے پر دو بل ڈالے اسے گھورا تھا۔

"اوئے آنکھیں نیچے کرو۔" نائل نے بھی اسے گھورا تھا مگر حازم ٹس سے مس نہیں ہوا تھا۔

"نائل! آپ کو بچے سے بات کرنے کی تمیز نہیں ہے؟" ہر بات برداشت تھی مگر حازم کے ساتھ نائل کا یہ رویہ اسے ہرگز برداشت نہیں تھا۔ چند ہی ثانیوں میں وہ اس سے انسیت محسوس کرنے لگی تھی۔

"بچے سے بات کرنے کی بھی تمیز ہوتی ہے؟" ایک آنکھ آچکا کر اس نے سنیہا کی عقل پر ماتم کیا تھا۔

"جی ہوتی ہے۔" سنیہا نے حازم کو اپنے اندر بھینچا تھا۔

"اچھا ٹھیک ہے، اسے مجھے دو۔" گہری سانس خارج کرتے نائل نے خود کو ریلیکس کیا تھا۔

"آپ اسے تنگ کریں گے۔"

"نہیں کرتا۔" اب کی بار اس کا لہجہ کافی نرم تھا۔ سنیہا نے ڈرتے ڈرتے اسے بچہ تھما ہی دیا تھا۔

"میں اوپر کمرے میں جا رہا ہوں۔ تم ایک کام کرو، دو کپ کافی بنا لاؤ، ہم دونوں پیے گے۔"

"نائل وہ چھوٹا سا بچہ ہے۔" سنیہا کو اپنی سماعتوں پر یقین نہیں آیا تھا۔

"میرا بھانجا ہے، پی لے گا۔ تم جاؤ بنا کر لاؤ۔" وہ اسے حکم دیتا زینے چڑھنے لگا تھا۔ سنیہا کو زبردست چکر آئے تھے۔

"یااللہ! یہ میں کہاں پھنس گئی؟ان کی دماغی حالت کا تو پتا نہیں مگر مجھے اب اپنی دماغی حالت پر شبہ ہو رہا ہے۔ کہیں میں پاگل تو نہیں ہو گئی؟" ان چند مہینوں میں نائل نے اپنی بیماری کے چکر میں اسے اتنا تنگ کیا تھا کہ سنیہا گھوم کر ہی رہ گئی تھی مگر اس بیچاری کو اب تک یہ پتا نہیں چل سکا تھا کہ اسے کوئی دماغی مرض نہیں ہے۔

"اب بتاؤ کیوں گھور رہے تھے؟" اسے بستر پر لٹاتے اب وہ اس پر جھکا تھا۔

حازم نے ایک بار پھر اسے گھورنا شروع کر دیا تھا۔

"آنکھیں نیچی....!" انگلی اٹھائے نائل نے اسے سنجیدگی سے دھمکی دی تھی۔ حازم کے ماتھے کے بلوں میں مزید اضافہ ہوا تھا۔ وہ بھی سنجیدہ چہرے کے ساتھ اسے گھور رہا تھا۔

"ایسے تو کبھی تمہارے باپ نے بھی مجھے نہیں گھورا جیسے تم گھور رہے ہو۔ چلو آنکھیں نیچی کرو۔" لہجے میں تھوڑی سی درشتگی در آئی تھی۔

جواباً حازم کلکاریاں مار کر ہنس دیا تھا۔

"تت.... تم مجھ پر ہنس رہے ہو؟" غم و غصے سے وہ بوکھلا گیا تھا۔

"آپ کی کافی....!" سنیہا نے کافی کا ایک مگ میز پر رکھتے ہوئے کہا تھا۔

"سنیہا! یار تمہارا بھانجا تو بہت بڑی فلم ہے۔" نائل نے شاک کی کیفیت میں اپنی ٹھوڑی کو چھوا تھا۔

"آپ سے بڑی نہیں ہے۔" وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑائی تھی۔

"تمہیں پتا ہے یہ مجھ پر ہنس رہا ہے۔" نائل نے بڑی رازداری سے اپنی بیوی کو آگاہ کیا تھا۔

"آپ کو کیسے پتا کہ وہ آپ پر ہنس رہا ہے؟" کاش کہ وہ اپنا سر کسی دیوار میں مار سکتی۔

"مجھے سب پتا ہے۔"

"نائل وہ چھوٹا سا بچہ ہے۔ بچے ایسے ہی ہوتے ہیں، کبھی ہنستے ہیں تو کبھی روتے ہیں۔" اس کی طبیعت آج کل ویسے ہی ٹھیک نہیں تھی اوپر سے نائل کی بے تکی باتیں....

"مجھے پتا ہے کہ یہ مجھ پر ہی ہنس رہا ہے۔" وہ بضد تھا۔ سنیہا اپنا سر پکڑے حازم کے قریب ہی بیٹھ گئی تھی۔

"ننھی مصیبت بتاؤ میری بیوی کو کہ تم مجھ پر ہنس رہے تھے۔" اب وہ سیدھا حازم سے مخاطب ہوا تھا جو بہت دلچسپی سے نائل کے بدلتے تاثرات کو دیکھ رہا تھا۔ اس کی باتیں اسے سمجھ آئیں یا نا آئیں مگر تاثرات اسے بہت اچھے لگ رہے تھے۔

"چند دن کا بچہ کیسے بول سکتا ہے؟" وہ بس رو دینے کو تھی۔

"جب یہ مجھ پر ہنس سکتا ہے تو پھر بول بھی سکتا ہے۔" نائل تو پھر نائل تھا۔ اتنی آسانی سے کیسے ہار مان سکتا تھا۔

"اچھا یہ سب چھوڑیں۔ آپ پلیز مجھے آج لیڈی ڈاکٹر کے پاس لے جائیں گا۔"

"ڈاکٹر کے پاس جانے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ تمہارا علاج اب ممکن نہیں ہے۔"

"آپ سمجھ نہیں رہے۔" وہ نظریں جھکائے اب کب کتر رہی تھی۔

"سب سمجھ رہا ہوں۔ یہ کام چوری کے بہانے ہیں۔"

"نائل میں سیریس ہوں۔" وہ سخت جھنجھلائی تھی۔

"ڈاکٹر کے پاس جانا کیوں ہے؟" بستر پر بیٹھتے وہ ایک بار پھر حازم کے ساتھ مصروف ہو گیا تھا۔

"میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"

"ٹھیک تو لگ رہی ہو۔"

"آپ رہنے دیں، میں ڈرائیور کے ساتھ چلی جاؤں گی۔ آپ کو ویسے بھی کچھ سمجھانا بیکار ہے۔" وہ تپ کر بولی تھی۔

"تم نے مجھے بیوا قوف کہا؟" وہ ایک جھٹکے سے سیدھا ہوا تھا۔

"میں نے ایسا کچھ نہیں کہا، آپ خود کہہ رہے ہیں۔ اور ویسے بھی سمجھ دار کے لیے اشارہ کافی ہوتا ہے۔"

"تمہارا دماغ آج کچھ زیادہ خراب نہیں ہے؟" وہ دباد با سا غرایا تھا۔

"ہاں ہو گیا ہے۔" تمام تر صبر کو بلائے طاق رکھتے وہ غصے سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"ہر چیز کی ایک حد ہوتی ہے۔ یہاں سوچ سوچ کر میری حالت خراب ہو رہی ہے اور آپ کی جگتیں ہی نہیں ختم ہو رہیں۔" وہ پیر پٹختے صوفے پر جا بیٹھی تھی۔ اب چہرہ ہاتھوں میں چھپائے وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔ نائل حیران پریشان سا ساری صورت حال کو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا جو اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔

"تم رو کیوں رہی ہو؟"

"کیونکہ میرا دماغ خراب ہے۔" چہرے سے ہاتھ ہٹائے وہ چلائی تھی۔ نائل تو بالکل ششدر رہ گیا تھا۔

"اب میں نے کیا کر دیا؟" اسے ایک بار پھر ہاتھوں میں منہ چھپائے روتے دیکھ وہ پریشان ہو گیا تھا۔

تھوڑی دیر شاک کی کیفیت میں رہنے کے بعد وہ گہری سانس خارج کرتے اٹھا تھا۔

"سنیہا کیا ہوا؟" اس کے عقب میں بیٹھتے نائل نے اس کے گرد حصار قائم کیا تھا۔

"مجھے ڈر لگ رہا ہے۔" اس کے سینے میں منہ چھپائے وہ اب بھی رو رہی تھی۔

"کیسا ڈر....؟" نائل نے نرمی سے اس کے بال سہلائے تھے۔

"جو میں سوچ رہی ہوں، اگر ویسا ہو گیا تو کیا ہو گا۔" اب اس نے سختی سے نائل کی شرٹ دبوچی تھی۔

"کیا مطلب...؟" وہ نہیں سمجھا تھا۔

"اب ہر بات بول کر بتانی ضروری ہے؟" اس نے برہمی سے سر اٹھا کر نائل کو گھورا تھا۔ رونے کی وجہ سے سنیہا کی ناک سرخ ہو چکی تھی جبکہ ناک میں چھوٹی سی نتھ مسلسل جگمگا رہی تھی۔ وہ کبھی کبھار اسے پہنتی تھی مگر جب بھی پہنتی تھی، قہر ڈھاتی تھی۔

"شام میں چلتے ہیں ڈاکٹر کے پاس۔ تمہاری طبیعت واقعی ٹھیک نہیں ہے۔" نائل نے اس کی نتھ کو چھوتے گھمبیر لہجے میں کہا تھا۔ درحقیقت وہ اس کے چہرے میں کھو سا گیا تھا۔

"مجھے واقعی بہت ڈر لگ رہا ہے۔" سنیہا نے ایک بار پھر اس کے سینے میں منہ چھپایا تھا۔

"کس بات سے؟" وہ ناسمجھی سے گویا ہوا تھا۔

"کسی بات سے نہیں...!" وہ جھنجھلاتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"اسے کیا ہو گیا ہے؟" اپنی پیشانی مسلتے وہ سوچ میں ڈوبا تھا۔

"کہیں میری صحبت کا اثر تو نہیں ہو گیا؟" اپنی کہی بات پر وہ نائل نے فوراً جھرجھری لی تھی۔

"کچھ کھائیں گے آپ؟" اب کہیں جا کر وہ کچھ حد تک نارمل ہوئی تھی۔

"تم رہنے دو، تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" وہ چل کر اس تک آیا تھا۔

"میں ٹھیک ہوں۔"

"تو پھر رو کیوں رہی تھی؟"

"میرا دل بھر آیا تھا، اس لیے...!" بھرائی آواز کے ساتھ وہ منمنائی تھی۔

"کیا....؟" وہ تو حیرانگی سے چلا اٹھا تھا۔

"دل کیسے بھر آیا؟" بے تکے سوالات کی لمبی فہرست کا آغاز ایک بار پھر ہو چکا تھا۔

"پتا نہیں، لیکن اب ٹھیک ہوں میں.....!"

"تو پھر ڈاکٹر کے پاس جانا کینسل؟"

"بالکل بھی نہیں.....!"

"ابھی تو تم نے کہا کہ بس تمہارا دل بھر آیا تھا اور اب تم ٹھیک ہو؟"

"یا اللہ! مجھے صبر دے۔" اپنا سر تھامے وہ کمرے سے باہر گئی تھی۔

"اس کا دماغ چل گیا ہے۔" سنیہا پر مٹی ڈالے نائل حازم کی جانب متوجہ ہوا تھا جو کہ اچھے بچوں کی طرح خاموش لیٹا ہوا تھا۔ اس نے ایک بار بھی نائل اور سنیہا کو ڈسٹرب نہیں کیا تھا۔ شاید وہ ان کی گفتگو سے محظوظ ہو رہا تھا۔

---

حازم سے مسلسل باتیں کرتے اب وہ وانیہ کے کمرے میں داخل ہوا تھا۔ وہاں پہنچ کر اسے کسی انہونی کا احساس ہوا تھا۔ وانیہ سر پکڑے آنسو بہا رہی تھی جبکہ ساشا اس کے قریب بیٹھی اسے دلاسے دے رہی تھی۔

"نائل کہاں تھے تم؟" اسے دیکھ کر ساشا فوراً اٹھی تھی۔

"میرا بچہ.....!" وانیہ تو اب دھاڑیں مار مار کر رو رہی تھی جبکہ صورت حال نائل کی سمجھ سے بالکل باہر تھی۔

"دو مجھے...!" نائل سے حازم کو لیتے ساشا نے وانیہ کو پکڑایا تھا۔

وانیہ نے دیوانہ وار اس کے ایک ایک نقش کو چوما تھا۔

"بھائی کہاں تھے آپ، آپ کو ذرا بھی احساس ہے میرا؟" وہ غم و غصے سے پھٹ پڑی تھی۔

وانیہ کو لگا تھا کہ نائل حازم کو اپنے کمرے میں لے کر گیا ہے مگر جب اسے علم ہوا تھا کہ وہ حازم کو گھر سے باہر لے کر گیا ہے، تب سے اس کی ممتا کو سکون نہیں آ رہا تھا۔ اس نے نائل کو نجانے کتنی کالز کی تھیں مگر اس کا فون بند جا رہا تھا۔ اب تقریباً چار گھنٹے بعد حازم کو دیکھ کر اس کی جان میں جان آئی تھی۔

"میرا بیٹا کب سے بھوکا ہے، کوئی احساس ہے آپ کو؟" نائل کچھ بولنے کے قابل نہیں رہا تھا۔ وہ تو ابھی بھی اسے واپس لانے پر رضامند نہیں تھا۔ سنیہا نے ہی اسے سمجھا بجھا کر بھیجا تھا کہ حازم کو اس وقت فیڈ کی ضرورت ہے اور ساتھ ہی ساتھ اس نے یہ تنبیہہ بھی کی تھی کہ وہ اسے کچھ اور نا کھلائے پلائے۔ نائل پر سنیہا کو بالکل بھروسہ نہیں تھا۔

"وانیہ آئی۔ ایم۔ سوری! میں...!"

"آپ پلیز یہاں سے چلے جائیں اور دوبارہ میرے بیٹے کو کہیں لے کر جانے کا سوچیں گا بھی مت۔ اگر آپ کو بچوں کو باہر لے جانے کا اتنا ہی شوق ہے تو اپنی اولاد کو لے جائیں گا۔" وہ غصے میں بول گئی تھی جبکہ نائل خاموش ہی رہا تھا۔ وانیہ نے اسے کچھ بولنے کے قابل ہی کہاں چھوڑا تھا۔

بغیر کچھ کہے وہ خاموشی سے وہاں سے چلا گیا تھا۔

"وانیہ تمہیں ایسا نہیں کہنا چاہیئے تھا۔" ساشا کو بھی اس کی بات بری لگی تھی۔ وانیہ نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ اسے اس وقت صرف حازم کی فکر تھی۔

"نائل وہ اس وقت غصے میں ہے۔" ساشا بھاگتی ہوئی اس کے پیچھے گئی تھی۔

"جانتا ہوں۔" ساشا کی آواز پر نائل کے بڑھتے قدم رکے تھے۔

"تمہیں پتا تو ہے کہ وہ سر پھری ہے۔"

"نہیں غلطی میری ہے۔ مجھے حازم کو باہر لے کر نہیں جانا چاہیئے تھا۔" وہ بظاہر مسکرایا تھا مگر اندر ہی اندر اسے دکھ ضرور ہوا تھا۔

"اولاد کا رشتہ ایسا ہی ہوتا ہے۔ تمہیں بھی تو وانیہ عزیز ہے نا....؟"

"ساشاوہ میری بہن ہیں، مجھے ان کی کہی بات بری نہیں لگی۔ مجھے بس اب تشویش ہونے لگی ہے۔" پریشانی اس کے چہرے سے صاف عیاں تھی۔

"کیسی تشویش؟"

"وانیہ کی شادی کروانا چاہتا ہوں میں۔ ان کی ابھی عمر ہی کیا ہے؟ میں انہیں خوش دیکھنا چاہتا ہوں لیکن ان کا حازم کے لیے اتنا پیار.... یہ بہت مشکل ہے۔ میں نے سوچا تھا کہ میں وانیہ کی شادی کر دوں گا اور حازم کو میں اڈاپٹ کر لوں گا۔ کسی کو بھی پتا نہیں چلے گا کہ وہ وانیہ کی اولاد ہے۔ میں ان پر انگلیاں اٹھتے نہیں دیکھنا چاہتا۔ لیکن اب مجھے لگ رہا ہے کہ یہ سب اتنا آسان نہیں ہے۔" اس نے افسوس سے سرد آہ بھری تھی۔ ساشا تو بس اسے دیکھتی ہی رہ گئی تھی۔ نائل کا اپنی بہن کے لیے اتنا پیار اور اتنا خلوص دیکھ کر اس کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی تھی۔

"تم ابھی یہ سب مت سوچو۔ حازم بہت چھوٹا ہے۔ وہ وانیہ سے دور نہیں رہ سکتا اور وانیہ بھی ایسا نہیں ہونے دے گی۔"

"یہی تو مسئلہ ہے۔"

"نائل! میری مانو تو حازم کو وانیہ سے الگ مت کرنا۔ وہ اس کی ماں ہے اور اسے وہی پال سکتی ہے۔ سنیہا لاکھ اچھی سہی مگر وہ حازم کی ماں نہیں بن سکتی۔ اور جب تمہاری اولاد ہو گی تو پھر حازم کو وہ توجہ نہیں دے سکو گے۔" ساشا نے اسے سمجھانا چاہا تھا۔ وہ اسے آنے والے مسائل سے آگاہ کر رہی تھی۔

"ایسا تو تب ہو گا نا جب میری اولاد ہو گی۔ میں ایسا نہیں چاہتا۔" اپنی سنائے وہ آگے چل دیا تھا جبکہ ساشا بس اس کی پشت کو ہی دیکھتی رہ گئی تھی۔

ڈھلتے سورج کی روشنی تاریکی کے ہونے کا اعلان کر رہی تھی۔ شام کے وقت سورج ابھی مکمل طور پر نہیں ڈوبا تھا مگر چاند نے اپنی جھلک دکھانا شروع کر دی تھی۔ گاڑی کے شیشے کے پار نظریں جمائے وہ دونوں ہی سپاٹ چہرے کے ساتھ بیٹھے تھے۔ نا تو سنیہا میں خود سے بات کرنے کی ہمت تھی اور نا نائل میں ڈرائیونگ کرنے کی سکت....

وہ دونوں ابھی ڈاکٹر کے پاس سے ہو کر آ رہے تھے، اور جو خبر انہیں ملی تھی، اس کی وجہ سے دونوں کی ہی سٹی گم ہو گئی تھی۔

بالآخر نائل نے ہمت کرتے گاڑی سٹارٹ کر دی تھی مگر چہرے پر اب سنجیدگی چھائی تھی۔ سنیہا نے ڈرتے ڈرتے ایک چور نگاہ اس پر ڈالی تھی، اسے اب نائل کے چہرے پر غصے کے آثار دکھے تھے۔ اس کے جبڑے بھینچے ہوئے تھے اور ماتھے پر ابھری شکنیں مزید گہری ہو گئی تھیں۔ سنیہا کی آنکھ سے آنسو ٹوٹ کر گرا تھا۔ وہ خوش نہیں تھا۔ حازم کے لیے اس کا اتنا لگاؤ دیکھ کر اسے لگا تھا کہ شاید اسے بچے بہت پسند ہیں مگر جب اسے اپنی اولاد کی خوشخبری ملی ہے تو اس کا موڈ بہت آف تھا۔

سارا راستہ خاموشی کی نظر ہوا تھا۔ سنیہا کے دماغ میں مختلف خدشات اٹھ رہے تھے۔

" کہیں یہ بچہ نا چاہتے ہوں، کہیں انہیں بیٹا تو نہیں چاہیئے؟ شاید اس لیے غصے میں ہیں کہ کہیں بیٹی نا ہو یا پھر...." اس کی سوچوں کا تسلسل یہاں آ کر ٹوٹا تھا۔ پانی کا ایک ریلہ آنکھوں سے باہر بہہ نکلا تھا۔ پاکستانی مردوں کے بارے میں جو کچھ اس نے سن رکھا تھا اس کے بعد اسے فکر ستانے لگی تھی۔

" کہیں یہ ابارشن....!" سنیہا کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ ہوئی تھی۔ وہ خود بھی اس وقت بچہ نہیں چاہتی تھی مگر اب جب اللہ تعالیٰ نے اسے اتنی بڑی نعمت سے نواز ہی دیا تھا تو پھر وہ کیوں ناشکری کرتی۔

فارم ہاؤس کے باہر نائل نے گاڑی روکی تھی۔سنیہا مرے مرے قدموں کے ساتھ باہر آئی تھی۔اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ گھر جا کر اس سے تفصیل سے بات کرے گی اور اسے سمجھائے گی مگر نائل نے وہیں سے گاڑی موڑ کر اسے شدید قسم کا جھٹکا دیا تھا۔

وہ بے یقینی سے گیٹ کے پاس کھڑی دور جاتی گاڑی کو دیکھتی رہی تھی۔نائل کو یا تو خوشی کا اظہار کرنا چاہیئے تھا یا پھر غصے کا.... مگر وہ خاموش رہا تھا۔اس کی یہ خاموشی سنیہا کو آنے والے طوفان کا پیش خیمہ لگی تھی۔

---

"بھائی مجھے معاف کر دیں۔میرا وہ مطلب نہیں تھا۔"نائل کے کندھے سے سر ٹکائے وہ پچھلے بیس منٹ سے اس سے معافی مانگ رہی تھی۔

"مجھے پتا ہے میرا جان! آپ اتنا مت سوچا کریں۔"معاف تو وہ تب کرتا جب وہ وانیہ سے ناراض ہوتا۔نائل نے تو ہمیشہ اس کی بڑی سے بڑی غلطی پر پردہ ڈالا تھا۔اگر وانیہ کے لیے حازم اہم تھا تو نائل کے لیے بھی وانیہ بہت اہم تھی۔

"میں آپ کو فون کرتی رہی مگر آپ نے اٹھایا ہی نہیں... میں بہت زیادہ ڈر گئی تھی۔"

"میرے فون کی بیٹری ڈیڈ ہو گئی تھی۔اور آپ پلیز یہ سب مت سوچیں۔"

"بھائی ایک چیز مانگوں آپ سے ؟"وانیہ نے بہت مان سے سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔

"میرا سب کچھ آپ کا ہی تو ہے۔"نائل نے محبت سے اس کے سر پر بوسہ دیا تھا۔

"مجھے حازم کے لیے کچھ چاہیئے۔"

"مجھے بتائیں میں لے آؤں گا۔"

"حازم کو ساتھ کھیلنے کے لیے کوئی چاہیئے۔"

"وانیہ حازم کا کمرہ تو ہم پہلے ہی ڈیکور کر چکے ہیں اور وہاں تقریباً ہر قسم کا کھلونا ہے۔ تھوڑا سا بڑا ہو جائے گا تو اسے وہاں شفٹ کر دیں گے۔ اگر پھر بھی آپ کو کوئی خاص چیز چاہیئے تو بتا دیں۔"

"بھائی حازم کو کھیلنے کے لیے کھلونا نہیں بلکہ بہن بھائی چاہیئے۔ آپ بھابھی کو لے آئیں نا...." نائل چند لمحوں کے لیے بالکل ساکت ہو گیا تھا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وانیہ ایسا کچھ کہے گی۔

"آپ کا بھابھی کے ساتھ جو بھی مسئلہ ہے، اسے حل کریں اور انہیں یہاں لے کر آئیں۔"

"ہمارے درمیان ایسا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔"

"یہ ممکن نہیں ہے۔ آخر کون سی عورت اتنے عرصے کے لیے اپنا گھر چھوڑ کر میکے جا بیٹھتی ہے؟" نائل نے نظریں چرائی تھیں۔

"یا انہیں میرے یہاں رہنے پر اعتراض...."

"ایسا کچھ نہیں ہے وانیہ، یہ گھر جتنا میرا ہے اتنا آپ کا بھی ہے۔" نائل نے فوراً اس کی بات کاٹی تھی۔

"تو پھر آپ جائیں اور انہیں منا کر لے آئیں۔ مجھے یقین ہے کہ جھگڑا آپ نے ہی کیا ہو گا؟" وہ منہ چڑا کر بولی تھی۔

"آپ کو ایسا لگتا ہے؟" نائل نے اسے مصنوعی گھوری سے نوازا تھا۔

"وہ تو اتنا اچھا بولتی ہیں۔ ان کے لہجے میں اتنا ٹھہراؤ اور مٹھاس ہے، یقیناً آپ نے ہی کچھ کیا ہو گا۔"

"یعنی بھابھی پر اعتبار ہے اور بھائی پر نہیں...؟" وہ سچ میں خفا ہوا تھا۔

"بھائی پر بھی اعتبار ہے لیکن بھائی کے غصے کا بھی پتا ہے مجھے۔ آپ بس انہیں گھر لے آئیں۔ اتنا عرصہ ہو گیا ہے۔ بھائی! بھابھی گھر آ جائے گی اور آپ دونوں کے بھی چھوٹے چھوٹے بچے ہوں گے، کتنا مزا آئے گا نا؟" وہ سوچ کر ہی پر جوش ہوئی تھی۔

"اور جو آپ دونوں مل کر میرا قیمہ بنائیں گی، اس کا کیا؟"

"ہم ایسا کیوں کریں گے؟" آنکھیں چھوٹی کیے وانیہ نے سوال کیا تھا۔

"یہ سوال اس دن پوچھیں گا جب میں اسے یہاں لے آؤں گا۔"

"بھائی مجھے سمجھ نہیں آئی۔"

"آپ نے کہہ دیا ہے تو اب تو لانا ہی پڑے گا۔ جو ہو گا دیکھا جائے گا۔" اس کے سر پر ایک بار پھر بوسہ دیے وہ بستر سے اٹھا تھا جبکہ نائل کی باتیں وانیہ کے سر پر سے گزری تھیں۔

---

کمرے میں آتے ساتھ ہی نائل نے سنجیدگی کے ساتھ جوتے اتارے تھے۔ سنیہا ایک طرف مجرموں کی طرح نظریں جھکائے کھڑی تھی۔

"نائل میں....!" اس نے ابھی زبان کھولی ہی تھی کہ وہ پھرتی سے الماری سے کپڑے نکالے چینج کرنے چلا گیا تھا۔

وہ منہ پر ہاتھ رکھے پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔ جب نائل شاور لے کر باہر آیا تھا تو وہ بستر پر بیٹھی تھی۔

"سنیہا....!" اس کی پکار پر سنیہا نے فوراً اپنے آنسو پونچھے تھے۔

"جی....!" وہ دھڑکتے دل کے ساتھ بستر سے اٹھی تھی۔

"میں تمہیں ایک بات بالکل واضح کرنا چاہتا ہوں اور اس بات کو اچھے سے اپنے دماغ میں بٹھا لینا۔" وہ قدم قدم چلتا اس کے قریب آیا تھا۔ اس کے لہجے کی سختی سنیہا کو پزل کرنے کے لیے کافی تھی۔

"یہ بچہ میرا نہیں ہے۔" وہ سانس نہیں لے سکی تھی۔ اسے اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہوا تھا۔ قدموں سے جیسے جان نکلی تھی۔ اس نے ڈبڈبائی نظروں سے بے یقینی سے نائل کو دیکھا تھا۔ نائل کا چہرہ دھندلا گیا تھا۔

"یہ بچہ صرف تمہارا ہے۔" وہ سنجیدہ تھا، بے حد سنجیدہ....

"اس بچے کی پیدائش تک تم مجھ سے دور رہو گی اور بھول جاؤ کہ تمہارا کوئی شوہر بھی ہے۔اس پر اگر ذرا برابر بھی میرا اثر ہوا ناتو جان لے لوں گا میں تمہاری...."وہ بیچاری اب بھی بے یقینی سے اسے دیکھ رہی تھی۔اس شخص کی باتیں اسے اتنی آسانی سے سمجھ نہیں آتی تھیں۔

"اس کا نام تم رکھو گی،اسے پہلے گود میں بھی تم اٹھاؤ گی،اسے گھٹی بھی تم ہی دو گی اور اس کے کان میں آذان بھی خود ہی دینا۔"وہ اب بھی ازلی سنجیدگی سے گویا ہوا تھا۔

سنیہا کچھ دیر آنکھیں پھاڑے اسے دیکھتی رہی تھی پھر اچانک ہی وہ نم آنکھوں سے ہنس دی تھی۔اب جا کر اسے نائل کی پریشانی کی وجہ سمجھ آئی تھی۔

وہ اس کے چہرے پر آئے قوس قزاح کے رنگوں میں جیسے کھو گیا تھا۔

"نائل آپ نے مجھے ڈرا دیا تھا۔"وہ جذبات میں آکر اس کے گلے سے لگی تھی۔سنیہا کے سر سے جیسے بوجھ اترا تھا۔نائل کی باتوں نے اس کے تمام تر خدشات کو رد کر دیا تھا۔

"دور ہٹو بیوقوف!"نائل نے ایک جھٹکے سے اسے خود سے دور کیا تھا۔

"ابھی سمجھایا ہے کہ دور رہو۔تمہیں سمجھ نہیں آئی؟"وہ بھڑک اٹھا تھا۔

"ساری رات نہیں سونے دیتا وہ مجھے،اس کے رونے کی آوازیں میرے کانوں میں گونجتی ہیں،اوپر سے ہنستا ہے وہ مجھ پر اور پھر گھورتا بھی ہے۔میں مزید ایسا پیس افورڈ نہیں کر سکتا۔"نائل نے جس قدر سنجیدگی سے کہا تھا،سنیہا کا قہقہہ اتنا ہی چھت پھاڑ تھا۔وہ نائل کی حالت سے بہت محظوظ ہوئی تھی۔

"یعنی آپ مان رہے ہیں کہ حازم پر آپ کا اثر ہے؟"وہ لب دبائے گویا ہوئی تھی۔

"ہر گز نہیں!میں تو اتنا سیدھا سادھا سا انسان ہوں۔"وہ فوراً مکر گیا تھا۔

"ٹھیک ہے تو پھر ہمارے بچے کو گھٹی آپ دیں گے اور اسے سب سے پہلے گود میں بھی آپ اٹھائیے گے۔"سنیہا کو اب اسے تنگ کرنے کا موقع مل گیا تھا۔

"میرا کوئی تعلق ہی نہیں ہے اس سے۔"وہ شدید چڑ کر بولا تھا۔

"اپنی اولاد کے بارے میں ایسے نہیں کہتے۔"

"یار میں شدید شاک میں ہوں۔میں نے ایسا کچھ نہیں سوچا تھا۔"وہ واقعی شاک میں تھا۔

"آپ کو بیٹے کی خواہش ہے یا بیٹی کی؟"ایک اور خدشہ وہ زبان پر لے آئی تھی۔

"ہر نماز میں دعا کرنا کہ بیٹی ہو۔بیٹا میں افورڈ نہیں کر سکتا۔"اس بار وہ گردن پیچھے کی طرف پھینکے ہنستی ہی چلی گئی تھی۔وہ چند دنوں میں ہی حازم سے اتنا تنگ آ چکا تھا کہ اب وہ اپنی اولاد سے خائف تھا۔

"تم نے کچھ کھایا؟"نائل کو اچانک ہی یاد آیا تھا۔سنیہا نے سرخ پڑتے چہرے کے ساتھ نفی میں سر ہلایا تھا۔

"تم پاگل ہو۔تم نے کیوں کچھ نہیں کھایا؟"اس پر غصیلی نگاہ ڈال کر وہ کمرے سے باہر گیا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ ہاتھ میں ڈش لے کر آیا تھا۔ڈش میں کچھ سینڈوچز اور جوس کا گلاس تھا۔

"یہ لو کھالو۔"سنیہا کو بستر پر بٹھاتے نائل نے ڈش اس کے سامنے رکھی تھی۔

"رکو....!"اس سے پہلے کہ وہ لبوں سے گلاس لگاتی،نائل چلایا تھا۔

"یہ میں لے کر آیا ہوں،کہیں اثر تو نہیں ہوگا؟"سنیہا کا قہقہہ ایک بار پھر چھوٹا تھا۔

"نائل یہ سب توہمات ہیں،ایسا کچھ نہیں ہوتا۔بچے کی عادات اپنے والدین یا قریبی رشتے داروں سے جینز کی وجہ سے ملتی ہیں۔"

"جو بھی ہے۔مجھے لگتا ہے میں عنقریب پاگل ہو جاؤں گا۔"وہ سر پکڑے بستر پر ڈھے گیا تھا۔

حازم نے ہی اسے ناکوں چنے چبوا دیے تھے،اب اس کی اولاد نجانے کیا طوفان برپا کرنے والی تھی۔

یہ منظر ملیشیا کے شہر کوالالمپور کا تھا۔ سارا شہر تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ کوالالمپور کی سکائی لائن پیٹرن سے لے کر باتوسی لائن تک ہر چیز ہی اپنی خوبصورتی کی مثال آپ تھی۔ رات کی گرم ہوائیں پیٹرونس تاج محل کے چاروں اطراف پھیلی ہوئی تھی۔ باتوسی چیناٹاؤن کے ایک سٹائلش اور دلکش گھر میں وہ دنوں اضطراب کی حالت میں سر جوڑے بیٹھے تھے۔

"ہر چیز تباہ ہوتی جا رہی ہے۔ میرا منصب، میری طاقت، سب کچھ...." سرخی مائل آنکھوں سے حاتم چلایا تھا۔

"مجھے سمجھ نہیں آ رہی، آخر یہ سب ہو کیا رہا ہے؟" ان چند مہینوں میں بہت کچھ تبدیل ہو چکا تھا۔ اس کی ساکھ اور طاقت کو ختم کیا جا رہا تھا۔ آئے روز ان کے خفیہ مقامات پر آرمی اور پولیس کے چھاپے پڑ رہے تھے۔ ان کے اہم لوگ، بھاری رقم اور منشیات پکڑی جا چکی تھیں۔ بیرون ملک سمگلنگ کے سارے کاروبار تقریباً ٹھپ ہو چکے تھے۔ اب وہ بچتے بچاتے یہاں آ چھپے تھے۔

"نائل آفندی! اگر وقت پر اسے ختم کر دیتے تو شاید یہ سب نہ ہوتا۔" بدر نے سختی سے مٹھیاں بھینچی تھیں۔

"آخر اسے کون یہ سب بتا رہا ہے؟"

"یقیناً اس غدار ماریہ کے کام ہیں یہ، مرنے سے پہلے اس نے ضرور نائل کو کچھ بتایا ہوگا۔"

"بابا بس ایک بار حالات بہتر ہو جائیں، اس کے بعد میں نائل کو چھوڑوں گا نہیں...!" ابھی بات چیت جاری ہی تھی کہ گھنٹی کی آواز نے دونوں کو اپنی جانب متوجہ کیا تھا۔

حاتم اٹھ کر دروازے کی جانب بڑھا تھا۔ دروازہ کھولتے ساتھ ہی اس کے پیروں تلے زمین کھسکی تھی۔ ایک شخص گرتے پڑتے اندر داخل ہوا تھا۔ چہرہ سوجا ہوا جبکہ بدن لہولہان تھا۔

"ڈیڈ....!" ہارون کو اپنے سامنے دیکھ حاتم بالکل بوکھلا گیا تھا۔

"ڈیڈ...!"ہارون اوندھے منہ فرش پر گرا تھا۔

"حاتم میرے بیٹے، مجھے بچالو۔نائل مجھے ماردے گا۔"یہ آخری الفاظ تھے، جو اس کے منہ سے ادا ہوئے تھے۔اس کے بعد وہ بیہوش ہو گیا تھا۔

"ڈیڈ...!"حاتم نے چلاتے ہوئے اس کے لہولہان جسم کو دیکھا تھا۔سوالوں کا ایک سمندر اس کے ذہن کے پردے پر اجاگر ہوا تھا مگر اس وقت سب سے اہم اور بے یقین سوال یہ تھا کہ "کیا واقعی اس کا باپ زندہ تھا؟"

"بابا پلیز ڈاکٹر کو بلائیں۔یہ میرے ڈیڈ ہیں۔"بدر جو نہایت دلچسبی سے سارا منظر دیکھ رہا تھا، حاتم کے کہنے پر جیسے ہوش میں آیا تھا۔

"ہاں! میں بلاتا ہوں۔"کچھ ہی دیر میں ڈاکٹر کی آمد ہوئی تھی۔حاتم ہارون کو اپنے کمرے میں لے گیا تھا۔وہاں جاکر اس کا علاج کیا گیا تھا۔

اگلے تین گھنٹے حاتم پر قیامت گزرے تھے۔وہ اپنے باپ کے آنے پر خوش بھی تھا اور اسے اس حالت میں دیکھ کر دکھی بھی...

ٹھیک ٹین گھنٹے بعد ہارون کو ہوش آیا تھا۔اسے مختلف چوٹیں اور دو گولیاں لگی تھیں۔ایک اس کے بازو پر تو دوسری اس کی ٹانگ پر....

"ڈیڈ آپ ٹھیک تو ہیں؟"حاتم اس کے پاس بستر پر بیٹھا تھا جبکہ بدر ایک کونے میں ہاتھ پر ہاتھ باندھے بے نیازی سے کھڑا تھا۔

"اتنے سالوں بعد اپنے بیٹے کو دیکھ لیا ہے تو ٹھیک کیسے نہ ہوں؟"اس کے لہجے کی مٹھاس محسوس کرتے حاتم تڑپ اٹھا تھا۔آخر اپنے باپ سے اسے کب اتنی محبت ملی تھی؟

"ڈیڈ یہ سب کیسے....؟"

"یہ سب نائل نے کیا۔اس نے مجھے اتنے سال قید رکھا۔ مجھ پر بہت مظالم ڈھائے۔ وہ مجھ سے پتا نہیں کس چیز کا بدلہ لے رہا تھا۔ میں بہت مشکل سے جان بچا کر بھاگا ہوں۔" حاتم کی آنکھوں میں قہر نازل ہوا تھا۔اس کے ہاتھوں کی نسیں پھولتی جا رہی تھیں۔

"میں اس کی جان لے لوں گا۔" وہ غصے سے بستر سے اٹھا تھا۔

"وہ بہت خطرناک ہے بیٹا!" ہارون کے لہجے میں خوف تھا۔

"مجھ سے زیادہ نہیں....!" سرخ آنکھوں کے ساتھ وہ دھاڑا تھا۔

"نائل کی قبر میں اپنے ہاتھوں سے کھودوں گا۔ تمہیں اب مجھ سے کوئی نہیں بچا سکتا نائل!" وہ جذباتی تھا۔جذبات اور غصے میں آکر غلط فیصلے کرنے والا....

"ایسے نہیں، ہم پوری پلیننگ کے ساتھ اسے ختم کریں گے۔" بدر نے پہلی بار گفتگو میں اپنا حصہ ڈالا تھا۔

"ابھی اپنے ڈیڈ کو آرام کرنے دو۔ پھر بات کر لینا۔" بدر نے آہستگی سے اس کا کندھا تھپتھپایا تھا۔حاتم کچھ حد تک ریلیکس ہوا تھا۔

"ڈیڈ یہ بابا ہیں۔انہوں نے ہی اتنے سالوں تک میرا خیال رکھا ہے۔" حاتم نے تعارف کروایا تھا۔

"آپ سے مل کر خوشی ہوئی۔" ہارون مدھم سا مسکرایا تھا۔

"مجھے بھی...!" دونوں کی نظریں ملی تھیں۔ایک ساتھ ہی دونوں کی آنکھوں میں چمک ابھری تھی۔

"بابا آپ پلیز ڈیڈ کو کچھ مت بتائیں گا۔ میں کیا ہوں اور ہم کیا کرتے ہیں۔ میں ان کی نظروں میں اپنی اہمیت نہیں کھونا چاہتا۔" کمرے سے باہر آکر اس نے گو بدر کی منت کی تھی۔

"تم بالکل فکر مت کرو بیٹا! میں انہیں کچھ نہیں بتاؤں گا۔" بدر نے مسکرا کر اسے دلاسہ دیا تھا۔

"میں بہت خوش ہوں بابا! اتنے سالوں بعد مجھے میرا کوئی اپنا ملا ہے۔ مجھے ایسا لگ رہا ہے جیسے میں سب کچھ جیت گیا۔" حاتم کی آنکھ سے آنسو بہا تھا۔

"کمزور مت پڑو ڈیوڈ! تم کوئی عام انسان نہیں ہو، تم بلیک مونسٹر ہو۔ جاؤ جا کر تیار ہو جاؤ۔ یہ ڈیل ہاتھ سے جانی نہیں چاہیئے۔" بدر نے اسے تنبیہہ کی تھی۔ حاتم کو فلحال ایک بہت اہم منشیات کی ڈیل کے سلسلے میں جانا تھا۔ اگر یہ ڈیل انہیں مل جاتی تو انہیں بہت فائدہ پہنچنا تھا۔

"مگر ڈیڈ...."

"اس کی فکر تم مت کرو، میں ہوں تمہارے ڈیڈ کے پاس..." بدر کے دلاسے پر وہ مطمئن ہو گیا تھا۔

---

"سو جا میرے باپ، سو جا...." نائل مسلسل حازم کو سلانے کی کوشش کر رہا تھا مگر وہ سو ہی نہیں رہا تھا۔ ہر گزرتے دن کے ساتھ وہ مزید شرارتی ہوتا جا رہا تھا۔ ابھی بھی وانیہ کسی کام سے باہر گئی تھی اور حازم کو نائل کے پاس چھوڑ گئی تھی۔ بظاہر تو نائل نے خوشدلی سے حازم کا خیال رکھنے کی حامی بھری تھی مگر اب وہ شدید بیزار ہو رہا تھا۔ نائل بہت زیادہ تھکا ہوا تھا اور وہ سونا چاہتا تھا۔ یہ اسی صورت ممکن ہوتا جب حازم بھی سو جاتا مگر حازم صاحب تو کھیلنا چاہتے تھے۔

"میں تیرے آگے ہاتھ جوڑتا ہوں، سو جا۔" نائل نے باقاعدہ ہاتھ جوڑے تھے۔

"دو دن سے نہیں سویا میں.... پتا ہے کتنے لوگوں کو اکیلے مارا ہے میں نے....؟ اور تم نے کیا کیا ہے، بس مفت کی روٹیاں توڑتے رہتے ہو۔ یہ زیادہ عرصے تک نہیں چلے گا۔ یہاں رہنا ہے تو کام کرنا پڑے گا۔" اس کی بات پر حازم کلکاریاں مار کر ہنس دیا تھا۔ اسے نائل کے چہرے کے تاثرات بہت اچھے لگتے تھے۔

"میں سیریس ہوں۔" نائل نے اسے آنکھیں دکھائی تھیں جواباً حازم نے پوری قوت سے اپنی دائیاں ٹانگ نائل کے منہ پر دے ماری تھی۔ اب وہ ایک بار پھر ہنس رہا تھا۔ نائل کا تو صحیح دماغ گھوما تھا۔

"اب بیٹا بچ جاؤ مجھ سے....!" اسے وارننگ دیتا وہ بستر سے اٹھا تھا۔

تھوڑی دیر میں حازم کے ہاتھ اور پیر دونوں بندھ چکے تھے۔ وہ مسلسل خود کو آزاد کروانے کی کوشش کر رہا تھا مگر سب بیکار...

"اب مارو....!" نائل نے اسے چڑایا تھا۔ اب اپنے بائیں ہاتھ کی ایک انگلی پر نائل نے حازم کو اوپر اٹھایا تھا۔ اگر اس وقت وانیہ یا سنیہا یہاں پر موجود ہوتیں تو یقیناً بیہوش ہو چکی ہوتیں۔

"گراؤں نیچے....؟" نائل کے پوچھنے پر وہ ایک بار پھر کھلکھلایا تھا۔

"تمہاری ایسی کی تیسی....!" اسے بستر پر واپس لٹاتے نائل نے اس کے ہاتھ پیر کھول دیے تھے۔ اگر وہ اسے ڈرانا چاہتا تھا تو حازم نے اس کا آئیڈیا بری طرح فیل کر دیا تھا۔

"مجھے بتاؤ آخر کیا چیز ہو تم؟" اس کے دونوں ہاتھوں کو اپنی گرفت میں لیے نائل غرایا تھا جوابا وہ پھر ہنسا تھا۔

"ڈر نہیں لگتا تمہیں مجھ سے؟" حازم نے ایک بار پھر اپنا ننھا پیر اس کے منہ پر مارا تھا۔ یہ نائل کے سوال کا منہ توڑ جواب تھا۔

"آج تیری خیر نہیں....!" نائل کا دماغ اب بالکل الٹ چکا تھا۔ اتنی بے عزتی تو آج تک اس کے سگے باپ نے اس کی نہیں کی تھی جتنی اس ایک انچ کی مصیبت نے کر دی تھی۔

"یہ پنکھا دکھ رہا ہے، اسی کے ساتھ الٹا لٹکا دوں گا۔" نائل نے نہایت سخت تاثرات سے اسے گھورا تھا۔

"چلو آخری موقع دیتا ہوں۔ معافی مانگ لو، چھوڑ دوں گا۔" ایک ہاتھ سے اس کے دونوں ہاتھ پکڑے نائل نے اب دوسرے ہاتھ سے اس کی ٹانگوں کو قابو کیا تھا۔

حازم مسلسل اس کی گرفت سے خود کو آزاد کروانے کی کوشش کر رہا تھا جو کہ ناممکن تھا۔

"معافی نہیں مانگو گے؟" نائل نے گرفت تھوڑی مزید سخت کی تھی۔ چھوٹی سنہری آنکھیں اب ڈبڈبانے لگی تھی۔

"نہیں میرے باپ نہیں! میں تو مذاق کر رہا تھا۔ رونا نہیں ہے۔" نائل نے ڈرتے ہوئے فوراً اسے آزادی بخشی تھی۔

حازم پھولے گالوں سمیت منہ پھیر گیا تھا۔ یہ ناراضگی کا اعلان تھا۔

"میری ننھی مصیبت ناراض ہو گئی؟" نائل نے بستر پر لیٹتے ہوئے حازم کو اپنے اوپر لٹایا تھا۔

"ایک تو غلطی بھی خود کی اوپر سے ناراض بھی خود ہی ہو گئے۔ بالکل اپنی مما پر گئے ہو۔" اب نائل اس کی پیٹ تھپتھپاتا مسلسل اس سے باتیں کر رہا تھا۔

"چلو جاؤ کیا یاد کرو گے، معاف کیا۔ حازم نائل آفندی کو سب معاف ہے۔" نائل نے اسے اٹھا کر پیار کیا تھا۔ جواباً وہ پھر کھلکھلا اٹھا تھا۔ بس اتنی سی تھی حازم کی ناراضگی.... اسے تو بس نائل کی توجہ چاہیئے تھی۔

"اچھا لگا نام....!" نائل نے اسے ایک بار پھر اپنے سینے پر لٹایا تھا۔

"سونا تو ہے نہیں تم نے، چلو پھر باتیں کرتے ہیں۔ اپنے بارے میں بتاتا ہوں تمہیں...."

"تم میرے بھانجے نہیں بلکہ بیٹے ہو۔ تو زیادہ ہوشیاری کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بیٹا چاہے جتنا بھی تیز ہو لیکن باپ تو باپ ہوتا ہے۔" اس کے سینے پر اوندھے منہ لیٹے وہ بہت انہماک سے اس کی ساری باتیں سن رہا تھا۔

"اپنی مما کو کبھی تنگ مت کرنا اور ہمیشہ ان کا خیال رکھنا۔ میں ہوں یا نا ہوں، ٹھیک ہے نا؟" حازم نے اس کے سینے پر زور سے اپنا ننھا ہاتھ مارا تھا۔ اسے یہ بات پسند نہیں آئی تھی۔

"جو لوگ زیادہ ہاتھ پیر چلاتے ہیں نا، میں ان کے ہاتھ پیر کاٹ دیتا ہوں۔" حازم کی مزاحمتیں اب رک گئی تھیں۔ شاید پہلی بار دھمکی کارآمد ثابت ہوئی تھی۔

"آپ کو پتا ہے مجھے نا تخلیقی دنیا بہت پسند ہے۔ میں فرضی کہانیاں اور کردار بنتا ہوں، پھر میں ان کہانیوں میں ایک فرضی کردار نبھاتا ہوں۔ یہ دوسرے لوگوں کو کہانی کا حقیقی ہونے کا یقین دلانے کے لیے ضروری ہے۔ میں خود کو بھی یقین دلاتا ہوں کہ یہی سچ ہے جبکہ مجھے پتا ہوتا ہے کہ یہ جھوٹ ہے۔ جال بننے کے لیے یہ بہت ضروری ہے۔ دشمن کو یقین دلانے کے لیے پہلے خود یقین کرنا ضروری ہے۔ تم سمجھ رہے ہو نا؟" نائل نے حازم کو ذرا سا ہلایا تھا۔ وہ اس کے سینے پر سر رکھے اب گہری نیند سو چکا تھا۔

"آئی۔ ایم۔ سوری حازم! میں جال پھینک چکا ہوں۔ اب بس ان لوگوں کا پاکستان آنے کا انتظار ہے۔ آپ کے بابا کے ساتھ جو بھی ہوگا، میں اس کے لیے معافی مانگتا ہوں۔" اس کے گرد تحفظ بھرا احصار قائم کرتے نائل نے آنکھیں بند کی تھیں۔

وہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ پرسکون نیند سو رہے تھے۔

---

"اٹھ جاؤ ہارون، چلا گیا تمہارا بیٹا!" بدر نے اس کے سرہانے کھڑے ہوتے کہا تھا۔ ہارون نے فوراً آنکھیں کھولی تھیں۔

"ماننا پڑے گا، بہت بڑے ڈرامے باز ہو تم!" بدر اور ہارون کی نظریں ملی تھیں۔ دونوں ایک ساتھ ہی ہنس دیے تھے۔

"اور میرا بیٹا بہت جذباتی اور صاف دل کا....!" ہارون نے افسوس سے سر جھٹکا تھا۔

"تمہاری اتنے سالوں کی محنت کے بعد بھی اس کا دل دھڑکتا ہے۔" ہارون نے بستر پر بیٹھتے بدر پر طنز کیا تھا۔

"ہم اس کے اس نرم دل کو اس ہی کے خلاف استعمال کریں گے۔" بدر کے ہونٹوں پر تیکھی مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔

"نائل اور حاتم کو آمنے سامنے لانے کا وقت آ گیا ہے۔ میرا بیٹا اسے مار دے گا۔" ہارون کی آنکھوں میں غرور چھلکا تھا۔

"دعا کرو کہ تمہارے بیٹے کو تمہارے کرتوت کا پتا نا چل جائے۔" یہ دھمکی تھی۔

"مجھے یقین ہے کہ تم اپنی زبان نہیں کھولو گے بدر! اس میں تمہارا بھی نقصان ہے۔"

"ہمم! ویسے ماننا پڑے گا۔ تم سے بڑا پنچ انسان میں نے اپنی ساری زندگی میں نہیں دیکھا۔" ہارون کا قہقہ چھوٹا تھا۔

"ہاں ٹھیک کہہ رہے ہو۔ میں واقعی میں پنچ ہوں لیکن کیا کروں ایسا ہی ہوں میں.... سالوں پہلے جائز اولاد کی خواہش نے مجھے ایک عام عورت سے شادی کرنے پر مجبور کر دیا۔ دنیا والوں کے سامنے میں ایک عام انسان تھا مگر حقیقت...." وہ ایک بار ہنس دیا تھا۔

"مصطفی کو میں نے بزنس کے جال میں پھنسایا، اس سے دوستی کی اور پھر رشتہ داری.... یہ سب اس کی پراپرٹی حاصل کرنے کا ایک طریقہ تھا۔ مگر اس کا بیٹا، نائل.... وہ مجھے ہمیشہ سے کچھ عجیب لگتا تھا۔ میری نظر تو ہمیشہ بلیک مونسٹر کے منصب پر تھی مگر میری معذوری کی وجہ سے یہ ممکن نا ہو سکا۔ میں نے اپنی تمام تر امیدیں اپنے بیٹے سے وابستہ کر لیں مگر وہ اپنی ماں کی طرح کمزور اور نرم دل نکلا۔ میرا دل کھٹا ہو گیا مگر جب میں نے نائل کو دیکھا تو مجھے لگا کہ میرے خواب ضرور پورے ہوں گے۔ بیٹا نا سہی مگر داماد میرا ساتھ ضرور دے گا۔" ایک حملے میں ہارون کی ریڑھ کی ہڈی متاثر ہو گئی تھی۔ بظاہر وہ ٹھیک تھا مگر کبھی کبھی اچانک ہی اسے شدید درد اٹھتا تھا۔ بلیک مونسٹر کے منصب کے لیے جسمانی اور ذہنی طور پر تندرست ہونا بے حد ضروری تھا

اور ویسے بھی ہارون میں ایک لیڈر بننے کی خصوصیات نہیں تھیں۔ وہ ایک لالچی انسان تھا۔ بدر اچھے سے جانتا تھا کہ وہ سب کچھ ڈبو دے گا، اسی لیے اسے یہ منصب دینا بیوقوفی تھا۔

"مگر وہ بھی آئی۔ایس۔آئی کا پالتو نکلا۔ سارے بنے بنائے کھیل پر پانی پھر گیا۔" ہارون کے لہجے میں کڑواہٹ گھلی تھی۔

"لیکن اب میرا سگا بیٹا، میرا غرور میرا سہارا بنے گا۔ اتنے سال میرے بیٹے نے دنیا پر حکومت کی اور وہ آگے بھی کرے گا۔"

"بھولو مت کہ اسے بلیک مونسٹر میں نے بنایا ہے۔ تم تو چند ہیروں اور بیرون ملک شفٹ ہونے کے لالچ میں اپنے بیٹے کو میرے پاس پھینک گئے تھے کہ اس کے ساتھ جو مرضی کرو۔ میں نے تمہارے بیٹے کو یہاں تک پہنچایا ہے۔" بدر نے احساس جتانا ضروری سمجھا تھا۔ اور یہ سچ بھی تھا۔ ہارون نے حاتم کو بدر کو بیچ دیا تھا۔ اگر وہ چاہتا تو حاتم کو اپنے ساتھ لے کر جا سکتا تھا مگر اسے اپنی عیاشی زیادہ عزیز تھی۔

حاتم کو لگتا تھا کہ یہ لوگ اسے اغواء کرکے یہاں لائے ہیں مگر در حقیقت اس کے اپنے باپ نے اس کا سودا کیا تھا۔

"لیکن خون تو وہ میرا ہے نا، اور یقین بھی وہ مجھ ہی پر کرے گا۔" ہارون خباثت سے ہنسا تھا۔

"کوئی چالاکی مت کرنا ہارون! تمہارے بہت راز ہیں میرے پاس۔ اور یقیناً تم نہیں چاہو گے کہ میں وہ راز تمہارے بیٹے کے سامنے کھولوں۔" بدر نے اسی کے انداز میں اسے دھمکی دی تھی۔

"اب ایسے بھی کوئی راز نہیں ہیں میرے....!" ہارون نے جیسے ناک سے مکھی اڑاتے کہا تھا۔

"اچھاااا!" بدر چیلنجنگ انداز میں گویا ہوا تھا۔

"پھر تو مجھے ڈیوڈ کو بتا دینا چاہیئے کہ اس کی ماں کو آئی۔ ایس۔ آئی والوں نے نہیں بلکہ اس کے سگے باپ نے مارا تھا۔" اس بات پر ہارون نے بے چینی سے پہلو بدلہ تھا۔

"اور یہ کہ ماہم نے صوفی کو مارنے سے پہلے تم سے پوچھا تھا اور تم نے خود صوفی کو مارنے کی اجازت دی تھی کیونکہ وہ تمہارا مکروہ چہرہ دیکھ چکی تھی۔ اور یہ بھی کہ اس کی پیاری بیوی کی ماں کے ساتھ زیادتی بھی کسی اور نے نہیں بلکہ تم نے کی تھی۔"

"ٹھیک ہے، بس کر دو۔" ہارون کے چہرے پر خوف کے سایے لہرائے تھے۔ وہ ہر گز نہیں چاہتا تھا کہ حاتم کو یہ سب پتا چلے۔

"مزید یہ کہ نائل نے تمہیں اتنے سال قید میں نہیں رکھا۔ اس بیچارے کو تو خود لگتا ہے کہ تم مر گئے تھے۔ تمہارے چکر میں تمہارا وہ دوست پکڑا گیا اور اتنے سال اس نے نائل کی دی ہوئی اذیتیں جھیلیں، خیر بے گناہ تو وہ بھی نہیں تھا۔"

"اتنے سال حاتم سے دور رہنے کی بھاری قیمت ادا کرتا آیا ہوں میں تمہیں، اب جب سب ڈوبنے لگا تو تم منہ اٹھا کر یہاں آ گئے۔"

"میں سب ڈوبنے نہیں دوں گا۔ حاتم کی طاقت ایک بار پھر بحال ہو گی اور جہاں تک بات ہے نائل کی، وہ جانتا ہے کہ میں زندہ ہوں۔ وہ میری ڈیوائس بھی حاصل کر چکا ہے۔ یہ چوٹیں اور گولیاں بے شک فرضی ہیں مگر وہ میرے پیچھے ہے۔"

"کیا....؟" بدر غم و غصے سے چلا اٹھا تھا۔

"نائل تمہارے پیچھے ہے؟" بدر کی آنکھیں خوف کے مارے بس باہر ابلنے کو تھیں۔

"تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا۔ وہ تمہارے پیچھے یہاں تک پہنچ جائے گا۔"

"اب اتنا بھی اناڑی نہیں ہوں میں، بہت احتیاط سے یہاں تک آیا ہوں۔ وہ یہاں نہیں پہنچ سکتا۔" حاتم کے سامنے اتنے سالوں بعد وہ ایسے نہیں آسکتا تھا۔ اسے ایک پلین کی ضرورت تھی لہذا اس نے خود کو کرایے کے غنڈوں سے پٹوایا تھا اور گولیاں بھی مروائی تھیں۔ حاتم جیسے جذباتی انسان کو یقین دلانے کے لیے اتنا کافی تھا۔ ہارون کو یقین تھا کہ اس کی یہ حالت دیکھ وہ اس کی کہی ہر بات پر اندھا اعتبار کر لے گا اور ایسا ہی ہوا تھا۔

---

وانیہ اپنا کام ختم کر کے گاڑی میں جا بیٹھی تھی۔ سارے راستے اسے رہ رہ کر حازم کا خیال آ رہا تھا، اسے گھر سے باہر نکلے کافی وقت گزر چکا تھا۔

ٹریفک سگنل پر گاڑی رکتے وانیہ نے بے چینی سے باہر دیکھا تھا، اسے کسی صورت سکون میسر نا تھا۔

اپنے سامنے والی گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھی خاتون کو دیکھ کر وانیہ کی آنکھیں حیرت سے پھیلی تھیں۔

"بھابھی....!" وہ بے یقینی سے پکارا اٹھی تھی۔

سگنل کے ہرے ہونے پر گاڑیوں کی نقل و حمل ایک بار پھر شروع ہو چکی تھی۔

"اس گاڑی کے پیچھے چلو۔" وانیہ نے فوراً ڈرائیور کو حکم دیا تھا۔ اس کے حکم کی تعمیل کرتے ڈرائیور نے اپنی گاڑی اس سفید رنگ کی گاڑی کے پیچھے لگا دی تھی مگر بہت زیادہ رش ہونے کی وجہ سے وہ دور تک پیچھا نہیں کر سکا تھا۔

"شٹ....!" وانیہ کو شدید غصہ آیا تھا۔ اب غصے کے ساتھ ساتھ ذہن میں مختلف سوالات بھی اٹھ رہے تھے۔ نائل نے کہا تھا کہ سنیہا ملک سے باہر ہے اور سنیہا نے کہا تھا کہ وہ لاہور رہے۔ وانیہ کو اب دال میں کچھ کالا لگنے لگا تھا۔

اسی تشویش کی حالت میں وہ گھر پہنچی تھی۔ اب وہ تیز تیز قدم اٹھاتی نائل کے کمرے میں گئی تھی۔ سامنے کا منظر دیکھ کر بے اختیار وانیہ کا قہقہ چھوٹا تھا۔ حازم بستر پر لیٹا ہوا تھا اور نائل اس کے اوپر جھکا ہوا تھا۔ نائل کے

بال حازم کے دونوں ہاتھوں میں تھے۔نائل اسے مسلسل دھمکیاں دے رہا تھا جبکہ حازم اس کی ہر دھمکی پر دل کھول کر ہنستا تھا۔نائل کی حیثیت اس کی نظر میں ایک مسخرے سے زیادہ نہیں تھی۔

دونوں ماموں، بھانجا اپنی نیند پوری کرنے کے بعد اب کھیل میں مصروف تھے۔

"حازم بری بات....!"وانیہ نے فوراً نائل کے بال اس کی ننھی مٹھیوں سے آزاد کروائے تھے۔

"بہت شرارتی اور بدتمیز ہو گئے ہیں آپ...!"وانیہ نے اسے گود میں اٹھاتے گھوری سے نوازا تھا۔وہ منہ بسور کر اس کے کندھے سے جا لگا تھا۔

"بہت تنگ کیا اس نے آپ کو....؟"وانیہ نے شرمندگی سے پوچھا تھا۔

"بالکل بھی نہیں میرا بچہ، ہم دونوں تو ساتھ میں بہت خوش ہیں۔آپ تھک گئی ہو گی، جائیں پہلے کھانا کھا لیں۔میں اسے سنبھال لوں گا۔"

"نہیں بھائی! یہ تنگ کرے گا آپ کو...."

"نہیں کرے گا، آپ کھانا کھا لیجیں جا کر ورنہ یہ تو آپ کو کچھ کھانے نہیں دیتا۔"

"چلیں پھر میں پانچ منٹ میں آئی۔"حازم کو نائل کو پکڑا کر وہ کمرے سے باہر گئی تھی۔اس کے جانے کے بعد نائل نے حازم کو واپس بستر پر لٹایا تھا۔

"تو کہاں تھے ہم....؟ ہاں!"اس پر جھکتے نائل نے اس کے دونوں ہاتھوں میں ایک بار پھر اپنے بال پکڑائے تھے۔ایک بار پھر دھمکیوں کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا اور حازم کی کلکاریاں بھی عروج پر تھیں۔

---

رات کے وقت نائل اور وانیہ ڈائننگ میز پر بیٹھے ڈنر کر رہے تھے جب نائل نے اسے مخاطب کیا تھا۔

"ویسے کہاں گئی تھیں آپ؟"

"یونیورسٹی میں، ایڈمیشن کے سلسلے میں..."

"وانیہ حازم ابھی چھوٹا ہے۔"

"بھائی میں اپنے ایڈمیشن کی بات کر رہی ہوں۔"

"مجھے پتا ہے میری جان! میں بس یہ کہہ رہا ہوں کہ حازم کو ابھی آپ کی ضرورت ہے۔" وہ ایسی بے تکی باتیں سنیہا کے سامنے تو کر سکتا تھا مگر وانیہ کے سامنے......اونہوں! اس کا آئیڈیل بھائی تھا۔

"بھائی میں گھر بیٹھ کر ہی پڑھوں گی۔"

"اچھا پھر ٹھیک ہے مگر آپ کو پڑھائی کا شوق کب سے ہو گیا؟"

"یہ کیا بات کر دی آپ نے بھائی، میں اب ایک بچے کی ماں ہوں اور ایک ماں کو پڑھا لکھا اور با شعور ہونا چاہیئے تب ہی وہ اپنے بچے کی اچھی تربیت کر سکتی ہے۔" وانیہ نے فل فلمی سٹائل میں ڈائیلاگ جھاڑا تھا۔ نائل نے تو با قاعدہ اسے رشک کی نگاہ سے دیکھا تھا۔

تقریباً بائیس سال کی عمر میں بھی وہ چودھاں جماعتیں تک پاس نا کر سکی تھی۔ اور آگے بھی اس کا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا کیونکہ وانیہ کے اندر سویا ہوا ایڈونچرز کا کیڑا ایک بار پھر جاگ چکا تھا۔ ابھی بھی اس نے ہیپناٹائیزنگ کی کلاسز لینا شروع کر دی تھیں۔ کورس کی کتابوں میں اسے کوئی دلچسبی نہیں تھی۔

وہ کہتے ہیں نا کہ انسان کی عادات تو بدل جاتی ہیں مگر فطرت....وہ کبھی نہیں بدلتی۔

اس نے تمام غلط کام تو چھوڑ دیے تھے مگر اپنے اندر سوئے ہوئے ایڈونچر کا وہ کچھ نہیں کر سکتی تھی۔

"ویسے آپ کو پتا ہے میں نے آج واپسی پر کسے دیکھا؟"

"کسے؟" نائل نے پانی کا گلاس لبوں سے لگاتے لاپروائی سے پوچھا تھا۔

"سنیہا بھابھی کو....!" نائل کو فوراً اچھو تا لگا تھا۔ اب وہ مسلسل کھانس رہا تھا۔

"بھائی آپ ٹھیک تو ہیں؟" وانیہ نے مصنوعی فکر مندی سے پوچھا تھا۔ حقیقتاً تو وہ بہت گہرائی سے اس کے تاثرات کا مشاہدہ کر رہی تھی۔

"ہاں میں ٹھیک ہوں۔" گلے پر ہاتھ رکھے اب وہ کافی حد تک سنبھل چکا تھا۔

"آپ کو یقیناً کوئی غلط فہمی ہوئی ہو گی۔ سنیہا یہاں پر کیسے ہو سکتی ہے؟" نارمل انداز میں مسکراتے نائل نے اس کی بات مذاق میں اڑائی تھی۔

"وہی تو میں بھی کہہ رہی ہوں، ایسا ممکن تھوڑی ہے۔" وانیہ نے اپنا ہی تمسخر اڑایا تھا۔ نائل کافی حد تک ریلیکس ہو گیا تھا۔

"اگر آپ نائل آفندی ہیں تو میں بھی وانیہ آفندی ہوں۔ پتا تو میں لگا کر رہوں گی کہ آخر آپ دونوں مل کر کیا کھچڑی پکا رہے ہیں۔" وانیہ نے فورک کی مدد سے کھیرے کا ایک ٹکڑا منہ میں ڈالتے عہد کیا تھا۔

---

ہر گزرتے دن کے ساتھ نائل اور حازم قریب سے قریب ہوتے جا رہے تھے۔ حازم اتنا وانیہ کے قریب نہیں تھا جتنا وہ نائل سے تھا۔ وہ نائل کا لمس پہچانتا تھا اور اس کے چہرے کے عجیب و غریب تاثرات تو حازم کے پسندیدہ تھے۔

"نائل چھوڑ بھی دیں اس بیچارے کو....!" ابھی بھی وہ دونوں کھیل رہے تھے جب سنیہا نے ایک ترس بھری نگاہ حازم پر ڈالی تھی۔ نائل کے کھیل اس کی طرح انوکھے تھے۔ سنیہا کو رہ رہ کر اپنی اولاد پر ترس آ رہا تھا۔ نجانے نائل اس کے ساتھ کیا کرتا؟؟؟

"وہ انجوائے کر رہا ہے۔"

"مجھے تو ایسا نہیں لگتا۔"

"تم زیادہ دماغ نہیں چلاؤ، جاؤ جا کر ہمارے لیے رشین سلاد بنا کر لاؤ۔"

"ہمارے لیے؟؟"سنیہا کا دل دھک سے رہ گیا تھا۔

"حازم اور میں مل کر کھائیں گے۔"

"نائل آپ ہوش میں تو ہیں، وہ بیچارا کیسے کھائے گا؟"وہ تقریباً صدمے میں چلی گئی تھی۔

"منہ سے...!"نہایت عام لہجے میں نائل نے جیسے مسئلے کا حل بتایا تھا۔

"نائل ابھی وہ چھوٹا ہے۔ابھی تو اس کے دانت بھی نہیں نکلے۔"

"ہاں یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں! اس کے دانت کیوں نہیں ہیں؟ کہیں اسے کوئی بیماری تو نہیں؟"اب نائل کو تشویش ہونے لگی تھی۔

"ڈرنے کی کوئی بات نہیں ہے میرا بچہ! ہم ابھی ڈاکٹر کے پاس چلتے ہیں۔"حازم کو گود میں اٹھائے اب نائل نے گاڑی کی چابی اٹھائی تھی۔

سنیہا نے باقاعدہ اپنا سر پیٹا تھا۔

"نائل اتنے چھوٹے بچے کے دانت نہیں ہوتے۔"سنیہا کا شدت سے رونے کا دل چاہ رہا تھا۔نائل کی بیماری سے وہ بہت تنگ تھی۔

"کیوں نہیں ہوتے؟ کیا اس بچے کا دل نہیں کرتا ہو گا کہ وہ کچھ کھائے؟"

"آپ فکر مت کریں، چند مہینوں میں آجائیں گے۔"سنیہا نے جیسے سر سے بلا ٹالی تھی۔

"ہمارے بے بی کے بھی دانت نہیں ہوں گے؟"اسے اب ایک نئے خدشے نے آگھیرا تھا۔

"بے بی کے دانت تو تب ہوں گے نا جب بے بی ہو گا۔اور بے بی تب ہو گا جب میں زندہ بچوں گی۔"وہ غصے میں کہتی کھڑکی کے پاس جا کھڑی ہوئی تھی۔آنکھیں ایک بار پھر برسنے لگی تھیں۔

نائل پچھلے کچھ دنوں سے اس کا رویہ نوٹ کر رہا تھا۔سنیہا عجیب چڑچڑی سی ہوتی جا رہی تھی۔

"تم ٹھیک ہو؟" حازم کو بستر پر لٹائے وہ چل کر اس تک گیا تھا۔

"پتا نہیں....!" وہ بھرائی آواز میں گویا ہوئی تھی۔

"سنیہا اگر کوئی پریشانی ہے تو مجھے بتا سکتی ہو۔" سنیہا نے نظریں اٹھائے اس کی جانب دیکھا تھا۔

"تم مجھ پر اعتبار کر سکتی ہو۔" نائل نے ایک مضبوط حصار اس کے گرد قائم کیا تھا۔

"نائل مجھے.... مجھے ابھی ماں نہیں بننا۔" وہ کہتے ساتھ ہی نظریں جھکا گئی تھی جبکہ نائل تو ایک لمحے کے لیے بالکل ششدر رہ گیا تھا۔

چند لمحے خاموشی کی نظر ہوئے تھے۔ وہ نظریں جھکائے خاموش کھڑی اس کے کسی رد عمل کا انتظار کر رہی تھی۔ عام طور پر اس بات پر تقریباً مرد بھڑک اٹھتے ہیں مگر وہ خاموش تھا۔

"کیوں....؟" اس کی ٹھوڑی کو انگلیوں کی مدد سے اوپر اٹھاتے نائل نے استفسار کیا تھا۔ اس کے لہجے میں کوئی سختی نہیں تھی۔

"وہ میں...." وہ کہتے کہتے رکی تھی۔ گلے میں جیسے پھندا لگا تھا۔ الفاظ ادا ہی نہیں ہو پا رہے تھے۔

"وہ بس میں ابھی تیار نہیں ہوں۔" خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے وہ بامشکل بول پائی تھی۔

"کل تک تو تم بہت خوش تھی، اب اچانک کیا ہو گیا؟" وہ اب بھی بہت تحمل مزاجی سے کام لے رہا تھا۔

"بس میں بچہ نہیں سنبھال سکتی۔ مجھ سے نہیں ہو گا۔"

"تم ابارشن کروانا چاہتی ہو؟" نائل سیدھا مدعے پر آیا تھا جواباً سنیہا نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

"تم قتل کرنا چاہتی ہو، وہ بھی اپنی اولاد کا؟" اب کی بار اس کے لہجے میں تھوڑی سی سختی در آئی تھی۔

"میں ابھی بچہ نہیں چاہتی۔ مم... میر افگر خراب ہو جائے گا اور پھر بچے کے چکر میں ساری زندگی ڈسٹرب ہو جائے گی۔" وہ بہت سوچ سوچ کر اور اٹک اٹک کر بول رہی تھی۔

"ٹھیک ہے تو پھر کروا لیتے ہیں ابارشن....!" نائل نے اس کے گرد سے اپنا حصار ہٹایا تھا۔اس کے حصار ہٹانے کی دیر تھی، سنیہا کے قدم بری طرح لڑکھڑائے تھے۔اس نے خود کو گرنے سے بچانے کے لیے دیوار کا سہارا لیا تھا۔

"ابھی چلتے ہیں ڈاکٹر کے پاس مگر پہلے میری ایک شرط ہے۔"

"ادھر میری آنکھوں میں دیکھ کر کہو کہ تم اس بچے کو مارنا چاہتی ہو۔" اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں بھرتے وہ اس کے قریب ہوا تھا۔

"کہو سنیہا...." زندگی میں پہلی بار وہ اسے خود سے نظریں ملانے کا کہہ رہا تھا اور زندگی میں پہلی بار وہ اس سے نظریں ملانے کی ہمت نہیں کر پا رہی تھی۔

"میں کیا کہہ رہا ہوں تمہیں؟" اب وہ جان بوجھ کر اسے مجبور کر رہا تھا۔وہ وہ بے بس ہوتی بلک بلک کر رو دی تھی۔

نائل نے اسے کچھ دیر رونے دیا تھا پھر اس کے آنسو پونچھتے نائل نے اسے صوفے پر بٹھایا تھا۔

"مجھے سچ سچ بتاؤ، کیا بات ہے؟"

"میں ناشکری نہیں ہوں اور نا ہی قاتل... مجھے یہ بچہ بہت عزیز ہے۔" آنکھوں اور آواز دونوں میں ہی نمی تھی۔

"پھر....؟"

"میں اس وقت بس ماں نہیں بننا چاہتی تھی۔آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ایسے میں بچہ ہو جائے گا تو میرا دھیان بٹ جائے گا اور میں آپ کا صحیح سے خیال نہیں رکھ سکوں گی۔" وہ سوں سوں کرتے اسے وجہ بتا رہی تھی جبکہ نائل کی تو معنوں سانس ہی رک گئی تھی۔سنیہا نے اسے بالکل لاجواب کر دیا تھا۔

"تم یہ سب میری وجہ سے...." الفاظ جیسے منہ میں ہی دب گئے تھے۔

"سنیہا میں بالکل ٹھیک ہوں۔" نائل نے اسے اپنے سینے سے لگایا تھا۔

"میں ٹھیک ہوں۔" اسے کبھی احساس ہی نہیں ہوا تھا کہ سنیہا اس قدر حساس ہے۔

"آپ کی بیماری...."

"وہ بھی ٹھیک ہے۔ ڈاکٹر سے بات ہوئی ہے میری، کل رپورٹس بھی آجائیں گی۔ تم میری وجہ سے پریشان نا ہو۔" وہ اسے سچ نہیں بتا سکتا تھا ورنہ لتر پکے تھے۔ نائل نے اسے بہت تنگ کیا تھا، اب اگر سنیہا کو پتا چل جاتا کہ اسے تو سرے سے کوئی دماغی مرض ہی نہیں ہے تو پھر.....

"یہی تو پریشانی کی بات ہے، ڈاکٹر نے کہا ہے کہ آپ ٹھیک ہو رہے ہیں مگر میں نے تو کوئی پروگریس ہی نہیں دیکھی۔" سنیہا نے افسوس سے سر جھکایا تھا۔

"مطلب....؟"

"مطلب آپ ابھی تک ویسے ہیں جیسے شادی کے شروع میں تھے۔ آپ کی باتیں، آپ کی حرکتیں.... میرا مطلب ہے کہ کوئی فرق نہیں پڑا۔" وہ جس قدر معصومیت سے گویا ہوئی تھی، نائل کو اس قدر ہی صدمہ لگا تھا۔ کتنی معصوم تھی اس کی بیوی.... اس کی باتوں اور حرکتوں کی وجہ وہ نائل کا مرض سمجھ رہی تھی۔ اگر اسے علم ہو جاتا کہ اس کا شوہر زندگی بھر ایسا ہی رہے گا تو نجانے کیا گزرتی بیچاری پر....؟؟؟

"تم فکر نہیں کرو، میں آہستہ آہستہ ٹھیک ہو جاؤں گا۔" ہائے نائل کے جھوٹے دلاسے.....

"بلکہ سمجھو کہ میں ٹھیک ہو گیا۔ تمہاری ڈیلیوری تک میں بالکل ٹھیک رہوں گا۔"

"آگے کی گرینٹی نہیں ہے۔" یہ الفاظ اس نے دل میں ہی کہے تھے۔

"ہاں آپ کوشش کیجیے گا کہ آپ کی طبیعت ٹھیک رہے۔"

"ہمم!" نائل نے بس ہنکارا بھرنے پر ہی اکتفا کیا تھا۔

---

رات کے آخری پہر جب سب در بند ہو جاتے ہیں، وہ آج پھر اپنے رب کے حضور سر سجود تھی۔ یہ تقریباً اب روز کا معمول بن چکا تھا۔ وہ صرف زبانی کلامی مسلمان نہیں ہوئی تھی بلکہ وہ عملاً بھی پوری کوشش کر رہی تھی۔

"ابھی تک جاگ رہے ہو آپ؟" اپنا حجاب کھولتے وہ حازم کے پاس آ بیٹھی تھی۔ حازم کا چہرہ دیکھ کر اسے حاتم یاد آیا تھا۔ ان کے نقش بہت ملتے تھے۔

"مما اچھی نہیں ہیں مگر آپ اچھے انسان بننا۔ مما نے کبھی نماز نہیں پڑھی، کبھی قرآن پاک بھی نہیں پڑھا مگر آپ ایسا نہیں کرنا۔ مجھے کبھی کسی نے بتایا ہی نہیں کہ یہ دین کیا ہے اور میں نے کبھی جاننے کی کوشش نہیں کی۔ آپ کی مما گمراہ تھیں اور آپ کے بابا نے بھی گمراہی کا راستہ چنا۔ آپ کو پتا ہے، میں نے انجیل مقدس کو پڑھنا شروع کیا ہے۔ اس لیے نہیں کہ مجھے قرآن پاک پر شبہ ہے، اس لیے کہ اگر کبھی زندگی میں آپ کے بابا سے ملاقات ہو تو میں انہیں بتا سکوں کہ الحمد سے والناس تک کا سفر، پیدائش سے مکاشفہ تک کے سفر سے بہت زیادہ خوبصورت ہے۔ اور یہی سفر سچا ہے۔ نجانے آپ کے بابا نے کیوں راستہ تبدیل کر لیا۔ انہوں نے کیوں صحیح سفر کو چھوڑ کر غلط سفر کا انتخاب کیا؟" وانیہ کی آنکھ سے آنسو ٹوٹ کر حازم کی گال پر گرا تھا۔ وہ نہایت سنجیدگی سے اپنی ماں کی باتیں سن رہا تھا۔

"مجھے تو یہ بھی نہیں معلوم کہ مجھے آپ کے بابا کے لیے ہدایت کی دعا کرنی چاہیئے یا نہیں؟" حازم کی گال پر بوسہ دیے وہ سیدھی ہوئی تھی۔ سر پر ڈوپٹہ درست کرتے وانیہ نے اب نہایت احترام سے قرآن پاک کھولا تھا۔ ساتھ ڈائری اور پین بھی رکھا ہوا تھا۔ ہر چیز پر پختہ ایمان لانے کے بعد بھی اس نے ریسرچ کرنا نہیں چھوڑا تھا۔ وہ اس کتاب کو جاننا چاہتی تھی، سمجھنا چاہتی تھی۔

اس نے وہیں سے قرآن پاک کھولا تھا جہاں سے اس نے کل پڑھنا چھوڑا تھا۔

وہ بہت انہماک سے سورۃ نساء کی تلاوت کر رہی تھی، ساتھ ہی ساتھ وہ ترجمہ اور تفسیر بھی پڑھ رہی تھی۔

ترجمہ:

"بے شک جن لوگوں نے ہماری آیات کا انکار کیا ہم انھیں عنقریب ایک سخت آگ میں جھونکیں گے، جب بھی ان کی کھالیں گل سڑ جائیں گی ہم انھیں ان کے علاوہ اور کھالیں بدل دیں گے، تاکہ وہ عذاب چکھیں، بے شک اللہ ہمیشہ سے سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔"

(سورۃ نمبر 4 النساء، آیت نمبر 56)

اس آیت پر آکر وہ ٹھٹکی تھی۔

"کھالیں بدل دیں گے، عذاب چکھیں...." وانیہ نے الفاظ دہرائے تھے۔

"جسم کے کسی بھی حصے کو چوٹ لگتی ہے تو دماغ فوراً سگنل دیتا ہے۔ یہاں پر دماغ کی جگہ جلد کا ذکر کیوں ہے؟" وہ سوچ میں پڑی تھی۔

قرآن پاک کو نہایت ادب سے بند کیے اب وانیہ نے موبائل فون اٹھایا تھا۔

کچھ دیر ریسرچ کرنے کے بعد جواب اس کے سامنے تھا۔

"ہمارے دماغ کے ساتھ ساتھ جلد میں بھی پین ریسیپٹرز ہوتے ہیں جو درد کی شدت کو محسوس کرتے ہیں، اگر جسم میں یہ ریسیپٹرز نا ہوں تو انسان درد محسوس نہیں کر سکتا۔" وانیہ کے لبوں کو مسکراہٹ نے چھوا تھا۔ آج اسے یہ کتاب پہیلی لگی تھی، جسے سلجھانا اتنا آسان نہیں تھا۔ ہر آیت میں کوئی نا کوئی بات چھپی ہوئی تھی جسے صرف غور و فکر کر کے ہی سمجھا جا سکتا تھا۔

اب اس نے ڈائری اٹھا کر وہاں ایک اور نقطہ لکھا تھا۔

"کھالیں بدل کر عذاب دینے کا مطلب ہے کہ نئی جلد کے ساتھ نئے ریسپٹرز ہوں گے اور انسان نئے سرے سے تکلیف محسوس کر سکے گا۔اگر غور کیا جائے تو یہاں نئے دماغ کی نہیں بلکہ نئی جلد کا ذکر ہے۔اگر صرف دماغ تکلیف محسوس کر سکتا تو یہاں کھالوں کا ذکر نا آتا.... جلد میں موجود ریسپٹرز کے بغیر سگنل دماغ تک نہیں پہنچتا اور دماغ تکلیف محسوس بھی نہیں کرتا۔" یہ نقاط وہ اپنی آسانی کے لیے لکھتی تھی تا کہ اسے کبھی بھی کچھ نا بھولے۔

---

"ہمارے آدمی تیار ہیں،اب بس صحیح وقت کا انتظار ہے۔" بدر نے ہاتھ میں پکڑی چھڑی میز پر پڑے نقشے کے ایک کونے میں رکھی تھی۔

وہ لوگ کل ہی پاکستان پہنچے تھے اور آج حملے کی تیاری کر رہے تھے۔بہت تگ و دو کے بعد بالآخر انہیں خفیہ ایجینسی کے ایک مقام کا پتا چل گیا تھا جہاں حملہ کر کے وہ نجانے کتنی معلومات اکھٹی کر سکتے تھے۔نائل سے ساری ڈیوائسز بھی واپس لینے کا یہ ایک طریقہ تھا۔بدر نے پانچ ڈیوائسز بنوائی تھیں اور ان میں سے چار میں ایک جیسا ہی ڈیٹا تھا مگر انہیں کھولنے کے لیے کسی پاسورڈ کی نہیں بلکہ ایک چپ کی ضرورت تھی جو کہ بدر کے پاس تھی۔یہ صرف وہی جانتا تھا کہ ان ڈیوائسز کو ڈی کوڈ کیسے کرنا ہے۔

"پہلے اس علاقے میں گھیرا ڈالے گے۔" چھری کی مدد سے وہ حاتم اور ہارون کو پلین بتا رہا تھا۔ہارون نے بظاہر حاتم کو اس کے کام کے ساتھ قبول کر لیا تھا۔یہ بات حاتم کو تھوڑی ناگوار گزری تھی۔اسے یقین نہیں ہو رہا تھا کہ ہارون اتنی آسانی سے اس کے اس روپ کو قبول کر لے گا۔

"مجھے کچھ گڑبڑ لگتی ہے۔اتنی جلدی ہم کیسے ان کے ٹھکانے پر پہنچ سکتے ہیں؟" حاتم کا خدشہ بجا تھا۔

"میں نے اتنے عرصے سے اپنے آدمیوں کو پیچھے لگایا ہوا ہے۔یہ خبر بالکل سچی ہے۔" وہ پراعتماد تھا۔

"آپ نے پہلے تو کبھی بھی مجھے ان آدمیوں اور ڈیوائسز کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔"

"بیٹا تم اتنے مصروف رہتے ہو۔ میں سب کچھ تمہارے سر پر تو نہیں ڈال سکتا نا.... کچھ کام تو مجھے بھی کرنے چاہیئے۔" اس کا کندھا تھپتھپاتے وہ مسکرایا تھا۔

"آپ کو اعتبار نہیں ہے مجھ پر؟" حاتم کے لہجے میں خفگی تھی۔ بدر اس سے بہت کچھ چھپاتا تھا۔

"خود سے زیادہ اعتبار ہے مجھے اپنے بیٹے پر...." بدر مسکرایا تھا جبکہ حاتم بالکل سنجیدہ تھا۔

---

دوپہر کی کڑکتی دھوپ میں، جہاں ہر کوئی ہی گرمی سے پریشان تھا، وہ بھی بے حد مضطرب اور بے چین تھی۔ وجہ گرمی نہیں تھی، وجہ دل میں اٹھتے ہول تھے۔

اپنے اندر کی بے چینی کو کم کرنے کے لیے اس نے اے۔ سی کی رفتار بڑھادی تھی مگر اس سے بھی کچھ خاص فرق نہیں پڑا تھا۔ گہری گہری سانسیں لیتے اب وہ بالکنی میں آئی تھی مگر وہاں بھی وہ زیادہ دیر نہیں رک سکی تھی۔

جب بے چینی اور طبیعت خرابی حد سے بڑھ چکی تھی تو وانیہ نے نائل کے کمرے کا رخ کیا تھا کہ وہ اسے ڈاکٹر کے پاس لے کر جا سکے مگر اندر سے آتی آوازوں نے دروازے کے باہر ہی اس کے قدم زنجیر کر دیے تھے۔

"محسن آج شام کو وہ لوگ اپنے کیفل کردار تک پہنچے گے۔ ہم جال پھینک چکے ہیں اب بس ان کے اس میں پھنسنے کا انتظار ہے۔ بدر، ہارون اور حاتم... تینوں میں سے کوئی نہیں بچے گا۔ سب کی منزل موت ہے۔" وانیہ نے بے ساختہ اپنے دل کے مقام پر ہاتھ رکھا تھا۔ اس کے بے جان قدموں میں جیسے ایک دم ہی جان آئی تھی۔ وہ بھاگتی ہوئی اپنے کمرے کی جانب گئی تھی۔

"محسن ہم نے جو جال بنا ہے، اس کے بارے میں زیادہ لوگوں کو نہیں پتا، اور پتا چلنا بھی نہیں چاہیئے۔ غدار ہمارے بیچ ہی ہے۔" محسن نے سمجھتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

"تم بیٹھو، میں ابھی آتا ہوں۔" نائل کہہ کر کمرے سے باہر گیا تھا۔اس کے جانے کے بعد محسن نے اپنا فون اٹھایا تھا۔میسج ٹائپ کرنے کے بعد اس نے سینڈ کیا تھا۔اب اپنے بھیجے گئے میسج کو دیکھ کر اس کے لبوں پر معنی خیز مسکراہٹ در آئی تھی۔

وہیں دوسری طرف وانیہ نے کمرے میں آتے ہی دروازہ لاک کیا تھا۔اپنے دل کے مقام پر ہاتھ رکھے اب وہ مسلسل گہری گہری سانسیں لے رہی تھی۔آنکھوں سے پانی کسی دریا کی طرح بہنا شروع ہوا تھا۔

"عمر....!" لبوں سے ایک سسکی نکلی تھی۔

"میرا بیٹا....!" اب وہ بھاگتے ہوئے حازم کے پاس گئی تھی۔اسے گود میں اٹھاتے اب وہ دیوانہ وار اسے چوم رہی تھی۔

"میرا بیٹا یتیم ہو جائے گا۔" اس کا دل بری طرح کانپا تھا۔اس کے دل نے اسے بغاوت پر اکسایا تھا اور وہ بہک گئی تھی۔شوہر اور بیٹے کی محبت ہر چیز پر غالب آئی تھی۔حازم کو جھولے میں لٹاتے وانیہ نے پھرتی سے اپنا فون اٹھایا تھا۔اب وہ کپکپاتے ہاتھوں سے حاتم کا نمبر ڈائل کر رہی تھی۔

"فون اٹھاؤ عمر...!" اس کا نمبر مسلسل بند جا رہا تھا۔وانیہ کے اضطراب میں مزید اضافہ ہوا تھا۔

"پلیز فون اٹھاؤ۔" ادھر سے ادھر چکر لگاتے وہ اسے کال پہ کال رہی تھی۔آخر کار تھک ہار کر وانیہ نے اب اسے میسج کیا تھا۔

"سب جال ہے۔عمر پلیز تم کہیں مت جانا۔یہ سب بھائی کی پلیننگ ہے۔" سینڈ بٹن پر ہاتھ رکھتے رکھتے وہ رکی تھی۔

وہ خود پر جان چھڑکنے والے بھائی کے ساتھ غداری کر رہی تھی۔اس نے ایک بار نائل کے بارے میں سوچا تھا اور پھر اس کی نظر اپنے معصوم بیٹے پر گئی تھی۔ایک سیکنڈ کے اندر اندر اس نے فیصلہ کیا تھا۔

صحیح اور غلط میں سے اس نے غلط کو چنا تھا۔وہ کافی دیر اپنے کیے میسج کو تکتی رہی تھی۔

---

خاردار جھاڑیوں سے گزرتے،افق کی مدھم پڑتی روشنی میں کچھ لوگ دبے پاؤں اس جنگل سے گزر رہے تھے۔چہرے پر نقاب جبکہ ہاتھوں میں رائفلز تھے۔

ان لوگوں کی قیادت ایک تندروست وتوانا مرد کر رہا تھا،وہی جس کی آنکھیں بھورے اور نیلے رنگ کے امتزاج کی تھیں،وہی جوان کا لیڈر تھا۔بدر اور ہارون بھی ان لوگوں میں شامل تھے۔

آج احتساب کا دن تھا۔حق اور باطل کے واضح ہونے کا دن....

"میرے تین گنتے ہی فائرنگ سٹارٹ کرنا...!"گھمبیر لہجے میں حکم صادر کرتے حاتم نے گننا شروع کیا تھا۔

"ایک....دو.... تین....!"اس کے تین گنتے ہی فائرنگ شروع ہو چکی تھی۔بلڈنگ میں موجود لوگ فورا الرٹ ہوئے تھے۔اندر سے پولیس اور آرمی کے افراد نے بھی فائرنگ شروع کی تھی۔

"یہ لوگ یہاں کیا کر رہے ہیں؟"بدر بوکھلا گیا تھا۔اس کی معلومات کے حساب سے یہاں ایجینسی کے کم لوگ ہی موجود تھے،وہ بھی سادہ کپڑوں میں....

اس بلڈنگ کے آخری فلور کے پانچویں کمرے کے نیچے ایک خفیہ جگہ تھی جہاں ایجینسی والے کام کرتے تھے مگر اتنی تعداد میں پولیس اور آرمی کا یہاں موجود ہونا خطرے کی علامت تھا۔

"یہ جال ہے،بھاگو یہاں سے....!"حاتم کی آواز پر سب الرٹ ہوئے تھے۔

فائرنگ کرتے ساتھ ہی اب سب لوگ پیچھے ہٹتے جا رہے تھے مگر پیچھے بھی ایک فوج تھی۔وہ لوگ چاروں طرف سے گھرے ہوئے تھے۔

"یہ سب کس نے کیا ہے؟"بدر غصے سے پاگل ہوا تھا۔ہارون اور حاتم بھی شاکڈ تھے۔

دونوں طرف سے مسلسل فائرنگ ہو رہی تھی۔ بدر کے آدھے سے زیادہ لوگ مر چکے تھے۔ حاتم بھی اپنا بچاؤ کرنے کے لیے فائرنگ کر رہا تھا۔

"بابا! ہمیں کسی بھی طرح سے یہاں سے نکلنا ہو گا۔" ایک درخت کی اوٹ میں چھپ کر وہ اب گن سے فائرنگ کر رہا تھا۔ رائفل میں گولیاں ختم ہو چکی تھیں۔ اور ویسے بھی وہ لوگ زیادہ تعداد میں اپنے آدمی نہیں لائے تھے۔

"بابا، ڈیڈ اس طرف دو ہی آدمی ہیں۔ میں انہیں مار دیتا ہوں پھر ہم یہاں سے بھاگ سکتے ہیں۔" حاتم نے اپنی پشت کی طرف دیکھتے کہا تھا۔

"ہاں ہاں! جلدی کرو۔" ہارون کی تو حالت خراب ہوتی جا رہی تھی۔ اسے اپنے پاکستان آنے پر شدید افسوس تھا۔ اس نے آج تک جو بھی کھیل کھیلے تھے، وہ دماغ سے کھیلے تھے۔ جسمانی طور پر وہ ایک کمزور اور ڈرپوک مرد تھا۔

حاتم نے دبے پاؤں قدم آگے بڑھاتے اس ایک سپاہی کو پیچھے کی جانب سے گردن سے دبوچا تھا۔ اتنے میں دوسرے سپاہی نے اس کی پشت پر حملہ کر دیا تھا۔

حاتم نے اس شخص کا گلا مڑوڑے پچھلے شخص کو پیچھے سے ہی اٹھا کر پٹخا تھا۔ اب اس کے سینے میں گولیاں اتار کر وہ بدر اور ہارون کو لے کر وہاں سے نکلا تھا۔

اب وہ تینوں جنگل میں بھاگ گئے تھے۔

"شٹ....!" تھوڑی دور جا کر بدر چلایا تھا۔

"کیا ہوا بابا؟"

"وہ ڈیوائس، وہ خطرے میں ہے۔ان لوگوں کو اس کی جگہ کا پتا چل گیا ہے۔"بدر نے موبائل پر میسج دیکھتے کہا تھا۔

"کیا....؟"ہارون اور حاتم دونوں ہی چلا اٹھے تھے۔

"ہمیں ڈیوائس کی جگہ تبدیل کرنی ہوگی۔"بدر نے پھولے تنفس کے ساتھ کہا تھا۔

"ہارون تم جاؤ اور جا کر ڈیوائس لے کر آؤ۔"

"میں، میں اکیلا....؟"وہ فوراً گھبرا گیا تھا۔

"ہاں تم، جلدی جاؤ۔"

"میں کیوں جاؤں، تم چلے جاؤنا!"

"مجھے باقی کا ڈیٹا سیکیور کرنے جانا ہے۔تم جانتے ہو کہ وہ ڈیوائس کہاں ہے۔"اس بات پر حاتم چونکا تھا۔آخر اس کے باپ کو کیسے علم ہو سکتا تھا کہ ڈیوائس کہاں ہے؟؟؟

"میں اکیلا نہیں جاؤں گا۔اگر میں پکڑا گیا تو؟"وہ نہایت بزدل شخص تھا۔

"بابا! آپ مجھے بتائیں، وہ ڈیوائس کہاں ہے۔میں لے کر آتا ہوں۔"ذہن میں اٹھتے سوالوں کو اس نے فلحال دبا دیا تھا۔یہ وقت یہ سب سوچنے کا نہیں تھا۔

"تمہیں پتا نہیں چلے گا بیٹا! ایک کام کرو، ہارون کے ساتھ جا کر لے آؤ۔"

"ہاں یہ ٹھیک رہے گا۔"ہارون فوراً راضی ہو گیا تھا۔مزید ایک بھی لمحہ ضائع کیے بغیر وہ لوگ اپنے اپنے راستوں پر چل دیے تھے۔

جنگل سے باہر نکلتے بدر نے ابھی سڑک پر قدم ہی رکھا تھا کہ سامنے موجود شخص کو دیکھ اسے سانپ سونگھ گیا تھا۔

"ہائے بدر!" گاڑی کے ساتھ ٹیک لگائے نائل نے ہاتھ ہلایا تھا۔

"بھاگ بھاگ کر تھک گئے ہو گے، جوس پیو گے؟" جوس کے کین کو لبوں سے لگاتے اس نے نہایت دوستانہ انداز میں آفر کی تھی۔

بدر کی تو سٹی گم ہو گئی تھی۔ وہ ہانپتے وجود کے ساتھ ابھی بھاگنے کے لیے مڑا ہی تھا کہ نائل نے اس کی شرٹ کو پیچھے سے دبوچتے اسے سڑک پر دھکہ دیا تھا۔

"آج نہیں بدر! آج تو حساب دینے کا دن ہے۔" نائل نے اسے کالر سے دبوچتے کھڑا کیا تھا۔ اس سے پہلے وہ مزید کچھ کرتا، آرمی فورس وہاں تک پہنچ چکی تھی۔

نائل فوراً بدر نے دور ہٹا تھا۔

"شکریہ مسٹر نائل! آپ نے ہماری بہت مدد کی ہے۔" ایک آرمی آفیسر نے آگے بڑھ کر نائل سے مصافہ کیا تھا۔

"کیسی بات کر رہے ہیں آفیسر، یہ تو میرا فرض ہے۔ اس ملک کے شہری ہونے کے ناطے میں اتنا تو کر ہی سکتا ہوں۔" سر کو ہلکا سا خم دیے وہ مسکرایا تھا۔

"ہم کافی عرصے سے اس کے پیچھے تھے۔ اس کے یہاں ہونے کی اطلاع دے کر آپ نے ہماری بہت مدد کی ہے۔" نائل کے لبوں پر اب بھی ایک پروفیشنل سی مسکراہٹ تھی۔ یہ سنجیدگی اور انداز اس کی شخصیت کا حصہ تھے۔

تھوڑی دیر مزید بات چیت کے بعد وہ لوگ بدر کو اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ ان کے جانے کے بعد نائل کے لبوں کی مسکراہٹ سمٹی تھی۔

"آخر ضرورت ہی کیا تھی، آرمی کو انولو کرنے کی؟" نائل نے ایک زوردار پنچ گاڑی کے شیشے پر مارا تھا۔ شیشے میں ایک ساتھ ہی کافی دراڑیں آگئی تھیں۔

"تمہیں تو میں واپس حاصل کر کے ہی رہوں گا۔ تمہارا حساب میں خود کروں گا بدر...." سرخ خراشیں آنکھوں میں لیے وہ غرایا تھا۔

یہ جال اس نے ہی بنا تھا۔ آرمی اور پولیس کو بدر کے کچھ کالے کارناموں کے ثبوت دے کر نائل نے انہیں پکڑنا چاہا تھا۔ یہ سب اس نے احتیاطی طور پر کیا تھا۔ وہ اپنی ٹیم کو سامنے اس لیے نہیں لے کر آیا تھا کہ کہیں کسی انہونی کی صورت میں وہ ایکسپوز نا ہو جائے۔ اس کی شخصیت ایک راز تھی۔ وہ کیا تھا یہ بہت کم لوگ جانتے تھے۔

---

اسے میسج کرنے کے بعد بھی وہ کافی دفعہ حاتم کو کالز کرتی رہی تھی مگر اس کا فون مسلسل بند جا رہا تھا۔

"یااللہ! میں کیا کروں؟" پریشانی کی وجہ سے اس کی جان نکلتی جا رہی تھی۔

"اے میرے مالک! میرے بھائی اور شوہر کو اپنے حفظ وامان میں رکھنا۔" غصہ تو اسے نائل پر بھی آیا تھا۔ آخر ضرورت ہی کیا تھی حاتم کے پیچھے جانے کی...؟؟؟ یہ کام اس کا تو نہیں تھا۔

"میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے تو نہیں بیٹھ سکتی۔ کچھ کرنا ہو گا۔" اپنے دماغ پر زور دیتے اب وہ سوچ رہی تھی۔

"ہاں....!" وانیہ نے فوراً بھاگ کر لیپ ٹاپ اٹھایا تھا۔ اب وہ حاتم کی لوکیشن ٹریک کرنے کی کوشش کر رہی تھی جو کہ نہیں ہو پا رہی تھی۔ اس کا فون کل سے بند تھا۔ آخری لوکیشن ائیر پورٹ کی تھی۔

"اب کیا کروں؟" صاف ظاہر تھا کہ اس نے وانیہ کا میسج نہیں پڑھا تھا۔

"بھائی! بھائی کی لوکیشن ٹریک کرتی ہوں۔" وانیہ نے لیپ ٹاپ پر انگلیاں گھمائی تھیں۔

چند ہی منٹوں میں نائل کی لوکیشن اس کے سامنے تھی۔

وانیہ نے اب ساشا کو کال ملائی تھی۔

"بھابھی کیا آپ پلیز تھوڑی دیر کے لیے آسکتی ہیں، مجھے کسی ضروری کام سے باہر جانا ہے۔ حازم گھر پر اکیلا ہے۔"

"ہاں ہاں! کیوں نہیں....!" وانیہ نے کال کاٹ کر اب اپنا پرس اٹھایا تھا۔

---

ہارون اور حاتم ایک پرانے سے گھر کے باہر رکے تھے۔ حاتم اب اس کی قیادت میں آگے بڑھ رہا تھا۔ سٹور روم کے اندر جاتے ہارون نے عین وسط میں بیٹھ کر لائٹر جلایا تھا۔ آگ کی تپش کی وجہ سے ایک بٹن تھوڑی ہی دیر میں واضح ہوا تھا۔ ہارون نے فوراً اس پر ہاتھ رکھا تھا۔ اس جگہ سے زمین دو حصوں میں تقسیم ہو گئی تھی۔

"ڈیڈ آپ یہ سب کیسے جانتے ہیں؟" بالآخر وہ اس سوال کو زبان پر لے ہی آیا تھا۔

"تفصیل سے بتاؤں گا بیٹا، ابھی وقت نہیں ہے۔ ان لوگوں کے یہاں پہنچنے سے پہلے ہمیں نکلنا ہے۔" ہارون نے اندر کی جانب چھلانگ لگائی تھی۔ سر جھٹکتے حاتم بھی اندر داخل ہوا تھا۔ خالی کمرے کے بیچ و بیچ ایک شیشے کے ڈبے میں وہ ڈیوائس رکھی ہوئی تھی۔

ہارون نے آگے جا کر پاسورڈ ڈالا تھا۔ پاسورڈ ڈالتے ہی شیشے کا کیس کھل گیا تھا۔

"اٹھاؤ اسے...." ہارون کے کہنے پر حاتم نے ڈیوائس اٹھالی تھی۔ ہارون نے جان بوجھ کر حاتم کو یہ کرنے کے لیے کہا تھا تاکہ بالفرض اگر کوئی اونچ نیچ ہو بھی جائے تو اسے خود کوئی نقصان نا پہنچے۔

ڈیوائس حاصل کرنے کے بعد وہ دونوں اوپر گئے تھے۔ ہارون نے وہ دروازہ واپس بند کیا تھا۔

"چلو...." اب وہ تیز تیز قدم اٹھاتا آگے جا رہا تھا جبکہ حاتم خالی الذہن کی کیفیت میں اس کے پیچھے.... اس کا ذہن بالکل مفلوج ہو چکا تھا۔

سٹور سے باہر نکلتے ہی حاتم کا ہاتھ دیوار پر لگے ایک سوئچ پر لگا تھا۔ ساتھ لگا ہوا بم ایکٹیویٹ ہو گیا تھا۔

"یہ کیا کیا تم نے بیوا قوف؟" ہارون بری طرح اس پر چلایا تھا۔

"ڈیڈ میں .... "کوئی بھی صفائی دینے سے پہلے ہی دیوار کے ساتھ پڑی بھاری بھر کم الماری حاتم کے اوپر گری تھی۔ یہ بھی ایک جال ہی تھا جو بدر نے بچھایا تھا تا کہ کوئی اور اس ڈیوائس کو نا لے جا سکے مگر اب حاتم خود اس جال میں پھنس چکا تھا۔

"حاتم...!" ہارون نے اس الماری کو اس کے اوپر سے ہٹانے کی کوشش کی تھی مگر وہ بہت بھاری تھی۔ وہ خود بھی کوشش کر رہا تھا مگر اٹھنا ممکن نہیں تھا۔

اتنے میں باہر گاڑیوں کے چڑچڑانے کی آوازیں آنا شروع ہو گئی تھیں۔ تیز قدموں کی چھاپ سنتے ہارون بوکھلا گیا تھا۔

"وہ لوگ آ گئے۔" ہارون گھبراتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"ڈیڈ پلیز میری مدد کریں۔" حاتم نے درد سے کراہتے ہوئے کہا تھا جبکہ ہارون اسے نظر انداز کیے اب باہر نکلنے کا راستہ تلاش کر رہا تھا بالآخر اسے ایک کھڑکی مل ہی گئی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ کھڑکی کی جانب لپکتا، حاتم نے اس کا پیر پکڑا تھا۔

"ڈیڈ پلیز...."

"دور ہٹو نالائق! کسی کام کے نہیں ہو تم۔ تم ایک لوزر تھے اور ہمیشہ رہو گے۔" اپنا پیر جھٹکتے وہ تنفر سے گویا تھا۔ حاتم کو اتنی تکلیف اس الماری کے گرنے سے نہیں ہوئی تھی، جتنی ہارون کے لہجے سے ہوئی تھی۔

اب اسے چھوڑے وہ کھڑکی کی جانب بڑھ رہا تھا۔

"ڈیڈ میں مر جاؤں گا۔" وہ کراہا تھا۔

"تم جیسی اولاد کو تو مر ہی جانا چاہیئے۔" حاتم کے اندر ایکدم ہی بہت کچھ ٹوٹا تھا۔

"جب صوفی کے مرنے سے مجھے کوئی فرق نہیں پڑا تو تمہارے مرنے سے کیسے پڑے گا؟" آج انکشافات کا دن تھا۔ آنکھوں پر بندھی اعتبار کی پٹی آج ہٹنی تھی۔

"بلکہ اسے مارنے کا آڈر تو میں نے خود دیا تھا۔ میری قسمت کی خرابی جو مجھے کسی کام کی اولاد نہیں ملی۔ اس بیوا قوف نے مجھے نینا کے ساتھ دیکھ لیا تھا اور چلی تھی اپنے نام نہاد شوہر کو بتانے.... اور تمہاری وہ بیوا قوف ماں! کہتی تھی کہ میرے خلاف پولیس میں رپورٹ کروائے گی، میں نے اسے ہی اوپر پہنچا دیا۔ اب تم بھی مر جاؤ۔" ہارون کھڑکی سے باہر کودا تھا جبکہ اس کے الفاظ کی کڑواہٹ ابھی بھی حاتم کے کانوں میں گھل رہی تھی۔ اس کی بائیں آنکھ سے آنسو بہہ کر نیچے زمین پر گرا تھا۔ وہ بے یقینی کے عالم میں وہیں پڑا تھا۔ اب اس نے اٹھنے کی کوشش بھی چھوڑ دی تھی۔

"حاتم....!" اندر داخل ہوتے ہی نائل کی پہلی نظر حاتم پر گئی تھی۔

"ہٹاؤ اسے....!" اپنے ایک ساتھی کی مدد سے اس نے حاتم کے اوپر سے وہ الماری ہٹائی تھی۔

وہ بے حس و حرکت اب بھی زمین پر پڑا ہوا تھا۔ آس پاس کیا ہو رہا تھا، اسے کوئی خبر نہیں تھی۔

"سارے گھر کی اچھے سے تلاشی لو۔" اس نے اپنے آدمیوں کو حکم صادر کیا تھا۔

"یہ ڈرامہ بند کرو اور اٹھو۔ تم پکڑے جا چکے ہو۔" نائل نے اسے ہاتھ لگایا تھا مگر اس کے جسم نے کوئی حرکت نہیں کی تھی۔ آنکھیں کھلی تھیں مگر جسم بے جان تھا۔

"تمہیں لگتا ہے میں یقین کر لوں گا کہ یہ چھوٹی سی الماری تمہیں نقصان پہنچا سکتی ہے؟" نائل نے اسے ایک بار پھر ہاتھ لگایا تھا۔

"وہ ڈیوائس کہاں ہے حاتم اور ہارون... وہ کہاں ہے؟" جواب اب بھی ندارد تھا۔

"حاتم اٹھو...."نائل نے اسے بازو سے پکڑ کر بٹھایا تھا تبھی اس کی نظر دیوار پر لگے بم پر گئی تھی۔ بم پر ٹائمر لگا ہوا تھا۔ اگلے دس منٹ میں بم بلاسٹ ہو جانا تھا۔

"یا اللہ....!"اس نے فوراً اپنے تمام آدمیوں کو اکھٹے کر کے باہر جانے کو کہا تھا۔

"تمہیں مرنے کا بہت شوق ہے؟"وہ ایک بار حاتم سے مخاطب تھا مگر وہ دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے بے سود پڑا تھا۔

"حاتم چلو...."نائل نے اسے کالر سے پکڑ کر کھڑا کیا تھا۔ اب وہ اسے گھسیٹ کر باہر لے جا رہا تھا اور وہ بھی بے حس و حرکت اس کے ساتھ چل رہا تھا۔

"اسے ہتھکڑی لگاؤ اور گاڑی میں بٹھاؤ۔ بھاگنا نہیں چاہیئے۔"

"میں نہیں بھاگوں گا۔"یہ پہلا جملہ تھا، جو اس نے ادا کیا تھا۔

"جہاں لے جانا ہے لے جاؤ۔ جو دل کرتا ہے وہ کرو۔"وہ سپاٹ چہرہ لیے گویا ہوا تھا۔

"یہ کون سا نیا پلین ہے تمہارا حاتم؟"

"کون حاتم؟"وہ عجیب طرز سے ہنسا تھا اور پھر ہنستا ہی چلا گیا تھا۔

"میں حاتم نہیں ہوں۔ حاتم تو حاکم کو کہتے ہیں مگر میں تو ایک لوزر ہوں، بس....!"اب کی بار اس کا قہقہ اور بلند ہوا تھا۔ نائل سمجھ نہیں سکا تھا کہ وہ رو رہا ہے یا ہنس رہا ہے۔

"تم ٹھیک ہو؟"وہ پوچھنے پر مجبور ہو گیا تھا۔

"ہتھکڑی لگا کر گاڑی میں ڈالیں مجھے، اس سے پہلے کہ میرا ارادہ بدل جائے۔ اور اگر میں نے بھاگنے کا ارادہ کر لیا تو کسی کا باپ بھی مجھے نہیں پکڑ سکتا۔"خونخوار نگاہیں نائل کے چہرے پر جمائے وہ عجیب طرز سے گویا تھا۔ نائل نے گہری سانس اندر کی جانب کھینچی تھی۔ وہ بالکل ٹھیک تھا۔

اسے گاڑی میں بٹھاتے نائل کے ایک آدمی نے گاڑی سٹارٹ کی تھی۔

"ہارون کہاں ہے حاتم؟" نائل نے ایک بار پھر پوچھا تھا جبکہ حاتم نے واپس سے خاموشی کا لبادہ اوڑھ لیا تھا۔

"وہ ڈیوائس ہارون کے پاس ہے؟"

"تمہارے ساتھ آخر مسئلہ کیا ہے؟" نائل جھنجھلایا تھا۔

حاتم خاموش، بنجر نگاہوں سے باہر گزرتے درختوں کو دیکھ رہا تھا۔

زمرد رنگ کے درخت لہلہا رہے تھے۔ پتوں کی ڈالیاں جھوم جھوم کر ماحول کو خوشگوار اور خنک بنا رہی تھیں مگر گاڑی کے اندر بیٹھا وجود آگ کی بھٹی میں جل رہا تھا۔

کس کس نے اسے نہیں سمجھایا تھا مگر اس کی آنکھوں پر تو پٹی بندھی ہوئی تھی۔ اعتبار کی پٹی، خونی رشتوں پر اعتبار کی پٹی.... یہاں آکر تو اس نے شکست کھائی تھی۔ نائل نے بھی اپنے رشتوں پر اعتبار کیا تھا اور حاتم نے بھی وہی کیا۔ نائل کی غلطی زیادہ بڑی نہیں تھی اور نا ہی پچھتاوا مگر حاتم.... وہ تو بالکل ٹوٹ گیا تھا۔

سالوں پہلے ایک پندرہ سالہ نوجوان اپنے وطن اور دوست جیسے بھائی سے بدگمان ہو کر گناہوں کے دلدل میں جا پھنسا تھا اور آج سالوں بعد جو انکشاف اس پر ہوا تھا، وہ اسے اندر سے ختم کر گیا تھا۔

"گاڑی کیوں روک دی؟" سڑک کے بیچوں بیچ گاڑی رکتے نائل نے فکرمندی سے پوچھا تھا۔

"شاید ٹائر پنچر ہو گیا ہے۔" اس آدمی نے ڈرتے ڈرتے کہا تھا جس پر نائل نے اسے خونخوار نگاہوں سے گھورا تھا۔

وہ آدمی پھرتی سے گاڑی سے نکلتا اب ٹائر تبدیل کر رہا تھا۔ آگے اور پیچھے موجود گاڑیاں بھی رک چکی تھیں۔

"اور کتنی دیر لگے گی؟" نائل شدید طیش کی حالت میں باہر نکلا تھا۔ تقریباً کوئی دس پندرہ سیکنڈ کا دورانیہ تھا اور حاتم گاڑی سے فرار ہو چکا تھا۔

"پکڑو اسے....." نائل نے اپنے آدمیوں سے اس کے پیچھے جانے کو کہا تھا۔

تبھی ایک اور گاڑی وہاں آکر رکی تھی۔اس گاڑی میں بدر کو پکڑ کر رکھا تھا۔چند منٹوں میں بدر کو اس نے کیسے حاصل کیا تھا یہ صرف نائل آفندی ہی جانتا تھا۔

"اس پر نظر رکھو۔" اپنے دو آدمیوں کو اس کے پاس چھوڑ کر وہ حاتم کے پیچھے گیا تھا۔

حاتم جنگل میں کہیں گم ہو گیا تھا۔نائل اور اس کے آدمی اس کے پیچھے گئے تھے۔

"حاتم....!" نائل اسے پکارتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔

"تم بچ نہیں سکتے، بلاوجہ کی کوشش مت کرو۔" نائل نے چاروں اطراف نظر گھمائی تھی۔اچانک ہی کسی کے قدموں کی چھاپ اس کے کانوں سے ٹکرائی تھی۔

"حاتم....!" وہ بھاگتا ہوا اس سمت گیا تھا۔

"رک جاؤ حاتم....!" نائل نے گن نکال کر لوڈ کی تھی۔حاتم کی اس کی جانب پشت تھی۔

وہ ایڑیوں کے بل اس کی جانب گھوما تھا۔

"آپ مجھے نہیں مار سکتے۔آپ کو وہ ڈیوائس چاہیئے۔" وہ ہنسا تھا۔

"ہاں مجھے وہ چاہیئے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں تمہیں گولی نہیں مار سکتا۔"

"ایسا ہے تو پھر ٹھیک ہے۔" پھرتی سے پیروں کی جانب جھکے حاتم نے اپنی گن نکالی تھی۔

"آج تک کبھی ہاتھ نہیں اٹھایا میں نے آپ پر لیکن آج گولی ضرور چلے گی سالے صاحب!" آج دونوں ایک دوسرے کے آمنے سامنے ایک دوسرے پر گن تانے کھڑے تھے۔

"تم آخر سمجھتے کیوں نہیں ہو؟ آخر کیوں تمہیں سچ نہیں دکھتا؟" نائل بے بسی سے چلایا تھا تب تک اس کے آدمی بدر کو لے کر وہاں پہنچ چکے تھے۔یہ نائل کا ہی حکم تھا۔

"اس شخص نے تمہیں دھوکہ دیا ہے۔ تمہارے خاندان کی بربادی کے پیچھے میں نہیں ہوں۔"

"جانتا ہوں۔" حاتم کی بات پر نائل اور بدر دونوں ہی چونکے تھے۔

"میرے خاندان کی بربادی کے پیچھے میرا اپنا باپ ہے۔ میری بہن اور میری ماں کو اس نے مار دیا۔" بدر کے گلے میں گلٹی ابھری تھی۔ اسے اب تشویش ہونے لگی تھی کہ آخر حاتم یہ سب کیسے جانتا تھا۔

"ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی مجھے موت کے منہ میں اکیلا چھوڑ کر بھاگ گئے اور جانے سے پہلے اپنے ہر گناہ کا اعتراف کر کے میرے کندھوں کا بوجھ بڑھا دیا۔" بدر نے سختی سے آنکھیں میچی تھیں۔ ہارون سے اسے کوئی اچھی امید نہیں تھی اور وہ اس کی امید پر پورا اترا تھا۔

حاتم کی آواز میں کپکپاہٹ اور نمی دونوں تھیں۔ نائل کو ایک لمحے کے لیے افسوس ہوا تھا مگر یہ تو ایک دن ہونا ہی تھا۔ وہ اب حاتم کے لیے کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

"حاتم مجھے وہ ڈیوائس دے دو۔ اب جب تم سچ جان ہی چکے ہو تو پھر یہ آخری موقع ہے تمہارے پاس، اسے مت گنواؤ۔"

"کیسا موقع....؟ میرے پاس کھونے کو اب کچھ نہیں بچا۔"

"تو پھر دے دو نا مجھے ڈیوائس....!"

"کیوں دوں، اس میں میرا کیا فائدہ؟؟" وہ بے حسی سے گویا ہوا تھا۔

"آپ لوگ مجھے قید کر لیں گے اور پھر عمر قید یا پھانسی ہی میرا مقدر بنے گی۔" اس کی آواز میں خوف تھا۔

"حاتم میں پوری کوشش کروں گا کہ تمہیں کم سے کم سزا ملے۔ بس تمہیں خود کو میرے حوالے کرنا ہے۔"
نائل نے محتاط انداز میں قدم آگے بڑھائے تھے۔

''آگے قدم مت بڑھائیں ورنہ میں... میں خود کو ختم کرلوں گا۔'' حاتم نے قدم پیچھے ہٹاتے گن اپنے سر پر رکھی تھی۔

''حاتم یہ کیا بیوقوفی ہے؟'' نائل غصے سے چیخا تھا۔

''ساری زندگی پچھتاوے میں رہنے سے بہتر ہے کہ میں خود کو ہی ختم کرلوں۔'' وہ اپنی سمجھ بوجھ کھوتا جارہا تھا۔ہارون نے اس کے دماغ کو شدید قسم کا دھچکہ دیا تھا۔

''حاتم پاگل مت بنو۔کیا تم اپنے کیے گناہوں کا کفارہ نہیں ادا کرنا چاہتے؟''

''یاد کرو اپنے سارے گناہ.... کتنے معصوم لوگوں کی جان لی ہے تم نے، کتنے معصوم خاندانوں کو تباہ کیا ہے تم نے.... حاتم وہ ڈیوائس مجھے دے دو تاکہ آئندہ ایسا کچھ ناہو۔میں ان مجرموں کو پکڑ سکوں جو معصوم لوگوں کی زندگی کے ساتھ کھیلتے ہیں۔'' نائل اسے سمجھاتے ہوئے قدم آگے بڑھاتا جارہا تھا۔

''نہیں ڈیوڈ! اس کی بات مت سننا۔ہارون نے بے شک تمہیں دھوکہ دیا ہے مگر میں نے تمہیں پالا ہے نا... یاد کرو انجیل مقدس کے احکامات... ہم نے کچھ غلط نہیں کیا، ہم نے تو غلط لوگوں کو اس دنیا سے ختم کیا ہے۔ہم نے تو دنیا کو پاک کیا ہے۔'' بدر نے اسے ایک بار پھر بھٹکانے کی کوشش کی تھی۔

''وہ ڈیوائس تم نہیں دوگے۔وہ ہمارے سالوں کی محنت ہے، تم یہ نہیں کروگے۔'' حاتم نے ایک نظر نائل کو دیکھا تھا تو دوسری نظر بدر کو.... دونوں کا چہرہ ایک لمحے کے لیے دھندلایا تھا۔

''حاتم اگر تم نے وہ ڈیوائس مجھے نہیں دی تو میں بدر کو مار دوں گا۔'' نائل نے ایک اور حربہ اپنایا تھا۔

''نہیں بابا کو نہیں مارنا....'' حاتم فوراً گھبرا گیا تھا۔

بدر کی اس کی نظر میں بہت عزت تھی۔وہ اسے باپ کا درجہ دیتا تھا۔

"ڈیوڈ یہ بکواس کر رہا ہے، جب تک ڈیوائس تمہارے پاس ہے، یہ تمہیں اور مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔"

"بس کر دیں، بس کر دیں۔ آپ لوگ مجھے پاگل کر دیں گے۔ میں جینا ہی نہیں چاہتا۔ میں مرنا چاہتا ہوں۔ جب میں ہی نہیں بچوں گا تو کیسی ڈیوائس اور کیسا سچ؟" کنپٹی پر رکھی گن پر اب اس نے گرفت مضبوط کر لی تھی۔

"عمر....!" ٹریگر پر رکھا ہاتھ ایک لمحے کے لیے ڈھیلا پڑا تھا۔ آسمان میں اڑتے پرندے رک سے گئے تھے۔ درختوں کے پتوں نے حرکت کرنا چھوڑ دی تھی۔ سمندر کے پرانی سے لے کر سیاروں کی گردش تک معنوں سب رک گیا تھا۔

"نین....!" حاتم کے لب آہستگی سے ہلے تھے۔

"عمر پلیز ایسا مت کرو۔ میرے ساتھ یہ مت کرو۔ تمہیں ہماری محبت کا واسطہ ہے، پلیز عمر...." وہ بھاگتی ہوئی

اس تک آئی تھی۔

"وانیہ آپ یہاں کیا کر رہی ہیں؟" نائل کے تو وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وانیہ یہاں آ جائے گی۔

"میں مر جاؤں گی تمہارے بغیر.... گن رکھ دو۔" وہ بے بس سی اس سے چند قدم دور کھڑی ہوئی تھی۔

"حاتم وانیہ کے بارے میں سوچو، کچھ غلط مت کرنا۔ تم بس وہ ڈیوائس مجھے دے دو۔ مجھے بتا دو کہ وہ کہاں ہے۔" نائل کے دماغ نے ایک اور پلین ترتیب دیا تھا۔ اب وہ حاتم کو ایموشنل بلیک میل کر رہا تھا۔

"بھائی جو کہہ رہے ہیں، انہیں دے دو عمر! ہم کہیں دور چلے جائیں گے۔ تم، میں اور ہمارا بیٹا...."

"بیٹا...." وہ بے یقینی سے پکار اٹھا تھا۔

"ہاں حاتم ہمارا بیٹا! ہمارا خون...." وانیہ مزید دو قدم چل کر اس کے قریب گئی تھی۔

"میں ایک اچھا باپ کیسے بن سکتا ہوں؟ میں تو ہارون کی اولاد ہوں۔ میں تو ایک اچھا انسان بھی نہیں ہوں۔" مسلسل نفی میں سر ہلاتے وہ اب پیچھے کی جانب بڑھ رہا تھا۔

"تم ایک اچھے انسان ہو عمر۔ تم میرے عمر ہو، نین کے عمر.... میں نے تمہارے ساتھ اتنا وقت گزارا ہے، مجھے پتا ہے کہ میرا عمر بہت اچھا ہے۔"

"نہیں نین! میں بہت برا ہوں اور مجھے برا ہی رہنے دو۔ مجھے اچھا نہیں بننا۔ میں ساری زندگی پچھتاوؤں میں نہیں گزار سکتا۔" وہ مسلسل پیچھے کی جانب قدم اٹھاتا جا رہا تھا۔ پیچھے ایک بہت اونچی پہاڑی نما جگہ تھی۔ نیچے گرنے پر بچنا ناممکن تھا۔

"عمر پلیز میرے لیے.... اللہ تعالیٰ بہت غفور و رحیم ہے۔ تم توبہ کر لو اور اسلام قبول کر لو۔ میں تاعمر تمہارا انتظار کرنے کو تیار ہوں۔ جب تک تمہاری سزا ختم نہیں ہو جائے گی، تب تک میں تمہارا انتظار کرنے کے لیے تیار ہوں۔" ان دونوں کی بات چیت میں نائل نے کوئی مداخلت نہیں کی تھی۔ اگر حاتم ایسے نہیں مان رہا تھا تو کیا پتا وانیہ کی باتیں کچھ اثر کر جاتیں۔

"میں یہ نہیں کر سکتا۔ تم مجھے مجبور نہیں کر سکتی۔ تم بہت اچھی ہو نین اور مجھے یقین ہے کہ تم ہمارے بچے کی بہت اچھی پرورش کرو گی۔ مجھے معاف کر دو نین! پلیز مجھے معاف کر دو۔" پہاڑی کے آخری سرے پر کھڑا وہ رو رو کر اس سے معافی مانگ رہا تھا۔

"الوداع نین، الوداع....!" حاتم نے نیچے چھلانگ لگائی تھی۔

"عمر....!" وہ شدید شاک کی حالت میں کھڑی چلائی تھی۔

"حاتم....!" نائل خود شاک میں تھا۔ حاتم کود جائے گا، یہ اس کے وہم و گمان میں ہی نہیں تھا۔

"عمر....!" وہ بھاگتی ہوئی آگے گئی تھی۔

"وانیہ! کیا کر رہی ہیں آپ؟" نائل نے آگے جا کر اسے سنبھالنا چاہا تھا۔

"بھائی چھوڑیں مجھے...." اس کا بس چلتا تو وہ بھی عمر کے ساتھ کود جاتی۔

"مجھے جانے دیں بھائی! پلیز مجھے چھوڑ دیجیں۔" وہ مسلسل مزاحمتیں کرتی نائل کی گرفت سے آزاد ہونے کی کوشش کر رہی تھی۔اس کی آنکھوں کے سامنے حاتم نے چھلانگ لگائی تھی، یہ اس کی برداشت سے باہر تھا۔

"یہ تم نے کیا کر دیا ڈیوڈ!" جہاں بدر کو افسوس تھا وہیں وہ خوش بھی تھا۔نائل کے ہاتھ ڈیوائس نہیں لگی تھی۔

---

بنجر، ویران آنکھوں سے وہ ٹھنڈے فرش پر بیٹھی زمین پر آڑی ترچھی لکیریں کھینچ رہی تھی۔دروازہ کھلنے کی آواز سے وہ ہڑبڑا کر اٹھی تھی۔

"وانیہ بیٹا! آپ کھانا کیوں نہیں کھا رہیں؟ کل سے کچھ نہیں کھایا آپ نے۔" نائل نے کھانے کی ٹرے بستر پر رکھی تھی۔اب وہ چل کر وانیہ کی جانب گیا تھا۔اس کے بال بکھرے ہوئے اور آنکھیں سوجھی ہوئی تھیں۔

"وہ ملا، کک.... کون سے ہسپتال میں ہے؟" وہ لڑکھڑاتی آواز کے ساتھ نائل کے قریب گئی تھی۔

"میری جان! کھانا کھا لیجیں۔حازم کا ہی سوچ لیں، اسے آپ کی ضرورت ہے۔" نائل نے اس کے دونوں گالوں پر ہاتھ رکھتے اسے سمجھانا چاہا تھا۔

"وہ مر گیا کیا؟" وہ اپنے ہواس کھوتی جا رہی تھی۔

"بھائی اگر وہ مر گیا ہے تو مجھے بتا دیجیں۔میں صبر کر لوں گی۔مجھے بتائیں، اس کی لاش ملی؟" وہ ہی جانتی تھی کہ اس نے یہ الفاظ کیسے ادا کیے تھے۔

نائل نے نفی میں سر ہلایا تھا۔

"اس کا مطلب وہ زندہ ہے نا؟" وانیہ کی آنکھیں چمکی تھیں۔

"بچے اتنی اونچائی سے گرنے کے بعد زندہ بچنا ناممکن ہے۔ دو تین دن میں لاش مل جائے گی۔" نائل نے صاف گوئی سے کام لیا تھا۔ وہ وانیہ کو کوئی جھوٹی تسلی نہیں دینا چاہتا تھا۔

"بھائی آپ مجھ سے پیار تو کرتے ہیں نا؟" اپنی گال پر رکھا نائل کا ہاتھ تھامتے وہ سسکی تھی۔

"یہ بھی کوئی پوچھنے والی بات ہے، میں اپنی جان سے بہت پیار کرتا ہوں۔"

"بھائی اگر میں آپ سے کچھ مانگوں تو کیا آپ مجھے دیں گے ؟" آنکھوں میں التجا تھی۔

"میرا سب کچھ آپ کا ہی تو ہے۔" نائل نے پیار سے اس کے بال سہلائے تھے۔

"آپ وعدہ کریں، میں جو کہوں گی آپ وہ کریں گے۔" بچوں کی طرح اس کے سامنے ہتھیلی پھیلاتے وانیہ نے دوسرے ہاتھ سے سختی سے اسکا بازو پکڑا تھا۔

"وعدہ کرتا ہوں۔" نائل نے اس کی ہتھیلی پر اپنا ہاتھ رکھا تھا۔

"جب اس کی لاش مل جائے گی تو آپ پلیز... پلیز اس کا... اس کا جنازہ پڑھا دیجیں گا۔ اس کی لاش کو لاوارثوں کی طرح کہیں مت پھینک... پھینکیں گا۔ پلیز بھائی....!" وہ اس کے قدموں میں گری تھی۔

"ہو سکتا ہے کہ اس نے مرنے سے پہلے اسلام قبول کر لیا ہو، اسے اپنے کیے پر پچھتاوا ہو۔ میرا دل کہتا ہے کہ وہ مسلمان ہو کر مرا ہے۔" اس کے جوتوں پر ہاتھ رکھے وہ گڑگڑا رہی تھی۔

نائل کے لیے اس سے زیادہ بے بسی کا مقام اور کوئی نہیں تھا۔ اس کی پھولوں جیسی لاڈلی بہن، جو اس کے سر کا تاج تھی، وہ آج اس کے قدموں میں گری بھیک مانگ رہی تھی۔ اور وہ اپنی بہن کے لیے کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

"یہ کیا کر رہیں ہیں آپ، اٹھیں..." نائل نے اسے فوراً اٹھایا تھا۔

"بھائی پلیز اسے لاوارثوں کی طرح نا چھوڑیں گا۔ پلیز اس کا جنازہ پڑھا دیجیں گا۔ پلیز اسے عزت سے دفنا دیجیں گا۔" وہ دھاڑیں مار مار کر رو دی تھی۔

"وانیہ...!" نائل نے اسے سختی سے خود میں بھینچا تھا۔

"بھائی پلیز وعدہ کریں۔"

"میں وعدہ کرتا ہوں۔" آنکھوں میں امڈتی نمی کو چھپاتے نائل نے وانیہ کے سر پر بوسہ دیا تھا۔

"لیکن پھر آپ کو بھی میری بات ماننی ہو گی۔ آپ کو کھانا کھانا ہو گا" نائل نے اسے بستر پر بٹھایا تھا۔

اب وہ اس کے لیے کھانا نکال رہا تھا۔ وانیہ کا دکھ بہت بڑا تھا۔ اس سب سے نکلنے کے لیے اسے وقت درکار تھا۔

---

"رب العالمین کا معنی سمجھنا بے حد ضروری ہے۔ اگر ہم تھوڑی سی باریک بینی سے مطالعہ کریں تو یہ آیت غور و فکر کی ہے۔" آڈیٹوریم میں کھڑی ہزاروں کے مجمعے میں وہ پر اعتماد لہجے میں بول رہی تھی۔

آج اسے بالخصوص یہاں بولنے کے لیے بلایا گیا تھا۔

سیاہ رنگ کی چادر اپنے گرد لپیٹے، سر پر ڈوپٹہ اوڑھے وہ اپنی آواز کا جادو وہاں موجود سب افراد پر بکھیر رہی تھی۔ اس کی باتوں میں اثر تھا۔ اس کے دلائل بہت منفرد اور عقل کو دنگ کر دینے والے تھے۔

"ہم سب جانتے ہیں کہ رب سے مراد اللہ تعالیٰ ہے۔ لیکن یہاں بات عالمین پر آ کر رک جاتی ہے۔ عالم تو خود جمع ہے تو پھر عالمین کا لفظ یہاں کیوں آیا ہے، یہاں کیوں تمام جہانوں کے رب کا ذکر ہے؟" وہ سانس لینے کو رکی تھی جبکہ وہاں موجود ہر نظر ہی اس کے چہرے پر جمی تھی۔ ہر کوئی ہی اس کے بولنے کا انتظار کر رہا تھا۔

"یہاں آ کر ہم سوچ میں پڑ جاتے ہیں کہ کیا اور بھی عالم موجود ہیں، کیا اس جہان کے علاوہ اور بھی جہان ہیں؟؟" سنہری آنکھیں نے وہاں موجود ہر شخص پر ایک نظر گھمائی تھی۔

"تو اس کا جواب ہے، ہاں ایسا ممکن ہو سکتا ہے لیکن..." ایک بار پھر سانس لینے کا وقفہ آیا تھا۔ ہر چہرہ ہی مضطرب نظر آ رہا تھا۔

"علماء کی اکثریت کا اتفاق اس بات پر ہے کہ یہاں عالمین سے مراد ہر مخلوق کا عالم ہے جیسے انسانوں کا جہاں اور ہے، نباتات کا اور، پرندوں کا اور، اور جانوروں کا اور... یعنی ہر مخلوق کا اپنا ایک جہان ہے اور وہ رب العزت ہر جہاں کا مالک ہے۔ ہم انسان ہیں اور ہماری عقل محدود ہے اور یہ کتاب وسعت کی کتاب ہے۔ اس کی ہر آیت ایک پہیلی ہے۔ ہر آیت میں ہزاروں چیزیں چھپی ہوئی ہیں جسے صرف غور و فکر کر کے ہی سمجھا سکتا ہے۔

شکریہ" اپنی تقریر کے اختتام پر وہ مدھم سی مسکرائی تھی۔ ہاں وہ مسکرائی تھی۔ یہ مسکراہٹ ضرورت تھی۔ چاہے زندگی میں جتنے بھی کرب ہوں مگر نسان کو مسکرانا پڑتا ہے۔ یہ رسم دنیا ہے، اسے ہر حال میں نبھانا پڑتا ہے۔

"تم نے تو کمال کر دیا لڑکی۔" آڈیٹوریم کے باہر کھڑے اب وہ دونوں باتیں کر رہے تھے۔ آمنہ نے اسے داد پیش کی تھی جواباً وہ پھیکا سا مسکرادی تھی۔

وانیہ کو آج دوسری مرتبہ لیکچر دینے کے لیے بلایا گیا تھا۔ پہلی دفعہ آمنہ کے اصرار پر وہ صرف چند ہی جملے بول پائی تھی مگر اس کی آواز کا بکھرتا جادو وہاں کے پروفیسرز کو اسے دوبارہ مدعو کرنے پر مجبور کر گیا تھا۔

"تمہیں اپنی پڑھائی مکمل کرنی چاہیئے وانیہ۔" آمنہ نے بہت محبت سے اسے سمجھایا تھا۔

"میں سوچ رہی ہوں اس بارے میں..." کچھ دیر مزید بات چیت کے بعد وہ اپنے گھر کی جانب روانہ ہوئی تھی۔

ان چند مہینوں میں بہت کچھ بدل گیا تھا۔ وانیہ آفندی اب وہ پہلے والی وانیہ نہیں رہی تھی۔ اس نے صبر اور شکر کرنا سیکھ لیا تھا۔ اس کے لہجے میں نرمی اور ٹھہراؤ آچکا تھا۔ اس کی ڈریسنگ بھی تبدیل ہو چکی تھی۔

وہ کوشش کر رہی تھی، اس دین کو اپنانے کی.... ہر کوئی ایک ہی دم اسلام پر پوری طرح عمل پیرا نہیں ہو سکتا۔ جو لوگ ایسا کرتے ہیں، وہ بے حد خوش نصیب اور سعادت ہوتے ہیں مگر کچھ لوگوں کو وقت لگتا ہے۔ اللہ پاک سے تعلق جوڑنے میں انہیں وقت درکار ہوتا ہے۔

"تنگ تو نہیں کیا حازم نے؟" وہ ابھی بیچ راستے میں ہی تھی جب اسے حازم کی فکر ستانے لگی تھی۔

"بالکل بھی نہیں! ہم ساتھ میں بہت خوش ہیں۔" سپیکر سے نائل کی آواز گونجی تھی۔

"مجھے عائزہ کی طرف بھی جانا ہے، تھوڑا وقت لگ جائے گا۔"

"آپ بالکل فکر مت کریں، ہم دونوں بہت خوش ہیں۔" اب وہ کس قسم کی خوشی کی بات کر رہا تھا یہ تو صرف وہی جانتا تھا۔

"چلیں ٹھیک ہے۔" وانیہ نے مطمئن ہو کر فون رکھ دیا تھا۔

---

"اب کون بچائے گا؟" نائل نے چھوٹے سے حازم کو گھورا تھا جو کہ مسلسل خود کو آزاد کروانے کی کوشش کر رہا تھا۔

ٹیرس پر موجود کرسی پر نائل صاحب بڑے شاہانہ انداز میں بیٹھے تھے جبکہ ٹانگیں میز پر پھیلائی ہوئیں تھیں۔ حازم بیچارا میز کے آخری سرے پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ بھی بندھے ہوئے تھے اور پیر بھی....

"نائل آفندی کو آنکھیں دکھانے کا یہی انجام ہوتا ہے۔" نائل نے اسے چڑایا تھا جس پر حازم نے ننھی پیشانی پر بل ڈالے اسے خونخوار نگاہوں سے گھورا تھا۔

"حازم....!" سنیہا ابھی ابھی ٹیرس پر آئی تھی اور سامنے کا منظر دیکھ کر اس کے دل کی دھڑکنیں بس رکنے کے قریب تھیں۔

"یہ کیا کر رہے ہیں آپ؟" سنیہا نے فوراً حازم کے ہاتھ پیر کھولے تھے۔

"اگر یہ یہاں سے گر جاتا تو سر سیدھا نیچے زمین پر لگنا تھا۔" اس نے پھولے تنفس کے ساتھ نائل کو گھورا تھا۔

"تمہیں کتنی دفعہ سمجھایا ہے کہ سیڑھیاں مت چڑھا کرو، لیکن بات تمہاری عقل میں نہیں آتی۔" وہ برہم ہوا تھا۔

"ہاں نہیں آتی۔" حازم کو نیچے اتارنے کے بعد وہ پیٹ پر ہاتھ رکھے بامشکل کرسی پر بیٹھی تھی۔

اس کی پریگنینسی کو آٹھواں مہینہ تھا اور نائل کافی حد تک سدھر چکا تھا۔ وہ اب سنیہا کو بہت کم تنگ کرتا تھا اسی لیے وہ اب شیر ہوتی جا رہی تھی لیکن وہ بیچاری اس بات سے انجان تھی کہ اس پر یہ خاص کرم صرف بچے کی پیدائش تک ہے۔

"کیا کہا ڈاکٹر نے....؟" کل اسے نائل کے ساتھ ڈاکٹر کے ہاں جانا تھا مگر کسی مصروفیت کے باعث وہ جا نہیں سکا تھا لہذا وہ ساشا کے ساتھ گئی تھی۔

"ڈاکٹر نے کہا کہ تمہارا شوہر تو ہے ہی پاگل، پتا نہیں تمہارے بچوں کے ساتھ کیا ہوگا۔" ان چند مہینوں میں وہ اس سے گن گن کر بدلے رہی تھی۔ جتنے طنز کے تیر نائل نے آج تک اس پر برسائے تھے، اس جتنے تو نا سہی مگر کم از کم دس فیصد تو وہ برسا ہی رہی تھی۔

"کیا مطلب بچے.... صرف ایک بچہ، بس...." نائل نے فوراً ہاتھ کھڑے کیے تھے۔

"ایک سے زیادہ کیوں نہیں؟"

"میں اسے برداشت کر رہا ہوں نا، اتنا کافی ہے۔ اب مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھ شریف انسان پر رحم کرتے ہوئے مجھے ایک معصوم اور فرشتہ صفت بیٹی سے نوازے گا۔ آمین!" وہ اس کے انداز پر ہنس دی تھی۔

"ویسے ڈاکٹر نے بتایا نہیں کہ بیٹا ہے یا بیٹی؟" کچھ مشکلات کے باعث یہ پتا لگانا پہلے تھوڑا مشکل ہو گیا تھا پھر نائل نے بھی انکار کر دیا تھا کہ اسے جاننے کا اشتیاق نہیں.... مگر آج پھر خواہش جاگی تھی۔

"بتایا تو ہے ڈاکٹر نے....!" سنیہا کا چہرہ شرم سے گلال ہوا تھا۔

"ابھی نہیں بہت پہلے....!" وہ نظریں جھکا گئی تھی۔

"کیا....؟" وہ حیرت سے چلا اٹھا تھا۔

"تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا؟"

"آپ یہاں پر تھے ہی نہیں...." وہ دو دن پہلے ہی یہاں آیا تھا، وجہ سنیہا کی حالت تھی ورنہ پچھلے دو ماہ سے وہ ملک سے باہر تھا۔

"فون پر بتا دیتی۔ خیر چھوڑو یہ سب، بیٹی ہے نا؟" وہ امید سے گویا ہوا تھا۔

"آپ نے ساری شاپنگ بے بی گرل کی ہے، اب آپ ساری شاپنگ بے بی بوائے کی کرے گے۔" وہ اب بھی اس سے نظریں نہیں ملا پا رہی تھی۔

"مطلب بیٹا ہے۔ چلو کوئی بات نہیں! میں اسے خود ہی سیدھا کر لوں گا۔" اس نے حازم کو گود میں بٹھاتے کہا تھا۔

"ڈاکٹر نے کہا ہے کہ جو بھی کھلونے یا سامان لینا، وہ ایک جیسے دو لینے ہیں۔" کچھ لمحوں کے توقف کے بعد وہ ٹھہر ٹھہر کر بولی تھی۔

"دو کیوں لینے ہیں؟ ڈاکٹر کا دماغ چل گیا..." وہ کہتے کہتے رکا تھا۔ اچانک ہی ایک زوردار کرنٹ اس کے پورے جسم سے گزرا تھا۔

نائل نے بے یقینی سے سنیہا کی طرف دیکھا تھا۔

"دو....؟"نائل نے اپنی دو انگلیاں اٹھا کر اس سے پوچھا تھا، جواباً سنیہا نے شرما کر اثبات میں سر ہلایا تھا۔

"سچ میں دو...."نائل کے تو چہرے کی ہوائیاں ہی اڑ گئی تھی۔

"ایک، دو، تین، چار، پانچ....پورے پانچ۔"وہ انگلیوں کی مدد سے گن رہا تھا۔

"پانچ نہیں دو...."سنیہا نے اصلاح کی تھی۔

"یہ نمونہ تمہیں نہیں دکھ رہا؟"وہ الٹا اس پر بگڑا تھا۔

"تو تین ہوئے نا...."دونوں خاوند، بیگم مل کر بچوں کی گنتی کر رہے تھے، جنہیں انہیں پالنا تھا۔

"یار تم چپ کر جاو۔ مجھے پہلے ہی بہت ٹینشن ہے۔"نائل نے اپنی پیشانی کو چھو کر فکر مندی سے کہا تھا۔

"نائل بچے اللہ کی رحمت ہوتے ہیں۔"سنیہا نے اسے بتانا ضروری سمجھا تھا۔

"ہاں بالکل ہوتے ہیں مگر میں...."

"آہ...."جملہ ابھی مکمل بھی نہیں ہوا تھا کہ گود میں بیٹھے حازم نے نائل کے ہاتھ پر اپنے دانت گاڑ دیے تھے۔ وہ ابھی ابھی دانت نکالنا شروع ہوا تھا اور پہلا شکار اس نے نائل کو بنایا تھا۔

"تیری ایسی کی تیسی....!"نائل نے حازم کو اٹھا کر اپنی ٹانگوں پر بٹھایا تھا۔

"دیکھائی نہیں دے رہا کہ ہم دونوں میاں بیوی کتنی اہم بات کر رہے ہیں۔ درمیان میں دانت اڑانا ضروری ہے؟"اس کے دونوں ہاتھوں کو اپنی گرفت میں لیتے نائل نے اسے ڈپٹا تھا۔

"کس گناہ کی سزا ہو تم ہاں؟"نائل نے دو انگلیوں کی مدد سے اس کے گال پر ہلکا سا تھپڑ مارا تھا۔

حازم کی آنکھیں پل میں پانی سے بھری تھیں۔ پھر کانوں کو چیر دینے والا وہ سائرن بجا تھا کہ انسان تو انسان پرندوں نے بھی پناہ مانگی تھی۔

"نائل آپ کے ساتھ مسئلہ کیا ہے آخر؟"کرسی سے اٹھ کر سنیہا نے حازم کو گود میں اٹھایا تھا۔

"تم یہ کیا کر رہی ہو؟"

"آپ کو اتنی ہی فکر ہوتی نا تو اسے اس طرح سے نا رولاتے۔" اب وہ مسلسل حازم کو چپ کروانے کی کوشش کر رہی تھی مگر وہ چپ ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔

"بابا، بابا....." وہ روتے ہوئے مسلسل بول رہا تھا۔ نائل کے دل کو ایک لمحے کے لیے کچھ ہوا تھا۔ اس نے فوراً سنیہا سے حازم کو لیا تھا۔

"بس بابا کی جان، بس.....!" اسے اپنے کندھے سے لگا کر اب وہ اسے چپ کروا رہا تھا۔

"یہاں مارا ہے بابا نے؟" نائل نے اس کی دائیں گال پر بوسہ دیا تھا۔ سائرن ایکدم ہی بند ہو گیا تھا۔

"میرے بیٹے کو کہاں درد ہے؟" اب وہ بہت محبت سے پوچھ رہا تھا۔

حازم نے ایک شکایتی نظر نائل پر ڈالی تھی پھر اس نے اپنا ننھا ہاتھ دوسری گال پر رکھا تھا۔

نائل ایک لمحے کے لیے ٹھٹھکا تھا پھر اس نے مسکرا کر اس کی دوسری گال پر بھی بوسہ دیا تھا۔ اب حازم نے اپنے بازو پر انگلی رکھی تھی۔ نائل نے سر جھٹک کر وہاں بھی پیار کیا تھا۔ دماغ اس کا تب گھوما تھا جب حازم صاحب نے اپنے دوسرے بازو پر اپنی ننھی انگلی رکھی تھی۔

"بس کر دے ڈرامے باز!" وہاں اپنے لب رکھتے نائل نے اسے سخت گھوری سے نوازا تھا۔

وہ منہ بسور کر دوبارہ اس کے کندھے سے لگ گیا تھا۔

"بابا!" اس کے کالر کو سختی سے پکڑے حازم نے بہت لاڈ سے کہا تھا۔

"بابا کی جان!" جو بھی تھا، نائل کو حازم بہت عزیز تھا۔

وہ دونوں ہی ایک جیسے تھے بلکہ حازم صاحب اس سے بھی آگے تھے۔ لوگ غلطیاں کر کے اس کے ہاتھوں سزا پاتے تھے مگر حازم کو ہمیشہ پیار ملتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اسے نائل کی توجہ اور پیار کیسے حاصل کرنا ہے۔

"نائل حازم کی ناک بالکل میرے جیسی ہے۔"سنیہا نے محبت پاش نگاہوں سے حازم کو دیکھا تھا۔

"ٹھیک کہہ رہی ہو، بالکل تمہاری طرح چھوٹی اور پچکی ہوئی...."

"نائل....!"سنیہا نے احتجاج کیا تھا۔

"مذاق کر رہا ہوں۔ تم سٹریس مت لو۔"سٹریس دے کر وہ کہتا تھا کہ سٹریس مت لو۔

"ویسے ایک بات بتاؤ، یہ ناک اصلی ہے نا، میرا مطلب ہے کہ کہیں کوئی سرجری وغیرہ تو نہیں کروائی ہوئی؟ وہ آج کل لڑکیاں کرواتی ہیں نا چہرے کی سرجری۔ تم سچ سچ بتاؤ کہیں یہ حسین چہرہ محض دھوکہ تو نہیں....؟"ایک ہاتھ سے حازم کو اٹھائے اس نے دوسرا ہاتھ سنیہا کے گرد پھیلایا تھا۔اب وہ اسے اپنے ساتھ لیے بہت آہستگی سے آگے بڑھ رہا تھا۔

"یعنی آپ مان رہے ہیں کہ میں حسین ہوں؟"نائل کے ساتھ رہتے رہتے وہ بھی دن بدن تیز ہوتی جا رہی تھی۔

"استغفر اللہ!"وہ بڑی طرح گڑ بڑا گیا تھا۔اسے امید نہیں تھی کہ وہ اس کی باتوں کو اس طرح سے پکڑ لے گی۔

---

"وانیہ میری جان! پلیز میری بات سمجھنے کی کوشش کریں۔آپ ساری زندگی اکیلے نہیں رہ سکتیں۔"وہ دونوں بستر پر بیٹھے ہوئے تھے اور نائل مسلسل اسے سمجھا رہا تھا۔

"بھائی میں اکیلی نہیں ہوں۔حازم میرے ساتھ ہے۔"

"بیٹا! ایک دفعہ مل لینے میں کوئی حرج نہیں...."

"بھائی میں عمر کے علاوہ کسی کے بارے میں نہیں سوچ سکتی۔"

"شاہین کے بارے میں بھی نہیں...."وانیہ نے نظر اٹھا کر نائل کو دیکھا تھا۔

"ایک بار مل لیجیے پھر آپ جو فیصلہ کریں گی، مجھے منظور ہے۔" نائل اس کے سر پر ہاتھ رکھتے اٹھا تھا۔

"مل لوں گی مگر میرا فیصلہ اٹل ہے۔ مجھے اب کسی شاہین میں کوئی دلچسپی نہیں رہی۔" دروازے کے پاس نائل کے قدم رکے تھے۔

"میں آپ کے فیصلے کا احترام کروں گا۔" وہ کہہ کر رکا نہیں تھا۔

---

خاور کی کرنیں آتش کی مانند زمین پر پڑ رہی تھیں۔ کالے رنگ کی جیب تیز رفتار سے سنسان سڑک سے گزر رہی تھی۔ سڑک کے کنارے خزاں کے سوکھے پتے ساحل سمندر پر موجود موتیوں کی مانند بکھرے پڑے تھے۔ کالی جیب میں کافی سارے آدمیوں کے بیچ بیٹھا وہ شخص فکر فردا تھا۔ اس کے ساتھ کیا ہونے والا تھا، یہ سوچ کر ہی اس کی روح کانپ رہی تھی۔

اچانک ہی جیپ کے چڑچڑانے کی آواز وہاں موجود سب کے کانوں میں گونجی تھی۔ جیپ ایک جھٹکے سے رک چکی تھی۔

فائرنگ کی آواز سے سب الرٹ ہوئے تھے۔ جیپ میں بیٹھے شخص اب باہر آئے تھے۔ پانچ لوگوں نے انہیں گھیرا ہوا تھا۔ ان لوگوں نے بھی جواباً اپنی گنز نکال کر فائرنگ سٹارٹ کی تھی۔ دونوں طرف سے اب پرزور مقابلہ چل رہا تھا۔ جیپ میں بیٹھا وہ شخص سراسیمہ سا ہوتا ہوا ارد گرد نظریں گھما رہا تھا۔

اتنے میں ایک شخص اس تک آیا تھا، جس کے چہرے پر نقاب تھا۔ اب وہ اسے ہتھکڑیوں سے آزاد کروا رہا تھا۔

"کک... کون ہو تم؟" نقاب پوش نے اپنا نقاب ہٹایا تھا۔ بدر کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئی تھیں۔

"ڈیوڈ....!" اس کے لب ہلے تھے۔

"میں آپ کو لینے آیا ہوں بابا، چلیں...!" بدر کو لے کر وہ وہاں سے بھاگا تھا۔ وہ دونوں تھوڑا آگے جا کر ایک گاڑی میں بیٹھے تھے۔ حاتم نے فوراً گاڑی بھگائی تھی۔

"مجھے یقین نہیں آرہا کہ میرا بیٹا زندہ ہے؟" خوشی کے مارے بدر کی آنکھیں چھلکنے لگی تھیں۔

"میں اتنی آسانی سے نہیں مر سکتا بابا! میری پرواز بہت اونچی ہے۔" سڑک پر نظریں جمائے وہ مسکرایا تھا۔

کافی دور جاتے وہ ایک گھر کے قریب گاڑی رکی تھی۔

"چلیں بابا، یہاں آپ بالکل محفوظ رہے گے۔ کوئی آپ تک نہیں پہنچ سکتا۔" وہ اسے باہر موجود چھوٹے سے ڈیری فارم سے ہوتے ہوئے اندر تہہ خانے میں لے گیا تھا۔

"تم بچ کیسے گئے؟" میز کے گرد کرسی پر بیٹھتے بدر نے اشتیاق سے پوچھا تھا۔

"بس بابا! خداوند کی خاص عنایت ہے۔"

"میں تمہیں بتا نہیں سکتا کہ میں کتنا خوش ہوں۔"

"میں بھی...." وہ بھی پاس پڑی کرسی پر بیٹھا تھا۔

"مجھے پتا تھا کہ یہ لوگ مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچائے گے کیونکہ صرف میں ہی جانتا ہوں کہ وہ ڈیوائسز کیسے کھولنی ہیں۔"

"کون سی ڈیوائسز بابا؟"

"وہی جو نائل کے پاس ہیں۔"

"کہیں آپ ان کی بات تو نہیں کر رہے؟" حاتم نے اپنی ہتھیلی کھول کر اس کے سامنے رکھی تھی۔

"یہ.... یہ تمہارے پاس...." بدر کو تو خوشی کے مارے سانس ہی نہیں آئی تھی۔

"اتنے مہینوں سے میں یہی تو کر رہا تھا بابا!" ڈیوائسز میز پر رکھے اس نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگایا تھا۔

"اور وہ پانچویں ڈیوائس؟" حاتم نے وہ پانچویں ڈیوائس بھی نکال کر بدر کے سامنے رکھی تھی۔

"شاباش میرے بیٹے، شاباش! اب ہم پھر سے اپنی طاقت بحال کریں گے۔" وہ پورے جوش سے بولا تھا۔

"ویسے ان ڈیوائسز میں ہے کیا جو سب ان کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں؟"

"خزانہ، یہ خزانہ ہے۔ان ڈیوائسز میں تقریباً سارے ممالک کے بڑے بڑے گینگز میمبرز کے نام اور ان کے خلاف ثبوت ہیں۔ یہ ہماری برسوں کی محنت ہے۔ جیسے ہی کوئی گینگ کمزور پڑتا ہے، ہم مختلف طریقوں سے ان کے افراد کے بارے میں انہیں ثبوت دکھا کر بلیک میل کرتے ہیں اور اس طرح باآسانی کسی بھی ملک میں رسائی حاصل کر سکتے ہیں اور وہاں کالا دھندا کر سکتے ہیں۔"

"واؤ! یہ تو بہت دلچسب ہے۔ آپ نے مجھے پہلے کبھی اس کے بارے میں نہیں بتایا۔"

"بس بیٹا! غلطی ہو گئی مجھ سے۔ جس پر سب سے زیادہ اعتبار کرنا چاہیئے تھا، اس ہی کو ہر چیز سے بے خبر رکھا۔ تم تو میرے شیر ہو، میرا سب کچھ ہو۔"

"آپ کو مجھ پر شک تھا؟" ماتھے پر سلوٹیں ڈالے حاتم نے میز پر پڑی ایک ڈیوائس اٹھائی تھی۔

"ایسی بات نہیں ہے بیٹا! بس مجھے لگا کہ ابھی تم چھوٹے ہو، یہ سب نہیں سنبھال سکو گے۔"

"ہمم! ویسے آپ کو ان سب کا پاسورڈ یاد ہے؟"

"نہیں مجھے ایسا کچھ یاد نہیں کیونکہ ایسی کسی چیز کی ضرورت ہی نہیں ہے۔" وہ ہنسا تھا۔

"مطلب....؟"

"پاسورڈ یہ پانچویں اور الگ طرز کی چپ ہے۔" بدر نے لال رنگ کی ڈیوائس کو ہاتھ میں لیے حاتم کی جانب بڑھایا تھا۔

"میں سمجھا نہیں...."

"یہ بظاہر ایک ڈیوائس ہے مگر در حقیقت یہ پاسورڈ ہے۔ اگر ہم اس چپ کو کھولیں تو اس کے اندر ایک چھوٹی تار نکلے گی جسے اگر ہم سکین کریں گے تو اس پر ایک فہرست نمودار ہو گی، جس کو ڈی کوڈ کر کے پاسورڈ معلوم

کیا جا سکتا ہے۔اور اس کی خاص بات یہ ہے کہ کل ملا کر چار پاسورڈ ہوتے ہیں جو کہ ہر مہینے باری باری خود ہی تبدیل ہوتے رہتے ہیں اور اگر باقی چار ڈیوائسز میں سے ایک بھی ڈیوائس میں غلط پاسورڈ انٹر کیا تو سب کی سب ہی تباہ ہو جائیں گی۔"

"واہ بابا! آپ تو بہت ذہین ہیں۔ویسے آپ کو تو چاروں پاسورڈ یاد ہوں گے نا؟" حاتم نے ستائشی نگاہوں سے بدر کو دیکھا تھا۔

"ہاں یاد ہیں مگر تمہیں اتنی دلچسپی کیوں ہو رہی ہے؟"

"دلچسبی تو نہیں بس ایسے ہی پوچھ رہا تھا۔اگر آپ کو مجھ پر اعتبار نہیں تو بے شک مت بتائیں۔مجھے برا نہیں لگے گا۔"

"نہیں ڈیوڈ! ایسی بات نہیں ہے۔ تم تو ہیرا ہو۔ میں نے تو پہلی نظر میں تمہیں پہچان لیا تھا۔تم اپنے بزدل باپ کی طرح کمزور نہیں ہو۔

"ٹھیک کہا آپ نے، میں ان جیسا نہیں ہوں۔" وہ پھیکا سا مسکرایا تھا۔

"ہاں تم کندن ہو۔اور جہاں تک بات ہے پاسورڈز کی تو میں تمہیں بتا دیتا ہوں۔" بدر نے حاتم کو تمام پاسورڈز بتا دیے تھے۔

"آپ تو بہت شاطر ہیں۔" وہ ہنسا تھا اور پھر ہنستا ہی چلا گیا تھا۔اسے دیکھ کر بدر بھی ہنس دیا تھا مگر حاتم کے قہقے تو رک ہی نہیں رہے تھے۔وہ پاگلوں کی طرح ہنستا جا رہا تھا۔

"ڈیوڈ تم ٹھیک ہو؟" بدر اس کے پاگل پن کو دیکھ کر پریشان ہوا تھا۔

"اللہ اکبر!" وہ ہنستے ہنستے رکا تھا۔اس کی زبان سے نکلنے والے الفاظ نے بدر کو چونکا دیا تھا۔

"مطلب حد ہے۔" وہ سرخ چہرے کے ساتھ ایک بار پھر ہنس رہا تھا۔

"ذلیل انسان یہ سب پہلے نہیں بتا سکتا تھا، بلاوجہ اتنے سال ضائع کیے تو نے میرے...." کرسی سے اٹھ کر وہ بدر کے پاس گیا تھا۔

"یہ تم کیا...." بدر کے الفاظ ابھی منہ میں ہی تھے کہ حاتم نے اس کی پشت پر کھڑے ہوتے اس کے گلے پر تیز دھار چاقو رکھا تھا۔

"یہ... یہ تم کیا کر رہے ہو بیٹا؟" اسے اچانک ہی کسی انہونی کا احساس ہوا تھا۔

"بیٹا نہیں باپ ہوں تمہارا! اور سوال بھی بالکل غلط پوچھا ہے۔ تمہیں پوچھنا چاہیئے تھا کہ میں ہوں کون؟"

"پوچھو کہ کون ہوں میں....؟" اس کی آواز میں ایکدم ہی گرج نمودار ہوئی تھی۔

"کک... کون ہو تم؟" اپنے گلے پر چاقو کی چھبتی نوک کو محسوس کرتے بدر فوراً بولا تھا۔

"اب پوچھا ہے نا ڈھنگ کا سوال....!"

"میں وہ ہوں جس نے تمہیں ناکوں چنے چبوائے ہیں۔ میں وہ ہوں، جس کی شخصیت ایک راز ہے۔ میں وہ ہوں جس کی تمہیں تلاش ہے۔ میں وہ ہوں جس کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ دونوں ہاتھوں سے لکھنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔" بدر کی آنکھیں ایکدم ہی حیرت سے پھیلی تھیں۔ اس کا پورا وجود بالکل شل ہو گیا تھا۔

"میں حاتم خانزادہ عرف...." حاتم نے اس کے بال دبوچے تھے۔

"شاہین ہوں۔" اس کے کان کے پاس سرد سرگوشی کرتے وہ بدر کی سانسیں روک گیا تھا۔

"کیا ہوا بابا، زور کا جھٹکا لگا؟" چاقو میز پر اچھالتے وہ خود بھی اس کے عین سامنے میز پر بیٹھا تھا۔

"اب تم سوچ رہے ہو گے کہ یہ کیسے ممکن ہے۔ ایک پندرہ سالہ لڑکا شاہین کیسے ہو سکتا ہے؟ پندرہ سال کی عمر میں کوئی آئی۔ ایس۔ آئی ایجینٹ کیسے بن سکتا ہے؟ لمبی کہانی ہے۔ مگر فکر مت کیجیے، بہت وقت ہے ہمارے

پاس، تفصیل سے سناؤں گا۔" حاتم نے اس کے کندھے کو تھپتھپاتے ہوئے کہا تھا جبکہ بدر ابھی بھی گہرے صدمے میں تھا۔

"تت.... تم شاہین نہیں ہو سکتے؟" وہ نفی میں سر ہلاتے گویا ہوا تھا۔

"یقیناً نائل نے تمہیں میرے خلاف بھڑکایا ہے، تبھی تم...." حاتم نے جاندار قہقہہ لگایا تھا۔

"اُفف بدر! کتنے بھولے ہو تم۔ وہ مجھے کیا بھڑکائے گا؟" حاتم نے ہنستے ہوئے نفی میں سر ہلایا تھا۔

"اگر تم شاہین بھی ہو تب بھی یہ ڈیوائسز نہیں کھول سکتے۔ تم یقیناً کوئی غلط قدم اٹھاؤ گے اور یہ ساری ڈیوائسز تباہ ہو جائے گی۔" بدر نے تمسخرانہ لہجے میں کہا تھا۔

"اگر میں ان ڈیوائسز کو ڈی کوڈ کروں گی، تب تو ایسا نہیں ہو گا نا..." تہہ خانے میں نسوانی آواز کے ساتھ ہیل کی ٹک ٹک کی آواز بھی گونجی تھی۔

"ماریہ...." بدر کو آج جھٹکے پہ جھٹکا لگ رہا تھا۔

"ہاں ماریہ....!" وہ مسکرا کر اس تک آئی تھی۔

حاتم اور ماریہ کی نظریں ملی تھیں۔ دونوں ہی بیک وقت مسکرا دیے تھے۔

---

"کیوں بچایا مجھے؟" ہسپتال کے بستر پر بیٹھی وہ نم آواز سے گویا ہوئی تھی۔

"یہ سوال تو مجھے تم سے پوچھنا چاہیئے۔ تم جانتی ہو نا کہ فائل میں میرا نام تھا پھر بھی....؟" ماریہ کرب سے آنکھیں موند گئی تھی۔

"میں نے کہا نا کہ میں نمک حرام نہیں ہوں۔"

"تمہیں کیسے پتا چلا کہ میں شاہین ہوں؟" ہاتھ پر ہاتھ باندھے وہ متانت سے استفسار کر رہا تھا۔

"آپ کی نین نے بتایا۔" اس نے نم آنکھیں اٹھا کر حاتم کی جانب دیکھا تھا۔

"کیا بکواس کر رہی ہو؟" وہ دبادباسا غرایا تھا۔

" ملنے گئی تھی اس سے۔ پتا ہے کیا کہتی ہے؟" ماریہ کی آواز کپکپائی تھی۔

"وہ کہتی ہے کہ مجھے نفرت ہے ان لوگوں سے، جو بائیں ہاتھ سے لکھتے ہیں۔ بائیں ہاتھ سے لکھنے والے بے وفا ہوتے ہیں۔ وہ کہتی ہے کہ آپ بے وفا ہیں۔" ماریہ کا سارا چہرہ آنسوؤں سے بھیگ چکا تھا۔

"میں اچھے سے جانتی ہوں کہ آپ دائیں ہاتھ سے لکھتے ہیں، بائیاں ہاتھ تو آپ استعمال ہی نہیں کرتے۔ اور شاہین کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ وہ دونوں ہاتھوں سے لکھ سکتا ہے۔ بس پھر میں سمجھ گئی۔" اپنی بات کہہ کر وہ خاموش ہوئی تھی۔

"تہہ خانے میں آگ کیوں لگائی؟"

"عارف کو سب کچھ پتا چل گیا تھا۔ وہ بدر کو بتانے والا تھا۔ اس لیے میں نے اسے مارنے کے لیے کنٹرول کمرے میں آگ لگائی مگر پتا نہیں کیسے سارا تہہ خانہ اس کی زد میں آگیا۔"

"بیوقوف عورت! کتنی اہم معلومات تھی اس کمرے میں، تمہیں اندازہ بھی ہے؟" حاتم نے آگے بڑھ کر اسے گلے سے دبوچا تھا۔

"میں نے اتنی مشکل سے ڈیٹا اکھٹا کیا اور اب جب میں یہ ڈیٹا آگے بیجھنے والا تھا تو تم نے آگ لگادی۔" حاتم نے اسے ایک جھٹکے سے چھوڑا تھا۔ ماریہ کا

سر پیچھے دیوار میں لگا تھا۔

"اس ڈیٹا کی کاپی ہے میرے پاس، عارف سے لی تھی۔"

گلے پر ہاتھ رکھ کر وہ بامشکل بول سکی تھی۔

"کہاں ہے وہ؟" حاتم کی آنکھوں میں امید کی کرن اجاگر ہوئی تھی۔

"گھر پر ہے۔"

"جو شاہین کو جان لیتا ہے وہ پھر زندہ نہیں رہ سکتا۔"

حاتم نے اپنے کوٹ کی جیب سے گن نکالی تھی۔

"آپ کے ہاتھوں مرنا میرے لیے اعزاز ہے۔" وہ تلخی سے ہنسی تھی۔

"میرے لیے کام کرو گی؟" یہ آفر تھی

"ہمیشہ آپ کے لیے ہی کام کیا ہے۔"

"اگر دھوکہ دیا تو ایسی زندگی دوں گا کہ تمہاری سوچ ہے۔"

"مجھے منظور ہے۔" وہ پھیکا سا مسکرائی تھی۔ در حقیقت یہ حاتم کے قریب رہنے کا بہانہ تھا۔ وہ اسے حاصل نا سہی مگر کم از کم دیکھ تو سکتی تھی نا....

---

"بابو آپ نے قبول ہے، قبول ہے تو بولا ہی نہیں....!" پینٹ شرٹ میں ملبوس اس لڑکی نے منہ پھلائے کہا تھا۔

"بابو میں نے باہر ہی بول دیا تھا مولوی صاحب کے سامنے...." ہونٹوں کو بامشکل مسکراہٹ میں ڈھالے نائل نے اس اٹھارہ، انیس سال کی لڑکی کی جانب دیکھا تھا۔

وہ شروع سے ہی حجاب و قبول سے گریز کرتا تھا۔ بے شک یہ نکاح فرضی ہوتے تھے مگر اس کی پھر بھی پوری کوشش ہوتی تھی کہ وہ اپنی زبان سے ایسے الفاظ نا نکالے۔ خاص طور پر تب سے جب سے سنیہا اس کی زندگی میں آئی تھی۔

"بابو ہم اب ساتھ رہے گے نا؟"

"ہاں بابو، بس تم وہ فائل لے آنا جو میں نے تم سے لانے کو کہی ہے۔ رات میں تمہیں تمہارے گھر سے پک کروں گا میں..."

"اوکے!" وہ خوشی سے اچھلتے ہوئے گاڑی سے باہر نکلی تھی۔

"ایک تو یہ بندریاں اور ان کا بوبو شونا...." نائل نے تنفر سے سر جھٹکا تھا۔

"بے شرم کہیں کی، ایک میری بیوی ہے جو کتنی اچھی...." وہ کہتے کہتے رکا تھا۔

"استغفر اللہ!" نائل نے جھرجھری لی تھی۔ وہ اکیلے میں بھی سنیہا کی تعریف کرنے کا روادار نہیں تھا۔

اس لڑکی کو گھر چھوڑنے کے بعد وہ فارم ہاؤس کی جانب رواں تھا جب بیچ راستے میں اچانک اس کی گاڑی کے سامنے ایک اور گاڑی آکر رکی تھی۔

محسن غصے سے لال پیلا ہوتے ہوئے باہر آیا تھا۔

"نکل باہر...." گاڑی کے شیشے سے نائل کا گریبان پکڑے وہ چلایا تھا۔

"کیا ہوا؟" محسن نے اسے گریبان سے پکڑ کر گاڑی سے باہر نکالا تھا۔ نائل تو بالکل بوکھلا گیا تھا۔

"بدر کہاں ہے؟" وہ غرایا تھا۔

"مجھے کیا پتا؟" نائل نے اس کی گرفت سے خود کو آزاد کروایا تھا۔

"تمہیں نہیں پتا تو پھر کس کو پتا ہے؟ ایجنسی والوں سے تم لے کر آئے ہو اسے...."

"کیا.... میں....؟"

"کہیں اور چل کر بات کرتے ہیں۔" سڑک کے بیچ و بیچ اس قسم کی گفتگو کرنا مناسب نہیں تھا۔

اسے خونخوار نگاہوں سے گھورتے محسن اسے گریبان سے پکڑ کر اپنی گاڑی کی جانب لے گیا تھا۔

"اب بتاؤ تمہارا دماغ اتنا خراب کیوں ہے؟" ایک سنسان جگہ پر جا کر وہ دونوں ہی گاڑی سے باہر نکلے تھے۔

"بدر کو فرار کیوں کروایا؟"

"میں نے کب فرار کروایا؟ میں نے اسے مہینوں پہلے چیف کے حوالے کر دیا تھا۔"

"بکواس کر رہے ہو۔ شاہین بدر کو لے کر گیا ہے۔"

"کیا...؟" نائل کا قہقہ چھوٹا تھا۔

"شاہین، اب شاہین درمیان میں کہاں سے آگیا؟" نائل نے محسن کی عقل پر ماتم کیا تھا۔

"یہ تو تم بتاؤنا، کیونکہ شاہین تو تم ہی ہو۔"

"محسن تمہارا دماغ چل گیا ہے۔ میں شاہین نہیں ہوں۔"

"اچھا تو پھر شاہین کون ہے؟"

"مجھے کیا پتا؟"

"تم ایسے نہیں مانو گے۔" محسن نے اسے گریبان سے پکڑتے گاڑی پر لٹایا تھا۔

"محسن تمہیں ہو کیا گیا ہے؟" نائل اس کے رویے کی وجہ نہیں سمجھ پا رہا تھا۔

"تم نے میرا سارا مشن خراب کر دیا۔ میں چیف کے آرڈرز کو فالو کرتے دشمنوں کو غلط معلومات فراہم کر رہا تھا لیکن اب بدر کے اس طرح غائب ہونے پر چیف بہت زیادہ خفا ہیں۔ انہوں نے مجھے کہا ہے کہ بدر اور شاہین دونوں کو پکڑ کر لاؤں کیونکہ بدر شاہین کے قبضے میں ہے اور نائل تم مجھے بتاؤ گے کہ شاہین کہاں ہے؟"

"بہتر ہے کہ تم چیف سے خود ہی سارا معاملہ ڈسکس کر لو۔ میں تمہیں شاہین کے بارے میں نہیں بتا سکتا۔"

"چیف نے مجھے جو بتانا تھا، وہ بتا چکے۔ اب تم اپنی زبان کھولو گے اور مجھے بتاؤ گے کہ شاہین کہاں ہے۔" محسن کا بس چلتا تو نائل کو کچا چبا جاتا۔

"میں تمہیں شاہین کی جگہ کے بارے میں نہیں بتا سکتا۔" نائل نے فوراً ہاتھ کھڑے کیے تھے۔

"کیوں....؟"غصے سے محسن کے جبڑے بھینچ گئے تھے۔

"کیونکہ شاہین کا کوئی وجود ہی نہیں ہے۔شاہین محض ایک فرضی کردار ہے۔" بالآخر وہ بول ہی اٹھا تھا۔

"میری شکل پر کیا بیوا قوف لکھا ہے؟"محسن کا غصہ کسی صورت کم نہیں ہو رہا تھا۔

"اب جب بات کھل ہی گئی ہے تو میں تمہیں بتا دیتا ہوں۔میرا دوست اسفند وہ شاہین تھا لیکن سالوں پہلے وہ شہید ہو گیا۔چیف نے مجھ سے کہا کہ ہمیں شاہین کے خوف کو زندہ رکھنا ہے۔بس اسی لیے میں کبھی کسی کو تو کبھی کسی کو شاہین بنا دیتا تھا۔بس اتنی سی بات ہے۔"نائل نے جیسے مسئلہ حل کیا تھا۔

"پھر بدر کہاں ہے؟"

"میں سچ کہہ رہا ہوں، مجھے نہیں پتا۔میں نے بہت پہلے بدر کو اوران ڈیوائسز کو چیف کے حوالے کر دیا تھا۔ہمارے درمیان یہ طے ہوا تھا کہ ہارون میرا شکار ہے۔وہ جب بھی ملے گا، اسے میں ماروں گا۔ایجینسی والے اس میں مداخلت نہیں کریں گے۔"اپنی بات کے اختتام پر نائل نے گہری سانس لی تھی۔

"تمہیں لگتا ہے کہ میں تمہاری بکواس پر یقین کر لوں گا؟"محسن نے افسوس سے اسے دیکھا تھا۔

"جو سچ ہے، میں تمہیں بتا چکا ہوں۔"

"اب تو تم یہ بھی کہو گے کہ تمہیں تو معلوم ہی نہیں کہ شاہین حاتم ہے۔"محسن نے اس پر طنز کیا تھا۔

"حاتم....؟"نائل نے بے یقینی سے محسن کی جانب دیکھا تھا پھر ایک دم ہی وہ ہنس دیا تھا۔

"وہ سنگل پسلی...."وہ ہنس ہنس کر دہرا ہو رہا تھا۔

"حاتم میری آنکھوں کے سامنے پہاڑی سے کودا تھا۔وہ مر چکا ہے۔"نائل کا ری ایکشن بالکل قدرتی تھا۔ محسن کے ماتھے پر بل پڑے تھے۔

"نائل! حاتم ہی شاہین ہے۔" اس کی حالت دیکھ کر محسن کو معلوم ہو گیا تھا کہ وہ بھی اس سب سے بے خبر ہے۔

"اچھا مذاق ہے۔" نائل نے اب بھی اس کی بات مذاق میں اڑائی تھی۔

"مجھے لگتا ہے تم نے پی ہوئی ہے۔ محسن وہ ایک جذباتی اور کمزور شخص ہے۔ بلیک مونسٹر بھی وہ بدر کی رہنمائی پر ہی بنا تھا۔ اس کے پاس دماغ نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ اور تم کہہ رہے ہو کہ بدر حاتم کی قید میں ہے۔ یعنی وہ بدر جس سے پوچھے بغیر وہ پانی تک نہیں پیتا؟" نائل کو محسن اس وقت دنیا کا سب سے بیوقوف انسان لگا تھا۔

"یہ سب مجھے چیف نے بتایا ہے۔" نائل کی مسکراہٹ فوراً سمٹی تھی۔

"کیا مطلب....؟" چہرے پر اب سنجیدگی کے تاثرات تھے۔

"مجھے لگا تمہیں پتا ہو گا۔" محسن کو اب اپنی غلطی کا احساس ہوا تھا۔ وہ جس ایجینسی میں کام کرتے تھے وہاں وہ دوست ہو کر بھی مختلف کیسز پر کام کرتے تھے اور ایک دوسرے کو بتانا اسے الاؤڈ نہیں تھا۔

"ایک منٹ.... تم یہ کہہ رہے ہو کہ چیف نے تم سے کہا کہ حاتم شا...." وہ کہتے کہتے رکا تھا۔ دماغ کو ایک زوردار جھٹکا تھا۔

ماضی کی ساری یادیں ایک فلیش بیک کی طرح دماغ کی سکرین پر اجاگر ہوئی تھیں۔ اب وہ کڑیوں سے کڑیاں ملا رہا تھا۔

"نہیں، نہیں...." دماغ اس حقیقت کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔

"وہ شاہین نہیں ہو سکتا۔ وہ اس وقت ایک پندرہ سال کا بچہ تھا اور اس کے پاس تو اتنا دماغ بھی نہیں.... وہ وانیہ کو اور مجھے دھوکہ نہیں دے سکتا۔ وہ نائل آفندی کو بیوقوف نہیں بنا سکتا۔ یہ جھوٹ ہے۔ تمہیں یقیناً کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔" نائل نے نفی میں سر ہلایا تھا۔

"نائل تم ریلیکس ہو جاؤ۔"

"میں ریلیکس ہی ہوں اور تمہیں یقیناً کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ حاتم پہاڑی سے نیچے کودا تھا۔اس کی لاش نہیں ملی تھی۔"نائل کی زبان کو یک دم بریک لگی تھی۔

"اس کی لاش نہیں ملی تھی۔ چیف نے کہا تھا کہ....ڈھونڈنے کی ضرورت نہیں...."نائل کے چہرے کا رنگ پل میں زرد پڑا تھا۔ محسن کو اس کے لیے شدید افسوس ہوا تھا۔دھچکہ تو اسے بھی لگا تھا مگر نائل کا صدمہ زیادہ بڑا تھا۔

"چیف نے مجھے چھوڑ کر اس پر بھروسہ کیا۔ناممکن! تمہیں یقیناً غلط فہمی ہوئی ہے۔میں کوئی عام انسان نہیں ہوں۔میں نائل آفندی ہوں، مجھے کوئی بیوقوف نہیں بنا سکتا۔"نائل ایک بار پھر ہنسا تھا۔صدمے کے مارے اس کے دماغ پر گہرا اثر پڑا تھا۔

اسی وقت محسن کے موبائل پر میسج آیا تھا۔ساشا نے اسے حاتم کی لوکیشن بھیجی تھی۔

"نائل! ساشا نے لوکیشن بھیجی ہے۔چل کر دیکھ لیتے ہیں کہ کیا سچ ہے اور کیا جھوٹ...."

"مجھے کہیں نہیں جانا۔میں جانتا ہوں کہ ایسا کچھ نہیں ہے۔تم میرے ساتھ پرینک کر رہے ہو نا؟"اس نے امید سے محسن کی جانب دیکھا تھا۔

"ہاں تم یہی کر رہے ہو۔میں ابھی چیف کے پاس جاتا ہوں، ان سے بات کرتا ہوں۔وہ تمہیں خود بتائے گے کہ ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔تم بھی چلو میرے ساتھ!"

"میں حاتم کے پیچھے جاتا ہوں اور تم چیف کے پاس جاؤ۔"

"حاتم ہے ہی نہیں! حاتم کہاں سے آگیا؟"وہ بڑبڑاتا ہوا اپنی گاڑی کی جانب بڑھا تھا۔ محسن نے افسوس سے نفی میں سر ہلایا تھا۔اسے زندگی میں پہلی بار نائل کی حالت پر ترس آیا تھا۔دوسروں کو تنگ کرنے والا آج خود

ہی باؤلا ہوا پھر رہا تھا۔ حاتم نے اسے کہیں کا نہیں چھوڑا تھا۔ ابھی تو یہ ایک جھٹکہ تھا، نجانے آگے کیا کیا ہونا باقی تھا؟؟؟

محسن ایک طرح سے مطمئن بھی تھا کہ وہ چیف کے پاس جا رہا ہے۔ وہ اسے سب اچھے سے سمجھا دیں گے۔ اگر وہ محسن کے ساتھ جاتا اور حاتم کو شاہین کے روپ میں دیکھ لیتا تو شاید اسے پاگل خانے میں ہی داخل کروانا پڑتا۔

---

"حاتم! حاتم کے بچے.... !" محسن غصے کی حالت میں دروازہ توڑ کر گھر کے اندر داخل ہوا تھا۔

"محسن بھائی آپ....؟" وہ کچن میں چائے بنا رہا تھا جب محسن نے اسے گریبان سے پکڑ کر سلیب پر لٹایا تھا۔

"جھوٹے، دھوکے باز انسان! تمہاری تو میں آج یہیں قبر کھود دوں گا۔"

"شاید آپ بھول رہے ہیں کہ میں بلیک مونسٹر ہوں۔" حاتم نے اسے آنکھیں دکھائی تھیں۔

"چٹاخ!" محسن نے تمام تر لحاظ کو بالائے طاق رکھتے اس کے منہ پر زبردست تمانچہ مارا تھا۔

"چیف نے سب بتا دیا ہے مجھے، حاتم عرف شاہین... !" اس کے پیٹ میں گھونسہ مارتے وہ پیچھے ہٹا تھا۔

"شاہین میں....؟"

"ہاں تم! اور اب تم مجھے بتاؤ گے کہ بدر کہاں ہے؟"

"مجھے کیا معلوم...."

"تم ایسے نہیں مانو گے۔" محسن اسے گھسیٹتا ہوا باہر لاؤنج میں لایا تھا۔ اب اسے فرش پر لٹا کر اس کی اچھی خاصی درگت بنا رہا تھا۔ حاتم نے کسی قسم کی کوئی مزاحمت نہیں کی تھی۔ وہ محسن کی کیفیت کو سمجھتا تھا۔

"آپ کہیں گے تو آپ کے سر کی بھی قسم کھالوں گا کہ بدر میرے پاس نہیں ہے۔" وہ درد سے کراہتا ہوا بول رہا تھا۔

"اچھا تو پھر کس کے پاس ہے؟"

"مجھے نہیں پتا...."

"بدر کو چھوڑو، پہلے تم قبول کرو کہ تم ہی شاہین ہو۔" اسے کالر سے پکڑ کر کھڑا کرتے محسن نے غضب ناک آواز میں کہا تھا۔

"قبول کرلوں گا تو چھوڑ دیں گے مجھے؟"

"ہاں....!"

"ٹھیک ہے میں قبول کرتا ہوں کہ میں ہی شاہین ہوں۔" حاتم کے قبول کرنے کی دیر تھی، محسن نے اسے واپس فرش پر لٹا کر مارنا شروع کر دیا تھا۔

"یہ زیادتی ہے۔" حاتم نے احتجاج کیا تھا۔

"اتنے عرصے تم نے ہم سب کو ذلیل کیا۔ معاف تو میں چیف کو بھی نہیں کروں گا۔" اپنا غصہ اس پر اتار کر وہ پھولے تنفس کے ساتھ پیچھے ہٹا تھا

حاتم بھی شکر کا کلمہ پڑھتے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اس کا ہونٹ مار کھا کھا کر پھٹ چکا تھا۔ خیر وہ اسی کے قابل تھا۔

"میں مجبور تھا۔"

"تم ہمیں تو بتا ہی سکتے تھے نا.... تم نے ایک بار بھی وانیہ کے بارے میں سوچا۔ کیا کیا نہیں سہا اس بیچاری نے اور نائل! اس کے بارے میں سوچا۔ اسے جب میں نے بتایا کہ تم شاہین ہو تو بیچارا باؤلا ہی ہو گیا۔ زندگی میں پہلی بار مجھے اس پر ترس آیا ہے۔" محسن کے لہجے میں افسوس تھا۔

"نائل بھائی؟" حاتم نے حیرت سے پوچھا تھا۔

"ہاں! بیچارے کی حالت قابل ترس تھی۔ اتنا شدید جھٹکہ لگا اسے کہ بس نا ہی پوچھو...."

"اب ایک جھٹکہ میں دوں آپ کو..." حاتم نے لب دبائے محسن کی جانب دیکھا تھا جس پر محسن نے اسے سخت گھوری سے نوازا تھا۔

"میں نے آج تک جو بھی کیا ہے، وہ کرنے کے لیے مجھے کہا گیا تھا۔ اور یہ ساری پلیننگ چیف کی نہیں تھی۔ اصل ماسٹر مائنڈ کوئی اور ہے۔"

"کون....؟" وہ حیرت سے چلا اٹھا تھا۔

"آپ کے پیارے، معصوم، قابل ترس دوست، مسٹر نائل آفندی....!" حاتم نے لب دبائے کہا تھا جبکہ محسن نے گرنے سے بچنے کے لیے صوفے کا سہارا لیا تھا۔

"کیا کہہ رہے ہو؟" محسن کی سٹی بالکل گم تھی۔

"وہی جو سچ ہے۔ خرافاتی دماغ ہے ان کا...." حاتم نے ناگواری سے آنکھیں گھمائی تھیں۔ وہ خود بھی نائل سے تنگ تھا۔

"وہ میسنا، گھنا مجھے بیوقوف بنا کر چلا گیا۔" محسن صدمے سے صوفے پر ڈھے گیا تھا۔

"نائل آج تمہیں میرے قہر سے کوئی نہیں بچا سکتا۔" محسن کے اندر غصے کا لاوا ابل رہا تھا۔

اس نے فوراً نائل کو کال ملائی تھی مگر نائل صاحب کا فون بند تھا۔ اس نے اس کے گھر پر اور فارم ہاؤس پر بھی کال کی تھی مگر وہ وہاں بھی نہیں تھا۔

"جس مرضی بل میں چھپ جاؤ تم میسنے انسان، میں تمہیں ڈھونڈ نکالوں گا۔" محسن نے عہد کیا تھا اور حاتم نے اس کے غصے کو بڑھانے میں اپنا پورا پورا کردار ادا کیا تھا۔ وہ خود تو نائل پر ہاتھ نہیں اٹھا سکتا تھا مگر محسن کے ہاتھوں اسے پٹتا دیکھ کر لطف اندوز تو ہو ہی سکتا تھا۔

---

ہارون اپنے کمرے کی بالکنی میں اضطراب کی حالت میں ادھر سے ادھر چکر لگا رہا تھا۔ بالکنی کے اطراف میں خوبصورت، ہرے بھرے پودے سجے ہوئے تھے۔ کچھ پلاسٹک کے ڈبوں پر قدیم نقش نگاری کر کے انہیں گرل کے ساتھ نہایت مہارت کے ساتھ جوڑا گیا تھا۔ ان ڈبوں میں بھی مٹی بھر کے پودے اگائے گئے تھے۔ بالکنی کی دائیں طرف ایک پتوں کی بیل لٹکی ہوئی تھی۔

فون کی بیپ کی آواز پر اس نے بوکھلا کر کال ریسیو کی تھی۔

"کیا ہوا؟" سپیکر سے ابھرتی آواز سے اس کے چہرے پر ڈھیروں سکون چھایا تھا۔

"یہ تم نے بہت اچھا کیا جیمز! اس مصطفی کو مار دیا۔ اب راستہ صاف ہے۔ نینا کو اغوا کر کے بلیک مونسٹر کے آگے پیش کرنا ہے۔ اور جب اس کا دل بھر جائے گا تو پھر وہ میری...." وہ خباثت سے ہنسا تھا۔

شہلا کے قدم دروازے پر ہی منجمند ہو گئے تھے۔ وہ جانتی تھی کہ اس کا شوہر ایک اچھا انسان نہیں ہے مگر وہ اس قدر گھٹیا ہو سکتا ہے، یہ اس نے سوچا بھی نہیں تھا۔

"نینا شاپنگ کے لیے نکلے گی، اسے راستے سے اغواء کرنا ہے۔" جیمز کو ہدایت دے کر ہارون نے فون رکھا تھا۔ اب وہ پلٹا تھا۔

"شہلا...." اپنے سامنے اپنی بیوی کو دیکھ کر اسے ایک لمحے کے لیے سانپ سونگھ گیا تھا۔

"بے شرم انسان! تمہیں شرم نہیں آئی یہ سب کرتے ہوئے؟" شہلا نے آگے بڑھ کر ہارون کا گریبان پکڑا تھا۔

"مصطفی بھائی کو مار دیا اور اب نینا بھابھی کے ساتھ...."

"تمہیں تو میں چھوڑوں گی نہیں! ساری دنیا کو چیخ چیخ کر بتاؤں گی کہ تم کس قدر پیچ انسان ہو۔ میں پولیس میں تمہاری رپورٹ کرواؤں گی۔" اسے کالر سے جھنجھوڑ کر وہ مسلسل چیخ رہی تھی۔

"چل ہٹ....!" ہارون نے اسے دھکہ دیا تھا۔

"بڑی آئی میرے خلاف رپورٹ کروانے والی۔ جان سے ماردوں گا میں تجھے، اگر ایک قدم بھی اس گھر سے باہر نکالا تو...."

"میں تو جاؤں گی اور سب کو چیخ چیخ کر بتاؤں گی کہ تم ایک وحشی، جانور ہو۔"

"بتاؤ گی تو تب نا جب تم زندہ بچو گی۔" شہلا کو بالوں سے دبوچ کر ہارون نے کھڑا کیا تھا اب وہ مسلسل اس کا سر دیوار میں مار رہا تھا۔

"ہارون نینا بھابھی کے ساتھ کچھ مت کرنا۔ ہماری بیٹی بھی ان کے ساتھ ہے۔" چکراتے سر کے ساتھ وہ بامشکل بول سکی تھی۔

"کیا....؟" ہارون نے اسے فرش پر دھکہ دیا تھا۔

"صوفی نینا کے ساتھ... خیر کوئی بات نہیں! میں سمیر سے کہہ دوں گا کہ میری بیٹی کو کوئی نقصان نہیں پہنچنا چاہیئے۔" وہ ایک لمحے میں ہی ہر فکر سے آزاد ہوا تھا۔

"کیونکہ گھر آکر اسے اپنی ماں کی میت پر رونا بھی تو ہے۔" وہ سفاکیت سے کہتا شہلا کی جانب قدم بڑھا رہا تھا۔ شہلا کے ماتھے سے خون بہہ کر نیچے فرش پر گر رہا تھا۔

"نہیں....!" مسلسل نفی میں سر ہلاتے وہ اب پیچھے کی جانب کھسکتی جارہی تھی۔ گرل تک پہنچتے وہ ڈری سہی دبک کر بیٹھی تھی۔

ہارون نے پاس پڑا گملہ اٹھا کر اس کے سر پر بہت زور سے وار کیا تھا۔ وہ وہیں موقع پر دم توڑ گئی تھی۔

"بیوقوف....!" تنفر سے سر جھٹک کر وہ تیزی سے وہاں سے نکلا تھا۔

---

آفندی ہاؤس کی پچھلی طرف ایک جم بنا ہوا تھا، جسے نائل نے ہی بنوایا تھا۔ حاتم اس کے گھر سے ہوتا ہوا سیدھا جم گیا تھا۔ نائل تھوڑی دیر پہلے ہی گھر لوٹا تھا اور ملازمہ کے کہنے کے مطابق نائل اس وقت جم میں تھا۔

حاتم مرے مرے قدم اٹھاتا اندر داخل ہوا تھا۔ اسے نائل سے بات کرنے میں خوف محسوس ہو رہا تھا مگر بات تو اسے کرنی ہی تھی کیونکہ صرف نائل ہی اس کی مدد کر سکتا تھا۔ نائل نے پہلے بھی کئی بار اس کی مدد کی تھی۔

جم خانے کے باہر کالے رنگ کا کارپیٹ بچھا ہوا تھا اور اندر کا سارا فرش ماربل کا بنا ہوا تھا۔ اس فرش کی خاصیت یہ تھی کہ اسے دیکھنے پہ گمان ہوتا تھا کہ یہ ماربل نہیں بلکہ خالص لکڑی کا بنا ہوا تھا۔

جم خانے کی چھت پر چکور شکل میں لائٹیں لگی ہوئی تھیں۔ ہر ایک کونے میں مختلف ورزش کی مشینیں بھی رکھی ہوئی تھیں۔

"حاتم تم یہاں کیا کر رہے ہو؟" دروازے پر ہی نائل اس کے سامنے دیوار بن کر کھڑا تھا۔

یہ بظاہر جم تھا مگر اس کے اندر وہ کیا کرتا تھا یہ صرف وہی جانتا تھا۔ صد شکر کہ وہ کیمرے میں حاتم کو آتے ہوئے دیکھ چکا تھا ورنہ آج حاتم پر شاید اس کا بھید کھل جاتا۔ ملازمہ کی تو آج خیر نہیں تھی۔

"وہ آپ سے بات کرنی تھی۔" خشک لبوں پر زبان پھیرتے وہ خجل کا شکار ہوا تھا۔

"تمہاری تو آج فلائیٹ تھی نا تو پھر تم یہاں کیا کر رہے ہو؟" وہ اس وقت بہت اہم کام کر رہا تھا اور حاتم کی مداخلت اسے ایک آنکھ نا بھائی تھی۔

"وہ میں.... میں واپس آ گیا۔"

"کیوں....؟"

"نائل بھائی! میں نہیں جانا چاہتا۔ آپ پلیز ڈیڈ سے بات کریں نا۔ وہ آپ کی ہر بات مانتے ہیں۔" حاتم نے گو کہ منت کی تھی۔

"تمہارا دماغ ٹھیک ہے؟ اگر انکل نے تمہیں بھیجا ہے تو یقیناً سوچ سمجھ کر ہی بھیجا ہو گا نا، تمہارے بہترین مستقبل کے لیے...."

"نائل بھائی پلیز! مجھے نہیں جانا۔ میں اپنی فیملی کو چھوڑ کر نہیں جانا چاہتا۔ آپ پلیز ڈیڈ سے بات کریں نا...." وہ روتے ہوئے نائل کے گلے لگا تھا۔

"اچھا ٹھیک ہے، پیچھے ہٹو۔" نائل نے اسے فوراً خود سے دور دھکیلا تھا۔

"تم چلو، میں آتا ہوں۔ پھر چلتے ہیں تمہارے گھر...." نائل نے ناگواریت سے حامی بھری تھی۔

حاتم آنسو پونچھتے آگے بڑھ گیا تھا۔ اس کے جانے کے بعد نائل نے فوراً اپنا سارا کام سمیٹا تھا۔

"یہ آجکل کے بچے بھی نا....!" وہ سر جھٹکتے اب خود بھی جم سے باہر آیا تھا۔

حاتم اور نائل اب خانزادہ ہاؤس گئے تھے۔

لان میں کھڑے ہو کر نائل نے ہارون کا نمبر ملایا تھا مگر اس کا موبائل آف جا رہا تھا۔ حاتم بھی نائل کے ساتھ ہی کھڑا تھا۔

"تمہارے ڈیڈ اس وقت آفس میں ہوں گے۔ تم بات سمجھنے کی کوشش کرو۔ یہ تمہارے کیریئر....!" نائل نے حاتم کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے سمجھانا چاہا تھا مگر چھت سے کسی چیز کے گرنے کی وجہ سے اس کے الفاظ منہ میں دم توڑ گئے تھے۔

نائل کے ہاتھ کی پشت پر خون گرا تھا۔

"خون.....!" اس نے حاتم کے کندھے سے ہاتھ ہٹا کر اپنے ہاتھ کی پشت کو دیکھا تھا۔ اتنے میں حاتم کے کندھے پر بھی کچھ بوندیں گرنا شروع ہو گئی تھیں۔

دونوں نے بیک وقت اوپر دیکھا تھا۔ اوپر بالکنی سے نیچے آتی بیل خون نم خون ہو چکی تھی۔

وہ دونوں بھاگ کر اوپر گئے تھے۔

"مام.....!" بالکنی میں اپنی ماں کی لاش کو دیکھ کر حاتم کے سر پر قیامت گزری تھی۔

شہلا کا خون ساری بالکنی میں پھیلا ہوا تھا۔

"مام، مام اٹھیں!" وہ بھاگ کر شہلا کے پاس گیا تھا اور اب اس کی گال تھپک کر اسے اٹھانے کی کوشش کر رہا تھا۔

نائل تو خود شاک تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر شہلا کی سانسیں چیک کی تھیں جو کہ اب تھم چکی تھیں۔

"She is no more!"

نائل کے الفاظ کسی چابک کی طرح حاتم کے پورے وجود پر لگے تھے۔

"جھوٹ بول رہے ہیں آپ۔ مام اٹھیں نا۔ کس نے کیا یہ سب مام؟" وہ شہلا کا سر گود میں رکھ کر دھاڑیں مار مار کر رو رہا تھا جبکہ نائل کی نظر اب دیوار پر گئی تھی۔

دیوار پر خون کے دھبے تھے۔ وہ فوراً اٹھ کر وہاں گیا تھا۔

"یہ تو ایسا لگ رہا ہے جیسے کسی کا سر دیوار میں مارا گیا ہو۔" اس نے ایک نظر دیوار کی جانب دیکھا تھا تو دوسری نظر شہلا کے ماتھے کی طرف.... اس کے ماتھے سے بہتا خون چیخ چیخ کر گواہی دے رہا تھا کہ اس کا سر کئی بار دیوار میں پٹخا گیا ہے۔

اب نائل کی نظر فرش پر پڑی تھی جہاں خون کے ہلکے ہلکے دھبے تھے۔

"یہاں سے یہ پیچھے کی جانب گرل سے جا لگی ہوں گی۔اور یہ جوتوں کی مٹی....."اب اس کی نظر ٹوٹے ہوئے گملے پر پڑی تھی جو گرل کے ساتھ پڑا تھا۔

"کسی نے ان کے سر میں گملہ دے کر مارا اور یقیناً گملے سے نکلنے والی مٹی اس شخص کے پیروں میں لگی ہو گی تب ہی یہ نشان...."وہ چند سیکنڈز میں ہی سب سمجھ گیا تھا۔

"مگر کس نے....؟"نائل کی نظر اب کونے میں پڑے ایک گملے کی جانب گئی تھی جس میں کوئی چیز پڑی چمک رہی تھی۔

نائل نے جھک کر وہ چیز اٹھائی تھی۔وہ ہارون کی گھڑی تھی۔وہ اسے پہچانتا تھا۔ہاتھا پائی کے دوران یہ اس کے ہاتھ سے گر گئی تھی۔

"ہارون انکل....؟"وہ زیر لب بڑبڑایا تھا۔ایکدم ہی اس کے دماغ نے اسے سگنل دیا تھا۔نائل کو اب سب سمجھ آ گیا تھا۔

"حاتم!اٹھو یہاں سے،میں نے پولیس کو کال کر دی ہے۔جس نے بھی یہ کیا ہے،اسے سزا ملے گی۔"نائل نے حاتم کو اٹھاتے ہوئے کہا تھا۔وہ بچوں کی اس سے لپٹ کر رو دیا تھا۔

تھوڑی دیر میں پولیس آ گئی تھی اور سامنے معاملے کی انویسٹیگیشن شروع ہو گئی تھی۔شہلا کو پاسٹ مارٹم کے لیے لے جایا گیا تھا اور گھر کے کسی ملازم نے ہارون کے خلاف زبان نہیں کھولی تھی۔

اپنے گھر ہوتی کاروائی سے وہ مکمل طور پر انجان تھا۔شہلا کی لاش کو وہ اس لیے بھی چھوڑ کر چلا گیا تھا کہ حاتم تو یہاں پر تھا نہیں اور صوفی کو بیوقوف بنانا اس کے لیے مشکل نہیں تھا۔وہ اس موت کو آرام سے حادثاتی موت قرار دے سکتا تھا۔

"اسفند! اصل کلپرٹ ہارون ہے۔ وہ جال بچھائے گا، تم محتاط رہنا۔" موقع ملتے ہی نائل نے اسفند کو کال کی تھی۔

"میں بھی تمہیں یہی بتانا چاہتا تھا۔ ان لوگوں کو میرا پتا چل گیا ہے نائل! تم اب مجھ سے کنٹیکٹ مت کرنا۔ تمہیں ایکسپوز نہیں ہونا ہے اور ہاں! تمہاری فیملی کی جان خطرے میں ہے۔ میں پوری کوشش کروں گا کہ انہیں کچھ نا ہو۔" اسفند نے کہہ کر فوراً کال کاٹ دی تھی جبکہ اس کی بات سن کر نائل کا تو دماغ بالکل شل ہو گیا تھا۔

اس کے خاندان کا کوئی ایک فرد بھی گھر پر موجود نہیں تھا۔ ابھی وہ سوچ ہی رہا تھا کہ اس کا فون بجا تھا۔

فون اٹھاتے ساتھ ہی اس پر جو قیامت ٹوٹی تھی، وہ صرف وہی جانتا تھا۔

"ڈیڈ....!" وہ اندھا دھند وہاں سے بھاگا تھا۔ اطلاع کے مطابق مصطفیٰ کا ایکسیڈینٹ ہوا تھا اور وہ اس وقت ہسپتال میں مردہ حالت میں پڑا تھا۔

آج ایک ہی ساتھ دونوں پر قیامت ٹوٹی تھی۔

حاتم نے اپنی ماں کو کھویا تھا اور نائل نے اپنے باپ کو....

---

وہ نڈھال وجود کے ساتھ اپنے باپ کی میت کو گھر لایا تھا۔ یہ صرف وہی جانتا تھا کہ اس نے کیسے اپنے آنسوؤں پر بندھ باندھا ہوا تھا۔ وہ اپنی ماں کے گلے لگ کر رونا چاہتا تھا، چلانا چاہتا تھا مگر اس کی ماں اور بہن اب تک گھر نہیں پہنچے تھے۔

اپنے باپ کی میت کو ملازموں کے حوالے چھوڑ کر وہ دربدر کی ٹھوکریں کھا کر اپنی ماں اور بہن کو ڈھونڈھ رہا تھا۔ وہاں دوسری طرف حاتم بھی اپنی ماں کی میت کے ساتھ بالکل تنہا تھا۔ اس کے پاس نا اس کی بہن تھی اور نا ہی باپ....

دیکھتے ہی دیکھتے سورج ڈوب چکا تھا مگر کسی کا کوئی آتا پتا نہیں تھا۔

حاتم ہارون کو فون کر کر کے تھک چکا تھا مگر اس کا فون مسلسل بند جا رہا تھا۔ بالا خر اسے گھر سے باہر قدم اٹھانے ہی پڑے تھے۔ وہ پہلے ہارون کے آفس گیا تھا مگر وہ وہاں بھی نہیں تھا اور صوفی... وہ بھی نجانے کہاں تھی۔ نائل بھی اسے تنہا چھوڑ کر چلا گیا تھا۔

مرے مرے قدم اٹھاتے وہ نائل کے گھر گیا تھا۔ وہاں پہنچ کر اس پر ایک اور قیامت گزری تھی۔

مصطفی کی میت سامنے پڑی تھی اور نائل وہاں موجود نہیں تھی۔ نینا اور عینین بھی ابھی تک گھر نہیں پہنچے تھے۔ حاتم کو اب مزید تشویش ہوئی تھی۔

وہ بوجھل قدموں سے گھر سے باہر نکلا تھا۔ اب وہ کہاں اکیلا اپنے باپ اور بہن کو ڈھونڈھتا۔ کالونی کے نکڑ پر اسے نائل کی گاڑی کھڑی نظر آئی تھی۔

"نائل بھائی...!" وہ اس سمت بھاگا تھا مگر گاڑی سے کچھ فاصلے پر ہی اس کے قدم رک گئے تھے۔

"اسفند میری فیملی کا کچھ پتا نہیں چل رہا۔ آخر ان لوگوں کو مجھ سے کیا دشمنی... کہیں انہیں علم تو نہیں ہو گیا کہ میں ایک....!" وہ کہتے کہتے رکا تھا۔

"نہیں نائل! انہیں نہیں پتا۔ وہ تمہارے نہیں میرے پیچھے ہیں۔" اسفند نے نائل کو یقین دلایا تھا۔

"تو پھر میری فیملی کو کیوں اغوا کیا؟"

"نینا آنٹی!" حاتم اور نائل دونوں ہی چونکے تھے۔

"تم کہنا کیا چاہتے ہو؟"

"بلیک مونسٹر! وہ نینا آنٹی کو پسند کرتا ہے۔" جہاں اسفند نے نظریں چرائی تھیں وہیں نائل نے کرب سے آنکھیں میچی تھیں۔

"بلیک مونسٹر....؟" حاتم زیر لب بڑبڑایا تھا۔اسے یہ ساری گفتگو سمجھ نہیں آرہی تھی۔

"تم فکر مت کرو نائل! میں تمہاری فیملی کو کچھ نہیں ہونے دوں گا۔ تم گھر جاؤ۔ تم ایکسپوز نہیں ہو سکتے۔"

"اپنی خاندان کو ایسے تو نہیں چھوڑ سکتا میں، پھر چاہے کچھ بھی ہو جائے۔" وہ دونوں کھڑے باتیں کر رہے تھے جب حاتم دبے پاؤں گاڑی تک آیا تھا اور بہت آہستگی سے گاڑی کی ڈکی کھول کر اس میں لیٹ گیا تھا۔

نائل ہر آہٹ پہچانتا تھا مگر اس وقت وہ ذہنی خلفشار کا شکار تھا جس وجہ سے اسے علم نہیں ہو سکا تھا اور اسفند نے بھی اس طرف دھیان نہیں دیا تھا۔

تھوڑی دیر میں وہ لوگ گاڑی میں بیٹھ کر اسے اڑا لے گئے تھے۔

ان کی لوکیشن ٹریک کرنا اتنا مشکل نہیں تھا مگر سمیر نے جان بوجھ کر ٹیکنالوجی کا ایسا جال بچھایا تھا کہ یہ کام مشکل ہو گیا تھا۔

وہ لوگ کب سے شاہین کے پیچھے تھے اور انہیں یہ بھی معلوم ہو چکا تھا کہ شاہین ان کے بہت قریب ہے مگر انہوں نے اسے کبھی دیکھا نہیں تھا۔ وہ کبھی کسی پر تو کبھی کسی پر شک کر رہے تھے مگر انہیں اصل شاہین کا پتا نہیں چل رہا تھا۔

بالآخر کہیں فجر کے وقت وہ لوگ اس جگہ کے قریب پہنچے تھے جہاں نینا، عینین اور صوفی کو اغواء کر کے رکھا تھا، وہ بھی ایجینسی میں کام کرنے والوں کی مدد سے...

پہلے پہل وہ جان کر ایجنسی سے رابطہ نہیں کر رہے تھے۔ایسے کال ٹریس کرنا آسان ہو جاتا مگر اب مجبوری تھی۔

جنگل کے قریب آکر نائل نے گاڑی روکی تھی۔انہوں نے اپنے ساتھ کسی ایجنسی کے آدمی کو نہیں لیا تھا۔وہ اس مسئلے کو خود ہی حل کرنا چاہتے تھے۔

"نائل تم اس طرف جاؤ، میں یہاں دیکھتا ہوں۔" ابھی انہوں نے ایک قدم بھی نہیں اٹھایا تھا کہ انہیں ڈکی سے آوازیں آئی تھیں۔ دونوں ہی گن لوڈ کرنے کے بعد اب محتاط انداز میں ڈکی کی جانب بڑھ رہے تھے۔

نائل نے ڈکی کھول کر حاتم پر گن تانی تھی۔ حاتم تو چیخ اٹھا تھا۔

"تم....؟" نائل کا دماغ ایک لمحے کے لیے بالکل مفلوج ہو گیا تھا۔

"نائل بھائی....!" اب وہ ڈکی سے باہر نکلا تھا۔

"تم یہاں کیا کر رہے ہو؟"

"آپ لوگ یہاں کیا کر رہے ہیں اور آپ لوگ کون ہیں؟ یہ گن....!" اس کی آنکھوں میں سوال کے ساتھ ساتھ خوف بھی تھا۔

"بیوقوف لڑکے! تم ڈکی میں کیسے آئے؟" نائل کا پارہ سوا نیزے پر چڑھا تھا۔

"آپ لوگ جب باتیں کر رہے تھے تب...!" اپنے بوٹوں پر نظریں جمائے وہ منمنایا تھا۔

"تمہاری تو....!" اس کے منہ پر مکا جڑتے نائل نے گن اس کے سینے پر رکھی تھی۔

"جو ہمیں جان لیتا ہے نا، وہ زندہ نہیں بچتا۔" نائل نے ٹریگر پر ہاتھ جمایا تھا اور حاتم کی تو سانس وہیں رک گئی تھی۔

"نائل یہ کیا کر رہے ہو تم؟" اسفند نے اسے روکا تھا۔

"آپ لوگ کیا سپائے ہیں؟" حاتم نے ڈرتے ڈرتے پوچھا تھا۔

"نہیں ملک الموت ہیں۔" نائل کا بس چلتا تو اسے یہیں بھون دیتا۔

"سوری!" حاتم نے سر جھکائے شرمندگی سے کہا تھا۔

"اب اس کا کیا کرنا ہے؟" اسفند کے پوچھنے کی دیر تھی نائل نے آپے سے باہر ہو کر حاتم کے پیر کے قریب تین فائر کیے تھے، وہ موقع پر ہی بیہوش ہو گیا تھا۔ اب سر جھٹک کر نائل نے حاتم کو واپس ڈکی میں ڈالا تھا۔

"ایک یہی نمونہ تو رہ گیا تھا میری بہن کے لیے... میری بہن کی قسمت ہی خراب ہے جو اسے تمہارے بجائے یہ ملا۔" نائل نے منہ بنائے بند ڈکی کو دیکھا تھا۔

"مانو بہت چھوٹی ہے اور بالکل میری بہنوں جیسی ہے۔" اسفند نے اسے باور کروانا ضروری سمجھا تھا۔

"ہاں ہاں! پتا ہے مجھے.....!" حاتم پر مٹی ڈال کر اب ان دونوں نے اپنی اپنی راہ لی تھی۔

تھوڑی دیر بعد ڈکی میں موجود حاتم نے اپنی آنکھیں کھولی تھیں۔ ذرا سی تگ و دو کے بعد وہ ڈکی سے باہر نکل آیا تھا۔

"ڈکی لاک تک نہیں کی۔ نمونے کہیں کے....!" منہ کے مختلف زاویے بنا کر حاتم نے ابھی ایک قدم ہی آگے بڑھایا تھا کہ اس کی نظر ڈکی میں پڑی ایک کالی ہڈی پر پڑی تھی۔ اس نے ڈکی سے وہ ہڈی نکالی تھی۔ ہڈی کے ساتھ ایک ماسک بھی تھا۔ ہڈی کی پشت پر عقاب بنا ہوا تھا۔ کچھ دیر ہڈی کو الٹ پلٹ کر دیکھنے کے بعد حاتم نے اسے پہن لیا تھا۔ اب ماسک لگا کر وہ آگے کی جانب چل دیا تھا۔

ادھر ادھر دیکھتے حاتم اب جنگل میں سے گزر رہا تھا۔

کافی دیر چلنے کے بعد اسے کچھ آوازیں سنائی دیں تھیں۔ وہ فوراً درخت کی اوٹ میں ہوا تھا۔

اسفند دو آدمیوں کے ساتھ لڑ رہا تھا۔

"اوہ تو تم ہو شاہین!" ایک آدمی اس کے لڑنے کے انداز سے متاثر ہوا تھا۔

"ہاں میں ہی ہوں مگر افسوس تم یہ کسی کو بتانے کے لیے زندہ نہیں بچو گے۔" اسفند نے ہوا میں کلا بازی کھاتے ہوئے اس شخص کی پیٹ پر وار کیا تھا اور اس کا گلا پکڑ کر اس طرح سے گھمایا تھا کہ وہ موقع پر ہی ہلاک ہو گیا تھا۔

حاتم کی تو آنکھیں پھٹی پھٹی رہ گئی تھیں۔ اسے ایک لمحہ لگا تھا، اسفند سے متاثر ہونے میں....

اب اسفند نے کمال مہارت سے دوسرے شخص کو بھی مار گرایا تھا۔ اتنے میں دو اور شخص وہاں پہنچے تھے۔ اب اسفند نے دس سیکنڈ کے اندر اندر انہیں بھی ڈھیر کر دیا تھا۔

پیچھے کی جانب جاتے اب اس کا پیر زمین پر لگے ایک بٹن پر پڑا تھا۔ درخت سے ایک تیر اڑتا ہوا سیدھا اس کے سر کے بیچوں بیچ کھب گیا تھا۔

"اسفند بھائی...!" حاتم چلاتا ہوا اس کے پاس بھاگا تھا۔

اسفند بند ہوتی آنکھوں کے ساتھ زمین پر گرا تھا۔ یہ ایک جال تھا، جو دشمنوں نے بچھایا تھا۔

"حاتم! بھاگ جاؤ۔" اسفند نے بامشکل الفاظ ادا کیے تھے۔

"آپ کو کچھ نہیں ہو گا اسفند بھائی! ہم ڈاکٹر کے پاس چلتے ہیں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔" وہ اپنی ہی دھن میں بولے چلا جا رہا تھا جب اسفند کی زبان نے شہادت دی تھی۔

"أشهد أنّ لا إله إلا الله و أشهد أنّ محمدًا رسول الله."

اسفند کی آنکھیں اب مکمل طور پر بند ہو چکی تھیں۔

"نہیں....!" وہ اس کی لاش کے پاس بیٹھا کافی دیر روتا رہا تھا۔

کچھ دیر بعد اسے کسی کے قدموں کی چھاپ سنائی دی تھی۔ حاتم فوراً گھبرا کر اٹھا تھا۔

"آس پاس دیکھو! کیا کوئی آیا ہے یہاں...." گرج دار مردانہ آواز سن کر وہ فوراً اٹھ کر وہاں سے بھاگا تھا۔

جتنا تیز وہ بھاگ سکتا تھا، اب وہ بھاگ رہا تھا۔اس نے ایک بار بھی پلٹ کر پیچھے نہیں دیکھا تھا۔

تقریباً چالیس منٹ تک بھاگتے بھاگتے وہ تھک گیا تھا۔

ایک درخت کے پاس وہ ہانپتے وجود کے ساتھ بیٹھا تھا۔اس کی ٹانگیں اب درد کرنے لگی تھیں۔درخت کے ساتھ ٹیک لگا کر وہ گہری گہری سانسیں لے رہا تھا جب اس کی نظر ایک چھوٹے سے گڑھے کی طرف پڑی تھی۔گڑھے میں سے اسے کوئی کپڑا دکھا تھا۔وہ ابھی وہاں دیکھ ہی رہا تھا کہ اچانک گڑھے میں موجود وجود باہر آیا تھا۔

"نین....!" وہ آٹھ سالہ عینین تھی۔

حاتم فوراً بھاگ کر اس کے پاس گیا تھا۔اتنے میں ایک زوردار دھماکے کی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی تھی۔اس سے پہلے عینین چیختی، حاتم نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھا تھا۔پہاڑی سے اٹھتے دھواں میں سب کچھ جیسے دھندلا گیا تھا۔پہاڑی کے نیچے گاڑی گری تھی جس میں سے شعلے بھڑک رہے تھے اور پہاڑی کے اوپر چار لوگ کھڑے تھے۔تین آدمی اور ایک عورت....

حاتم کو کچھ بھی واضح طور پر نہیں دکھا تھا مگر عینین نے سب کچھ دیکھا تھا۔

وقت ضائع کیے بغیر حاتم عینین کو اٹھا کر وہاں سے لے گیا تھا۔

---

"نین تم ٹھیک ہو نا؟" ایک محفوظ مقام پر پہنچ کر حاتم نے خود کو اور اسے جھاڑیوں میں چھپایا تھا۔

"نین سب ٹھیک ہے نا؟" وہ اس سے پوچھ رہا تھا مگر وہ جیسے خاموشی کا پتلا بنی ہوئی تھی۔جو کچھ اس کی ننھی آنکھیں دیکھ چکی تھیں، اس کے بعد اس کا صدمے میں جانا بالکل معمولی بات تھی۔

"نین....!" حاتم نے اسے زور سے جھنجھوڑا تھا۔

"مام! وہ ڈرامہ ہو رہا ہے۔ شوٹنگ چل رہی ہے جیسے ڈراموں میں ہوتا ہے۔ آپی نے کہا تھا کہ خون نہیں ہے، کیچپ ہے۔ چھپے رہنا ہے، باہر نہیں نکلنا۔" وہ ٹوٹے پھوٹے لفظوں میں اسے بتا رہی تھی۔

"آپی.... صوفی!"

"نین صوفی کہاں ہے اور گاڑی سے نیچے کسے پھینکا ان لوگوں نے؟"

"وہ کسی کو بلانے گئی ہیں اور مام، گاڑی میں مام تھیں۔" حاتم کے سر پر جیسے آسمان گرا تھا۔

"نین! تم ٹھیک ہو؟" عینین خاموش ہو گئی تھی۔ اس کا ننھا دماغ سب سمجھنے سے قاصر تھا۔

"نین کون لوگ تھے وہ؟" حاتم نے اپنی آنکھوں کی نمی چھپاتے ہوئے پوچھا تھا۔

"تم نے دیکھا ان لوگوں کو....؟"

"وہ... وہ انکل! انکل نے مام کے ساتھ....!" وہ ایک بار پھر کہتے کہتے رکی تھی۔

"پتا نہیں کیا کیا۔ مام کو درد ہو رہا تھا۔ وہ رو رہی تھیں۔ نہیں سب ڈرامہ تھا۔" وہ عجیب انداز میں اسے بتا رہی تھی۔

"کون سے انکل نین؟ مجھے بتاؤ کون سے انکل....؟"

"مجھے نہیں پتا، وہ.... وہ...." وہ ہوش و ہواس کھوتی جا رہی تھی۔

"تم کون ہو؟" عینین نے الٹا سوال کیا تھا۔ حاتم ایک لمحے کے لیے چونکا تھا۔ عینین اسے نہیں پہچان سکی تھی۔ کچھ اس کی دماغی حالت ایسی تھی اور پھر حاتم نے ماسک بھی لگایا ہوا تھا۔

"میں...." وہ سوچ میں پڑا تھا۔

"میں شاہین ہوں۔" اپنے بازو پر بنے ایک چھوٹے سائز کے عقاب کو دیکھ کر حاتم نے بھرائی آواز کے ساتھ کہا تھا۔

"شاہین....!" وہ زیر لب بڑبڑائی تھی۔

"ہاں شاہین! اور میں تم سے وعدہ کرتا ہوں۔ میں کسی کو نہیں چھوڑوں گا۔ نینا آنٹی کے ساتھ جس نے بھی یہ کیا ہے، میں اسے معاف نہیں کروں گا۔" حاتم نے عینین کو خود سے لگایا تھا۔ بس اس کی سکت یہیں تک تھی۔ وہ ننھی سی جان اب بیہوش ہو چکی تھی۔

---

حاتم ہی جانتا تھا کہ وہ وہاں سے عینین کو لے کر کیسے بھاگا تھا۔ بہت مشقت کے بعد بالآخر وہ اس گاڑی تک پہنچا تھا جس پر وہ لوگ وہاں آئے تھے۔ حاتم نے گاڑی کی پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر عینین کو اس میں لٹایا تھا۔ وہ اسے وہاں سے لے کر چلا جاتا مگر وہ ایسا نہیں کر سکا تھا۔ نا تو اسے ڈرائیونگ آتی تھی اور نا ہی وہ نائل کو چھوڑ کر جا سکتا تھا۔ اب حاتم نے اپنی ہڈی اور ماسک اتار کر گاڑی میں رکھا تھا۔

عینین کو گاڑی میں چھوڑ کر حاتم نے گاڑی لاک کی تھی۔ اب وہ وہاں سے آگے کی جانب بھاگا تھا۔

"نائل بھائی! کہاں ہیں آپ؟" نائل کو پکارتے ہوئے وہ آگے بڑھ رہا تھا۔

کافی آگے جا کر اس کے سر پر کسی نے پیچھے سے وار کیا تھا۔ حاتم موقع پر بیہوش ہو گیا تھا۔

اسے جب ہوش آیا تو اس نے خود کو ایک کمرے میں پایا تھا۔

"آہ....!" سر پر ہاتھ رکھ کر وہ کراہتا ہوا اٹھا تھا۔

"ایک نئی زندگی مبارک ہو ڈیوڈ....!" مردانہ آواز پر چونک کر اس نے بائیں سمت دیکھا تھا۔ وہاں الیکس کھڑا مسکرا رہا تھا۔

"کک... کون ہو تم؟" حاتم گھبرا کر بستر سے اچھلا تھا۔

"ڈرو نہیں لڑکے! اب سے تم ہمارے ساتھ رہو گے۔"

"مجھے گھر جانا ہے۔ مجھے جانے دو۔" وہ اسے دھکہ دے کر دروازے کی جانب لپکا تھا جب الیکس نے اسے پکڑ کر فرش پر دھکہ دیا تھا۔

"کہا تھا میں نے کہ تم اس کمرے کے قابل نہیں ہو۔ تم بالکل بھی نہیں ہو۔" اب وہ حاتم کو گھسیٹتے ہوئے اپنے ساتھ لے جا رہا تھا۔

"آج سے تم یہاں رہو گے۔" الیکس نے اسے ایک اندھیر اور خالی کمرے میں بند کر دیا تھا۔

"دروازہ کھولو، کون ہو تم لوگ؟" حاتم زور زور سے دروازہ پیٹ رہا تھا۔

"مجھے جانے دو۔ میری بہن اور باپ لاپتہ ہے۔ میری ماں کی میت گھر پڑی ہے۔ مجھے چھوڑ دو۔" وہ چیخ چلا کر دروازہ پیٹ رہا تھا مگر اس کی سننے والا وہاں کوئی نہیں تھا۔

کافی دیر چیخنے کے بعد وہ اب تھک چکا تھا۔ شکست خور حالت میں اب حاتم دیوار کے ساتھ لگا اپنی بے بسی پر آنسو بہا رہا تھا جب اچانک دروازہ کھلنے کی آواز سے وہ چونک کر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"کھانا کھاؤ گے لڑکے؟" الیکس نے اس سے پوچھا تھا۔

"مجھے گھر جانا ہے۔" وہ نم آنکھوں سے چلا اٹھا تھا۔

"آنکھیں نیچی رکھ کر بات کرو ورنہ تمہاری آنکھیں نکال لوں گا میں.... اپنے دماغ میں ایک بات بہت اچھے سے بٹھا لو کہ تم نے اب ساری زندگی ہماری غلامی کرنی ہے۔ تو تم مجھے صاحب یا سر کہہ کر بلاؤ گے ڈیوڈ!" الیکس نے ایک ہتک آمیز نگاہ اس پر ڈالی تھی۔

"میں ڈیوڈ نہیں حاتم ہوں اور جہاں تک بات ہے نظریں جھکا کر بات کرنے کی، تو میری نظریں تو تمہارا باپ بھی نہیں جھکوا سکتا۔" وہ غم و غصے سے غرایا تھا۔

"کیا بکواس کی ہے تم نے؟" الیکس نے اس کے بال دبوچ کر اس کے منہ پر تھپڑوں کی برسات کی تھی۔

"آنکھیں نیچی کرو۔"

"نہیں کروں گا۔" وہ ضد پر اڑ گیا تھا۔

"تمہیں تو میں بتاتا ہوں۔" الیکس نے اپنے ایک آدمی کو اشارہ کیا تھا۔

وہ آدمی فوراً کیل اور ہتھوڑی لے کر وہاں آیا تھا۔

حاتم کو فرش پر دھکہ دیتے الیکس نے اس کا ہاتھ پکڑا تھا۔

"یہ تم کیا کر رہے ہو؟" الیکس نے اس کا ہاتھ زمین پر رکھ کر اس میں کیل ٹھوکنا شروع کیا تھا۔

"آہ! چھوڑو مجھے....!" حاتم نے اپنے دوسرے ہاتھ سے اسے روکنے کی کوشش کی تھی مگر الیکس نے اس کے منہ پر چار تمانچے رسید کر کے اپنے آدمی کو اس کا ہاتھ پکڑنے کو کہا تھا۔

"آج کے بعد تم مجھ سے نظریں جھکا کر بات کرو گے اور صاحب بھی بلاؤ گے۔" وہ جیسے جیسے کیل اس کے ہاتھ میں ٹھوکتا جا رہا تھا، حاتم کی چیخیں ویسے ویسے بلند ہوتی جا رہی تھیں۔ اس نے زندگی میں پہلی بار اتنی تکلیف برداشت کی تھی۔

"چھوڑو مجھے....!" وہ درد سے کراہتا مسلسل خود کو چھڑوانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"یہ کیل نظر آ رہے ہیں، یہ سب کے سب تمہارے ہاتھ سے آر پار ہوں گے اگر تم نے مجھ سے معافی نا مانگی تو...."

"میرے پیر پکڑو اور معافی مانگو مجھ سے..."

"نہیں مانگوں گا۔" سرخ آنکھوں میں بے پناہ غصہ لیے وہ دھاڑا تھا۔

اس میں یہ ہمت کہاں سے آئی تھی یہ وہ بھی نہیں جانتا تھا۔

"کیا کہا تم نے....؟" الیکس نے اسے بالوں سے پکڑ کر اس کا سر زور سے گھمایا تھا۔ اب وہ مسلسل اس کے سر کی پشت کو پیچھے دیوار پر مار رہا تھا۔ حاتم کے سر کے پچھلے حصے پر پہلے ہی چوٹ لگی تھی، اس لیے وہ زیادہ تکلیف برداشت نہیں کر سکا تھا۔ اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھانے لگا تھا اور پھر اس کی آنکھیں بند ہو گئی تھی۔

الیکس اسے ٹھڈا مار کر کمرے سے باہر آیا تھا۔

"نہیں مانگی نا اس نے معافی؟" بدر جو بہت دلچسپی سے سارے منظر کو دیکھ رہا تھا، الیکس کے باہر آتے ہی اس نے سوال پوچھا تھا۔

"نہیں....!" الیکس نے نفی میں سر ہلایا تھا۔

"کہا تھا نا میں نے کہ مجھے اس کی آنکھوں میں کچھ دکھتا ہے۔ یہ ہارون کا بیٹا ضرور ہے مگر اس جیسا نہیں ہے۔ وہ تو مصیبت پڑنے پر ہمارے تلوے تک چاٹ لیتا ہے مگر یہ مختلف ہے۔ یہ نہیں جھکے گا۔ ذرا سی تراش خراش کی ضرورت ہے اور ایک دن یہ دنیا پہ حکومت کرے گا۔" بدر نے حاتم کے بے جان وجود کو گہری نگاہوں سے دیکھا تھا۔ ہارون کو اس کے آدمی نے بہت پہلے ہی خبر دے دی تھی کہ حاتم نے فلائٹ مس کی ہے۔ اس نے شاہین اور آئی ایس آئی کے خوف سے باہر جانے کا فیصلہ کیا تھا اور اپنی آزادی کے بدلے اس نے حاتم کو بدر کو بیچ دیا تھا۔

---

ہر گزرتے دن کے ساتھ اس پر ظلم کے پہاڑ توڑے جا رہے تھے۔ وہ دن بدن اسے مضبوط اور سفاک بنا رہے تھے لیکن ایک چیز تھی جو درمیان میں رکاوٹ بن رہی تھی، وہ حاتم کا اسلام کی طرف رجوع تھا۔

وہ ویسے ایک اچھا مسلمان نہیں تھا مگر جب سے وہ اس قید میں آیا تھا تب سے اس کا اللہ تعالیٰ پر ایمان بڑھ گیا تھا۔ جس نے کبھی شاید جمعہ یا عید نماز پڑھی تھی، وہ اب پانچ وقت کی نمازیں پڑھنے لگا تھا۔ وہ راتوں کو اٹھ اٹھ کر اللہ تعالیٰ سے باتیں کرتا تھا۔ سارے دن میں خود پر ہوئے مظالم کی داستانیں سناتا تھا اور ساتھ ہی ساتھ اپنے

خاندان کی سلامتی کی دعائیں بھی مانگتا تھا۔بدر کو اس کا اسلام کی جانب یہ رجوع بالکل پسند نہیں تھا۔حاتم کو سفاک بننا تھا۔اسے صحیح اور غلط کا فرق بھولنا تھا۔اگر وہ اپنے مذہب پر اسی طرح ڈٹا رہتا تو وہ غلط راستہ کیسے چن سکتا تھا؟؟؟

بدر نے ایک پلین ترتیب دے کر حاتم کا برین واش کرنا شروع کیا تھا۔اس نے حاتم کی نظر میں الیکس کو سفاک بنا دیا تھا جبکہ وہ خود اسے بہت پیار کرتا تھا۔رفتہ رفتہ حاتم کو بدر سے انسیت ہونے لگی تھی۔

بدر نے الیکس کو سختی سے کہا تھا کہ وہ حاتم کو نماز نا پڑھنے دے اور الیکس نے اس کی بات پر پورا پورا عمل کیا تھا۔

رات کے پہر وہ سوجھی ہوئی آنکھوں کے ساتھ کھڑکی کے پار دیکھ رہا تھا۔بدر نے اسے ایک کمرہ دے دیا تھا جہاں بظاہر ہر قسم کی آسائش تھی لیکن وہ اسے اسی صورت ملتی تھی جب وہ ان کا کہا مانتا تھا اور ٹریننگ میں بھی کامیاب ہوتا تھا۔اسے ہر چیز کے ترسایا جاتا تھا۔جیسے وہ دس کلومیٹر روز بھاگے گا تو ہی اسے سارا دن پانی ملے گا اور ایسی دیگر اشیاء کے لیے بھی اسے کافی ذہنی اذیت دی جاتی تھی۔

اسے اس قدر ڈرایا گیا تھا کہ وہ یہاں سے بھاگنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

ابھی بھی وہ بیٹھا اپنے خوشحال خاندان کے بارے میں سوچ رہا تھا جب اسے کھڑکی میں ہلچل محسوس ہوئی تھی۔حاتم فوراً ڈر کر اٹھا تھا۔

کھڑکی سے اندر چھلانگ لگاتے جس شخص کو اس نے دیکھا تھا، وہ نائل تھا۔

"نائل بھائی....!" وہ بھاگتا ہوا نائل سے لپٹا تھا۔اب وہ اس کے گلے لگ کر دھاڑیں مار مار کر رو رہا تھا۔

"بس چپ ہو جاؤ حاتم! سب ٹھیک ہے۔میں تمہیں لینے آیا ہوں۔" نائل نے کافی مشقتوں کے بعد حاتم کا پتا لگا ہی لیا تھا۔

اسے تو خود کسی چیز کا ہوش نہیں تھا۔ مصطفی کی موت کے بعد نینا کی دردناک موت، یہاں تک کہ نینا کی لاش بھی نہیں ملی تھی بس اس کے جسم کے کچھ اعضاء ملے تھے اور پھر عینین کے دورے.... وہ چیختی چلاتی تھی اور جو باتیں وہ نائل کو بتاتی تھی، وہ نائل سن نہیں سکتا تھا۔ وہ رو رو کر کبھی مصطفی اور کبھی نینا کو بلاتی تھی اور نائل بے بس سا بس اسے جھوٹے دلاسے دیتا تھا۔

اسفند کی شہادت بھی اس کے لیے کچھ کم دھچکہ نہیں ثابت تھی اور صوفی.... وہ تو اس بارے میں سوچنا بھی نہیں چاہتا تھا

"نائل بھائی! آپ یہاں سے چلے جائیں۔ وہ لوگ.... وہ لوگ آ جائیں گے۔" اس سے الگ ہو کر حاتم نے ڈر کر اسے پرے دھکیلا تھا۔

"یہاں کیمرہ لگا ہوا ہے۔ وہ لوگ میری حرکت پر نظر رکھتے ہیں۔ آپ پلیز چلے جائیں یہاں سے....!"

"اگلے دس منٹ تک کیمرہ بند رہے گا۔ تم بے فکر رہو۔ ہم یہاں سے نکل جائیں گے۔" نائل کو اس کے جسم پر موجود نشانات دیکھ کر بہت دکھ پہنچا تھا۔

"نائل بھائی! میرے گھر والے کیسے ہیں؟ ڈیڈ، صوفی اور مانو.... وہ کیسی ہے؟"

"کس قدر بدنصیب ہوں میں.... اپنی ماں کو کندھا تک نہیں دے سکا۔" حاتم بری طرح رو دیا تھا۔

"سنبھالو خود کو حاتم، ہمیں یہاں سے نکلنا ہے۔"

"پہلے مجھے یہ بتائیں نین کیسی ہے؟ اسے میں نے گاڑی میں چھوڑ دیا تھا۔"

"وہ بالکل ٹھیک ہے۔ سب ٹھیک ہے، تم بس چلو۔"

"صوفی! وہ ٹھیک ہے نا؟" نائل نے نظریں چرائی تھیں۔

"بتائیں نا! میری بہن ٹھیک ہے نا؟"

"حاتم! صوفی کا ایکسیڈینٹ ہوا تھا اور...." وہ کہتے کہتے رکا تھا۔

"کیا....؟ وہ ٹھیک تو ہے؟"

"وہ ہمارے درمیان نہیں رہی۔" حاتم کا سارا وجود جیسے بے جان ہوا تھا۔

"حاتم چلو یہاں سے، صرف چھ منٹ رہتے ہیں۔" نائل نے اسے کندھے سے پکڑ کر جھنجھوڑا تھا۔

"اور ڈیڈ، وہ بھی...."

"حاتم پلیز چلو۔ بعد میں بات کریں گے۔"

"کون ہیں یہ لوگ اور انہوں نے کیوں..."

"یہ لوگ بہت خطرناک ہیں۔ بس تمہارے ڈیڈ اور میرے ڈیڈ کے ساتھ شاید کوئی دشمنی ہے ان کی...." نائل اسے نہیں بتا سکا تھا کہ اس سب کے پیچھے اس کا اپنا سگا باپ ہے۔

"چلو حاتم! وقت نہیں ہے ہمارے پاس....!" نائل اسے بازو سے پکڑ کر کھڑکی تک لے گیا تھا۔

"میں کہیں نہیں جاؤں گا۔" ایک لمحہ لگا تھا اسے فیصلہ کرنے میں....

"حاتم....!" نائل نے حیرانگی سے اسے دیکھا تھا۔

"میں یہیں رہوں گا اور اپنے خاندان کا انتقام لوں گا۔" اس کی آنکھیں سرخ تھیں اور چہرہ بے تاثر....

"یہ لوگ تمہیں مار دیں گے۔" نائل نے غصے پر ضبط کرتے اسے سمجھانا چاہا تھا۔

"یا تو یہ مجھے مار دیں گے یا پھر میں انہیں ختم کروں گا۔" اس کی آنکھوں میں پہلی بار نائل نے کچھ عجیب سا دیکھا تھا، کچھ الگ سا....

"حاتم صرف ایک منٹ رہتا ہے۔"

"آپ جائیں میں نہیں جاؤں گا۔" نائل کو مجبوراً جانا پڑا تھا ورنہ وہ پکڑا جاتا۔

"میں ہفتہ کو پھر آؤں گا۔" وہ یہ کہہ کر باہر کی جانب کو دا تھا۔

نائل کو لگا تھا کہ وہ جذبات میں آ کر یہ سب کہہ رہا ہے مگر وہ اس بات سے انجان تھا کہ حاتم بدل رہا تھا۔

اتنے مظالم کے بعد اگر کسی کو بھاگنے کا موقع ملتا تو وہ اس موقع کو غنیمت جانتا مگر حاتم نے خود یہ کھٹن راستہ چنا تھا۔اسے اپنے خاندان کا انتقام لینا تھا۔

---

"نائل تمہارے دماغ میں کیا چل رہا ہے؟" چیف نے ماتھے پر بل ڈالے اس نے استفسار کیا تھا۔

"ایک زبردست پلین...." نائل کے لبوں پر تیکھی مسکراہٹ سجی ہوئی تھی۔

"ہمیں صرف ایک گینگ کو نہیں پکڑنا۔ ہم ان کی جڑوں کو نست و نابود کر دیں گے۔ ہم نے شاہین کو کھو دیا ہے مگر ہم اس کا خوف برقرار رکھیں گے۔ ہم دشمنوں کے دلوں میں شاہین کا ایسا ڈر بٹھائیں گے کہ وہ سب بوکھلا جائیں گے۔"

"مگر ہم تو شاہین کو کھو چکے ہیں۔"

"یہ بات آپ جانتے ہیں، میں جانتا ہوں مگر دشمن نہیں جانتے۔ انہوں نے کبھی شاہین کو نہیں دیکھا۔"

"تم کرنا کیا چاہتے ہو؟"

"میں نے آئی۔ ایس۔ آئی چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔"

"کیا....؟" چیف نے حیرانگی سے اسے دیکھا تھا۔

"میں چاہتا ہوں کہ آپ لوگ خود ہی مجھے ایجینسی سے نکال دیں۔"

"تم ایسا کیوں چاہتے ہو؟"

"مجھے ہارون کی موت پر یقین نہیں ہے۔اور ویسے بھی آج نہیں تو کل یہ لوگ مجھ پر شک ضرور کریں گے۔ بہتر یہی ہے کہ آپ مجھے ریٹائرمنٹ دے دیں۔"

"ہمم!" چیف سوچ میں پڑے تھے۔

"ہم شاہین کے خوف کو کیسے زندہ رکھیں گے؟"

"بہت آسان ہے۔میرے ایک دو لوگ دشمنوں کے درمیان ہیں۔اوپر اوپر کی خبریں وہ ہمیں لا کر دیں گے اور ہم ایسا دکھائیں گے کہ وہ سب شاہین کر رہا ہے۔"

"وہ سب تو ٹھیک ہے میجر مگر ہمیں کوئی ایسا شخص چاہیئے جو اندر تک رسائی حاصل کر سکے۔"

"ہمارے پاس ایسا شخص ہے۔" نائل کی آنکھوں میں چمک ابھری تھی۔

"کون...؟"

"حاتم....!"

"کیا....وہ یہ سب نہیں کر سکتا۔" چیف کو نائل کی ذہنی حالت پر شک ہوا تھا۔

"کر سکتا ہے۔میں نے اس کی آنکھوں میں انتقام کی آگ دیکھی ہے۔وہ لوگ اسے بلیک مونسٹر بنائیں گے تو ہم اسے شاہین...."

"بلیک مونسٹر....؟"

"جی چیف! بدر ایسا چاہتا ہے۔"

"پھر تو یقینا اس لڑکے میں کوئی خاص بات ہو گی۔" وہ متاثر ہوئے تھے۔

"خاص نہیں بھی ہے تو بھی میں اسے خاص بنا دوں گا۔آج کے بعد حاتم وہ سب کرے گا جو میں اسے کرنے کے لیے کہوں گا۔" نائل کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"یعنی دماغ تمہارا اور نام شاہین کا...." چیف نے اچھنبے سے اسے دیکھا تھا۔

"کہہ سکتے ہیں۔"

"تم خود کیوں نہیں شاہین کا کردار ادا کرتے؟ تم بھی تو ان کے درمیان جا کر یہ کر سکتے ہو؟"

"میں یہ نہیں کر سکتا۔ مجھ پر وہ پھر بھی شک کریں گے مگر حاتم پر کوئی شک نہیں کرے گا کیونکہ وہ ہارون کا بیٹا ہے اور ویسے بھی مجھے ایک اور کردار ادا کرنا ہے۔" نائل نے میز پر پڑی گن اٹھائی تھی۔

"کون سا کردار....؟"

"نائل آفندی کا کردار، ایک سپائے کا کردار...."

"نائل تم ہوش میں تو ہو؟" چیف غصے سے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

"اس سے پہلے کہ وہ لوگ مجھ تک پہنچے، میں یہ افواہ ہر طرف پھیلا دوں گا کہ میں ایک سپائے ہوں۔ آپ بے فکر رہیں چیف! اس سے ایجنسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔"

"تم آخر کرنا کیا چاہتے ہو؟" چیف کا دماغ بالکل ماؤف ہوا تھا۔

"کھیلنا چاہتا ہوں۔" نائل کے لبوں پر پروفیشنل سی مسکراہٹ تھی۔

"میں ان کے دماغوں میں شاہین کا خوف بٹھا دوں گا لیکن شاہین تک پہنچنے سے پہلے انہیں نائل آفندی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ در حقیقت میں ایجینسی چھوڑ دوں گا مگر ان کی نظر میں ایک سپائے ہوں گا۔"

"اور تمہیں لگتا ہے جب انہیں علم ہو گا کہ تم ایک ایجینٹ ہو تو تمہیں زندہ چھوڑ دیں گے؟"

"میں پچھلے ایک سال سے ملک سے باہر مختلف گروہوں کے ساتھ تعلقات بڑھا رہا ہوں۔ بظاہر میں انہیں پاکستان کے اندر منشیات فروشی کا پرمیٹ دیتا ہوں مگر در حقیقت میں اپنے ملک کے ساتھ غداری نہیں کر سکتا۔ مجھے یقین ہے وہ لوگ مجھ جیسا اہم شخص کھونا نہیں چاہے گے اور ہر حال میں مجھے تحفظ دیں گے۔" وہ سانس لینے کو رکا تھا جبکہ چیف اب کافی حد تک مطمئن تھے۔ نائل نے کبھی انہیں شکایت کا کوئی موقع نہیں دیا تھا۔ وہ ایک ذہین شخص تھا۔

"ایک اور بات.... حاتم اس بات کو یقینی بنائے گا کہ میرے سپائے ہونے کی بات صرف چند لوگوں تک ہی محدود رہے۔ بظاہر وہ لوگ مجھ پر نظر رکھے گے کیونکہ ہم یہ افواہ بھی پھیلائیں گے کہ شاہین میرا دوست ہے اور صرف میں ہی جانتا ہوں کہ وہ کون ہے۔"

"کافی زیادہ دماغ ہے تمہارے پاس۔" نائل نے سر کو خم دے کر داد قبول کی تھی۔

"میں چاہتا ہوں کہ یہ بات صرف ہم تک ہی رہے۔ محسن دو دن میں واپس آ جائے گا۔ اس کا کیس بس ختم ہونے والا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اسے کچھ پتا نا چلے۔" چیف نے سمجھتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

"میں صرف اس کیس تک آپ سے جڑا ہوں۔ ویسے میرا اب ایجنسی سے کوئی تعلق نہیں...." یہ بات اس نے دل پر پتھر رکھ کر کہی تھی۔ اپنے خواب کو چھوڑنا اتنا آسان نہیں تھا مگر وہ اپنے خواب کی وجہ سے اپنے ملک کو نقصان پہنچتے نہیں دیکھ سکتا تھا۔

---

"تو تم سچ میں یہ جگہ چھوڑ کر نہیں جانا چاہتے؟" ہفتہ کی رات ایک بجے وہ پھر حاتم سے ملنے آیا تھا۔

"نہیں....!"

"حالت دیکھی ہے تم نے اپنی..." نائل کا اشارہ اس کے سوجھے ہوئے منہ کی طرف تھا۔

"اب عادت ہو رہی ہے۔" وہ تلخی سے ہنس دیا تھا۔

"حاتم تم میرے ساتھ چلو۔ تمہارا اس سب سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ انہیں کیسے پکڑنا ہے، یہ میرا مسئلہ ہے۔ تمہیں اتنی تکلیف اٹھانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔" نائل نے اپنے پلین کو پس پشت ڈال کر صرف حاتم کے بارے میں سوچا تھا۔

"نائل بھائی! میں ٹھیک ہوں۔"

"جب تم ان کی بات مانتے ہو تو پھر یہ تمہیں کیوں مارتے ہیں؟" حاتم نے نگاہیں اپنے جوتوں پر جمائی تھیں۔

"حاتم میں کچھ پوچھ رہا ہوں؟"

"میں ٹریننگ ٹھیک سے نہیں کرتا، اس لیے.... "حاتم نے ابھی جملہ مکمل ہی کیا تھا کہ نائل نے ایک زوردار مکا اس کی کمر میں رسید کیا تھا۔ وہ درد سے کراہ اٹھا تھا۔

"پہلے یہ لوگ کیا کم مارتے ہیں؟" اس نے ایک شکایتی نگاہ نائل پر ڈالی تھی۔

"تو پھر جھوٹ کیوں بولا؟" نائل تو پھر نائل تھا۔ حاتم اس سے جھوٹ بول ہی نہیں سکتا تھا۔

"نماز نہیں پڑھنے دیتے۔ جب نماز پڑھنے کا کہتا ہوں تو مارتے ہیں۔"

"کیوں....؟"

"یہ چاہتے ہیں کہ میں عیسائیت اپنا لوں۔"

"کیا، مگر کیوں....؟" نائل کو یہ بات بہت عجیب لگی تھی۔

"انہیں لگتا ہے کہ اگر میں اپنے دین پر قائم رہا تو میں بلیک مونسٹر نہیں بن سکتا۔"

"ہمم!" نائل سوچ میں پڑ گیا تھا۔

"یہ جو کہہ رہے ہیں، وہ کر لو۔" حاتم نے بے یقینی سے نائل کی جانب دیکھا تھا۔

"صرف دکھاوے کے لیے...." نائل نے فوراً وضاحت پیش کی تھی۔

"پھر میں نماز کیسے پڑھوں گا؟"

"حاتم تم نے آج سے پہلے کتنی نمازیں پڑھیں ہیں؟" حاتم نے شرمندگی سے سر جھکا لیا تھا۔ اسے تو سرے سے اس سب میں دلچسپی ہی نہیں تھی۔ وہ صوفی ہی تھی جو اسے نماز پڑھنے کے لیے دباؤ دیتی تھی۔

"دیکھو! تم ظاہری طور پر ان کی باتیں مان لو۔اللہ تعالیٰ ہمارے مقصد اور ہماری نیت سے واقف ہے۔تم اگر ابھی ان کی باتیں ماننا شروع نہیں کرو گے تو یہ لوگ ایک، دو سال میں خود ہی تمہارا برین اس طرح سے واش کریں گے کہ تم نا صرف اپنے دین سے غافل ہو گے بلکہ اپنے ملک سے بھی غداری کرو گے۔"اس نے آہستگی سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا۔

"حاتم! تمہیں کمزور نہیں پڑنا ہے۔جب بھی یہ تمہیں عیسائیت کی تعلیم دیں گے تو تم اسلام کی تعلیمات کو یاد رکھنا۔یہ تمہیں اکسائے گے۔وہ خواب دکھائے گے کہ تمہارا دل چاہے گا کہ تم بہک جاؤ۔یہ تمہیں بتائیں گے کہ بلیک مونسٹر کے پاس بہت طاقت ہوتی ہے اور یہی سچ ہے۔تمہارے پاس اتنی طاقت ہو گی کہ تم جب چاہے جسے چاہو سزا دو یا پھر اس کی جان لے لو، کوئی تمہیں کچھ نہیں کہے گا۔یہاں کوئی قانون نہیں ہے۔قانون بلیک مونسٹر خود بناتا ہے۔میں تمہیں ہدایات دیتا رہوں گا مگر ایک حد تک....اب آگے تمہیں خود سنبھالنا ہو گا۔بولو تیار ہو اس سب کے لیے؟؟"

"میں تیار ہوں۔"حاتم نے عزم سے کہا تھا۔

"ایک بات پوچھوں آپ سے؟"

"پوچھو...."

"آپ کو آئی۔ایس۔آئی سے کیوں نکال رہے ہیں؟"

"مجبوری ہے۔اگر کل یہ لوگ مجھے پکڑ بھی لیتے ہیں تو بھی انہیں مجھ سے کوئی راز نہیں ملے گا۔جب میرا ایجنسی سے کوئی تعلق ہی نہیں ہو گا تو پھر کیسے راز....اور ایک بات یہ لوگ تمہیں میرے خلاف بھڑکائیں گے اور تم آہستہ آہستہ یہ دیکھانا کہ تم ان کی باتوں میں آ رہے ہو۔اور اس بات کو بھی یقینی بنانا کہ میرے ایجینٹ ہونے والی بات صرف چند لوگوں تک ہی محدود رہے۔ایک آخری بات! تمہیں اس بات کو بھی یقینی

بنانا ہو گا کہ میرا تعلق ایجنسی کے کسی حساس طبقے سے نہیں ہے۔ میں بس اوپر اوپر کے کام کرتا ہوں اور میں ہی شاہین تک پہنچنے کا واحد ذریعہ ہوں۔" نائل نے اس کا کندھا تھپتھپا کر اسے حوصلہ دیا تھا جوابا وہ مدھم سا مسکرا دیا تھا۔

---

" محسن چلا گیا؟" لاؤنج میں داخل ہوتے ہی وہ صوفے پر نیم دراز ہوا تھا۔ اب اس نے اپنے پیر سامنے پڑی شیشے کی میز پر رکھے تھے۔ میز کے درمیان میں خوبصورت طرز کا واس رکھا ہوا تھا۔ صوفے کے عین اوپر چھت پر چھوٹا مگر نہایت خوبصورت طرز کا جھومر لٹکا ہوا تھا۔

"جی.....!" لاؤنج کی دائیں طرف بنے کچن سے حاتم نے آواز دی تھی۔ سلیب کے اوپر تین رسیاں لٹک رہی تھیں جن کے نیچے نہایت نفیس طریقے سے بلب جڑے ہوئے تھے۔ ہر بلب کے اطراف میں ایک چوکور کالا پلاسٹک کا ڈبہ لگا ہوا تھا۔

"زبان تو نہیں کھولی تم نے؟" اپنی پیشانی مسلتے نائل نے کچن سے آتے حاتم کو گھورا تھا۔

"میری یہ مجال.....!" حاتم نے مسکرا کر ٹرے سامنے میز پر رکھی تھی۔

"کچھ کھانا پسند کریں گے آپ؟" وہ نہایت ادب سے کھڑا پوچھ رہا تھا۔

"نہیں...!" نائل نے کافی کا کپ میز سے اٹھا کر لبوں سے لگایا تھا۔

"ویسے اجازت دیں تو بیٹھ جاؤں میں یہاں؟" لبوں پر شریر مسکراہٹ تھی۔ نائل کا ماتھا فوراً ٹھنکا تھا۔ اب حاتم اتنا بھی کوئی فرنبر دار نہیں تھا۔

"ہمم!" نائل نے ہنکارا بھرا تھا۔

"کیا کہا محسن نے؟"

"میری شکل دیکھ کر کیا لگ رہا ہے؟" اس کا ہونٹ پھٹا ہوا تھا اور بائیں گال پر نیل کا نشان تھا۔

"کوئی بات نہیں! اتنا تو بنتا ہے۔" نائل نے بات جیسے ہوا میں اڑائی تھی۔

"جی جی بالکل!" حاتم نے تو آج فرنبرداری کے سارے ریکارڈ ہی توڑ ڈالنے تھے۔

"ویسے چیف بھی کمال ہیں۔ ضرورت کیا تھی اس عقل کے اندھے کو سب بتانے کی....؟ سڑک کے بیچوں بیچ کھڑے ہو کر مجھ سے ایجنسی کی باتیں کر رہا تھا۔ ڈفر کہیں کا...." حاتم نے جوتوں پر نگاہیں جمائے بامشکل امڈتے قہقے کو ضبط کیا تھا جبکہ پردے کی اوٹ میں کھڑے محسن کا چہرہ تو بالکل لال بھبھوکا ہو چکا تھا۔

"خیر! شکر ہے یقین کر لیا اس نے میری بات پر...."

"کیسے یقین نا کرتے، آپ اتنی اچھی اداکاری جو کرتے ہیں۔" حاتم نے اسے سراہا تھا۔

"اب ایسی بھی کوئی اداکاری نہیں کی میں نے وہ تو سامنے والا بیوقوف تھا۔" حاتم کے دل میں لڈو پھوٹ رہے تھے۔ آج تو سارے گناہوں کا حساب ہونا تھا۔ آج نائل کے لیے مکافات کا دن تھا۔

کچھ دیر مزید بات چیت کرنے کے بعد وہ حاتم کو ضروری ہدایات دے کر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ یہی کہ وہ ابھی یہیں چھپا رہے اور محتاط رہے۔

صوفے سے اٹھ کر ابھی نائل نے ایک قدم ہی آگے بڑھایا تھا کہ کسی نے اس کے سر پر پیچھے سے بہت زور سے وار کیا تھا۔ وہ اپنا بچاؤ کرتے ابھی پلٹا ہی تھا کہ کسی نے اسکے منہ پر سپرے کی تھی۔ نائل کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھانے لگا تھا مگر پھر بھی اس نے اپنا بچاؤ کرنے کے لیے میز پر پڑا واس اٹھا کر پوری قوت سے سامنے کھڑے شخص کو مارنا چاہا تھا مگر آنکھوں کے آگے چھائے اندھیرے کی وجہ سے اس کا نشانہ چوک گیا تھا۔

اب سامنے کھڑے شخص نے نشہ آور سپرے کی ساری بوتل ہی اس کے ناک کے قریب سپرے کی تھی تب کہیں جا کر وہ مکمل طور پر بیہوش ہوا تھا۔

"ڈھیٹ....!" محسن نے تنفر سے سر جھٹکا تھا۔

یخ ٹھنڈے پانی کے منہ پر پڑتے ہی نائل کی آنکھ کھلی تھی۔سامنے محسن اور ساشا کو کھڑے دیکھ اس کے چاروں طبق روشن ہوئے تھے۔

نائل کو ایک کرسی پر باندھا گیا تھا۔اس کے ہاتھ کرسی کے پیچھے بندھے ہوئے تھے اور دونوں پیروں کو بھی اچھے سے جکڑا گیا تھا۔

"یہ سب کیا ہے محسن؟"صدمہ بہت شدید تھا۔

"محسن نہیں.... عقل کا اندھا،ڈفر اور بیوقوف..."محسن نے ایک ایک لفظ چبا چبا کر کہا تھا۔

نائل کے چہرے کا رنگ پل میں فق پڑا تھا۔

"دیکھو! میں تو مذاق کر رہا تھا۔یہ سب سچ میں میرا پلین نہیں تھا۔مجھے تو کچھ پتا بھی نہیں تھا۔"نائل نے فورا وضاحت دی تھی۔

"ہم جانتے ہیں۔یہ سب تمہارا قصور نہیں ہے۔تمہیں تو دماغی مرض ہے۔تمہیں تو کچھ یاد بھی نہیں رہتا۔"محسن نے معصومیت سے آنکھیں ٹپکائیں تھیں۔

"ساشا! جو لوگ پاگل ہوتے ہیں ان کے ساتھ کیا کرتے ہیں؟"

"محسن انہیں نا الیکٹرک شاکس دیے جاتے ہیں۔"نائل کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں۔وہ آج برا پھنسا تھا۔

اس نے اب نظر دوڑا کر ادھر ادھر دیکھا تھا۔حاتم صوفے پر براجمان آنکھیں بند کیے لیٹا ہوا تھا جبکہ اس کے کانوں میں ہینڈ فری تھی۔نائل کا دماغ صحیح معنوں میں آؤٹ ہوا تھا۔

"تمہیں تو میں چھوڑوں گا نہیں حاتم!"وہ لب بھینچے غرایا تھا۔

"نائل تم بے فکر رہو۔ آج ہم تمہارا دماغی مرض بالکل ٹھیک کر دیں گے۔" ساشا نے فرش پر پڑی دو تاریں اٹھائی تھیں اور محسن نے دیوار پر لگا سوئچ آن کیا تھا۔ نائل کی سٹی بالکل گم ہو گئی تھی۔

"یہ تم لوگ کیا کر رہے ہو؟"

"تمہارے دماغ کا علاج....!"

"تم لوگ مذاق کر رہے ہو نا میرے ساتھ؟" نائل نے امید سے ان دونوں کی جانب دیکھا تھا۔

"آہ! تمہارا ہمارا کیا مذاق....؟" محسن نے فل اس کے سٹائل میں نقل اتاری تھی۔

"دیکھو! میں پاگل نہیں ہونا چاہتا۔" وہ صحیح معنوں میں گھبرا گیا تھا۔

"پاگل تو تم ہو، ہم تو بس تمہارا علاج کرنا چاہتے ہیں۔" ساشا تاروں کو لے کر اس کی جانب بڑھی تھی۔

"میں پاگل نہیں ہوں۔" وہ بے بسی سے چلایا تھا۔

"ہر پاگل یہی کہتا ہے۔" ساشا نے مزید ایک قدم آگے بڑھایا تھا۔

"مجھے تو لگتا ہے بھابھی نے جو DID disorder والی بات کی تھی، وہ بالکل ٹھیک تھی۔"

"اللہ کی پناہ.... ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔ وہ رپورٹس تو میری تھیں ہی نہیں.... کسی اور مریض کی تھیں، میں نے تو اپنا نام لکھوایا تھا وہ بھی اس لیے کیونکہ ایک وقت میں دو لڑکیوں کے ساتھ چکر چل رہا تھا۔ ایک کے ساتھ گھوم رہا تھا، دوسری نے دیکھ لیا۔ پھر میں نے اس سے کہا کہ میں تو خود دماغی مریض ہوں۔ بہت پرانی بات ہے یہ۔ مجھے تو یہ تک نہیں پتا تھا کہ رپورٹس میں کون سا مرض لکھا ہوا ہے۔ پتا نہیں کیسے سنیہا کے ہاتھ لگ گئی۔" جب بات زندگی پر آئی تو اس نے رٹو طوطے کی طرح سب اگل دیا تھا۔

"اچھا! چلو مان لیتے ہیں لیکن پھر تمہیں ہمیں یہ بتانا ہو گا کہ بدر کہاں ہے۔" محسن نے سنجیدہ تاثرات چہرے پر سجائے پوچھا تھا جبکہ اندر ہی اندر اسے نائل کی حالت پر بہت ہنسی آ رہی تھی۔

"مجھے نہیں پتا۔ یہ جو جاہل بیٹھا ہے نا، اس سے پوچھو۔"

نائل نے حاتم کی جانب دیکھتے کہا تھا۔

"اوئے بارہویں فیل! بتا بدر کہاں ہے؟"

"بارہویں فیل نہیں بارہویں پاس....!" حاتم نے اٹھ کر فوراً تصیح کی تھی جس پر نائل کے تن بدن میں معنوں آگ لگ گئی تھی۔ حاتم کے کانوں میں ہینڈ فری ضرور تھی مگر وہ کوئی گانا نہیں سن رہا تھا۔ اس کے کان اسی طرف تھے۔

"بارہ جماعتیں پاس کر کے کون سا معرکہ فتح کر لیا تم نے....؟ نکمے، نالائق کہیں کے..." انہیں باتوں میں الجھا کر وہ اپنی رسیاں کھولنے کی کوشش کر رہا تھا اور کافی حد کامیاب بھی ہو گیا تھا۔

"ہاں تو کیا کرتا میں... وہ لوگ مجھے اغواء کر کے لے کر گئے تھے، یونیورسٹی میں داخلہ دلانے نہیں....اور اگر پڑھے لکھے لوگ آپ کی طرح ہوتے ہیں نا تو ہم کم لکھے ہی ٹھیک ہیں۔" اتنے سالوں کی بھڑاس نکالنے کا موقع اسے آج ملا تھا۔ ان سالوں میں لوگ اس کے نام سے تھر تھر کانپنا شروع ہو جاتے تھے مگر نائل...وہ بغیر کسی لحاظ کے کبھی بھی کہیں پر بھی نا صرف اسے باتیں سناتا تھا بلکہ دو چار لگا بھی دیتا تھا۔ حاتم نے دو دفعہ اپنے عہدے کی دھونس جمانے کی کوشش کی تھی اور دونوں دفعہ اس کا ہاتھ نائل نے توڑ دیا تھا۔ حاتم جوابی کاروائی کر سکتا تھا مگر اس کے دل میں نائل کے لیے کافی عزت واحترام تھا۔

"اگر تم دونوں کی تو تو میں میں ہو گئی ہو تو ذرا ہمیں بتانا پسند کرو گے کہ آخر بدر کہاں ہے؟"

"مجھے نہیں پتا، اس دو نمبر بلیک مونسٹر سے پوچھو..."

"سالے صاحب....!" حاتم نے مسکرا کر نائل کو دیکھا تھا۔ آنکھوں ہی آنکھوں میں وہ اس سے کہہ رہا تھا کہ "بتا دوں" جس کے جواب میں نائل نے اسے سخت گھوری سے نوازا تھا۔

"ساشا یہ ایسے نہیں مانے گا۔ اسے شاک دو۔" ساشا اثبات میں سر ہلا کر نائل کے قریب دونوں تاروں کو لے گئی تھی۔

"یہ مت کرو میرے ساتھ، ظالموں چھوڑ دو مجھے۔ میری بیوی بیوہ ہو جائے گی اور میرے بچے پیدا ہونے سے پہلے یتیم ہو جائے گے۔"

"یہ کون سی فل کا ڈائیلاگ ہے؟" محسن نے سوچتے ہوئے کہا تھا۔

"پتا نہیں یاد نہیں ہے۔" وہ روانی میں بول گیا تھا۔

"ساشا....!" محسن نے ایک بار پھر اسے کہا تھا۔

"حاتم کے بچے! تجھے تو میں چھوڑوں گا نہیں.... تو لاکھ شاہین سہی مگر میں بھی تیرا باپ ہوں اور باپ ہمیشہ باپ ہوتا ہے۔" حاتم نے اس کی چیخ و پکار سے بے نیاز ہو کر ایک بار پھر کانوں میں ہینڈ فری ڈالی تھی۔

اس سے پہلے کہ ساشا تار اس کے بازو کو لگاتی، وہ ایک جھٹکے سے کرسی سے اٹھا تھا۔

اب محسن کو کرسی پر دھکہ دیے نائل باہر کی جانب بھاگا تھا۔

محسن اور ساشا اس کے پیچھے گئے تھے مگر نائل صاحب فرار ہو چکے تھے۔

---

وہاں سے وہ سیدھا فارم ہاؤس آیا تھا۔ اپنے کمرے میں جاتے ساتھ ہی اس کا پارہ آسمان تک پہنچا تھا۔

بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا کر وہ لیٹی ہوئی تھی اور سامنے مختلف لوازمات سجے ہوئے تھے۔

"آ گئے آپ؟" نائل کو دیکھ کر اس کے لبوں پر مسکراہٹ بکھری تھی۔

"نہیں ابھی راستے میں ہوں۔" وہ جلا بھنا سا بستر پر بیٹھا تھا۔ وہاں وہ اتنی مشقتوں سے دشمنوں کے چنگل سے بھاگ کر آیا تھا اور یہاں اس کی بیوی مزے سے کھانے میں مصروف تھی۔

"اچھا مجھے لگا شاید آ گئے ہیں۔" سیب کا ایک ٹکڑا منہ میں ڈالتے سنیہا نے لاپروائی سے کہا تھا۔

نائل کی باتوں کا سٹریس لینا اب اس نے چھوڑ دیا تھا۔اس کے شوہر نے تو کبھی سدھرنا نہیں تھا، کم از کم وہ تو خود کو بدل ہی سکتی تھی۔

"سارا دن کھاتی رہتی ہو۔ہاں ٹھیک ہے! مفت کا مال ہے اڑاؤ..." سارا غصہ اب سنیہا پر نکلنا تھا۔

"مفت کے مال کا تو پھر اپنا ہی مزا ہے۔آپ کھائیں گے؟"اس نے پلیٹ نائل کی جانب بڑھائی تھی۔وہ مزید تپ گیا تھا۔

"تمہیں نا میری کوئی پرواہ ہی نہیں ہے۔نہایت بری بیوی ہو تم...." منہ بنا کر نائل نے رخ پھیرا تھا۔

"آپ کے کپڑے میں نے پریس کروادیے تھے۔آپ چینج کر لیجیے گا۔"

"تمہیں آخر میری قدر کیوں نہیں ہے؟"وہ جانے انجانے میں اسے مزید طیش دلا رہی تھی۔

"کسی سے جھگڑا ہوا ہے؟"سنیہا نے تکا لگایا تھا۔

"میں کیا تمہیں کوئی غنڈا موالی دکھتا ہوں؟"

"اگر کوئی پریشانی ہے تو آپ مجھ سے شیئر کر سکتے ہیں۔"اس کی جھنجھلاہٹ دیکھ وہ بھی پریشان ہوگئی تھی۔

"نہیں تم کھاؤ۔"وہ غصے سے بستر سے اٹھا تھا۔

"نائل سب ٹھیک تو ہے؟"اس کی تشویش میں مزید اضافہ ہوا تھا۔

"تمہیں کیا فرق پڑتا ہے؟"

"نائل دیکھیں! اگر کچھ ہوا ہے تو پلیز مجھے بتا دیجیں۔مجھے فکر ہو رہی ہے۔"ایک ہاتھ پیٹ کر رکھتے وہ سیدھی ہو کر بیٹھی جبکہ چہرے پر اضطراب کے سائے تھے۔

"میں...."وہ کچھ سخت کہنے والا تھا مگر سنیہا کا پریشان چہرہ دیکھ کر وہ چپ ہو گیا تھا۔

"کچھ نہیں ہوا۔"اب کی بار لہجہ نرم پڑا تھا۔

"نہیں نائل! کچھ تو ضرور ہوا ہے۔ آپ مجھے بتا نہیں رہے۔" سنیہا کی آواز رندھ گئی تھی۔

"یار جب میں کہہ رہا ہوں کہ کچھ نہیں ہوا، تو کچھ نہیں ہوا۔" الماری سے کپڑے نکالتے اس نے اب بھی صبر سے جواب دیا تھا۔

"لیکن آپ جو ابھی کہہ...."

"میری باتوں کو سیریس مت لیا کرو۔ میں تو ہوں ہی پاگل، بیوقوف... بس ایسے ہی بکواس کرتا رہتا ہوں۔ تم سٹریس مت لو۔"

"لیکن آپ نے تو کہا...."

"مجھے عادت ہے بلاوجہ بھونکنے کی... تم بس ریلیکس رہو۔" کپڑے لے کر وہ باتھ روم کی جانب بڑھا تھا۔ سنیہا تو اس کے الفاظ پر ہکا بکا رہ گئی تھی۔ وہ اپنی ہی زبان سے خود کو ہی پتا نہیں کیا کیا کہہ گیا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ نکھرا نکھرا سا باہر نکلا تھا۔

سنیہا ابھی بھی اضطراب کی کیفیت میں وہیں بیٹھی ہوئی تھی۔

"سنیہا سو جاؤ۔" ٹاول سے بال رگڑتے اس نے تنبیہہ کی تھی۔

"مجھے نیند نہیں آرہی۔" وہ منہ بسور گئی تھی۔

"تو پھر کھالو کوئی پانچ، چھ نیند کی گولیاں...." سنیہا کی آنکھیں حیرت سے کھلی تھیں۔

"آپ تو مجھے سیدھا اوپر پہنچانا چاہتے ہیں۔"

"پانچ، چھ گولیوں سے کچھ نہیں ہوتا۔ مجھے ہوا ہے آج تک....؟"

"نائل پانچ، چھ گولیوں سے انسانوں کو بہت کچھ ہوتا ہے۔" بال برش کرتے نائل کے ہاتھ رکے تھے۔

"تم مجھے جانور بول رہی ہو؟" اس نے سنیہا کو سخت گھوری سے نوازا تھا۔

"استغفر اللہ! میں نے ایسا کب کہا۔ پانچ، چھ گولیاں تو جانوروں پر بھی اثر کر جائے گئیں۔" برش ڈریسنگ ٹیبل پر پٹختے وہ بگڑے تیور لیے سنیہا کی جانب بڑھا تھا۔

"میں نے تو کچھ کہا ہی نہیں...." اس حالت میں تو وہ بھاگ بھی نہیں سکتی تھی۔

"صرف ایک مہینہ، پھر اپنا حشر دیکھنا تم....!" اسے وارننگ دیتا وہ اس کے پاس ہی بیٹھا تھا۔

"ایک مہینے بعد آپ کا کیا بنے گا؟" وہ ہنس دی تھی۔

"تم اپنی اور اپنے بچوں کی خیر مناؤ۔" سنیہا کا ملائم ہاتھ تھامتے وہ اس کے قریب لیٹا تھا۔

"آپ نے نام سوچے ہیں؟" وہ بھی اپنا سر اس کے سینے پر رکھ گئی تھی۔

"نہیں..."

"تو پھر کب سوچے گے؟"

"میں نے کہا تھا نا کہ نام تم رکھنا۔"

"صرف کہا تھا لیکن جتنا میں آپ کو سمجھی ہوں نا... مجھے پورا یقین ہے جب آپ اپنے بچوں کو دیکھے گے نا تو مجھے سائیڈ پر کر کے ان کا نام بھی خود ہی رکھیں گے اور انہیں گود میں بھی سب سے پہلے خود ہی اٹھائیں گے۔" اس کی بات پر وہ ہنس دیا تھا۔ وہ اسے کچھ حد تک سمجھنے لگی تھی۔

"اور وہ وقت کب آئے گا؟" نائل نے اپنے ہاتھ کی پشت سے اس کی گال سہلائی تھی۔

"بہت جلد...." سنیہا نے گہری سانس لی تھی۔

"آپ ٹھیک تو ہیں نا؟"

"بالکل ٹھیک ہوں۔" اس کا سر تکیے پر رکھ کر نائل اس پر جھکا تھا۔

"ویسے ایک بات کہوں تم سے؟" نائل کی آنکھوں میں شرارت تھی۔

"جی...."

"تم کیوٹ لگ رہی ہو۔"

"میں اس حالت میں آپ کو کیوٹ لگ رہی ہوں؟"سنیہا نے اسے آنکھیں دکھائی تھیں۔

"ہمم!"وہ اپنی بات پر قائم تھا۔

"نائل! مجھے بہت عجیب سا محسوس ہو رہا ہے۔"چہرے پر اداسی چھائی تھی۔

"کیا مطلب...؟"

"یہ احساس بہت الگ ہے۔ میں خوش بھی ہوں مگر مجھے ڈر بھی لگ رہا ہے۔"

"ڈر کیوں لگ رہا ہے۔ میں ہوں نا تمہارے ساتھ...."نائل نے اس کی پیشانی پر بوسہ دیا تھا۔سنیہا کے اندر ایک سکون سا اترا تھا۔

"آپ کہیں مجھے چھوڑ تو نہیں دیں گے نا؟"اس کی آنکھوں میں خوف تھا۔

"اگر یہی سوال میں کروں تو....؟"

"کبھی نہیں....!"اس کے استفسار پر سنیہا نے نفی میں سر ہلایا تھا۔

"وعدہ...."نائل نے اپنا ہاتھ اس کے آگے پھیلایا تھا۔

"وعدہ...."سنیہا نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا تھا۔

"ویسے تمہارا ڈائٹ پلین آج کل کچھ خراب نہیں ہو گیا۔ بہت کھانے لگی ہو تم؟"

"بس ایسا ہی ہے۔ کبھی اتنی بھوک لگتی ہے کہ دل کرتا ہے کہ سب کھا جاؤں اور کبھی دل اتنا خراب ہوتا ہے کہ کچھ نہیں کھایا جاتا۔"

"تم نا کریلے کا جوس پیا کرو۔ یہ صحت کے لیے بہت اچھا ہے۔"سنیہا نے اسے شکایتی نگاہوں سے گھورا تھا۔

"وانیہ بھی پیتی تھیں بلکہ انہیں تو کریونگ ہوتی تھی۔ایک دفعہ رات میں بارہ بجے انہوں نے مجھے اٹھا کر بنوایا تھااور پورے پانچ گلاس پیے تھے۔"سنیہا کا دل اچانک ہی خراب ہونے لگا تھا۔وہ انسان رومانٹک سے رومانٹک ماحول کا بیڑا غرق کرنا بخوبی جانتا تھا۔

"میں بالکل سچ کہہ رہا ہوں۔ تمہیں یقین نہیں ہے تو وانیہ سے کال کر کے پوچھ لو۔"سنیہا کی آنکھوں کی بے اعتباری نائل کو ناگوار گزری تھی۔

"اس کی ضرورت نہیں ہے۔مجھے آپ کی بات پر پورا یقین ہے۔وانیہ آپ کی بہن ہے لہذا اسے کچھ بھی پسند ہو سکتا ہے۔"

"میرا ہی دماغ خراب ہے جو میں تمہیں اتنے قیمتی مشورے دے رہا ہوں۔"وہ کروٹ بدل کر لیتا تھا۔

"پلیز دوبارہ مت دیجیں گا۔"سنیہا نے آنکھیں گھمائی تھیں جبکہ نائل خاموش ہی رہا تھا۔

"اچھا سنیں...."

"سنیں نا....!"سنیہا نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا۔

"کیا ہے؟"اس کی جانب پلٹتے وہ اکھڑے لہجے میں گویا ہوا تھا۔

"یہ کمبل تو ڈال دیں اور پلیز لائٹ بھی آف کر دیں۔"وہ جو اس غلط فہمی میں تھا کہ وہ اس سے معافی مانگے گی تو وہ غلط تھا۔

غصے سے اس کے اوپر کمبل ڈالتے نائل نے لیمپ آف کیا تھا۔اب وہ ایک بار پھر کروٹ لیتے آنکھیں موند گیا تھا۔

اندھیر کمرے میں سنیہا کے لب ہولے سے مسکراہٹ میں ڈھلے تھے۔

کچھ دیر لیٹے رہنے کے بعد اچانک ہی نائل نے آنکھیں کھولی تھیں۔اس کے لبوں پر معنی خیز مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔

"یہ خیال مجھے پہلے کیوں نہیں آیا؟"اس نے اب ہاتھ آگے بڑھا کر لیمپ آن کیا تھا۔

"کیا ہوا؟"سنیہا نے فٹ سے آنکھیں کھولی تھیں۔

"تم مجھ سے پوچھ رہی تھی نا کہ میں پریشان کیوں ہوں؟"

"جی...!"سنیہا نے اٹھنے کی کوشش کی تھی مگر نائل نے اسے اشارے سے روک دیا تھا۔

"مجھے تمہاری مدد چاہیئے۔"اس کے قریب ہوتے نائل نے اس کا ہاتھ تھاما تھا۔

"کیسی مدد...؟"وہ حیران ہوئی تھی۔

"تم کل سارا دن وقفے وقفے سے وانیہ کو کال کرو گی اور انہیں بتاؤ گی کہ میں ایک نہایت اچھا بھائی،اچھا شوہر اور اچھا انسان ہوں۔اور میں کبھی غلط نہیں ہو سکتا۔"

"میں جھوٹ بولوں؟"

"سنیہا میں اس وقت موڈ میں نہیں ہوں۔تم مجھے بس اتنا بتاو،تم وانیہ سے یہ کہو گی یا نہیں؟"نائل نے اپنی سنہری آنکھیں اس کے چہرے پر گاڑھی تھیں۔

"میں کہہ دوں گی۔مگر...."

"ایک تو یہ تمہارا اگر ہے نا...یہ مجھے بالکل نہیں پسند..."اسے گھوری سے نوازتے وہ واپس اپنی جگہ پر آکر لیٹا تھا۔سنیہا چھت کو گھورتے اس کی کہی بات کے بارے میں سوچنے لگی تھی۔

"سنیہا سو جاؤ۔"لائٹ آف کیے نائل نے اسے ڈپٹا تھا۔وہ منہ بنائے آنکھیں موند گئی تھی۔

وہ دنیا کے کسی بھی شخص کے سامنے برا بن سکتا مگر وانیہ.... وہ اپنی بہن کا آئیڈیل تھا۔ نائل پر وہ آنکھیں بند کر کے بھروسہ کرتی تھی۔ وہ وانیہ کا اعتبار کسی صورت نہیں کھونا چاہتا تھا۔ وہ اس کی نظروں میں نہیں گر سکتا تھا۔

حاتم اور وانیہ کو ملنا تو تھا ہی اور یقیناً حاتم اسے سب بتا دیتا... یہی خوف نائل کو چین نہیں لینے دے رہا تھا۔

---

صبح کے وقت وہ گھر آیا تھا۔ وانیہ کو نائل نے زبردستی باہر بھیج دیا تھا تاکہ وہ اپنی فرینڈز کے ساتھ تھوڑی دیر گھوم پھر سکے جبکہ درحقیقت وہ حازم سے حاتم کے سارے بدلے لینے کا ارادہ رکھتا تھا۔

"تیرے باپ نے میرے ساتھ جو کل کیا ہے نا، اس کا حساب کون دے گا؟" نائل بستر پر لیٹا ہوا تھا اور اس نے اپنے اوپر حازم کو بٹھایا ہوا تھا۔

"بابا، بابا....!" حازم نے اس کے سینے پر سر رکھنا چاہا تھا مگر نائل نے اسے ایسا کرنے نہیں دیا تھا۔

"میں ہی بابا ہوں۔ سمجھ آئی بات.... باپ کو دیکھ کر اگر پارٹی بدلی نا تو مجھ سے برا اور کوئی نہیں ہو گا۔" نائل نے انگلی اٹھا کر حازم کو وارننگ دی تھی۔

"باپ کی سائیڈ تو تب لو گے نا جب تمہاری ماں اسے زندہ چھوڑے گی۔ پتا نہیں میرا کیا بنے گا۔" وہ سوچوں میں گم خود سے ہی کہہ رہا تھا جب حازم نے ایک بار پھر اس کے ہاتھ پر اپنے دانت گاڑ دیے تھے۔

"میرا ہاتھ تمہیں چاکلیٹ لگتا ہے؟" اس نے ہاتھ نہیں چھڑوایا تھا، بس حازم کو گھورا تھا۔ حازم نے ایک نظر اٹھا کر مسکرا کر اسے دیکھا تھا، اس کے بعد اس نے پھر اس کے ہاتھ پر دانت گاڑ دیے تھے۔

"پتا ہے مجھے کتنی ٹینشن ہو رہی ہے اور ایک تم ہو کہ؟" اسے بستر پر لٹا کر نائل نے اس کے دونوں ہاتھ قابو کیے تھے۔

"بابا....!" حازم نے ڈبڈبائی نظروں سے التجا کی تھی۔

"چپ ایکدم چپ! مزید کوئی شرارت نہیں! چپ چاپ سو جاؤ۔" نائل کو شدید غصے میں دیکھ کر حازم سے فوراً آنکھیں میچی تھیں۔ نائل نا چاہتے ہوئے بھی ہنس دیا تھا۔

"اب آنکھیں کھلنی نہیں چاہیئے۔" واپس سختی کا لبادہ اوڑھتے نائل چت لیٹا تھا۔

کل اسے وانیہ اور حاتم کی ملاقات کروانی تھی۔ یہی سوچ سوچ کر اسے ہول اٹھ رہے تھے۔ اس کی بلا سے چاہے وہ حاتم کو جان سے مار دے مگر نائل کا امیج خراب نہیں ہونا چاہیئے تھا۔

---

"میں ادھر ادھر کی باتیں نہیں سنوں گا تم سے، بس جو مجھے چاہیئے وہ دے دو۔"

"سب کچھ تو لے لیا تم نے مجھ سے، اب میرے پاس بچا ہی کیا ہے۔ مجھے مار کر قصہ ختم کرو۔"

"اگر میں تمہیں آزادی دے دوں تو؟" بدر نے چونک کر نائل کی جانب دیکھا تھا۔

"تم نے میرا کچھ نہیں بگاڑا، میں تمہیں چھوڑ سکتا ہوں لیکن میری ایک شرط ہے۔"

"کیسی شرط؟"

"مجھے ہارون چاہیئے۔" نائل نے صاف گوئی سے کام لیا تھا۔

"میں کیسے یقین کر لوں کہ تم مجھے چھوڑ دو گے؟"

"وعدہ کرتا ہوں۔ چھوڑ دوں گا۔" چہرے پر متانت تھی۔

"میں نائل آفندی ہوں، حاتم خانزادہ نہیں.... میں ایک تحمل مزاج اور شریف انسان ہوں۔ بھروسہ کر سکتے ہو مجھ پر...." بدر سوچ میں پڑ گیا تھا۔

"مجھے منظور ہے۔" اسے حاتم کی زبان پر یقین نہیں تھا مگر اگر نائل نے کہہ دیا تھا تو وہ زبان سے پھرنے والا نہیں تھا۔

"لیکن میری ایک شرط ہے۔" نائل نے سوالیہ آبرو اچکائی تھی۔اس وقت وہ دونوں آمنے سامنے کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔نائل نے بدر کو کسی قسم کا کوئی نقصان نہیں پہنچایا تھا۔

"تم مجھے بتاؤ گے کہ تم آخر ہو کون؟" اس کے سوال پر نائل کے لبوں پر مسکراہٹ بکھری تھی۔

"پہلے تم ہارون کا پتہ بتاؤ گے اس کے بعد...." وہ اپنی بار پر مصر تھا۔

"اگر میں ایسا نا کروں تو؟"

"پھر میں تمہیں حاتم کے حوالے کر دوں گا۔ وہ جانے اور تم جانو... ویسے بھی جب سے اسے پتا چلا ہے کہ وانیہ کو تم نے اغواء کروایا تھا تب سے بہت غصے میں ہے۔" اس کی بات پر بدر کے گلے میں گلٹی ابھری تھی۔

"میں بہت اچھا انسان ہوں بدر! تم ایک بار اعتبار تو کرو مجھ پر....!" نائل کے چہرے پر اب بھی سنجیدگی تھی۔

"ٹھیک ہے! ہارون اس وقت کراچی میں ہے۔ وہاں کے ایک گینگ نے اسے پناہ دی ہوئی ہے۔ وہ لوگ بہت خطرناک ہیں۔ تم یا میں اسے وہاں سے نہیں نکلوا سکتے۔ وہاں کوئی چڑیا بھی پر مارتی ہے نا تو وہ لوگ اسے...."

"گینگ کا نام بتاؤ۔" بدر نے گہری سانس خارج کرتے اسے نام بتایا تھا۔اس کے نام بتانے کی دیر تھی۔ نائل نے اپنا فون جیب سے باہر نکالا تھا۔

"مجھے ہارون نامی ایک آدمی چاہیئے جس نے تمہارے ہاں پناہ لی ہوئی ہے۔ کل تک یہاں پہنچ جانا چاہیئے۔" اپنی کہہ کر نائل نے کال کاٹ دی تھی جبکہ بدر تو آنکھیں جھپکانا بھی بھول گیا تھا۔

"کک... کون ہو تم؟" نائل پر بھروسہ کر کے اب اسے خوف محسوس ہو رہا تھا۔

"تمہیں کیا لگتا ہے کہ میں کون ہوں؟" وہ چل کر اب بدر کے پاس آیا تھا۔

"ایک سپائے یا پھر...." وہ بدر کے کان کے پاس جھکا تھا۔

"ایک گینگسٹر...." بدر کے رونگھٹے کھڑے ہو گئے تھے۔

"ایجنسی تو کئی سال پہلے چھوڑ دی میں نے.... تو اب سوال اٹھتا ہے کہ اتنے سال میں نے کیا کیا؟" وہ اب بدر کے گرد چکر لگا رہا تھا۔

"میں نے اپنی ایک ٹیم بنائی۔ ہر ملک میں جا کر گینگز کے ساتھ انولو رہا۔ ان کے ساتھ کام کیا، اپنی ایک ساکھ بنائی۔ یہاں تک کہ اس سیاہ دنیا کا بے تاج بادشاہ بن گیا۔" وہ اپنی سرد آواز سے بدر کے کانوں میں صور پھونک رہا تھا۔

"تم بھول گئے کہ جب تم نے میری عزت پر ہاتھ ڈالا تو میں نے تمہارے ساتھ کیا کیا؟؟" بدر کو اچھے سے یاد تھا کہ کیسے سنیہا کو اغواء کرنے پر نائل نے اسے برباد کر دیا تھا۔

"تم مجھے نہیں سمجھ سکتے بدر! میں نائل آفندی ہوں۔ جو مجھے جاننے کے لیے قدم آگے بڑھاتا ہے، اس پر ہر قدم پر ایک نیا راز افشاں ہوتا ہے اور اس کی منزل بالآخر موت ہوتی ہے۔"

"اب جب تم مجھے ہارون کے بارے میں بتا ہی چکے ہو تو پھر...." نائل نے بدر کو بالوں سے دبوچا تھا۔

"تت.... تم نے وعدہ کیا تھا۔"

"آہ! تم نے یقین کر لیا۔" نائل کے چہرے پر افسردگی چھائی تھی۔

"میری بہن اور بیوی کو اغواء کرنے کی سزا تم بھگتو گے۔" نائل نے اس کی کرسی کو ٹھڈا مار کر گرایا تھا۔

"نائل آفندی کی دی ہوئی زندگی بہت بہت مبارک ہو۔" اس کے چہرے کو بوٹ سے مسلتے نائل نے سفاک لہجے میں کہا تھا۔

"اب ہر روز تمہیں جہنم کا نظارہ کرواں گا مگر تمہیں مرنے نہیں دوں گا۔" نائل کے بوٹ تلے بدر کو اپنی سانسیں رکتی محسوس ہوئیں تھی۔ جیسے ہی اسے لگا کہ اس کی روح پرواز کر جائے گی، نائل نے اپنا بوٹ ہٹا کر اسے زندگی بخشی تھی۔

بدر کو وہیں چھوڑے اب وہ باہر نکلا تھا۔

فون پر کسی کو کال ملا کر اب اس نے فون کان سے لگایا تھا۔

"وعدہ توڑنے کا کیا کفارہ ہوتا ہے؟"

---

اپنے آفس کے کام ختم کر کے وہ ابھی باہر ہی نکلا تھا کہ سامنے غنڈوں کی فوج دیکھ کر نائل ایک لمحے کے لیے بھوچنکارہ گیا تھا۔

بدر کے حوالے سے چیف سے اس کی بات بھی ہوگئی تھی اور سارا معاملہ حل بھی ہو گیا تھا مگر ساشا اور محسن اس کی جان نہیں چھوڑ رہے تھے۔

"چپ چاپ گاڑی میں چل کر بیٹھو۔" محسن نے لب بھینچے کہا تھا۔

"اوکے!" ہاتھ کھڑے کرتے نائل نے گویا ہار مانی تھی۔

اب وہ چپ چاپ گاڑی کی جانب چل دیا تھا۔ اس کے گاڑی میں بیٹھنے کی دیر تھی، محسن نے اس کے دونوں ہاتھوں کو اپنی گرفت میں لے کر ان پر ہتھکڑی لگائی تھی۔ نائل نے کسی قسم کی کوئی مزاحمت نہیں تھی لیکن وہ محسن کی عقل کو سراہے بنا نارہ سکا تھا جسے لگ رہا تھا کہ ہتھکڑی کھولنا نائل کے لیے بہت مشکل کام ہے۔

"اب تم دونوں انسانوں کی طرح سب کچھ شروع سے بتاؤ گے۔" حاتم اور نائل کو صوفے پر بٹھاتے محسن نے کمر پر دونوں ہاتھ رکھے استفسار کیا تھا۔

حاتم کے چہرے پر ایک کی بجائے چار جگہ نیل پڑا ہوا تھا۔دائیں سوجھی ہوئی آنکھ چیخ چیخ کر گواہی دے رہی تھی کہ اس پر دوبارہ تشدد کیا گیا ہے اور یہ نائل کی مرہون منت تھا۔نائل تو بھاگ گیا تھا مگر حاتم تو ان کے پاس ہی تھا نا......

"اسفند کی موت کے بعد میں نے حاتم کو شاہین بنایا اور اس نے وہاں کے سارے راز ہمیں بتائے۔ایجنسی میں چھوڑ چکا، بس اس کیس تک چیف سے جڑا ہوا تھا۔ سمپل!" نائل نے دو لائنوں میں کہانی کا جیسے اختتام کیا تھا۔

"جلیبی کی طرح سیدھی کہانی ہے تمہاری، مجھے اس پر یقین نہیں ہے۔" محسن کی بے اعتباری بالکل بجا تھی۔

"ایسا کیا کروں کہ تمہیں یقین آجائے۔" حاتم اور نائل دونوں کے ہاتھوں میں ہتھکڑی تھی۔

"اچھا یہ بتاؤ کہ ایجنسی تو تم چھوڑ چکے تو پھر یہ آئے روز نئی گرل فرینڈز اور بیویاں.... یہ سب کیا ہے؟" اس بات پر تو حاتم نے بھی نائل کو دیکھا تھا۔وہ خود یہ جاننا چاہتا تھا۔

"کچھ خاص نہیں بس میں خود کو یقین دلا رہا تھا کہ میں اب بھی ایک ایجنٹ ہوں۔" صوفے کی پشت سے ٹیک لگائے نائل نے ٹانگ پر ٹانگ چڑھائی تھی۔

"اس سے بہتر طریقہ نہیں ملا تمہیں؟" محسن تو اس کے جواب پر عش عش ہی کر اٹھا تھا۔

"دیکھو مجھے نا تصوراتی دنیا بنانے کا بہت شوق ہے۔اسے تم میرا مشغلہ سمجھ سکتے ہو۔میں ایجنسی چھوڑ چکا ہوں مگر میں نے ہمیشہ خود کو یقین دلایا کہ میں ایک ایجنٹ ہی ہوں۔یہاں تک کہ اکیلے میں بھی.... دشمن کو یقین دلانے کے لیے پہلے خود یقین کرنا بہت ضروری ہوتا ہے۔اب جیسے شروع سے ہی مجھے علم تھا کہ میری ماں کے مجرم کون ہیں، سوائے ماہم کے.... مگر میں نے پھر بھی خود کو یقین دلایا کہ میں تو کچھ جانتا ہی نہیں...." ساشا، محسن اور حاتم تینوں کا ہی دماغ گھوم گیا تھا۔

"ایجنسی کیوں چھوڑی؟" محسن نے اگلا سوال داغا تھا۔

"چھوڑی نہیں ہے۔" چہرے پر افسردگی چھائی تھی۔

"مطلب....؟"تینوں نے بیک وقت پوچھا تھا۔

"نکال دیا۔" لہجے میں نمی گھلی تھی۔

"کیوں....؟" محسن حیرت سے چلا اٹھا تھا۔

"چیف کو لگتا تھا کہ میں ایجنسی کے لیے خطرہ ہوں اس لیے نکال دیا۔ بہت منت کی میں نے مگر خیر...." وہ ہنس دیا تھا۔

ساشا اور محسن دونوں کو ہی افسوس ہوا تھا اور حاتم کی تو نظریں ہی شرمندگی سے جھک گئی تھیں۔

"اگر تمہیں میری بات پر یقین نہیں ہے تو تم حاتم سے پوچھ سکتے ہو۔"

"نائل بھائی ٹھیک کہہ رہے ہیں۔" بوٹوں پر نظریں جمائے حاتم نے نائل کی بات کی تائید کی تھی۔

"خیر چھوڑو یار! میں ایسے ہی بہت خوش ہوں۔"

"اب ہتھکڑی تو کھول دو۔" محسن نے آگے بڑھ کر نائل کی ہتھکڑی کھولی تھی۔

"اور میں...." حاتم نے دہائی دی تھی۔

"تم ایسے ہی اچھے لگ رہے ہو۔" محسن نے فوراً اسے آنکھیں دکھائی تھیں۔

"آپ لوگ میرے چھوٹے ہونے کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں۔" وہ منہ بسور گیا تھا۔

"بکواس بند کرو۔" محسن کا بس چلتا تو اسے جان سے ہی مار دیتا۔

"صحیح ہے یار...." حاتم نے غصے سے ہاتھ گھما کر ہتھکڑی کھول لی تھی۔

"اسے واپس پہنو...." محسن نے اس کا کالر دبوچا تھا۔

"یہ سراسر زیادتی ہے۔ مجھے نہیں بننا کوئی شاہین واہین.... میں بلیک مونسٹر ہی ٹھیک تھا۔ کم از کم عزت تو تھی میری...." جو سلوک اس کے ساتھ ہو رہا تھا، اسے برداشت کرنا نہایت مشکل تھا۔

"اس بلیک مونسٹر کی عزت تو کل وانیہ کرے گی۔" محسن نے اس پر طنز کیا تھا۔

"اب ڈرائیں تو نا...."

"بلیک مونسٹر بیوی سے ڈرتا ہے؟" ساشا نے لب دبائے پوچھا تھا۔

"اس سے ڈرے میری جوت...." نائل کے خونخوار تاثرات دیکھ کر حاتم کی زبان کو بریک لگی تھی۔

"میری جوتی بھی ڈرتی ہے اس سے تو پھر میں کیا چیز ہوں؟" بیان بدلنا اس وقت ضروری تھا۔

نائل نے اب نظریں اس پر سے ہٹالی تھیں۔ حاتم نے سکھ کا سانس لیا تھا۔

---

ٹیرس کی گرل پر ہاتھ رکھے وہ گہری سوچ میں ڈوبا تھا۔ جو بھیانک کھیل اس کے ساتھ زندگی نے کھیلا تھا، وہ اس کے ذہن کے منظر پر ابھر رہا تھا۔

"تمہارا دماغ خراب ہے، پاگل ہو تم؟" نائل نے زوردار تھپڑ اس کے منہ پر رسید کیا تھا۔

حاتم چپ چاپ مجرموں کی طرح کھڑا تھا۔ اس کی شرٹ پھٹی ہوئی تھی اور چہرہ بھی مٹی سے اٹا ہوا تھا۔

"پہاڑی سے کیوں کودے؟" نائل ایک بار پھر چلایا تھا۔

"جینا نہیں چاہتا میں...." اس کی آنکھوں میں شکست تھی۔ نائل نے اس کے پیٹ میں گھونسہ مارا تھا۔

وانیہ کو وہاں سے لے جانے کے بعد نائل نے فوراً اپنی ٹیم کو حاتم کو ڈھونڈھنے کا حکم دیا تھا اور وہ انہیں مل بھی گیا تھا۔ اونچائی بہت زیادہ نہیں تھی لہذا اسے بس چوٹیں آئی تھیں اور اس کا پاؤں بھی فیکچر ہوا تھا۔

"مار دیں، ایک ہی دفعہ مار دیں۔ میں روز روز نہیں مرنا چاہتا۔" اس کی آواز بھرا گئی تھی۔

"جب یہ سب پلین میں شامل نہیں تھا تو پھر حاتم تائی بننے کی کیا ضرورت تھی؟"

"نین وہاں آگئی تھی تو پھر میں کیا کرتا؟" ان کا پلین بس ایموشنل باتیں کر کے بدر سے سچ اگلوانا تھا مگر عینین کا آخری وقت پر وہاں پہنچنا ان دونوں کے لیے ہی حیران کن تھا۔

"کوئی اور راستہ نکال لیتے، بھاگ جاتے وہاں سے...." نائل کا غصہ کسی صورت کم نہیں ہو رہا تھا۔

"آپ نے مجھ سے سچ کیوں چھپایا۔ مجھے کیوں نہیں بتایا کہ میرے ڈیڈ...." آنسوؤں کا گولہ گلے میں اٹکا تھا۔ زبان نے بالکل ساتھ چھوڑ دیا تھا۔

"ماہم نے کہا میں نے یقین نہیں کیا۔ مگر جب ڈیڈ نے اپنی زبان سے اعتراف کیا تو...." حاتم نے سختی سے آنکھیں میچی تھیں۔

"میں بتاتا تب بھی تم یقین نا کرتے۔" حاتم نے نظر اٹھا کر نائل کی جانب دیکھا تھا۔ اس کے چہرے پر بلا کی سنجیدگی تھی۔

وہ ابھی خیالوں میں ہی گم تھا جب اسے اپنے کندھے پر کسی کا ہاتھ محسوس ہوا تھا۔

"نائل بھائی....!" حاتم اس کی جانب پلٹا تھا۔

"کیا سوچ رہے ہو؟"

"یہی کہ میں تو آپ سے نظریں ملانے کے قابل بھی نہیں رہا۔" وہ تلخی سے ہنس دیا تھا۔ نائل خاموش رہا تھا۔ یہ اس کے لیے کس قدر تکلیف دہ تھا، یہ وہی جانتا تھا۔

"ڈیڈ کا کچھ پتا چلا؟" نائل نے نفی میں سر ہلایا تھا۔

"آپ کیا کریں گے ان کے ساتھ؟" جو بھی تھا لیکن ہارون اس کا باپ تھا اور خون نے جوش تو مارنا ہی تھا۔

"میں کچھ نہیں کروں گا، جو بھی کریں گے چیف کریں گے۔" حاتم کا چہرہ بجھ گیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس کے باپ کے ساتھ کیا سلوک ہو گا مگر یہ ضروری بھی تھا۔ اس کا باپ ایک درندہ تھا جس نے اپنی بیوی اور بیٹی تک کو بھی نہیں چھوڑا تھا۔

"مجھے یقین ہے کہ تم ایک اچھے باپ بنو گے۔" نائل کی آواز پر وہ چونکا تھا۔

"حازم کے لیے تم آئیڈیل ہو گے۔"

"حازم...." حاتم کی آنکھوں میں نمی در آئی تھی۔

"نین نے رکھا ہے یہ نام؟"

"نہیں! میں نے رکھا ہے۔ وہ رکھ ہی نا لیں تمہارے نام پر اپنی اولاد کا نام...." چور چوری سے جائے مگر نائل صاحب کی طنزیہ فطرت مستقل تھی۔

"کیسا دکھتا ہے وہ؟" حاتم کے اندر جذبات کا سمندر امڈ رہا تھا۔

"بالکل مجھ پر گیا ہے۔" نائل کے چہرے پر ازلی سنجیدگی تھی۔

"اب تو بڑا ہو گیا ہو گا نا؟"

"ہاں ہاں! کل ہی تو یونیورسٹی میں ایڈمیشن کروایا ہے اس کا...." حاتم نے آنکھیں گھما کر گہری سانس خارج کی تھی۔ غلطی اسی کی تھی۔ وہ غلط شخص سے غلط سوال پوچھ رہا تھا۔

"کل وانیہ سے ملنا ہے تمہیں حاتم....!" نائل نے اسے باور کروایا تھا۔

"کل وانیہ سے حاتم نہیں شاہین ملے گا۔" حاتم نے نظر اٹھا کر نائل کو دیکھا تھا۔

"میں ہسپتال میں کمرہ بک کرواتا ہوں۔" اس کے کندھے پر ہاتھ رکھے وہ آگے بڑھ گیا تھا۔ حاتم نے مسکرا کر سر جھٹکا تھا۔ نائل اسے حوصلہ دے نا دے مگر اس کی پریشانی میں اضافہ ضرور کر دیتا تھا۔

درختوں کی سائیں سائیں کی آواز ہر طرف ایک سکوت سا بکھیر رہی تھیں۔پارک کے دروازے کے باہر گاڑی میں وہ اضطراب کی کیفیت میں بیٹھا تھا تبھی ایک اور گاڑی وہاں آکر رکی تھی۔گاڑی کی پچھلی سیٹ سے وہ باہر نکلی تھی۔سفید رنگ کے سوٹ میں ملبوس،اوپر کریم رنگ کی چادر اوڑھے وہ اس کی نین تھی۔حاتم کا دل ایک لمحے کے لیے رک گیا تھا۔

اب وہ قدم قدم چلتی اس کی گاڑی کی طرف آرہی تھی۔سٹیرنگ پر رکھے ہاتھ کی گرفت اب مضبوط ہو چکی تھی۔حاتم میں تو اتنی ہمت بھی نہیں تھی کہ وہ گاڑی سے باہر نکل کر اس کے لیے دروازہ ہی کھول دیتا۔

عینین چلتی ہوئی گاڑی تک آئی تھی۔گاڑی کے فرنٹ سیٹ تک پہنچتے اس نے دروازہ کھولا تھا۔حاتم نے فورا آنکھیں میچی تھی۔اس کے وجود کی خوشبو حاتم کے دماغ پر چھا سی گئی تھی۔

"ہاں بولو! کیا مصیبت ہے؟"عینین کی کرخت آواز نے اسے آنکھیں کھولنے پر مجبور کیا تھا۔

"بولو بھی....؟"اس کی جانب دیکھے وہ لال چہرے کے ساتھ گویا تھی۔

"میں وہ....اندر چل کر بات کریں۔"وہ اسے نہیں پہچان سکی تھی۔وہ اس وقت اپنے اصلی حلیے میں نہیں تھا۔

"بات کرنی ہی کیوں ہے؟میں تمہیں سادہ سے الفاظ میں سمجھاتی ہوں۔مجھے تم میں بالکل بھی دلچسپی نہیں ہے۔میں شادی شدہ ہوں اور ایک بیٹا بھی ہے۔اپنے لیے کوئی کنواری لڑکی ڈھونڈھ لو۔"وہ کہتے ساتھ ہی تنفر سے منہ موڑ گئی تھی۔

"پکا ڈھونڈھ لوں؟"حاتم کے لبوں پر مسکراہٹ بکھری تھی۔وہ آوازیں بدلنے میں بھی ماہر تھا۔

"ہاں....!"یک لفظی جواب آیا تھا جبکہ نظریں اب شیشے کے پار موجود درخت پر جمی تھیں

"کافی غصے میں لگ رہی ہو تم؟"

"تم نہیں آپ...." دانت پر دانت جمائے عینین نے تصیح کی تھی۔

"کافی غصے میں لگ رہی ہیں آپ؟" لب دبائے حاتم نے نہایت ادب سے اس کی بات مانی تھی۔

"تمہیں اس سے کیا؟ تم بس بھائی کو انکار کر دو کہ تم یہ شادی نہیں کر سکتے؟"

"کیوں....؟" حاتم نے سوالیہ آبرو ریز کرتے اس کی جانب دیکھا تھا۔

"کیونکہ میں تم سے شادی نہیں کرنا چاہتی۔"

"جہاں تک مجھے یاد ہے، آپ تو بہت پسند کرتی تھیں مجھے...." آنکھوں میں شرارت تھی۔

"نہیں صرف کشش تھی۔ پسند نہیں کیا میں نے تمہیں کبھی...."

"پھر کیا کیا جائے؟" وہ سوچ میں ڈوبا تھا۔

"دیکھو تم اس طرح اچانک سے میری زندگی میں نہیں آ سکتے۔ محبت میں نے صرف عمر سے کی ہے چاہے وہ جیسا بھی تھا۔" اس کی آواز بھرا گئی تھی۔

"مگر میں تو آپ سے محبت کرتا ہوں۔"

"تمہیں مجھ سے محبت ہوتی تو بہت پہلے میرے سامنے آجاتے۔ محض تمہیں ڈھونڈھتے کے چکر میں میں نے کیا کچھ گنوایا ہے، تمہیں اندازہ بھی ہے؟"

"میں مداوا کرنا چاہتا ہوں۔"

"میں تمہیں نہیں جانتی اور اگر کبھی جاننے کا تجسس تھا بھی تو اب ختم ہو گیا ہے۔ میں اپنی زندگی میں بہت خوش ہوں اور پلیز تم بھی آگے بڑھ جاؤ۔ جو کچھ تم نے میرے لیے کیا، میں اس کے لیے تمہاری احسان مند رہوں گی۔"

"کیسا احسان، میں سمجھا نہیں؟"

"تم نے وہ بریسلیٹ مجھے دیا اور ہمیشہ میری مدد کی۔"

"تم بہت بیوا قوف ہو۔" حاتم نے نفی میں سر ہلایا تھا۔

"کیا مطلب؟؟" عینین کے ماتھے پر بل پڑے تھے۔

"میں نے تمہیں کوئی بریسلیٹ نہیں دیا۔ جس شخص نے تمہیں وہ بریسلیٹ دیا تھا، وہ یوسف تھا۔ تمہارے بھائی کی دشمنی تھی اس سے.... بس اسی وجہ سے وہ تمہیں استعمال کر رہا تھا۔"

"کیا.... یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟" عینین کے چہرے پر ایک ساتھ کئی سائے لہرائے تھے۔

"اس بریسلیٹ میں ٹریکر تھا۔ وہ اس لیے ہمیشہ ہر جگہ پہنچ جاتا تھا۔ وہ پہلے جان بوجھ کر مسائل کھڑے کرتا تھا اور پھر تمہیں بچاتا تھا۔ اس کے لیے اس نے شاہین کا نام استعمال کیا تاکہ اگر پکڑا جائے تو نام میرا ہو۔" وانیہ کا دماغ تو بالکل ماؤف ہو گیا تھا۔ اس کے ساتھ اتنا بڑا دھوکہ ہوا تھا اور اسے خبر ہی نہیں تھی۔

"اس کا مطب وہ خط اور تحائف...."

"وہ سب میں بھیجتا تھا مگر بریسلیٹ میں نے نہیں دیا تمہیں...." عینین کو ٹھنڈے پسینے آنے لگے تھے۔ اسے آج شدت سے اپنی بیوا قوفی کا احساس ہوا تھا۔

"کیوں بھیجتے تھے؟" چند لمحوں کی خاموشی کے بعد وہ سنبھل کر گویا ہوئی تھی۔

"عشق ہو تم میرا.... ایک عاشق اپنے محبوب کو تحائف نہیں بھیجے گا تو پھر کسے بھیجے گا؟"

"مگر مجھے تو لگا تھا کہ وہ سب عمر...." وہ کہتے کہتے رکی تھی۔ اچانک ہی سر میں ایک ٹھیس سی اٹھی تھی۔ سب کچھ جیسے گڈ مڈ ہو گیا تھا۔ اسے کچھ بھی سمجھ نہیں آ رہا تھا۔

"تمہیں عمر سے محبت کیوں ہے؟"

"وہ میرا شوہر تھا۔"

"یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ ایک درندہ تھا، تم...."

"میں اپنے احساس کی ترجمانی نہیں کر پا رہی۔ بس وہ ہمیشہ مجھے یاد رہتا ہے۔ مجھے اس کے لیے دکھ بھی ہوتا ہے۔ کاش کہ وہ زندہ ہوتا...." گاڑی کی پشت سے ٹیک لگائے وہ آنکھیں موند گئی تھی۔

"تم ایسا کیوں چاہتی ہو؟" وہ اس کے دل کا حال جاننا چاہتا تھا۔

"میں اسے بتانا چاہتی ہوں کہ میں الحمد سے والناس کے سفر کی مسافر ہوں اور یہ کہ پیدائش سے مکاشفہ کا سفر سچا نہیں ہے۔" حاتم کے لبوں پر مسکراہٹ بکھری تھی۔ وہ جو چاہتا تھا وہ ہو گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی خواہش پوری کر دی تھی۔

"اچھا....! اس کے بعد کیا کرو گی؟" اب وہ اسے مزید کرید رہا تھا۔ وہ اس سے کوئی محبت بھرا جملہ سننا چاہتا تھا کہ شاید وہ کہہ دے کہ میں اسے گلے لگا لوں گی اور پھر کہیں نہیں جانے دوں گی یا پھر ایسا ہی کچھ.... مگر عینین کے کہے جملے نے اس پر یہ باور کروا دیا تھا کہ وہ اس کی بیوی اور عشق ہونے سے پہلے نائل آفندی کی بہن تھی۔

"اس کے بعد میں اسے پہاڑی پر سے واپس دھکہ دے دوں گی اور قبر میں دفنا دوں گی۔" حاتم کچھ بول نہیں سکا تھا۔ عینین نے اسے اس قابل ہی کہاں چھوڑا تھا۔

"میں بس اتنا چاہتی تھی کہ وہ کلمہ پڑھ لے اور پھر اسے باعزت طریقے سے دفنایا جائے۔" وہ رو دی تھی جبکہ حاتم کا دل واقعی چاہا کہ وہ واپس پہاڑی سے چھلانگ ہی لگا دے۔ وہ اسے زندہ صرف اس لیے دیکھنا چاہتی تھی تاکہ اسے بعد میں باعزت طریقے سے دفنا سکے۔

"پارک میں چلیں؟" کچھ دیر بعد کہے جملے پر عینین نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔

"مجھے گھر جانا ہے۔ میرا بیٹا اکیلا ہے۔ تم انکار تو کر دو گے نا؟" جذبات میں آکر وہ یہ بھول ہی گئی تھی کہ وہ اتنی دیر سے ایک اجنبی سے باتیں کر رہی ہے۔

"بالکل مگر ایک درخواست ہے۔"

"کیسی درخواست؟" عینین نے سوال کیا تھا۔

"تمہیں دس منٹ کے لیے میرے ساتھ پارک میں چلنا ہو گا، بس...." عینین سوچ میں پڑ گئی تھی۔

"ٹھیک ہے۔" اگر ان دس منٹ کے بدلے وہ رشتے سے انکار کر دیتا تو اس سے اچھی اور کوئی بات ہو ہی نہیں سکتی تھی۔

عینین گاڑی کا دروازہ کھولے باہر نکلی تھی۔ حاتم بھی گہری سانس خارج کرتے باہر آیا تھا۔

پارک سے تھوڑا فاصلے پر نائل اور محسن ایک گاڑی میں بیٹھے ہوئے تھے تاکہ حالات کے زیادہ سنگین ہونے پر وہ کچھ مدد کر سکیں۔ یہ محسن کی سوچ تھی، نائل کی نہیں....اسے تو بس اس چیز کی فکر تھی کہ کہیں حاتم اس کے خلاف اپنی زبان نا کھول دے۔

"یہ دونوں کہاں جا رہے ہیں؟" محسن نے فکر مندی سے پوچھا تھا۔

"کینڈل لائٹ ڈنر کرنے...." جواب فٹ سے آیا تھا۔

"اللہ نے تمہیں زبان کیوں دی ہے؟" محسن جل کر بولا تھا۔

"تاکہ تم جیسے کی بولتی بند کر سکوں۔" وہ حاضر جواب تھا۔ اس سے جیتنا کسی کے بس کی بات نہیں تھی۔

"مجھے تو فکر ہو رہی ہے۔" محسن نے بے چینی سے پہلو بدلا تھا۔

"مجھے بھی...." نائل نے پہلی بار کوئی ڈھنگ کا جواب دیا تھا۔

"اللہ کرے حاتم وانیہ کو سب بتادے اور پھر وہ تمہارا وہ حال کرے کہ تم ساری زندگی نا بھولوں۔" یہ دعا دل سے نکلی تھی۔

"اگر ایک لفظ بھی مزید اپنی زبان سے نکالا تو میں تمہارے چہرے کی ایسی درگت بناؤں گا کہ تمہاری بیوی اور بچے ساری زندگی تمہیں پہچان نہیں سکے گے۔"

"تمہیں تو تمہاری اولاد ہی پوچھے گی۔" اس بار بھی دعا دل سے نکلی تھی۔

"میرے بچے بہت شریف ہوگے۔" نائل نے لب بھینچے کہا تھا۔

"بالکل تمہاری طرح... آمین!" محسن نے دونوں ہاتھ باقاعدہ منہ پر پھیرے تھے۔

"اب تمہاری زبان کھلی نا تو گاڑی سے نیچے پھینک دوں گا تمہیں...." نائل نے اسٹیئرنگ پر ہاتھ جمائے کہا تھا۔

"ایک بات بتاؤ، تم نے کوئی اور بھی کارنامہ کیا ہے نا جو تمہیں ڈر ہے کہ کہیں وانیہ کو پتا نا چل جائے؟"

"کوئی ایک.... لسٹ بہت لمبی ہے۔" نائل سوچ کر ہی رہ گیا تھا۔

"میں نے ایسا ویسا کچھ نہیں کیا۔" وہ اپنی سوچ کو اپنے تک ہی رکھتا تھا۔

"دیکھو اگر کیا ہے نا تو بتادو۔ بعد میں جو جھٹکے لگتے ہیں نا، بالکل برداشت نہیں ہوتے۔" محسن نے طنزیہ انداز میں کہا تھا۔

"ابھی اگر میں نے اپنی زبان کھولی نا، تو جھٹکے نہیں سیدھا ہارٹ اٹیک آئے گا تمہیں...."

"ایسا کیا کیا ہے تم نے؟" حیرت سے آنکھیں پھیلائے محسن آگے کی جانب ہوا تھا۔

"ابھی تک تو نہیں کیا لیکن اب اگر تم نے اپنی بکواس بند نا کی تو تمہارا انکاؤنٹر ضرور کردوں گا میں...." وہ پہلے ہی پریشان تھا، اوپر سے محسن کی فضول باتیں....

"جتنا مرضی چھپالو۔سچ ایک دن سامنے آہی جاتا ہے۔" محسن نے اب کی بار نگاہیں شیشے کے پار سڑک پر ٹکائی تھیں۔نائل سے کچھ بھی پوچھنا بیکار تھا۔

---

شام کی خنکی میں وہ دونوں پارک میں ٹہل رہے تھے۔ان کی ملاقات پر آج گو کہ درخت بھی رقص کر رہے تھے۔پرندوں کا چہچہانا اور لٹکتی ڈالیوں کا جھومنا....ہر چیز ہی ایک الگ ہی تاثر قائم کر رہی تھی۔پارک کے ایک طرف تالاب بنا ہوا تھا جہاں خوبصورت ہنسوں کا جوڑا سر جوڑے ان دونوں عاشقوں کی ملاقات کا نظارہ دیکھ رہا تھا۔

"مجھے تم سے کچھ کہنا ہے۔" حاتم نے ہمت جمع کرتے بات کا آغاز کیا تھا۔

"صرف پانچ منٹ ہیں آپ کے پاس...."عینین تو بس گھڑیاں کی سوئیاں گن رہی تھی۔کب یہ دس منٹ گزریں اور کب وہ واپس جائے۔

"نین....!"اس کے سامنے آتے حاتم نے اپنے سر کی کیپ اتاری تھی اور ساتھ ہی ساتھ اپنی گھنی مونچھیں اور داڑھی بھی....

عینین کا دل رک گیا تھا۔اسے اپنی سانسیں تھمتی ہوئی محسوس ہوئی تھیں۔یہ خواب تھا یا حقیقت....

"ایک بیوی سے زیادہ شوہر کو کوئی نہیں سمجھ سکتا۔تم نے کہا تھا کہ میں شاہین ہوں۔تم نے ٹھیک کہا تھا۔" حاتم نے اسے شانوں سے تھامتے کہا تھا جبکہ عینین تو بالکل اپنے حواس کھو بیٹھی تھی۔

"نین تم سن رہی ہو نا....؟" حاتم نے اسے جھنجھوڑا تھا۔

"تم....!"عینین نے ایک ہی جرست میں اسے خود سے دھکیلا تھا۔

"دھوکہ باز...."اس کی آنکھیں چھلکنے لگی تھیں۔

"میں جانتا ہوں کہ میں بہت برا ہوں۔میں نے تمہارا بہت دل دکھایا ہے مگر....!"

"مگر کیا....؟"

"یہ خواب ہے یا حقیقت....؟" وہ یقین نہیں کر پا رہی تھی۔

"یہ حقیقت ہے نین!" حاتم نے اس کا ہاتھ تھامنا چاہا تھا مگر عینین نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روک دیا تھا۔

"تم میری آنکھوں کے سامنے کودے تھے۔"

"ڈھیٹ ہوں، بچ گیا۔"

"وہ باتیں، وہ پیدائش سے مکاشفہ کا سفر سب جھوٹ...." عینین نے اپنی پیشانی پر ہاتھ رکھا تھا۔ اس خنکی میں بھی اسے پسینے آرہے تھے۔

"نین! پلیز مجھے معاف کر دو۔ میں تمہیں سمجھاتا ہوں۔ سب کچھ...." حاتم نے قدم آگے بڑھائے مگر نین فوراً پیچھے ہٹی تھی۔

"تم نے مجھے گولی ماری۔" وہ پاگلوں کی طرح بولے چلی جا رہی تھی۔ وہ حاتم کی کوئی بات سن ہی نہیں رہی تھی۔

"یہ....یہ لو۔" حاتم نے کورٹ کی جیب سے گن نکال کر عینین کے ہاتھ پر رکھی تھی۔

"تم بھی مجھے مار لو۔ میں نے گولی ماری تھی نا.... تم بھی مجھے...."

"ٹھاہ....!" جملہ مکمل بھی نہیں ہوا تھا کہ عینین نے گولی چلا دی تھی۔ گولی حاتم کے بازو کو چھو کر گزری تھی۔

حاتم نے بے یقینی سے ایک نگاہ عینین پر ڈالی تھی اور دوسری نگاہ اپنے بازو پر، جہاں سے خون بہہ رہا تھا۔

"میں نے تو ر سا بولا تھا۔ تم نے تو سچ میں چلا دی۔" وہ شاک کی کیفیت میں تھا جبکہ عینین گن نیچے پھینک کر روتے ہوئے وہاں سے بھاگی تھی۔

حاتم کو ایک عدد تھپڑ اور کچھ لاتوں اور گھونسوں کی توقع تھی جس وجہ سے اس نے پارک خالی کروایا تھا مگر یہاں تو معاملہ ہی الٹ ہو گیا تھا۔

"نائل گولی چلی ہے۔" محسن بوکھلا گیا تھا۔

"تمہاری بہن بیوہ ہو گئی۔ اس نے اپنے ہاتھوں سے اپنا سہاگ اجاڑ دیا۔" محسن کو گہرا صدمہ پہنچا تھا۔

"حاتم نے وانیہ سے میرے بارے میں کیا کہا ہو گا؟" نائل کو اپنی فکر ستانے لگی تھی۔

"تمہارا بہنوئی مر گیا اور تمہیں ابھی بھی اپنی پڑی ہے؟" محسن کو اس کی سوچ پر شدید افسوس تھا۔

"چلو جلدی.... ہسپتال لے کر چلتے ہیں اسے، کیا پتا بچ جائے ورنہ پھر مولوی اور قبر کا انتظام کرنا پڑے گا۔"

"میری بہن بہت معصوم اور رحم دل ہے۔ یقیناً گولی ٹانگ یا بازو پر ماری ہو گی۔ نہیں مرتا وہ...." نائل نے ناک سے مکھی اڑائی تھی۔

"ایک تم رحم دل اور ایک تمہاری بہن...." اس پر مٹی ڈال کر محسن گاڑی سے باہر نکل کر پارک کی جانب بھاگا تھا۔

"پتا نہیں کیا کہا ہو گا اس فرضی بلیک مونسٹر نے؟" نائل کو تو اپنی فکر ستائے جا رہی تھی۔

---

وہ اندھا دھند بھاگتی ہوئی اپنے کمرے میں داخل ہوئی تھی۔ کمرے میں آتے ہی اس نے اپنے آپ کو لاک کیا تھا۔

حازم بستر پر بیٹھا کھلونوں سے کھیل رہا تھا۔ وہ اسے ملازمہ کے پاس چھوڑ کر گئی تھی مگر اس وقت وہ کمرے میں اکیلا تھا۔ وانیہ کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں چمک ابھری تھی اور ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھری تھی۔ اب وہ خوشی سے اچھلتا ہوا اپنے دونوں ہاتھ بار بار اوپر اٹھا رہا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ وانیہ اسے اٹھائے جبکہ حازم کو دیکھ کر وانیہ کو حاتم یاد آیا تھا۔ سوائے آنکھوں کے حازم پورا کا پورا حاتم سے مشابہت رکھتا تھا۔

"چپ ہو جاؤ۔ خاموش ہو جاؤ۔" وہ حازم پر چلائی تھی۔

"تم بھی اسی دھوکے باز کی اولاد ہو۔" وانیہ نے غصے سے میز پر رکھا گلاس فرش پر پٹخا تھا۔ حازم کا ننھا سا دل کانپ اٹھا تھا۔

"جھوٹا، دوغلا انسان...." اب وہ باری باری چیزیں اٹھا اٹھا کر پھینک رہی تھی۔ چیزوں کے گرنے کی آواز سے حازم بہت زیادہ ڈر گیا تھا۔ ڈر کے مارے اس نے زور زور سے رونا شروع کر دیا تھا مگر وانیہ کو تو آج جیسے کسی چیز کا ہوش ہی نہیں تھا۔

"محبت کے دعوے، وہ دن، وہ راتیں سب جھوٹ...." وہ پاگلوں کی طرح ہر چیز تہس نہس کر رہی تھی۔

نائل ابھی ابھی گھر پہنچا تھا۔ وانیہ کے کمرے سے آوازیں سنتے وہ بھاگتا ہوا اس طرف گیا تھا۔ ملازمہ پہلے ہی دروازہ پیٹ رہی تھی مگر وانیہ دروازہ نہیں کھول رہی تھی۔

"ڈوبلیکیٹ چابی لے کر آؤ۔" ملازمہ کو حکم دیتے وہ خود اب دروازہ بجا رہا تھا۔

"وانیہ بیٹا! دروازہ کھولو۔"

"چلے جائیں یہاں سے، آپ سب جھوٹے ہیں۔" ڈریسنگ ٹیبل کے شیشے پر پرفیوم کی بوتل مارتے وہ پوری قوت سے چلائی تھی۔

نائل کا دل دھک سے رہ گیا تھا۔

"حاتم نے وانیہ کو سب بتا دیا۔وہ ایسا کیسے کر سکتا ہے؟خود کو صحیح ثابت کرنے کے لیے اس نے مجھے...."نائل آگے سوچ نہیں سکا تھا۔حازم کے رونے کی آوازیں اس کے کانوں سے ٹکرا رہی تھیں۔

"وانیہ! حازم کیوں رو رہا ہے؟"نائل کا صبر اب جواب دے گیا تھا۔اس نے دروازے کو دھکہ دے کر توڑ دیا تھا۔

"حازم....!"اب اس نے تیزی سے آگے بڑھتے بستر پر بیٹھے حازم کو اپنی گود میں اٹھایا تھا۔

"دماغ خراب ہو گیا ہے آپ کا؟"اسے اب وانیہ پر شدید غصہ آیا تھا۔

"ہاں ہو گیا ہے۔آپ سب نے مل کر مجھے پاگل دیا ہے۔آپ بھی اس سب میں شامل تھے۔آپ نے بھی مجھے دھوکہ دیا۔"وہ پوری قوت سے چلائی تھی۔

"کیا ہوا؟"شور شرابہ سن کر ساشا بھی فوراً کمرے میں آئی تھی۔محسن نے اسے حالات سے آگاہ کر دیا تھا،اسی وجہ سے وہ فوراً یہاں پہنچی تھی۔

"ساشا پلیز اسے یہاں سے لے جاؤ۔"اس نے حازم کو ساشا کا تھمایا تھا۔اس بیچارے کا رو رو کر برا حال تھا۔ساشا حازم کو کر کر فوراً وہاں سے گئی تھی۔

"وانیہ ہوش میں آئیں۔"نائل نے آگے بڑھ کر اسے شانوں سے جھنجھوڑا تھا۔

"ہاتھ مت لگائیں مجھے...."وانیہ نے فوراً اس کا ہاتھ جھٹکا تھا۔نائل بہت گھبرا گیا تھا۔یہ واحد چیز تھی جس کا اسے خوف تھا۔

"وانیہ وہ جھوٹ بول رہا ہے۔میرا یقین کریں،میں نے ایسا کچھ بھی نہیں کیا۔میری جان! میں آپ کو نقصان پہنچانے کے...."الفاظ ابھی منہ میں ہی تھے جب وانیہ اس کے سینے سے لگی تھی۔

"بھائی! وہ جھوٹا ہے۔اس نے مجھے دھوکہ دیا۔وہ شاہین تھا۔اس نے میرے ساتھ یہ کیوں کیا؟" وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی جبکہ نائل کے دل کا بوجھ ایکدم ہی اترا تھا۔حاتم نے وانیہ کو کچھ نہیں بتایا تھا۔

"آپ کو اس نے کب بتایا؟" اس سے دور ہوتے وہ اب پوچھ رہی تھی۔

"کیا....؟" نائل نے چونک کر پوچھا تھا۔

"یہی کہ وہ شاہین ہے۔"

"وہ کچھ دن پہلے مجھ سے ملا تھا وہ، بس تب ہی...." نائل نے نظریں چرائی تھیں۔

"آپ کو مجھے بتانا چاہیئے تھا نا، میں نے بھی تو آپ کو شاہین کے بارے میں سب بتا دیا تھا کہ وہ کب کب میری زندگی میں آیا اور اس نے کب کب مجھے تکلیف پہنچائی۔"

"میری جان! میں آپ کو تکلیف میں نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔" نائل نے شفقت سے اس کے بالوں میں بوسہ دیا تھا۔

"اس تکلیف کا کیا جو ابھی مجھے ہو رہی ہے۔میں نے اس کے لیے دعائیں کیں، آنسو بہائے اور وہ جھوٹا، بے وفا...."

"وانیہ وہ مجبور تھا۔"

"ایسی بھی کیا مجبوری جو اس نے مجھے برباد کر دیا۔" صدمہ بہت گہرا تھا۔اس سب سے نکلنا اتنا آسان نہیں تھا۔

"وہ ایک ایجنٹ ہے۔دشمنوں کے درمیان رہنا اس کی مجبوری تھی۔" نائل نے اسے سمجھانا چاہا تھا۔

"مجھے اپنی زندگی میں شامل کرنا تو اس کی مجبوری نہیں تھی نا؟" ایک یہی بات تو تھی جس پر اکثر ہی نائل کا حاتم سے جھگڑا ہوتا تھا۔نائل اسے وانیہ سے دور رہنے کا کہتا تھا مگر وہ مانتا ہی نہیں تھا۔نائل چاہتا تھا کہ کیس

کے ختم ہونے تک وہ وانیہ سے رابطہ نا کرے مگر مینار پاکستان والے حادثے کے بعد حاتم کے لیے اپنے جذبات پر بند باندھنا مشکل ہو گیا تھا۔اس نے وانیہ کو واپس بھیجنے سے انکار کر دیا تھا۔نائل نے اسے بہت سمجھایا تھا مگر وہ راضی نہیں ہوا تھا اور پھر اس وقت وانیہ بھی نائل سے بدگمان تھی۔

"اس نے پہلے مجھے اپنی زندگی میں شامل کیا اور پھر نکال دیا۔" وانیہ کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگ چکا تھا۔نائل کو اپنی بہن کے لیے شدید افسوس تھا مگر وہ بھی مجبور تھا۔وہ اسے بتا سکتا تھا کہ اسے شاہین بنانے والا وہ خود تھا۔ پہلے پہل نائل چاہتا تھا کہ حاتم وانیہ کو طلاق دے دے مگر حاتم تو پہلے ہی اپنے سارے رشتے کھو چکا تھا، وہ وانیہ کو نہیں کھونا چاہتا تھا۔بعد میں نائل کو بھی احساس ہو گیا تھا۔اس نے اس رشتے کو قبول کر لیا تھا مگر درمیان میں کبھی کبھی اسے اپنی بہن کے مستقبل کی فکر ستانے لگتی تھی۔وہ چاہتا تھا کہ وانیہ ایک نارمل زندگی گزارے مگر حاتم کے ساتھ ایسا ممکن نہیں تھا۔حاتم کی زندگی کی تو کوئی گارنٹی ہی نہیں تھی۔ جتنا عرصہ وانیہ حاتم کے پاس رہی تھی، اتنا عرصہ نائل کی جان سولی پر لٹکی ہوئی تھی۔

"میرا بچہ! صبر کرو۔سب ٹھیک ہو جائے گا۔" نائل نے اسے خود میں بھینچا تھا۔

"بھائی آپ نے اسے گولی کیوں نہیں ماری۔جب وہ آپ کے سامنے آیا تو آپ نے اسے کیوں چھوڑ دیا؟" اس کی شرٹ کو اپنے ہاتھوں میں دبوچے وہ اب اپنے دل کا غبار نکال رہی تھی۔

"اس سے کہہ دیں بھائی کہ مجھے دوبارہ اپنی شکل نا دکھائے ورنہ مجھ سے برا اور کوئی نہیں ہو گا۔" نائل سے الگ ہوتے وہ اب بستر پر جا کر بیٹھی تھی۔نائل نے افسوس سے گہری سانس خارج کی تھی۔

اب وہ کیسے سب ٹھیک کر سکتا تھا؟؟؟ کسی چیز کو الجھانا اتنا مشکل نہیں ہوتا مگر اپنی الجھائی ہوئی چیز کو سلجھانا واقعی بہت مشکل ہوتا ہے۔

---

رات کے اندھیرے میں وہ اسی پارک میں موجود ایک بنچ پر بیٹھا تھا جہاں اس کی ملاقات وانیہ سے ہوئی تھی۔

"کیا بات ہوئی تم دونوں کے درمیان؟" نائل جانتا تھا کہ وہ وہیں ہوگا۔ بنچ کے دوسرے سرے پر بیٹھتے اس نے نرمی سے پوچھا تھا۔

"کچھ خاص نہیں! بس ڈسکس کر رہے تھے کہ ہنی مون پر کہاں جائیں۔" نائل کی جانب خونخوار نگاہوں سے دیکھتے حاتم نے ایک ایک لفظ چبا چبا کر ادا کیا تھا۔

"میرے خیال سے تمہیں پیرس جانا چاہیئے۔" وہ ڈھیٹوں کا سردار تھا۔ مجال تھی جو کسی کے الٹے جواب سے وہ تپ جائے۔

"بے فکر رہیں! آپ کے بارے میں کچھ نہیں بتایا میں نے اسے...."

"جانتا ہوں۔" نائل نے لاپروائی سے کہا تھا۔

"فکر مت کرو، مان جائے گی۔" شاید یہ دلاسہ تھا۔

"اسے ماننا پڑے گا کیونکہ آپ اسے منائیں گے۔ میں نے اپنی زندگی کے اتنے سال ضائع کر دیے۔ اب مجھے میری خوشیاں واپس چاہیئے۔ ہمارے درمیان جو ڈیل ہوئی تھی، اسے پورا کیجیے۔"

"کچھ وقت صبر کرو۔"

"آپ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا، اب مکر نہیں سکتے۔" وہ غصے سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"مکر نہیں رہا، بس کچھ وقت دے دو مجھے...." نائل بھی اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جو وعدہ کیا تھا، اسے نبھائیں ورنہ...."

"ورنہ کیا....؟"

"ورنہ میں نین کو سب بتا دوں گا۔" حاتم کی آنکھیں سرخ تھیں۔

"کیا بتادو گے ؟"اس کا لہجہ اور اس کا انداز نائل کو ایک آنکھ نا بھایا تھا لیکن پھر بھی اس نے صبر کا دامن تھامے رکھا تھا۔

"یہی کہ میں نے اسے کیوں چھوڑا۔یہی کہ میرے اور آپ کے درمیان کیا ڈیل ہوئی اور یہ بھی کہ نین کو گولی مارنے کے لیے آپ نے مجھے مجبور کیا تھا۔میں راضی نہیں تھا۔آپ نے مجھے ایموشنل بلیک میل کیا۔"غصے کی شدت کی وجہ سے حاتم کی نسیں پھول گئ تھیں۔

"تمہیں لگتا ہے کہ وہ یقین کرلیں گی؟"انداز چیلنجنگ تھا۔

"اگر آپ کو یقین ہے کہ وہ نہیں کرے گی تو پھر ڈر کس بات کا ہے؟"وہ بھی اسی انداز میں گویا ہوا تھا۔

نائل بس اسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔

"تمہیں وانیہ کو مجھے سونپنا ہو گا حاتم! وہ معصوم ہے۔اسے اس سب میں مت گھسیٹو۔اسے مجھے لوٹا دو۔"یہ التجا تھی۔

"وہ کبھی نہیں مانے گی۔میں اسے جانتا ہوں۔وہ کبھی مجھے چھوڑ کر نہیں جائے گی۔نائل بھائی! ہم نین کو سب بتادیتے ہیں نا....اسے بھی اپنے پلین میں شامل کر لیتے ہیں۔"

"تمہارا دماغ خراب ہے؟کیوں میری اتنے سالوں کی محنت برباد کرنے پر تلے ہو۔وانیہ لاکھ ذہین سہی مگر وہ جذباتی ہیں۔کل ذرا سا بلیک میل پر وہ سب بتادیں گی۔تمہیں وانیہ کو واپس بھیجنا ہی ہو گا۔"نائل اپنی جگہ درست تھا۔اتنا آگے آکر وہ اتنا بڑا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے۔

"مگر کیسے....؟"حاتم کو بھی اب احساس ہو گیا تھا کہ وانیہ کو اپنے پاس رکھ کر اس نے بہت بڑی بیوقوفی کی ہے۔وانیہ کی جان کو خطرہ تھا۔

"اسے خود سے بدگمان کردو۔"حاتم نے چونک کر اسے دیکھا تھا۔

"اسے بتاؤ کہ تم بلیک مونسٹر ہو۔وہ خود ہی پیچھے ہٹ جائے گی۔"

"مگر نائل بھائی...."

"دیکھو حاتم! تمہیں یہ کرنا ہوگا۔"نائل نے نرمی سے اسے سمجھایا تھا۔

"اس کے بعد بھی وہ یقین نہیں کرے گی۔اور اگر کر بھی لیا تو وہ اس معاملے کو کرید ے گی۔"وہ وانیہ کی رگ رگ سے واقف تھا۔وہ کسی نا کسی طرح سچ پتا لگا ہی لیتی اور ایسا کرتے ہوئے وہ یقینا خود کو بہت بڑی مصیبت میں پھنسا دیتی۔

"تمہیں کچھ ایسا کرنا ہوگا کہ وانیہ ایسا کچھ کرنے کے بارے میں سوچ ہی نا سکے۔انہیں تم سے نفرت ہو جائے۔"

"مگر میں ایسا کیا کروں؟"

"تمہیں وانیہ کو شوٹ کرنا ہوگا۔"

"کیا....؟"وہ بے یقینی سے چلا اٹھا تھا۔

"حاتم تمہیں یہ کرنا ہوگا۔"نائل نے بے بسی سے کہا تھا۔

وانیہ اس کی بہن تھی،اسے بہت عزیز تھی مگر وہ بھی کہیں نا کہیں مجبور تھا۔

"میں نین کی آنکھوں میں آنسو تک نہیں دیکھ سکتا اور آپ مجھے اسے گولی مارنے کا کہہ رہے ہیں؟"آنکھوں میں بے یقینی ہی بے یقینی تھی۔

"کوئی اور حل ہے تمہارے پاس....؟جب تک تم عملا کچھ نہیں کرو گے،وہ یقین نہیں کریں گی۔حاتم فیصلہ تمہارا ہے، تمہیں وانیہ کا ساتھ چاہیئے یا پھر ان کی زندگی...."حاتم نے بے بسی سے آنکھیں میچی تھیں۔زندگی اسے جس موڑ پر لے آئی تھی،وہ بے حد بھیانک تھا۔

"یاد کریں نائل بھائی! وہ آپ ہی تھے جس نے مجھے یہ سب کرنے کے لیے مجبور کیا تھا اور تو اور آپ نے مجھے یہ بتانے کی بھی زحمت نہیں کی کہ میرا ایک بیٹا بھی ہے۔ جب نین کو میری سب سے زیادہ ضرورت تھی تب میں اس کے پاس نہیں تھا۔" نائل خاموش ہی رہا تھا۔ وہ حاتم کا کرب سمجھ سکتا تھا۔

"آپ ایک ایجنٹ تھے، میں نہیں ہوں لیکن میں نے پھر بھی آپ کی مدد کی۔ اب مجھے میری خوشیاں واپس چاہیئے۔" اس کی آنکھیں متورم تھیں۔

"حاتم مجھے تھوڑا سا وقت دو۔" نائل نے حد درجہ نرم لہجے میں کہا تھا۔

"نہیں نائل بھائی! میں آپ کو ایک دن کا وقت بھی نہیں دوں گا۔" حاتم نے نفی میں سر ہلاتے قدم پیچھے کی جانب اٹھائے تھے۔

"مجھے کل ہی میری خوشیاں واپس چاہیئے۔"

"ٹھیک ہے۔" نائل نے گہری سانس خارج کرتے ہار مانی تھی۔

"لیکن تمہاری وجہ سے اگر میرا نقصان ہوا تو یاد رکھنا میں تمہیں زندگی بھر معاف نہیں کروں گا۔" وہ کہتے ساتھ ہی پلٹ گیا تھا۔

حاتم شکست خور حالت میں بینچ پر بیٹھا تھا۔ اب اس کی خوشیاں اس سے صرف ایک دن دور تھیں مگر آنے والا کل کیا طوفان برپا کرنے والا تھا، یہ تو نائل ہی سمجھ سکتا تھا۔

---

"میرا بیٹا مجھ سے ناراض ہے؟" ٹانگ پر ٹانگ چڑھائے وہ بستر پر لیٹا فیڈر پی رہا تھا۔ وانیہ کب سے اسے منانے کی کوشش کر رہی تھی مگر حازم نے اسے مکمل طور پر نظر انداز کر دیا تھا۔

"اچھا چلو اب بس کر دو۔ مما کو معاف نہیں کرو گے؟" وانیہ نے اس کا فیڈر لیتے اسے گود میں اٹھایا تھا۔ حازم نے منہ بسورے رخ موڑ لیا تھا۔

"حازم! مما کو معاف کر دو۔" اب کی بار نائل نے اسے کہا تھا۔ اس کی بات پر عمل کرتے وہ فوراً وانیہ سے لپٹ گیا تھا۔

"بھائی اسے آپ کی بات سمجھ آتی ہے۔" حازم کو اپنے اندر بھینچے وہ ہنس دی تھی۔

"ایک نمبر کا ڈرامے باز ہے یہ...." نائل نے اسے گھوری سے نوازا تھا جواباً حازم نے بھی اسے گھورا تھا۔

وانیہ کی موجودگی کا لحاظ کرتے نائل نے حازم کو فلحال بخش دیا تھا ورنہ اس گھوری پر وہ اسے لٹکا چکا ہوتا۔

"کل حاتم آئے گا۔" وانیہ کی مسکراہٹ فوراً سمٹی تھی۔

"وہ حازم کا باپ ہے۔ ہمیں کوئی حق نہیں کہ اسے روکیں۔"

"ٹھیک ہے، وہ آئے اور مل لے اپنے بیٹے سے لیکن پہلی اور آخری بار...." حازم کو اٹھائے وہ اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی تھی۔ سرد آہ خارج کرتے نائل بستر پر بیٹھا تھا۔

---

طلوع فجر کے وقت نائل کا فون بجا تھا۔ اس کی آنکھ فوراً ہی کھلی تھی۔ حاتم کا نمبر دیکھ کر چہرے پر ناگواری چھائی تھی۔

"کیا ہے؟" وہ اکھڑا اکھڑا سا بولا تھا۔

"بدر کہاں ہے؟" حاتم کی آواز سپیکر سے ابھری تھی۔

"میرے پاس نہیں ہے۔ چیف کے حوالے کر دیا تھا۔" نائل نے دوٹوک انداز میں جواب اس کے منہ پر دے مارا تھا۔

"ٹھیک ہے۔" کہتے ساتھ ہی اس نے فون کاٹ دیا تھا۔

"بیوقوف...." نائل نے فون زور سے بستر پر اچھالا تھا۔ جو آج ہونا تھا، اسے سوچ سوچ کر ہی اس کا دماغ پھٹنے لگا تھا۔

"جیسے میں تو جانتا نہیں ہوں نا آپ کو...." دوسری طرف حاتم نے تنفر سے سر جھٹکا تھا۔

---

ایک بلڈنگ میں موجود ایک خفیہ کمرے میں وہ سربراہی کرسی پر ٹانگ پر ٹانگ جمائے بیٹھا سگار پی رہا تھا۔

"بلیک مونسٹر! مم... میرا یقین کرو، میں بے گناہ ہوں۔" وہ شخص زمین پر گھٹنوں کے بل بیٹھا منت کر رہا تھا۔

"میری مرضی کے بغیر، میرے علاقے سے ایک منشیات کا ٹرک گزرا اور تم کہہ رہے ہو کہ تم بے گناہ ہو؟" سیاہ آنکھوں میں دہشت ہی دہشت تھی۔

کمرے کے اطراف میں اس کے گارڈز کھڑے تھے جبکہ اس کی کرسی کی دائیں طرف ماریہ ادب سے ہاتھ باندھے کھڑی تھی۔

"میں چند مہینے کسی ضروری کام سے باہر کیا گیا۔ تم لوگ تو اپنی من مانی کرنے لگ گئے۔" وہ چل کر اس تک آیا تھا۔

"پہلے وہ شاہین کم ہے جو اب تم لوگ بھی مجھے پریشان کر رہے ہو۔" اس بات پر ماریہ کے لبوں کو مسکراہٹ نے چھوا تھا مگر اگلے ہی لمحے اس نے خود کو نارمل کر لیا تھا۔

"بلیک.... بلیک مم... مونسٹر وہ...." الفاظ ابھی منہ میں ہی تھے جب حاتم نے اس کے گھٹنے پر تین فائر کیے تھے۔ درد کی شدت کو برداشت کرتے وہ شخص اب بھی اسی پوزیشن میں بیٹھا ہوا تھا۔ چیخنے اور کراہنے کا مطلب دردناک موت تھی۔

"ماریہ اسے ایک صفحہ لا کر دو۔" ماریہ نے سر جھکائے اسے صفحہ لا کر دیا تھا۔

"لکھو کہ بلیک مونسٹر لوٹ آیا ہے اور جو بھی اس کی نافرمانی کرے گا وہ بلیک مونسٹر کی دی ہوئی زندگی پائے گا۔"

"وہ....وہ پین...."اس شخص نے بامشکل کہا تھا۔

"مار یہ اسے چاقو دو۔ یہ اپنے خون سے لکھے گا اور دھیان رہے جس طرح قلم کو سیاہی میں اندر تک ڈوبو یا جاتا ہے بالکل اسی طرح ہر حرف پر یہ چاقو گھٹنے کے اندر تک جائے گا۔"حکم صادر کرتے وہ متانت بھری چال چلتے کمرے سے باہر گیا تھا۔ کمرے کے باہر موجود تمام آدمیوں کی نظریں جھکی ہوئی تھیں۔ وہ اپنی ساکھ بحال کر چکا تھا۔

یہاں سے وہ سیدھا اس جگہ گیا تھا جہاں نائل نے بدر کو چھپا کر رکھا ہوا تھا۔ حاتم کے لیے یہ پتا لگوانا زیادہ مشکل نہیں تھا۔

بدر زنجیروں میں جکڑا زمین پر پڑا ہوا تھا۔ چہرے پر جگہ جگہ نیل کے نشان تھے اور بازو سے بہتا خون گواہی دے رہا تھا کہ اسے گولی ماری گئی ہے۔ حاتم کی نظر اب اس کے زخمی پیر پر پڑی تھی جو کہ جھلسا ہوا تھا۔ اس کے لبوں پر تیکھی مسکراہٹ بکھری تھی۔ نائل نے بدر کی صحیح خاطر تواضح کی تھی۔

اب وہ ایک سائیڈ پر رکھی کرسی کو گھسیٹ کر بدر کی جانب لایا تھا۔

بدر کے پیر پر دباؤ پڑنے پر وہ کراہ کر اٹھا تھا۔

"ڈیوڈ...!"بدر نے اپنی سوجھی ہوئی آنکھیں کھولی تھیں۔

"مم...مجھے پتا تھا کہ تم ضرور آؤ گے۔"بدر کی آنکھوں میں امید ابھری تھی۔

"کچھ حساب کتاب ابھی باقی ہیں۔"وہ کرسی پر ٹانگ پر ٹانگ رکھے بیٹھا تھا۔

"میری بیوی کو اغواء کر کے بہت غلط کیا تم نے.... لیکن تمہیں پتا ہے تم نے اس سے بھی بڑا جرم کیا ہے جو قابل معافی نہیں ہے۔"حاتم کی آنکھوں میں چنگاریاں بھڑک رہی تھیں۔

"جانتے ہو کیا کیا ہے تم نے؟"حاتم نے سختی سے مٹھیاں بھینچی تھیں۔

"میں بتاتا ہوں کہ تم نے کیا کیا ہے۔" تنے ہوئے ماتھے کے ساتھ اس نے جو کہا تھا، وہ بدر کی سانس روکنے کے لیے کافی تھا۔

"اتنے بڑے جرم کی سزا تو بنتی ہے نا؟" کرسی سے اٹھ کر وہ بدر کے قریب بیٹھا تھا۔

"یہ تم کک... کیا کہہ رہے ہو؟ میں نے جان کر نہیں کیا ڈیوڈ! میں نہیں جانتا تھا۔" وہ بہت زیادہ گھبرا گیا تھا۔

"جانے میں یا انجانے میں گناہ تو تم نے بہت بڑا کیا ہے۔ اب سزا بھگتو۔" اپنے بوٹ کے تلوے پر چھپے ہوئے چاقو کو نکالتے اس نے بدر کا ہاتھ سختی سے پکڑا تھا۔

"ڈیوڈ! مجھے معاف کر...." جملہ مکمل ہونے سے پہلے ہی حاتم اس کا انگوٹھا کاٹ چکا تھا۔ بدر درد سے بلبلا اٹھا تھا۔

"ڈیوڈ نہیں شاہین ہوں میں.... اور میری ڈکشنری میں تم جیسوں کے لیے کوئی معافی نہیں ہے۔" اس کے جھلسے ہوئے پیر پر چاقو سے چند کٹ لگاتے وہ اسے مزید کراہنے پر مجبور کر گیا تھا۔

"اور شاہین سے پہلے بلیک مونسٹر ہوں میں.... بھول گئے بابا، آپ نے تو کہا تھا کہ یہاں قانون میرا ہے۔ میرا جو دل کرے میں وہ کر سکتا ہوں۔" لائٹر کی مدد سے چاقو گرم کرتے وہ بدر کی دھڑکنیں روکنے کے درپے تھا۔

"یہ تم کیا کر رہے ہو؟" بدر کا سارا وجود پسینے سے بھیگ چکا تھا۔

"آپ کی آنکھ نکالنے کا انتظام.... فکر نا کریں، چاقو بہت تیز ہے۔" حاتم نے ترش مسکراہٹ کے ساتھ کہا تھا۔

"نن.... نہیں....!" بدر پیچھے کی جانب ہوتے دیوار سے جا لگا تھا۔

"بابا مجھے آپ کی آواز نہیں آنی چاہیئے۔ سزا کے وقت بالکل خاموشی....اگر آپ ذرا سا بھی چیخے یا پھر مزاحمت کی تو بلیک مونسٹر کے قہر سے آپ اچھی طرح واقف ہیں۔" حاتم اب چاقو اس کی آنکھ کے قریب لے گیا تھا۔ بدر کی آنکھوں سے پانی ابلنے لگا تھا۔ اسے آج سانپ کو دودھ پلانے کا مطلب سمجھ آیا تھا۔

اگلے پندرہ منٹ تک حاتم اپنی کاروائی کرتا رہا تھا۔ وہ یہ کام دو منٹ میں بھی کر سکتا تھا مگر بدر کو اذیت دینا اسے سکون پہنچا رہا تھا۔

اپنی چیخوں پر لاکھ بند باندھنے کے باوجود بھی وہ تکلیف سے بلبلاتا چلا اٹھا تھا اور ساتھ ہی ساتھ اس نے حاتم کو روکنے کی بھی کوشش کی تھی۔

"بہت بری بات ہے بابا! میں نے منع کیا تھا نا چیخنے سے....اب کل پھر سے سزا ملے گی۔ آج کے لیے اتنا کافی ہے۔" اس کی خون سے ابلتی آنکھ پر پٹی باندھتے وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے گیا تھا۔ بدر کی چیخیں اس کی روح کو تسکین پہنچا رہی تھیں۔ وہ اب پندرہ سالہ معصوم حاتم نہیں رہا تھا۔ وقت نے اس کی معصومیت چھین لی تھی۔ وہ اب شاہین اور بلیک مونسٹر بن چکا تھا۔

---

شام کے وقت نائل حاتم کو اپنے گھر لے آیا تھا۔

"جاؤ...." وانیہ کے کمرے کی جانب اشارہ کرتے نائل نے سنجیدگی سے کہا تھا۔

"گارڈز سے کہہ دیا ہے میں نے کہ اگر اس گھر سے لاش نکلی تو اسے چپ چاپ دفنا دیں۔" نائل کی بات پر وہ آنکھیں گھماتا وانیہ کے کمرے کی جانب بڑھا تھا۔

"کیسے سنبھالوں گا میں یہ سب کچھ...." منہ میں بڑبڑاتے ہوئے وہ وہیں سے واپس مڑا تھا۔

حاتم بوجھل قدموں کے ساتھ کمرے کی جانب بڑھا تھا۔ عینین کو نماز پڑھتے دیکھ ایک لمحے کے لیے اسے کچھ ہوا تھا۔ بے اختیار ہی اس کے لب مسکراہٹ میں ڈھلے تھے۔ اب اس کی نظر بستر پر بیٹھے ننھے وجود کی طرف پڑی تھی جو کہ کھیلنے میں مصروف تھا۔ حاتم کا دل زور سے دھڑکا تھا۔ یہاں سے وہ اس کی پیٹ ہی دیکھ سکتا تھا۔ ہر اٹھتا قدم پہاڑ جتنا بھاری تھا۔ وہ چل کر بستر کی طرف آیا تھا۔ حازم جو کھلونوں کے ساتھ مصروف تھا اس نے اچانک ہی نظر اٹھا کر سامنے حاتم کو دیکھا تھا۔ وہ ہنس دیا تھا اور حاتم کو اس کی ہنسی دنیا کے تمام خزانوں سے زیادہ انمول لگی تھی۔

"میرا بیٹا.... "اس نے جھک کر فوراً حازم کو اٹھایا تھا۔ اب وہ دیوانہ وار اس کے چہرے کے ہر ایک نقش کو چوم رہا تھا۔

"میرا بیٹا.... "متورم آنکھوں کے ساتھ اس نے حازم کو اپنے اندر بھینچا تھا۔

پہلے پہل حازم نے مزاحمت کی تھی مگر پھر اسے یہ لمس اچھا لگا تھا۔

"میرا حازم.... "اسے بستر پر بٹھائے حاتم بھی اس کے پاس بیٹھا تھا۔

"آپ کو پتا ہے میں کون ہوں۔" اس کے ہاتھوں کو لبوں تک لے جاتے وہ اب اس سے باتیں کر رہا تھا۔

"بابا.... "حازم کے لب اپنے آپ ہی ہلے تھے۔ حاتم بالکل ساکت ہو گیا تھا۔

"ہاں.... "اب اس نے روتے ہوئے حازم کو ایک بار پھر گلے سے لگایا تھا۔

"بابا نے بہت مس کیا آپ کو.... "اسے اپنی گود میں بٹھاتے حاتم نے اس کی گال پر بوسہ دیا تھا۔

حازم بغور اس کے چہرے کی جانب دیکھ رہا تھا۔ اس کے لیے یہ چہرہ غیر آشنا تھا۔

"آپ نے بھی بابا کو مس کیا؟" حازم نے ناک چڑھا کر رخ موڑا تھا۔ اسے اب حاتم اچھا نہیں لگا تھا۔

اس کے ان عجیب و غریب تاثرات کو دیکھ کر حاتم ہنس دیا تھا۔

اب وہ حازم سے مختلف قسم کی باتیں کر رہا تھا جس کے جواب میں حازم اپنے چہرے کے ایسے تاثرات کا جلوہ دکھاتا کہ حاتم کی ہنسی چھوٹ جاتی تھی۔

یہ حاتم تھا جو اس کے تاثرات پر ہنس رہا تھا، اگر نائل ہوتا تو اب تک حازم کی درگت بن چکی ہوتی۔

دعا مانگنے کے بعد وانیہ نے جائے نماز اٹھائی تھی۔ جائے نماز اپنی جگہ پر رکھ کر وہ باہر جانے کے لیے مڑی ہی تھی کہ حاتم نے اس کی کلائی تھام لی تھی۔

"ایسا تو مت کرو نا میرے ساتھ۔ کم از کم صفائی کا ایک موقع ہی دے دو۔" اس کی پشت پر کھڑے ہوتے حاتم نے اس کے کان کے پاس سرگوشی کی تھی۔

"بس ایک موقع دے دو۔ میں ہر غلطی کا ازالہ کرنے کے لیے تیار...." الفاظ ابھی منہ میں ہی تھے کہ وانیہ نے سرخ چہرے کے ساتھ اسے پرے دھکیلا تھا۔ توازن برقرار نا رکھتے ہوئے وہ بستر پر جا گرا تھا۔

"کیا میں اسے ہاں سمجھوں؟" سر کے نیچے ہاتھ رکھتے حاتم نے اسے اپنی بتیسی دکھائی تھی۔

"اپنے بیٹے سے ملنے آئے ہو۔ ملو اور جاؤ۔" غصے کی وجہ سے وانیہ کا تنفس بری طرح پھولا تھا۔

"یعنی میں انکار سمجھوں؟" وہ پہلے ہی تپی ہوئی تھی اور حاتم اسے مزید تپا رہا تھا۔

"دفع ہو...." اس پر مٹی ڈالتے ابھی وانیہ نے ایک قدم ہی آگے بڑھایا تھا کہ حاتم نے ایک بار پھر اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

"ایک بار بس میری بات سن لو۔ اس کے بعد تمہارا جو فیصلہ ہو گا، مجھے منظور ہے۔" بستر سے اٹھتے اس نے عینین کو شانوں سے تھامتے اس کا رخ اپنی طرف کیا تھا۔

"تمہاری کسی بھی صفائی سے میرا فیصلہ نہیں بدلے گا۔" اس دھکیلتے وہ چلائی تھی۔

"ٹھیک ہے لیکن پھر بھی ایک بار سن تو لو۔"

"مجھے کچھ نہیں سننا۔" وہ اپنی بات پر مصر تھی۔

"نین! میں تمہیں اپنا فیصلہ بدلنے کے لیے نہیں کہہ رہا۔ میں بس یہ کہہ رہا ہوں کہ پلیز بس ایک بار میری بات سن لو، بس ایک بار...." یہ التجا تھی۔

"ٹھیک ہے! کہو جو کہنا ہے لیکن میرا فیصلہ نہیں بدلے گا۔" آنکھوں کی نمی صاف کرتے حاتم نے عینین کو بستر پر بٹھایا تھا۔ وہ خود اس کے قدموں میں زمین پر بیٹھ گیا تھا۔

بستر سے ٹیک لگائے حاتم نے اپنی نظریں سامنے دیوار پر لگے فریم پر جمائی تھیں۔ عینین یہاں سے اس کی پشت ہی دیکھ سکتی تھی۔ حاتم میں اس سے نظریں ملانے کی ہمت نہیں تھی۔

"بچپن میں ہمارے والدین کی رضامندی سے ہمارا نکاح ہوا تھا۔ تم آٹھ سال کی تھی اور پندرہ سال کا.... سب ٹھیک تھا، بہت اچھا تھا مگر ایک دن سب بدل گیا۔ میرے گھر میں میری ماں کی میت پڑی تھی اور تمہارے گھر میں تمہارے باپ کی۔ تمہاری ماں، میری بہن اور تمہیں اغواء کر لیا گیا۔ بچپن سے تمہیں جو دورے پڑتے ہیں، وہ سب اس لیے کیونکہ تم نے اپنی آنکھوں سے اپنی ماں کے ساتھ...." وہ کہتے کہتے رکا تھا۔ عینین نے بھی سختی سے آنکھیں میچی تھیں۔ وہ اس وقت بچی تھی مگر اب وہ سب سمجھتی تھی۔

"میں نے تمہیں بچایا تھا شاہین بن کر...." عینین نے فوراً آنکھیں کھولی تھیں۔

"وہ لوگ مجھے اپنے ساتھ لے گئے۔ وہ چاہتے تھے کہ میں ان کے لیے کام کروں مگر میں ایسا نہیں چاہتا تھا۔ میں نے آئی۔ ایس۔ آئی کا ساتھ دیا اور اتنے سالوں تک وہاں کے سارے راز ان لوگوں تک پہنچائے۔ ان سالوں میں تم میرا واحد رشتہ تھی جو مجھے بے حد عزیز تھی۔ تم سے دور رہنا چاہتا تھا مگر تم بار بار میرے پاس آ جاتی تھی۔ اب اسے میری محبت سمجھو یا خود غرضی، میں نے تمہیں ہمیشہ کے لیے اپنے

پاس رکھنے کا فیصلہ کر لیا۔ لیکن پھر مجھے احساس ہوا کہ تم میرے ساتھ محفوظ نہیں ہو۔ اس لیے میں نے تمہیں خود سے دور بھیجنے کے لیے وہ سب...."

"تم نے مجھے گولی ماری۔ جان بوجھ کر وہ ساری باتیں کیں تاکہ میں تم سے بدگمان ہو جاؤں۔ ہیں نا؟" حاتم خاموش ہی رہا تھا۔ وہ اپنے کیے پر شرمندہ تھا۔

"تم نے ایک بار بھی میرے بارے میں سوچا کہ مجھ پر کیا گزری ہو گی؟ ایک بچے کے ساتھ تم نے مجھے تنہا چھوڑ دیا۔"

"مجھے نہیں پتا تھا۔" حاتم کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔

"اگر ایسی کوئی بات تھی تو تمہیں مجھے بتانا چاہیئے تھا عمر!" یہاں سے وہ صرف اس کی آواز سن سکتی تھی مگر اس کی آواز میں موجود نمی سے صاف ظاہر تھا کہ وہ رو رہا تھا۔

"مجھے معاف کر دو۔" لہجے میں ندامت تھی۔

"کس لیے معاف کر دوں؟" وہ بھی اٹھ کر اس کے قریب آ بیٹھی تھی۔

"تمہاری کہی ایک بات کی وجہ سے میں اپنا سب کچھ کھونے جا رہی تھی۔ تمہارے عشق میں پاگل ہو کر میں اپنا مذہب چھوڑنے جا رہی تھی۔" حاتم نے چونک کر عینین کی جانب دیکھا تھا۔ اس کی آنکھوں میں کرب تھا۔

"میں بھٹکی ہوئی تھی مگر تم تو راہ راست پر تھے۔ تم نے کیوں مجھے کبھی نہیں ٹوکا؟"

"میں ایسا نہیں کر سکتا تھا۔ میں کچھ بھی ایسا نہیں کر سکتا تھا جس سے انہیں مجھ پر شک ہو۔ نین وہ چاہتے تھے کہ میں اپنا مذہب چھوڑ دوں اور میں نے ایسا ہی کیا۔" حاتم کو آج بھی وہ دن اچھے سے یاد تھا جب اس نے عیسائیت کو اپنایا تھا۔

"مجھے یقین ہو گیا ہے بابا کہ مسیحت ہی حقیقی مذہب ہے۔ میں حاتم خانزادہ! آج عیسائیت کو اپناتا ہوں۔ مجھے انجیل مقدس سے عشق ہے۔" اس نے بدر کے سامنے اقرار کیا تھا۔ وہ ہی جانتا تھا کہ اس نے اپنی زبان سے یہ الفاظ کیسے ادا کیے تھے۔

"شاباش میرے بیٹے شاباش!" بدر نے اس کی پیٹ تھپتھپاتے اسے شاباشی دی تھی۔

بدر کے جانے کے بعد وہ شکست خور حالت میں زمین پر گرا تھا۔

"اَشھد اَنّ لاالہ الااللہ و اَشھد اَنّ محمداً رسول اللہ."

حاتم کے لب ہولے سے ہلے تھے۔

"اے میرے مالک! مجھے معاف کر دینا۔ میں نے جو بھی کہا وہ صرف ایک دکھاوا ہے۔ میں اس دین پر ڈٹ جاتا، مر جاتا لیکن میرے مرنے کے بعد کچھ بھی ٹھیک نا ہوتا۔ لاکھوں لوگوں کی جانیں بچانے کے لیے مجھے یہ ڈرامہ کرنا ہو گا۔ ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا۔" وہ دھاڑیں مار مار کر رو دیا تھا۔

"نین! میں نے تمہارے ساتھ جو بھی کیا۔ وہ غلط تھا۔ ہو سکے تو مجھے معاف کر دو۔" عینین کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ حاتم اپنے دل میں اتنے درد چھپائے بیٹھا ہے۔

"اتنے سال تم نے عیسائیت کی پیروی کی۔ تمہیں کبھی نہیں لگا کہ تم واقعی میں بھٹک جاؤ گے؟"

"بہت بار لگا بلکہ کئی دفعہ تو مجھے وہ زندگی بہت اچھی لگنے لگی۔ دل چاہتا تھا کہ واقعی میں ان کی بات مان لوں لیکن میں ہر خود کو ڈپٹ دیتا تھا۔ اسلام کی جتنی بھی تعلیمات مجھے یاد تھیں۔ میں وہ سب دہرانے لگتا۔ تمہیں پتا ہے نین! شروع شروع میں جب میرا رجوع اسلام کی طرف ہونے لگا اور میں نے نماز پڑھنا شروع کی تو وہ لوگ مجھے ایسا کرنے نہیں دیتے تھے۔ میں جب بھی نماز پڑھتا تھا تو وہ مجھے مارتے تھے۔" حاتم کی آنکھیں نمکین پانیوں سے بھیگ گئی تھیں۔

"نماز پڑھو گے تم ہاں....؟"الیکس اس پر مسلسل کوڑے برسا رہا تھا جبکہ حاتم فرش پر پڑا بری طرح کراہ رہا تھا۔

"آج کے بعد اگر تم نے نماز پڑھی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔"

"میں پڑھوں گا۔"نقاہت زدہ سی آواز الیکس کے کانوں میں پڑی تھی۔

"آج سے تمہارا پانی بند، جب پانی نہیں ہو گا تو وضو کیسے کرو گے؟"وہ خباثت سے ہنستا ہوا باہر گیا تھا۔

حاتم پر ظلم و ستم کا سلسلہ رکا نہیں تھا۔وہ جب جب نماز پڑھنے لگتا تو اس پر ایسے ہی کوڑے برسائے جاتے، یہاں تک کہ تین تین دن اسے پانی تک نا دیا جاتا۔

اس کے مسیحت قبول کرنے کے بعد یہ سلسلہ کافی حد تک کم ہوا تھا مگر انہیں حاتم پر پھر بھی شک تھا۔اسے چوبیس گھنٹے نگرانی میں رکھا جاتا اور کمرے میں بھی کیمرے لگے ہوئے تھے۔

"یااللہ! کیا میں اب کبھی بھی آپ کو سجدہ نہیں کر سکوں گا؟"واش بیسن کے پاس کھڑا وہ ارو رہا تھا۔اس نے ایک نظر نل کی جانب دیکھا تھا اور اگلے ہی لمحے اس نے فیصلہ کر لیا تھا۔

"میں نماز ضرور پڑھوں گا۔"آنسو صاف کرتے حاتم نے وضو کیا تھا۔وضو کرنے کے بعد اس نے اچھے سے تولیے سے رگڑ رگڑ کر خود کو صاف کیا تھا تاکہ کسی کو بھی پتا نا چلے کہ اس نے وضو کیا ہے۔باتھ روم سے باہر آ کر اس نے اپنی الماری سے اپنے کمرے نکالے تھے اب وہ واپس باتھروم کی جانب بڑھ گیا تھا۔بظاہر وہ یہ دکھا رہا تھا کہ وہ چینج کرنے جا رہا تھا۔

"میں نہیں جانتا کہ یہ نماز قبول ہو گی یا نہیں مگر یہ پڑھنا میرے لیے بہت ضروری ہے۔میں چند دن بھی اپنے دین سے غافل رہا تو یہ لوگ مجھ پر اثر انداز ہونا شروع ہو جائے گے۔"

حاتم نے اپنی لمبی شرٹ فرش پر بچھائی تھی۔اس نے اس بات کا بھی شکر ادا کیا تھا کہ باتھ لینے والی جگہ علیحدہ تھی۔درمیان میں ایک شیشے کی دیوار تھی جس کا دروازہ بھی شیشے کا تھا۔شاور کا نل کھولنے کے بعد اس نے نماز پڑھنا شروع کی تھی۔

وہ لوگ اس پر کڑی نگاہ رکھتے تھے، خاص طور پر نماز کے وقت....

حاتم نے ایک دن نظر بچا کر باہر سے صاف مٹی اپنی جیبوں میں بھر لی تھی۔اس سے اسے کافی آسانی ہوتی تھی۔وہ ہر وقت پانی سے وضو نہیں کر سکتا تھا مگر وہ تیمم پھر بھی کر سکتا تھا۔

وہ اپنی نمازیں ایسے ہی چھپ چھپ کر پڑھتا تھا۔کبھی چینجنگ کمرے میں تو کبھی کہاں....

رات کی اور فجر کی نماز تو وہ لیٹ کر کمبل اوڑھ کر پڑھتا تھا تاکہ کسی کو علم نا ہو سکے۔رفتہ رفتہ ان لوگوں کا شک ختم ہوتا جا رہا تھا اور حاتم کی طاقت بحال ہوتی جا رہی تھی لہذا اس کے اپنے کمرے سے کیمرے ہٹوا دیے تھے۔یہ اس کے لیے کافی فائدہ مند ثابت ہوا تھا۔وہ باآسانی اپنے کمرے میں نماز ادا کر سکتا تھا مگر ایک خوف ہمیشہ اس کے ساتھ تھا کہ کہیں وہ پکڑا نا جائے۔

"میں یہ سب تمہیں اس لیے نہیں بتا رہا کہ مجھے تمہاری ہمدردی چاہیئے بس میں اپنا دل ہلکا کر رہا ہوں۔" حاتم کا چہرہ دھندلا سا گیا تھا۔عینین کو علم ہی نہیں ہوا کہ کب اس کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگا تھا۔

"بس کر دو۔بس کر دو عمر!" عینین حاتم کے سینے سے جا لگی تھی۔اب وہ ہچکیاں لے لے کر رو رہی تھی۔

"نین پلیز ایسے مت رو۔مجھے تکلیف ہوتی ہے۔" اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لیتے حاتم نے اس کے ماتھے سے اپنا ماتھا مس کیا تھا۔

"تمہیں پتا ہے نین! جب شادی کی پہلی رات تم نے مجھ سے کہا تھا کہ نفل ادا کرتے ہیں۔اتنے سالوں میں پہلی بار میں نے وہ خوشی اور وہ راحت محسوس کی کہ بیاں نہیں کر سکتا۔اس رات تم میرے ساتھ تھی۔مجھے

خوف محسوس نہیں ہوا۔ میں ہمیشہ ایسے ہی تمہارے ساتھ نماز ادا کرنا چاہتا تھا لیکن تمہارے عقائد جان کر مجھے دکھ ہوا۔ میں نے اس دن جو بھی کہا وہ تمہیں بھٹکانے کی نیت سے نہیں کہا تھا بس تمہیں خود سے دور کرنے کے لیے کہا تھا۔" پیچھے کی جانب ہوتے حاتم اس سے دور ہوا تھا۔

"اس دن خوشی بھی ہوئی تھی مجھے...."

"مجھے گولی مار کر؟" عینین نے سرخ پڑتے چہرے کے ساتھ اسے گھورا تھا۔

"نہیں....!" نفی میں سر ہلاتے وہ ہنس دیا تھا۔

"تمہاری ایکشن پر.... مجھے نہیں لگا تھا کہ تم میرے مسیحی ہونے کی حقیقت جان کر ایسا ری ایکٹ کرو گی۔ اس دن مجھے سمجھ آئی کہ تمہارے دل کے کسی کونے میں ایک مسلمان چھپا ہوا ہے بس تم خود سمجھ نہیں پا رہی تھی۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو۔ مجھے یہ جان کر بہت تکلیف ہوئی تھی حالانکہ نہیں ہونی چاہیئے تھی۔ بہت بعد میں سمجھ آیا کہ ہر چیز میں منطق تلاش نہیں کرتے۔ اسلام ایک منطقی دین ہے مگر بحیثیت مسلمان ہمیں غیب پر یقین ہونا چاہیئے۔ جب اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے تو وہ کیوں فرشتوں اور جنات کو نہیں بنا کر سکتا۔ منطق تلاش کرنا اچھی بات ہے مگر معجزات پر بھی یقین رکھنا چاہیئے۔ وہ ایسے ہی تو رب العالمین نہیں.... وہ ایسی چیزیں کر سکتا ہے جسے انسانی دماغ کبھی نہیں سمجھ سکتا۔" حاتم کو اس کی سوچ پر آج صحیح معنوں میں فخر محسوس ہوا تھا۔ اتنی خوشی شاید ہی پہلے کبھی اسے نصیب ہوئی تھی۔

---

"پیکنگ ہو گئی؟" کمرے میں داخل ہوتے ہی نائل نے استفسار کیا تھا۔

"جی سر!" ملازمہ نے سر جھکائے ادب سے جواب دیا تھا۔

"ٹھیک ہے تم جاؤ۔" ملازمہ کے جانے کے بعد وہ بستر پر سنیہا کے سامنے آ بیٹھا تھا۔بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے وہ اسے عجیب نظروں سے گھور رہی تھی۔

"کیا ہے؟" نائل جھنجھلایا تھا۔

"آپ مجھے چھوڑ رہے ہیں؟"

"میں اس حالت میں تمہیں کیسے چھوڑ سکتا ہوں؟" نائل نے آہستگی سے اس کا ہاتھ تھاما تھا۔

"تو پھر...؟"

"تمہیں وانیہ سے نہیں ملنا کیا؟"

"وانیہ سے...." سنیہا کی آنکھوں میں چمک ابھری تھی۔

"گھر لے کر جا رہا ہوں تمہیں۔" وہ پھیکا سا مسکرایا تھا۔

"واقعی....؟" سنیہا کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔

"مگر ایسے اچانک....؟"

"بس میں نے سوچا کہ اب لے جانا چاہیئے۔ ویسے ایک بات بتاؤ تمہارے پاس سینڈلز ہیں؟"

"جی...؟" سنیہا کو اس کا سوال عجیب لگا تھا۔

"ان کی ہیلز ہیں؟"

"کسی کسی کی ہے مگر آپ کیوں پوچھ رہے ہیں؟"

"اچھا ایک بات بتاؤ، اگر کبھی مجھ سے کچھ ایسا ہو جائے کہ تمہیں مجھ پر شدید غصہ آئے تو کیا سر پھاڑ دو گی تم میرا؟" وہ اس کے مزید قریب آیا تھا۔

"میں ایسا کیوں کروں گی نائل ؟اور ویسے آپ نے کچھ ایسا کیا ہے کیا؟"ایک آبرو ریز کرتے سنیہا نے آنکھیں چھوٹی کیے اسے گھورا تھا۔

"نہیں نہیں ! مجھ جیسا شریف انسان تھوڑی کچھ کر سکتا ہے ؟میں تو بس یہ کہہ رہا تھا کہ کبھی کبھی حالات ایسے ہو جاتے ہیں کہ مجبورا کچھ الٹے سیدھے فیصلے لینے پڑتے ہیں۔"

"کیسے الٹے سیدھے فیصلے ؟"سنیہا کو نائل سے کسی اچھی چیز کی توقع نہیں تھی۔وہ تو ہمیشہ گھر جانا چاہتی تھی مگر وہ اسے لے کر ہی نہیں جاتا تھا۔اور جو کچھ عرصہ سنیہا نے وہاں گزارا تھا،وہ وانیہ کی غیر موجودگی میں گزارا تھا۔

"ویسے وانیہ کے پاس تو سینڈلز ہوں گی۔پتا نہیں تم دونوں میرے ساتھ کیا کرو گے ؟"وہ سوچ میں پڑا تھا۔

"نائل میں اور وانیہ ایسا کیوں کریں گے ؟"وہ بے بسی سے بولی تھی۔

"کیونکہ میری حرکتیں ہی ایسی ہیں۔"گہری سانس خارج کرتے وہ بستر سے اٹھا تھا۔ہمیشہ کی طرح آج بھی سنیہا کے پلے کچھ نہیں پڑا تھا۔

"نائل جانا ضروری ہے۔میرا مطلب آپ وانیہ کو یہاں بلا لیں۔"

"طبیعت ٹھیک ہے تمہاری؟"وہ فکر مند ہوتے دوبارہ اس کے پاس بیٹھا تھا۔

"جی ٹھیک ہے۔"سنیہا نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلایا تھا۔

"جانا اتنا ضروری نہیں ہے۔ہم رک جاتے ہیں۔ایک دفعہ ڈیلوری ہو جائے پھر چلے جائیں گے۔"وہ تو جیسے بہانہ ہی تلاش کر رہا تھا۔

"نہیں نہیں !ایسی بات نہیں ہے۔میں بالکل ٹھیک ہوں اور اب بس مجھے وانیہ سے ملنا ہے۔"وہ اسے گھر لے کر جا رہا تھا،یہ غنیمت تھی۔بعد میں اس کا ارادہ بدل جائے تو کیا وہ ساری زندگی اسی فارم ہاؤس میں گزارتی ؟؟

"برداشت کرلوگی؟"نائل کے لہجے میں ہنوز فکر مندی تھی۔

"کیا چیز؟"

"کچھ نہیں....!"کندھے اچکائے وہ مسکرادیا تھا۔

"مجھے پتا ہے کہ تم بہت بہادر ہو بس کسی بھی چیز کی ٹینشن مت لینا۔چاہو تو مجھے گالیاں نکال لینا اور چلو مار بھی لینا مگر ٹینشن مت لینا۔"وہ اپنی طرف سے اسے سمجھا رہا تھا مگر درحقیقت وہ سنیہا کے سر میں درد کر رہا تھا۔

"نائل آپ کیا خاموش نہیں ہو سکتے؟"وہ اس کی عجیب وغریب باتوں سے تنگ آگئی تھی۔

"Sure Darling!"

اس کا گال تھپتھپا کر وہ مسکراتے ہوئے اٹھا تھا۔سنیہا ہکا بکا رہ گئی تھی۔اتنی بے باکی اور اتنی فرنبرداری....یہ اس کا شوہر ہی تھا نا؟؟؟

"یا اللہ!میری اور میری اولاد کی حفاظت کرنا۔ہمیں پاگل ہونے سے بچا لینا۔"سنیہا نے سچے دل سے دعا مانگی تھی۔

نائل جیسے شخص کے ساتھ رہنے کا عظیم کام صرف سنیہا ہی کر سکتی تھی۔

---

"تم مجھے کچھ اور بتانا چاہو تو بتا سکتے ہو۔"اس کے کندھے پر سر رکھے عینین نے آہستگی سے کہا تھا۔وہ چاہتی تھی کہ حاتم کے دل کا بوجھ ہلکا ہو جائے۔

"بس ایک چیز کا افسوس ہے۔مجھے نماز کے علاوہ اور کچھ یاد نہیں...میں نے اتنے سالوں تک کبھی قرآن مجید کو دیکھا تک نہیں....میری نگاہیں ان سیاہی میں لکھے گئے خوبصورت سطروں کو دیکھنے کے لیے ترس گئی ہیں۔میں نے اتنے سال صرف دو حرفوں کو دیکھا ہے۔"حاتم نے اپنی جیب سے ایک خوبصورت نگینہ نکالا تھا۔

اب اس نے اس نگینے کو درمیان سے کھولا تھا۔ وہ دو حصوں میں تقسیم ہو گیا تھا۔

"یہ مجھے میری بہن نے دیا تھا۔" حاتم نے وہ نگینہ عینین کو تھمایا تھا۔

"الحمد سے والناس!" وانیہ کے لب دھیرے سے ہلے تھے۔ اس نگینے کے عین وسط میں یہ الفاظ لکھے ہوئے تھے۔

"بہت دیر سے سمجھ آیا مگر آ گیا۔ تم بہت خوش قسمت ہو نین! اس حسین سفر کی توفیق ہر کسی کو نہیں ملتی۔ اور میں بہت زیادہ بد قسمت...." وہ ہنس دیا تھا۔ عینین نے اشک بار آنکھوں سے اپنے ہم سفر کی جانب دیکھا تھا۔ اسے آج زندگی میں پہلی بار نماز کی اہمیت کا اندازہ ہوا تھا۔

آج کل اکثر مسلمانوں کو نماز پڑھنے کا وقت ہی نہیں ملتا۔ ہر سہولت موجود ہونے کے بعد بھی نماز پڑھنا مشقت کا کام لگتا ہے۔

فجر کے وقت آنکھ نہیں کھلتی، ظہر کے وقت تھک جاتے ہیں، عصر کا تو پتا ہی نہیں چلتا، مغرب کے لیے وقت ہی بہت کم ہے اور عشاء.... وہ تو لمبی ہی بہت ہے۔

سارا دن ہر کام کے لیے وقت ہے مگر اللہ کے لیے دن میں ایک گھنٹہ بھی نہیں.... در حقیقت اللہ تعالیٰ کو ہماری نمازوں کی ضرورت نہیں بلکہ ہمیں خود اپنی نمازوں کی ضرورت ہے۔

نفس اور شیطان دو ایسی چیزیں ہیں، جو ہر حال میں انسان کو بہکائے گئیں مگر مومن وہی تو ہے جو اپنے نفس کو فوراً ڈپٹ دے، جو شیطان کو شکست دے دے۔ جو الحمد سے والناس کے سفر کا مسافر بن جائے۔ راستہ کٹھن ہے مگر منزل اتنی ہی حسین......

"تم بد قسمت نہیں ہو عمر! تم تو بہت خوش قسمت ہو بلکہ اصل مسافر تو تم ہو۔" عینین نے آہستگی سے اس کا ہاتھ تھاما تھا۔ وہ حیران سا اسے دیکھ رہا تھا۔

"ہاں عمر! تم نے اتنی مشکلات کے بعد بھی اپنا دین نہیں چھوڑا۔ بے شک اتنے سال تم نے قرآن نہیں پڑھا مگر تم نے اس کے احکامات پر عمل تو کیا نا.... مجھے تو تمام سہولیات اور آسائشیں میسر تھیں پھر بھی میں بھٹک گئی اور ہدایت ملی بھی تو کب جب میں نے اس کتاب کو غلطیاں ڈھونڈنے کے لیے کھولا لیکن تم....." آواز بھرا گئی تھی۔ آنکھوں سے موتی بہنے لگے تھے۔ وہ بھی خاموش آنسو بہاتا اسے سن رہا تھا۔

"تم نے اس دین کو کبھی نہیں چھوڑا، نا تب جب تم پر ظلم ڈھایا گیا اور نا تب جب طاقت تمہارے پاس تھی۔ مجھے فخر ہے کہ میں ایسے انسان کی ہم سفر ہوں جو اس حسین سفر کا مسافر ہے۔" دونوں ہی نم آنکھوں سے مسکرا دیے تھے۔

"حازم کہاں ہے؟" وانیہ کو اچانک اپنے بیٹے کا خیال آیا تھا۔ وہ اتنی دیر حاتم سے باتیں کرتی رہے اور حازم صاحب خاموش کھیلتے رہیں، یہ تو ناممکن تھا۔

وہ دونوں ہی فرش پر سے اٹھے تھے۔ حازم بستر پر ٹانگ پر ٹانگ چڑھائے نیند کے مزے لوٹ رہا تھا۔ اس کے ننھے خراٹوں کی آواز پر دونوں میاں بیوی ہنس دیے تھے۔

"کتنا کام کرواتی ہو تم میرے معصوم بیٹے سے؟" حاتم نے ایک شاکی نگاہ عینین پر ڈالی تھی۔

"تمہارا بیٹا تمہاری طرح بہت پہنچی ہوئی چیز ہے۔ پتا نہیں آج کیسے سو گیا ورنہ یہ اس وقت سوتا نہیں ہے۔" وانیہ کو حیرت ہوئی تھی۔

"سمجھدار ہے۔ وہ ہمیں پرائیویسی دے رہا ہے۔" عینین کی کلائی کو پکڑتے حاتم نے اسے اپنی جانب کھینچا تھا۔

"عمر....!" نین نے اسے آنکھیں دکھائی تھی جبکہ حاتم کی نگاہیں تو اس کی ٹھوڑی کے تل پر آر کی تھیں۔

"بہت مس کیا میں نے تمہیں..." اس سے پہلے کہ وہ کچھ کرتا، عینین نے اسے خود سے دور دھکیلا تھا۔

"میں نے تمہیں معاف نہیں کیا ابھی تک۔" وہ نروٹھے پن سے بولی تھی۔

"گولی تک مارلی تم نے مجھے، اب بھی معاف نہیں کیا؟" کمر پر دونوں ہاتھ رکھے حاتم نے اسے گھورا تھا۔

"تم نے میرے کندھے پر گولی ماری تھی۔"

"ہاں تو تم بھی میرے کندھے پر...." وہ کہتے کہتے رکا تھا۔

"تم نے بھی تو میرے بازو پر گولی ماری تھی نا، تو حساب برابر...." اب کم از کم وہ اسے رسمایہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ تم بھی مارلو۔ وہ واقعی ماردیتی۔

"ابھی حساب برابر نہیں ہوا۔ اتنے عرصے جو میں تکلیف میں رہی تھی، اس کا حساب کون دے گا؟"

"میں نے معافی مانگی تو ہے۔"

"میں نے قبول نہیں کی اور تم پلیز چلے جاؤ یہاں سے...." وہ نظریں چراتے وہاں سے مڑی تھی تبھی حاتم نے ایک بار پھر اس کی کلائی تھام لی تھی۔

"تم مجھ سے کچھ چھپا رہی ہو؟" حاتم کی بات پر عینین کا دل زور سے ڈھڑکا تھا۔

"میں کیوں کچھ چھپاؤں گی؟" وہ گڑبڑا گئی تھی۔

"نین! جو بھی بات ہے، مجھے بتادو۔" وہ چل کر اس کے سامنے آیا تھا۔

"تمہیں شاید میری بات عجیب لگے۔" لب کترتے اس نے نظریں جھکائی تھیں۔

"نہیں نین میں....!" موبائل وائبریٹ ہونے کی آواز سے حاتم نے فوراً جیب سے موبائل نکالا تھا۔ میسج دیکھ کر اس کے لبوں پر مسکراہٹ بکھری تھی۔

"نین! تم حازم کے پاس رکو۔ میں ابھی آتا ہوں۔"

---

"آؤ....!" نائل نے اسے سہارا دے کر گاڑی سے باہر نکالا تھا۔ اب وہ اسے اپنے ساتھ لیے آگے بڑھ رہا تھا۔

"میں آج اتنی خوش ہوں کہ بتا نہیں سکتی۔" سنیہا کی اکسائٹمینٹ کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔

"آپ ساری دنیا کے سامنے مجھے قبول تو کریں گے نا؟" سنیہا نے ایک آس سے اس کی جانب دیکھا تھا۔ نائل مسکرا بھی نہیں سکا تھا۔

"اگر تم مجھے قبول کرو گی تو میں وہی کروں گا جو تم چاہو گی۔"

"کم از کم آج تو فضول باتیں مت کریں۔" سنیہا نے نفی میں سر ہلاتے اس کی عقل پر ماتم کیا تھا۔

"تم یہاں بیٹھو، میں ابھی آتا ہوں۔" اسے لاؤنج میں بیٹھنے کا کہہ کر نائل نے اپنے قدم باہر کی جانب بڑھائے تھے۔

"مگر آپ کہاں جا رہے ہیں؟"

"میں ایک کال کر کے آتا ہوں۔ تم بیٹھو۔" وہ عجلت بھرے انداز میں تیز تیز قدم اٹھاتا باہر گیا تھا۔

"وانیہ کہاں ہے اب؟" سنیہا نے نگاہیں ادھر ادھر دوڑائی تھیں۔

"یقیناً انہوں نے اسے میرے یہاں آنے کا بتایا ہی نہیں ہو گا۔" سنیہا منہ بنائے صوفے کی جانب بڑھی تھی۔ وہ زیادہ دیر کھڑی نہیں رہ سکتی تھی۔

ابھی اس نے ایک قدم ہی بڑھایا تھا کہ اسے اپنے کندھے پر کسی کا ہاتھ محسوس ہوا تھا۔

"وانیہ....!" وہ مسکرا کر پلٹی تھی مگر سامنے موجود شخص کو دیکھ کر فوراً ہی اس کی مسکراہٹ سمٹی تھی۔

"صوفی....!" حاتم اس کے گلے سے جا لگا تھا۔

"میری بہن....!" اس کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے جبکہ سنیہا کا دماغ بالکل مفلوج ہوا تھا۔

سنیہا نے اسے پوری قوت سے خود سے دور دھکیلا تھا۔ اب وہ حیران پریشان سامنے موجود شخص کو دیکھ رہی تھی۔

"کون ہو تم؟" وہ غصے سے بولی تھی۔

"میں حاتم....!" اسے شانوں سے تھاما تھا۔

"تمہارا بھائی!" وہ بھرائی آواز میں اسے کہہ رہا تھا۔

"میں صوف..." وہ کہتے کہتے رکی تھی۔ اب اس نے بغور سامنے کھڑے شخص کی جانب دیکھا تھا۔

"تم صوفی ہو، میری بہن صوفی...." حاتم نے اسے یقین دلانا چاہا تھا اور وہ یقین کیوں نا کرتی... وہ ہو بہو اس کے جیسا دکھتا تھا۔ ایک جیسے نین نقش، ایک جیسی رنگت، صرف آنکھوں کا رنگ مختلف تھا باقی وہ دونوں ایک جیسے تھے۔

سنیہا کے کانوں میں نائل کے کہے الفاظ گردش کرنے لگے تھے۔

"دوبارہ میری بیوی کو چھونے کی کوشش کی تو تمہارے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر کے چیل کوؤں کے آگے ڈال دوں گا۔ تمہارے گھر والے ساری زندگی بھی ان ٹکڑوں کو ڈھونڈتے رہے گے تو بھی نہیں ملے گے۔"

"بتاؤ کس کی اجازت سے تم گئی تھی اس دو ٹکے کے شخص سے ملنے؟"

"یہی ہاتھ دیا تھا نا اس کے ہاتھ میں....."

"کبیر سے ملنے کے بعد نائل کا غصہ ہو جانا.... وہ سب...." اچانک ہی اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھانے لگا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ گرتی، حاتم نے اسے بروقت سنبھالا تھا۔

"تم ٹھیک ہو نا صوفی؟" حاتم نے فکرمندی سے پوچھا تھا۔

"صوفی بننے کی کوشش مت کرو سنیہا! تم وہ نہیں بن سکتی۔"

"مجھے اپنی پہلی بیوی سے بے انتہا محبت ہے۔" سنیہا کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ وہ اس وقت شدید صدمے میں تھی۔

"صوفی تم ٹھیک ہو نا؟" اسے صوفے پر بٹھاتے حاتم بھی اس کے قریب آ بیٹھا تھا۔ سنیہا کو تو کسی چیز کا ہوش ہی نہیں تھا۔ اگر سامنے موجود شخص جھوٹ بول رہا تھا تو پھر ان کے چہرے اتنی مشابہت کیوں رکھتے تھے؟؟؟

اسے اپنے بچپن کی کوئی بات یاد نہیں تھی۔ اس کے گھر والوں کے مطابق یہ ایکسیڈینٹ کی وجہ سے ہوا تھا۔ اس کی ماں نے اسے یہ بات نائل سے چھپانے کے لیے کہی تھی مگر وہ تو شاید سب پہلے سے جانتا تھا۔ یہ سب اس ہی نے تو کیا تھا۔

"کیا ہو رہا ہے یہاں؟" محسن کی آواز پر حاتم نے چونک کر سر اٹھایا تھا جبکہ سنیہا بالکل بے سود بیٹھی ہوئی تھی۔

"یہ کون ہے حاتم؟" محسن نے بغور سنیہا کا جائزہ لیا تھا۔

"ارے سنیہا! تم یہاں....؟" ساشا کے چہرے پر خوشگواریت چھائی تھی۔

"سنیہا...؟" محسن کو زبردست شاک لگا تھا۔ اب وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر کبھی حاتم تو کبھی صوفے پر بیٹھی نڈھال لڑکی کو دیکھ رہا تھا۔ دونوں ایک جیسے دکھتے تھے۔

"یہ سنیہا بھابھی کیسے ہو سکتی ہیں؟ یہ تو بالکل حاتم جیسی...." زبان کو ایکدم ہی بریک لگی تھی۔

ایک لمحہ لگا تھا اسے سب سمجھنے میں.... حاتم اور سنیہا کے چہروں میں اتنی مشابہت تھی کہ کوئی بھی دیکھنے پر باآسانی بتا سکتا تھا کہ اس دونوں کا کیا رشتہ ہے۔ وہ دونوں جڑواں تھے۔

"نائل....!" محسن نے بے یقینی سے نفی میں سر ہلایا تھا۔ وہ کبھی بھی سنیہا کو محسن سے نہیں ملواتا تھا۔ محسن صوفی سے کبھی نہیں ملا تھا مگر اس نے حاتم کو تو دیکھا ہوا تھا۔ اگر وہ سنیہا سے ملاقات کرتا تو یقیناً سب سمجھ جاتا۔

"صوفی تم کچھ بول کیوں نہیں رہی، تم ٹھیک تو ہو نا؟" حاتم نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا تھا۔ سنیہا کا ہاتھ بالکل سرد تھا۔

"نائل کہاں ہے؟" محسن نے غصے سے ارد گرد دیکھا تھا۔ محسن اور سا شا دونوں کو اس ہی نے بلایا تھا اور اب وہ خود منظر عام سے غائب تھا۔

"عمر تم....!" اب کی بار وانیہ کمرے سے باہر اسے پکارتے ہوئے آئی تھی۔

صوفے پر بیٹھی لڑکی کو دیکھ کر وہ ٹھٹکی تھی۔

"یہ کون ہے حاتم؟" وانیہ نے عجیب نگاہوں سے سنیہا کو دیکھا تھا۔

"وانیہ پلیز پانی لا کر دو۔" اس کے کہنے پر وہ سر ہلاتے کچن میں گئی تھی۔ حاتم نے پانی کا گلاس صوفی کے لبوں سے لگایا تھا۔ سنیہا کھوئی کھوئی سی خاموش نظروں سے سامنے دیکھ رہی تھی۔

"صوفی پانی پیو۔" حاتم نے آہستگی سے کہا تھا مگر سنیہا کو کسی چیز کا ہوش نہیں تھا۔

"صوفی.... یہ نام تو سنا سنا لگ رہا ہے۔" وانیہ سوچ میں پڑی تھی۔

"تمہارے بھائی کی بیوی اور تمہارے شوہر کی بہن صوفی...." محسن نے ذرا حالات پر روشنی ڈالی تھی۔ اب وہ سامنے صوفے پر آ بیٹھا تھا۔ یہ ڈرامہ تو ابھی لمبا چلنا تھا۔ نجانے نائل نے کیا کیا نہیں چھپایا تھا۔

"صوفی تو بھائی کی فرسٹ وائف تھیں نا؟" وانیہ کی سمجھ میں اب بھی کچھ نہیں آ رہا تھا۔

"جی یہ آپ کے سامنے ہی بیٹھی ہیں۔" محسن نے گفتگو میں مزید حصہ ڈالا تھا۔

"مگر ان کی تو ڈیتھ...." وہ کہتے کہتے رکی تھی۔

"یہ بھائی کی فرسٹ وائف اور عمر کی بہن...." وانیہ کا اپنا سر چکرانے لگا تھا۔ وہ حاتم کی بہن تھی، یہ تو اس کے نقش بتا رہے تھے مگر یوں اچانک اس کا زندہ ہونا وانیہ کو فکر میں مبتلا کر گیا تھا اور اوپر سے اس کی پریگنینسی....

"بھائی ایسا کیسے کر سکتے ہیں۔اب سنیہا بھابھی کا کیا ہو گا۔وہ تو بہت سویٹ ہیں۔اتنا پیارا بولتی ہیں وہ..." وانیہ کو نائل سے اس حرکت کی امید نہیں تھی۔وہ کیسے دو دو لڑکیوں کی زندگی برباد کر سکتا تھا؟؟؟

"یہ سامنے ہی بیٹھی ہیں تمہاری سنیہا بھابھی....!" محسن نے ایک بار پھر روشنی ڈالنا اپنا فرض سمجھا تھا۔

اسے نائل پر اس وقت شدید غصہ آیا تھا بلکہ سب کو ہی اس پر شدید غصہ تھا۔اسی وجہ سے تو نائل صاحب یہاں موجود نہیں تھے۔

"یہ سنیہا بھابھی نہیں ہیں۔بھائی نے مجھے ان کی تصویر دکھائی تھی اور میں نے سگنل پر بھی انہیں گاڑی میں دیکھا تھا۔ان کی تو رنگت سانولی سی ہے اور بال بھی گنگھرالے...." وانیہ کا صدمہ بھی بجا تھا۔نائل نے سب کی ہی آنکھوں میں دھول جھونکی تھی۔

"وانیہ صاحبہ !آپ کے بھائی نے آپ کو کمال مہارت سے بیوقوف بنایا ہے۔یقیناوہ تصویر کسی اور کی ہو گی۔" وانیہ نے اپنے چکراتے سر کو تھاما تھا۔نائل نے اسے بھی بیوقوف بنا دیا تھا۔

"سنیہا تمہیں مجھ سے وعدہ کرنا ہو گا۔"

"کیسا وعدہ....؟" سنیہا نے سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھا تھا۔

"تم وانیہ سے بات نہیں کرو گی۔اگر کرو گی بھی تو بہت کم....اور انہیں کبھی اپنی کوئی تصویر نہیں دو گی اور ویڈیو کال پر تو بالکل بات نہیں کرو گی۔" نائل نے اسے سختی سے تنبیہ کی تھی۔

"مگر نائل...." وہ پریشان ہوئی تھی۔آخر اس قسم کے وعدے کا کیا جواز تھا۔

"اگر مگر کچھ نہیں !تم بس وہی کرو گی جو میں کہہ رہا ہوں۔ سمجھی؟؟"

"ٹھیک ہے۔" اس وعدے کے پیچھے کی منطق تو اسے سمجھ نہیں آئی تھی مگر نائل نے کہا تھا تو اسے ماننا تو تھا نا....

آج اتنے عرصے بعد سنیہا کو اس کی اس بات کا مطلب سمجھ آیا تھا۔

"مگر بھائی نے ایسا کیوں کیا؟" وہ بھی صدمے کی حالت میں کاؤچ پر ڈھے گئی تھی۔

"کیونکہ جب تم بھابھی سے ملتی تو تم سمجھ جاتی کہ یہ حاتم کی بہن ہیں۔" محسن نے گہری سانس لیتے گتھی سلجھائی تھی۔

"مگر بھائی نے یہ سب کیوں.... کیسے....؟" اس کا دماغ بالکل شل ہوا تھا۔

"اب یہ تو تمہارا مفرور بھائی ہی بتا سکتا ہے کہ اصل کہانی ہے کیا؟" محسن نے کندھے اچکائے تھے۔

"حاتم تم نے کیوں نہیں بتایا؟" اب روپوں کا رخ حاتم کی جانب تھا۔

"مجھے خود علم نہیں تھا۔ بہت بعد میں پتا چلا۔" باقی سب کی طرح اسے بھی لاعلم رکھا گیا تھا۔ وہ حاتم کو یہ کبھی نہیں بتاتا مگر جب وہ عینین کو واپس دینے پر آمادہ نہیں تھا تب نائل کو مجبوراً اسے بتانا پڑا تھا۔ نائل نے اسے صرف بتایا نہیں تھا بلکہ صوفی کے حوالے سے دھمکایا بھی تھا۔

"نین! تم صوفی کو کمرے میں لے کر جاؤ۔" اس کی حالت ایسی نہیں تھی کہ وہ یہاں زیادہ دیر تک بیٹھ سکے۔

"صوفی بھابھی اٹھیں۔" وانیہ نے اسے شانوں سے تھامے اٹھایا تھا۔

"میں... میں صوفی...." وہ نفی میں سر ہلاتے بولی تھی۔

"مام ڈیڈ، میرے بھائی، میرا گھر...." آنکھوں سے پانی کسی بہتے جھرنے کی طرح رواں تھا۔ ایک دم سے سب کچھ ختم ہو جانا اس کے لیے کتنا اذیت ناک تھا، یہ صرف وہی جانتی تھی۔

"میرا نام، میری پہچان...." سنیہا کا سانس اکھڑنے لگا تھا۔ وہ اس حالت میں اتنا گہرا صدمہ برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

"بھابھی سنبھالیں خود کو...." وانیہ اسے اپنے ساتھ کمرے میں لے گئی تھی۔ حاتم بھی اس کے پیچھے گیا تھا۔

"یہ میسنا لگ جائے میرے ہاتھ...." محسن نے غصے سے ایک پنچ صوفے پر مارا تھا۔اس سب میں اگر کوئی خاموش کھڑی تھی تو وہ ساشا تھی۔

---

"صوفی کچھ کھالو۔" وہ کب سے اسے سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا مگر وہ مسلسل روئے ہی چلی جا رہی تھی۔

"مجھے صوفی مت بلاؤ۔ مجھے اس نام سے نفرت ہو رہی ہے۔" وہ اپنی پوری قوت سے چلائی تھی۔

"تم بھی یہاں سے چلے جاؤ۔ مجھے اکیلا چھوڑ دو۔ میں تمہیں اپنا بھائی تسلیم نہیں کرتی۔" اپنا سر پکڑے وہ ایک بار پھر چیخی تھی۔ حاتم نے افسوس سے اسے دیکھا تھا۔

"تم پلیز ریلیکس ہو جاؤ۔" حاتم نے اس کا ہاتھ تھامتے کہا تھا۔

"مجھے مت چھونا۔ نائل کو پسند نہیں ہے۔ انہیں تو کبیر کا مجھے چھونا بھی پسند نہیں...." اس کا ذہن اتنا بڑا صدمہ برداشت نہیں کر پا رہا تھا۔

"تم آرام کرو۔" اس کی حالت کے پیش نظر حاتم نے اس سے فلحال مزید کوئی بھی بات کرنے کا ارادہ ترک کر دیا تھا۔

"وہ میرے ساتھ ایسا کیسے کر سکتے ہیں؟ میں سنیہا ہوں، میں صوفی نہیں ہوں۔" نفی میں سر ہلاتے وہ مسلسل رو رہی تھی۔

"ہاں ٹھیک ہے، تم سنیہا ہو۔ بس تم ایسے مت رو۔" حاتم نے اسے دلاسہ دیا تھا۔

"یہ سب کیسے ہوا حاتم، پلیز مجھے سب بتاؤ ورنہ میں پاگل ہو جاؤں گی۔"

"تم ابھی آرام کرو، ہم بعد میں بات...."

"مجھے ابھی اور اسی وقت سب بتاؤ۔" وہ بضد تھی۔ حاتم سرد آہ بھر کر رہ گیا تھا۔

"میں خود کچھ نہیں جانتا۔بس سالوں پہلے جب ہمارا خاندان اجڑا تھا تو مجھے یہی خبر ملی تھی کہ تم بھی.... مگر تم کیسے بچی،اور نائل بھائی نے تمہیں کیسے اتنے سال چھپا کر رکھا۔یہ صرف وہی جانتے ہیں۔"

"کیا ہوا تھا ہمارا فیملی کے ساتھ؟"سنیہا نے اگلا سوال پوچھا تھا۔حاتم نے اسے سرسری سے انداز میں سب بتا دیا تھا۔وہ زیادہ گہرائی میں اسے کچھ نہیں بتا سکتا تھا۔سنیہا کی حالت ابھی ایسی نہیں تھی۔

"مجھے گھر لے کر چلو، جہاں ہم رہتے تھے۔"ایک ہی لمحے میں اس نے فیصلہ کیا تھا۔

"مگر صوفی تمہاری حالت....!"

"میں نے کہا نا، مجھے ابھی اور اسی وقت لے کر جاؤ ورنہ میں پاگل ہو جاؤں گی۔"وہ روتے ہوئے چلائی تھی۔

"اچھا ٹھیک ہے۔"حاتم کو ناچار حامی بھرنی ہی پڑی تھی۔

"حاتم! ہمارے ڈیڈ نے کیا کیا تھا؟"اس سوال پر وہ گڑبڑا گیا تھا۔

"کیا مطلب....؟"

"مجھے سچ سچ بتاؤ، انہوں نے نائل کے ساتھ کیا کیا تھا؟"

"میں نہیں جانتا۔"حاتم نے نظریں چرائی تھیں۔

"تم جانتے ہو اور تم مجھے بتاؤ گے۔"

"صوفی میں سچ میں کچھ نہیں جانتا۔شاید نائل بھائی کے ساتھ ان کا کوئی جھگڑا تھا۔"سنیہا نے دونوں ہاتھوں میں اپنا سر تھاما تھا۔نائل نے اسے کہیں کا نہیں چھوڑا تھا۔ایک معمولی سے جھگڑے کی بنا پر وہ کیسے اس سے اس کی پہچان چھین سکتا تھا؟؟؟

سنیہا کے بے حد اصرار پر حاتم اسے اپنے پرانے گھر لے آیا تھا۔

اب وہ اسے اپنے ساتھ لیے آگے بڑھ رہا تھا۔سارا گھر مٹی سے اٹا ہوا تھا۔ہر طرف جالے لگے ہوئے تھے۔

یہاں سالوں سے کوئی نہیں آیا تھا اور یہاں کی صفائی بھی کسی نے نہیں کی تھی۔

حاتم نے اسے سارا گھر دکھایا تھا۔ وہ بار بار اسے واپس چلنے کو کہہ رہا تھا مگر وہ سن ہی نہیں رہی تھی۔

یہاں آنے کی واحد وجہ یہ تھی کہ شاید اسے کچھ یاد آجائے مگر ایسا کچھ بھی ممکن نہیں ہوا تھا۔

سارا گھر دیکھنے کے بعد اب وہ اسے واپس لے کر جا رہا تھا تبھی حاتم کا فون بجا تھا۔

"بس ایک منٹ یہیں رکنا، میں ابھی آیا۔" اگر ضروری کال نا ہوتی تو کبھی اسے یوں چھوڑ کر نا جاتا۔

اثبات میں سر ہلاتے وہ وہیں ہال میں ہی کھڑی ہو گئی تھی۔ دیوار سے کسی چیز کے گرنے کی آواز سے وہ چونک کر پلٹی تھی۔ دیوار کے نیچے رکھی گئی میز پر ایک مٹی سے اٹی ہوئی تصویر گری تھی۔ زور سے گرنے کی وجہ سے اس کا کانچ ٹوٹ گیا تھا۔ سنیہا نے آگے بڑھ کر وہ تصویر اٹھائی تھی۔ اب اس نے بہت احتیاط سے تصویر میں موجود لوگوں کے چہروں پر سے گرد ہٹائی تھی۔ وہ ان کی فیملی فوٹو تھی۔

اپنی ماں کو دیکھ کر اس کے لب مسکرائے تھے۔ اب اس نے خود کو اور حاتم کو دیکھا تھا۔ تصویر میں بھی اس نے حجاب پہنا ہوا تھا۔ اب اس کی نظر اپنے باپ کی تصویر پر گئی تھی۔ ایک لمحے کے لیے وہ ساکت ہو گئی تھی۔ سنیہا نے ہارون کے چہرے پر اپنا ہاتھ پھیرا تھا۔ جس چیز نے اسے ٹھٹھکنے پر مجبور کیا تھا، وہ اس کی آنکھیں تھیں۔ سیاہ بڑی بڑی آنکھیں.... اس کی اور ہارون کی آنکھیں ایک جیسی تھیں۔

"میرے سامنے تمہیں نظریں اٹھانے کی اجازت نہیں ہے۔"

"مجھ سے نگاہیں جھکا کر بات کیا کرو۔"

"تمہاری اٹھی نظریں مجھے بالکل پسند نہیں...." سنیہا کے ہاتھ سے تصویر چھوٹ کر زمین بوس ہوئی تھی۔

"صوفی....!" حاتم ابھی وہاں پہنچا تھا۔

"صوفی تم ٹھیک ہو نا؟" وہ گھبراتے ہوئے اس کی جانب بھاگا تھا۔

"ہمارے ڈیڈ نے کیا کیا تھا؟"اسے ایک بار پھر اپنا سوال دہراتے دیکھ حاتم پریشان ہو گیا تھا۔

"مجھے سچ سچ بتاؤ،انہوں نے کیا کیا تھا؟"سرخ پڑتے چہرے کے ساتھ وہ چلائی تھی۔

"میں نہیں جانتا۔مجھے نہیں پتا۔"

"اگر تم مجھے نہیں بتاؤ گے تو میں....!"سنیہا نے میز پر پڑا کانچ کا ٹکڑا اپنی کلائی پر رکھا تھا۔

"میں اپنی جان لے لوں گی۔"وہ بالکل آپے سے باہر ہوئی تھی۔

"صوفی تم یہ کیا کر رہی ہو؟"حاتم بوکھلا گیا تھا۔

"بتاؤ حاتم!انہوں نے کیا کیا تھا؟"اس کی کلائی پر دائیں طرف سے کٹ لگ چکا تھا۔

"صوفی تم....!"

"میری اور میرے بچوں کی موت کے ذمہ دار تم ہو گے۔بتاؤ مجھے...."

"حاتم بتاؤ مجھے...."

"He raped Naina aunty. She was Nile's mother"

وہ بول گیا تھا جبکہ سنیہا تو سانس لینا بھی بھول گئی تھی۔

"صوفی گھر چلو۔"حاتم نے اسے آگے بڑھ کر تھاما تھا۔وہ اس وقت بہت لاغر اور کمزور محسوس کر رہی تھی۔

"میرے باپ کو گالی مت دو۔"

"دوں گا،ایک بار نہیں ایک ہزار بار دوں گا،کیونکہ تمہارا باپ اسی قابل ہے۔ایک نمبر کا پنچ اور گھٹیا شخص...!"

"کہو کہ میرا باپ ایک نہایت ہی گھٹیا اور پنچ انسان ہے۔"

"جان بوجھ کر نہیں کرتا میں یہ سب، بس ہو جاتا ہے۔ جانتا ہوں کہ تم بے قصور ہو لیکن میرا بھی کوئی قصور نہیں ہے۔" حاتم کو پرے دھکیلتے وہ اندھادھند آگے کی جانب بھاگی تھی۔

دروازے تک پہنچتے ہی سنیہا کا پیر سلپ ہوا تھا۔ وہ اوندھے منہ فرش پر گری تھی۔

"صوفی....!" حاتم بھاگتا ہوا اس تک گیا تھا۔ وہ درد سے کراہتی ہوئی ہوش و ہواس سے بیگانہ ہو گئی تھی۔

---

حاتم صوفی کو لے کر فوراً ہسپتال پہنچا تھا۔ اس نے وانیہ کو کال کر کے بھی وہیں بلا لیا تھا۔

وہ لوگ باہر کاریڈور میں پریشان کھڑے تھے جبکہ صوفی اندر آپریشن تھیٹر میں زندگی اور موت کی جنگ لڑ رہی تھی۔

فون بجنے کی آواز پر حاتم نے فون اٹھایا تھا۔

"وہ ٹھیک ہے نا؟" نائل کی آواز سپیکر سے ابھری تھی۔

"نائل بھائی!" حاتم کی بھرائی آواز سن کر نائل فوراً پریشان ہو گیا تھا۔

"کیا ہوا؟" اس کا دل ایکدم ہی ڈھڑکا تھا۔

"ہم ہسپتال میں ہیں۔" وہ اس وقت ایک اونچے ٹیلے پر بیٹھا ہوا تھا۔ حاتم کی آواز سننے کی دیر تھی، وہ اندھادھند بھاگتا ہوا اپنی گاڑی کی جانب گیا تھا۔

"کہاں ہے وہ؟" ہسپتال پہنچتے اس نے کوریڈور میں کھڑے حاتم سے پوچھا تھا۔

"بتاؤ کہاں ہے میری بیوی؟" نائل نے حاتم کو گریبان سے پکڑا تھا۔

"اندر..." کپکپاتی انگلی سے وہ بامشکل اشارہ کر پایا تھا۔

"کیسے ہوا یہ سب؟" وہ ایک بار پھر استفسار کر رہا تھا۔

"گر گئی تھی۔" حاتم نے نظریں جھکائے کہا تھا۔

"کیسے گر گئی، تم سب کہاں تھے؟" وہ سرخ آنکھوں سے چلایا تھا۔

"میں اسے اپنے گھر لے کر گیا تھا۔ بتادیا میں نے اسے سب....."

"چٹاخ...!"

"کیوں، کیوں بتایا؟؟" نائل نے ایک بار پھر اس کا گریبان پکڑا تھا۔

"منع کیا تھا میں نے تمہیں۔ تمہیں ملنا تھا، میں نے ملوادیا لیکن سب کیوں بتایا اسے....زیادہ سے زیادہ کیا ہوتا، مجھے برا بھلا کہتی، رو لیتی مگر وہ سہہ جاتی۔ میں جانتا ہوں اسے، وہ برداشت کر لیتی۔ اسے اتنا ہی بتانا تھا جتنا وہ برداشت کر سکتی۔" وہ شکست خور حالت میں کرسی پر جا بیٹھا تھا۔

"نائل سنبھالو خود کو..." محسن نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے دلاسہ دیا تھا۔

"بھائی! آپ فکر نا کریں، بھابھی اور بچوں کو کچھ نہیں ہوگا۔" وانیہ بھی اس کے ساتھ آ بیٹھی تھی۔

اگلے دو گھنٹے سب پر ہی قیامت گزری تھی۔ ٹھیک دو گھنٹے بعد ڈاکٹر باہر آئی تھی۔ سب کی ہی دھڑکنیں معنوں رک گئی تھیں۔

"میری بیوی اور بچے کیسے ہیں؟" نائل بھاگتا ہوا ڈاکٹر کے پاس گیا تھا۔

"I am sorry!"

ہم آپ کے بچوں کو نہیں بچا سکے اور آپ کی وائف کی حالت بہت کریٹیکل ہے۔ اگلے چوبیس گھنٹے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ آپ بس دعا کیجیئں۔" وہ لڑکھڑاتے قدموں کے ساتھ پیچھے دیوار سے جالگا تھا۔

"بھائی سنبھالیں خود کو...." وانیہ روتے ہوئے نائل کے گلے لگی تھی۔

حاتم بھی پشیمانی سے رو دیا تھا۔ یہ اس کی غلطی تھی۔ نائل نے اسے منع کیا تھا کہ کم از کم ڈیلوری تک وہ اس سے نا ملے مگر یہ حاتم کی ضد تھی۔ وہ اپنی بہن سے ملنا چاہتا تھا اور ہارون والی بات کو بتانے سے تو اس نے سختی سے منع کیا تھا، اب بھی اور بعد میں بھی.... نائل نہیں چاہتا تھا کہ سنیہا کو کسی بھی قسم کا کوئی گلٹ ہو پھر چاہے وہ خود ہی برا کیوں نا بن جائے۔ حاتم نے یہ بات وانیہ کو بھی نہیں بتائی تھی کہ وہ چوتھا شخص اس کا باپ تھا۔ ایسا کرنے کے لیے بھی اسے نائل نے کہا تھا۔ وہ وانیہ کو حاتم سے متنفر نہیں کرنا چاہتا تھا۔

کچھ دیر وہاں رکنے کے بعد نائل تیز تیز قدم اٹھاتا باہر گیا تھا۔ وانیہ نے اسے آوازیں دی تھیں مگر وہ نہیں رکا تھا۔ خمار آلود، سرخ آنکھوں کے ساتھ وہ نجانے کتنی دیر سڑکوں پر پیدل چلتا رہا تھا۔ وہ کہاں جا رہا تھا، یہ وہ خود بھی نہیں جانتا تھا۔ اس کی منزل تو ہسپتال میں زندگی اور موت کی جنگ لڑ رہی تھی اور اس کے بچے.... وہ تو اس دنیا میں آنے سے پہلے ہی اسے چھوڑ گئے تھے۔ وہ لاغر وجود کے ساتھ سڑک کے کنارے فٹ پاتھ پر بیٹھ گیا تھا۔

"جو بھی آپ کی آئیڈیل ہو آپ اس سے نکاح کر سکتے ہیں لیکن پلیز مجھ سے بھی کر لیں۔"

"میں نے بہت سوچا مگر میں... حجاب نہیں اتار سکی۔ میرے پاس دو راستے تھے... یا تو میں آپ کو راضی کر لوں یا پھر اپنے رب کو.... میں اپنے رب کو ناراض نہیں کر سکتی۔"

"تمہاری آنکھیں، مجھے تمہاری آنکھیں نہیں پسند...."

"کیوں؟"

"یہ بدصورت ہیں۔"

"اگر تم انہیں نکلوا دو تو ہو سکتا ہے مجھے تم سے محبت ہو جائے۔"

"یعنی گارنٹی نہیں ہے؟"

"اگر میں گارنٹی دوں تو....؟"

"تو پھر میں انہیں نوچ کر پھینک دوں گی۔" نائل نے تھکان زدہ سانس خارج کی تھی۔

"محبت نہیں عشق.... یہ عشق بڑا عجیب ہوتا ہے، یہ محبوب کے سامنے عاشق کو خاک تو کر دیتا ہے لیکن کبھی ختم نہیں ہوتا۔" نائل کی آنکھ سے ایک آنسو بہہ کر گال پر لڑھک گیا تھا۔

"کتنا خوش تھی وہ...اور اب جب اسے پتا چلے گا تو...." الفاظ ٹوٹ گئے تھے۔ لب کپکپانے لگے تھے۔ اس نے اپنی بھیگی آنکھوں سے اپنے لرزتے ہاتھوں کی جانب دیکھا تھا۔ ایک لمحہ کی دیر تھی، یہ لرزتے ہاتھ دعا کے لیے اٹھے تھے۔

"یا اللہ! اسے کچھ نا ہو۔"

"I love her.I really love her.I don't want to lose her."

اس کی زبان نے خود بخود الفاظ ادا کیے تھے۔

"I love her?"

وہ بے یقینی سے خود سے پوچھ رہا تھا۔

"مگر کیسے....؟ جو ہارون نے کیا اس کے بعد...." اسے پسینے آنے لگے تھے۔ جو بات دل کے کسی کونے میں چھپی تھی، وہ آج زبان پر آ ہی گئی تھی۔

"میں یہ کیسے کر سکتا ہوں؟ میری ماں...." سڑک پر گزرتی گاڑیوں اب دھندلا رہی تھیں۔ اس کی آنکھوں میں پانی اب جما ہونے لگا تھا۔

"یا اللہ! بس اسے کچھ نا ہو۔" تمام تر خیالات کو جھٹکتے وہ اپنی جگہ سے اٹھا تھا۔

تھوڑی دیر میں وانیہ کی کال آئی تھی۔ نائل نے فوراً کال ریسیو کی تھی۔

"بھائی! بھابھی اب خطرے سے باہر ہیں۔" نائل کے اندر ایک سکون سا اترا تھا۔

جلدی سے اپنی آنکھیں رگڑتے وہ اٹھا تھا۔ اب اسے سنیہا کے پاس جانا تھا، اسے سنبھالنا تھا۔

صبح کے نو بجے سنیہا کو کہیں جا کر ہوش آیا تھا۔ اس نے آدھ کھلی آنکھوں سے اوپر چھت کو دیکھا تھا۔

"میرے بچے...." نقاہت زدہ آواز میں اس نے اپنے پیٹ پر ہاتھ رکھا تھا۔

"میرے بچے کہاں ہیں؟" اس نے اٹھنے کی کوشش کی تھی۔

"سنیہا! ریلیکس ہو جاؤ۔ میں یہی ہوں تمہارے پاس...." نائل نے نرمی سے اس کے بال سہلائے تھے۔

"نائل....!" اس کا گلا خشک تھا اور سارا وجود کمزور....

"بچے کہاں ہیں؟" اس نے ایک بار پھر پوچھا تھا۔

"سنیہا! تم پلیز ابھی کچھ مت بولو۔ تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"

"ساشا لے کر گئی ہے یا وانیہ.... کب آئے گے وہ لوگ؟ مجھے پہلے ایک دفعہ دکھا تو دیتے۔ وہ ٹھیک ہیں نا.... ابھی تو وقت بھی نہیں ہوا تھا ڈیلیوری کا.... وہ ٹھیک ہیں نا؟" نقاہت زدہ آواز میں وہ بہت آہستہ آہستہ بول رہی تھی۔

"سب ٹھیک ہے۔ تم بس آرام کرو۔" نائل کی اپنی آواز بھرا گئی تھی۔

"مجھے انہیں دیکھنا ہے۔ مجھے میرے بچے لا کر دیں۔" اس کی ممتا تڑپ اٹھی تھی۔

"سنیہا! ہم نے اپنے بچے کھو دیے ہیں۔ تم پلیز صبر کرو۔"

بالآخر نائل نے اسے بتا ہی دیا تھا۔ سنیہا پر تو جیسے چھت گری تھی۔

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ میرے بچے...." وہ اب بستر سے اٹھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"میرے بچے مجھے لا کر دیں۔ مجھے نہیں پتا مجھے لا کر دیں۔ یہ سب آپ کی وجہ سے ہوا ہے۔اس سب کے ذمہ دار آپ ہیں۔ چلے جائیں یہاں سے، چلے جائیں میری زندگی سے.... مجھے آپ سے نفرت ہے۔ جائیں....." وہ اپنی پوری قوت سے چلائی تھی۔اب اس کی سانس اکھڑنے لگی تھی۔ نائل نے فوراً ڈاکٹر کو بلایا تھا۔

چیختے چلاتے وہ ہوش و ہواس سے بیگانہ ہو گئی تھی۔

"سنیہا کا خیال رکھنا۔" باہر کھڑے حاتم کو کہتے وہ تیز تیز قدم اٹھاتا وہاں سے گیا تھا۔

---

وانیہ اور حاتم سنیہا کو گھر لے آئے تھے۔ کافی دن گزرنے کے بعد بھی اس کی دماغی حالت ٹھیک نہیں تھی۔ وہ اتنا بڑا غم برداشت نہیں کر پا رہی تھی اور نائل.... وہ نجانے کہاں غائب تھا۔

"بھابھی کیوں اپنے ساتھ یہ ظلم کر رہی ہیں؟ پلیز اپنا خیال رکھا کریں۔" وہ دن میں نجانے کتنی دفعہ سنیہا کو سمجھاتی تھی مگر سنیہا کا دماغ کچھ بھی سمجھنے کی کیفیت میں نہیں تھی۔

"وانیہ....!" وہ اچانک ہی چونک کر بیٹھی تھی۔

"وہ رو رہے ہیں۔"

"کون بھابھی....؟" وانیہ نے نا سمجھی سے پوچھا تھا۔

"مجھے آواز آ رہی ہے رونے کی.... میرے بچے رو رہے ہیں۔" بستر سے اٹھ کر وہ اندھا دھند باہر کی جانب بھاگی تھی۔

"بھابھی....!" وانیہ بھی اس کے پیچھے بھاگی تھی۔

وہ ننگے پیر بھاگتی ہوئی باہر لاؤنج میں گئی تھی۔ حاتم حازم کے ساتھ صوفے پر بیٹھا کھیل رہا تھا۔

سنیہا نے اس کی گود سے حازم کو اٹھایا تھا۔

"چپ ہو جاؤ، چپ ہو جاؤ۔ میرے بیٹے چپ ہو جاؤ۔" وہ اب دیوانہ وار اس کے چہرے کے ہر نقش کو چوم رہی تھی۔

حاتم نے افسوس سے اپنی بہن کی جانب دیکھا تھا۔ وہ اس کے لیے کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ اسے اس وقت نائل کی ضرورت تھی۔ ایک وہی تھا جو اسے سنبھال سکتا تھا مگر وہ نجانے کون سے بل میں چھپ کر بیٹھا تھا۔

"تمہیں شرم نہیں آتی، میرے بیٹے کو رلاتے ہو تم....؟" اب وہ حاتم پر چڑھ دوڑی تھی۔ حاتم خاموش لب کتر تا رہا تھا۔ حازم تو اس کے ساتھ خوش ہو کر کھیل رہا تھا مگر سنیہا کے اس طرح جھپٹنے کی وجہ سے اب وہ رو رہا تھا۔

"سب برے ہیں یہاں پر، چلو ہم اپنے کمرے میں چلتے ہیں۔" وہ حازم کو خود میں سختی سے بھینچے اندر لے جا رہی تھی۔

وانیہ نے اس کے پیچھے جانے کی کوشش کی تھی مگر حاتم نے اسے روک دیا تھا۔

"عمر وہ رو رہا ہے۔" اس کی ممتا نے اسے بے چین کیا تھا۔

"ایک نمبر کا ڈرامے باز ہے تمہارا بیٹا، دو منٹ میں ٹھیک ہو جائے گا۔" حاتم نے وانیہ کو تسلی دی تھی۔ اور وہ بالکل ٹھیک کہہ رہا تھا، وہ اتنے دنوں سے سنیہا کے پاس ہی رہ رہا تھا اور بخوشی رہ رہا تھا۔

"مگر عمر...."

"اسے کچھ دن صوفی کے پاس رہنے دو۔" حاتم نے اسے حوصلہ دینے کے لیے خود سے قریب کیا تھا۔

"دور ہٹو....!" وانیہ نے فوراً اسے خود سے دور دھکیلا تھا۔

"اب یہ تم میرے ساتھ زیادتی کر رہی ہو۔" حاتم نے اسے شکوہ کناں نگاہوں سے گھورا تھا۔ وہ اسے خود کو چھونے نہیں دیتی تھی اور نا ہی اپنے کمرے میں رہنے کی اجازت دیتی تھی۔

"جب تک بھائی اور بھابھی کے درمیان سب ٹھیک نہیں ہو جاتا تب تک میری طرف نظر اٹھا کر بھی مت دیکھنا۔" انگلی اٹھا کر وانیہ نے اسے وارننگ دی تھی۔

"اب ان کے درمیان چار سال سب ٹھیک نا ہو تو...؟"

"تو پھر چار سال الگ کمرے میں رہو گے تم۔"

"تمہارا بھائی مفرور ہے۔ میں کہاں ڈھونڈوں اسے؟" حاتم نے بے بسی سے اس کی جانب دیکھا تھا کہ شاید اسے ترس آجائے۔

"جہاں مرضی ڈھونڈوں.... آخر کس چیز کے شاہین اور بلیک مونسٹر ہو تم؟ کر تو تم کچھ سکتے نہیں نکمے...." اپنی کہہ کر وہ تن فن کرتی وہاں سے گئی تھی۔

"شاہین اور بلیک مونسٹر میں اپنی مرضی سے نہیں بنا تھا۔ یہ سب تمہارے اس فضول بھائی...." وانیہ نے پلٹ کر اسے سخت گھوری سے نوازا تھا۔

"میں نے کچھ نہیں کہا۔" وہ فوراً مکر گیا تھا۔ وانیہ کے جانے کے بعد اس کی اٹکی سانس بحال ہوئی تھی۔

"نا تو میں اصلی شاہین ہوں اور نا ہی بلیک مونسٹر.... میری اپنی تو کوئی پہچان ہی نہیں ہے۔ جس کا جو دل کرتا ہے، وہ بنا دیتا ہے۔" وہ پھولے منہ کے ساتھ صوفے پر ڈھے گیا رہا۔

"اب تو آپ کو ڈھونڈھنا ہی پڑے گا سالے صاحب!" آنکھیں بند کرتے حاتم نے عہد کیا تھا۔

---

"کیسے ہیں بابا؟" وہ آج پھر بدر کے پاس گیا تھا۔ ان چند دنوں میں اس نے بدر کو اچھا خاصا ٹارچر کیا تھا۔

"میرے ساتھ یہ سب کر کے کیا ثابت کرنا چاہتے ہو کہ تم بہت پاک ہو۔ اپنے گناہوں کو یاد کرو۔ اگر میں برا ہوں تو تم کون سا اچھے ہو؟" بدر نے گو کہ تمسخر اڑایا تھا۔

"اپنے گناہ یاد کرو ڈیوڈ، تم نے چرچ میں بلاسٹ کیا تھا اور مسجد میں گولیاں بھی چلوائی تھیں؟ ان لوگوں کا کیا جو تمہاری وجہ سے مر گئے؟؟" وہ اسے شرمندہ کرنا چاہتا تھا جبکہ اس کی بات پر حاتم ہنس دیا تھا۔

"بہت بھولے ہیں آپ بابا، اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ وہ سب کچھ پلین کا حصہ تھا۔ چرچ میں بلاسٹ سے پہلے ہی لوگوں کو وہاں سے نکال لیا گیا تھا اور بعد میں پادری کو چرچ کی تعمیر کے لیے ایک بہت بڑی رقم بھی دی گئی تھی۔" بدر کے لبوں کی مسکراہٹ فورا سمٹی تھی۔

"اور جہاں تک بات ہے مسجد میں فائرنگ کی، تو فائرنگ کرنے والے میرے اپنے آدمی تھے اور مسجد کے نمازی بھی میرے ہی آدمی تھے۔ گولیاں چلی ضرور تھیں مگر کسی کو نقصان نہیں پہنچا۔ وہ خون، وہ لاشیں وہ سب ایک ڈرامہ تھا۔" حاتم نے قہقہ لگایا تھا جبکہ بدر کی رنگت بالکل سفید پڑ گئی تھی۔

"بلکہ آج تک میں نے جتنے بھی لوگوں کو مارا ہے، ان میں سے کوئی بھی بے گناہ نہیں تھا اور سمگلنگ کے وہ سارے ٹرکس، وہ لڑکیاں، ان سب کو میں نے پکڑوایا تھا۔" اتنے سالوں میں وہ جتنا کر سکتا تھا، اس نے اتنا کیا تھا۔ ایسا نہیں تھا کہ وہ ہر معصوم اور بے گناہ کو بچانے میں کامیاب ہو گیا تھا مگر اس نے کوشش ضرور کی تھی۔

"اور تم نے کیا کیا... میری بہن کو میرے ہی سامنے پیش کر رہے تھے۔" اسے بالوں سے دبوچتے حاتم نے اس کا سر دیوار میں مارا تھا۔

"میری بہن کو...." اب وہ پہ در پہ اس کا سر دیوار میں مار رہا تھا۔ صوفی کو جس دن بدر نے اغواء کیا تھا۔ اس دن وہ اسے نہیں دیکھ سکا تھا، اگر دیکھ لیتا تو ساری حقیقت اس پر کھل جاتی۔ حاتم بھی جب صوفی کے شور شرابے کی وجہ سے اندر داخل ہوا تھا تب صوفی دیوار کے ساتھ دبکی بیٹھی تھی اور اس نے اپنا سر گھٹنوں میں دیا ہوا تھا، جس وجہ سے حاتم بھی اسے نہیں دیکھ سکا تھا۔

وانیہ اور حاتم نے حازم کو صوفی کے ساتھ قریبی پارک میں بھیجا تھا تا کہ اس کی نائل سے ملاقات ہو سکے۔ حاتم نے انتھک محنت کے بعد بالآخر نائل صاحب کو ڈھونڈھ ہی لیا تھا اور جب اس نے نائل کو سنیہا کی کیفیت کا بتایا تو وہ ملنے کے لیے فوراً راضی ہو گیا تھا۔ سنیہا دن بدن بہتر ہوتی جا رہی تھی مگر اچانک ہی اسے دورا پڑ جاتا تھا۔ اس کا غم بڑا تھا۔ وہ اپنی تمام تر محبت حازم پر لٹا کر خود کو مطمئن کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

اب بھی وہ خالی الذہنی کی کیفیت میں بینچ پر بیٹھی تھی اور حازم بھی اس کے پاس ہی بیٹھا ہوا تھا تبھی ایک مردانہ آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تھی۔

"یہ درخت مجھ سے زیادہ اچھا نہیں دکھتا۔" اس نے چونک کر اپنے پہلو میں دیکھا تھا جہاں وہ بیٹھا اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ وہ کب آیا تھا، اسے تو خبر ہی نہیں ہوئی تھی۔ یا تو وہ بہت زیادہ بے خبر تھی یا پھر سامنے والا شخص جن تھا۔

"آپ....؟" وہ کرنٹ کھا کر کھڑی ہوئی تھی۔

"ہاں میں....!" وہ بھی اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟" ایک لمحے میں حیرانگی کی جگہ غصے نے لی تھی۔

"سوری!" حاتم نے وہاں آکر فوراً حازم کو اٹھایا تھا۔ اب وہ اسے وہاں سے لے کر نو دو گیارہ ہو گیا تھا۔ صوفی بیچاری تو حالات کو سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی جو کہ اس کی سمجھ میں نہیں آرہے تھے۔ اس کے اپنے بھائی نے اس کے ساتھ دغا کی تھی۔ خیر یہاں سب ہی دھوکہ باز تھے۔

غصے سے سر جھٹکتی وہ مڑی ہی تھی جب نائل نے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

"ایک بار بات تو سن لو۔"

"آپ جیسے گھٹیا شخص کی مجھے کوئی بات نہیں سننی۔ میرا ہاتھ چھوڑیں۔" سنیہا نے ہاتھ چھڑوانے کی کوشش کی تھی مگر نائل کی گرفت سخت تھی۔

"تم جتنی گالیاں نکال لو مجھے، میں کچھ نہیں کہوں گا مگر پہلے ایک بار ٹھنڈے دماغ سے میری بات سن لو۔" نائل چل کر اس کے قریب گیا تھا۔

"اب سننے کے لیے بچا ہی کیا ہے؟ آپ کی وجہ سے میں نے اپنی اولاد کھو دی۔ میرے پاس کچھ بھی نہیں بچا۔" وہ رو دی تھی۔

"میری وجہ سے نہیں، اپنے اس دفر بھائی کی وجہ سے.... منع کیا تھا میں نے اسے تمہیں سب بتانے سے...." سنیہا نے حیرت سے اسے دیکھا تھا۔ وہ اب بھی اپنی غلطی تسلیم کرنے کے بجائے دوسروں کو قصوروار ٹھہرا رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں کسی قسم کی کوئی شرمندگی نہیں تھی۔

"یعنی آپ اب بھی...." وہ بے یقینی سے بول اٹھی تھی۔

"سنیہا! کہیں بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔ یہ جگہ مناسب نہیں ہے۔" اس نے نہایت تحمل بھرے لہجے میں کہا تھا۔

"مجھے آپ سے کسی قسم کی کوئی بات نہیں کرنی۔"

"دیکھو شرافت سے میرے ساتھ چلو ورنہ...."

"ورنہ کیا....؟" وہ اس ہی کے انداز میں گویا ہوئی تھی۔ وہ جاننا چاہتی تھی کہ آخر اب کرنے کے لیے رہ کیا گیا ہے؟؟

"ورنہ اٹھا کر لے جاؤں گا تمہیں....!" نائل نے جس قدر سکون سے کہا تھا، سنیہا کا چہرہ اس قدر ہی دھواں دھواں ہوا تھا۔

"جو دل میں آئے، وہ کریں۔ میں آپ کے ساتھ کہیں نہیں جا رہی۔" وہ غصے میں غلط شخص کے سامنے غلط بات کہہ گئی تھی۔

"سوچ لو، میں واقعی اٹھا کر لے جاؤں گا پھر یہ مت کہنا کہ یہ پبلک پلیس ہے۔" پارک میں اس وقت اکا دکا لوگ موجود تھے جبکہ پارک کے آس پاس کافی تعداد میں لوگ ادھر ادھر گھوم رہے تھے۔

"میں نے کہا نا کہ جو جی چاہتا ہے وہ کریں، میں کہیں نہیں جاؤں گی۔" وہ اس وقت بالکل ہوش میں نہیں تھی ورنہ نائل آفندی کو کبھی اس قسم کا چیلنج نہ کرتی۔

"سوچ لو...." نائل نے اسے ایک بار پھر وارن کیا تھا۔

"سوچ لیا۔"

"As you wish!"

نائل کندھے اچکا کر آگے بڑھا تھا۔ چند سیکنڈ کی دیر تھی اور وہ نائل کی دسترس میں تھی۔ اب وہ اسے اٹھائے آگے بڑھ رہا تھا۔

"نائل چھوڑے مجھے....!" ہتک، شرمندگی اور کیا کچھ نہیں محسوس کر رہی تھی وہ اس وقت....

بہت سی نظروں نے بہت دلچسپی سے یہ منظر دیکھا تھا۔ کچھ لوگ ہنس رہے تھے تو کچھ اس عمل کو سراہ رہے تھے۔

"بہت برے ہیں آپ، بہت برے...." گاڑی کی فرنٹ سیٹ پر بیٹھنے تک سنیہا کا سارا چہرہ ہی آنسوؤں سے تر ہو چکا تھا۔ آج جس شرمندگی کا سامنا اسے کرنا پڑا تھا، یہ وہ ساری زندگی نہیں بھول سکتی تھی۔

"اب میں نے کیا کر دیا؟" ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتے نائل نے اس انداز میں کہا تھا کہ جیسے اس سے زیادہ معصوم تو اس دنیا میں کوئی ہو ہی نا....

"نہایت بے شرم انسان ہیں آپ۔ شرم نہیں آتی مجھے اس طرح سے اٹھا کر لاتے ہوئے؟" اب وہ زندگی بھر اس پارک تو کیا بلکہ کسی پارک میں بھی جانے کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔

"تم نے خود ہی تو کہا تھا۔" گاڑی میں چابی گھماتے نائل نے لاپرواہی سے کہا تھا۔

"اچھا اب میں ہی کہہ رہی ہوں کہ یہ دروازہ کھولیں۔ مجھے گھر جانا ہے۔" گاڑی کے ہینڈل پر ہاتھ جمائے وہ مسلسل اسے کھولنے کی کوشش کر رہی تھی جو کہ لاکڈ تھا۔

"آج کل کان خراب سے ہو رہے ہیں۔ کچھ سنتا ہی نہیں ہے۔" اس کی آہ و پکار کو نظر انداز کرتے نائل گاڑی کو آگے بڑھا لے گیا تھا۔

"اب خود باہر آؤ گی یا پھر....!" اس کی طرف کا دروازہ کھولتے نائل نے گہری نگاہوں سے اس کا جائزہ لیا تھا۔ لال بھبھوکا چہرے کے ساتھ وہ تیزی سے باہر آئی تھی۔

وہ اسے فارم ہاؤس لے کر آیا تھا۔ اسی جگہ جہاں انہوں نے اتنا وقت گزارا تھا۔

وہ بھی چپ چاپ اس کے ساتھ چل دی تھی۔ اس شخص سے تو کوئی اچھی امید تھی ہی نہیں اسے....

"بیٹھو!" کمرے میں آتے نائل نے اسے بیٹھنے کا کہا تھا۔

"مجھے نہیں بیٹھنا۔" دانت پر دانت جمائے سنیہا نے آگ برساتی نگاہوں سے اسے گھورا تھا۔

"ٹھیک ہے تو پھر کھڑے رہ کر ہی سن لو۔"

"میں کیوں سنوں، آپ سنیں۔ میں تو ساری زندگی سنتی آئی ہوں تو آج آپ سنیں گے۔" چلاتے ہوئے وہ اس کی جانب بڑھی تھی۔

"آپ نہایت خود غرض انسان ہیں۔ میرے بچوں کے قاتل ہیں آپ۔ آپ کی وجہ سے ہوا یہ سب۔ ہمیشہ ہر کسی پر دھونس جماتے رہتے ہیں۔ سب کو کنٹرول کرنا چاہتے ہیں۔ آپ سے بڑا منافق شخص میں نے آج تک نہیں دیکھا۔" رفتہ رفتہ سنیہا کی آواز بلند ہوتی جا رہی تھی جبکہ نائل لب بھینچے خاموشی سے اسے سن رہا تھا۔

"آپ نے میرے ساتھ یہ کیوں کیا؟ کیوں مجھ سے میری پہچان چھینی؟" سنیہا نے آگے بڑھ کر اس کا گریبان پکڑا تھا۔

"آپ ہوتے کون ہیں مجھے نیا نام اور نئی پہچان دینے والے؟" نائل نے سختی سے مٹھیاں بھینچی تھیں جبکہ لب اب بھی خاموش ہی تھے۔

"سب کی خوشیوں کے قاتل ہیں آپ، جھوٹے، دھوکے باز.... مجھے برباد کر دیا آپ نے۔ اگر میرے باپ نے یہ سب کیا تھا تو اس میں میرا کیا قصور تھا؟ اگر ایک نئی پہچان دے ہی دی تھی تو پھر شادی کیوں کی مجھ سے....؟ بدلہ لینے کے لیے نا؟ اب تو بہت خوش ہوں گے آپ، دیکھیں تکلیف میں ہوں میں.... بدلہ پورا ہو گیا نا آپ کا یا پھر ابھی بھی کچھ رہتا ہے؟" اسے پرے دھکیلتے وہ رو رہی تھی۔

"مجھے بتائیں کیوں کیا میرے ساتھ یہ.... غلط صرف آپ کے خاندان کے ساتھ تو نہیں ہوا، میرا خاندان بھی تو برباد ہوا نا.... کیسے رہوں میں اس گلٹ کے ساتھ زندہ؟؟؟" وہ چلائی تھی۔

"بالکل ویسے جیسے میں رہ رہا ہوں۔" وہ دھاڑا تھا۔ اس کی دھاڑ پر سنیہا سہم گئی تھی۔

"تمہارے خاندان کے ساتھ جو ہوا، اس کا ذمہ دار تمہارا اپنا باپ ہے لیکن میرے خاندان کا کیا قصور تھا؟ میری ماں، میرا باپ اور میری معصوم بہن...."

"اس دن لے کر گیا تھا تمہیں ہسپتال۔ سانسیں چل رہی تھیں تمہاری مگر سر کے پچھلے حصے پر چوٹ آنے کی وجہ سے یادداشت کھو دی تم نے.... میں نے تمہیں نیا نام دیا، نئی پہچان دی اور مجھے اس پر کوئی پچھتاوا نہیں

ہے۔میرے باپ کی قبر کی مٹی ابھی گیلی تھی جب میں نے اپنے ان ہاتھوں سے اپنی ماں کے جسم کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے اٹھائے تھے۔"نائل کی آواز بھرا گئی تھی۔

"میرے سامنے دو آپشنز تھے۔یا تو تمہیں چنتا یا پھر اپنی بہن کو....میں نے تم دونوں کو چنا۔تمہیں یہاں سے دور بھیج دیا کیونکہ مار دیتے وہ لوگ تمہیں۔تم اپنی آنکھوں سے سب کے چہرے دیکھ چکی تھی۔اور وہ لوگ کیا میں خود مار دیتا تمہیں....اتنی نفرت ہو گئی تھی مجھے تم سے...."اس کی غراہٹ پر سنیہا کو معنوں سانپ سونگھ گیا تھا۔وہ یہ سب نہیں سن پا رہی تھی۔

"میری بہن کو روز دن میں نجانے کتنی دفعہ دورے پڑتے تھے۔جب میری ماں کی عصمت دری ہو رہی تھی تو میری آٹھ سالہ بہن وہاں موجود تھی۔وہ ہر روز ایک ایک بات مجھے بتاتی تھی۔میں ہاتھ جوڑتا تھا اس کے آگے کہ پلیز مجھے کچھ مت بتاؤ مگر وہ چپ نہیں ہوتی تھی۔وہ مجھے سب بتاتی تھی۔دورہ پڑنے کے کچھ دیر بعد وہ نارمل ہو جاتی تھی اور سب بھول جاتی مگر میں....میں کبھی کچھ نہیں بھولا۔مجھے سب یاد رہتا تھا،سب کچھ.....!یاداشت کا جانا ایک نعمت ہے،کاش کہ تمہاری طرح مجھے بھی کچھ یاد نا رہتا۔"وہ شاید رو رہا تھا۔سنیہا نے پہلی بار اسے اس طرح روتا دیکھا تھا۔

وہ نائل کی جانب بڑھی تھی۔اس نے اسے چھونے کی کوشش کی تھی مگر نائل نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا تھا۔

"میں جانتا تھا کہ میری بہن معصوم ہے مگر پھر بھی ماہم کی باتوں میں آ گیا۔ڈاکٹر نے کہا تھا کہ ایک مخصوص عمر تک وہ ٹھیک ہو جائے گی مگر ایسا نہیں ہوا کیونکہ ماہم نے ایسا ہونے ہی نہیں دیا۔میں اس قدر بیوقوف ہوں کہ اپنے گھر میں سانپ پالتا رہا۔"سنیہا میں اب آگے کچھ بھی سننے کی سکت نہیں تھی مگر اسے پھر بھی سب سننا پر رہا تھا۔نائل کے دل کا غبار نکلنا ضروری تھا۔

"حمید میرے دور کا جاننے والا تھا اور غریب تھا۔ میں نے تمہیں اس کے حوالے کیا۔ اسے لندن میں سٹیبلش کروایا، کس کے لیے....؟"

"تمہارے لیے، صرف تمہارے لیے۔ اگر اسے خود غرضی کہتے ہیں تو پھر مجھے فخر ہے اپنی اس خود غرضی پر.... حمید کے بیٹوں کو بورڈنگ میں ڈلوایا اور اسے بھی تم سے دور رہنے کے لیے کہا۔ میں نے صرف اس کی بیوی کو تمہارے قریب رہنے کی اجازت دی تھی۔" چلانے کی وجہ سے اس کا تنفس پھول چکا تھا مگر زندگی کے غم تو ابھی باقی تھے۔

"اتنے سال میں تم سے بے خبر نہیں رہا۔ تمہاری ہر ضرورت بلکہ ہر آسائش کا خیال رکھا میں نے.... تمہاری تعلیم تک مکمل کروائی۔ ڈاکٹر بننا چاہتی تھی تم مگر یہ خواب تم نے اپنی مرضی سے چھوڑا، حجاب بھی تم نے اپنی مرضی سے اتارا۔" سنیہا نے سختی سے آنکھیں میچی تھیں۔ اسے کچھ بھی یاد نہیں تھا۔ جب ایک نیا ماحول اس پر اثر انداز ہوا تھا اور اس نے وہ سب کیا جو وہاں کے لوگ کرتے تھے۔

"سالوں بعد جب ایک دن حمید کی کال آئی اور اس نے مجھ سے کہا کہ وہ تمہاری شادی اپنے بیٹے کبیر سے کروانا چاہتا ہے تو میری عقل بالکل سلب ہو گئی۔ جو بھی تھا، تم میری منکوحہ تھی۔ میں نے بغیر کچھ سوچے سمجھے تم سے نکاح کیا اور تمہیں پاکستان لے آیا۔ تمہیں ہر طرح سے ٹارچر کیا، اس امید کے ساتھ کہ شاید مجھے سکون مل سکے مگر نہیں ملا۔ میں جب جب تمہیں اذیت دیتا تھا، مجھے خود بھی اذیت محسوس ہوتی تھی۔ ہر بار اپنے دل کی عدالت میں یہ گواہی دیتا تھا کہ تم بے قصور ہو مگر پھر خود ہی تمہیں قصوروار ٹھہرا دیتا تھا۔ سچ تو یہ ہے سنیہا کہ مجھے تم سے بے حد نفرت ہے، ہاں مجھے ہے۔"

“I really hate you”

وہ نفی میں سر ہلاتے پیچھے کی جانب قدم اٹھا رہا تھا۔

"وہ میرے بھی بچے تھے۔مجھے بھی اتنا ہی دکھ ہے۔لیکن شاید تم ٹھیک ہو۔میں بہت برا ہوں، ہاں میں ہوں۔تم سب سچے، میں جھوٹا.... حقیقت تو یہ ہے کہ کبھی کسی نے نائل آفندی کو سمجھا ہی نہیں...."وہ ہنس دیا تھا۔اس کی ہنسی میں کرب تھا۔

"مجھے اپنے کیے پر کوئی شرمندگی نہیں ہے لیکن تم بھی ٹھیک ہو اپنی جگہ....اچھا ہے کہ ہم الگ ہو جائیں کیونکہ مستقبل میں جب جب مجھے وہ سب یاد آئے گا، میں تمہیں تکلیف پہنچاؤں گا۔میرے پاس اتنا بڑا ظرف نہیں ہے کہ میں تمہیں معاف کر سکوں۔پہلے تو تمہاری حفاظت کرنے والا کوئی نہیں تھا مگر اب تو تمہارا بھائی ہے نا، تم اس کے ساتھ چلی جاؤ۔تم، وانیہ، حازم اور حاتم سب چلے جاؤ۔مجھے اکیلا چھوڑ دو۔"وہ پیچھے کی جانب قدم اٹھاتا باہر چلا گیا تھا۔وہ سن وجود کے ساتھ زمین پر بیٹھتی چلی گئی تھی۔

وہ پہلے ہی یہ بات قبول نہیں کر پا رہی تھی کہ اس کے باپ نے یہ سب کیا اور نائل کی ان باتوں اس کے کندھوں کا بوجھ مزید بڑھا دیا تھا۔

"آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ہمیں ساتھ نہیں رہنا چاہیئے۔میں آپ کے قابل نہیں ہوں۔میں اب مزید آپ کو اذیت نہیں دوں گی۔میں آپ کی ساری اذیت ختم کر دوں گی۔"آنکھیں رگڑتے وہ وہاں سے اٹھی تھی۔

---

نائل کتنی دیر سڑک کے کنارے گاڑی روکے بیٹھا رہا تھا۔اس کے سر میں شدید درد تھا۔فون کی بیپ پر اس نے ناگواری سے کال ریسیو کی تھی۔

"کیا.....؟"کال ریسیو کرتے جو انکشاف اس پر ہوا تھا وہ نہایت حیران کن تھا۔

"ٹھیک ہے، میں آ رہا ہوں۔"کال کاٹ کر اس نے غصے سے گاڑی سٹارٹ کی تھی۔

تھوڑی دیر تک وہ ہسپتال میں موجود تھا۔اب وہ مختلف جھوٹ بولتے ڈاکٹر کو مطمئن کر رہا تھا جبکہ سنیہا چپ چاپ ایک کونے میں رکھی گئی کرسی پر نظریں جھکائے ہوئی تھی۔

"چلو....!" بات چیت مکمل ہونے کے بعد اس نے ایک قہر آلود نگاہ سنیہا پر ڈالی تھی جو کہ سر تا پیر لرز رہی تھی۔ نائل اسے کلائی سے پکڑتے کھینچ کر اپنے ساتھ لے گیا تھا۔

"تمہاری وجہ سے کس قدر شرمندگی اٹھانی پڑی ہے مجھے، اندازہ ہے تمہیں؟" گاڑی میں بیٹھنے کی دیر تھی، وہ غصے سے اس پر چڑھ دوڑا تھا۔

"پانچ سال کی بچی ہو تم، جو اس قسم کی حرکتیں کرتی پھر رہی ہو؟"

"میں بس آپ کی تکلیف دور...."

"بکواس بند کرو۔" نائل کی گرج دار آواز پر اس کی آنکھیں پل میں بھیگ گئی تھیں۔

"عورتوں کا دماغ گھٹنوں میں ہوتا ہے، ایسا سنا تھا میں نے.... تمہارا تو وہاں بھی نہیں ہے۔" سیٹ کی پشت سے ٹیک لگائے نائل نے آنکھیں بند کیے اپنی پیشانی مسلی تھی۔

"تمہاری وجہ سے ایک ہزار وضاحتیں دی ہیں میں نے ڈاکٹر کو۔ یہاں پر سب جانتے ہیں مجھے۔ میری ایک پہچان ہے۔ تم نے ایک بار بھی سوچا کہ سب کیا کہیں گے کہ نائل آفندی کی بیوی ہسپتال اپنی آنکھیں ڈونیٹ کرنے کے لیے آئی تھی۔" سنیہا کی سسکیوں میں مزید اضافہ ہوا تھا۔

"آپ کو نہیں پسند تو....!" بھرائی آواز کے ساتھ وہ منمنائی تھی۔

"مجھے تو یہ سامنے لگا سگنل بھی نہیں پسند.... تو کیا جا کر توڑ دو گی اسے؟" سنیہا نے ایک نظر سگنل کی جانب دیکھا تھا تو دوسری نظر نائل کی جانب....

"یہ بہت اونچا ہے" اس کی معصومیت بھری بات پر نائل کا پارہ مزید چڑھا تھا۔

"چلو واپس چلتے ہیں ہسپتال! تمہاری یہ زبان کٹوا کر آتے ہیں بلکہ یہ کار خیر میں خود ہی کر لیتا ہوں۔" وہ جلا بھنا سا بولا تھا۔

"گھر چھوڑ رہا ہوں تمہیں، اپنا سامان پیک کرو اور عزت سے اپنے بھائی کے ساتھ جاؤ۔" سر جھٹکتے نائل نے گاڑی سٹارٹ کر دی تھی جبکہ سارے راستے سنیہا کی سوں سوں جاری تھی۔

اسے گھر چھوڑ کر وہ گاڑی کو فراٹے کے ساتھ آگے بڑھا لے گیا تھا۔

---

شام کے وقت وہ تھکا ہارا گھر لوٹا تھا۔

سارا گھر ہی معنوں سنسان پڑا تھا۔ تو کیا اسے اکیلا چھوڑ گئے تھے؟؟ ہاں ٹھیک ہی تو تھا، انہیں یہی کرنا چاہیئے تھا۔ کچھ دیر لاؤنج میں بیٹھنے کے بعد وہ اپنے کمرے کی جانب بڑھا تھا مگر سامنے کا منظر اسے دروازے پر رکنے پر مجبور کر گیا تھا۔

سنیہا بستر پر بیٹھی کپڑوں کے ساتھ الجھی ہوئی تھی۔

"آ گئے آپ....؟" اسے دیکھ کر وہ خوش ہوتے کھڑی ہوئی تھی۔

سرخ رنگ کا لباس اور لائٹ پنک کلر کی لپسٹک ہونٹوں پر سجائے وہ اس کی جانب بڑھی تھی۔ وہ ہکا بکا کھڑا اسے دیکھتا رہا تھا۔

"آپ چینج کر لیں، میں کھانا لگاتی ہوں۔"

"تم گئی نہیں؟" وہ حیران پریشان سا کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔

"میں نے کہاں جانا تھا؟" سنیہا نے الٹا اس سے سوال پوچھا تھا۔

"حاتم کے ساتھ....!"

"میں اس کے ساتھ کیوں جاؤں؟ اسے جانا ہے تو جائے۔ یہ تو میرا گھر ہے، میں تو کہیں نہیں جا رہی۔" نائل نے پریشانی کے عالم میں اپنی پیشانی پر ہاتھ پھیرا تھا۔

"میرے پاس تمہیں دینے کے لیے کچھ بھی نہیں ہے۔" وہ سنبھل کر بولا تھا۔

"مجھے کچھ چاہیئے بھی نہیں...."وہ اب مسکرا کر الماری میں اپنے کپڑے ہینگ کر رہی تھی۔

"میں تمہیں خوش نہیں رکھ سکتا۔"نائل نے اسے ایک بار پھر سمجھانے کی کوشش کی تھی۔

"میں صبر کر لوں گی۔"

"میں تمہیں عزت بھی نہیں دے سکوں گا۔"

"کوئی بات نہیں، مجھے ویسے بھی عزت راس نہیں ہے۔"وہ ہنس دی تھی۔

"بہت تنگ کروں گا میں تمہیں...."اگلی وجہ بتائی گئی تھی۔

"میں آپ سے زیادہ کروں گی۔"جواب اب بھی دو بدو آیا تھا۔

"تم سمجھ نہیں رہی۔"وہ جھنجھلایا تھا۔

"سب سمجھ رہی ہوں اور آپ بھی میری ایک بات سمجھ لیں۔ میں آپ کو چھوڑ کر کہیں نہیں جانے والی...."اس کے قریب آتے سنیہا اس کے سینے سے لگی تھی۔

"ایسا مت کرو۔"یہ التجا تھی۔

"کیوں....؟"سنیہا نے سر اٹھا کر پوچھا تھا۔

"پھر میں کبھی کہیں جانے نہیں دوں گا تمہیں...."نائل نے اس کے گرد مضبوط حصار باندھا تھا۔

"میں جانا بھی نہیں چاہتی۔"وہ رو دی تھی۔

"بہت برا ہوں میں، ہیں نا؟"اس کے پیشانی سے اپنی پیشانی مس کرتے نائل نے آنکھیں بند کیں تھیں۔

"بہت زیادہ....!"سنیہا بھی آنکھیں بند کیے اسے محسوس کر رہی تھی۔

"مجھے تمہیں اس حالت میں چھوڑ کر نہیں جانا چاہیئے تھا۔ تمہیں میری ضرورت تھی۔"

"مجھے اب بھی آپ کی ضرورت ہے۔"اس کے سینے پر سر رکھے وہ ہچکیوں سمیت رو دی تھی۔

"ہم نے اپنے بچے کھو دیے۔ ہم نے کھو دیے۔" اس کی شرٹ کو جکڑے وہ اب اس سے اپنا غم بانٹ رہی تھی۔ اس کے گرد حصار قائم کرتے وہ اب نرمی سے اس کے بال سہلا رہا تھا۔

"یہ سب میری غلطی ہے۔ یہ میرے گناہوں کی سزا ہے۔" وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

"تم بے قصور ہو۔ تم نے کچھ نہیں کیا۔ قرآن پاک میں واضح لکھا ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے کے گناہوں کا بوجھ نہیں اٹھائے گا مگر میں کیا کرتا سنیہا، میں انسان ہوں۔ اللہ تو معاف کر دیتا ہے مگر انسان معاف نہیں کرتا۔ آئی ایم سوری میرے پاس اتنا بڑا ظرف نہیں تھا۔" اس کی اپنی آواز بھرا گئی تھی۔

"مگر میں تم سے وعدہ کرتا ہوں۔ میں اچھا شوہر بننے کی پوری کوشش کروں گا۔" اس کا سر اپنے سینے سے ہٹاتے نائل نے اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لیا تھا جبکہ اس بات پر وہ ہنس دی تھی۔

"آپ پلیز اچھا شوہر بننے کی کوئی کوشش مت کیجیے گا۔" اس کی آج تک کی ساری کوششوں کے نتائج تو اسے ہی بھگتنے پڑے تھے۔

"یعنی تم یہ کہنا چاہ رہی ہو کہ میں اچھا شوہر ہوں؟" نائل کی سنہری آنکھوں میں چمک ابھری تھی۔ وہ شخص زیادہ دیر تک سیریس نہیں رہ سکتا تھا۔ اب کی بار وہ دل کھول کر ہنس دی تھی۔

"اگر میں کبھی آپ کی نسل آگے نا بڑھا سکی تو؟" دل میں چھپا خدشہ زبان پر آ ہی گیا تھا۔

"اس سے اچھی بات اور کیا ہو سکتی ہے۔" وہ ہنستے ہوئے بستر پر بیٹھا تھا۔

"بچے تو مجھے شروع سے نہیں پسند۔ سارا دن روتے رہتے ہیں۔ بلاوجہ سر میں درد ہوتا ہے۔ انسان کی اپنی بھی کوئی لائف ہوتی ہے۔ بچوں کی وجہ سے سب ڈسٹرب ہو جاتا ہے۔" وہ ایسے کہہ رہا تھا جیسے یہ کوئی بڑی بات نا ہو۔

"آپ کو سچ میں کوئی فرق نہیں پڑتا؟" سنیہا نے ڈبڈبائی نظروں سے اس کی جانب دیکھا تھا۔

"بالکل بھی نہیں....!"

"اپ دوسری شادی تو نہیں کریں گے نا؟"اس نے اپنا دوسرا خدشہ ظاہر کیا تھا۔

"میں محض اولاد کے لیے ہر گز چالیسویں شادی نہیں کروں گا۔"

"چالیسویں....؟"وہ چیخی تھی۔

"نہیں کر رہا یار...."سنیہا نے اپنے چکراتے سر کو تھاما تھا۔ایک یہ شخص اور اس کے مذاق.....

"مجھے ساری زندگی افسوس رہے گا اگر میں آپ کی نسل...."

"اول تو سنیہا ڈاکٹر نے ایسی کوئی بات نہیں کی کہ تم ماں نہیں بن سکتی۔ہاں کچھ کومپلیکیشنز ضرور ہو سکتی ہیں۔دوم میری نسل میں ایسی کوئی خاص بات نہیں ہے جس وجہ سے اس کا بڑھنا ضروری ہے۔تم بھی اس چیز کی ٹینشن مت لو۔بس آزمائش سمجھ کر صبر کرو۔"نائل نے کھڑے ہوتے اسے شانوں سے تھام کر کہا تھا۔سنیہا نے آنسو پونچھتے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

وہ رب العالمین ہے۔وہ ہر کسی کو آزماتا ہے،کسی کو دے کر تو کسی سے لے کر....بحیثیت انسان ہمیں ہر حال میں صبر اور شکر ادا کرنا چاہیئے۔

"کچھ کہنا ہے مجھے آپ سے...."سنیہا نے شرماتے ہوئے نگاہیں جھکائی تھیں۔اب وہ یہ کہہ دینا چاہتی تھی۔

"کیا....؟"وہ اس کی شرماہٹ سے محظوظ ہوا تھا۔

خشک لبوں پر زبان پھیرتے وہ اس کے قریب گئی تھی۔اب اس نے آہستگی سے نائل کی گردن کے گرد باہیں پھیلائی تھیں۔

"You are the best husband in the world."

کہتے ساتھ ہی وہ شرما کر اس کے گلے لگی تھی۔نائل کے ہونٹوں پر ہلکا سا تبسم لہرایا تھا۔

وہ دونوں ایک دوسرے کے لیے ہی بنے تھے۔ تقریباً دو سال سے زائد عرصہ نائل آفندی کے ساتھ گزارنے کے بعد یہ جملہ صرف سنیہا ہی بول سکتی تھی۔

"آخر کار احساس ہو ہی گیا تمہیں!" نائل نے سرد آہ بھری تھی۔

"اب آپ کی باری....!" اس سے دور ہوتے سنیہا نے لب کترتے کہا تھا۔

"کیا مطلب؟" وہ ناسمجھی سے پوچھ رہا تھا۔

"آپ کو بھی تو کچھ کہنا چاہیئے نا؟" اب وہ اس سے کیسے کہتی کہ وہ اظہار محبت سننا چاہتی ہے۔

"مجھے....؟" وہ سوچ میں پڑا تھا۔

"ہاں....!" نائل کو جیسے یاد آیا تھا۔ سنیہا کے دل کی دھڑکنیں بے اختیار تیز ہوئی تھیں۔ یہ سننے کے لیے تو اس کے کان ترس گئے تھے۔

"میں یہ کہہ رہا تھا کہ ڈیپ ریڈ کلر پہننے کی کیا ضرورت تھی۔ اس میں تم بہت موٹی لگ رہی ہو۔" نائل کے بے ڈھنگے تبصرے پر وہ سرخ ٹماٹر ہوئی تھی۔

"آپ بہت برے شوہر ہیں۔" اسے پرے دھکیلتے وہ کمرے سے باہر گئی تھی۔

"اب میں نے کیا کر دیا؟" وہ ازلی معصومیت سے گویا ہوا تھا۔

"کیا بنا بھابھی؟" لاؤنج میں سب لوگوں کی نظریں ہی سنیہا پر جمی تھیں۔

"کیا مطلب؟" وہ ناسمجھی سے گویا ہوئی تھی۔

"کون کون سی شرائط رکھی آپ نے؟" وانیہ نے دلچسپی سے پوچھا تھا۔

"یہ بہت اچھا موقع تھا سنیہا، ایسی شرائط رکھنی تھیں کہ اس کو لگ پتا جائے۔" ساشا نے بھی اپنے دل کی بھڑاس نکالی تھی۔

"مگر میں نے کوئی شرائط نہیں رکھیں۔" اب وہ انہیں کیا بتاتی کہ نائل تو اسے جانے کو کہہ رہا تھا، وہ خود ہی اس کے گلے پڑی تھی۔

"بھابھی یہ کیا کیا آپ نے؟" وانیہ نے باقاعدہ اپنا سر پیٹا تھا۔

"واپس جائیں اور جا کر بھائی سے کہیں کہ آپ ان کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی۔ جب تک وہ آپ کی شرائط پر پورا نہیں اتر جاتے۔" وانیہ نے واپس اسے سیڑھیوں کی جانب دھکیلا تھا۔

"مگر میں...."

"مگر اگر کچھ نہیں، میں آپ کی نند بھی ہوں اور بھابھی بھی.... بلاوجہ مجھ سے پنگا مت لیں۔ ہم جو کہہ رہے ہیں نا، وہ کریں۔ آخر کار بھائی کو بھی تو کچھ سبق ملنا چاہیئے نا...." وانیہ اب اسے اپنا پلین بتا رہی تھی اور سنیہا بیچاری کو ناچار اس کی بات ماننی پڑی تھی کیونکہ وانیہ نے اسے بہت بڑی بڑی دھمکیاں دی تھیں۔

وہ شاور لے کر نکھرا نکھرا سا باہر نکلا تھا جب اسے سنیہا بستر کے پاس کھڑی اپنا بیگ بند کرتے دکھی تھی۔

"یہ تم کیا کر رہی ہو؟" وہ حیران ہوا تھا۔

"اپنے بھائی کے ساتھ یہ گھر چھوڑ کر جا رہی ہوں۔" زپ بند کرتے سنیہا نے سنجیدگی سے کہا تھا۔ دل میں عجیب قسم کے ہول اٹھ رہے تھے کہ کہیں وہ اس کی چوری پکڑ نا لے۔

"دماغ درست ہے؟" نائل کو اس کی دماغی حالت پر شبہ ہوا تھا۔

"بالکل درست ہے۔ میں آپ جیسے شخص کے ساتھ رہنا ہی نہیں چاہتی۔ ہاں اگر آپ میری کچھ شرائط مانیں گے تو میں سوچ سکتی ہوں۔"

"کیسی شرائط؟" نائل نے ایک آنکھ آچکا کر پوچھا تھا۔

"آپ مجھ سے عزت سے بات کریں گے۔مجھے شاپنگ پر لے کر جائیں گے،لانگ ڈرائیو پر بھی.....میں ایک مہینے میں پانچ لاکھ کی شاپنگ کروں گی اور ہر مہینے آپ مجھے ایک ڈائمنڈ سیٹ لا کر دیں گے۔چھٹیوں میں ہم گھومنے بیرون ملک جائیں گے۔میرا صبح جب دل کرے گا،میں تب اٹھوں گی اور رات میں بھی تیز آواز میں موویز دیکھوں گی اور آپ کسی قسم کا کوئی اعتراض نہیں کریں گے۔"وانیہ کی سکھائی ساری باتیں اس نے رٹو طوطے کی طرح نائل کے گوش گزار کر دی تھیں۔

وہ چند لمحے سپاٹ چہرہ لیے اسے دیکھتا رہا تھا پھر جو جملہ اس نے کہا تھا،وہ سنیہا کو رولانے کے لیے کافی تھا۔

"کہاں ہے تمہارا بیگ...؟"نائل نے ادھر ادھر دیکھتے اس کا بیگ بستر سے اٹھایا تھا۔

"چلو تمہیں دروازے تک چھوڑ کر آتا ہوں۔"وہ حد درجے سنجیدہ تھا جبکہ سنیہا کی حالت تو دیکھنے لائق تھی۔یعنی وہ مروتاً بھی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ مجھے ساری شرائط منظور ہیں۔

"نہیں جا رہی میں کہیں بھی۔اتنی آسانی سے جان نہیں چھوڑوں گی آپ کی...."وہ پیر پٹختے وہاں سے گئی تھی۔اس کے جانے کے بعد نائل ہنس دیا تھا۔

---

"حاتم ہماری مام کی ڈیتھ کیسے ہوئی تھی؟"وہ دونوں اس وقت ٹیرس پر موجود تھے۔

"وہ سیڑھیوں سے گر گئی تھیں۔"نائل نے حاتم کو مزید کسی بھی قسم کی فضول بات کرنے سے روک دیا تھا۔

"ہماری فیملی کی تباہی کے پیچھے ڈیڈ کیسے تھے۔میرا مطلب انہوں نے کیسے سب...."

"مجھے اس بارے میں زیادہ نہیں پتا۔"وہ نظریں چرا گیا تھا جبکہ دل چاہ رہا تھا کہ وہ صوفی کو سب بتا کر اپنا غم ہلکا کر لے۔

"اور مجھے ان لوگوں نے کیوں ہٹ کیا؟"اس کے ذہن میں مختلف سوال اٹھ رہے تھے۔

"کیونکہ تم ان کے چہرے دیکھ چکی تھی۔"

"ڈیڈ کو پتا نہیں ہو گا کہ انہوں نے مجھے ہٹ کیا ورنہ وہ مجھے بچا لیتے۔" وہ اپنی ہی دھن میں کہے جا رہی تھی۔

"صوفی انہیں...."

"تم یہاں اپنے بھائی سے خوش گپیوں میں مصروف ہو اور وہاں شوہر کب سے انتظار کر رہا ہے۔ ایک کپ کافی بنا دو یار!" نائل کے کہنے پر وہ مسکرا کر اثبات میں سر ہلاتی وہاں سے گئی تھی۔

"اگر تم نے اپنی یہ دو گز لمبی زبان کھولی تو جلتی بھٹی میں جھونک دوں گا میں تمہیں...." نائل نے شعلہ بار نگاہوں سے اسے دھمکی دی تھی۔

"اسے پتا ہونا چاہیئے۔"

"وہ میری بیوی ہے اور میں اچھے سے جانتا ہوں کہ اسے کیا بتانا ہے اور کیا نہیں...."

"پھر میں اپنی بیوی کو بتا سکتا ہوں نا۔ میں اسے دھوکہ نہیں دینا چاہتا۔ میں اسے بتانا چاہتا ہوں کہ وہ چوتھا شخص کوئی اور نہیں بلکہ...." نائل نے زوردار تمانچہ اس کی گال پر مارا تھا۔

"اگر مجھے اپنی بہن کا خیال نا ہوتا نا تو اب تک تمہاری اوپر کی ٹکٹ کٹوا چکا ہوتا۔"

"آپ بلاوجہ تشدد کرتے ہیں مجھ پر...." وہ نڑوٹھے پن سے بولا تھا۔

"زبان بالکل بند...." اس کے حکم پر حاتم منہ بسور کر رہ گیا تھا۔

"جاؤ جا کر قاضی کو لے کر آؤ۔ نکاح ہے تمہارا آج!"

"مگر میرا نکاح تو ہو چکا ہے، وہ بھی دو بار...."

"اب تیسری دفعہ ہو گا۔" نائل نے دانت پیستے اسے گھورا تھا۔

"مگر کیوں؟" وہ تقریباً چیخ اٹھا تھا۔

"کیونکہ یہ میری بہن کی خواہش ہے۔اب زیادہ دماغ مت چلاؤ اور جاکر قاضی کو لے کر آو ورنہ رخصت نہیں کروں گا میں اپنی بہن کو تمہارے ساتھ...." حاتم تو اسے دیکھتا ہی رہ گیا تھا۔ایک بچہ ہونے کے بعد بھی ابھی نکاح اور رخصتی کی کسر رہتی تھی۔

"جا رہے ہو یاد دلاؤں؟" چہرے کے مختلف زاویے بناتے وہ وہاں سے گیا تھا۔

سر جھٹکتے نائل ابھی پلٹا ہی تھا کہ سامنے محسن کو ہاتھ پر ہاتھ باندھے مسکراتے دیکھ نائل کو کسی انہونی کا احساس ہوا تھا۔

"بے شرم، دوغلے انسان!" محسن اس پر جھپٹا تھا۔

"سب سمجھ آگئی ہے مجھے...." اسے کرسی پر دھکہ دیے وہ اب اس کو مسلسل پیٹ رہا تھا۔

"اب کیا کر دیا میں نے؟" نائل ازلی معصومیت سے بولا تھا۔

"شک تھا تجھے مجھ پر، ہیں نا؟" اس کا کالر دبوچتے محسن نے اس کے پیٹ میں گھونسہ مارا تھا۔

"اس لیے میرے سامنے اپنے گھر کی ساری باتیں کرتا تھا۔صوفی کو کہاں سے لے کر آؤں، وہ تو قبر میں ہے۔سنیہا سے محبت ہوگئی ہے مجھے، اسے پرپوز کرنے جا رہا ہوں۔چیف پر شک ہے۔شاہین پر شک ہے اور وانیہ کے متعلق بھی پتا نہیں کیا کیا....؟" محسن کے تاثرات دیکھ نائل کی ہنسی چھوٹی تھی۔

"شرم نہیں آئی مجھ پر شک کرتے ہوئے؟" محسن کا پارہ چڑھا تھا۔

"جب تم نے مجھے وہ ہسپتال والی فائل لا کر دی جبکہ سارے ریکارڈز تو میں نے خود جلائے تھے اور پھر جب تم نے مجھ سے کہا کہ میں حاتم سے کہوں کہ صوفی زندہ ہے اور صوفی کے بدلے وہ مجھے وانیہ واپس کر دے تو پھر شک تو بنتا تھا نا...." وہ ایک ہی لمحے میں خود کو ہر الزام سے بری کر گیا تھا۔

"مجھے لگتا ہے ابھی بھی ایسا بہت کچھ ہے جو تم چھپا رہے ہو۔"

"اب واقعی میں کچھ نہیں بچا۔ جو تھا سب بتا دیا۔" نائل نے ہاتھ کھڑے کیے تھے۔

"ٹرسٹ می!" محسن نے ایک اور پنچ اسے دے مارا تھا جوابا وہ دل کھول کر ہنسا تھا۔

"تم نے تو میری بیوی کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا۔" محسن نے اگلا جرم بتایا تھا۔

"اس بیچاری کا قصور نہیں ہے۔ بس وہ سنیہا سے پہلے مل چکی تھی اور جب اس نے حاتم کو دیکھا تو وہ سب سمجھ گئی۔ میں نے ہی اسے تمہیں بتانے سے منع کیا تھا۔"

"خیر جو بھی ہے، تجھے تو میں بعد میں پوچھوں گا۔" اس وقت محسن کو اپنے بیٹے کو ہسپتال چیک اپ کے لیے لے کر جانا تھا ورنہ وہ نائل کو کبھی اتنی آسانی سے نا چھوڑتا۔

"ایک کام کر، اپنے خرافاتی دماغ کے علاج کے لیے ڈاکٹر سے اپائمنٹ لے لے بلکہ اسی ڈاکٹر کے پاس چلا جا جہاں وانیہ جاتی تھی۔" جاتے جاتے محسن نے اسے مفید مشورے سے نوازا تھا۔

"مگر اس کو تو میں کب کا مار چکا ہوں۔" نائل نے کندھے اچکائے تھے۔

"کس جرم میں....؟" محسن رکنے پر مجبور ہو گیا تھا۔

"میری بہن کو غلط دوائیاں دینے کے جرم میں...."

"پولیس میں رپورٹ کروا کر آتا ہوں میں تیری...." ایک افسوس بھری نگاہ اس پر ڈالتے وہ غصے سے وہاں سے گیا تھا۔

نائل سر جھٹک کر ہنس دیا تھا۔ میسج موصول ہونے پر اس نے اپنا موبائل اٹھایا تھا۔ میسج پڑھتے اس کے لبوں پر معنی خیز مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔

---

رات کے وقت وہ دونوں اپنے کمرے میں موجود تھے جبکہ حازم سنیہا کے پاس تھا۔ وہ اسے خود سے دور نہیں جانے دیتی تھی۔

"میری خواہش تھی کہ میں مکمل ایمان کی صورت میں تم سے نکاح کروں۔"

"اس لیے اتنے دنوں سے گریز برت رہی تھی؟" وہ دونوں اس وقت بالکنی میں کھڑے تھے۔ تھوڑی دیر پہلے ہی ان کا نکاح پڑھوایا گیا تھا۔

"ہاں....!" نظریں جھکائے وانیہ نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

"مجھے بتا دیتی، ہم پہلے ہی کر لیتے نکاح...." وہ خفا ہوا تھا۔

"میں چاہتی تھی کہ نکاح بھائی کی موجودگی میں ہو۔"

"اب تو ہو گیا نا نکاح، اب تو اجازت ہے؟" اسے اپنی جانب کھینچتے حاتم نے گہری نظروں سے اس کے تل کا جائزہ لیا تھا۔

"نہیں....!" وانیہ نے ایک ادا سے اسے پرے دھکیلا تھا۔

"اب یہ مت کہنا کہ تمہیں منہ دکھائی چاہیئے۔" اس بات پر وہ ہنس دی تھی۔

"مجھے نہیں چاہیئے۔" وہ اس کے سینے سے آلگی تھی۔

"شکر ہے، ورنہ آجکل تو ویسے تمہارے بھائی کے ٹکروں پر پل رہا ہوں۔" اس کے گرد حصار قائم کرتے وہ بھی ہنس دیا تھا۔

"تم اب کبھی مجھے مت چھوڑنا۔ جو بھی بات ہو، تم مجھے بتا دینا۔ میں تمہیں سمجھوں گی۔" سر اٹھاتے وانیہ نے اپنی سنہری آنکھیں اس کی آنکھوں میں گاڑھی تھیں۔

"اوکے!" حاتم نے پورے وثوق سے اس کی ٹھوڑی پر لب رکھے تھے۔ وہ شرما کر نظریں جھکا گئی تھی۔

"تمہیں پتا ہے نین! جب اس دن مجھے چلا تھا کہ تم پارک گئی ہو تو میں ڈر گیا تھا۔ مینار پاکستان میں بلاسٹ پلینڈ تھا مگر عین وقت پر کچھ ایسے مسائل ہو گئے تھے کہ بلاسٹ کرنا ضروری ہو گیا تھا اور جب مجھے پتا چلا کہ تم وہاں پر ہو تو مجھے ایسا لگا کہ کسی نے مجھ سے میری سانسیں چھین لیں۔" حاتم نے وانیہ کو گلے لگایا تھا۔

"تم بہت اچھے ہو عمر لیکن ایک چیز کے لیے میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔" وہ اس سے الگ ہوئی تھی۔

"کون سی چیز؟"

"تم نے احمر کو کیوں مارا؟ وہ بے گناہ تھا۔ وہ مجھے بچانے کے لیے وہاں آیا تھا۔" احمر کی اس کے دل میں بہت خاص جگہ تھی۔ وہ اسے کبھی بھلا نہیں پاتی تھی۔

"کیا اس وقت یہ بات کرنا ضروری ہے؟" وہ سخت بدمزہ ہوا تھا۔

"بے حد ضروری ہے۔" وہ بضد تھی۔ حاتم نے گہری سانس خارج کی تھی۔ اب جب سارے راز کھل ہی گئے تھے تو بہتر تھا کہ اس راز پر سے بھی پردہ ہٹ جائے۔

"کیوں مارا تم نے احمر کو؟"

"کون احمر؟" حاتم نے الٹا اس سے سوال پوچھا تھا۔

"میرا دوست احمر..."

"میں نے اسے نہیں مارا۔ تہہ خانے میں آگ لگ گئی تھی۔ اب وہ مر گیا یا بچ گیا، یہ میں نہیں جانتا۔" اس نے نظریں چرائی تھیں۔

"اور اس کا نام احمر نہیں بلکہ ارجن تھا۔" حاتم نے سرد آہ بھرتے کہا تھا۔

"کیا مطلب؟"

"اس نے تم سے سب جھوٹ کہا سوائے ایک چیز کے، کہ وہ انڈین ہے۔ ہمارا تعلق تقریباً ہر ملک کی گینگ سے ہوتا ہے۔ وہ انڈیا سے ہے اور وہ مسلمان نہیں تھا۔ اب یہ مجھے نہیں پتا کہ واقعی اس کا تعلق کسی گینگ سے تھا یا پھر راسے...." حاتم نے کندھے اچکائے تھے۔

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟" وانیہ کے پیروں تلے تو معنوں زمین ہی کھسک گئی تھی۔

"تمہیں یقیناً کوئی غلط فہمی ہوئی ہے، وہ مسلمان تھا۔ مجھے الحمد کا مطلب اس نے بتایا تھا۔ اس نے مجھے قرآن پڑھنے کو کہا، اس نے مجھے مومن عورتوں کی خصوصیات بتائی تھیں۔" وہ دیوانہ وار چلا اٹھی تھی۔

"وہ سب صرف دکھاوا تھا نین! چاہے کوئی ایجنیٹ ہوں یا پھر کسی گینگ کا ممبر.... جب روپ بدل کر کہیں جایا جاتا ہے تو ہر چیز پر مکمل طور پر ریسرچ کی جاتی ہے۔ یقیناً اس نے بھی اسلام پر ریسرچ کی ہوگی۔ اور بار بار وہ قرآن اور اسلام کی باتیں اس لیے کر رہا تھا تاکہ وہ تمہیں یقین دلا سکے کہ وہ مسلمان ہے۔" وانیہ کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھانے لگا تھا۔ یہ انکشاف بہت بھیانک تھا۔

"اگر ایسا تھا تو اس نے مجھ سے دوستی کیوں کی؟" وہ اب بے یقینی کی کیفیت میں تھی۔

"نین وہ لندن اپنے کسی مشن کے سلسلے میں گیا تھا۔ اس نے تمہیں نہیں بلکہ تم نے اسے اپروچ کیا۔ اور یقیناً تم نے اپنی فیملی کے حوالے سے یا پھر شاہین کے حوالے سے کوئی بات کی ہوگی، تبھی وہ تمہارے پیچھے پڑا تھا۔" وانیہ نے سختی سے آنکھیں میچی تھیں۔ اس نے شاہین کا ذکر بھی کیا تھا اور نائل کی تصویر بھی دکھائی تھی۔

"پھر اس نے مجھے کوئی نقصان کیوں نہیں پہنچایا؟" وہ بھرائی آواز کے ساتھ پوچھ رہی تھی۔

"کیونکہ وہ تم سے محبت کرتا تھا۔" حاتم ہی جانتا تھا کہ اس نے یہ الفاظ کیسے ادا کیے تھے۔

"مجھے کچھ دیر کے لیے اکیلا چھوڑ دو۔" وہ بوجھل قدموں کے ساتھ اندر کمرے میں گئی تھی۔

بستر پر ڈھتے اب وہ بے آواز آنسو بہا رہی تھی۔

"تو کیا ایک کافر نے مجھے الحمد کا معنی سکھایا؟" وانیہ نے سختی سے آنکھیں میچی تھیں۔

"یہ کیسی ہدایت ہے؟" وہ نفی میں سر ہلاتے رو دی تھی۔

"وہ جو بھی تھا، اس نے میرے ساتھ کبھی کچھ غلط نہیں کیا۔ میرے دل میں اس کے لیے ہمیشہ ایک خاص مقام رہے گا۔" آج کی رات اس پر بہت مشکل گزرنی تھی۔ اس کے لیے یہ سب قبول کرنا بہت مشکل تھا۔ اس رب العالمین کے کاموں کی حکمت صرف وہی جانتا تھا۔ ایک کافر کے ہاتھوں ایک بھٹکی ہوئی مسلمان کو راہ راست پر صرف وہی لا سکتا تھا۔ ہاں یہ سچ تھا کہ وانیہ کو ہدایت بہت بعد میں جا کر ملی تھی لیکن شروعات احمر سے ہی ہوئی تھی۔ صرف اس ہی کی باتیں اس کے دل کو بھاتی تھیں۔ وہ جس انداز میں اس سے بات کرتا تھا، وہ سیدھا اس کے دل کو لگتی تھی۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ ہدایت صرف ہدایت حاصل کرنے کی چاہ رکھنے والوں کو ملتی ہے۔ بلاشبہ اس نے اسلام کو گہرائی سے پڑھا ہوا تھا مگر ہدایت اسے بھی نصیب نہیں ہوئی تھی۔

الحمد سے والناس کا سفر بے حد حسین ہے۔ یہ کتاب اتنی وسیع ہے کہ اسے سمجھنے کے لیے ساری زندگی بھی کم پڑ جائے۔ اس کتاب کے سیاہی میں لکھے گئے ہر حرف میں ان گنت راز چھپے ہوئے ہیں کیونکہ یہ کتاب کسی انسان کی طرف سے نہیں بلکہ خود رب العالمین کی طرف سے ہے۔

یہ صرف چند قصوں، صحیح اور غلط کی کتاب نہیں ہے۔ یہ غور و فکر کی کتاب ہے۔

الحمد سے والناس کا سفر کبھی مکمل نہیں ہو سکتا بس وقت کے ساتھ ساتھ مسافر تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔

---

فجر کے بعد ابھی بھی مدھم مدھم سا اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ درخت ہوا کے دباؤ کی وجہ سے ادھر ادھر جھوم رہے تھے مگر یہ جگہ وحشت زدہ تھی۔ یہ وہی جگہ تھی جہاں نینا کے ساتھ زیادتی کی گئی تھی۔

اتنے دونوں ہارون کو اذیت پہنچانے کے بعد وہ اسے آج یہاں لایا تھا۔

"ویسے میں سزا کے طور پر زندگی دیتا ہوں مگر تمہیں میں موت دوں گا کیونکہ تمہاری موت مجھے سکون پہنچائے گی۔ہارون کو زمین پر پٹختے وہ سرخ آنکھوں سے دھاڑا تھا۔

"کیا قصور تھا میری ماں کا....ایک مرتی ہوئی عورت پر بھی رحم نہیں آیا تمہیں....!"وہ اب غراتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا جبکہ ہارون تو خوف کی وجہ سے لرز تھا۔

"مم...مجھے معاف کردو۔"ہارون نے اس کے آگے ہاتھ جوڑے تھے۔

"تمہیں معاف کردوں،اس شخص کو جو اپنی بیوی،بیٹی اور بیٹے تک کو برباد کرنے کا ذمہدار ہے۔تم تو انسان کہلانے کے بھی قابل نہیں ہو۔"

"میں بہک گیا تھا۔میں معافی مانگتا ہوں پلیز مجھے چھوڑدو۔"ہارون پیچھے کی جانب کھسکا تھا۔

"میری ماں نے بھی ایسے ہی التجائیں کی ہوں گی نا....مگر تمہیں پھر بھی رحم نہیں آیا۔"اسے بالوں سے دبوچتے نائل نے اس کے منہ پر تھپڑ رسید کیے تھے۔

"آج میں تمہارا وہ حال کروں گا کہ سننے والے کی روح کانپ جائے۔"نائل نے اپنے جوتے کی سول سے چاقو نکالتے ہارون کے دائیں ہاتھ کی انگلی کاٹ دی تھی۔وہ بلبلا اٹھا تھا۔

اب وہ ایک کے بعد دوسری انگلی کاٹ رہا تھا۔ہارون خود کو بچانے کی بھرپور کوشش کر رہا تھا مگر درحقیقت وہ ایک کمزور مرد تھا۔ایسا مرد جس کا زور صرف خواتین پر ہی چلتا تھا۔

اس کی تمام تر مزاحمتوں کے بعد بھی نائل نے بہت بے رحمی سے اس کے ہاتھوں کی ساری انگلیاں کاٹ دی تھیں۔وہ اس قدر تکلیف برداشت نہیں کر سکا تھا،اس لیے فوراً ہوش وہواس سے بیگانہ ہو گیا تھا۔

"نامرد کہیں کا....." تنفر سے اسے ٹھڈا مارتے وہ اپنی گاڑی کی جانب گیا تھا۔

منہ پر ٹھنڈا پانی گرنے کی وجہ سے ہارون نے جھٹ سے آنکھیں کھولیں تھیں۔

"گڈ مارننگ!" نائل موت کا فرشتہ بنے اس کے سامنے کھڑا تھا۔ ہارون نے اٹھنے کی کوشش کی تھی مگر وہ کمزوری کے باعث اٹھ نہیں سکا تھا۔ نائل نے اس کا دائیاں ہاتھ زمین پر رکھتے اس میں کیل ٹھوکنے شروع کیا تھا۔

"مت کرو، میرے ساتھ یہ مت کرو۔" وہ مسلسل چیخ چلا رہا تھا جبکہ اس کی ہر چیخ پر نائل کے اندر ایک سکون سا اترتا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ اور پیر کیل کی مدد سے زمین میں پیوست کرتے وہ ہاتھ جھاڑتا اٹھا تھا۔

ٹھیک دو منٹ بعد وہ ایک بورا لے کر وہاں آیا تھا۔ اب اس نے اس بورے کو ہارون کے پورے وجود پر الٹا دیا تھا۔ اس میں مختلف قسم کے حشرات تھے۔ لال بیگ، مکوڑے، چھپکلیاں اور بچھو....

"قبر تو نصیب ہوگی نہیں تمہیں لیکن میں نظارہ ضرور کروں گا۔ آج کا سارا دن انہی کے ساتھ گزارو۔" اس کی چیخ و پکار سے بے نیاز اب وہ تھوڑا دور جا کر ایک درخت کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑا تھا۔ نائل نے بے ہوشی کے حالت میں ہارون کے جسم پر کچھ میٹھی کھانے پینے کی چیزوں کا پاؤڈر چھڑکا یا تھا جس وجہ سے وہ حشرات اس کا وجود نوچ نوچ کر کھا رہے تھے۔ اس کی چیخیں جتنی بلند ہوتی تھیں، نائل کے لبوں کی مسکراہٹ اتنی ہی گہری....

اگلے دو گھنٹے تک اس کی چیخیں ایسے ہی نائل کو سکون پہنچاتی رہی تھیں۔ جیسے ہی چیخیں مدھم پڑی تھیں، وہ چل کر ہارون کے پاس گیا تھا۔ اس کا سارا وجود ہی زخمی تھا۔ کٹی ہوئی انگلیاں اب بھی کیڑے مکوڑے کھا رہے تھے۔ اس کے چہرے کو بھی مختلف جگہ سے کھایا گیا تھا حتی کہ سارا وجود ہی جگہ جگہ سے بری طرح نوچا گیا تھا۔

“Good Bye Haroon!”

نائل نے پاس پڑا مٹی کا تیل اس پر چھڑکا تھا۔ تیل کی سمیل کی وجہ سے اب حشرات اس کا جسم چھوڑ رہے تھے۔

"نن.... نہیں....!" نائل کو لائٹر چلاتے دیکھ وہ پوری قوت سے چلایا تھا مگر آج حساب کا دن تھا۔اسکے وجود کو آگ لگاتے وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے گیا تھا۔

---

وہ صبح سویرے الماری سے کپڑے نکال رہی تھی جب کسی نے اسے پیچھے سے اپنے حصار میں لیا تھا۔

"بھوت....!" سنیہا نے چلاتے ہوئے نائل کو پرے دھکیلا تھا۔

"میں بھوت....؟" اسے زبردست شاک لگا تھا۔

"آپ... مجھے لگا کہ....!" اس کے دل کی دھڑکنیں معمول سے تیز ہوئی تھیں۔

"میرے علاوہ اور کون تمہیں ہگ کر سکتا ہے؟" آنکھیں چھوٹی کیے نائل نے اسے گھورا تھا۔

"آپ نے بھی تو آج سے پہلے کبھی اس طرح نہیں کیا۔" وہ اپنی جگہ بالکل درست تھی۔

"یعنی اب اگر میں رومانس کرنے کی کوشش کر رہا ہوں تو بھی تمہیں تکلیف ہے؟"

"نہیں آپ پلیز کوئی کوشش مت کریں۔ مجھ پر بہت بڑا احسان ہوگا آپ کا۔" وہ تنگ آکر بولی تھی۔

"تم نا محبت کے قابل ہی نہیں ہو۔" سنیہا نے اس کے اچھے خاصے موڈ کا بیڑا غرق کر دیا تھا۔

"محبت.... محبت کہا آپ نے؟" سنیہا کے لبوں پر تبسم لہرایا تھا۔

"میں نے ایسا کچھ نہیں کہا۔ صبح صبح کان بج رہے ہیں تمہارے۔" وہ جل کر بولا تھا۔

"کان ہی بج رہے ہوں گے ورنہ آپ اور محبت.... ہونہہ....!" منہ کے مختلف زاویے بناتے اب وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی اپنے بال بنا رہی تھی۔اور نائل بستر پر بیٹھا گہری نگاہوں سے اس کا جائزہ لے رہا تھا۔

"میرا انتقام آج پورا ہوا اور آج میں تم سے وعدہ کرتا ہوں۔ اپنی ہر غلطی کا ازالہ کروں گا۔ تمہیں دنیا کی ساری خوشیاں دوں گا۔ مگر تنگ بھی ضرور کروں گا۔ میں نے اپنی ماں اور اپنی بہن کو کبھی تنگ نہیں کیا کیونکہ ان کا الگ لیول ہے مگر اس کے بعد جو بھی مجھے عزیز ہوتا ہے میں اسے ضرور تنگ کرتا ہوں اور تمہیں تنگ کرنا تو میرا پسندیدہ مشغلہ ہے۔" اسے گہری نظروں سے دیکھتے نائل دل ہی دل میں گویا ہوا تھا۔

"ایسے کیا دیکھ رہے ہیں؟" وہ اس کی نظروں سے کنفیوژ ہوئی تھی۔

"تمہارے سر میں سفید بالوں کو دیکھ رہا ہوں۔" نائل نے تحمل سے جواب دیا تھا۔

"میری ابھی عمر ہی کیا ہے جو سفید بال نظر آرہے ہیں آپ کو....؟ خود کو دیکھا ہے کبھی آئینے میں، بڈھے...." وہ ناک چڑھا کر بولی تھی۔

"شوہر کو بوڑھا بولتی ہو۔ تم آج ٹھہر جاؤ۔" نائل خطرناک تیور لیے کھڑا ہوا تھا۔ سنیہا فوراً ہی کمرے سے بھاگی تھی۔

"واپس یہیں آنا ہے تمہیں....!" وہ ہانک لگانا نا بھولا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ ناشتے کے لیے نیچے آیا تھا، اپنی پوری فیملی کو وہاں دیکھ کر نائل کے لب ہولے سے مسکرائے تھے۔

"عمر نے ایک فلیٹ دیکھا ہے۔ ہم وہاں شفٹ ہو رہے ہیں۔" وانیہ کی بات پر جہاں نائل مسکرایا تھا وہیں سنیہا کا چہرہ بجھ سا گیا تھا۔

"تم لوگ یہی رہو نا ہمارے ساتھ...." وہ حازم کو خود سے دور جانے نہیں دے سکتی تھی۔

"بھابھی اب ساری زندگی آپ پر مسلط تھوڑی رہوں گی۔ مجھے اب اپنے گھر جانا ہے۔"

"بیٹا یہ بالکل غلط بات ہے۔یہ آپ کا بھی گھر ہے۔آپ کا جب تک دل چاہے آپ یہاں رہ سکتی ہیں بلکہ آپ اور حازم یہیں رہے گے، حاتم سرونٹ کوارٹر میں رہ لے گا۔"نائل نے جیسے مسئلے کا حل بتایا تھا۔چپاتی کے لیے بڑھتا حاتم کا ہاتھ وہیں رک گیا تھا۔آنکھوں میں شدید قسم کی ناگواری ابھری تھی۔

"بھائی.....!"وانیہ نے بھرپور احتجاج کیا تھا۔

"چلو انیکسی میں رہ لے۔"

"بھائی عمر میرا شوہر ہے اور میں اس کے ساتھ ہی رہوں گی۔"اسے نائل کی بات ناگوار گزری تھی جبکہ حاتم پر تو معنوں پھولوں کی برسات ہوئی تھی۔چلو کوئی تو نائل کو جواب دے سکتا تھا

"اچھا بابا ٹھیک ہے۔"وہ اپنی بہن کو ناراض نہیں کر سکتا تھا۔

"ہاں تو جناب! کوئی نوکری ڈھونڈی ہے؟"نائل اب براہ راست حاتم سے مخاطب تھا۔

"جی ڈھونڈھ لی ہے۔"اس نے نائل سے انسانوں کی طرح زندگی گزارنے کا وعدہ کیا تھا۔

"ہمم....!"نائل نے ہنکارا ابھرا تھا۔

ناشتے کے بعد وہ لوگ لاؤنج میں موجود تھے جبکہ سنیہا اور وانیہ کچن میں سب سمیٹ رہی تھیں۔حازم بیٹھا کھیل رہا تھا اور نائل اور حاتم ایک دوسرے کو گھورنے میں مصروف تھے۔

"خوش قسمت ہو تم کہ میں نے تمہیں اپنی بہن دے دی ورنہ تمہیں تو کوئی پوچھے بھی نا...."نائل نے پہلا طنز کا تیر برسایا تھا۔

"اچھاااا! کسی نے تو کہا تھا کہ اگر میری بہن کی تین شادیاں بھی ہو گئیں تو چوتھی میں تم ہی سے کرواں گا۔"نائل نے بے چینی سے پہلو بدلا تھا۔وہ جب بھی حاتم سے خفیہ طور پر ملاقات کرتا تھا تو اسے اسفند ہی بلاتا تھا۔یوسف سے تو وہ بہت بعد میں ملا تھا۔

"بابا.....!" حازم کی آواز پر وہ دونوں ہی اس کی جانب متوجہ ہوئے تھے۔

"بابا کی جان!" حاتم نے بہت لاڈ سے اسے گود میں اٹھایا تھا۔

"یہ تمہیں نہیں مجھے بلا رہا ہے۔" نائل نے جل کر حازم کو حاتم کی گود سے لیا تھا۔

"جی نہیں یہ مجھے بلا رہا ہے۔" حاتم نے دانت پر دانت جمائے حازم کو اس سے جھپٹا تھا۔ اس کھینچا تانی میں حازم ڈر گیا تھا اور بس پھر کیا.... اس کا باجا شروع.......

وانیہ اور سنیہا دونوں ہی بھاگتی ہوئی باہر آئی تھیں۔

"آخر مسئلہ کیا ہے تمہارے ساتھ، کس قسم کے باپ ہو تم؟" حازم کو گود میں لیتے وانیہ نے حاتم کو کھڑی کھوٹی سنائی تھی۔ نائل کے دل میں تو معنوں ٹھنڈ ہی پڑ گئی تھی۔

"نائل آپ کو شرم آنی چاہیئے، چھوٹے سے بچے کو رولا دیا آپ نے...." ایک شکوہ کناں نگاہ نائل پر ڈالتے سنیہا نے حازم کو وانیہ کی گود سے لیا تھا۔ اب کی بار ٹھنڈ حاتم کے کلیجے میں پڑی تھی۔

"اب کھڑے کیا ہو جاؤ یہاں سے...." وانیہ نے حاتم کو ڈپٹا تھا۔

"میں بھی چلتا ہوں۔" اس سے پہلے سنیہا کچھ کہتی نائل نے خود ہی جانے کا فیصلہ کیا تھا۔

"تمہاری بیوی کی نظر میں تمہاری تو کوئی عزت ہی نہیں ہے۔" لان میں پہنچتے نائل نے حاتم کو چڑایا تھا۔

"ہاں آپ کی کتنی عزت ہے، وہ بھی میں دیکھ چکا۔" حاتم نے بھی موقعے پر چوکا لگایا تھا۔

"میری بیوی میری بہت عزت کرتی ہے۔ تمہاری بیوی تمہیں "تم" کہہ کر پکارتی ہے اور میری بیوی مجھے "آپ" کہہ کر پکارتی ہے۔ فرق تو ہے نا؟" نائل کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتا تھا۔

"ہاں فرق تو ہے آخر کار میری بیوی آپ کی بہن اور آپ کی بیوی میری بہن جو ہے۔ واقعی بہت فرق ہے۔" ایک تپا دینے والی مسکراہٹ اس کی جانب اچھالتے وہ وہاں سے گیا تھا۔

"اس کا حساب تو میں لے کر رہوں گا۔" حاتم کے جواب نے اسے کہیں کا نہیں چھوڑا تھا۔ اب انتقام لینا نائل پر فرض تھا۔

---

وقت کے ساتھ ساتھ زندگی کی گاڑی بھی آگے بڑھتی جا رہی تھی۔ سب ہی اپنی اپنی زندگیوں میں آگے بڑھ چکے تھے۔ تمام تر خلوص اور سچائی کے ساتھ اپنے اپنے کاموں میں جت گئے تھے۔ ایجنسی کو چھوڑنے کے بعد نائل نے اپنے بزنس کو وقت دینا شروع کر دیا تھا اور حاتم بھی نو سے پانچ چھوٹی صحیح مگر ایک نوکری کر رہا تھا۔ وانیہ گھر کے سارے کاموں سمیت حازم کا خیال رکھ رہی تھی اور سنیہا.... وہ تو گھر داری میں مصروف تھی۔ سب کچھ بہت ہی اچھا چل رہا تھا۔

"ہائے جان!" حاتم نے وانیہ کو کال ملائی تھی۔

"کہاں پر ہو تم؟" سپیکر سے خفا خفا سی آواز ابھری تھی۔

"کام میں مصروف ہوں۔ ایک دو دن لگ جائیں گے گھر آنے میں...." چاقو کی نوک سے خون صاف کرتے حاتم نے سنجیدگی سے کہا تھا۔ وہ اب صرف بلیک مونسٹر نہیں رہا تھا بلکہ وہ اب اس سیاہ دنیا کا کنگ بن چکا تھا۔ اس سیاہ دنیا میں رہتے وہ سچائی کا ساتھ دے رہا تھا۔ انہی کے درمیان رہ کر وہ ان ہی کی جڑیں کاٹ رہا تھا۔

"عمر میں تمہارے لیے بہت خوش ہوں۔ بس تم ایسے ہی دل لگا کر کام کرتے رہنا۔" سارا غصہ جھاگ کی صورت میں بیٹھ گیا تھا۔ کم از کم وہ محنت تو کر رہا تھا۔

"اوکے ڈارلنگ! جیسا تمہارا حکم...." وہ اس وقت اپنی حویلی میں کاؤچ پر ٹانگ پر ٹانگ چڑھائے بیٹھا تھا اور اس کے آدمی ایک شخص کو پکڑے اس کے سامنے کھڑے تھے۔ حاتم نے اس شخص کے سر پر بندوق تانے اس کی پیشانی کے عین وسط میں شوٹ کیا تھا۔ بندوق پر سائلنسر لگا ہونے کی وجہ سے گولی چلنے کی آواز نہیں آئی تھی۔

"حازم کیسا ہے؟" اپنے آدمیوں کو اس کی لاش کو لے جانے کا اشارہ کرتے اس نے اب فون سپیکر پر رکھا تھا۔

"وہ بھی ٹھیک ہے۔"

"بات کرواؤ میری اس سے...."

"میرے پاس نہیں ہے وہ، بھابھی کے پاس ہے۔"

"تو پھر تم بھی وہاں رہ لیتی۔ میں مطمئن ہو جاتا۔" لہجے میں پریشانی تھی۔

"میری جان! میری اتنی فکر مت کرو۔" وانیہ نے چاشنی بھرے لہجے میں کہا تھا۔ حاتم کے لبوں پر مسکراہٹ بکھری تھی۔

"تمہیں تو پتا ہے نا کہ گھر کے ہزار کام ہوتے ہیں، اب روز روز میکے تو نہیں جا کر بیٹھ سکتی۔"

"ہمم! ویسے کیا کر رہی ہو؟"

"کیا کروں گی اس وقت، ظاہر ہے کھانا بنا رہی ہوں۔"

"کھانے میں کیا بنا رہی ہو؟"

"بریانی بنا رہی ہوں میری جان!" وانیہ نے دانت پر دانت جمائے کہا تھا۔

"پھر تو مجھے ہونا چاہیئے۔"

"مگر تم تو مصروف ہو نا؟"

"ہاں وہ تو ہے۔" کچھ دیر مزید بات چیت کے بعد وانیہ نے فون رکھ دیا تھا۔

"کیا عذاب ہے یہ....؟" وہ لاؤنج میں مختلف کیمیکلز پھیلا کر بیٹھی تھی۔ آج پانچویں دفعہ اس کا تجربہ ناکام ہوا تھا۔

"میں ہار تو ہرگز نہیں مانوں گی۔ کچھ نا کچھ نیا تو میں کر کے رہوں گی۔" اس نے عزم سے کہا تھا۔

"لیکن فلحال تو میں بہت تھک گئی ہوں۔ مجھے تھوڑی دیر ریلیکس ہونا ہے۔" اس نے منہ بسورے نظریں ادھر ادھر گھمائی تھیں۔ اچانک ہی لبوں پر شیطانی مسکراہٹ بکھری تھی۔

"عمر اور بھائی کا اکاؤنٹ ہیک کرتی ہوں۔" چٹکی بجاتے وہ اٹھی تھی۔

"اللہ پاک مجھے معاف کر دینا مگر میں سچ میں کچھ غلط نہیں کر رہی۔ مجھے اس وقت پیسوں کی بہت ضرورت ہے۔ مجھے کچھ کیمیکلز اور ڈیوائسز خریدنی ہیں۔" دعا مانگتے اب وانیہ نے اپنا لیپ ٹاپ اٹھایا تھا۔

---

وہ گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا جب اس کا فون بجا تھا۔

"نائل کہاں ہیں آپ؟" سنیہا کی پریشان کن آواز سپیکر سے ابھری تھی۔

"ایک بہت ضروری میٹنگ کے سلسلے میں جا رہا ہوں، دو تین گھنٹے تک آ جاؤں گا۔ کوئی کام ہے؟"

"جی وہ آتے ہوئے سیریلیک لیتے آئیں گا۔"

"سنیہا اب تم سیریلیک کھاؤ گی؟" نائل کے لہجے میں حیرانگی تھی۔

"اپنے لیے نہیں حازم کے لیے کہہ رہی ہوں۔" وہ تپ کر بولی تھی۔

"اوو اچھا!" وہ مطمئن ہوا تھا۔"

"اچھا تم رات کے کھانے کی تیاری کر لو۔ میں نے وانیہ اور حاتم کو بلایا ہے۔"

"مگر حاتم تو یہاں پر نہیں ہے۔"

"اس کی تم فکر مت کرو۔ مجھے پتا ہے کس بل میں چھپا ہے۔ بس تم ڈنر کی تیاری کرو۔"

"جہاں تک مجھے یاد ہے، آج کا ڈنر تو آپ نے نہیں بنانا تھا۔" وہ کل ساری رات گھر نہیں آیا تھا جس کی سزا کے طور پر اسے آج ڈنر بنانا تھا۔

"تم میری اچھی والی بیوی نہیں ہو؟ دوسروں کے سامنے عزت رکھ لونا، میں صبح ناشتہ بنادوں گا۔" نائل کے انداز پر وہ ہنس دی تھی۔

"بنا ہی نا دیں آپ مجھے ناشتہ...." سنیہا نے سر جھٹکا تھا۔

"تم مجھے انڈر ریسٹیمیٹ کر رہی ہو۔ اب تو کل صبح کا ناشتہ میں ہی بناؤں گا اور تم سے زیادہ اچھا بناؤں گا۔" اگر یہ چیلنج تھا تو نائل آفندی کو قبول تھا۔

"چلیں دیکھتے ہیں۔" سنیہا کو اچھے سے پتا تھا کہ وہ بس باتیں ہی بنا سکتا ہے، کھانا نہیں....

"فی امان اللہ!" سنیہا نے فون رکھ دیا تھا۔

نائل نے گاڑی ایک بلڈنگ کے باہر روکی تھی۔ اب وہ آگے کی جانب چلتا ایک فلیٹ میں گیا تھا۔

"کیسے ہیں آپ چیف؟" نائل نے خوشگواریت سے کہا تھا۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں اور اب وقت آگیا ہے نئے کیس پر کام کرنے کا میجر نائل آفندی!" چیف مسکراتے ہوئے اس کی جانب بڑھے تھے۔

"اس کے بعد تمہاری پروموشن پکی۔"

"رہنے دیں، پچھلے دو سال سے یہی سن رہا ہوں میں..." نائل نے گو کہ ناک سے مکھی اڑائی تھی۔

"تمہارا کام ہی اتنا اچھا ہے، دل ہی نہیں چاہتا کہ تمہیں اگلے منصب پر فائز کریں۔"

"ویسے اگلا کیس ہے کیا؟"

"چالیسویں شادی کرنی ہے تم نے.... یہ لڑکی کی تصویر ہے۔" نائل نے تصویر ہاتھ میں پکڑی تھی۔

"خاص بات یہ ہے کہ تمہیں اسے مارنا نہیں بلکہ ٹریپ کرنا ہے۔ ملیشیاء کے بہت بڑے بزنس مین کی بیٹی ہے۔ اباؤاجداد پاکستان سے ہی ہیں۔ بظاہر اپنے باپ کے ساتھ بزنس کرتی ہے مگر درحقیقت یہ لوگ بڑے

پیمانے پر منشیات فروشی کرتے ہیں۔ان کے خلاف آج تک کوئی ثبوت نہیں ملا۔" نائل نے بغور تصویر کا جائزہ لیا تھا۔

" مجھے لگتا ہے میں نے ایجنسی صرف شادیاں کرنے کے لیے جوائن کی تھی۔" تصویر کو میز پر رکھتے اس نے گہری سانس خارج کی تھی۔

" ایسا ہی ہے۔" چیف نے تائید کی تھی۔

کچھ دیر مزید بات چیت کے بعد وہ وہاں سے چلا گیا تھا۔

---

رات کے وقت وہ ملازموں کے ساتھ کچن میں کھڑی کام کر رہی تھی جب نائل آہستگی سے اس کے پیچھے آیا تھا۔

"سنیہا....!" وہ کرنٹ کھا کر اچھلی تھی۔

"کسی دن ہارٹ اٹیک دے گے آپ مجھے...."سنیہا نے ہاتھ میں موجود چمچ زور سے اسے مارا تھا۔

"ایک اجازت چاہیئے تھی۔"اس کے قریب آتے نائل نے اپنے دونوں بازو اس کی گردن کے گرد حمائل کیے تھے۔ملازموں کو تو وہ کب کا بھیج چکا تھا۔

"کیا...؟"سنیہا نے نا سمجھی سے پوچھا تھا۔

" چالیسویں شادی کرنے جا رہا ہوں، کر لوں؟"

" مذاق کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔"سنیہا نے اسے خود سے دور دھکیلا تھا۔

"تو پھر اجازت ہے؟"

"ہاں ہے، جائیں کر لیں جا کر...." وہ تنگ آ کر بولی تھی۔نائل مطمئن ہو گیا تھا۔سنیہا نے خود ہی اسے اجازت دے دی تھی۔

"سسسی...." وہ سلاد تیار کر رہی تھی جب اس کے ہاتھ پر کٹ لگ گیا تھا۔

"کیا ہوا؟" وہ فکر مندی سے گویا ہوا تھا۔

"وہ یہ...."

"اندھی ہو تم، دیکھ کر کام نہیں کر سکتی۔ پھوہڑ کہیں کی...." اس پر غصہ ہوتے وہ فرسٹ ایڈ باکس لایا تھا۔

"اس کی ضرورت...."

"مجھے آواز نا آئے اب تمہاری....!" اسے سخت تنبیہہ کرتے اب وہ اس کی انگلی پر مرہم لگا رہا تھا۔ چور نگاہوں سے اسے دیکھتے وہ دل ہی دل میں مسکرا دی تھی۔

"اب تو میں بھی نہیں چاہتی کہ ہماری اولاد ہو۔" سنیہا کی آواز پر نائل نے چونک کر اسے دیکھا تھا۔

"ہمارے بچوں کی آنکھیں اگر میرے جیسی ہوئیں پھر...."

"پھر کیا....؟" نائل نے عام سے انداز میں پوچھا تھا۔

"تو آپ انہیں پیار نہیں کریں گے نا۔"

"اور میں ایسا کیوں نہیں کروں گا؟"

"کیونکہ آپ کو میری آنکھیں نہیں پسند...." وہ نظریں جھکائے گویا ہوئی تھی۔

"اور یہ تم سے کس نے کہا؟" اس بات پر سنیہا نظریں اٹھانے پر مجبور ہو گئی تھی۔

"مجھے یہ پسند ہیں کیونکہ یہ تمہاری آنکھیں ہیں۔ مجھے یہ پسند ہیں کیونکہ یہ معصوم اور بے قصور ہیں۔" وہ اپنی آواز سے اس پر ایک سر پھونک رہا تھا۔ وہ اس کے دل کا بوجھ ہلکا کر رہا تھا۔

"میری بیوی کی آنکھیں بہت خوبصورت ہیں۔" اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لیے نائل نے باری باری اس کی دونوں آنکھوں پر بوسہ دیا تھا۔ وہ روتے ہوئے اس کے گلے سے لگی تھی۔ نائل نے بھی مسکرا کر اس کے گرد حصار قائم کیا تھا۔

وہ بے قصور تھی یہ بات وہ شروع سے جانتا تھا مگر تھا تو وہ بھی انسان ہی.... اس نے ہارون کا غصہ سنیہا پر اتارنا چاہا تھا۔ وہ جب جب اسے دیکھتا تھا، اسے ہارون یاد آتا تھا اور وانیہ کی بتائی گئی ہر ایک بات.... مگر وقت رہتے ہی اسے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا۔ کسی کے گناہوں کی سزا کسی اور کو نہیں دی جا سکتی۔

کوئی بھی بیٹی اپنے باپ کے گناہوں کا بوجھ اٹھانے کی ذمہ دار نہیں ہے۔ ہر کوئی اپنے اعمال کا جواب دہ خود ہے۔

تھوڑی دیر میں وانیہ اور حاتم بھی آ گئے تھے۔ سب نے ساتھ مل کر رات کا کھانا کھایا تھا۔

کھانے کے بعد وہ لوگ لاؤنج میں بیٹھے میٹھے کا انتظار کر رہے تھے۔ وانیہ سنیہا کے ساتھ کچن میں مدد کر رہی تھی۔

"بی بی جی! میں تو اللہ تعالیٰ سے روز دعا کرتی ہوں کہ جلدی سے آپ کی گود بھی ہری ہو جائے۔" ملازمہ نے مسکرا کر دعا دی تھی۔

"میں تو چاہتی ہوں کہ آپ کی ایک پیاری سی بیٹی ہو پھر حازم صاحب کی ان سے شادی ہو جائے۔" وہ اپنی ہی دھن میں بولے چلی جا رہی تھی جب سنیہا نے اسے ٹوکا تھا۔

"ہم ایسا کچھ نہیں کریں گے۔ جو ہمارے ساتھ ہوا، وہ ہم اپنی اولاد کے ساتھ نہیں کریں گے۔"

"بھابھی بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ ہم اپنی اولاد کی بہترین پرورش کریں گے اور اپنے لیے جیون ساتھی چننے کا حق انہیں خود دیں گے۔ پہلے وہ اپنی تعلیم مکمل کریں گے اور اس کے بعد ہی شادی ہو گی۔" وانیہ نے بھی گفتگو میں اپنا حصہ ڈالا تھا۔ سنیہا نے اس کی بھرپور تائید کی تھی۔

وہ لوگ ہاتھ میں ڈش پکڑے اب لاؤنج کی جانب بڑھے تھے۔

چھوٹی موٹی نوک جھوک تو ہر گھر میں ہی ہوتی رہتی ہے۔ یہ ایک خوشحال خاندان کی ضمانت ہے۔ ایک دوسرے کے ساتھ، ایک خاندان بن کر وہ لوگ بہت خوش تھے۔ جو غلطیاں ان کے والدین سے ہوئی تھیں، ان غلطیوں کو نا کرنے کا عہد کرتے وہ اپنی زندگی میں آگے بڑھ رہے تھے۔

ہر چائلڈ میرج کامیاب ہو ایسا ضروری نہیں.... وقت کے ساتھ ساتھ سوچ بھی تبدیل کرنے کی ضرورت ہے۔ بچوں کے بالغ ہونے سے پہلے ان کے پیروں میں ذمہداریوں کی بیڑیاں نہیں ڈالنی چاہیئے۔ والدین کو اپنی اولاد کی بہترین پرورش کرنی چاہیئے اور انہیں صحیح اور غلط سکھانا چاہیئے۔ پسند کی شادی کی اجازت تو مذہب بھی دیتا ہے۔ لہذا ان کی شادی کرنے سے پہلے اس کی مرضی ضرور پوچھی جائے۔

"وانیہ بی بی! کسی نے آپ کے لیے پھول بھیجے ہیں۔"

"میرے لیے....؟" وہ حیرانگی سے اٹھ کر گئی تھی۔

گلاب کے پھولوں کی خوشبو اپنے اندر اتارتے وانیہ کے لب مسکرائے تھے۔

"یہ کس نے بھیجا ہے؟" اب وہ بکے کو الٹ پلٹ کر دیکھ رہی تھی۔

"کیسا جا رہا ہے تمہارا سفر مس پاکستانی؟" وانیہ کے ہاتھ سے بکے چھوٹ کر گرا تھا۔

"احمر....!" اس کے لب ہلے تھے۔ اب وہ بھاگتی ہوئی باہر لان میں گئی تھی۔ اس نے متلاشی نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھا تھا۔ لان کا سفر طے کرتے وہ اب گھر سے باہر گئی تھی۔

"یہ بکے کس نے بھیجا؟" وہ پریشانی کے عالم میں گارڈ سے پوچھ رہی تھی۔

"میڈم یہ کوئیر والا دے کر گیا ہے۔"

"نین تم یہاں کیا کر رہی ہو؟" حاتم کی آواز پر وہ چونک کر مڑی تھی۔

"وہ میں....!"

"چلو اندر چلیں۔" وہ اسے اپنے ساتھ لیے اندر جا رہا تھا۔ وہ بھی خان خیالی کی حالت میں اس کے ساتھ جا رہی تھی۔

"نجانے کیوں میرا دل نہیں مانتا کہ وہ غیر مسلم تھا۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے حاتم کی آنکھوں میں بھی دھول جھونکی ہو۔ ہو سکتا ہے کہ یہ جھوٹ ہو۔ میں جانتی ہوں احمر کہ تم نے مجھے یہ پھول کیوں بھیجے ہیں، محض اس لیے تاکہ میں تمہیں بھول نا سکوں۔"

"کہاں گم ہو نین؟" حاتم کی آواز پر وہ ہوش میں آئی تھی۔

"کہیں نہیں....!" سر جھٹکتے مسکرا کر وہ اس کے ساتھ آگے بڑھ رہی تھی۔

پھولوں کا بکے وہیں زمین پر پڑا ہوا تھا۔

"میں بہت جلد تمہیں یہاں سے لے جاؤں گا۔ کہیں بہت دور.... ایک نئے سفر پر...." گھر کی پچھلی دیوار کے پاس کھڑے شخص نے اب آگے کی جانب اپنے قدم بڑھائے تھے۔ آفندی ہاؤس کی جانب اس کی پشت تھی۔ وہ اب زرد بکھرے پتوں پر چلتا دھند میں کہیں غائب ہو گیا تھا۔

بعض کردار پہیلی سے کم نہیں ہوتے مگر یہی کردار انسان کے ذہن پر ایسے اثر انداز ہوتے ہیں کہ وہ کبھی انہیں بھول نہیں سکتا۔ کچھ لوگ آپ کی زندگی میں بہت کم وقت کے لیے آتے ہیں لیکن آپ کو ہمیشہ یاد رہتے ہیں۔

احمر ایک پہیلی تھا۔ وانیہ نہیں جانتی تھی کہ وہ کون ہے۔ کچھ کردار راز ہی رہیں تو اچھا ہوتا ہے۔ کچھ کہانیاں ادھوری ہی بھلی لگتی ہیں۔

ختم شد